اُردو

فضائلِ صدقات

قسم اعلیٰ

مؤلفہ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

نوّر اللہ مرقدہٗ

ناشر

کتب خانہ فیضی لاہور پاکستان

اردو

فضائل صدقات

حصہ اوّل

مؤلفہ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

کتب خانہ فیضی

لاہور پاکستان

نوٹ: یہ کتاب محدود تعداد میں چھپتی ہے اس لئے بذریعہ ڈاک یا تاجران کو نہیں بھیجی جاتی۔

فہرست فضائل صدقات حصہ اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

اَمَّا بَعْدُ یہ چند اوراق اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فضائل میں ہیں جن کے متعلق اپنے سابقہ رسالہ "فضائل حج" کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ چچا جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کو اس رسالہ کا بہت اہتمام تھا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں بار بار اس کی تاکید فرمائی اور ایک مرتبہ جب کہ عصر کی نماز کھڑی ہو رہی تھی تکبیر ہوتے ہوتے صف سے آگے منہ نکال کر اس ناپاک کو حکم فرمایا کہ دیکھو اس کو بھولنا نہیں۔ اس زمانہ میں چچا جان علالت کی وجہ سے خود امامت نہ کرتے تھے، اسلئے مقتدیوں کی صف ہی میں وہ بھی شریک تھے۔ اتنے اصرار اور تاکید کے باوجود اپنی کوتاہی سے اس میں تاخیر ہوتی ہی چلی گئی اور نہ صرف تاخیر بلکہ تقریبًا التواء ہی ہو گیا تھا۔

کہ مُقَدَّرات سے شوال ۱۳۶۶ھ میں نظامُ الدین کا طویل قیام پیش آیا، جیسا کہ رسالہ "فضائل حج" کے ابتداء میں لکھ چکا ہوں اور اس رسالہ کے اختتام کے بعد بھی جب سہارن پور واپسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، تو ۲۴ شوال ۱۳۶۶ھ چہارشنبہ کو اس رسالہ کی ابتداء کر دی گئی۔ حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے اس لطف و انعام اور کرم سے جو میری گندگیوں کے باوجود دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے روز افزوں ہیں، اس کو تکمیل کو پہنچا کر قبول فرمائے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ط

اس رسالہ میں سات فصلیں لکھنے کا خیال ہے۔ پہلی فصل میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے فضائل، دوسری فصل میں بخل کی مذمت، تیسری فصل میں صلہ رحمی کا خصوصی اہتمام، چوتھی فصل میں زکوٰۃ کا وجوب، اور پانچویں فصل میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدیں، چھٹی فصل میں زہد و قناعت اور سوال نہ کرنے کی ترغیب، ساتویں فصل میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی حکایات۔

فصل اوّل

مال خرچ کرنے کے فضائل میں

اللہ کے پاک کلام اور اس کے سچے رسول سیّد البشرؐ کے ارشادات میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اتنے کثرت سے وارد ہیں کہ حد نہیں۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہے ہی نہیں، یہ پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے۔ جتنی کثرت سے اس مسئلہ پر ارشادات ہیں ان کا دسواں بیسواں حصہ بھی جمع کرنا مشکل ہے نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث کا ترجمہ اپنی عادت کے موافق پیش کرتا ہوں۔

آیات

(١) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (بقرہ۔ ع ١)

(یہ کتاب یعنی قرآن شریف) راستہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو جو یقین لاتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اسمیں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں (ایمان لاتے ہیں) اس کتاب پر بھی جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اس صحیح راستہ پر ہیں جو انکے رب کی طرف سے ملا ہے اور یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔

ف: اس آیت شریفہ میں کئی مضمون قابلِ غور ہیں۔

(الف) راستہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، یعنی جس کو مالک کا خوف نہ ہو، مالک کو مالک نہ جانتا ہو، وہ اپنے پیدا کرنے والے سے جاہل ہو، اس کو قرآن پاک کا بتایا ہوا راستہ کب نظر آسکتا ہے، راستہ اسی کو نظر آتا ہے جس میں دیکھنے کی صلاحیت بھی ہو جس میں دیکھنے کا ذریعہ آنکھ ہی نہ ہو، وہ کیا دیکھے گا۔ اسی طرح جس کے دل میں مالک کا خوف ہی نہ ہو وہ مالک کے حکم کی کیا پرواکرے گا۔

(ب) نماز کو قائم رکھنا یہ ہے کہ اس کو اس کے آداب اور شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے پابندی اور اہتمام سے ادا کرے، جس کا تفصیلی بیان رسالہ فضائل نماز میں گذر چکا ہے۔ اس میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ نماز کو قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرے۔ ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ نماز کا قائم کرنا، اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع و سجود کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔

(ج) فلاح کو پہنچنا بہت اونچی چیز ہے۔ فلاح کا لفظ جہاں کہیں آتا ہے وہ اپنے مفہوم میں دین اور دنیا کی بہبود اور کامیابی کو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ دنیوی فلاح اُن خوبیوں کا حاصل کرلینا ہے جن سے دنیوی زندگی بہترین بن جائے اور وہ بقاء اور غنیٰ اور عزت ہیں، اور اخروی فلاح چار چیزیں ہیں، وہ بقا جس کو کبھی فنا نہ ہو، وہ تونگری جس میں فقر کا شائبہ نہ ہو، وہ عزت جس میں کسی قسم کی ذلت نہ ہو، وہ علم جس میں جہل کا دخل نہ ہو، اور جب فلاح کو مطلق بولا گیا تو اس میں دین و دنیا دونوں کی فلاح آگئی۔

(۲) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	سارا کمال اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر، اور اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو، اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور (لاچاری میں) سوال کرنے والوں

ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (الآیۃ - سورۃ بقرہ - ع ۲۲)

کو اور قیدیوں اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو کہ اصل کمالات یہ چیزیں ہیں۔ (آیت شریفہ میں ان کی بعض اور صفات کا ذکر فرما کر ارشاد ہے) کہ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

ف: حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف نماز پڑھتے تھے، اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور بھی متعدد حضرات سے اس قسم کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ (درمنثور) امام جصاصؒ نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود اور نصاریٰ پر ردّ ہے کہ جب انہوں نے قبلہ کے منسوخ ہونے (یعنی بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینے) پر اعتراض کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نیکی اللہ کی اطاعت میں ہے بغیر اسکی اطاعت کے مشرق و مغرب کی توجہ کوئی چیز نہیں ہے (احکام القرآن) "اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو" کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں اللہ جل شانہٗ کی محبت اور خوشنودی کی وجہ سے خرچ کرے، نام و نمود اپنی شہرت وعزت کی وجہ سے خرچ نہ کرے کہ اس ارادہ سے خرچ کرنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہے۔ اپنا مال بھی خرچ کیا اور اللہ جل شانہٗ کے یہاں بجائے ثواب کے گناہ ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے (کہ کتنا خرچ کیا) بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ (کہ کس نیت اور کس ارادہ سے خرچ کیا) (مشکوٰۃ) - ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے تم پر بہت زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دکھلاوے کے لئے عمل کرنا۔ احادیث میں بہت کثرت سے دکھاوے کے لئے خرچ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے جو آئندہ آئے گی۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ آیت شریفہ میں اللہ کی محبت میں دینا مراد ہو۔ بعض علماء نے خرچ کرنے کی محبت کا ترجمہ کیا ہے یعنی جو خرچ کیا ہے اس پر مسرور ہو یہ نہ ہو کہ اس وقت تو خرچ کر دیا، پھر اس پر قلق ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں خرچ کر دیا کیسی ہو توفی

ہوئی روپیہ کم ہوگیا وغیرہ وغیرہ (احکام القرآن) اور اکثر علماء نے مال کی مَحبّت کا ترجمہ کیا ہے یعنی باوجود مال کی مَحبّت کے ان مواقع میں خرچ کرے۔ ایک حدیث میں ہے کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مال کی مَحبّت کا کیا مطلب ہے مال سے تو ہر ایک کو مَحبّت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو مال خرچ کرے تو اس وقت تیرا دل تیری اپنی ضرورتیں جتلائے اور اپنی حاجت کا ڈر دل میں پیدا ہو کہ عمر ابھی بہت باقی ہے۔ مجھے احتیاج نہ ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے حضور اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو ایسے وقت میں خرچ کرے جب تندرست ہو، اپنی زندگی اور بہت زمانہ تک دنیا میں رہنے کی اُمید ہو، ایسا نہ کر کہ صدقہ کرنے کو ٹالتا رہے یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے اور موت کا وقت قریب آجائے تو کہنے لگے کہ اتنا فلاں کو دیا جائے اور اتنا فلانی جگہ دیا جائے کہ اب تو وہ فلاں کا ہوگیا (درِ منثور) مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سے مایوسی ہوگئی اور اپنی ضرورت اور حاجت کا ڈر نہ رہا تو آپ نے کہنا شروع کردیا کہ اتنا فلاں مسجد میں اتنا فلاں مَدرسہ میں۔ حالانکہ اب وہ گویا وارث کا مال بن گیا۔ اب حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ ہے۔ جب تک اپنی ضرورتیں وابستہ تھیں تب تو خرچ کرنے کی توفیق نہ ہوئی اب جب کہ وہ دوسرے کے یعنی وارث کے پاس جانے لگا تو آپ کو اللہ واسطے دینے کا جذبہ پیدا ہوا اسی واسطے شریعتِ مُطَہّرہ نے حکم دے دیا کہ مرتے وقت کا صدقہ ایک تہائی مال میں اثر کر سکتا ہے اگر کوئی اس وقت سارا مال بھی صدقہ کرکے مرجائے تو وارثوں کی اجازت بغیر تہائی سے زیادہ میں اس کی وصیت معتبر نہ ہوگی۔

اس آیت شریفہ میں مال کو یتامیٰ مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے کو مُستقل طور پر ذکر فرمایا ہے اور آخر میں زکوٰۃ کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخراجات زکوٰۃ کے علاوہ باقی مال میں سے ہیں۔ اس کا بیان احادیث کے ذیل میں نمبر ۲ پر آرہا ہے۔

(۳) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (بقرہ-ع ۲۴)	اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپکو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور (خرچ وغیرہ کو) اچھی طرح کیا کرو۔ بیشک حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

ف: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو یہ فقر کے ڈر سے اللہ کے راستہ میں خرچ کا چھوڑ دینا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہلاکت میں ڈالنا یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے راستہ میں قتل ہو جائے بلکہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ سے رُک جانا ہے۔ حضرت ضحاک بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ انصار اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرتے تھے اور صدقہ کیا کرتے تھے۔ ایک سال قحط ہو گیا، اُن کے خیالات بُرے ہو گئے اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چھوڑ دیا اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت اسلمؒ کہتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک تھے۔ کُفار کی بہت بڑی جماعت مُقابلہ پر آگئی۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص تلوار لے کر ان کی صف میں گھس گیا، دوسرے مسلمانوں نے شور کیا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

حضرت ابُو ایُّوب انصاریؓ بھی اس جنگ میں شریک تھے۔ وہ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے تم اس آیت شریفہ کا یہ مطلب بتاتے ہو یہ آیت تو ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ بات یہ ہوئی تھی کہ جب اسلام کو فروغ ہونے لگا اور دین کے حامی بہت سے پیدا ہو گئے تو ہماری یعنی انصار کی چُپکے چُپکے یہ رائے ہوئی کہ اب اللہ جل شانُہٗ نے اسلام کو غلبہ تو عطا فرما ہی دیا اور لوگوں میں دین کے مددگار بہت سے پیدا ہو گئے۔ ہمارے اَموال کھیتیاں وغیرہ عرصے سے خبرگیری پوری نہ ہو سکنے کی وجہ سے برباد ہو رہی ہیں ہم انکی خبرگیری اور اصلاح کرلیں۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالنا، اپنے اموال کی اصلاح میں مشغول ہو جانا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے۔ (درمنثور)

(۴) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (بقرہ۔ ع ۲۷)

لوگ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ (خیرات میں) کتنا خرچ کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔

ف: یعنی مال تو خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے۔ جتنی اپنی ضرورت ہو اس کے مُوافق رکھ کر جو زائد ہو وہ خرچ کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اپنے اہل و عیال کے خرچ سے جو بچے وہ عفو ہے۔ حضرت ابُو اُمامہؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اے آدمی جو تجھ سے زائد ہے اس کو تو خرچ کر دے، یہ بہتر ہے تیرے لئے۔ اور تو اس کو روک کر رکھے یہ تیرے لئے

بُرا ہے۔ اور بقدرِ ضرورت پر کوئی ملامت نہیں اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کر جو تیرے عیال میں ہیں، اور اُونچا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے اس ہاتھ سے جو نیچے ہو (یعنی لینے کے لئے پھیلا ہوا ہو) حضرت عطاءؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ عفو سے مراد ضرورت سے زائد ہے (درمنثور)

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس سواری زائد ہو وہ ایسے شخص کو سواری دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ ایسے شخص کو توشہ دے جس کے پاس توشہ نہ ہو (حضورؐ نے اس قدر اہتمام سے یہ بات فرمائی) ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ کسی شخص کا اپنے کسی ایسے مال میں حق ہی نہیں ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو۔ (ابو داؤد) اور کمال کا درجہ ہے بھی یہی کہ آدمی کی اپنی واقعی ضرورت سے زائد جو چیز ہے وہ خرچ ہی کرنے کے واسطے ہے۔ جمع کر کے رکھنے کے واسطے نہیں ہے۔ بعض علماء نے عفو کا ترجمہ سہل کا کیا ہے یعنی جتنا آسانی سے خرچ کر سکے کہ اس کو خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دُنیوی تکلیف میں مبتلا نہ ہو اور دوسرے کا حق ضائع ہونے سے آخرت کی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ بعض آدمی اس طرح صدقہ کرتے تھے کہ اپنے کھانے کو بھی ان کے پاس نہ رہتا تھا حتّٰی کہ دوسرے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی نوبت آجاتی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں تشریف لائے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں سے کپڑا خیرات کرنے کو ارشاد فرمایا۔ بہت سے کپڑے چندہ میں جمع ہو گئے۔ حضورؐ نے ان میں سے دو کپڑے ان صاحب کو عطاء فرما دیئے۔ اس کے بعد پھر حضورؐ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی، اور لوگوں نے صدقہ کا مال دیا تو ان صاحب نے بھی دو کپڑوں میں سے ایک صدقہ میں دے دیا تو حضورؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا اور ان کا کپڑا واپس فرما دیا۔ (درمنثور)

قرآنِ پاک میں اپنی احتیاج کے باوجود خرچ کرنے کی ترغیب بھی آئی ہے لیکن یہ انہیں لوگوں کے لئے ہے جو اس کو بشاشت سے برداشت کر سکتے ہوں، ان کے دلوں میں واقعی طور پر آخرت کی اہمیت دنیا پر غالب آگئی ہو۔ جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ط وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○

(سورۂ بقرہ۔ رکوع ۳۲)

کون ہے ایسا شخص جو اللہ جل شانہٗ کو قرض دے اچھی طرح قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اسکو بڑھا کر بہت زیادہ کرئے (اور خرچ کرنے سے تنگی کا خوف نہ کرو) کہ اللہ جل شانہٗ ہی تنگی اور فراخی کرتے ہیں (اسی کے قبضہ میں ہے) اور اسی کی طرف (مرنے کے بعد) لوٹائے جاؤگے۔

ف: اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کو قرض سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے قرض کی ادائیگی اور واپسی ضرور ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا اجر وثواب اور بدلہ ضرور ملتا ہے اس لئے اس کو قرض سے تعبیر کیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح انصاریؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ، اللہ جل شانہٗ ہم سے قرض مانگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔ وہ عرض کرنے لگے اپنا دستِ مبارک مجھے پکڑا دیجئے (تاکہ میں آپ کے دستِ مبارک پر ایک عہد کروں) حضورؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے معاہدے کے طور پر حضورؐ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے اپنا باغ اپنے اللہ کو قرض دیدیا۔ ان کے باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے۔ یہاں سے اٹھ کر پھر اپنے باغ میں گئے اور اپنی بیوی ام دحداحؓ سے آواز دے کر کہا کہ چلو اس باغ سے نکل چلو، یہ باغ میں نے اپنے رب کو دیدیا۔ دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اس باغ کو چند یتیموں پر تقسیم کردیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الاٰیۃ۔ جو ایک نیکی کرے اس کو دس گنا ثواب ملے گا۔ تو حضورؐ نے دعا کی کہ یا اللہ میری امت کا ثواب اس سے بھی زیادہ کردے اس کے بعد یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ نازل ہوئی۔ حضورؐ نے پھر دعا کی۔ یا اللہ میری امت کا ثواب اور بھی زیادہ کردے پھر مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الاٰیۃ جو آگے آرہی ہے نازل ہوئی۔ حضورؐ نے پھر دعا کی۔ یا اللہ میری امت کا ثواب بڑھادے

اس پر اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (زمر-ع ۲) نازل ہوئی کہ صبر کرنے والوں کو ان کا ثواب پورا پورا دیا جائے گا جو بے اندازہ اور بے شمار ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کون ہے جو آج قرض دے اور کل کو پورا بدلہ لے لے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ اے آدمی اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھا دے نہ اس میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے نہ غرق ہو جانے کا، نہ چوری کا۔ میں اسے [illegible] تجھ کو پورا کا پورا واپس کروں گا جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی۔ (درمنثور)

(۶) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط (بقرہ-ع ۳۴)

اے ایمان والو خرچ کر لو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو سکتی ہے، نہ دوستی ہوگی نہ کسی کی (اللہ کی اجازت بغیر) سفارش ہوگی۔

ف: یعنی اس دن نہ تو خرید و فروخت ہے کہ کوئی اس دن دوسروں کی نیکیاں خرید لے، نہ دوستی ہے کہ تعلقات میں کوئی دوسرے سے نیکیاں مانگ لے، نہ بغیر اجازت کے سفارش کا کسی کو حق ہے کہ اپنی طرف سے منت سماجت کر کے سفارش ہی کرالے، غرض جتنے اسباب دوسرے سے اعانت حاصل کرنے کے ہوا کرتے ہیں وہ سب ہی اس دن مفقود ہوں گے۔ اس دن کے واسطے کچھ کرنا ہے تو آج کا دن ہے، جو بونا ہے بو لیا جائے۔ اس دن تو کھیتی کے کاٹنے ہی کا دن ہے۔ جو بویا گیا ہے وہ کاٹ لیا جائے گا۔ غلہ ہو یا پھول کانٹے ہوں یا ایندھن، ہر شخص خود ہی غور کر لے کہ وہ کیا بو رہا ہے۔

(۷) مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط

جو لوگ اللہ کے راستے میں (یعنی خیر کے کاموں میں) اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو جس میں سات بالیں اُگی ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (تو ایک دانے سے سات سو دانے مل گئے) اور اللہ

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○
(سورہ بقرہ۔ رکوع ۳۶)

جلّ شانہٗ جس کو چاہے مزید زیادہ عطا فرماتے ہیں اللہ جلّ شانہٗ بڑی وسعت والے ہیں (ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں) اور جاننے والے ہیں (کہ خرچ کرنے والے کی نیت کا حال بھی ان کو خوب معلوم ہے)۔

ف: ایک حدیث میں آیا ہے کہ اعمال چھ۶ قسم کے ہیں اور آدمی چار قسم کے ہیں اعمال کی چھ۶ قسمیں یہ ہیں کہ دو۲ عمل تو واجب کرنے والے ہیں اور دو۲ عمل برابر سرابر ہیں اور ایک عمل دس۱۰ گنا ثواب رکھتا ہے اور ایک عمل سات سَو گنا ثواب رکھتا ہے جو واجب کرنے والے ہیں وہ تو یہ ہیں کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو، وہ جنت میں داخل ہو کر رہے گا۔

اور جو ایسی حالت میں مرے کہ شرک کرتا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا اور برابر سرابر یہ ہیں کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے اس کو ایک ثواب ملتا ہے اور جو گناہ کرے اسکو ایک بدلہ ملتا ہے۔ اور جو شخص کوئی نیکی کرے اس کو دس۱۰ گنا ثواب ملتا ہے، اور جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے اس کو ہر خرچ کا سات سَو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور آدمی چار طرح کے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی وُسعت ہے آخرت میں بھی، دوسرے وہ جن پر دنیا میں وُسعت آخرت میں تنگی، تیسرے وہ جن پر دنیا میں تنگی آخرت میں وُسعت، چوتھے وہ جن پر دنیا میں بھی تنگی آخرت میں بھی تنگی۔ (کنز العمال) کہ یہاں کے فقر کے ساتھ اعمال بھی خراب ہوئے، جن کی وجہ سے وہاں بھی کچھ نہ ملا، دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئے حضرت ابُوہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک کھجور کے بقدر بھی صدقہ کرے بشرطیکہ طیب مال سے ہو خبیث مال نہ ہو، اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ طیب مال کو ہی قبول کرتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ اس صدقہ کی پرورش کرتے ہیں جیسا کہ تم لوگ اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو حتّٰی کہ وہ صدقہ بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ثواب کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ اُحد کے پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اُحد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا بہت بڑا پہاڑ ہے۔ اس صورت میں سات سَو سے بہت زیادہ اجر و ثواب ہو جاتا

ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سات سو گنے والی آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اللہ جَلَّ شانُہٗ سے ثواب کے زیادہ ہونے کی دُعا کی۔ اس پر پہلی آیت نمبر۵ والی نازل ہوئی (بیانُ القرآن) اس قول کے موافق اس آیت شریفہ کا نزول مُقدّم ہوا۔ دوسری حدیث میں اس کا عکس آیا ہے جیسا کہ پہلے نمبر۵ کے ذیل میں گذرا۔

(۸) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۳۶)

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر نہ تو (جس کو دیا اس پر) احسان جتلاتے ہیں اور نہ (کسی اور طرح) اس کو اَذِیّت پہنچاتے ہیں تو ان کیلئے انکے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور (قیامت کے دن) ان کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ف: یہ آیتِ شریفہ پہلی آیت کے بعد ہی ہے اور اس رکوع میں سارا ہی مضمون اسی کے مُتعلق ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب اور احسان جتا کر اس کو برباد نہ کرنے پر تنبیہ ہے اور کسی اور طرح سے اَذِیّت پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اس احسان کی وجہ سے اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے، اس کو ذلیل سمجھے۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ چند آدمی جنّت میں داخل نہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو اپنے دیئے پر احسان جتلائے۔ دوسرا وہ ہے جو والدین کی نافرمانی کرے۔ تیسرے وہ ہے جو شراب پیتا رہتا ہو وغیرہ وغیرہ (درمنثور)۔ امام غزالیؒ نے احیاء میں صدقہ کے آداب میں لکھا ہے کہ اس کو مَنّ اور اَذیٰ سے برباد نہ کرے۔ مَنّ اور اَذیٰ کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ خود اس سے اس کا تذکرہ کرے اور اَذیٰ یہ ہے کہ اس کا دوسروں سے اظہار کرے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ اس عطا کے بدلہ میں اس سے کوئی بیگار لے اور اَذیٰ یہ ہے کہ اس کو فقیری کا طعنہ دے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ مَنّ یہ ہے کہ اس عطاء کی وجہ سے اپنی بڑائی اس پر ظاہر کرے اور اَذیٰ یہ ہے کہ اس کو سُوال کی وجہ سے جھڑکے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اصل مَنّ یہ ہے کہ اپنے دل میں اپنا

اس پر احسان سمجھے اسی کی وجہ سے پھر اُمورِ بالا ظاہر ہوتے ہیں ۔حالانکہ اس فقیر کا اپنے اوپر احسان سمجھنا چاہیئے کہ اس نے اللہ جل شانہٗ کا حق اس سے قبول کر کے اس کو بری الذمہ بنا دیا ، اور اس کے مال کی پاکی کا سبب بنا اور جہنم کے عذاب سے جو زکوٰۃ کے روکنے کی وجہ سے ہوتا نجات دلائی (احیاء) مشہور محدث امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے ، اس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اس کے منہ پہ مار دیا جاتا ہے (احیاء العلوم) ۔ قیامت کا دن نہایت ہی سخت رنج و غم اور خوف کا دن ہے ، جیسا کہ اس رسالہ کے ختم پر آرہا ہے ۔ اس دن کسی کا بے خوف ہونا ، غمگین نہ ہونا بہت اونچی چیز ہے ۔

(۹) إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (بقرہ ۔ ع ۳۷)

صدقات کو اگر تم ظاہر کر کے دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر تم ان کو چھپا کے فقیروں کو دیدو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیں گے اور اللہ جل شانہٗ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے ۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ ع ۳۸)

جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں رات دن پوشیدہ اور کھلم کھلا ، ان کیلئے ان کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے اور قیامت کے دن نہ ان کو کوئی خوف ہوگا نہ وہ مغموم ہوں گے ۔

ف : ان دونوں آیتوں میں صدقہ کو چھپا کر دینا اور کھلم کھلا ظاہر کر کے دینا ، دونوں طریقوں کی تعریف کی گئی ہے اور بہت سی احادیث اور قرآن پاک کی آیات میں ریا کی یعنی دکھلاوے کے لئے کام کرنے کی برائی اور اس کو شرک بتایا ہے ، اور ثواب کو ضائع کر دینے والا ، بلکہ گناہ کو لازم کر دینے والا بتایا ہے ۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دکھلاوا اور چیز ہے ، اور یہ ضروری نہیں کہ جو کام کھلم کھلا کیا جائے وہ ریا ہی ہو ، بلکہ ریا یہ ہے کہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے واسطے اپنی شہرت کیواسطے

اپنا کمال ظاہر کرنے اور عزت حاصل کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جائے تو وہ ریا ہے۔
اور جو اللہ جل شانہٗ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، اور اللہ کی خوشنودی کسی مصلحت سے اعلان ہی میں ہو تو وہ ریا نہیں ہے۔ اس کے بعد ہر عمل بالخصوص صدقہ میں افضل یہی ہے کہ وہ اخفا کے ساتھ کیا جائے کہ اس میں ریا کا احتمال بھی نہیں رہتا۔ اور صدقہ لینے والے کی ذلت اور اذیت سے بھی امن ہے اور یہ بھی مصلحت ہے کہ اس وقت اگرچہ ریا نہ ہو لیکن جب عام طور سے لوگوں میں سخاوت مشہور ہونے لگے تو عجب اور خود بینی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ لوگوں میں اگر شہرت ہو گی تو پھر بہت سے لوگ سوالات سے پریشان کرنے لگیں گے اور اپنے مالدار ہونے کی شہرت سے دنیوی نقصانات کئی قسم کے پیدا ہونے لگیں گے، حکومت کے ٹیکس، چوروں کی نگاہیں، حاسدوں کی دشمنی۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ صدقہ کا مخفی طور سے دینا ریا اور شہرت سے زیادہ بعید ہے اور حضورؐ کا ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ افضل صدقہ کسی تنگدست کا اپنی کوشش سے کسی نادار کو چپکے سے دے دینا ہے اور جو شخص اپنے صدقہ کا تذکرہ کرتا ہے وہ اپنی شہرت کا طالب ہے اور جو مجمع میں دیتا ہے وہ ریا کار ہے۔
پہلے بزرگ اخفا میں اتنی کوشش کرتے تھے کہ وہ یہ بھی نہیں پسند کرتے تھے کہ فقیر کو بھی اس کا علم ہو کر کس نے دیا۔ اس لئے بعض تو نابینا فقیروں کو چھانٹ کر دیتے تھے اور بعض سوتے ہوئے کی جیب میں ڈال دیتے تھے اور بعض کسی دوسرے کے ذریعے دلواتے کہ فقیر کو پتہ نہ چلے اور اس کو حیا نہ آوے۔ بہر حال اگر شہرت اور ریا مقصود ہے تو نیکی برباد گناہ لازم ہے۔
امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جہاں شہرت مقصود ہو گی وہ عمل بیکار ہو جائے گا اس لئے کہ زکوٰۃ کا وجوب مال کی محبت کو زائل کرنے کے واسطے ہے اور حب جاہ کا مرض لوگوں میں حب مال سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور آخرت میں دونوں ہی ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں لیکن بخل کی صفت تو قبر میں بچھو کی صورت میں مسلط ہوتی ہے اور ریا اور شہرت کی صفت اژدہا کی صورت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ (احیاء العلوم)۔
ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کی برائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا جانے لگے، دینی امور میں اشارہ ہو یا دنیوی امور میں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے

ہیں کہ جو شخص اپنی شہرت کو پسند کرتا ہو اس نے اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ نہیں کیا۔ ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ جل شانہٗ سے سچائی کا معاملہ کرتا ہے، اس کو یہ پسند ہوا کرتا ہے کہ کوئی اس کا گھر بھی نہ جانے کہ کہاں ہے۔ (احیاء العلوم) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت معاذؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیوں رو رہے ہو۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا تھا کہ ریا کا تھوڑا سا حصہ بھی شرک ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے متقی لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو زاویہ خمول میں رہتے ہوں کہ اگر کہیں چلے جاویں تو کوئی تلاش نہ کرے اور مجمع میں آویں تو کوئی ان کو پہچانے بھی نہیں، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوں اور ہر گرد آلود تاریک مقام سے خلاصی پانے والے ہوں (احیاء العلوم)۔ غرض ریا کی مذمت بہت سی آیات اور احادیث میں وارد ہوئی ہے لیکن ان سب کے باوجود کبھی اعلان میں دینی مصلحت ہوتی ہے مثلاً دوسروں کو ترغیب کہ ضرورت کے موقعہ پر ایک آدھ شخص کے صدقہ سے دینی اہم ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں، ایسے وقت میں صدقہ کا اظہار دوسروں کی ترغیب کا سبب بن کر ضرورت کے پورا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک کو آواز سے پڑھنے والا ایسا ہے جیسا اعلان کے ساتھ صدقہ کرنے والا، اور قرآن پاک کو آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا (مشکوٰۃ شریف) کہ قرآن پاک کا بھی مقتضائے وقت کے مناسب کبھی آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے اور کبھی آہستہ پڑھنا۔ پہلی آیت شریفہ کے متعلق بہت سے علماء سے نقل کیا گیا کہ اس آیت شریفہ میں صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقہ نفل، دونوں کا بیان ہے، اور صدقہ فرض کا اعلان سے ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ اور فرائض کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا اعلان کے ساتھ کرنا افضل ہے اس لئے کہ اس میں دوسروں کی ترغیب کے ساتھ اپنے اوپر سے اس الزام اور اتہام کا دفع کرنا مقصود ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے دوسری مصالح کے علاوہ نماز میں جماعت مشروع ہوئی کہ اس میں اس کے ادا کرنے کا اعلان ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ علامہ طبریؒ وغیرہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ صدقہ فرض میں اعلان افضل ہے اور صدقہ نفل میں اخفاء

افضل ہے۔ زین بن المنیرؒ کہتے ہیں کہ یہ حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حاکم ظالم ہوں اور زکوٰۃ کا مال مخفی ہو تو زکوٰۃ کا اخفاء اولیٰ ہوگا اور اگر کوئی شخص مقتدا ہے، اس کے فعل کا لوگ اتباع کریں گے تو صدقہ نفل کا بھی اعلان اولیٰ ہوگا۔ (فتح الباری)

حضرت ابن عباسؓ نے آیت شریفہ (مذکورہ بالا) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے نفل صدقہ میں آہستہ کے صدقہ کو علانیہ کے صدقہ پر ستر درجہ فضیلت دی ہے اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے اور اسی طرح اور سب عبادات کے نوافل اور فرائض کا حال ہے (درمنثور) یعنی دوسری عبادات میں بھی فرائض کو اعلان کے ساتھ ادا کرنا چھپ کر ادا کرنے سے افضل ہے کہ فرائض کو چھپ کر ادا کرنے میں ایک اپنے اوپر تہمت ہے، دوسرے یہ بھی مضرت ہے کہ اپنے متعلقین یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص فلاں عبادت کرتا ہی نہیں اور اس سے ان کے دلوں میں اس عبادت کی وقعت اور اہمیت کم ہو جائے گی، اور نوافل میں بھی اگر دوسروں کے اتباع اور اقتداء کا خیال ہو تو اعلان افضل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کے واسطے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ نیک عمل کا چھپکے سے کرنا اعلان سے افضل ہے مگر اس شخص کے لئے جو اتباع کا ارادہ کرے۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی فقیر کو چپکے سے کچھ دیدینا اور نادار کی کوشش افضل ہے اور اصل یہی ہے کہ نفلی صدقہ کا مخفی طور سے ادا کرنا افضل ہے البتہ اگر کوئی دینی مصلحت اعلان میں ہو تو اعلان بھی افضل ہو جاتا ہے لیکن اس بات میں اپنے نفس اور شیطان سے بے فکر نہ رہے کہ وہ صدقہ کو برباد کرنے کیلئے دل کو یہ سمجھائے کہ اعلان میں مصلحت ہے، بلکہ بہت غور سے اس کو جانچ لے کہ اعلان میں واقعی دینی مصلحت ہے یا نہیں؟ اور صدقہ کرنے کے بعد بھی اس کا تذکرہ نہ کرتا پھرے کہ یہ بھی علانیہ صدقہ کرنے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی کوئی عمل مخفی کرتا ہے تو وہ مخفی عمل لکھ لیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ اس کا کسی سے اظہار کر دے تو وہ مخفی سے علانیہ میں منتقل کر دیا جاتا ہے، پھر اگر وہ لوگوں سے کہتا پھرے تو وہ علانیہ سے ریا میں منتقل کر دیا جاتا ہے (احیاء العلوم) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو

اللہ جل شانہٗ اس دن اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن اللہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا یعنی قیامت کے دن)۔ ایک عادل بادشاہ (حاکم)۔ دوسرے وہ نوجوان جو اللہ جل شانہٗ کی عبادت میں نشوونما پاتا ہے۔ تیسرے وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ چوتھے وہ دو شخص جنہیں صرف اللہ کی وجہ سے محبت ہو۔ کوئی دنیوی غرض ایک کی دوسرے سے وابستہ نہ ہو اسی پر انکا آپس میں اجتماع ہو اور اسی پر علیحدگی ہو۔ پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسب نسب والی خوبصورت عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (اسی طرح کوئی مرد کسی عورت کو متوجہ کرے اور وہ عورت یہی کہہ دے)۔ چھٹے وہ شخص جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ ساتویں وہ شخص جو تنہائی میں اللہ جل شانہٗ کو یاد کرکے رو پڑے۔ اس حدیث میں سات آدمی ذکر فرمائے ہیں۔ دوسری احادیث میں ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگوں کے متعلق یہ وارد ہوا ہے کہ وہ اس سخت دن میں عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔ علماء نے ان کی تعداد بیاسی ۸۲ تک گنوائی ہے جن کو صاحب اتحاف نے نقل کیا ہے۔ بہت سی احادیث میں حضور کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مخفی صدقہ اللہ کے غصہ کو زائل کر دیتا ہے۔

حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ جا رہی تھی راستہ میں بھیڑیئے نے اس بچہ کو اچک لیا۔ یہ عورت اس بھیڑیئے کے پیچھے دوڑی۔ اتنے میں ایک سائل راستہ میں ملا۔ اس نے سوال کیا۔ عورت کے پاس ایک روٹی تھی وہ سائل کو دے دی۔ وہ بھیڑیا واپس آیا اور اس کے بچے کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ تین آدمیوں کو حق تعالیٰ شانہٗ محبوب رکھتے ہیں اور تین آدمیوں سے ناراض ہیں۔ جن کو حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ ایک آدمی کسی مجمع سے کچھ سوال کرنے آیا جو محض اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سوال کرتا تھا کہ اس کی ان لوگوں سے کچھ قرابت بھی نہ تھی۔ ایک شخص اس مجمع سے اٹھا اور ان کی غیبت میں چپکے سے سائل کو کچھ دے دیا جس کے عطیہ کی اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔ دوسرا وہ شخص محبوب ہے کہ ایک جماعت رات بھر سفر میں چلی اور جب نیند ان چلنے والوں پر غالب ہوگئی ہو اور وہ تھوڑی دیر آرام لینے کیلئے سواریوں

سے اُترے ہوں۔ ان میں کوئی شخص اسوقت بجائے لیٹنے کے نماز میں کھڑا ہو کر حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے عاجزی کرنے لگا ہو۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ ایک جماعت جہاد کر رہی ہو اور کفار سے مقابلہ میں شکست ہونے لگے اور لوگ پشت پھیرنے لگیں اس وقت یہ شخص ان میں سے سینہ تان کر مقابلہ میں ڈٹ جائے حتیٰ کہ شہید ہو جائے یا فتح ہو جائے۔ اور تین شخص جن سے حق تعالیٰ شانہٗ ناراض ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو بوڑھا ہو کر بھی زنا میں مبتلا ہو۔ دوسرے وہ شخص ہے جو فقیر ہو کر تکبّر کرے۔ تیسرے وہ مالدار ہے جو ظالم ہو۔ احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۵ پر بھی یہ حدیث آرہی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا اے لوگو، مرنے سے پہلے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر لو اور نیک عمل کرنے میں جلدی کیا کرو، ایسا نہ ہو کسی دوسرے کام میں مشغولی ہو جائے اور وہ رہ جائے، اور اللہ جلّ شانہٗ کیساتھ اپنا رشتہ جوڑ لو، کثرت سے اس کا ذکر کرکے اور مخفی اور علانیہ صدقہ کرکے کہ اس سے تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائیگی اور تمہاری شکستگی کی اصلاح کی جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا جبتک کہ حساب کا فیصلہ نہ ہو۔ یعنی قیامت کے دن جب آفتاب نہایت قریب ہوگا ہر شخص پر اسکے صدقات کی مقدار سے سایہ ہوگا۔ جتنا زیادہ صدقہ دیا ہوگا اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ صدقہ قبروں کی گرمی کو دور کرتا ہے اور ہر شخص قیامت میں اپنے صدقہ سے سایہ حاصل کرے گا۔ اور یہ مضمون تو بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں پر ان کے اعمال کی بدولت ہر طرف سے ہر قسم کی بلائیں مسلّط ہو رہی ہیں صدقات کی بہت زیادہ کثرت کرنا چاہیئے، بالخصوص جب کہ دیکھتی آنکھوں عمر بھر کا اندوختہ گھر کھڑے چھوٹنا پڑ جاتا ہے، ایسی حالت میں بہت اہتمام سے بہت زیادہ مقدار میں صدقات کرتے رہنا چاہیئے کہ اس میں وہ مال بھی ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے جو صدقہ کیا گیا اور اس کی برکت سے اپنے اوپر سے بلائیں بھی ہٹ جاتی ہیں، مگر افسوس کہ ہم لوگ ان احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی صدقات کا اہتمام نہیں کرتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ برائی کے ستّر دروازے بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ

صدقہ اللہ جلّ شانہٗ کے غصے کو دُور کرتا ہے اور بُری موت سے حفاظت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بُری موت کو دُور کرتا ہے اور تکبّر اور فخر کو ہٹاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایک روٹی کے لقمہ سے یا ایک مٹھی کھجور یا اور کوئی ایسی ہی معمولی چیز جس سے مسکین کی ضرورت پوری ہوتی ہو تین آدمیوں کو جنّت میں داخل فرماتے ہیں۔ ایک صاحبِ خانہ جس نے صدقہ کا حکم دیا، دوسرے گھر کی بیوی جس نے روٹی وغیرہ پکائی۔ تیسرے وہ خادم جس نے فقیر تک پہنچایا۔ یہ حدیث بیان فرما کر ارشاد فرمایا ساری تعریفیں ہمارے اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمارے خادموں کو بھی ثواب میں فراموش نہیں کیا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا جانتے ہو کہ بڑا سخت طاقتور کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا جو مقابلہ میں دوسرے کو پچھاڑ دے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بڑا بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اُوپر قابو یافتہ ہو۔ پھر دریافت فرمایا جانتے ہو کہ بانجھ کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جس کے اولاد نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں، بلکہ وہ آدمی ہے جس نے کوئی اولاد آگے نہ بھیجی ہو۔ پھر حضورؐ نے فرمایا جانتے ہو، فقیر کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا فقیر اور پورا فقیر وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور اُس نے آگے کچھ نہ بھیجا ہو (کہ وہ اُس دن خالی ہاتھ کھڑا رہ جائے گا جس دن اس کو سخت احتیاج ہوگی)۔ حضرت ابُو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ سے خرید لے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، میں تجھے اللہ جلّ شانہٗ کے کسی مطالبہ سے نہیں بچا سکتا۔ اے عائشہ! کوئی مانگنے والا تیرے پاس سے خالی نہ جائے، چاہے بکری کا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔ (درمنثور)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ پہلے لوگ اس کو بُرا سمجھتے تھے کہ کوئی دن صدقہ کرنے سے خالی جائے چاہے ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو، چاہے روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا۔ (احیاء۔ اوّل)

(۱۰) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط (بقرہ۔ ع ۳۸)
حق تعالیٰ شانہٗ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔

ف: صدقات کا بڑھانا اس سے پہلے بہت سی روایات میں گذر چکا ہے کہ آخرت

میں اس کا ثواب پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ یہ تو آخرت کے اعتبار سے تھا اور دنیا میں بھی اکثر بڑھتا ہے کہ جو شخص صدقہ اخلاص کے ساتھ کثرت سے کرتا رہتا ہے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے البتہ اخلاص شرط ہے ریا اور فخر نہ ہو اور سود آخرت میں تو مٹایا ہی جاتا ہے، دنیا میں بھی اکثر برباد ہو جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ سود اگرچہ بڑھا ہوا ہو لیکن اس کا انجام کمی کی طرف ہوتا ہے، اور معمرؒ کہتے ہیں کہ چالیس سال میں سود میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سود دنیا میں بڑھتا ہے اور آخرت میں مٹا دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو برزہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ایک ٹکڑا دیتا ہے، وہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے یہاں اس قدر بڑھتا ہے کہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(۱۱) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ (سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۰)

اے مسلمانو! تم (کامل) نیکی کو حاصل نہ کر سکوگے، یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تم کو (خوب) محبوب ہو۔

ف: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ درخت کھجوروں کے حضرت ابوطلحہؓ کے پاس تھے اور ان کا ایک باغ تھا جس کا نام بیرحاء تھا۔ وہ ان کو بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے ہی تھا حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش فرماتے جو بہت ہی بہترین پانی تھا۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ حق تعالیٰ شانُہٗ یوں ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ اور مجھے ساری چیزوں میں بیرحاء سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے اجر و ثواب کی اللہ سے امید رکھتا ہوں آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو خرچ فرما دیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، واہ واہ بہت ہی نفع کا مال ہے۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ ابوطلحہؓ نے عرض کیا بہتر ہے اور اس کو اپنے چچا زاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے ۔ ابوطلحہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ میرا باغ جو اتنی بڑی مالیت کا ہے وہ صدقہ ہے اور میں اگر اس کی طاقت رکھتا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو تو ایسا کرتا۔ مگر باغ ایسی چیز نہیں جو مخفی رہ سکے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے اس آیت شریفہ کا علم ہوا تو میں نے ان سب چیزوں میں غور کیا جو اللہ جل شانہٗ نے مجھے عطا فرمائی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اپنی باندی مرجانہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اللہ کے واسطے آزاد ہے۔ اس کے بعد اگر میں اس چیز سے جس کو اللہ کے واسطے دیدیا ہو دوبارہ نفع حاصل کرنا گوارا کرتا تو اس باندی سے آزاد کر دینے کے بعد نکاح کر لیتا (کہ وہ جائز تھا اور اس سے صدقہ میں کچھ کمی نہ ہوتی تھی لیکن چونکہ اس میں صورت، صدقہ میں رجوع کی سی تھی) یہ مجھے گوارا نہ ہوا۔ اس لئے اس کا نکاح اپنے غلام حضرت نافعؓ سے کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ تلاوت میں جب اس آیت شریفہ پر گذر ہوا تو نماز ہی میں اشارہ سے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کے پاک رسولؐ کے ارشادات کی وقعت اور ان پر عمل کرنے میں پیش قدمی تو کوئی ان حضرات صحابہ کرامؓ سے سیکھے۔ واقعی یہی حضرات اس کے مستحق تھے کہ حضورؐ کے صحابی بنائے جاتے حضورؐ کی خادمیت انہی حضرات کے شایانِ شان تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جلولا۔ کی باندیوں میں سے ایک باندی اُن کے لئے خرید دیں۔ انہوں نے ایک بہترین باندی خرید کر بھیجی حضرت عمرؓ نے اس باندی کو اپنے پاس بلایا اور یہ آیت شریفہ پڑھی اور اس کو آزاد کر دیا حضرت محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہؓ کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اُن کو اپنی ساری چیزوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ وہ اس کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ صدقہ ہے حضورؐ نے اس کو قبول فرمالیا اور لے کر ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہؓ کو دیدیا حضرت زیدؓ کے چہرہ پر اس سے کچھ گرانی کے آثار ظاہر ہوئے (کہ گھر کے گھر ہی میں رہا، باپ کے بجائے بیٹے کا ہو گیا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا یعنی تمہارا صدقہ ادا ہو گیا

اب میں چاہے اس کو تمہارے بیٹے کو دوں یا کسی اور رشتہ دار کو یا اجنبی کو (اسلئے کہ تم تو بیٹے کو نہیں دے رہے جس سے خود غرضی کا شبہ ہو تم تو مجھے دے چکے اب مجھے اختیار ہے کہ میں جس کو دل چاہے دوں)

قبیلہ بنی سُلَیم کے ایک شخص کہتے ہیں کہ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ عنہ رَبذہ نام ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ وہاں ان کے پاس اُونٹ تھے اور ان کا چرانے والا ایک ضعیف آدمی تھا۔ میں بھی وہاں اُن کے قریب ہی رہتا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ آپ کے چرواہے کی مدد کروں گا اور آپ کے فُیوض حاصل کروں گا۔ شاید اللہ جل شانہٗ آپ کی برکات سے مجھے بھی نفع عطا فرما دیں۔ حضرت ابُوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا ساتھی وہ ہے (یعنی ایسے شخص کو میں اپنا ساتھی بنا سکتا ہوں) جو میرا کہنا مانے۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ میرے ساتھ رہنے کا ارادہ نہ کرو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کس چیز میں میری اطاعت چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ جب میں کوئی چیز کسی کو دینے کے لئے مانگوں تو سب سے بہتر چھانٹ کر دو۔ میں نے قبول کر لیا اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہا۔ ان کو معلوم ہوا کہ اس گھاٹ پر جو لوگ آباد ہیں، اُن کو تنگی ہے۔ مجھ سے فرمایا کہ ایک اُونٹ میرے اُونٹوں میں سے لاؤ۔ میں نے حسب وعدہ تلاش کیا تو اُن سب میں بہترین ایک اُونٹ نر تھا جو بہت سدھا ہوا تھا۔ اس جیسا کوئی جانور ان میں نہیں تھا۔ میں نے اس کے لے جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھے خیال ہوا کہ اس کی خود یہاں بھی (جفتی وغیرہ کے لئے) ضرورت رہتی ہے، اس کو چھوڑ کر باقی اونٹوں میں جو سب سے افضل اور بہتر جانور تھا وہ ایک اونٹنی تھی میں اس کو لے گیا۔ اتفاق سے حضرت کی نظر اُس اُونٹ پر پڑ گئی جس کو میں مصلحت کی وجہ سے چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے تم نے مجھ سے خیانت کی۔ میں سمجھ گیا اور اس اونٹنی کو واپس لا کر وہ اُونٹ لے گیا۔ حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دو آدمی ایسے چاہئیں جو ایک ثواب کا کام کریں۔ دو شخصوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی عذر نہ ہو تو اس اُونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کے اتنے ٹکڑے کئے جائیں جتنے گھر اس گھاٹ پر آباد ہیں اور سب گھروں میں ایک ایک ٹکڑا اس گوشت کا پہنچا دیا جائے اور میرا گھر بھی ان میں شمار کر لیا جائے اور اس میں بھی اتنا ہی جائے جتنا اور گھروں میں جائے زیادہ نہ جائے۔ ان دونوں

نے قبول کر لیا اور تعمیل ارشاد کر دی۔

جب اس سے فارغ ہو گئے تو مجھے بلایا اور فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تم میرے اس وعدہ کو جو شروع میں ہوا تھا بھول گئے تھے تب تو میں معذور سمجھتا ہوں، یا تم نے باوجود یاد ہونے کے اسکو پس پشت ڈال دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھولا تو نہیں تھا، مجھے وہ یاد تھا لیکن جب میں نے تلاش کیا اور یہ اونٹ سب سے افضل ملا تو مجھے آپ کی ضرورت کا خیال پیدا ہوا کہ آپ کو خود اس کی ضرورت ہے۔

فرمانے لگے کہ محض میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ محض اسی وجہ سے چھوڑا تھا۔ فرمانے لگے کہ میں اپنی ضرورت کا وقت بتاؤں، میری ضرورت کا وقت وہ ہے جب میں قبر کے گڑھے میں ڈال دیا جاؤں گا۔ وہ دن میری محتاجی کا دن ہو گا تیرے ہر مال میں تین شریک ہیں۔ ایک تو مقدر شریک ہے، معلوم نہیں کہ تقدیر اچھے مال کو لے جاتے یا بُرے کو، وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی (یعنی جس مال کو میں عمدہ اور بہتر اور اپنے دوسرے وقت کیلئے کارآمد سمجھ کر چھوڑ دوں، معلوم نہیں کہ وہ دوسرے وقت میرے کام آسکے گا یا نہیں تو پھر اسی وقت کیوں نہ اس کو آخرت کا ذخیرہ بنا کر اللہ کے بنک میں جمع کر دوں) ۔ دوسرا شریک وارث ہے جو ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب تو گڑھے میں جاوے تاکہ وہ سارا مال وصول کرے۔ تیسرا تو خود اس مال کا شریک ہے (کہ اپنے کام میں لا سکتا ہے) پس اس کی کوشش کر کر تو تینوں شریکوں میں کم حصہ پانے والا نہ ہو (ایسا نہ ہو کہ مقدر اس کو لے اُڑے کہ وہ ضائع ہو جائے۔ یا وارث لے اُڑے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ تو اس کو جلدی سے حق تعالیٰ شانہٗ کے خزانہ میں جمع کر دے) اس کے علاوہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ اور یہ اونٹ جب مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو کیوں نہ اس کو اپنے لئے مخصوص کر کے محفوظ کر لوں اور آگے بھیج دوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک جانور کا گوشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے خود اس کو پسند نہیں کیا مگر دوسروں کو کھانے سے منع بھی نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کو فقیروں کو دیدوں حضورؐ نے فرمایا، ایسی

چیزیں ان کو مت دو جس کو خود کھانا پسند نہیں کرتی ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ شکر خرید کر غربا۔ پر تقسیم کر دیتے۔ حضرت کے خادم نے عرض کیا کہ اگر شکر کی بجائے کھانا دیا جایا کرے تو غربا۔ کو اس سے زیادہ نفع ہو۔ فرمایا صحیح ہے میرا بھی یہی خیال ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ۬ اور مجھے شکر (میٹھا) زیادہ مرغوب ہے (درمنثور) یہ حضرات کسی چیز کو افضل سمجھتے ہوئے بھی حق تعالیٰ شانہٗ اور اسکے پاک رسولؐ کے ظاہر الفاظ پر عمل کرنے کی اکثر کوشش کیا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ محبت کی انتہا ہے کہ محبوب کی زبان سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرنا ہے چاہے افضل دوسری چیز ہو۔

(۱۲) وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ۚ (سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۴)

اور دوڑو اس بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو اس جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ سارے آسمان اور زمین ہیں۔ جو تیار کی گئی ہے ایسے متقی لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی۔ اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرنیوالے ہیں اور اللہ جل شانہٗ محبوب رکھتے ہیں احسان کرنے والوں کو۔

ف: علماء نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے بنی اسرائیل کی اس بات پر رشک کیا تھا۔ کہ جب کوئی شخص ان میں سے گناہ کرتا تو اس کے دروازہ پر وہ گناہ لکھا ہوا ہوتا اور اس کا کفارہ بھی کہ فلاں کام اس گناہ کے کفارہ میں کیا جائے۔ مثلاً ناک کاٹ دی جائے کان کاٹ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات کو اس پر رشک تھا کہ کفّارہ ادا کرنے سے اس گناہ کے زائل ہو جانے کا یقین تھا اور گناہ کی اہمیت ان حضرات کی نگاہ میں اتنی سخت تھی کہ اس قسم کی سزاؤں کو بھی اس کے مقابلہ میں ہلکا اور قابل رشک سمجھتے تھے۔ ان حضرات کے جو واقعات حدیث کی کتابوں میں آتے ہیں وہ واقعی ایسے ہی ہیں کہ بشریت سے کسی گناہ کے سرزد ہو جانے کے بعد انکی ہیبت

اور اہمیت ان پر بہت زیادہ مسلط ہو جاتی۔ مرد تو مرد تھے ہی، عورتوں میں بھی یہی جذبہ تھا۔ ایک عورت سے زنا صادر ہو گیا، خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ خود اعتراف جرم کیا، اور گناہ سے پاک ہونے کے شوق میں اپنے آپ کو سنگسار ہونے کے لئے پیش کیا اور سنگسار ہو گئیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ گناہ کی ہیبت ان کے دل میں اس مرنے سے بہت زیادہ تھی۔

نماز پڑھتے ہوئے حضرت ابو طلحہؓ کے دل میں اپنے باغ کا خیال گذر گیا۔ اس کو اللہ کے راستے میں صدقہ کر کے چین پڑی، محض اس غیرت میں کہ نماز میں دنیا کی چیز کا خیال آ گیا۔ ایسی چیز جو نماز میں اپنی طرف متوجہ کر لے اپنے پاس نہیں رکھنی۔ ایک اور انصاریؓ کے ساتھ بھی اس قسم کا قصہ گذرا کہ کھجوریں شباب پر آ رہی تھیں، نماز میں ان کا خیال آ گیا (کہ کیسی پک رہی ہیں) حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر باغ کا قصہ ذکر کر کے ان کے حوالہ کر دیا۔ جس کو انہوں نے پچاس ہزار میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مشتبہ لقمہ ایک مرتبہ غلطی سے کھا لیا، بار بار پانی پی پی کر قے کی کہ وہ ناجائز لقمہ بدن کا جزء نہ بن جائے۔ بہت سے واقعات ان حضرات کے اپنے رسالہ حکایاتِ صحابہؓ میں لکھ چکا ہوں۔ ایسی حالت میں ان حضرات کو اگر اس پر رشک ہو کہ بنو اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ ان کو معلوم ہو جاتا تھا اور اس سے گناہ زائل ہو جاتا تھا بے محل نہیں۔ ہم نااہلوں کا ذہن بھی یہاں تک نہیں پہنچتا کہ گناہ اس قدر سخت چیز ہے۔ غرض ان حضرات کے اس رشک پر اللہ جل شانہٗ نے اپنے لطف و کرم اور اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فضل و انعام کی وجہ سے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی کہ ایسے نیک کاموں کی طرف دوڑو جن سے اللہ جل شانہٗ کی مغفرت میسر ہو جائے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نیک اعمال کے ذریعے اللہ کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور ایسی جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت اتنی ہے کہ ساتوں آسمان برابر برابر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں جیسا کہ ایک کپڑا دوسرے کے برابر جوڑ دیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتوں زمینیں ایک دوسرے کیساتھ جوڑ دی جائیں تو جنت کی وسعت ان کے برابر ہو گی۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے برابر جوڑ دی جائیں تو جنت کی چوڑائی ان کے برابر ہو گی۔

حضرت ابنِ عباسؓ کے غلام حضرت کُرَیبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابنِ عباسؓ نے توراۃ کے ایک عالم کے پاس بھیجا اور ان کی کتابوں سے جنت کی وسعت کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام کے صحیفے نکالے اور ان کو دیکھ کر بتایا کہ جنت کی چوڑائی اتنی ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دی جائیں تو اس کے برابر ہوں۔ یہ تو چوڑائی ہے اور اس کی لمبائی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو ایسی جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہیں۔ حضرت عمیر بن حمام انصاریؓ نے (تعجب سے) عرض کیا یا رسول اللہ! ایسی جنت جس کی چوڑائی اتنی زیادہ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا بیشک۔ حضرت عمیرؓ نے عرض کیا۔ واہ واہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں اس میں داخل ہونے والوں میں ضرور ہوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں ہاں تم اس میں جانے والوں میں ہو۔ اس کے بعد حضرت عمیرؓ نے چند کھجوریں اونٹ کے ہودج میں سے نکال کر کھانا شروع کیں (کہ لڑنے کی طاقت پیدا ہو) پھر کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے کھا چکنے کا انتظار تو بڑی لمبی زندگی ہے یہ کہہ کر ان کو پھینک کر لڑائی کی جگہ چل دیئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے (درمنثور)۔

اس آیت شریفہ میں مومنین کی ایک خاص مدح اور تعریف یہ بھی ذکر کی گئی کہ غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔ یہ بڑی اونچی اور خاص صفت ہے۔ علماء نے لکھا ہے، کہ جب تیرے بھائی سے لغزش ہو جائے تو اس کے لئے ستّر عذر پیدا کر اور پھر اپنے دل کو سمجھا کہ اس کے پاس اتنے عذر ہیں اور جب تیرا دل ان کو قبول نہ کرے تو بجائے اس شخص کے اپنے دل کو ملامت کر کہ تجھ میں کس قدر قساوت اور سختی ہے کہ تیرا بھائی ستّر عذر کر رہا ہے اور تو ان کو قبول نہیں کرتا، اور اگر تیرا بھائی کوئی عذر کرے تو اس کو قبول کر، اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی عذر کرے اور وہ قبول نہ کرے تو اس پر اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا چنگی کے محرّر کو۔ حضورؐ نے مومن کی یہ صفت بتائی ہے کہ جلدی غصہ آجائے اور جلدی ہی زائل ہو جائے، یہ نہیں فرمایا کہ غصہ نہ آتا ہو بلکہ یہ فرمایا کہ جلدی زائل ہو جاتا ہو۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جس کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے اور جو راضی کرنے پر راضی نہ ہو وہ شیطان ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے غصہ کو پینے والے فرمایا یہ نہیں فرمایا

کہ ان کو غصہ نہ آتا ہو۔ (احیاء) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں غصہ کو پی لے کہ اس کو پورا کرنے پر قادر ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو امن اور ایمان سے بھرپور کرتے ہیں (درمنثور) یعنی مجبوری کا نام صبر تو ہر جگہ ہوتا ہے، کمال یہ ہے کہ قدرت کے باوجود صبر کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی غصہ کا گھونٹ پی ڈالے، اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ جو اس گھونٹ کو پی لے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے باطن کو ایمان سے بھر دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص قدرت کے باوجود غصہ پی جائے اللہ تعالیٰ قیامت میں ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمائیں گے کہ جس حور کو دل چاہے انتخاب کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہادر وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بہادر وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر قابو پالے۔ حضرت علی بن امام حسینؓ کی ایک باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گرا جس سے ان کا منہ زخمی ہو گیا۔ انہوں نے تیز نگاہ سے باندی کو دیکھا۔ وہ کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ط حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ اُس نے پھر پڑھا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط آپ نے فرمایا تجھے اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اُس نے پھر پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ط آپ نے فرمایا تو آزاد ہے (درمنثور)۔

ایک مرتبہ ایک مہمان کے لئے ان کا غلام گرم گرم گوشت کا پیالہ بھرا ہوا لا رہا تھا۔ وہ ان کے چھوٹے بچے کے سر پر گر گیا۔ وہ مر گیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ تو آزاد ہے، اور خود بچے کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے۔ (روض)

(۱۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بس ایمان والے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ جل شانہٗ کا ذکر آجائے تو (اس کی عظمت کے خیال سے) ان کے دل ڈر جائیں۔ اور جب اللہ جل شانہٗ کی آیتیں انکے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ انکے ایمان کو زیادہ مضبوط کردیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں

اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (انفال۔ع ۱)

اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اسمیں سے (اللہ کے واسطے) خرچ کرتے ہیں۔ بس یہی ہیں سچے ایمان والے، ان کیلئے بڑے بڑے درجے ہیں انکے رب کے پاس اور ان کے لئے مغفرت ہے اور ان کے لئے عزت کی روزی ہے۔

ف: حضرت ابُوالدَّرداءؓ فرماتے ہیں کہ دل کا ڈر جانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ کھجور کے خشک پتوں میں آگ لگ جانا۔ اس کے بعد اپنے شاگرد شہر بن حَوشَب کو خطاب کرکے فرماتے ہیں، کہ اے شہر تم بدن کی کپکپی نہیں جانتے۔ انہوں نے عرض کیا، جانتا ہوں۔ فرمایا۔ اس وقت دُعا کیا کرو۔ اس وقت کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ثابتؒ بنانی فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ میری کونسی دعا قبول ہوئی اور کونسی نہیں ہوئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ جس وقت میرے بدن پر کپکپی آجائے اور دل خوف زدہ ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں، اس وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ حضرت سُدّیؒ فرماتے ہیں کہ "جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر آجائے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم کا ارادہ کرے یا کسی اور گناہ کا قصد کرے اور اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے۔ حارث بن مالک انصاریؓ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ حارث کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میں بیشک سچا مومن بن گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ (یعنی تم نے کس بات کی وجہ سے یہ طے کر لیا کہ میں سچا مومن بن گیا) عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پھیر لیا۔ رات کو جاگتا ہوں، دن کو پیاسا رہتا ہوں (یعنی روزہ رکھتا ہوں) اور جنّت والوں کی آپس کی ملاقاتوں کا منظر میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور جہنم والوں کے شور و شغب اور واویلا کا نظّارہ بھی آنکھوں کے سامنے ہے (یعنی دوزخ جنّت کا تصوُّر ہر وقت رہتا ہے) حضورؐ نے فرمایا۔ حارث۔ بیشک تم نے دنیا سے اپنے نفس کو پھیر لیا۔ اس کو مضبوط پکڑے رہو تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا (درّمنثور)۔ اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کے سامنے ہر وقت دوزخ اور جنّت کا منظر ہے گا وہ دنیا میں کہاں پھنس سکتا ہے۔

(۱۴) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ (انفال۔ ع ۸)

اور جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔

ف: جن آیات اور احادیث میں ثواب بڑھا کر ملنے کا بیان ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی۔ باقی ثواب کی مقدار کیا ہوگی، وہ موقع کی ضرورت، خرچ کرنے والے کی نیت، اور حالات کے اعتبار سے جتنی بھی بڑھ جائے یہ تو آخرت کے اعتبار سے ہے اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس کا پورا بدل ملتا ہے، جیسا کہ دوسری آیات اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ آیات کے ذیل میں ع۲۰ پر اور احادیث کے ذیل میں ع۸ پر آرہا ہے اور اس لحاظ سے اگر اس آیت شریفہ میں اس طرف اشارہ ہو تو بعید نہیں۔

(۱۵) قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ○ (ابراہیم۔ ع ۵)

جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز کو قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے رہیں پوشیدہ طور سے بھی اور علانیہ بھی ایسے دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی۔

ف: "پوشیدہ طور سے بھی اور علانیہ بھی" یعنی جس وقت جس قسم کا صدقہ مناسب ہو کہ حالات کے اعتبار سے دونوں قسموں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ فرض صدقات بھی جن کا علانیہ ادا کرنا اولیٰ ہے اور نوافل بھی جن کا اخفار اولیٰ ہے جیسا کہ آیت شریفہ ع۹ کے ذیل میں گذرا اور اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ آیت شریفہ ع۶ میں گذرا، اور نماز کو قائم رکھنا، سب سے پہلی آیت شریفہ میں گذر چکا ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اس میں فرمایا۔ لوگو مرنے سے پہلے پہلے توبہ کرلو (ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور توبہ رہ جائے) اور مشاغل کی کثرت سے پہلے پہلے نیک اعمال کرلو (ایسا نہ ہو کہ پھر مشغلوں کی کثرت سے وقت نہ ملے)۔

اور اپنا اور اپنے رب کا تعلق مضبوط کرلو۔ اسکی یاد کی کثرت کے ساتھ اور مخفی اور علانیہ صدقہ کی کثرت کے ذریعہ، کہ اس کی وجہ سے تمہیں رزق بھی دیا جائے گا، تمہاری مدد بھی ہوگی تمہاری شکستہ حالی بھی دور ہوگی۔ (ترغیب)

(۱۶) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورہ حج۔ ع ۵)

آپ خوشخبری دیجئے ان عاجزی کرنے والے مسلمانوں کو جو ایسے ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھنے والے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔

ف: مُخْبِتِیْن جس کا ترجمہ عاجزی کرنے والوں کا لکھا گیا ہے، اس کے ترجمہ میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اس کا اصل ترجمہ پستی کی طرف جانے والوں کا ہے۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ احکام الٰہیہ کے سامنے گردن جھکا دینے والوں کا کیا ہے کہ وہ بھی گردن کو نیچے کی طرف لے جاتے ہیں۔ بعض نے تواضع کرنے والوں کا کیا ہے کہ وہ تو گردن جھکانے والے سروقت ہی ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے اس کا ترجمہ مطمئن لوگوں سے کیا ہے۔ عمرو بن اوسؒ فرماتے ہیں کہ مُخْبِتِیْن وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہ کریں اور اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ بدلہ نہ لیں۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ مُخْبِتِیْن متواضع لوگ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا گیا کہ وہ جب حضرت ربیع بن خثیمؒ کو دیکھتے تو فرماتے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں مجھے مُخْبِتِیْن یاد آجاتے ہیں۔

(۱۷) وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ (مومنون۔ ع ۴)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور اس پر بھی انکے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں دوڑنے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

ف: یعنی باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ دیکھئے اللہ جل شانہٗ

کے یہاں ان نیکیوں کا کیا حشر ہو، قبول ہوتی ہیں یا نہیں۔ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی غایت عظمت اور عُلُوِّ مرتبہ کی وجہ سے ہے۔ جو شخص جتنا اُونچے مرتبہ کا ہوتا ہے اتنا اس کا خوف غالب ہوتا ہے۔ بِالخُصُوص اس شخص کے لئے جس کے دل میں واقعی عظمت ہو، نیز وہ اس سے بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ اس کے خرچ کرنے میں نیت بھی ہماری خالص ہے یا نہیں۔ بسا اوقات نفس اور شیطان کے مکر کی وجہ سے آدمی کسی چیز کو نیکی سمجھتا رہتا ہے اور وہ نیکی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ (سورہ مریم ع ۱۲)	آپ کہہ دیجئے کہ ہم تم کو ایسے آدمی بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا میں گئی گذری ہوگئیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

ف: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مومن نیکیاں کرکے ڈرتا ہے اور منافق برائیاں کرکے بے خوف ہوتا ہے۔ فضائل حج میں متعدد واقعات اس قسم کے ذکر ہو چکے ہیں کہ جن کے دلوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلال کامل درجہ کا ہوتا ہے وہ زبان سے لبیک کہتے ہوئے اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ مَردُود نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ یا رسول اللہ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ الاٰية، یہ آیت شریفہ ان لوگوں کے بارہ میں ہے کہ ایک آدمی چوری کرتا ہے زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور دوسرے گناہ کرتا ہے اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے (یعنی اس کو اپنے گناہوں کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ کے حضور میں پیش ہونے کا ڈر ہوتا ہے کہ وہاں جا کر کیا منہ دکھائے گا)۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایک آدمی روزہ رکھتا ہے، صدقہ دیتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور وہ اس کے باوجود اس سے ڈرتا ہے کہ وہ قبول نہ ہو۔

دوسری حدیث میں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، یہ وہ لوگ ہیں جو خطائیں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ وہ لوگ۔

ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقے دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ وہ لوگ اعمال کرتے ہیں ڈرتے ہوئے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدقات دیتے ہیں اور قیامت میں اللہ جل شانہٗ کے سامنے کھڑے ہونے سے اور حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان اعمال کی وجہ سے بھی عذاب سے نجات نہ ملے۔ (درمنثور)

حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ جب وضو کرتے تو چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر کپکپی آجاتی۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا۔ جانتے بھی ہو کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں (روض) فضائل نماز میں متعدد واقعات اس قسم کے ذکر کئے گئے اور حکایات صحابہؓ کا ایک باب مستقل اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ڈرنے والوں کے بیان میں ہے۔

(۱۸) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(سورۂ نور۔ رکوع ۳)

اور جو لوگ تم میں (دین کے اعتبار سے) بزرگی والے (اور دنیا کے اعتبار سے) وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو یہ چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور در گذر کر دیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے (پس تم بھی اپنے قصور داروں کو معاف کر دو) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

ف: ۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق کے نام سے ایک جہاد ہوا ہے جس میں حضرت عائشہؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ اس پر ہودج تھا یہ اپنے ہودج میں رہتی تھیں۔ جب چلنے کا وقت ہوتا، چند آدمی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے بہت ہلکا پھلکا بدن تھا۔ اٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ جب چار آدمی مل کر ہودج کو اٹھائیں، اس میں ایک کمسن ہلکی پھلکی عورت کے وزن کا کیا

پتہ چل سکتا ہے۔ حسبِ معمول ایک منزل پر قافلہ اترا ہوا تھا۔ جب روانگی کا وقت ہوا تو لوگوں نے اُن کے ہودج کو باندھ دیا۔ یہ اس وقت استنجے کے لئے تشریف لے گئی تھیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ ہار نہیں ہے جو پہن رہی تھیں۔ یہ اس کو تلاش کرنے چلی گئیں۔ پیچھے یہاں قافلہ روانہ ہو گیا۔ یہ تنہا اس جنگل میں کھڑی رہ گئیں۔

انہوں نے خیال فرمایا کہ جب راستہ میں حضورؐ کو میرے نہ ہونے کا علم ہوگا تو آدمی تلاش کرنے اسی جگہ آئے گا۔ وہیں بیٹھ گئیں اور جب نیند کا غلبہ ہوا تو سو گئیں۔ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے طمانیتِ قلب تو حق تعالیٰ شانہ نے ان سب حضرات کو کمال درجہ کی عطا فرما رکھی تھی۔ آج کل کی کوئی عورت ہوتی تو تنہا جنگل بیابان میں رات کو نیند آنے کا تو ذکر ہی کیا، خوف کی وجہ سے رو کر چلا کر صبح کر دیتی۔

حضرت صفوان بن مُعَطَّل رضی اللہ عنہ ایک بزرگ صحابی تھے جو قافلے کے پیچھے اسلئے رہا کرتے کہ راستہ میں گری پڑی چیز کی خبر رکھا کریں۔ وہ صبح کے وقت جب اس جگہ پہنچے تو ایک آدمی کو پڑا دیکھا اور چونکہ پردہ کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تھا اس لئے ان کو پہچان لیا اور زور سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ ان کی آواز سے اِنکی آنکھ کھلی اور منہ ڈھانک لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا۔ یہ اس پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر لے گئے اور قافلہ میں پہنچا دیا۔ عبداللہ بن اُبی جو منافقوں کا سردار اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، اس کو تہمت لگانے کا موقع مل گیا اور خوب اس کی شہرت کی۔ اسکے ساتھ بعض بھولے مسلمان بھی اس تذکرے میں شامل ہو گئے اور اللہ کی قدرت اور شان کہ ایک ماہ تک یہ ذکر تذکرے ہوتے رہے۔ لوگوں میں کثرت سے اس واقعہ کا چرچا ہوتا رہا اور کوئی وحی وغیرہ حضرت عائشہؓ کی براءت کی نازل نہ ہوئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس حادثہ کا سخت صدمہ تھا، اور جتنا بھی صدمہ ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے۔ حضورؐ مردوں سے اور عورتوں سے اس بارے میں مشورہ فرماتے تھے، احوال کی تحقیق فرماتے تھے مگر یکسوئی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ ایک ماہ کے بعد سورۂ نور کا مستقل ایک رکوع قرآن پاک میں حضرت عائشہؓ کی براءت میں نازل ہوا، اور اللہ جل شانہ کی طرف سے ان لوگوں پر سخت عتاب ہوا جنہوں نے بے دلیل بے ثبوت اس

تہمت کو شائع کیا تھا۔ اس واقعہ کو شہرت دینے والوں میں حضرت مِسطحؓ ایک صحابی بھی تھے جو حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکرؓ انکی خبر گیری اور اعانت فرمایا کرتے تھے۔

اس تہمت کے قصہ میں ان کی شرکت سے حضرت ابوبکرؓ کو رنج ہوا، اور ہونا بھی چاہیئے تھا کہ انہوں نے اپنے ہو کر بے تحقیق اس بات کو پھیلایا۔ اس رنج میں حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ نے قسم کھالی کہ مِسطحؓ کی اِعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی جو اُوپر لکھی گئی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صِدّیق اکبرؓ کے علاوہ بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی ایسے لوگوں کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا جنہوں نے اس تہمت کے واقعہ میں زیادہ حصّہ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مِسطحؓ نے اس میں بہت زیادہ حصّہ لیا اور حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے، انہیں کی پرورش میں رہتے تھے۔ جب براءت نازل ہوئی تو حضرت اَبُوبکرؓ نے قسم کھالی کہ ان پر خرچ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت وَلَا یَاْتَلِ نازل ہوئی اور آیتِ شریفہ کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنی پرورش میں پھر لے لیا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس آیتِ شریفہ کے بعد حضرت اَبُوبکرؓ نے جتنا پہلے سے خرچ کرتے تھے اس کا دوچند کر دیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو یتیم تھے جو حضرت اَبُوبکرؓ کی پرورش میں تھے جن میں سے ایک مِسطحؓ تھے۔ حضرت اَبُوبکرؓ نے دونوں کا نفقہ بند کرنے کی قسم کھالی تھی۔ حضرت اِبنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں کئی آدمی ایسے تھے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے اوپر بہتان میں حصّہ لیا، جس کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرامؓ جن میں حضرت اَبُوبکرؓ بھی ہیں، ایسے تھے جنہوں نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان کی اشاعت میں حصّہ لیا، ان پر خرچ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ بزرگی والے اور وُسعت والے حضرات اس کی قسم نہ کھائیں کہ وہ صلہ رحمی نہ کریں گے اور جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اسی طرح خرچ نہ کریں گے۔ (درمنثور) کس قدر مجاہدہ عظیم ہے کہ ایک شخص کسی کی بیٹی کی آبروریزی میں جھوٹی باتیں کہتا پھرے اور پھر وہ اسکی اعانت اسی طرح کرے جس طرح پہلے سے کرتا تھا بلکہ اس سے بھی دوچند کر دے۔

(۱۹) تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ — رات کو ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح کہ وہ لوگ اپنے رب کو (عذاب

خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورہ سجدہ۔ رکوع ۲)	کے) خوف سے اور (ثواب کی) امید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے رہتے ہیں پس کوئی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے۔ یہ بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا۔

ف: "رات کو ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں" کے متعلق علمائے تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مغرب عشاء کا درمیان مراد ہے۔ بہت سے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہم انصار کی جماعت مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گھر واپس نہ ہوتے تھے اس وقت تک کہ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیں۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت انسؓ ہی سے نقل کیا گیا کہ مہاجرین صحابہؓ کی ایک جماعت کا معمول یہ تھا کہ وہ مغرب کے بعد سے عشاء تک نوافل پڑھا کرتے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کے بعد بیٹھے رہتے اور صحابہؓ کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتی تھی۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ عبداللہ بن عیسیٰؓ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک جماعت مغرب سے عشاء تک نوافل پڑھتی تھی۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

حضرت معاذؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس سے رات کا قیام مراد ہے۔ ایک حدیث میں مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے قیام کا ذکر فرمایا اور حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کے پہلو رات کو بستروں سے دور رہتے ہیں، ان کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا، اور نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا وسوسہ بھی پیدا ہوا، نہ ان کو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی نبی رسول، اور اس کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت شریفہ میں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد

ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سُنا، نہ کسی کے دل پر ان کا وسوسہ گذرا۔ رَوضُ الرّیاحِین وغیرہ میں سینکڑوں واقعات ایسے لوگوں کے مذکور ہیں جو ساری رات مولا کی یاد میں رو رو کر گذار دیتے تھے۔ حضرت امام ابُوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا ایسی معروف چیز ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور ماہ مبارک میں دو قرآن شریف روزانہ ایک دن کا ایک رات کا ختم کرنا بھی معروف ہے۔

حضرت عُثمانؓ کا ساری رات جاگنا اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لینا بھی مشہور واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ بسا اوقات عشاء کی نماز پڑھ کر گھر میں تشریف لے جاتے اور گھر جاکر نماز شروع کر دیتے اور نماز پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے۔ حضرت تمیم داریؓ مشہور صحابی ہیں، ایک رکعت میں تمام قرآن شریف پڑھنا اور کبھی ایک ہی آیت کو صبح تک بار بار پڑھتے رہنا ان کا معمول تھا۔ حضرت شدّاد بن اوسؓ سونے کے لئے لیٹتے اور ادھر ادھر کروٹیں بدل کر یہ کہہ کر کھڑے ہو جاتے کہ یا اللہ جہنّم کے خوف نے میری نیند اُڑا دی اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ حضرت عُمیر ایک ہزار رکعت نفل اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح روزانہ پڑھتے۔ حضرت اُویس قرنی مشہور تابعی ہیں، حضورؐ نے بھی ان کی تعریف فرمائی اور ان سے دعا کرانے کی لوگوں کو ترغیب دی۔ کسی رات کو فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے اور ساری رات رکوع میں گذار دیتے۔ کسی رات فرماتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے اور ساری رات سجدہ میں گذار دیتے (اقامۃ الحجۃ) غرض ان حضرات کے واقعات رات بھر مالک کی یاد میں محبوب کی تڑپ میں گذار دینے کے اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ یہی حضرات حقیقتاً اس شعر کے مصداق تھے ؎

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

کاش حق تعالیٰ شانہٗ ان حضرات کے جذبات کا ذرا سا سایہ اس ناپاک پر بھی ڈال دیتا۔

(۲۰) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی کی وسعت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے روزی کی تنگی دیتا ہے اور جو کچھ تم (اللہ کے راستے میں) خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا

خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ○ بدل عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (سورۂ سبا۔ رکوع ۵)

ف: یعنی تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہے۔ تمہارے خرچ کو روکنے سے فراخی نہیں ہوتی اور خرچ زیادہ کرنے سے تنگی نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے راستہ میں جو خرچ کیا جائے اس کا بدلہ آخرت میں تو ملتا ہی ہے دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا۔ میرے بندو میں نے تم کو اپنے فضل سے عطا کیا اور تم سے قرض مانگا پس جو شخص مجھے اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے دیگا میں اس کا بدل دنیا میں جلدی دونگا اور آخرت میں اس کیلئے ذخیرہ بنا کر رکھوں گا۔ اور جو خوشی سے نہ دے گا بلکہ اس سے میں اپنی دی ہوئی چیز جبرًا واپس لے لوں گا اور وہ اس پر صبر کرے گا اور ثواب کی اُمید رکھے گا۔ اس کے لئے میں اپنی رحمت واجب کر دوں گا اور اس کو ہدایت یافتہ لوگوں میں لکھوں گا اور اُس کے لئے اپنے دیدار کو مُباح کر دوں گا۔ (کنز)

کس قدر حق تعالیٰ شانہٗ کا احسان ہے کہ اپنی خوشی سے نہ دینے کی صورت میں بھی اگر بندہ جبر سے لئے جانے میں بھی صبر کرلے تو اس کے لئے بھی اجر فرما دیا حالانکہ جب وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا کی ہوئی چیز خوشی سے واپس نہیں کرتا۔ جبرًا اس سے لی جاتی ہے۔ تو پھر اجر کا کیا مطلب لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کے احسانات کا کوئی شمار ہو سکتا ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت شریفہ کے بارے میں فرمایا کہ تم جو کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو بغیر اسراف کے اور بغیر کنجوسی کے وہ سب اللہ کے راستہ میں ہے۔ حضرت جابرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آدمی جو کچھ شرعی نفقہ میں خرچ کرے اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا بدل ہے۔ بجز اس کے کہ جو تعمیر میں خرچ کیا ہو یا معصیت میں۔ حضرت جابرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہر احسان صدقہ ہے اور جو کچھ آدمی اپنے نفس پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے وہ صدقہ ہے اور جو کچھ اپنی آبرو کی حفاظت میں خرچ کرے وہ صدقہ ہے۔ اور مسلمان جو کچھ (شریعت کے موافق) خرچ کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے بدل کے ذمہ دار ہیں مگر وہ خرچ جو گناہ میں ہو یا تعمیر میں۔

حکیم ترمذیؒ نے حضرت زبیرؓ سے ایک مفصل قصہ نقل کیا جو احادیث کے ذیل میں ع۱۲ پر مفصل آرہا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں اس کو حکیم ترمذیؒ کی روایت سے مفصل نقل کیا ہے لیکن خود انہوں نے لآلی المصنوعۃ میں اس کو بہت مختصر طور پر ابن عدی کی روایت سے موضوعات میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ روزانہ صبح کو دو ۲ فرشتے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کرتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما۔ دوسرا عرض کرتا ہے اے اللہ روک کے رکھنے والے کے مال کو ہلاک کر۔ احادیث کے ذیل میں یہ حدیث ع۱ پر آرہی ہے، اور تجربہ میں بھی اکثر آیا ہے کہ جو حضرات سخاوت کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ کے دربار سے فتوحات کا دروازہ ان کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے، اور جو لوگ کنجوسی سے جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں، اکثر کوئی سماوی آفت بیماری، مقدمہ چوری وغیرہ ایسی چیز پیش آجاتی ہے جس سے برسوں کا اندوختہ دنوں میں ضائع ہو جاتا ہے، اور اگر کسی کے دوسرے نیک اعمال کی برکت سے اور اس کی نیک نیتی سے اس پر کوئی ایسا خرچ نہیں پڑتا تو نالائق اولاد باپ کے اندوختہ کو جو اس کی عمر بھر کی کمائی تھی مہینوں میں برابر کر دیتی ہے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خوب خرچ کیا کر اور گن گن کر مت رکھ کہ اللہ جل شانہٗ تجھے بھی گن گن کر عطا کرے گا اور جمع کر کے مت رکھ کہ اللہ جل شانہٗ تجھ سے بھی جمع کر کے رکھنے لگے گا۔ عطا کر جتنا تجھ سے ہو سکے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس ایک ڈھیری کھجوروں کی رکھی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، کہ آئندہ کی ضرورت کے لئے رکھ لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کا دھواں جہنم کی آگ میں دیکھو، بلال خوب خرچ کرو اور عرش کے مالک سے کمی کا خوف نہ کرو (مشکوٰۃ) یہاں ضرورت کے درجہ میں بھی آئندہ کے لئے ذخیرہ رکھنے پر عتاب ہے اور جہنم کا دھواں دیکھنے کی وعید ہے۔

حضرت بلالؓ کی شایانِ شان یہی چیز تھی اس لئے کہ یہ ان عالی مرتبہ لوگوں میں ہیں جن کے لئے حضورؐ اس کو گوارا نہ فرما سکتے تھے کہ ان کو کل کا فکر ہو اور ان کو اپنے مالک پر اس کا

پورا وثوق نہ ہو کہ جس نے آج دیا وہ کل کو بھی دے گا۔ ہر شخص کی ایک شان اور اس کا ایک مرتبہ ہوا کرتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ مشہور مقولہ ہے کہ عامی نیک لوگوں کے لئے جو چیزیں نیکیاں ہیں، مقرب لوگوں کی شان میں وہ بھی کوتاہیاں شمار ہوجاتی ہیں، بہت سے واقعات اس کی نظیریں ہیں۔ بہرحال مال رکھنے کے واسطے ہرگز نہیں، جمع کرنے کی چیز بالکل نہیں ہے، یہ صرف خرچ کرنے کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ اپنی ذات پر کم سے کم اور دوسروں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا اس کا فائدہ ہے لیکن یہ بات نہایت ہی اہم اور ضروری ہے، کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سارا مدار نیت ہی پر ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ مشہور حدیث ہے کہ اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے۔ جہاں نیک نیتی ہو، محض اللہ کے واسطے خرچ کرتا ہو چاہے اپنے نفس پر ہو چاہے اہل و عیال پر، چاہے اقرباء پر چاہے اغیار پر، وہ برکات اور ثمرات لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جہاں بدنیتی ہو، شہرت اور عزت مقصود ہو، نیک نامی اور دوسری اغراض مل گئی ہوں وہاں نیکی برباد گناہ لازم ہوجاتا ہے وہاں برکت کا سوال ہی نہیں رہتا۔

(۲۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَ یَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ○

(سورہ فاطر۔ رکوع ۴)

جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھاٹا نہیں ہے اور یہ اس لئے تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ان کے اعمال کی اُجرتیں بھی پوری پوری عطا کرے اور اس کے علاوہ اپنے فضل سے (بطور انعام کے) اور زیادہ عطا کرے۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔

ف: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ "ایسی تجارت سے جس میں گھاٹا نہیں" جنت مراد ہے جو نہ کبھی برباد ہوگی نہ خراب ہوگی۔ اور اپنے فضل سے زیادتی سے مراد وہ ہے جس کو (قرآن پاک میں) وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ سے تعبیر کیا ہے (درمنثور) یہ آیت جس کی طرف حضرت قتادہ نے اشارہ

کیا ہے، سورہ ق کی آیت ہے جس میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ○ ان (جنت والوں) کے لیے جنت میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی یہ خواہش کریں گے اور (ان کی چاہی ہوئی چیزوں کے علاوہ) ہمارے پاس ان کے لئے اور بھی زیادہ ہے (جو ہم ان کو عطا کریں گے)۔ اور اس کی تفسیر میں احادیث میں بہت ہی عجیب عجیب چیزیں ذکر کی گئیں جو بڑی تفصیل طلب ہیں اور ان میں سب سے اونچی چیز حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا پروانہ ہے اور بار بار کی زیارت جو خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوگی اور یہ اتنی بڑی دولت کیسی کم محنت چیزوں پر مرتب ہے جن میں کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑتی۔ اللہ کی راہ میں کثرت سے خرچ کرنا، نماز کو قائم رکھنا اور قرآن پاک کی تلاوت کثرت سے کرنا جو خود دنیا میں بھی لذت کی چیز ہے۔ قرآن پاک کی کثرت تلاوت کے چند واقعات ابھی گذر چکے ہیں اور کچھ واقعات فضائل قرآن میں ذکر کئے گئے، ان کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔

(۲۲) وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○ (سورہ شوریٰ۔ رکوع ۴)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کا ہر (مُہتم بالشان) کام مشورے سے ہوتا ہے اور جو ہم نے انکو دیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے رہتے ہیں (ایسے لوگوں کیلئے حق تعالیٰ شانہ کے یہاں جو عطایا ہیں وہ دنیا کے سازو سامان سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہیں)۔

ف: ان آیات میں کامل لوگوں کی بہت سی صفات ذکر کی ہیں اور ان کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے پاس جو ہے اور وہ دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ سے بالترتیب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خصوصی صفات اور وقتی حالات کی طرف اشارہ ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علیؓ بلکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ تک کے احوال سے خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

اور اسی ترتیب سے صفات و احوال پر تنبیہ ہے جس ترتیب سے حضرات کی خلافت

ہوئی اور ان آیات میں اشارہ کے طور پر آخرت میں ان حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے بہت کچھ عطایا کا وعدہ ہے اور الفاظ کے عموم سے ان سب لوگوں کیلئے وعدہ ہے جو ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کریں۔ کاش ہم مسلمانوں کو دین کا شوق ہوتا اور قرآن اور حدیث کے بتائے ہوئے بہترین اخلاق کو تلاش کر کے اپنانے کا جذبہ ہوتا۔ مگر ہمارے اخلاق اس قدر گرتے جارہے ہیں بلکہ گر چکے ہیں کہ ان کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام سے نفرت ہوتی ہے۔ ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اسلامی اخلاق پر آج کل مسلمان چل ہی نہیں رہے وہ مسلمانوں کے جو اخلاق دیکھتے ہیں، انہیں کو اسلامی اخلاق سمجھتے ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

(۲۳) وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (ذاریات۔ ع ۱)

اور ان کے مالوں میں سُوال کرنے والے کا اور (سُوال نہ کرنے والے) نادار کا حق ہے۔

ف: اوپر سے کامل ایمان والوں کی خاص صفتیں بیان ہورہی ہیں جن کے ذیل میں انکی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ صدقات اتنے کثرت اور ایسے اہتمام سے دیتے ہیں کہ گویا یہ ان کے ذمہ حق ہوگیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے اموال میں حق ہے یعنی زکوٰۃ کے علاوہ جس سے وہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں اور محروم لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے مالوں میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق سمجھتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محروم وہ پریشان حال ہے جو دنیا کا طالب ہو اور دنیا اس سے منہ پھیرتی ہو اور آدمیوں سے سُوال نہ کرتا ہو ایک اور حدیث میں اس سے نقل کیا گیا کہ محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محروم وہ تنگی میں پڑا ہوا شخص ہے جس کی کمائی اس کو کافی نہ ہو۔ ابو قلابہؒ کہتے ہیں کیمامہ میں ایک آدمی تھا۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا اور اُس کا سب کچھ مال متاع بہا کر لے گیا ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو محروم کہتے ہیں اس کی اعانت کی جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو ایک ایک لقمہ در بدر پھراتا ہے یعنی دروازوں سے بھیک مانگتا ہے۔ اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو، جو اس کی حاجت کو پورا کرے اور نہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو کہ اس کی اعانت کی جائے۔ یہی

شخص در اصل محروم ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت شریفہ کے متعلق سوال کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے (درمنثور)۔ یہ حدیث اسی فصل کی احادیث میں ع۱۶ پر آئے گی۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ پڑھی لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (بقرع ۲۲)۔ اس آیت شریفہ کا کچھ حصہ ۲ پر گذر چکا ہے۔ اس آیت میں مساکین وغیرہ کے دینے کا ذکر علیحدہ ہے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر علیحدہ ہے جس میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی کو صرف زکوٰۃ ہی پر کفایت نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اس کے علاوہ بھی اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں کثرت سے خرچ کرنا چاہیئے۔ مگر آج ہم لوگوں کیلئے زکوٰۃ کا ہی ادا کرنا وبال ہو رہا ہے۔ کتنے مسلمان ایسے ہیں جو زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے۔ ہاں شادی اور تقریبات کی لغو رسموں میں گھر بھی گروی رکھ دیں گے، جہاں دنیا میں مال برباد ہو اور آخرت میں گناہ کا وبال ہو۔

(۲۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (حدید۔ ع ۱)

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (انہوں نے اللہ کی راہ میں) خرچ کیا ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔

ف: قائم مقام کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال پہلے کسی اور کے پاس تھا اب چند روز کو تمہارے پاس ہے، تمہاری آنکھ بند ہو جانے کے بعد کسی اور کے پاس چلا جائے گا۔ ایسی حالت میں اس کو جوڑ جوڑ کر رکھنا بیکار بات ہے، یہ بے مروّت مال نہ سدا کسی کے پاس رہا نہ رہے گا۔ خوش نصیب ہے وہ جو اس کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کرلے اور وہ صرف یہی ہے کہ اس کو اللہ جل شانہ کے بنک میں جمع کرا دے، جس میں نہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے نہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہے، اور دنیا میں رہتے ہوئے ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے اور آج کل تو قدرت نے آنکھوں سے دکھا دیا کہ بڑے بڑے محل، بڑی بڑی جاگیریں، سازوسامان سب کا سب کھڑے کھڑے ہاتھ سے نکل کر دوسروں کے قبضہ

میں آگیا۔ کل تک جن مکانات کے بلاشرکت غیرے خود مالک تھے آج دوسروں کو اپنی آنکھوں سے اپنا جانشین ان میں دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔

(۲۵) وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ط أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوا ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○

(سورہ حدید۔ رکوع ۱)

اور تمہیں کیا ہوگیا کیوں نہیں خرچ کرتے اللہ کے راستہ میں حالانکہ سب آسمان زمین آخر میں اللہ ہی کی میراث ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ کے فتح ہونے سے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کر چکے ہیں اور جہاد کر چکے ہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے (ان لوگوں کے جن کا ذکر آگے ہے بلکہ) وہ بڑھے ہوئے ہیں درجہ میں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے (چاہے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہو یا بعد میں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی میراث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب سب آدمی مر جائیں گے تو آخر میں آسمان زمین، مال و متاع سب اسی کا رہ جائے گا کہ اس پاک ذات کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ تو جب سب کچھ سب کو چھوڑنا ہی ہے تو پھر اپنی خوشی سے اپنے ہاتھ سے کیوں نہ خرچ کرے کہ اس کا ثواب بھی ملے۔ اس کے بعد آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ کی گئی کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کے کام پر خرچ کیا یا جہاد کیا، ان کا مرتبہ بڑھا ہوا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا یا جہاد کیا، اس لئے کہ فتح سے قبل احتیاج زیادہ تھی اور جو چیز جتنی زیادہ حاجت کے وقت خرچ کی جائے گی اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

جیسا کہ سلسلہ احادیث میں ع ۱۳ پر آرہا ہے لوگوں کی ضرورت کے وقت بہت زیادہ خیال کرنا چاہئے اور ایسے وقت کو جس میں دوسروں کو ضرورت ہو اپنے خرچ کرنے کیلئے بہت غنیمت سمجھنا چاہئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ کرامؓ میں بھی یہ تفریق فرمادی کہ جن حضرات نے فتح مکہ سے

پہلے خرچ کیا ان کے ثواب کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ اس طرح ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے، کہ کسی کی ضرورت کے وقت اس پر خرچ کرنا بہت اُونچی چیز ہے۔

(۲۶) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ (سورہ حدید۔ رکوع ۲)

کون شخص ہے ایسا جو اللہ جلّ شانہٗ کو قرضِ حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو اس کے لئے بڑھاتا چلا جاتے اور اس کیلئے بہترین بدلہ ہے۔

ف: ع۵ پر ایک آیت شریفہ اس کے ہم معنی گذر چکی ہے۔ خاص اہتمام کی وجہ سے اس مضمون کو دوبارہ ارشاد فرمایا ہے، اور قرآن پاک میں بار بار اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آج اللہ کے راستہ میں خرچ کا دن ہے جو خرچ کرنا ہے کر لو، مرنے کے بعد حسرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲۷) اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ۝ (حدید۔ رکوع ۲)

بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور (یہ صدقہ دینے والے) اللہ جل شانہٗ کو قرضہ حسنہ دے رہے ہیں ان کا ثواب بڑھایا جائے گا، اور ان کے لئے نفیس اجر ہے۔

ف: یعنی جو لوگ صدقہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ جلّ شانہٗ کو قرض دیتے ہیں اس لئے کہ یہ بھی قرض کی طرح سے صدقہ دینے والوں کو واپس ملتا ہے پس یہ بہت زیادہ معاوضہ اور بدلہ لے کر ایسے وقت میں واپس ہوگا جو وقت صدقہ کرنے والے کی سخت حاجت اور سخت ضرورت اور سخت مجبوری کا ہوگا۔ لوگ شادیوں کیواسطے اور سفروں کیواسطے اور دوسری ضرورتوں کے واسطے تھوڑا تھوڑا جمع کر کے رکھتے ہیں کہ فلاں ضرورت کا وقت آرہا ہے، اولاد کی شادی کرنا ہے اس کے لئے ہر وقت فکر میں لگے رہتے ہیں اور جو گنجائش ملے، کچھ نہ کچھ کپڑا زیور وغیرہ خرید کر ڈالتے رہتے ہیں کہ اس وقت دِقت نہ ہو۔ آخرت کا وقت تو ایسی سخت حاجت اور ضرورت کا ہے کہ اس وقت نہ کسی سے خریدا جاسکتا ہے نہ قرض لیا جاسکتا ہے، نہ بھیک مانگی جاسکتی ہے۔ ایسے اہم اور کٹھن وقت کے واسطے تو جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ممکن ہو جمع کرتے رہنا نہایت ہی دور اندیشی اور کارآمد بات ہے۔ تھوڑا تھوڑا جمع کرتے رہنا یہاں تو معلوم بھی نہ ہوگا اور وہاں وہ پہاڑوں کی برابر ملے گا۔

(۲۸) وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۂ حشر۔ رکوع ۱)

"(اور اسمیں ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو لوگ دارالاسلام میں (یعنی مدینہ منورہ میں پہلے سے بستے تھے) اور ایمان میں ان (مہاجرین کے آنے) سے پہلے قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی ان مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی وہ ایمان لے آئے تھے اور یہ انصار ہی کے لوگ ہیں کہ) جو لوگ ان کے پاس ہجرت کرکے آتے ہیں ان سے یہ لوگ (یعنی انصار) محبت کرتے ہیں۔ اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی غرض نہیں پاتے (کہ اس کو لینا چاہیں یا اس پر رشک کریں) اور ان مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو اور حق یہ ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رکھا جائے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

ف: اوپر کی آیات میں بیت المال کے مستحقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ کن کن لوگوں کا اس میں حق ہے منجملہ ان کے اس آیتِ شریفہ میں انصار کا ذکر ہے اور ان کے خصوصی اوصاف کی طرف اشارہ ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے گھر میں رہ کر ایمان اور کمالات حاصل کئے ہیں اور اپنے گھر رہ کر کمالات کا حاصل کرنا عام طور سے مشکل ہوا کرتا ہے۔ دُنیوی دھندے اور دوسرے اُمور اکثر آڑ بن جاتے ہیں۔

اور دوسری خاص صفت انصار کی یہ ہے کہ یہ لوگ مہاجرین سے بے حد محبت کرتے ہیں اسلام کی ابتدائی تاریخ کا جس کو علم ہے وہ ان حضرات کے حالات اور ان کی محبت کے واقعات سے حیرت میں رہ جاتا ہے۔ چند واقعات حکایاتِ صحابہؓ میں بھی گذر چکے ہیں۔

ایک واقعہ مثال کے طور پر یہاں لکھتا ہوں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان میں حضورؐ نے بھائی چارہ اس طرح فرما دیا تھا کہ ہر مہاجر کا ایک انصاری کے ساتھ خصوصی جوڑ پیدا کر دیا تھا، اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا تھا۔ اس لئے کہ حضرات مہاجرین پردیسی حضرات ہیں ان کو اجنبی جگہ

ہر قسم کی مشکلات پیش آئیں گی۔ انصار مقامی حضرات ہیں وہ اگر ان لوگوں کی خاص طور سے خبرگیری اور معاونت کریں گے تو ان کو سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ کیسا بہترین انتظام تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس میں مہاجرین کو بھی ہر قسم کی سہولت ہو گئی اور انصار کو بھی دقت نہ ہوتی کہ ایک شخص کی خبرگیری ہر شخص کو آسان ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ خود اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ طیبہ آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور سعد بن ربیعؓ کے درمیان بھائی بندی کا رشتہ جوڑ دیا۔ سعد بن الربیعؓ نے مجھ سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرے مال میں سے آدھا تم لے لو اور میری دو بیبیاں ہیں، ان میں سے جونسی تمہیں پسند ہو، میں اس کو طلاق دیدوں جب اس کی عدت پوری ہو جائے تم اس سے نکاح کر لینا۔ (بخاری)

یزید بن اصمؒ کہتے ہیں کہ انصار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم سب کی زمینیں مہاجرین پر آدھی آدھی بانٹ دیجئے۔ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ کھیتی وغیرہ میں یہ لوگ کام کریں گے اور پیداوار میں حصہ دار ہوں گے (درمنثور) کہ ان کی محنت سے تم کو مدد ملے گی اور تمہاری زمین سے ان کو مدد ملے گی۔

اس قسم کے تعلقات اور آپس کی محبت محض دینی برادری پر آج عقل میں بھی مشکل سے آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ آج وہ مسلمان جس کا خصوصی امتیاز ایثار اور ہمدردی تھی محض خود غرضی اور نفس پروری میں مبتلا ہے۔ دوسروں کو جتنی بھی تکلیف پہنچ جائے اپنے کو راحت مل جائے۔ کبھی مسلمان کا شیوہ یہ تھا کہ خود تکلیف اٹھائے تاکہ دوسروں کو راحت پہنچ جائے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے۔ ایک بزرگ کی بیوی بہت زیادہ بدخلق تھیں۔ ہر وقت تکلیف دیتی تھیں کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ اس کو طلاق دیدیجئے۔ فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ پھر یہ کسی دوسرے سے نکاح کرے گی اور اس کی بدخلقی سے اس کو تکلیف پہنچے گی۔ (احیاء)

کیسی باریک چیز ہے۔ آج ہم میں سے بھی کوئی اس لئے تکلیف اٹھانے کو تیار ہے کہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

تیسری صفت آیت شریفہ میں انصار کی یہ بیان کی کہ مہاجرین کو اگر کہیں سے غنیمت وغیرہ

میں سے کچھ طلب ہے تو اس سے انصار کو دل تنگی یا رشک نہیں ہوتا۔ اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کو انصار پر جو عمومی فضیلت دی گئی اس سے انصار کو گرانی نہیں ہوتی (درمنثور)

چوتھی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ باوجود اپنی احتیاج اور فاقہ کے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے واقعات بہت کثرت سے ان کی زندگی کی تاریخ میں ملتے ہیں۔ جن میں سے چند واقعات میں اپنے رسالہ حکایاتِ صحابہؓ کے باب ایثار و ہمدردی میں لکھ چکا ہوں۔ منجملہ ان کے وہ مشہور واقعہ بھی ہے جو اس آیت شریفہ کی شانِ نزول میں ذکر کیا جاتا ہے، کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک کی اور تنگی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے اپنی بیبیوں کے گھروں میں آدمی بھیجا مگر کہیں بھی کچھ کھانے کو نہ ملا، تو حضورؐ نے مجمع سے ارشاد فرمایا کہ کوئی صاحب ایسے ہیں جو ان کی مہمانی قبول کریں۔ ایک انصاری جن کا نامِ گرامی بعض روایات میں ابوطلحہؓ آیا ہے، اُن کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حضورؐ کے مہمان ہیں ان کی خوب خاطر کرنا، اور گھر میں کوئی چیز ان سے بچا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کے لئے کچھ کھانے کو رکھا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سُلادو اور جب ہم کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھیں تو تم چراغ کو درست کرنے کے لئے اٹھ کر اس کو بجھا دینا تاکہ ہم نہ کھاویں اور مہمان کھالے۔

چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو جب حضورؐ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کو ان میاں بیوی کا طرز بہت پسند آیا، اور یہ آیتِ شریفہ ان کی شان میں نازل ہوئی۔ (درمنثور)

احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۳ پر ایک حدیث شریف اس آیتِ شریفہ کی تفسیر کے طور پر آرہی ہے۔ اس کے بعد اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی طبیعت کے شُحّ (لالچ) سے بچا دیا جائے وہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔ شُحّ کا ترجمہ طبعی حرص اور بخل ہے۔ یعنی طبعی تقاضا بخل کا ہو چاہے عمل سے بخل نہ ہو۔ اسی لئے علماء سے اس کی تفسیر میں مختلف الفاظ نقل کئے گئے۔ حرص اور لالچ سے اس کی تعبیر کرنا صحیح ہے جو اپنے مال میں بھی ہوتا ہے، دوسرے کے مال میں بھی ہوتا ہے۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تو ہلاک ہو گیا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کیوں؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ "شُحّ" سے بچائے جاویں وہی فلاح کو پہنچنے والے ہیں، اور مجھ میں یہ مرض پایا جاتا ہے، میرا دل نہیں چاہتا کہ میرے پاس سے کوئی چیز بھی نکل جاوے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ شُحّ نہیں ہے یہ بخل ہے اگرچہ بخل بھی اچھی چیز نہیں ہے لیکن شُحّ یہ ہے کہ دوسرے کا مال ظلم سے کھاوے۔

حضرت ابن عمرؓ سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شُحّ یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک لے، یہ تو بخل ہوا اور یہ بھی بہت بُری چیز ہے لیکن شُحّ یہ ہے کہ دوسرے کی چیز پر نگاہ پڑنے لگے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ بخل یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو خرچ نہ کرے اور شُحّ یہ ہے کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے یعنی کوئی دوسرا خرچ کرے اس سے بھی دل تنگی ہوتی ہو۔ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ شُحّ بخل سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ بخیل تو اپنے مال کو روکتا ہے اور بس، اور شحیح اپنے مال کو بھی روکتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی اس کے پاس آجائے۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ شُحّ سے بَری ہے۔ مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو، مہمانوں کی مہمان داری کرتا ہو اور لوگوں کی مصائب میں مدد کرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ اسلام کو کوئی چیز ایسا نہیں مٹاتی جیسا کہ شُحّ مٹاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ اللہ کے راستہ کا غبار اور جہنم کا دھواں یہ دونوں چیزیں کسی ایک شخص کے پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتیں اور ایمان اور شُحّ کسی ایک دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک حدیث میں حضرت جابرؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، کہ ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت میں تو بتو اندھیرا ہوگا (یعنی ایسا سخت اندھیرا پیدا کریگا کہ اندھیرے کی تہہ پر تہہ جم جائے گی) اور اپنے آپ کو شُحّ سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا کہ اسی کی وجہ سے ان لوگوں نے دوسرے لوگوں کے خون بہائے اور اسی کی وجہ سے اپنی محرم عورتوں سے زنا کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو شُحّ اور

بخل سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو قطع رحمی پر ڈال دیا اور ان کو اپنے محرموں سے زنا کرنے پر ڈال دیا اور ان کو خون بہانے پر ڈال دیا۔ یعنی اگر آدمی اجنبی عورت سے زنا کرے تو اس کو کچھ دینا پڑے اور بیٹی سے زنا کرے تو مفت ہی میں کام چل جائے اور مال کی وجہ سے لُوٹ مار تو ظاہر ہے۔

حضرت اَنَسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا اِنتقال ہُوا۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ جنّتی آدمی تھا حضورؐ نے فرمایا تمہیں اس کے سارے حالات کا کیا علم ہے، کیا بعید ہے کہ کبھی اس نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو جو بیکار ہو، یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کو نفع نہ پہنچاتی ہو۔ دوسری حدیث میں یہ قصہ اس طرح نقل کیا گیا کہ اُحُد کی لڑائی میں ایک صاحب شہید ہوگئے۔ ایک عورت ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ بیٹا تجھے شہادت مبارک ہو۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں اس کی کیا خبر ہے کہ اس نے کبھی کوئی بیکار بات زبان سے کہی ہو یا ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کی ضرورت کی نہ ہو (درمنثور) کہ ایسی معمولی چیز میں بخل کرنا بھی حرص اور لالچ کی انتہا سے ہوتا ہے ورنہ معمولی چیزیں جن میں اپنا نقصان نہ ہو بخل کے قابل نہیں ہوتیں۔

(۲۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ	اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، اور جو ایسا کریگا ایسے ہی لوگ خسارہ والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وہ کہنے لگے اے میرے رب مجھ کو تھوڑے دن کی اور مہلت کیوں نہ دے دی کہ میں خیرات کر دیتا، اور نیک لوگوں میں ہو جاتا، اور اللہ جل شانہٗ کسی شخص کو بھی جب اس کی موت کا وقت آجانے ہرگز مہلت نہیں دیتا، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں

اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (منافقون۔ ع ۲) کی خبر ہے :

ف : مال ومتاع کی مشغولی، اہل وعیال کی مشغولی ایسی چیزیں ہیں جو اللہ جلّ شانُہٗ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کا سبب بنتی ہیں لیکن یہ بات یقینی اور طے ہے کہ موت کے وقت کا کسی کو حال معلوم نہیں کہ کب آجائے، اس وقت بجز حسرت اور افسوس کے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ اور دیکھتے آنکھوں اہل وعیال، مال ومتاع سب کچھ چھوڑ کر چل دینا ہوگا۔ آج مہلت ہے جو کرنا ہے کر لو ؎

رنگا لے نہ چُندیا، گُندھا لے نہ سی — تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بُلا لے پیا کس گھڑی — تو دیکھا کرے گی کھڑی دن کے دن

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کر سکے، اس پر زکوٰۃ واجب ہو اور ادا نہ کرے تو وہ مرنے کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ کسی شخص نے ابنِ عباسؓ سے کہا کہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا کافر کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے، تو حضرت ابنِ عباسؓ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت کی کہ اس میں مسلمانوں ہی کے متعلق اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ اس آیتِ شریفہ میں مؤمن آدمی کا ذکر ہے جب اس کی موت آجاتی ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، یا اس پر حج فرض ہو گیا ہو اور حج ادا نہ کیا ہو یا کوئی اور حق، اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے حقوق میں سے ادا نہ کیا ہو تو وہ مرتے وقت دنیا میں واپسی کی تمنا کرے گا تاکہ زکوٰۃ اور صدقات ادا کرے۔ لیکن اللہ جلّ جلالُہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ جس کا وقت آجائے وہ ہرگز مؤخر نہیں ہوتا۔ (درمنثور)

قرآن پاک میں بار بار اس پر تنبیہ کی گئی کہ موت کا وقت ہر شخص کے لئے ایک طے شدہ وقت ہے۔ اس میں ذرا سی بھی تقدیم یا تاخیر نہیں ہو سکتی۔ آدمی سوچتا رہتا ہے کہ فلاں چیز کو صدقہ کروں گا، فلاں چیز کو وقف کروں گا، فلاں فلاں کے نام وصیت لکھوں گا، مگر وہ اپنے

سوچ اور فکر ہی میں رہتا ہے، اُدھر سے ایک دم بجلی کے تار کا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور یہ چلتے چلتے مر جاتا ہے، بیٹھے بیٹھے مر جاتا ہے، سوتے سوتے مر جاتا ہے۔ اس لئے تجویزوں اور مشغلوں میں ہرگز ایسے کاموں میں تاخیر نہ کرنا چاہیے، جتنا جلد ہو سکے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں، اللہ کے یہاں جمع کر دینے میں جلدی کرنا چاہیے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ۔

(۴۰) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ط اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

(سورہ حشر۔ رکوع ۳)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص یہ غور کرلے کہ اُس نے کل (قیامت) کے دن کے واسطے کیا چیز آگے بھیج دی ہے اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور ان لوگوں کی طرح سے مت بنو، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ پس (اسکی سزا میں) اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اُن کی جان سے بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں (اور یاد رکھو کہ) جنت والے اور جہنم والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی کامیاب ہیں (حقیقی کامیابی صرف جنت والوں ہی کی ہے)

ف: اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے ان کو ان کی جان سے بھلا دیا، کا یہ مطلب ہے کہ ان کی ایسی عقل ماردی گئی کہ وہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سمجھتے۔ اور جو چیزیں ان کو ہلاک کرنے والی ہیں، ان کو اختیار کرتے ہیں۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں دوپہر کے وقت حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر تھا کہ قبیلۂ مُضَر کی ایک جماعت حاضر ہوئی جو ننگے پاؤں ننگے بدن بھوکے تھے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جب ان پر فاقہ کی حالت دیکھی تو حضورؐ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ اُٹھ کر اندر مکان میں تشریف لے گئے (غالباً گھر میں کوئی چیز ان کے قابل تلاش کرنے کے لئے تشریف

لے گئے ہوں گے) پھر باہر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کا حکم فرمایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنا۔ کے بعد قرآن پاک کی چند آیات تلاوت کیں، جن میں یہ آیات بھی تھیں جو اوپر لکھی گئیں۔ پھر حضورؐ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرو اس سے پہلے کہ صدقہ نہ کر سکو، صدقہ کرو اس سے پہلے کہ تم صدقہ کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔ کوئی شخص جو بھی دے سکے، دینار دے سکے، درم دے سکے، کپڑا دے سکے، گیہوں دے سکے، جَو دے سکے، کھجور دے سکے حتّٰی کہ کھجور کا ٹکڑا ہی دے سکے وہ دیدے۔

ایک انصاری اُٹھے اور ایک تھیلہ بھرا ہوا لائے جو اُن سے اُٹھتا بھی نہ تھا۔ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور کا چہرۂ انور مسرّت سے چمکنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص بہتر طریقہ جاری کرے اس کو اس کا بھی ثواب ہے اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا بھی ثواب اس کو ہوگا اس طرح پر کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی بُرا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا گناہ تو اس کو ہوگا ہی، جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوگا، اسطرح سے کہ ان کے گناہوں کے وبال میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

اس کے بعد سب لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ کوئی دینار (اشرفی) لایا، کوئی درم لایا، کوئی غلّہ لایا۔ غرض غلّہ اور کپڑے کے دو ڈھیر حضورؐ کے قریب جمع ہو گئے اور حضورؐ نے وہ سب قبیلہ مُضَر کے آنے والوں پر تقسیم کر دیئے۔ (نسائی، درمنثور)

ایک حدیث میں آیا ہے لوگو! اپنے لئے کچھ آگے بھیج دو، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ایسی حالت میں کہ نہ کوئی واسطہ درمیان میں ہوگا، نہ کوئی پردہ درمیان میں ہوگا، یہ ہوگا کیا تیرے پاس رسول نہیں آئے جنہوں نے تجھے احکام پہنچا دیئے ہوں؟ کیا میں نے تجھ کو مال عطا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے ضرورت سے زیادہ نہیں دیا تھا؟ تو نے اپنے لئے کیا چیز آگے بھیجی؟ وہ شخص اِدھر اُدھر دیکھے گا کچھ نظر نہ آئے گا۔ آنکھوں کے سامنے جہنّم ہوگی۔ پس جو شخص اس سے بچ سکتا ہو بچنے کی کوشش کرے، چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو (کنز)

بڑا سخت منظر ہوگا، بڑا سخت مطالبہ ہوگا، دہکتی ہوئی دوزخ سامنے ہوگی اور بہران آئیں

پھینک دیئے جانے کا اندیشہ ہوگا۔ اس وقت قلق ہوگا کہ ہم نے دنیا میں سب کچھ کیوں نہ خرچ کر دیا آج فرضی ضرورتوں سے ہم خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچتے ہیں لیکن اگر آج آنکھ بند ہو جائے تو ساری ضرورتیں ختم ہو جائیں گی اور ایک سخت ضرورت جہنم سے بچنے کی سر پر موجود رہے گی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم لوگ صبح شام ایسی مدت میں چلتے ہو جس کا حال تم سے پوشیدہ ہے کہ وہ کب ختم ہو جائے۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو کہ یہ مدت احتیاط کے ساتھ ختم ہو جائے اور اللہ ہی کے ارادہ سے تم ایسا کر سکتے ہو۔ ایک قوم نے اپنے اوقات کو ایسے امور میں خرچ کر دیا جو ان کے لئے کار آمد نہ تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے تمہیں ان جیسا ہونے سے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ کہاں ہیں تمہارے وہ بھائی جن کو تم جانتے تھے، وہ اپنا اپنا زمانہ ختم کر کے چلے گئے اور ان کے عمل ختم ہو گئے اور اب وہ اپنے اپنے عمل پر پہنچ گئے جیسے بھی کیے (اچھے کئے ہوں گے تو مزے اڑا رہے ہوں گے بُرے کئے ہوں گے تو ان کو بھگت رہے ہوں گے)۔

کہاں ہیں وہ گذرے ہوئے زمانہ کے جابر لوگ جنہوں نے بڑے بڑے شہر بنائے۔ اونچی اونچی دیواروں سے اپنی محافظت کی۔ اب وہ پتھروں اور ٹیلوں کے نیچے پڑے ہیں۔ یہ اللہ کا پاک کلام ہے کہ نہ اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں نہ اس کی روشنی ماند پڑتی ہے۔ اس سے آج روشنی حاصل کر لو اندھیرے کے دن کے واسطے، اور اس سے نصیحت پکڑ لو۔

اللہ جل شانہٗ نے ایک قوم کی تعریف کی۔ پس فرمایا:-

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (انبیاء-٦٤)	وہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہم کو پکارتے تھے رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

اس کلام میں کوئی خوبی نہیں جس سے اللہ کی رضا مقصود نہ ہو، اور اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ ہو، اور وہ آدمی اچھا نہیں جس کا حلم اس کے غصہ پر غالب نہ ہو، اور وہ آدمی بہتر نہیں جو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کرے۔ (درمنثور)

(۳۱) اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(سورہ تغابن۔ رکوع ۲)

اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے (پس جو شخص ان میں پڑ کر بھی اللہ کو یاد رکھے تو) اس کے لئے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی بات سنو اور مانو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوگا اور جو شخص اپنے نفس کے شُح یعنی لالچ سے محفوظ رہا پس یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں۔

ف : شُح بخل کا اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ نمبر ۲۸ پر گذر چکا۔ "مال اور اولاد کے امتحان کی چیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات جانچنی ہے کہ کون شخص ان میں پھنس کر اللہ جل شانہٗ کے احکام کو اور اس کی یاد کو بھلا دیتا ہے اور کون شخص ان کے باوجود اللہ جلّ شانہٗ کی فرمانبرداری کرتا ہے، اور اس کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔ اور نمونہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ سامنے ہے۔ یہاں کسی کے ایک دو بیبیاں ہوں گی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ۹ بیبیاں تھیں، اولاد بھی تھی بیٹے بیٹیاں، نواسے سب کچھ موجود تھا۔

حضورؐ کے علاوہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات دنیا کے سامنے ہیں اور بہت تفصیل سے کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت انسؓ کی اولاد کا شمار ہی مشکل ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میری اولاد کی اولاد تو علیحدہ رہی، خود بلا واسطہ اپنی اولاد میں سے ایک سو بیس تو دفن کر چکا ہوں (اصابہ) اور جو زندہ رہے وہ ان کے علاوہ اور اولاد کی اولادیں مزید برآں۔ اس کے باوجود ان حضرات صحابہ کرامؓ میں شمار ہے جن سے کثرت سے احادیث نقل کی گئیں۔ اور جہاد میں کثرت سے شرکت کرتے رہے ہیں۔ اولاد کی اتنی کثرت نہ تو علم کی مشغولی سے مانع ہوئی نہ جہاد سے۔

حضرت زبیرؓ جس وقت شہید ہوئے، ۹ بیٹے، ۹ بیٹیاں اور چار بیویاں تھیں، اور بعض پوتے بعض بیٹوں سے بھی بڑے تھے (بخاری) اور جن کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا وہ علیحدہ

اس کے باوجود نہ کبھی ملازمت کی نہ کوئی اور شغل، جہاد میں عمر گذاری۔ اسی طرح اور بہت سے حضرات کا حال ہے کہ نہ مال ان کو دین سے مانع ہوتا تھا نہ اولاد کی کثرت۔ اور ان میں سے جو لوگ تجارت پیشہ تھے ان کے لئے تجارت بھی دین کے کاموں سے مانع نہ ہوتی تھی۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الآیۃ (نور ع ۵) "وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ وہ لوگ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے (بدلہ کے علاوہ انعام کے طور پر) اور بھی زیادہ دے گا" اس آیت شریفہ کی تفسیر میں بہت سے آثار میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ "جو لوگ تجارت کرتے تھے تجارت ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے مانع نہ ہوتی تھی، جب اذان سنتے فوراً اپنی اپنی دکانیں چھوڑ کر نماز کے لئے چل دیتے (درمنثور)۔

(۳۲) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (سورہ تغابن۔ رکوع ۲)

"اگر تم اللہ جل شانہٗ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دوگے تو وہ اسکو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ جل شانہٗ بڑی قدر کرنیوالا ہے (کہ تھوڑے سے عمل کو بھی قبول کر لیتا ہے) اور بڑا بردبار ہے (کہ بڑے سے بڑے گناہ پر بھی مؤاخذہ میں جلدی نہیں کرتا) پوشیدہ اور ظاہر اعمال کا جاننے والا ہے۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

ف: آیات میں نمبر ۵ اور نمبر ۲۶ و نمبر ۲ پر اس قسم کے مضامین گذر چکے ہیں۔ یہ اللہ جل شانہٗ کا خاص لطف و کرم ہے کہ ہماری خیر خواہی اور بندوں پر کرم کی وجہ سے جو چیزیں ان کیلئے اہم اور ضروری ہیں ان کو بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا جاتا ہے، اور ہم لوگ ان آیات کو بار بار پڑھتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بہت ثواب قرآن پاک کے پڑھنے کا مل گیا۔ یہ کریم کا احسان اور انعام ہے کہ وہ اپنے پاک کلام کے محض پڑھنے پر بھی ثواب عطا فرماتے۔ لیکن یہ پاک کلام محض پڑھنے کیلئے تو نازل نہیں ہوا، پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے پاک ارشادات پر عمل بھی تو ہونا چاہیئے۔ ایک چیز

کو مالک الملک اپنا آقا اپنا محسن اپنا مربی اپنا رازق اپنا خالق بار بار ارشاد فرمائے اور ہم کہیں کہ ہم نے آپ کا ارشاد پڑھ لیا بس کافی ہے، یہ ہماری طرف سے کتنا سخت ظلم ہے۔

(۳۲) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (مزمل ع ۲)

اور تم لوگ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ جل شانہ کو قرضۂ حسنہ دیتے رہو اور جو نیکی بھی تم اپنے لئے ذخیرہ بنا کر آگے بھیج دو گے اس کو اللہ جل شانہ کے پاس جا کر اس سے بہت بہتر اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کراتے رہو بیشک اللہ جل شانہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ف: اس کو اللہ جل شانہ کے پاس جا کر اس سے بہتر پانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دنیا کی چیزیں خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے یا دُنیوی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے اور اس کا بدل دنیا میں ملتا ہے مثلاً ایک روپیہ کے دو سیر گندم دنیا میں ملتے ہیں، آخرت کے بدل کو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہئے بلکہ آخرت میں جو بدل اُن چیزوں کا ملتا ہے جو اللہ کے راستہ میں خرچ کی جائیں۔ وہ مقدار کے اعتبار سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی بدرجہا زائد اس بدل سے ہوگا جو دنیا میں اس پر ملتا ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۲ کے ذیل میں گذر چکا ہے، کہ اگر طیب مال سے نیک نیتی کے ساتھ ایک کھجور بھی صدقہ کی جائے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے ثواب کو اُحد پہاڑ کے برابر فرما دیتے ہیں۔

کاش اس قدر زیادہ معاوضہ دینے والے کریم کی ہم قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت اس کے یہاں جمع کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ مال بڑی سخت ضرورت کے وقت ہم کو ملتا اور اس کے ساتھ ہی اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کی نیکی بھی تم آگے بھیج دو گے اس کا معاوضہ ایسا ہی ملے گا۔

رسالہ برکاتِ ذکر میں بہت تفصیل سے ایسی روایتیں گذر چکی ہیں کہ ایک مرتبہ سُبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہنے کا ثواب اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں اُحد پہاڑ سے زیادہ

مل جاتا ہے بشرطیکہ اخلاص سے کیا جائے۔ اور اخلاص کی شرط تو آخرت کے ہر کام میں ہے اخلاص بغیر وہاں کسی چیز کی پوچھ نہیں۔ اور اسی چیز کے پیدا کرنے کے واسطے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں کہ یہ دولت ان کے قدموں میں پڑنے سے ملتی ہے۔

(۲۴) إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى

بے شک نیک لوگ (جنت میں) ایسے جام شراب پیویں گے جنمیں کافور کی آمیزش ہوگی ایسے چشموں سے بھرے جاویں گے جن سے اللہ کے خاص بندے پیتے ہیں (ان چشموں میں عجیب بات ہوگی) کہ وہ جنتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں لیجائیں گے (یعنی یہ چشمے انکے اشاروں کے تابع ہوں گے) یہ ایسے لوگ ہیں جو منتوں کو پورا کرتے ہیں (اور اسی طرح دوسرے واجبات کو) اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی پھیلی ہوئی ہوگی (یعنی عام ہوگی کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اس دن پریشانی میں مبتلا ہوگا) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو (باوجودیکہ وہ قیدی کافر اور لڑائی میں بر سر پیکار ہوتے تھے) اور وہ لوگ (اپنے دل میں یا زبان سے کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم اس کا تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں (بلکہ اس وجہ سے کھلاتے ہیں) کہ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا (یعنی قیامت کے دن کا) خوف رکھتے ہیں پس اللہ جل شانہٗ انکو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور انکو تازگی اور سُرور عطا کریگا اور ان کو اس پختگی کے بدلہ میں جنت اور ریشمی لباس عطا کریگا اس حالت میں

الْأَرَائِكِ ج لَا يَرَوْنَ فِيهَا
شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ۝
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا
وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ۝
وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ
مِّنْ فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ
كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝ لا قَوَارِيرَا
مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا
تَقْدِيرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ
فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا
زَنْجَبِيلًا ۝ عَيْنًا فِيهَا
تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ۝
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ
مُّخَلَّدُونَ ج إِذَا رَأَيْتَهُمْ
حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ۝
وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ
نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ۝
عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوا
أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج
وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا
طَهُورًا ۝ إِنَّ هٰذَا
كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّكَانَ

کہ وہ جنت میں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے
نہ وہاں گرمی کی تپش پاویں گے نہ سردی (بلکہ معتدل
موسم ہوگا) اور درختوں کے سائے ان لوگوں پر جھکے ہوئے
ہوں گے اور انکے خوشے انکے مطیع ہوں گے (کہ جس وقت
جس کو پسند کریں گے وہ قریب آجائیگا) اور ان کے پاس
(کھانے پینے کیلئے) چاندی کے برتن اور شیشہ کے آبخورے
لائے جائیں گے ایسے شیشے جو چاندی کے ہوں گے (یعنی
وہ شیشے بجائے کانچ کے چاندی کے بنے ہوئے ہونگے
جو اس عالم میں دشوار نہیں) اور ان کو بھرنے والوں
نے صحیح اندازہ سے بھرا ہوگا (کہ نہ ضرورت سے کم نہ
زیادہ) اور وہاں (کافوری شراب کے علاوہ) ایسے جام
شراب بھی پلائے جائیں گے جسمیں سونٹھ کی آمیزش ہوگی
(جیسا کہ جنجر کی بوتل میں ہوتا ہے) یہ ایسے چشمے سے بھرے
جائیں گے جس کا نام سلسبیل ہے (کافور ٹھنڈا ہوتا ہے اور
سونٹھ گرم، مطلب یہ ہے کہ وہاں مختلف المزاج شرابیں
ہیں) اور اسکو ایسے لڑکے کہ آتے جاتے رہیں گے جو
ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور (ایسے حسین) اگر تو ان کو
دیکھے تو یہ گمان کرے کہ یہ موتی ہیں جو بکھرے ہوئے ہیں
(اور جو چیزیں اوپر ذکر کی گئیں یہی فقط نہیں بلکہ)
جب تو اس جگہ کو دیکھے گا تو وہاں بڑی نعمتیں
اور بہت بڑا ملک نظر آئیگا اور ان لوگوں پر مہین
باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور موٹے ریشم کے
(غرض مختلف انواع کے بہترین لباس ہوں گے) اور

سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (سورہ دہر۔ رکوع ۱)

ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ایسی شراب پلائیں گے جو نہایت پاکیزہ ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اور تم نے جو کوشش دنیا میں کی تھی وہ قابلِ قدر ہے۔

ف : اس کلام پاک میں شراب کا تین جگہ ذکر آیا ہے اور تینوں جگہ نوعیتِ شراب، اور طریقۂ استعمال جُدا ہے۔ پہلی جگہ ان کا خود پینا مذکور ہے، دوسری جگہ خُدام کے پلانے کا ذکر ہے اور تیسری جگہ خود ربُّ العالمین مالکُ الملک کی طرف پلانے کی نسبت ہے۔ کیا بعید ہے کہ یہ ابرار کی تین قسموں ادنیٰ اوسط اعلیٰ کے اعتبار سے ہو۔

ان آیات میں جتنے فضائل اکرام اور اعزاز نیک کام کرنے والوں کے بالخصوص اللہ کی رضا میں کھلانے والوں کے ذکر کیے گئے ہیں اگر ہم میں ایمان کا کمال ہو تو ان وعدوں کے بعد کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی چیز بھی گھر میں اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے سوا چھوڑے۔ ان آیات میں چند امور قابلِ غور ہیں:۔

(۱) پہلے چشمہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے کہ جنتی لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں لے جائیں گے۔ مجاہدؒ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ان چشموں کو جہاں چاہیں گے کھینچ لیں گے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان کے لئے کافور کی آمیزش ہوگی اور مُشک کی مہر اُن پر لگی ہوئی ہوگی اور وہ اس چشمہ کو جدھر کو چاہیں گے اُدھر کو اس کا پانی چلنے لگے گا۔ ابن شوذبؒ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس سونے کی چھڑیاں ہوں گی وہ اپنی چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کریں گے اسی طرف کو وہ نہریں چلنے لگیں گی۔

(۲) منّتوں کے پورا کرنے کے متعلق قتادہؒ سے نقل کیا گیا کہ اللہ کے تمام احکام کو پورا کرنے والے لوگ ہیں۔ اسی وجہ سے شرع میں ان کو ابرار سے تعبیر کیا گیا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے وہ منّتیں مراد ہیں جو اللہ کے حق میں کی گئی ہوں (یعنی کوئی شخص روزوں کی نذر کرلے، اعتکاف کی نذر کرلے، اسی طرح عبادات کی نذر کرلے)۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ شکرانہ کی منّتیں مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے یہ منّت مان رکھی تھی کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے واسطے ذبح کر دوں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں

مشغول تھے، اِلتفات نہیں فرمایا۔ یہ صاحب حضورؐ کے سکوت سے اجازت سمجھے اور (حضورؐ سے عرض کر دینے کے بعد) اُٹھے، دُور جا کر اپنے آپ کو ذبح کرنے لگے۔ حضورؐ کو اس کا علم ہوا حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے میری اُمّت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو منّت کے پورا کرنے کا اس قدر اِہتمام کریں۔ اس کے بعد (ان کو اپنے ذبح کرنے سے منع فرمایا اور) ان سے فرمایا، کہ اپنی جان کے بدلہ سَو اُونٹ اللہ کے نام پر ذبح کریں (اس لئے کہ اپنے آپ کو ذبح کرنا ناجائز ہے اور جان کا فدیہ دِیَت میں سَو اُونٹ ہے)۔

③ قیدیوں کے کھلانے سے آیت شریفہ میں مشرک قیدی مراد ہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں مشرک قیدی ہی ہوتے تھے مسلمان قیدی اس وقت نہ تھے۔ اور جب کافروں کے کھلانے پر یہ ثواب ہے تو مسلمان قیدی اس میں بطریقِ اولیٰ آگئے۔

مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بدر کے قیدیوں کو (جو کافر تھے) پکڑ کر لائے تو سات حضرات صحابۂ کرام حضرت ابوبکر، عمر، علی، زبیر، عبدالرحمن، سعد، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے ان پر خاص طور سے خرچ کیا۔ جس پر انصار نے کہا کہ ہم نے تو اللہ کے واسطے ان سے قتال کیا تھا تم اتنا زیادہ خرچ کر رہے ہو۔ اس پر اِنَّ الْاَبْرَارَ سے اُنیس آیتیں ان حضرات کی تعریف میں نازل ہوئیں۔

حضرت حَسَنؒ کہتے ہیں کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت قیدی مشرکین تھے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ جلّ شانُہٗ نے ان آیات میں قیدی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ اس وقت قیدی مشرک تھے، تو مسلمان قیدی کا حق تجھ پر اور بھی زیادہ ہو گیا۔

ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمان قیدی نہ تھے، مشرک قیدیوں میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی خیرخواہی کا حکم فرماتے تھے۔ ابُورَزِینؒ کہتے ہیں کہ میں شَقیق بن سَلَمہؒ کے پاس تھا چند مشرک قیدی وہاں کو گذرے تو شقیق نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیت شریفہ تلاوت کی۔

④ "نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اس کو بھی گوارا نہ کرتے تھے کہ ان کے احسان کا کوئی بدلہ چاہئے شکرگذاری اور دعا ہی کے قبیل سے

ہو۔ ان کو دنیا میں ملے۔ یہ اپنا سب کچھ آخرت ہی میں لینا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی فقیر ضرورت مند کے پاس کچھ بھیجتیں تو قاصد سے کہتیں کہ چپکے سے سننا کہ وہ اس پر کیا الفاظ کہتا ہے اور جب قاصد وہ الفاظ دعا۔ وغیرہ کے آکر نقل کرتا تو اسی نوع کی دعائیں وہ فقیر کو دیتیں اور یہ کہتیں کہ اس کی دعاؤں کا بدلہ ہے تاکہ ہمارا صدقہ خالص آخرت کے واسطے رہ جائے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کا بھی اسی نوع کا معمول نقل کیا گیا۔ (احیاء)

حضرت زین العابدینؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال خرچ کرنے کے واسطے طلب کرنیوالے کا انتظار کرے وہ سخی نہیں۔ سخی وہ ہے جو اللہ کے حقوق کو از خود اس کے نیک بندوں تک پہنچائے اور ان سے شکریہ کا امیدوار نہ رہے اسلئے کہ اسکو اللہ کے ثواب پر کامل یقین ہو۔ (احیاء)

۵ "جنت کے خوشے ان کے مطیع ہوں گے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی خواہش کے تابع ہوں گے۔ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ جنتی لوگ جنت کے پھلوں کو کھڑے بیٹھے لیٹے جس حال میں چاہیں گے کھا سکیں گے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اگر کھڑے ہوں گے تو وہ پھل اوپر کو ہو جائیں گے اور وہ لوگ اگر بیٹھے ہوں گے تو وہ جھک جائیں گے اور اگر وہ لیٹیں گے تو وہ اور زیادہ جھک جائیں گے۔ دوسری روایت میں ان سے نقل کیا گیا کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے درختوں کی جڑیں سونے کی ہیں اور ان کی ٹہنیاں اور پتے موتیوں کے اور زبرجد کے ہیں۔ جن کے درمیان پھل لٹکے ہوتے ہیں۔ اگر وہ کھڑے ہوئے کھانا چاہیں گے تو کوئی دقت نہیں۔ بیٹھ کر یا لیٹ کر کھانا چاہیں گے تو وہ اس کی بقدر جھک جائیں گے۔

۶ "چاندی کے شیشوں" کا مطلب یہ ہے کہ چاندی سے ایسے بنائے جائیں گے جیسا کہ شیشہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں تو چاندی کوئی کو اس قدر باریک کر لے کہ مکھی کے پر کی برابر باریک کر دے جب بھی اس کے اندر کا پانی نظر نہ آئے گا لیکن جنت کے آبخورے چاندی کے ہو کر شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جنت کی ہر چیز کا نمونہ دنیا میں ہے لیکن چاندی کے ایسے آبخوروں کا نمونہ دنیا میں نہیں ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر ساری

5

دنیا کے آدمی جمع ہو کر چاندی کا ایسا برتن بنا دیں جس میں شیشہ کی طرح سے اندر کی چیز نظر آئے تو نہیں بنا سکتے۔ (درمنثور)

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا شانِ نزول حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا ایک واقعہ ہے جو اسی رسالہ کے ختم پر حکایات میں نمبر ۳۴ پر آرہا ہے اور متعدد واقعات کا کسی آیت کا شانِ نزول ہونا کوئی مستبعد بات نہیں بلسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک زمانہ میں چند واقعات پیش آئے، اس زمانہ میں کوئی آیت شریفہ نازل ہوئی تو وہ آیت شریفہ سب واقعات کے متعلق ہو سکتی ہے۔

(۳۵) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ (سورہ اعلیٰ)

"بامراد ہو گیا وہ شخص جو پاک ہو گیا، اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بہت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔"

ف: "پاک ہو گیا" کی متعدد تفسیریں علماء سے نقل کی گئی ہیں۔ بہت سے علماء کا قول ہے کہ اس سے صدقۂ فطر ادا کرنا مراد ہے جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے اور بہت سے علماء نے اس کو عام قرار دیا ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ پاک ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے مال سے پاک ہو گیا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ بامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے مال سے اپنے خالق کو راضی کر لیا۔

حضرت ابو الاحوصؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو صدقہ کرے پھر نماز پڑھے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ایک روایت میں ان سے یہ نقل کیا گیا جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ نماز سے پہلے کچھ صدقہ کر دیا کرے وہ ایسا کیا کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے کیا حرج ہے کہ کچھ صدقہ اس سے پہلے کر دیا کرے۔ پھر یہ آیت شریفہ پڑھی۔

عرفجہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سَبِّحِ اسْمَ پڑھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے سنانا شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تو

پڑھنا چھوڑ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ لوگ چپ بیٹھے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے دنیا کو ترجیح دی، اس لئے کہ ہم نے اس کی زینت کو، اسکی عورتوں کو، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی چیزیں ہم سے پوشیدہ تھیں۔ پس اس موجود چیز میں لگ گئے اور اس وعدہ کی چیز کو چھوڑ دیا۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ تمام لوگ حاضر (یعنی دنیا میں موجود چیز) میں لگ گئے اور اس کو اختیار کر لیا بجز ان کے جن کو اللہ نے محفوظ رکھا، حالانکہ آخرت بھلائی میں بڑھی ہوئی تھی اور دیرپا تھی۔

حضرت انسؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بندوں کو اللہ جل شانہ کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے جب تک کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں اور جب دنیا کو دین پر ترجیح دینے لگیں تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی اُن پر لوٹا دیا جائے گا، اور یہ کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی شہادت لے کر آئے وہ جنت میں داخل ہوگا جب تک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز نہ ملا دے (یعنی اپنے اس کلام میں کھوٹ اور میل پیدا نہ کر دے) حضورؐ نے تین مرتبہ یہی بات ارشاد فرمائی۔ مجمع چُپ چاپ تھا (حضور غالباً اس کے منتظر تھے، کہ کوئی پوچھے اور مجمع ادب اور رُعب کی وجہ سے چُپ تھا)۔ دُور سے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، دوسری چیز ملانے کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ دُنیا کی محبت اور اس کو ترجیح دینا اور اس کیلئے مال جمع کر کے رکھنا اور ظالموں کا سا برتاؤ کرنا۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس ایسی چیز کی (یعنی آخرت کی) محبت کو ترجیح دو جو باقی رہنے والی ہے اس چیز (یعنی دُنیا) پر جو فنا ہو جانے والی ہے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دُنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہیں اور اس شخص کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہیں اور اس کے لئے وہی شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز دنیا سے زیادہ مبغوض نہیں ہے، اور اس نے جب سے اس کو پیدا کیا ہے کبھی بھی اس کی طرف نظرِ التفات نہیں فرمائی۔ ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے (درمنثور)۔

رسالہ کے ختم پر چھٹی فصل میں دنیا اور آخرت کے متعلق بہت سی آیات اور احادیث کا ذکر اختصار کے ساتھ آرہا ہے۔ ان آیات کے علاوہ جواب تک ذکر کی گئی ہیں اور بھی بہت سی آیات میں اللہ جلّ شانہٗ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور جس بات کو اللہ جلّ جلالہٗ اپنے پاک کلام میں بار بار مختلف عنوان سے، متعدد طرح کی ترغیبوں سے ذکر فرمایا ہو اسکی اہمیت کا کیا پوچھنا، بالخصوص جب کہ یہ سب کچھ اُسی کا عطا کیا ہوا ہے۔ ایک شخص کسی اپنے نوکر کو کچھ روپیہ دے کر یہ کہتا ہے کہ اس کو اپنی ضروریات میں خرچ کرلو اور میری خوشی یہ ہے کہ اس میں سے کچھ پس انداز کر کے فلاں جگہ پر بھی خرچ کر دینا، اگر تم ایسا کروگے تو میں اس سے بہت زیادہ دوں گا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کون ایسا ہوگا جو اس میں سے پس انداز کر کے اس جگہ اس اُمید پر خرچ نہ کرے گا کہ اس سے بہت زیادہ ملے گا۔

احادیث

اللہ جلّ شانہٗ کے اتنے ارشادات کے بعد پھر احادیث کے ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ احادیث بھی اللہ جلّ شانہٗ کے پاک کلام کی توضیح اور تفسیر ہی ہیں اس لئے تکمیل کے طور پر چند احادیث کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَھَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَّ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اُوپر تین دن گذر جائیں اس حال میں کہ میرے پاس اس

عِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَیْنٍ، رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ) میں سے کچھ بھی ہو بجز اس کے کہ کوئی چیز ادائے قرض کے لئے رکھ لی جائے۔"

ف: اُحُد کا پہاڑ مدینہ طیبہ کا مشہور پہاڑ ہے جو بہت بڑا پہاڑ ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر اس کے برابر سونا میرے پاس ہو تو میری خواہش یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر اس سب کو تقسیم کردوں، کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھوں۔ تین دن کی قید نہیں ہے اس لئے ذکر فرمایا کہ اتنی بڑی مقدار کے خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ وقت تو لگے ہی گا۔ البتہ اگر قرض ذمہ ہو اور جس کو دینا ہے وہ اس وقت موجود نہ ہو تو اس کو ادا کرنا چونکہ صدقہ سے مقدم ہے اسلئے اسکے ادا کرنے کیلئے کچھ روکنا اور محفوظ رکھنا پڑے تو دوسری بات ہے۔

اس حدیث شریف میں جہاں ایک جانب کثرت سے صدقہ کی ترغیب ہے، دوسری جانب اس سے زیادہ اہمیت قرضہ کے ادا کرنے کی ثابت ہوتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصی عادت شریفہ تھی کہ ذخیرہ رکھنے کا دھیان گذرتی نہ تھا۔ حضرت انسؓ جو حضورؐ کے مخصوص خادم ہر وقت کے مشہور خدمت گذار ہیں فرماتے ہیں کہ حضورؐ کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

حضرت انسؓ ہی سے دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ میں کہیں سے تین پرند آئے۔ ان میں سے ایک حضورؐ نے اپنے خادم کو مرحمت فرمادیا۔ دوسرے دن وہ خادم اس پرند کو لے کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں منع نہیں کر رکھا کہ کل کے واسطے کوئی چیز نہ رکھو۔ کل کی روزی اللہ جل شانہٗ خود مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت سمرہؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں بعض مرتبہ دو بارہ کو محض اس لئے دیکھنے جاتا ہوں کہ کہیں اس میں کوئی چیز بچی نہ رہ جائے اور میری موت اس حال میں آجائے کہ وہ میرے پاس ہو (ترغیب)

حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں۔ بڑے زاہد صحابہ میں تھے۔ مال سے عداوت کے ان کے بہت سے عجیب واقعات ہیں جن میں سے ایک عجیب قصہ آیات کے ذیل میں نمبر ا پر گذر چکا ہے ان سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کے ساتھ تھا، حضورؐ نے اُحد کے پہاڑ کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا بن جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ اس میں سے ایک

دینار بھی میرے پاس تین دن سے زیادہ ٹھہرے مگر وہ دینار جس کو میں قرض کے ادا کرنے کے لئے محفوظ رکھوں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ بہت زیادہ مال والے ہی اکثر کم ثواب والے ہیں مگر وہ شخص جو اس طرح اس طرح کرے۔ حدیث نقل کرنے والے نے اس طرح اس طرح کی صورت دونوں ہاتھ ملا کر دائیں بائیں جانب کرکے بتائی، یعنی دونوں ہاتھ بھر کر دائیں طرف والے کو دیدے اور بائیں طرف والے کو یعنی ہر شخص کو خوب تقسیم کرے (بخاری)۔

انہی حضرت کا ایک اور قصہ مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت کعبؓ سے کہا کہ حضرت عبدالرحمنؓ کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے ترکہ میں مال چھوڑا ہے تمہارا کیا خیال ہے کچھ نامناسب تو نہیں ہوا کعب نے فرمایا کہ اگر وہ اس مال میں اللہ کے حقوق ادا کرتے رہے ہوں تو پھر کیا مضائقہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے حضرت کعبؓ کو مارنا شروع کر دیا کہ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے اور میں اسکو سب کو خرچ کر دوں اور وہ قبول ہو جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس میں سے چھ اوقیہ بھی اپنے بعد چھوڑوں۔ اس کے بعد ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا حضورؐ سے تم نے یہ حدیث تین مرتبہ سنی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ بیشک سنی ہے۔

ان کا ایک اور قصہ بخاری شریف وغیرہ میں آیا ہے۔ احنف بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں قریش کی ایک جماعت کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے جن کے بال سخت تھے (یعنی تیل وغیرہ لگا ہوا نہیں تھا)۔ کپڑے بھی موٹے تھے، ہیئت بھی ایسی ہی تھی یعنی بہت معمولی سی۔ اس مجمع کے پاس کھڑے ہو کر اوّل سلام کیا، پھر فرمایا کہ خزانہ جمع کرنے والوں کو خوشخبری دو، اس پتھر کی جو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر وہ ان کے پستان پر رکھ دیا جائے گا جس کی گرمی سے اور شدت سے گوشت وغیرہ پک کر مونڈھے کے اوپر سے ابلنے لگے گا اور پھر وہ پتھر مونڈھے پر رکھا جائے گا تو وہ سب کچھ پستان سے بہنے لگے گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد کے ایک ستون کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ احنفؒ کہتے ہیں کہ میں ان کو جانتا نہ تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ میں انکی بات سن کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیا اور اسی ستون کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے عرض کیا کہ اس مجمع

والوں نے آپ کی بات کی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ اس گفتگو کو ناپسند سمجھا۔ وہ فرمانے لگے، یہ بیوقوف ہیں کچھ سمجھتے نہیں ہیں۔ مجھ سے میرے محبوب نے کہا ہے۔" احنف نے پوچھا کہ آپ کے محبوب کون ہیں؟ کہنے لگے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اے ابوذر! تم اُحُد کا پہاڑ دیکھتے ہو میں یہ سمجھا کہ کسی جگہ کام کو بھیجنا مقصود ہے اس لئے یہ دکھلانا ہے کہ کتنا دن باقی ہے۔ میں نے کہا، جی ہاں دیکھ رہا ہوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس اس پہاڑ کی برابر سونا ہو تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو سارے کو خرچ کر دوں مگر تین دینار (جن کا بیان اور روایات میں ہے) اس کے بعد ابوذرؓ نے کہا لیکن یہ لوگ سمجھتے نہیں، دنیا کو جمع کرتے جاتے ہیں، اور مجھے خدا کی قسم نہ تو ان سے دنیا کی طلب ہے نہ دین کا استفتاء کرتا ہے (پھر میں کیوں دبوں مجھے تو صاف صاف کہنا ہے)۔ (فتح)۔ حضرت ابوذرؓ کا ایک واقعہ دوسری فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر ۵ پر بھی آرہا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ یَوْمٍ یُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْہِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُھُمَا اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا ۔ متفق علیہ (مشکوۃ)

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے لے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔"

ف: قرآن پاک کی آیات میں بھی نمبر ۲۰ پر جو آیت گذری ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا کرے گا۔ اس جگہ اور بھی متعدد روایات اس کی تائید میں گذر چکی ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی دونوں طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس کو جن وانس کے سوا سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو، تھوڑی چیز جو کفایت کا درجہ رکھتی ہو اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کردے۔

اور جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے زور سے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر (یعنی بروایت احمد) ایک حدیث میں ہے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں جانب دو فرشتے آواز دیتے ہیں کہ یا اللہ خرچ کرنے والے کا بدل جلدی عطا فرما اور یا اللہ روک کر رکھنے والے کے مال کو جلدی ہلاک فرما۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں، جن کے متعلق صرف یہی کام ہے کوئی دوسرا کام نہیں، ایک کہتا رہتا ہے، یا اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا کر، دوسرا کہتا ہے یا اللہ روک کر رکھنے والے کو ہلاکت عطا فرما (کنز)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح شام کی خصوصیت نہیں، ان کی ہر وقت یہی دعا ہے۔ لیکن پہلی روایات کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور غروب کے وقت خاص طور سے یہ دعا کرتے ہیں، اور مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ مال جمع کر کے رکھنے والوں پر اکثر ایسی چیزیں مُسلّط ہو جاتی ہیں جن سے وہ سب ضائع ہو جاتا ہے کسی پر مقدمہ مُسلّط ہو جاتا ہے، کسی پر آوارگی سوار ہو جاتی ہے، کسی کے چور پیچھے لگ جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بربادی کبھی تو بعینہٖ اس مال کی ہوتی ہے اور کبھی صاحب مال کی، یعنی وہ خود ہی چل دیتا ہے، اور کبھی بربادی نیک اعمال کے ضائع ہونے سے ہوتی ہے کہ وہ اس میں پھنس کر نیک اعمال سے جاتا رہتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو خرچ کرتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صدقہ اچھی طرح کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ترکہ میں اچھی طرح نیابت کرتے ہیں (احیاء) یعنی اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مال وارث برباد نہیں کرتے، لغو چیزوں میں ضائع نہیں کرتے ورنہ اکثر زر دار کے لڑکے باپ کے مال کا جو حشر کرتے ہیں وہ معلوم ہی ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ جو خرچ پسندیدہ ہے وہ وہی خرچ ہے جو نیک کاموں میں ہو۔ اہل و عیال کے نفقہ میں ہو یا مہمانوں پر خرچ ہو، یا دوسری عبادتوں میں ہو۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ فرض عبادت اور نفل عبادت دونوں کو شامل ہے۔ لیکن نوافل سے رُکنے والا بد دعا کا مستحق نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی طبیعت پر ایسا بخل مُسلّط ہو جائے جو واجبات میں بھی خوشی سے خرچ نہ کرے (فقط)۔ لیکن آئندہ حدیث

تعمیم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَّکَ وَ اَنْ تُمْسِکَہٗ شَرٌّ لَّکَ وَ لَا تُلَامُ عَلٰی کَفَافٍ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ رواہ مسلم، مشکوٰۃ۔

"حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ اے آدم کے بیٹے تو ضرورت سے زائد مال کو خرچ کر دے یہ تیرے لئے بہتر ہے اور تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لئے بُرا ہے اور بقدر کفایت روکنے پر ملامت نہیں، اور خرچ کرنے میں جن کی روزی تیرے ذمہ ہے اُن سے ابتدا کر (کہ ان پر خرچ کرنا دوسروں سے مُقدم ہے)۔

ف : اس مضمون کی تائید بھی آیات نمبر ۴ پر گذر چکی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود ہی فرما چکے ہیں کہ جتنا زائد ہو وہ خرچ کر دو۔ اس جگہ یہ حدیث شریف بھی گذر چکی ہے۔ اہتمام کی اور توضیح کی وجہ سے یہاں دوبارہ ذکر کی گئی۔ حقیقت یہی ہے کہ اپنے سے جو مال زائد ہو وہ جمع کر کے رکھنے کے واسطے ہے ہی نہیں۔ اس کے لئے بہترین بات یہی ہے کہ وہ اللہ کے بینک میں جمع کر دیا جائے جس کو کوئی زوال نہیں، اس پر کوئی آفت نہیں آتی۔ اور ایسے سخت مصیبت کے وقت کام آنے والا ہے جس وقت کے مقابلہ میں یہاں کی ضرورتیں کچھ بھی نہیں ہیں اور وہاں اس وقت کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اثاثہ صرف وہی ہوگا جو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ دوسری چیز اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ بقدر کفایت روکنے پر ملامت نہیں یعنی جتنے کی واقعی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر گذر مشکل ہو یا دست سوال دراز کرنا پڑے اس کو محفوظ رکھنے پر الزام نہیں ہے اور جن کی روزی اپنے ذمہ ہے اہل وعیال ہوں یا دوسرے لوگ ہوں حتیٰ کہ جانور بھی اگر محبوس کر رکھا ہے تو اس کی خبر گیری اپنے ذمہ ہے اس کو ضائع اور برباد کرنے کا گناہ اور وبال ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہی بہت ہے کہ جس کی روزی اس کے ذمہ ہو اس کو ضائع کر دے۔ (مشکوٰۃ)

عبد اللہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوذرؓ کے ساتھ تھا کہ انکا وظیفہ جو بیت المال

میں تھا وہ ان کو ملا۔ وہ اپنی ضروریات خریدنے کے لئے جا رہے تھے۔ ان کی باندی ساتھ تھی جو ان کی ضرورتیں مہیا کر رہی تھی۔ اس کے پاس ضروری چیزوں کے بعد سات اشرفیاں بچ گئیں۔ انہوں نے باندی سے فرمایا کہ ان کے پیسے لے آ (تاکہ ان کو تقسیم کر دیں) میں نے کہا کہ اگر ان اشرفیوں کو آپ ابھی رہنے دیں کہ اور ضرورتیں پیش آئیں گی مہمان بھی آتے رہتے ہیں فرمایا کہ مجھ سے میرے دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ قرار داد کی تھی کہ جو سونا یا چاندی باندھ کر رکھا جائے گا وہ مالک پر آگ کی چنگاری ہے جب تک کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دیا جائے (ترغیب)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی ضرورت سے زیادہ چیز کو خرچ کر دینے کی اتنی ترغیبات وارد ہوئی ہیں کہ بعض صحابہ کرام کو یہ خیال ہونے لگا کہ آدمی کو اپنی ضرورت سے زیادہ چیز رکھنے کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو کبھی ادھر کبھی اُدھر لے جاتے تھے۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس سواری زائد ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہیں، حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زیادہ میں کوئی حق ہی نہیں (ابوداؤد)۔ ان صاحب کا اپنی اونٹنی کو ادھر اُدھر پھرانا یا تو اس بے تفاخر اور بڑائی کی وجہ سے تھا تب تو حضورؐ کے آئندہ ارشاد کے مخاطب یہی صاحب ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز تفاخر کے لئے نہیں ہوتی، دوسروں کی اعانت کے لئے ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پھرانا اس کی ناگفتہ بہ حالت دکھلانے کے واسطے صورت سوال تھا۔ اس صورت میں حضورؐ کے ارشاد کے مخاطب دوسرے حضرات ہیں۔

(۴) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى

عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی حضورؐ نے نماز کا سلام پھیرا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر نہایت عجلت کیساتھ لوگوں کے مونڈھوں پر کو گذرتے ہوئے ازواجِ مطہرات کے گھروں میں سے ایک گھر

رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِہٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِہٖ فَخَرَجَ عَلَیْھِمْ فَرَاٰی اَنَّھُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِہٖ قَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَکَرِھْتُ اَنْ یَّحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِہٖ۔
(رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ)

میں تشریف لے گئے۔ لوگوں میں حضورؐ کے اس طرح جلدی تشریف لے جانے سے تشویش پیدا ہوئی کہ نہ معلوم کیا بات پیش آگئی۔ حضورؐ مکان سے واپس تشریف لائے تو لوگوں کی حیرت کو محسوس فرمایا اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سونے کا ایک ٹکڑا یاد آگیا تھا جو گھر میں رہ گیا تھا مجھے یہ بات گراں گذری (کہ کبھی موت آجائے اور وہ رہ جائے اور میدانِ حشر میں اسکی جواب دہی اور اس کا حساب) مجھے روک لے اس لئے اس کو جلدی بانٹ دینے کو کہہ کر آیا ہوں۔

ف: اسی قصہ میں دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ کہیں میں اس کو بھول جاؤں اور وہ رات کو میرے پاس رہ جائے۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور قصہ حدیث میں آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں حضورؐ کے پاس چھ سات اشرفیاں تھیں (اسی وقت کہیں سے آگئی ہوں گی) حضورؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ ان کو جلدی بانٹ دو۔ حضورؐ کی بیماری کی شدت کی وجہ سے مجھے ان کو تقسیم کرنے کی مہلت نہ ملی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں تقسیم کر دیں۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کی بیماری نے بالکل مہلت نہ دی۔ فرمایا اُٹھا کر لاؤ۔ ان کو لے کر ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہے (یعنی اس کو کس قدر ندامت ہوگی) اگر وہ اس حال میں اللہ جل شانہٗ سے ملے کہ یہ اس کے پاس ہوں (مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ سے اسی قسم کا ایک اور قصہ نقل کیا گیا جس میں وارد ہے کہ رات ہی کو کہیں سے آگئی تھیں حضورؐ کی نیند اُڑ گئی۔ جب اخیر شب میں میں نے انکو خرچ کر دیا جب نیند آئی (احیاء)۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس سات اشرفیاں تھیں جو حضرت عائشہؓ کے پاس رکھی تھیں حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ وہ علیؓ کے پاس بھیج دو۔ یہ فرمانے کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اسمیں

مشغول ہوگئیں۔ تھوڑی دیر میں افاقہ ہوا تو پھر یہی فرمایا اور پھر غشی ہوگئی، بار بار غشی ہو رہی تھی۔ آخر حضورؐ کے بار بار فرمانے پر حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیں۔ انہوں نے تقسیم فرمادیں۔

یہ قصہ تو دن میں گذرا، اور شام کو کہ دوشنبہ کی رات حضورؐ کی زندگی کی آخری رات تھی حضرت عائشہؓ کے گھر میں چراغ میں تیل بھی نہ تھا۔ ایک عورت کے پاس چراغ بھیجا کہ حضورؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہے، وصال کا وقت قریب ہے، اس میں گھی ڈال دو کہ اسی کو جلالیں (ترغیب)۔

حضرت اُم سلمہؓ سے اس قسم کا اور قصہ نقل کیا گیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ تشریف لائے اور آپ کے چہرہ مبارک پر تغیر (گرانی) کا اثر تھا، میں یہ سمجھی کہ طبیعت ناساز ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے چہرہ پر کچھ گرانی کا اثر ہے کیا بات ہوئی۔ فرمایا سات دینار رات آگئے تھے وہ بستر کے کونے پر پڑے ہیں ابتک خرچ نہیں ہوئے (عراقی احیاء)

حضورؐ کی خدمت میں ہدایا تو آتے ہی رہتے تھے لیکن دن ہو، رات ہو، صحت ہو، بیماری ہو، اس وقت تک طبیعت مبارک پر بوجھ رہتا تھا جب تک وہ خرچ نہ ہوجائیں اور حد ہے کہ اپنے گھر میں بیماری کی شدت میں رات کو جلانے کو تیل بھی نہیں لیکن سات اشرفیاں موجود ہونے پر بھی گھر کی ضرورت کا نہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا، نہ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ ہی کو یاد آیا کہ تھوڑا سا تیل بھی منگالیں۔

مجھے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کا یہ معمول دیکھنے کا بارہا موقعہ ملا کہ رات کو وہ اپنے ملک میں کوئی روپیہ پیسہ رکھنا نہیں چاہا کرتے تھے۔ قرضہ تو ہمیشہ ہی سر رہا حتیٰ کہ وصال کے وقت بھی سات آٹھ ہزار روپیہ قرض تھا۔ اس لئے اگر رات کو روپیوں کی کوئی مقدار ہوتی تو وہ کسی قرض خواہ کے حوالے کردیتے اور پیسے ہوتے تو وہ بچوں میں سے کسی کو دیدیتے، اور فرمایا کرتے تھے میرا نہیں جی چاہتا کہ یہ گندگی رات کو میرے پاس رہے، موت کا اعتبار نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر میں نے حضرت اقدس قدوۃ الزاہدین شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ کے متعلق سُنا ہے کہ حضرت کے پاس فتوحات کی کثرت تھی، اور جب کچھ جمع ہوجاتا، تو

بہت اہتمام سے اس کو خیر کے مواقع میں تقسیم فرما دیا کرتے۔ اس کے بعد پھر کہیں سے کچھ آجاتا تو چہرۂ مبارک پر گرانی کے آثار ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ یہ اور آگیا۔ آخر میں حضرت نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی تقسیم فرما دیئے تھے اور اپنے مخصوص خادم حضرت مولانا عبد القادر صاحب زاد مجدہم سے فرمایا تھا کہ بس اب تو تم سے کپڑا مستعار لے کر پہن لیا کروں گا۔ اللہ کے اولیاء کی شانیں اور انداز بھی عجیب ہوا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک ولولہ ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے ہی واپس جاویں۔ اس دنیا کے متاع کا ذخیرہ ملک میں نہ ہو۔

⑤ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔ متفق عليه۔ (مشكوة)

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا یہ کہ تو صدقہ ایسی حالت میں کرے، کہ تندرست ہو مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو اپنے مالدار ہونے کی تمنا ہو اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک مؤخر نہ کر کہ روح حلق تک پہنچ جائے یعنی مرنے کا وقت قریب آجائے تو تُو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں (مسجد) کا اور اتنا مال فلاں (مدرسہ) کا، حالانکہ اب مال فلاں (وارث) کا ہو گیا۔

ف: "فلاں (وارث) کا ہو گیا" کا مطلب یہ ہے کہ وارث کا حق اس میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے وصیت صرف ایک تہائی میں ہو سکتی ہے اور مَرَضُ الموت کے صدقات بھی تہائی میں ہو سکتے ہیں، اس سے زیادہ کا حق مرنے والے کو نہیں ہے۔ اسی واسطے ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اس کا مال صرف تین چیزیں ہیں۔ جو کھا لیا یا پہن لیا یا اللہ کے خزانہ میں صدقہ کر کے جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ جانے والا ہے یعنی یہ شخص اس کو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے (مشکوۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کر دے وہ اس سے بہتر

ہے کہ مرتے وقت سو درہم صدقہ کرے (مشکوٰۃ)۔ اس لئے کہ واقعی مرتے وقت تو وہ گویا دوسرے کے مال میں سے صدقہ کر رہا ہے کہ اب اس کا کیا رہا اس کو تو بہرحال اس مال کو چھوڑ کر جانا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مرتے وقت صدقہ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص جب خوب پیٹ بھر لے تو بچے ہوئے کھانے کا ہدیہ تحفہ کسی کے پاس لے کر جائے (مشکوٰۃ)۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مختلف مثالوں سے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اصل صدقہ کا وقت تندرستی اور صحت کا ہے کہ اپنے نفس سے اصل مقابلہ اسی وقت ہے لیکن ان سب کا مطلب یہ نہیں کہ مرتے وقت کا صدقہ یا وصیت بیکار ہے۔ بہرحال ثواب اس کا بھی ہے، ذخیرۂ آخرت وہ بھی بنتا ہے البتہ اتنا ثواب نہیں ہوتا جتنا اپنی ضرورتوں اور راحتوں کے مقابلہ میں صدقہ کرنے کا ثواب ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَ نِ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (بقرہ۔ ع ۲۲) "تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے اگر وہ مال چھوڑے تو والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے کچھ وصیت کر جائے جو معروف طریقہ پر ہو جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری چیز ہے"۔ یہ حکم جو اس آیت شریفہ میں ذکر کیا گیا، ابتدائے اسلام کا ہے۔ اس وقت ماں باپ کے لئے بھی وصیت فرض تھی، اس کے بعد جب میراث کا حکم نازل ہوا تو والدین اور جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے معیّن کر دیا، ان کے لئے وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن جن رشتہ داروں کا حق شریعت نے مقرر نہیں کیا، ان کے لئے ایک تہائی مال میں وصیت کا حق اب بھی باقی ہے لیکن میراث کے حکم سے پہلے یہ فرض تھا اب فرض نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ کے حکم سے ان کو وصیت منسوخ ہو گئی جو وارث بنتے ہیں، اور جو وارث نہیں بنتے ان کو وصیت منسوخ نہیں ہوئی۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس آیتِ شریفہ میں وصیت اب ان کے لئے رہ گئی جو وارث نہیں ہوتے، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں (درمنثور)۔

ایک حدیث میں اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد آیا ہے "اے آدم کے بیٹے تو زندگی میں بخیل تھا

مرنے کے وقت اسراف کرنے لگا دو بُرائیاں اکٹھی نہ کر۔ ایک زندگی (میں بخل) کی ، دوسری مرنے کے وقت کی۔ تُو اپنے ایسے رشتہ داروں کو دیکھ جو تیری میراث سے محروم ہیں اور ان کیلئے کچھ وصیت کر جا (کنز)۔

آیات میں نمبر ۲ پر خود حق تعالیٰ شانُہٗ کے پاک کلام میں بھی اس طرف اشارہ گذر چکا ہے، کہ صدقہ اس وقت کا افضل ہے جب کہ آدمی کو مال کی محبت ستا رہی ہو بمقابلہ اسکے کہ دل سرد ہو چکا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جلّ شانُہٗ اس شخص سے ناراض ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور مرنے کے وقت سخی ہو (کنز)۔

اس لئے جو لوگ صدقات و اوقاف میں مرنے کے وقت کا انتظار کرتے ہیں یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ اوّل تو اسی کا علم کسی کو نہیں کہ کب اور کس طرح موت آجائے۔ متعدد واقعات اس قسم کے قابلِ عبرت دیکھنے میں آئے کہ مرنے کے وقت بہت کچھ صدقات اور اوقاف کرنے کی اُمنگیں لوگوں میں تھیں لیکن بیماری نے ایسا گھیرا کہ مہلت ہی نہ لینے دی، کسی پر فالج گر گیا، کسی کی زبان بند ہوگئی، کہیں ورثہ تیماردار بیچ میں حائل ہوگئے اور اگر ان سب عوارض سے بچ کر اس کی نوبت آبھی جائے جو بہت کم آتی ہے تب بھی وہ درجہ ثواب کا تو ہوتا نہیں جو اپنی خواہشات کو نقصان پہنچا کر صدقہ کرنے کا ہے۔ البتہ اگر اپنی زندگی میں کوتاہی سے نہ کرسکا ہو تو مرنے ہی کے وقت کو غنیمت سمجھے کہ مرنے کے بعد کوئی کسی کو نہیں پوچھتا سب دو چار دن رو کر بھول جاتے ہیں۔ روزانہ کے یہ مشاہدے ہیں۔ جو کچھ لے جانا ہے خود ہی اپنے ساتھ لے جاؤ، کام دے گا۔

(٦) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ سَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا

(بنی اسرائیل کے) ایک آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات کو چپکے سے صدقہ کرونگا۔ چنانچہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا۔ صبح کو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص ایک چور کو صدقہ دے گیا اس صدقہ کرنیوالے نے کہا یا اللہ چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے

يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِىْ يَدِ زَانِيَةٍ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِىْ يَدِ غَنِيٍّ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى غَنِيٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ وَّ زَانِيَةٍ وَّغَنِيٍّ ـ فَاُتِيَ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَ اَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَ اَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهٗ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقَ مِمَّا

ہی لئے تعریف ہے (کہ اس سے بھی زیادہ بد حال کو دیا جاتا تو بھی بتا میں کیا کر سکتا تھا) پھر اس نے دوبارہ ٹھانی کہ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا (کہ پہلا تو ضائع گیا) چنانچہ رات کو صدقہ کا مال لے کر نکلا اور اسکو ایک عورت کو دے آیا (یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ تو چوری کیا کرے گی) صبح کو چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص فلاں بدکار عورت کو صدقہ دے گیا۔ اس نے کہا یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے زنا کرنیوالی عورت پر بھی (کہ میرا مال تو اس سے بھی کم درجہ کے قابل تھا) پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات کو ضرور صدقہ کرونگا چنانچہ رات کو صدقہ لیکر گیا اور اسکو ایک شخص کو دیدیا جو مالدار تھا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا اس صدقہ دینے والے نے کہا یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے چور پر بھی زنا کرنے والی عورت پر بھی اور غنی پر بھی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ تیرا صدقہ قبول ہو گیا ہے تیرا صدقہ چور پر (اس لئے کرایا گیا) کہ شاید وہ اپنی چوری کی عادت سے توبہ کرلے اور زانیہ پر اس لئے کہ وہ شاید زنا سے توبہ کرلے (جب وہ یہ دیکھے گی کہ بغیر منہ کالا کرائے بھی اللہ جلّ شانہٗ عطا فرماتے ہیں تو اس کو غیرت آئے گی) اور غنی پر اس لئے تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو (کہ اللہ کے بندے کس طرح چھپ کر صدقہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے) شاید وہ بھی اس مال

اَعْطَاہُ اللّٰہُ۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ) میں سے جو اس کو اللہ جلّ شانہٗ نے عطا فرمایا ہے صدقہ کرنے لگے۔

ف: ایک حدیث میں یہ قصہ اور طرح سے ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ دوسرا قصہ ہو، کہ اس قسم کے متعدد واقعات میں کوئی اِشکال نہیں، اور اگر وہ یہی قصہ ہے تو اس سے اس قصہ کی کچھ وضاحت ہوتی ہے۔

طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے منّت مانی کہ جو شخص سب سے پہلے اس آبادی میں نظر پڑے گا اس پر صدقہ کروں گا۔ اتفاق سے سب سے پہلے ایک عورت ملی اس کو صدقہ کا مال دیدیا لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑی خبیث عورت ہے۔ اس صدقہ کرنے والے نے اس کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑا اُس کو مال دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بدترین شخص ہے۔ اس شخص نے اس کے بعد جو سب سے پہلے نظر پڑا اس پر صدقہ کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑا مالدار شخص ہے۔ صدقہ کرنے والے کو بڑا رنج ہوا۔ تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے تیرے تینوں صدقے قبول کرلئے۔ وہ عورت فاحشہ عورت تھی لیکن محض ناداری کی وجہ سے اس نے یہ فعل اختیار کر رکھا تھا جب سے تُو نے اس کو مال دیا ہے۔ اس نے یہ بُرا کام چھوڑ دیا۔ دوسرا شخص چور تھا اور وہ بھی تنگدستی کی وجہ سے چوری کرتا تھا، تیرے مال دینے پر اُس نے چوری سے علیحدگی اختیار کرلی تیسرا شخص مالدار ہے اور کبھی صدقہ نہ کرتا تھا، تیرے صدقہ کرنے سے اس کو عبرت ہوئی کہ میں اس سے زیادہ مالدار ہوں اسلئے زیادہ صدقہ کرنے کا مُستحق ہوں، اب اس کو صدقہ کی توفیق ہوگئی (کنز)۔

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر صدقہ کرنے والے کی نیّت اخلاص کی ہو اور اس کے باوجود وہ بے محل پہنچ جائے تو اس میں بھی اللہ جلّ شانہٗ کی کوئی حکمت ہوتی ہے اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔ آدمی کا اپنا کام یہ ہے کہ اپنی نیّت اِخلاص کی رکھے کہ اصل چیز اپنا ہی ارادہ اور فعل ہے، اور ان صدقہ کرنے والے بزرگ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ باوجود اپنی کوشش کے جب صدقہ بے جگہ صرف ہوگیا تو اس کی وجہ سے بددل ہوکر صدقہ کرنیکا ارادہ ترک نہیں کیا، بلکہ دوبارہ سہ بارہ صدقہ کو اپنے مصرف پر خرچ کرنے کی کوشش کرتے رہے یہی وہ ان کا اِخلاص اور نیک نیّتی تھی جس کی برکت سے تینوں صدقے قبول بھی ہوگئے اور قبول کی

بشارت بھی خواب میں ظاہر ہو گئی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر صدقہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے محل پر خرچ نہ ہوا ہو تو اس کو دوبارہ ادا کرنا مستحب ہے اور دوبارہ ادا کرنے سے اکتانا نہیں چاہیے، جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ خدمت کو قطع نہ کر، اگرچہ عدم قبول کے آثار ظاہر ہوں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ جل شانہٗ آدمی کی نیک نیتی کا بدلہ ضرور عطا فرماتے ہیں، اس لئے کہ ان صدقہ کرنے والوں نے خالص اللہ کے واسطے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا (اسی لئے رات کو چھپا کر دیا تھا) تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو قبول فرمایا اور بے محل خرچ ہو جانے کی وجہ سے مردود نہیں ہوا۔

(۷) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَۃِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّاھَا (رواہ رزین)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو، اس لئے کہ بلا صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

ف: یعنی اگر کوئی بلاء و مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقہ کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ برائی کے ستر دروازوں کو بند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے، حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے پاک کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو اور مصیبتوں کی موجوں کا دعا سے استقبال کرو (ترغیب)۔

کنز العمال میں کئی احادیث کے ذیل میں یہ مضمون آیا ہے کہ اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقہ کی کثرت بیماری سے شفا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے بیماروں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبرو ریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کرنا ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں کم سے کم درجہ جذام کی اور برص کی بیماری ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقہ سے کیا کرو، اس سے حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری مضرت کو بھی دفعہ کرے گا اور تمہارے دشمن پر مدد کرے گا (کنز)۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے تو جب تک پہننے والے کے بدن پر ایک

بھی ٹکڑا اس کپڑے کا رہے گا پہنانے والا اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ ابنُ ابی الجعدؒ کہتے ہیں کہ صدقہ برائیوں کے ستّر دروازے بند کرتا ہے (احیاء)۔

ایک حدیث میں ہے کہ صبح کو سویرے سویرے صدقہ کردیا کرو، اس لئے کہ بلاء صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی (ترغیب)۔ آیات کے ذیل میں نمبر ۹ پر ابنُ ابی الجعدؒ کی نقل سے ایک واقعہ بھی بھیڑیئے کا گزر چکا ہے اور متعدد روایات اس مضمون کی گذر چکی ہیں۔ حضرت انسؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ اللہ جل شانہٗ کے غصہ کو دور کرتا ہے اور بُری موت کو ہٹاتا ہے (مشکوٰۃ)۔

علماء نے لکھا ہے کہ صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رکھتا ہے اور مرض کی شدت کی وجہ سے ناشکری کے الفاظ نکلنے سے حفاظت کرتا ہے اور ناگہانی موت کو روکتا ہے۔ غرض حُسنِ خاتمہ کا مُعین ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ قبر کی گرمی کو زائل کرتا ہے اور آدمی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا (کنز)۔ یعنی جتنا زیادہ صدقہ کرے گا، اتنا ہی زیادہ سایہ ہوگا۔

حضرت معاذؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جو جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور رکھے۔ حضورؐ نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی اور وہ بہت آسان چیز ہے جس پر اللہ جل شانہٗ آسان کردے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی اخلاص سے عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضانُ المبارک کے روزے رکھو، اور بیت اللہ شریف کا حج کرو، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا، کہ میں تمہیں خیر کے دروازے بتاؤں (یعنی جن دروازوں سے آدمی خیر تک پہنچتا ہے) اور وہ یہ ہیں روزہ ڈھال ہے (یعنی جیسا ڈھال کی وجہ سے آدمی دشمن کے حملہ کو روکتا رہتا ہے اسی طرح روزہ کے ذریعہ شیطان کے حملوں کو روکتا ہے) اور صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصہ میں نماز (بھی ایسی ہی چیز ہے)۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ۔ یہ آیت شریفہ آیات کے ذیل میں نمبر ۱۹ پر گزر چکی ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ میں تم کو سارے کام کا سر اور اس کا ستون

اور اس کی بلندی بتاؤں ۔ سب کا سر تو اسلام ہے (کہ اس کے بغیر تو کوئی چیز معتبر ہی نہیں) اور اس کا ستون نماز ہے (کہ جیسے بغیر ستون کے مکان کا باقی رہنا مشکل ہے ایسے ہی بغیر نماز کے اسلام کا بقاء مشکل ہے) اور اسکی بلندی جہاد ہے (یعنی جہاد سے اس کو بلندی ملتی ہے) ۔

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کی جڑ بتاؤں (جس پر ساری بنیاد قائم ہوتی ہے) حضورؐ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اس پر بھی پکڑے جائیں گے جو کچھ بات چیت زبان سے کر لیتے ہیں ؟ حضورؐ نے فرمایا تجھ کو تیری ماں روئے اے معاذ! کیا آدمیوں کو ناک کے بل اوندھے مُنہ جہنّم میں زبان کے علاوہ اور کوئی چیز بھی ڈالتی ہے (مشکوٰۃ) ۔

"تجھ کو تیری ماں روئے" عرب کے محاورہ میں تنبیہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہم زبانوں کو جو قینچی کی طرح چلاتے رہتے ہیں وہ سب مجموعہ اعمالنامہ میں تُلے گا اور اس میں لغو اور بیہودہ ناجائز چیزیں جتنی بولتے ہیں وہ جہنّم میں جانے کا سبب ہوتی ہیں ۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آدمی اللہ جلّ شانہٗ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ بولنے والا کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا لیکن حق تعالیٰ شانہٗ اس کلمہ کی وجہ سے اس کے درجے جنّت میں بلند کر دیتے ہیں، اور آدمی اللہ جلّ شانہٗ کی ناراضی کا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کہنے والا سرسری سمجھتا ہے لیکن اس کلمہ کی وجہ سے جہنّم میں پھینک دیا جاتا ہے ۔ ایک روایت میں ہے کہ جہنّم میں اتنی دُور پھینک دیا جاتا ہے جیسا کہ مشرق سے مغرب دُور ہے ۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے کہ بے محل استعمال نہیں کرے گا ۔ ایک وہ چیز جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسری وہ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اسکے لئے جنّت کا ضامن ہوں ۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنّم میں آدمیوں کو کثرت سے یہی دو چیزیں ڈالتی ہیں ۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے اور محض اتنی غرض ہوتی ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے تفریح ہوگی لیکن اس کے وبال سے جہنّم میں اتنی دُور پھینک دیا جاتا ہے جتنی آسمان سے زمین دُور ہے ۔

حضرت سفیان ثقفیؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر کس چیز

کا ہے؟ حضورؐ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ اس کا (مشکوٰۃ)۔ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات میں مختلف عنوانوں سے یہ چیز وارد ہوئی ہے ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ یقیناً آدمی کو اس کا اکثر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس سے اگر کوئی نفع نہ پہنچے تو کم از کم کسی آفت اور مصیبت میں تو گرفتار نہ ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ مشہور امام حدیث اور فقہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا تھا جس کی وجہ سے پانچ مہینہ تک تہجد سے محروم رہا کسی نے پوچھا۔ ایسا کیا گناہ ہو گیا تھا؟ فرمایا ایک شخص رو رہا تھا میں نے اپنے دل میں یہ کہا تھا یہ شخص ریاکار ہے (احیاء) یہ دل میں کہنے کی نحوست ہے۔ ہم لوگ اس سے کہیں زیادہ سخت لفظ زبان سے لوگوں کے متعلق کہتے رہتے ہیں اور بے وجہ کہتے رہتے ہیں۔ اور اگر اس سے مخالفت بھی ہو پھر تو اس کے اوپر بہتان باندھنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے، اس کے ہر ہنر کو عیب اور ہر عیب کو زیادہ وقیع بنا کر شہرت دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہٗ۔ رواہ مسلم مشکوٰۃ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ کرنا مال کو کم نہیں کرتا اور کسی خطا وار کے قصور کو معاف کر دینا، معاف کرنے والے کی عزت ہی کو بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ جل شانہٗ کی رضا کے خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔

ف: اس حدیث پاک میں تین مضمون وارد ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ صدقہ دینے سے ظاہر کے اعتبار سے اگرچہ مال میں کمی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں مال میں اس سے کمی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا بدل اور نعم البدل آخرت میں تو ملتا ہی ہے جیسا کہ اب تک کی سب آیات اور روایات سے بکثرت معلوم ہو چکا ہے۔ دنیا میں بھی اکثر اس کا بدل ملتا ہے جیسا کہ آیات میں نمبر ۱۴ پر اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور نمبر ۲۰ پر تو گویا اس کی تصریح گزر چکی ہے کہ جو کچھ تم (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرو گے اللہ جل شانہٗ اس کا بدل عطا کرے گا۔ اور اس آیت کے ذیل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات اس کی تائید میں گزر چکے ہیں۔ اور احادیث کے ذیل میں نمبر ۲

پر حضورؐ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ روزانہ دو فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔

حضرت ابو کبشہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں میں قسم کھاکر بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ایک بات خاص طور سے تمہیں بتاؤں گا، اس کو اچھی طرح محفوظ رکھنا۔ وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، ان میں سے اوّل یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ اور دوسری یہ ہے کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس صبر کی وجہ سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں۔ اور تیسری یہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔ ان تین کے بعد ایک بات تمہیں بتاتا ہوں اس کو محفوظ رکھو، وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے علم بھی عطا فرمایا اور مال بھی عطا فرمایا وہ (اپنے علم کی وجہ سے) اپنے مال میں اللہ سے ڈرتا ہے (کہ اس کی خلاف مرضی خرچ نہیں کرتا بلکہ) صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ کے لئے اس مال میں نیک عمل کرتا ہے اس کے حقوق ادا کرتا ہے یہ شخص سب سے اُونچے درجوں میں ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہٗ نے علم عطا فرمایا اور مال نہیں دیا۔ اس کی نیت سچی ہے وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں کی طرح سے (نیک کاموں میں خرچ کرتا) تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی نیت کی وجہ سے اس کو بھی وہی ثواب دیتا ہے جو پہلے کا ہے۔ اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہو جاتے ہیں۔

تیسرے وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہٗ نے مال عطا کیا مگر علم نہیں دیا وہ اپنے مال میں گڑبڑ کرتا ہے (بے محل لہو و لعب اور شہوتوں میں خرچ کرتا ہے) نہ اس مال میں اللہ کا خوف کرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے نہ حق کے موافق خرچ کرتا ہے۔ یہ شخص (قیامت میں) خبیث ترین درجہ میں ہوگا۔

چوتھا وہ شخص ہے جس کو اللہ جل شانہٗ نے نہ مال عطا کیا نہ علم دیا۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں بھی فلاں (یعنی نمبر ۳) کی طرح خرچ کروں تو اس کو اس کی نیت کا گناہ ہوگا اور وبال میں یہ اور نمبر ۳ برابر ہو جائیں گے (مشکوٰۃ بروایۃ الترمذی وقال حدیث صحیح)۔

حضرت ابن عباسؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ صدقہ کرنا مال کو

کم نہیں کرتا اور جب کوئی شخص صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ مال فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ جل شانہٗ کے پاک ہاتھ میں جاتا ہے (یعنی قبول ہوتا ہے) اور جو شخص ایسی حالت میں دستِ سوال بڑھاتا ہے کہ بغیر سوال کے اس کا کام چل جاتا ہو، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں (ترغیب)۔

حضرت قیس بن سلع انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی کہ یہ بہت اسراف کرتا ہے اور اپنے مال کو بے جا خرچ کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں باغ میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں اور اللہ کے راستہ میں بھی خرچ کرتا ہوں اور جو مجھ سے ملنے آتے ہیں ان کو بھی کھلاتا ہوں۔ حضورؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر تین بار فرمایا، کہ خرچ کیا کر۔ اللہ جل شانہٗ تجھ پر خرچ فرمائیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں ایک سفر جہاد میں چلا تو میرے پاس سواری بھی اپنی تھی اور اپنے سب گھر والوں سے زیادہ ثروت مجھے حاصل تھی۔ (ترغیب) یعنی جو لوگ بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے تھے اُن کے پاس اتنا نہ تھا جتنا مجھ بے دریغ خرچ کرنے والے کے پاس تھا۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور نیک کاموں میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ تم اِدھر اُدھر مشغول ہو جاؤ، اور اپنے اور اللہ جل شانہٗ کے درمیان تعلقات کو جوڑ لو۔ اس کا ذکر کثرت سے کر کے اور مخفی اور علانیہ صدقہ بہت کثرت سے دے کر کہ اسکی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا، تمہاری مدد کی جائیگی، تمہارے نقصان کی تلافی کی جائے گی (ترغیب)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ کے ذریعہ رزق پر مدد چاہو۔ دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ صدقہ کے ذریعہ سے رزق اتارو (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ سے مال میں زیادتی ہوتی ہے (کنز)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں ان چیزوں پر قسم کھاتا ہوں۔ اوّل یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اس لئے خوب صدقہ کیا کرو۔ دوسرے یہ کہ جس بندہ پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس کو معاف کر دے تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں اسکی

عزت بڑھاتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ نہیں کھولتا کوئی بندہ سوال کے دروازہ کو مگر حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں (ترغیب)

حضرت اُم سلمہؓ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا لیس صدقہ کیا کرو (دُر اوّل)۔ کم نہ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا نعم البدل بہت جلد عطا فرماتے ہیں۔ حضرت حبیب عجمیؒ مشہور بزرگ ہیں انکی بیوی ایک مرتبہ آٹا گوندھ کر برابر کے گھر سے آگ لینے گئیں، پیچھے کوئی سائل آگیا، حضرت حبیبؒ نے وہ آٹا اُس سائل کو دیدیا۔ یہ جب آگ لے کر آئیں تو آٹا ندارد، خاوند سے پوچھا۔ آٹا کیا ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ روٹی پکنے گیا ہے۔ ان کو یقین نہ آیا، اصرار کرنے لگیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو میں نے صدقہ کر دیا۔ کہنے لگیں، سُبحان اللہ تم نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اتنا ہی آٹا تھا، اب سب کیا کھائیں گے آخر ہمارے لئے بھی تو کچھ چاہیئے تھا۔ وہ کہہ ہی رہی تھیں کہ ایک آدمی بڑے پیالہ میں گوشت اور روٹیاں لیکر حاضر ہوا، کہنے لگیں کیسے جلدی پکا لائے اور سالن اضافہ میں ساتھ لائے (روض)۔

اس قسم کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں مگر ہم چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اس لئے غور بھی نہیں کرتے کہ یہ نعمت کس چیز کے بدلہ میں ملی۔ ایسی چیزوں کو سمجھتے ہیں، کہ اتفاقاً فلاں چیز مل گئی ورنہ کیا ہوتا، حالانکہ وہ چیز آئی ہی ہے خرچ کرنے کی وجہ سے۔

(۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ بَیْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِیْ سَحَابَةٍ اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذٰلِكَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهٗ فِیْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک جنگل میں تھا، اُس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سُنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے۔ اس آواز کے بعد فوراً وہ بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں خُوب پانی برسا، اور وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر چلنے لگا۔ یہ شخص جس نے آواز سُنی تھی، اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا جہاں ایک شخص کھڑا

اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهٗ، فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ وَيَقُوْلُ اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ. رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

ہوا بیلچہ سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا۔ اُس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے وہی نام بتایا، جو اُس نے بادل میں سے سُنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس سے پُوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں دریافت کیا۔ اُس نے کہا میں نے اس بادل میں جس کا پانی یہ آرہا ہے یہ آواز سُنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے، اور تمہارا نام بادل میں سُنا تھا تم اس باغ میں کیا کام ایسا کرتے ہو (جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو) باغ والے نے کہا کہ جب تم نے یہ سب کہا تو مجھے بھی کہنا پڑا ہیں اسکے اندر جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسکو دیکھتا ہوں (اور اس کے تین حصے کرتا ہوں) ایک حصہ یعنی تہائی تو فوراً اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا ہوں"۔

ف: کس قدر برکت ہے اللہ کے نام پر صرف ایک تہائی آمدنی کے خرچ کرنے کی، کہ پردۂ غیب سے ان کے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں، اور کھلی مثال ہے اس مضمون کی جو پہلی حدیث میں گزرا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا کہ باغ کی ایک تہائی پیداوار صدقہ کی تھی اور تمام باغ کے دوبارہ پھل لانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

اس حدیث شریف سے ایک بہترین سبق اور بھی حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ آدمی کو اپنی

آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے متعین کر لینا زیادہ مفید ہے۔ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر آدمی یہ طے کرلے کہ اتنی مقدار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنی ہے تو پھر خیر کے مصارف اور خرچ کرنے کے مواقع بہت ملتے رہتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال کرے کہ جب کوئی کار خیر ہوگا اس وقت دیکھا جائے گا۔ تو اوّل تو کار خیر ایسی حالت میں بہت کم سمجھ میں آتے ہیں اور ہر موقعہ پر نفس اور شیطان یہی خیال دل میں ڈالتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری خرچ تو ہے نہیں اور اگر کوئی بہت ہی اہم کام ایسا بھی ہو جس میں خرچ کرنا کھلی خیر ہے تو اکثر موجود نہیں ہوتا اور موجودگی میں بھی اپنی ضروریات سامنے آکر کم سے کم خرچ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور اگر مہینہ کے شروع ہی میں تنخواہ ملنے پر ایک حصہ علیحدہ کرکے رکھ دیا جائے یا روزانہ تجارت کی آمدنی میں سے صندوقچی کا ایک حصہ علیحدہ کرکے اس میں متعینہ مقدار ڈال دی جایا کرے کہ یہ صرف اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے تو پھر خرچ کے وقت دل تنگی نہیں ہوتی کہ اس کو تو بہر حال وہ مقدار خرچ کرنا ہی ہے۔ بڑا مجرب نسخہ ہے۔ جس کا دل چاہے کچھ روز تجربہ کرکے دیکھ لے۔

ابو وائلؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے قُرَیظہ کی طرف بھیجا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں وہاں جاکر وہی عمل اختیار کروں جو بنی اسرائیل کا ایک نیک مرد کرتا تھا، کہ ایک تہائی صدقہ کر دوں اور ایک تہائی اس میں چھوڑ دوں اور ایک تہائی ان کے پاس لے آؤں (کنز) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی اس نسخہ پر عمل فرماتے تھے۔

(۱۰) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِیٍّ یَلْهَثُ كَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک فاحشہ عورت (رنڈی) کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ چلی جا رہی تھی اس نے ایک کنوئیں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے۔ اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑہ کا) موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا۔ حضور

قِيلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ)۔

اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کسی نے پوچھا کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلہ میں بھی ثواب ملتا ہے حضورؐ نے فرمایا ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے (مسلمان ہو یا کافر، آدمی ہو یا جانور)۔

ف: یہ قصہ بنی اسرائیل کی ایک رنڈی کا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے (کنز) بخاری شریف وغیرہ میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ایک مرد کا بھی آیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ اس کو پیاس کی شدت نے بہت پریشان کیا، وہ ایک کنوئیں میں اُترا، اور جب پانی پی کر باہر نکلا تو اُس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بیتاب ہے اور پیاس کی شدت سے گارے میں منہ مار رہا ہے۔ اس شخص کو خیال ہوا کہ اس کو بھی پیاس کی وہی تکلیف ہو رہی ہے جو مجھے تھی۔ کوئی چیز پانی نکالنے کی تھی نہیں، اس لئے اپنے پاؤں کا موزہ نکالا اور دوبارہ کنوئیں میں اُتر کر اس کو بھرا، اور موزہ کو منہ سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں کی مدد سے اُوپر چڑھا اور وہ پانی اس کتے کو پلایا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے اس کارنامہ کی قدر فرمائی اور اُس شخص کی مغفرت فرما دی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! جانوروں میں بھی اجر ہوتا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) میں اجر ہے (بخاری)۔

ایک حدیث میں ہے، ہر گرم جگر والے میں اجر ہے (کنز)۔ "موزہ میں پانی بھرنے" کا مطلب یہ ہے کہ عرب میں چمڑہ کے موزوں کا عام رواج ہے اور ان میں پانی بھرنے سے کم گرتا ہے۔ اور منہ سے پکڑنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنگل کے کنوؤں میں عام طور سے کچھ اینٹیں وغیرہ اس طرح باہر کو نکال دیتے ہیں کہ جن کی مدد سے آدمی اگر اس کے پاس ڈول رسی نہ ہو تو نیچے اُتر سکتا ہے لیکن اُترنے چڑھنے کے لئے ہاتھوں سے مدد لینے کی ضرورت ضرور پیش آیا کرتی ہے اسلئے موزہ کو منہ سے سنبھالنا پڑا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے ذیل میں نمبر ۴ پر ایک ظالم کا قصہ بھی ایسا ہی ہے جس نے ایک خارشی کتے کو پناہ دی تھی اسکی وہی بات پسند آگئی۔ ان دونوں حدیثوں میں کتے جیسے ذلیل جانور پر احسان کرنے کا جب یہ بدلہ ہے تو آدمی جو اشرف المخلوقات ہے

اس پر احسان کرنے کا کیا کچھ بدلہ ہوگا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایسے جانور جن کو مارنا مستحب ہے جیسے کہ سانپ، بچھو، وغیرہ اس سے مُستثنیٰ ہیں لیکن دوسرے اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ ان کے مارنے کے حکم کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ان کا پیاسا ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو پانی نہ پلایا جائے، اس لئے کہ ہم مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ جس کو کسی وجہ سے قتل کیا جائے اس میں بہتری کی رعایت رکھی جائے۔ اسی وجہ سے جس کو قتل کرنا ضروری ہے اس کے بھی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹنے کی ممانعت ہے (فتح)۔

ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث سے ایک لطیف چیز یہ بھی معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو کسی شخص کا کوئی ایک عمل بھی اگر پسند آجائے تو اسکی برکت سے عمر بھر کے گناہ بخش دیتے ہیں، اس کے لطف و کرم کے مقابلہ میں یہ کوئی بھی چیز نہیں ہے، البتہ قبول ہو جانے اور پسند آجانے کی بات ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر گناہ گار کے سارے گناہ پانی پلانے سے یا کسی ایک نیکی سے بخش دیئے جائیں، ہاں کوئی چیز کسی کی قبول ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔ اس لئے آدمی کو نہایت اخلاص سے کوشش کرتے رہنا چاہیئے اللہ جانے کون سا عمل وہاں پسند آجائے پھر بیڑا پار ہے۔

بڑی چیز اِخلاص ہے یعنی خالص اللہ کے لئے کوئی کام کرنا جس میں دنیا کی کوئی غرض شامل نہ ہو، نہ اس سے دنیا کمانا مقصود ہو، نہ شہرت وجاہت مطلوب ہو، ان میں سے کوئی چیز شامل ہو جاتی ہے تو وہ سارا کیا کرایا برباد کر دیتی ہے، اور محض اس کے لئے کوئی کام ہو تو معمولی سے معمولی کام بھی پہاڑوں سے وزن میں بڑھ جاتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادہ کو نصیحت کی کہ جب تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ کیا کر (احیاء) اس لئے کہ یہ گناہ کو دھوتا ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کے غصہ کو دور کرتا ہے۔

(۱۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَغُرَفًا يُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں (گویا آئینوں کے بنے ہوئے ہیں کہ) ان کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں اور ان کے اندر سے باہر کی سب چیزیں نظر آتی

بُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا قَالُوْا لِمَنْ هِیَ قَالَ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَدَامَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ۔اخرجہ ابن ابی شیبۃ والترمذی وغیرھا کذا فی الدر۔

ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، جو اچھی طرح بات کریں (یعنی تُرش روئی سے منہ چڑھا کر بات نہ کریں) اور لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو تہجد پڑھیں کہ لوگ سو رہے ہوں۔

ف: حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، میں خبر سنتے ہی فوراً گیا اور آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ مبارک چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضورؐ کی زبانِ مبارک سے نکلا وہ یہ تھا "لوگو! اسلام کا آپس میں رواج ڈالو اور کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو، اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھا کرو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے" (مشکوۃ)۔

آیات کے ذیل میں بھی نمبر ۳۴ کی طویل آیت میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھانا کھلاتے ہیں نہ تو تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ چاہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو روٹی کھلائے کہ اس کا پیٹ بھر جائے اور پانی پلائے کہ پیاس جاتی رہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان سات خندقیں کر دیتے ہیں، ہر خندق اتنی بڑی کہ سات سو سال میں طے ہو (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (بمنزلہ اولاد کے) پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے، اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اپنے ڈول میں سے پڑوسی کے برتن میں پانی ڈال دے (کنز)۔ اچھی طرح گفتگو کرنے کا اہم جزو یہ بھی ہے کہ اس سے خندہ پیشانی سے بات کرے، منہ چڑھا کر ترشروئی سے بات نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ

احسان کا کوئی حصہ بھی حقیر نہیں چاہئے اتنا ہی ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص احسان کے کسی درجہ کو بھی حقیر نہ سمجھے اور کچھ بھی نہ ہو، تو کم سے کم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے پیش آئے (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے تیرا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو نیکی کا حکم کرنا یا برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے کسی کانٹے وغیرہ تکلیف دینے والی چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے (کنز)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی آدمی ایک صف میں کھڑے کئے جائیں گے ان پر ایک مسلم (کامل جنتی) گزرے گا۔ اس صف میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ تو میرے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کر دے۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جہنمی کہے گا کہ تو مجھے نہیں پہچانتا، تو نے دنیا میں ایک مرتبہ مجھ سے پانی مانگا تھا جس پر میں نے تجھے پانی پلایا تھا۔ اس پر وہ سفارش کرے گا (اور وہ قبول ہو جائے گی)۔ اسی طرح دوسرا شخص کہے گا کہ تو نے مجھ سے دنیا میں فلاں چیز مانگی تھی وہ میں نے تجھ کو دی تھی (کنز)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جہنمیوں کی صف پر ایک جنتی کا گذر ہوگا تو ان میں سے ایک شخص اس کو آواز دے کر کہے گا کہ تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہی تو ہوں جس نے فلاں دن تمہیں پانی پلایا تھا، فلاں وقت تمہیں وضو کا پانی دیا تھا (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جنتی اور جہنمی لوگوں کی جب صفیں لگ جائیں گی تو جہنمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنتی صفوں میں سے کسی شخص پر پڑے گی۔ اور وہ اس کو یاد دلائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا، اس پر وہ جنتی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کرے گا کہ یا اللہ اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طفیل اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے (کنز)۔

ایک حدیث میں ہے کہ فقراء کی جان پہچان کثرت سے رکھا کرو اور ان کے اوپر احسانات کیا کرو، ان کے پاس بڑی دولت ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دولت کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جس نے تمہیں کوئی ٹکڑا کھلایا ہو یا پانی

پلایا ہو یا کپڑا دیا ہو، اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں پہنچا دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فقیر سے قیامت کے دن ایسی طرح معذرت کریں گے جیسا کہ آدمی آدمی سے کیا کرتا ہے اور فرمائیں گے کہ میری عزت اور جلال کی قسم میں نے دنیا کو تجھ سے اس لئے نہیں ہٹایا تھا کہ تو میرے نزدیک ذلیل تھا بلکہ اس لئے ہٹایا تھا کہ تیرے لئے آج بڑا اعزاز ہے، میرے بندے ان جہنمی لوگوں کی صفوں میں چلا جا جس نے تجھے میرے لئے کھانا کھلایا ہو یا کپڑا دیا ہو وہ تیرا ہے۔ وہ اس حالت میں ان میں داخل ہوگا کہ یہ لوگ مُنہ تک پسینہ میں غرق ہوں گے، وہ پہچان کر ان کو جنت میں داخل کرے گا (روض الریاحین)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک اعلان ہوگا کہ امتِ محمدیہ کے فقراء کہاں ہیں اُٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کرو جس شخص نے تم میں سے کسی کو میرے لئے ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لئے کوئی گھونٹ پانی کا دیا ہو یا میرے لئے کوئی نیا یا پُرانا کپڑا دیا ہو، ان کے ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کر دو، اس پر فقراءِ اُمت اٹھیں گے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے کہ یا اللہ اس نے مجھے کھانا کھلایا تھا، اس نے مجھے پانی پلایا تھا۔ کوئی بھی فقراءِ اُمت میں سے چھوٹا یا بڑا شخص ایسا نہ ہوگا جو اُن کو جنت میں داخل نہ کرائے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی جاندار کو جو بھوکا ہو کھانا کھلائے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے بہترین کھانوں میں سے کھانا کھلائیں گے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو، خیر اُس گھر کی طرف ایسی تیزی سے بڑھتی ہے جیسی تیزی سے چھُری اُونٹ کے کوہان میں چلتی ہے (کنز)۔ حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ عمدہ کھجوریں دوسروں کو کھلاتے اور کہتے کہ جو شخص زیادہ کھائیگا اسکو فی کھجور ایک درہم دیا جائے گا (احیاء)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں کا اکرام کیا، آج تم جنت میں ایسی طرح داخل ہو جاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے نہ تم غمگین ہو۔ اور ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیمار، فقیروں اور غریبوں کی عیادت کی، آج وہ نُور کے منبروں پر بیٹھیں، اور اللہ جلّ شانہٗ سے باتیں کریں اور دوسرے لوگ حساب کی سختی میں مُبتلا ہوں گے (کنز) ایک حدیث

میں ہے کتنی حوریں ایسی ہیں جن کا مہر ایک مٹھی بھر کھجور یا اتنی ہی مقدار کوئی اور چیز دینا ہے۔ (کنز) ایک حدیث میں آیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ افضل کوئی صدقہ نہیں (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مغفرت کے واجب کرنیوالی چیزوں میں بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے (کنز)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اس کا قرض ادا کر دینا ہے یا بھوک کی حالت میں اسکو کھانا کھلانا ہے (کنز) یعنی یہ سب اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں جو بھی ہو سکے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مغفرت کے واجب کرنے والی چیزوں میں کسی مسلمان کو خوشی پہنچانا ہے، اس کی بھوک کو زائل کرنا ہے، اس کی مصیبت کو ہٹانا ہے (کنز)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجت پوری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی بہتر حاجتیں پوری کرتے ہیں، جن میں سے سب سے ہلکی چیز اس کے گناہوں کی مغفرت ہے (کنز) یعنی اور حاجتیں مغفرت سے بھی بڑھ کر ہیں نیز حدیث نمبر ۱۲ میں بھی اس کا بیان آ رہا ہے۔

(۱۲) عَنْ اَسْمَاءَ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ متفق عليه كذا فى المشكوٰة۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ (خوب) خرچ کیا کر اور شمار نہ کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جل شانہٗ بھی تجھ پر شمار کرے گا اور محفوظ کر کے نہ رکھ (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جل شانہٗ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا۔ (یعنی کم عطا کریگا) عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔

ف: یہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ ہیں۔ حضورؐ نے اس پاک حدیث میں کئی نوع سے خرچ کے زیادہ کرنے کی ترغیب ارشاد فرمائی۔ اوّل تو خوب خرچ کرنے کا صاف صاف حکم ہی فرمایا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ خرچ وہی پسندیدہ ہے جو شریعت مطہرہ کے موافق اللہ کی رضا کی چیزوں میں کیا جائے۔ شریعت کے خلاف خرچ کرنا موجب ثواب نہیں وبال ہے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شمار کرنے کی ممانعت فرمائی جو پہلے ہی مضمون

کی تاکید ہے۔ اس کے علماء نے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گننے سے مراد گن گن کر رکھنا اور جمع کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تو گن گن کر رکھے گی تو اللہ جلّ شانُہٗ کی طرف سے عطا میں بھی تنگی کی جائے گی جیسا کرنا ویسا بھرنا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ فقراء کو دینے میں شمار نہ کر تاکہ اللہ جلّ شانُہٗ کی طرف سے بدلہ اور ثواب بھی بے حساب ملے۔ اس کے بعد پھر اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد فرمایا کہ محفوظ کرکے نہ رکھ، اگر تو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے بجائے محفوظ کرکے رکھے گی، تو اللہ جلّ شانُہٗ بھی اپنی عطا اور احسان و کرم کی زیادتی کو تجھ سے روک لے گا، اس کے بعد اس کو اور زیادہ مؤکد کرنے کو ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تجھ سے ہو سکے خرچ کیا کر یعنی کم و زیادہ کی پرواہ نہ کیا کر، نہ یہ خیال کر کہ اتنی بڑی مقدار مناسب نہیں، نہ یہ سوچا کر کہ اتنی ذرا سی چیز کیا دوں جو اپنی طاقت اور قدرت میں ہو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا کر۔

دوسری احادیث میں کثرت سے یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جہنم کی آگ سے صدقہ کے ساتھ اپنا بچاؤ اور اپنی حفاظت کرو، چاہے کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو کہ وہ بھی جہنم کی آگ سے حفاظت کا سبب ہے۔ بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ میرے پاس اپنی تو کوئی چیز اب ہے نہیں صرف وہی ہوتا ہے جو (میرے خاوند) حضرت زبیرؓ دے دیں، کیا اس میں سے صدقہ کر دیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ صدقہ کیا کر اور برتن میں محفوظ کرکے نہ رکھا کر (اگر ایسا کرے گی) تو اللہ جلّ شانُہٗ بھی تجھ سے (اپنی عطا کو) محفوظ فرمائے گا۔ اس حدیث پاک میں اگر حضرت زبیرؓ کے دینے سے مراد ان کا حضرت اسماءؓ کو مالک بنا دینا ہے تب تو یہ مال حضرت اسماءؓ کا ہو گیا وہ جس طرح چاہیں اپنے مال کو خرچ کریں ان کو اختیار ہے۔ اور اگر اس سے مراد گھر کے اخراجات کے واسطے دینا ہے تو پھر حضورؐ کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو حضرت زبیرؓ کی طبیعت سے اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان کو صدقہ کرنے میں گرانی نہیں ہوتی۔

اور اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب اور تاکید فرمائی تھی۔ یہ حضرات صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ

عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عُمومی ترغیبات پر جان و دل سے فدا ہوتے تھے، اور اگر کسی شخص کو خصوصی ترغیب و نصیحت حضورؐ فرما دیتے تو اس کی قدر دانی کا تو پوچھنا ہی کیا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ حکایاتِ صحابہؓ کے نویں باب میں مثال کے طور پر چند قصے اس کے لکھ چکا ہوں۔

علامہ سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں خود حضرت زبیرؓ سے ایک قصہ نقل کیا ہے جس میں حضورؐ نے ان کو خرچ کرنے کی خصوصی ترغیب دی ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ کے سامنے بیٹھا تھا، کہ حضورؐ نے (اہتمام اور تنبیہ کے طور پر) میرے عمامہ کا پچھلا کنارہ پکڑ کر فرمایا کہ اے زبیر میں اللہ کا قاصد ہوں تمہاری طرف خاص طور سے اور سب لوگوں کی طرف عام طور سے (یعنی یہ بات تمہیں اللہ جل شانُہٗ کی طرف سے خاص طور سے پہنچاتا ہوں) تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جل شانُہٗ نے کیا فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ جل شانُہٗ جب اپنے عرش پر جلوہ فرما تھا تو اللہ جل شانُہٗ نے اپنے بندوں کی طرف (کرم کی) نظر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بندو تم میری مخلوق ہو۔ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تمہاری روزیاں میرے قبضہ میں ہیں، تم اپنے آپ کو ایسی چیز کے اندر مشقت میں نہ ڈالو جس کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے۔ اپنی روزیاں مجھ سے مانگو۔ اس کے بعد حضورؐ نے پھر فرمایا کہ اور بتاؤں تمہارے رب نے کیا کہا۔ یہ کہا کہ اے بندے تو لوگوں پر خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ تو لوگوں پر فراخی کر میں تجھ پر فراخی کروں گا۔ تو لوگوں پر خرچ میں تنگی نہ کر تاکہ میں تجھ پر تنگی نہ کروں۔ تو لوگوں سے (بچا کر) باندھ کر نہ رکھ تاکہ میں تجھ سے باندھ کر نہ رکھوں۔ تو خزانہ جمع کرکے نہ رکھ، تاکہ میں تیرے (نہ دینے) پر جمع کرکے نہ رکھ لوں۔ رزق کا دروازہ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کھلا ہوا ہے جو عرش سے ملا ہوا ہے۔ وہ نہ رات کو بند ہوتا ہے نہ دن میں۔ اللہ جل شانُہٗ اس دروازہ سے ہر شخص پر روزی اُتارتا رہتا ہے اس شخص کی نیت کے بقدر، اس کی عطا کے بقدر، اس کے صدقہ کے بقدر، اس کے اخراجات کے بقدر اس کو عطا فرماتا ہے۔ جو شخص زیادہ خرچ کرتا ہے اس کیلئے زیادہ اُتارا جاتا ہے، جو کم خرچ کرتا ہے اس کے لئے کمی کر دی جاتی ہے، اور

جو روک کر رکھتا ہے اس سے روک دیا جاتا ہے۔ اے زُبیرؓ! خود بھی کھاؤ دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اور باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر باندھ کر رکھ دیا جائے۔ اور شمار نہ کرو کہ تم پر بھی شمار کیا جائے۔ تنگی نہ کرو کہ تم پر بھی تنگی کر دی جائے۔ مشقت میں (لوگوں کو) نہ ڈالو کہ تم پر مشقت ڈال دی جائے۔

اے زُبیرؓ! اللہ جلّ شانہٗ خرچ کرنے کو پسند کرتا ہے اور تنگی کو ناپسند کرتا ہے۔ سخاوت (اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ) یقین سے ہوتی ہے اور بخل شک سے پیدا ہوتا ہے جو شخص (اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ کامل) یقین رکھتا ہے وہ جہنّم میں داخل نہ ہوگا، اور جو شک کرتا ہے وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ زُبیرؓ! اللہ جلّ شانہٗ سخاوت کو پسند کرتا ہے چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہادری کو پسند کرتا ہے چاہے سانپ اور بچھّو ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔

اے زُبیرؓ! اللہ جلّ شانہٗ زلزلوں (اور حوادث) کے وقت صبر کو محبوب رکھتا ہے، اور شہوتوں کے غلبہ کے وقت ایسے یقین کو پسند کرتا ہے جو سب جگہ سرایت کر جائے (اور شہوت کے پورا کرنے سے روک دے) اور (دین میں) شبہات پیدا ہونے کے وقت عقل کامل کو محبوب رکھتا ہے، اور حرام اور گندی چیزوں کے سامنے آنے پر تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔ اے زُبیرؓ! بھائیوں کی تعظیم کرو اور نیک لوگوں کی عظمت بڑھاؤ اور اچھے آدمیوں کا اعزاز کرو، پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سُلوک کرو اور فاسق لوگوں کے ساتھ راستہ بھی نہ چلو، جو ان چیزوں کا اہتمام کرے گا، جنّت میں بغیر عذاب کے اور بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ یہ اللہ کی نصیحت ہے مجھ کو اور میری نصیحت ہے تم کو۔

آیات کے ذیل میں نمبر ۲۰ پر بھی اس قصہ کی طرف مختصر اشارہ گذر چکا ہے اور اس کے متعلق کلام بھی۔ حضورؐ کے اس تفصیلی ارشاد کے بعد حضرت زُبیرؓ کی طبیعت کا جو انداز ہوگا وہ ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں حضرت اسماءؓ کو اُن کے مال میں سے بے دریغ خرچ کرنے کو اگر فرمایا ہو تو بے محل نہیں ہے۔ حضرت زُبیرؓ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں۔ اگر قرابت والوں سے تعلقات قوی ہوں تو اس قسم کے تصرفات تعلقات کی قوت اور زیادتی کا سبب ہوا کرتے ہیں جن کا مُشاہدہ اور تجربہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ہوتا

رہتا ہے۔ اس سب کے علاوہ خود حضرت زبیرؓ کی فیاضی کا کیا پوچھنا۔ صاحبِ اصابہ نے لکھا ہے کہ اُن کے ایک ہزار غلام تھے جو اُن کو خراج ادا کیا کرتے تھے لیکن اس میں سے ذرا سا بھی گھر میں نہ جاتا تھا یعنی سب کا سب صدقہ ہی ہوتا تھا۔ اسی فیاضی کا یہ ثمرہ تھا کہ انتقال کے وقت بائیس لاکھ درم قرضہ تھا جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اور قرضہ کی صورت کیا تھی، یہ کہ امانتدار بہت تھے، محتاط بہت تھے۔ لوگ اپنی امانتیں رکھواتے اور وہ یہ ارشاد فرما دیتے کہ امانت رکھنے کی جگہ تو میرے پاس ہے نہیں، مجھے قرض دیدو جب ضرورت ہو لے لینا، اس کو بجائے امانت کے قرض لیتے اور خرچ کر دیتے۔

اور ایک حضرت زبیرؓ ہی کیا، ان سب حضرات کا ایک ہی سا حال تھا۔ ان حضرات کے یہاں مال رکھنے کی چیز تھی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی میں چار سو دینار (اشرفیاں) بھریں اور غلام سے فرمایا کہ یہ ابُو عُبَیدہ کو دے آؤ کہ اپنی ضروریات میں خرچ کرلیں اور غلام سے یہ بھی فرما دیا کہ ان کو دینے کے بعد وہیں کسی کام میں مشغول ہو جانا تاکہ دیکھو کہ وہ ان کو کیا کرتے ہیں۔ وہ غلام لے گئے اور جا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت ابُو عُبَیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو بڑی دعائیں دیں اور اپنی باندی کو بلایا اور اس کے ہاتھ سے سات فلاں کو اور پانچ فلاں کو اتنے اس کو، اتنے اس کو، اسی مجلس میں سب ختم کر دیئے۔ غلام نے واپس آکر حضرت عمرؓ کو قصہ سنایا پھر حضرت عمرؓ نے اتنی ہی مقدار ان کے ہاتھ حضرت مُعاذؓ کو بھیجی اور اس وقت بھی یہی کہا کہ وہاں کسی کام میں لگ جانا تاکہ یہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی باندی کے ہاتھ اسی وقت فلاں گھر اتنے فلاں گھر اتنے بھیجنے شروع کر دیئے۔ اتنے میں حضرت مُعاذؓ کی بیوی آئیں کہ ہم بھی تو مسکین اور ضرورت مند ہیں کچھ ہمیں بھی دیدو۔ حضرت مُعاذؓ نے وہ تھیلی ان کے پاس پھینک دی۔ اس میں دو باقی رہ گئی تھیں، باقی سب تقسیم ہو چکی تھیں۔ غلام نے آکر حضرت عمرؓ کو قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ سب بھائی بھائی ہیں یعنی سب ایک ہی نمونہ کے ہیں (ترغیب)۔

(۱۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ننگے پن کی حالت

سَلَّمَ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرْیٍ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَہُ اللّٰہُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَأٍ سَقَاہُ اللّٰہُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی کذا فی المشکوٰۃ۔

میں کپڑا پہنائے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے سبز لباس پہنائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کچھ کھلائے گا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی پلائے گا، اللہ جل شانہٗ اس کو ایسی شراب جنت پلائے گا۔ جس پر مُہر لگی ہوئی ہوگی۔

ف: "مُہر لگی ہوئی شراب" سے اس پاک شراب کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پاک میں نیک لوگوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد سورۂ تطفیف میں ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ط وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ (ترجمہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے مسہریوں پر بیٹھے ہوئے (بہشت کے عجائب) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب! تو اُن کے چہروں میں آسائش کی بشاشت اور تراوٹ پہچانے گا۔ اُن کو پینے کے لئے خالص شراب سربمُہر جس پر مشک کی مُہر ہوگی ملے گی۔ حرص کرنے والوں کو اس چیز میں حرص کرنا چاہئے یعنی حرص کرنے کی چیزیں یہ ہیں۔

مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ رحیق جنت کی شرابوں میں سے ایک شراب ہے جو مُشک سے بنائی گئی ہے اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہے تسنیم کا ذکر اسی سورت میں اس آیت سے آگے ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ تسنیم جنت کی شرابوں میں سے افضل ترین شراب ہے۔ مقربین اس کو خالص پئیں گے اور دوسرے درجہ کے لوگوں کی شرابوں میں اس کی آمیزش ہوگی۔

حضرت حسن بصریؒ سے بھی نقل کیا گیا کہ رحیق ایک شراب ہے جس میں تسنیم کی آمیزش ہے۔ حدیث بالا میں جو فضیلت ارشاد فرمائی ہے وہ ننگے پن کی حالت، بھوک اور پیاس کی حالت میں کپڑا پہنانے اور کھلانے پلانے کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہ حالت خرچ کرنے والے کی ہے

یا جس پر خرچ کیا گیا ہے اس کی ہے ، دونوں احتمال ہیں۔

پہلی صورت میں حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ خود ننگا ہے یعنی کپڑے کا ضرورت مند ہے اور دوسرے کو اس حالت میں کپڑا پہنائے ، خود بھوکا ہے اور کھانا کچھ میسر ہو گیا تو دوسرے کو ترجیح دیتا ہے ، خود پیاسا ہے لیکن پانی اگر مل گیا ہے تو بجائے خود پینے کے دوسرے پر ایثار کرتا ہے اس مطلب کے موافق یہ حدیث پاک قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کی تفسیر ہوگی جو آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر گذری ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (کہ یہ لوگ اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود کو احتیاج ہو)۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ سب حالات اُن لوگوں کے ہیں جن پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ اس مطلب کے موافق حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز جتنی زیادہ ضرورت کے موقع پر خرچ کی جائیگی اتنے ہی زیادہ ثواب کی بات ہوگی۔ ایک غریب کو کپڑا دیا جائے اس کا بہر حال ثواب ہے لیکن ایسے شخص کو کپڑا پہنایا جائے جو ننگا پھر رہا ہے ، پھٹے ہوئے کپڑے پہن رہا ہے اُس کا ثواب عام غُربا سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک فقیر کو کھانا دیا جاتا ہے ہر حال میں اس کا ثواب ہے لیکن ایسے شخص کو کھانا کھلایا جائے جس پر فاقہ مُسَلَّط ہو ، اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح ہر شخص کو پانی پلانے کا ثواب ہے لیکن ایک شخص کو پیاس ستا رہی ہے اس کو پانی پلانے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ بھی کبھی بن جاتا ہے۔ حدیث نمبر ۱۰ پر ابھی گذر چکا ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے سے رنڈی کے عمر بھر کے گناہ مُعاف ہو گئے۔ سلسلہ آیات نمبر ۲۳ کے ذیل میں حُضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد گذر چکا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک ایک دو دو لقمہ در بدر پھراتا ہو ، اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ خود اتنا مال ہو کہ جو اس کی حاجت کو کافی ہو ، نہ لوگوں کو اُس کا حال معلوم ہو کہ اُس کی اِعانت کریں ، یہی شخص اصل محروم ہے۔ حدیث نمبر ۱ کے ذیل میں حُضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بہت سے ارشادات بھوکے کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں گذر چکے ہیں۔

حضرت ابنِ عمرؓ حُضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی میں مشغول ہو ، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی حاجت روائی میں توجہ فرماتے

ہیں۔ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل کرے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کی مصائب میں سے اس کی کوئی مصیبت زائل فرماتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ (عیب سے ہو یا لباس سے) حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی (اسی نوع کی) فرماتے ہیں (مشکوٰۃ)۔

اس قسم کے مضامین بہت سے صحابہؓ سے مختلف روایات میں ذکر کیے گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی پردہ کے قابل چیز کو (بدن ہو یا عیب) دیکھے اور اس کی پردہ پوشی کرے، اس کا اجر ایسا ہے جیسا کہ کسی ایسے شخص کو قبر سے نکالا ہو جس کو زندہ قبر میں گاڑ دیا گیا ہو (مشکوٰۃ) حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الآیۃ) جو سلسلۂ آیات میں نمبر ۲۵ پر گذر چکا ہے۔ اس کی وجہ علماء نے یہی لکھی ہے کہ فتح مکہ سے قبل چونکہ ضرورت زیادہ تھی اس لئے اس وقت خرچ کرنے کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ فتح مکہ کے بعد میں خرچ کرنے سے۔

صاحب جمل کہتے ہیں یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کے زمانہ سے پہلے خرچ کیا ہے۔ اس وقت مسلمان جان و مال کی مدد کے زیادہ محتاج تھے۔ یہی وہ حضرات سابقین اولین ہیں مہاجرین اور انصار میں سے جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو اُن کے ایک مُد بلکہ آدھے مُد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا (جمل)۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت مند کو ترجیح دینے پر ترغیب اور تنبیہ فرمائی۔ ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کی ترغیب بہت سی روایات میں وارد ہے۔ لیکن ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ولیمہ کا کھانا بدترین کھانا ہے کہ اُمراء کو اس کے لئے دعوت دی جاتی ہے اور فقراء کو چھوڑ دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ بروایۃ الشیخین) یعنی جو ولیمہ کی دعوت اس قماش کی ہو کہ اس میں اُمراء کو مدعو کیا جائے، غُرباء کی دعوت نہ کی جائے وہ بدترین کھانا ہے اور یہ بات نہ ہو تو ولیمہ کا کھانا مسنون ہے۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد آیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسی جگہ پانی پلائے جہاں پانی ملتا ہو، اُس نے ثواب کے اعتبار سے گویا ایک غلام آزاد کیا۔ اور جو شخص کسی کو ایسی جگہ پانی پلائے جس جگہ پانی نہ ملتا ہو، اُس نے گویا اس کو زندگی بخشی۔ یعنی مرتے ہوئے کو گویا ہلاکت سے بچایا (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو (آدمی ہو یا جانور) کھانا کھلائے (کنز)۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کو سب سے زیادہ یہ عمل پسند ہے کہ کسی مسکین کو بھوک کی حالت میں روٹی کھلائے، یا اس کا قرض ادا کرے، یا اس کی مصیبت کو زائل کرے (کنز)۔

عُبَید بن عُمیرؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمیوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ انتہائی بھوک اور پیاس کی حالت میں بالکل ننگے ہوں گے پس جس شخص نے دنیا میں کسی کو اللہ کے واسطے کھانا کھلایا ہوگا، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس دن اس کو شکم سیر فرمائیں گے اور جس نے کسی کو اللہ کے واسطے پانی پلایا ہوگا حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو سیراب فرمائیں گے، اور جس نے کسی کو کپڑا پہنایا ہوگا، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو لباس عطا فرمائیں گے (احیاء)۔

(۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ کَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَکَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ۔ متفق علیه (مشکوٰۃ)۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے، کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنیوالا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنیوالا، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔

ف: بے خاوند والی عورت سے عام مراد ہے کہ رانڈ ہو گئی ہو یا اُس کو خاوند میسر ہی نہ ہوا ہو۔ اس حدیث پاک میں ان دونوں کے لئے کوشش کرنے والے کے لئے یہ اجر و ثواب اور فضیلت ہے، خواہ اس کی کوشش سے کوئی ثمرہ پیدا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے یا اس کو نفع پہنچانے کے لئے چلے تو اس کو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب ملتا ہے (کنز)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مضطر بھائی کی مدد کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے (کنز) یعنی قیامت کے سخت دن جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ جم سکیں گے یہ ثابت قدم رہے گا۔ اور اس حدیث پاک سے ایک لطیف چیز یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ فتنوں اور حوادث کے زمانوں میں جب لوگوں کے قدم اکھڑ جائیں جیسا کہ آج کل کا زمانہ گذر رہا ہے، ایسے لوگ ثابت قدم رہتے ہیں جو لوگوں کی اعانت اور مدد کرتے رہتے ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی حاجتوں میں سے کسی حاجت کو پورا کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ستّر حاجتیں پوری فرماتے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (کنز) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حکومت تک پہنچا دینے کا ذریعہ بن جائے جس سے اس کو کوئی نفع پہنچ جائے یا اس کی کوئی مشکل دُور ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی جو ذریعہ بنا ہے قیامت کے دن پُل صراط پر چلنے میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ وہاں لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے (کنز)۔

اس لئے جو لوگ حُکّام رس ہیں یا ملازموں کے آقاؤں تک ان کی رسائی ہے ان کو خاص طور سے اس حدیث پاک سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ نوکروں اور محکوموں کی ضروریات کی تفتیش کر کے ان کو آقاؤں اور حاکموں تک پہنچانا چاہیئے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم کیوں خواہ مخواہ دوسروں کی پھٹّن میں پاؤں اڑائیں۔ پُل صراط پر گذرنا بڑی سخت مشکل ترین چیز ہے۔ اس معمولی کوشش سے ان کے لئے خود کتنی بڑی سہولت مُیسّر ہوتی ہے لیکن اللہ کے واسطے ہونا تو ہر جگہ شرط ہے۔ اپنی وجاہت اپنی شہرت اور لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت قائم کرنے کی نیّت سے نہ ہو۔ اگرچہ اللہ کے لئے کرنے سے یہ سب چیزیں خود بخود حاصل ہوں گی اور اس سے زیادہ بڑھ کر ہوں گی جتنی اپنے ارادہ سے ہوتیں۔ لیکن اپنی طرف سے ان چیزوں کا ارادہ کرنا اس محنت کو آقا کیلئے ہونے سے نکال دے گا۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یُحِبُّھُمُ اللّٰہُ وَ ثَلٰثَۃٌ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جلّ شانہٗ محبوب رکھتا ہے اور تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ جلّ جلالہٗ

يُبْغِضُهُمُ اللهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَأَلَهُمْ بِاللهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْيَانِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللهُ وَالَّذِيْ اَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْ اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلٰثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔ رواه الترمذى والنسائى كذا فى المشكوٰة وعزاه السيوطى فى الجامع الى ابن حبان والحاكم۔

کو بغض ہے۔ جن تین آدمیوں کو اللہ جلّ شانہٗ محبوب رکھتا ہے ان میں ایک تو وہ شخص ہے کہ کسی مجمع کے پاس کوئی سائل آیا اور محض اللہ کے واسطے ان سے کچھ سوال کرنے لگا۔ کوئی قرابت رشتہ داری (وغیرہ) اس سائل کی اُن سے نہ تھی۔ اس مجمع نے اس سائل کو کچھ نہ دیا اس مجمع میں سے ایک شخص اٹھا اور چپکے سے اس سائل کو کچھ دے دیا جس کی خبر بجز اللہ جلّ شانہٗ کے یا اُس سائل کے اور کسی کو نہ ہوئی (تو یہ دینے والا شخص اللہ جلّ شانہٗ کو بہت محبوب ہے دوسرا) وہ شخص کہ ایک مجمع کہیں سفر میں جا رہا ہے۔ ساری رات چلنے کے بعد جب نیند کا اُن پر اتنا غلبہ ہو جائے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ محبوب بن گئی ہو تو وہ مجمع تھوڑی دیر کے لئے سونے لیٹ گیا، لیکن ایک شخص اُن میں سے کھڑا ہو کر اللہ جلّ شانہٗ کے سامنے گڑگڑانے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دے۔ تیسرا وہ شخص کہ کسی جماعت میں جہاد میں شریک تھا وہ جماعت شکست کھا گئی ان میں سے ایک شخص سینہ سپر ہو کر آگے بڑھا اور شہید ہو گیا یا غالب ہو گیا۔ اور وہ تین شخص جن سے اللہ جلّ شانہٗ بغض رکھتے ہیں ایک وہ جو بوڑھا ہو کر بھی زنا میں مبتلا ہو، دوسرا وہ شخص جو فقیر ہو کر بھی تکبر کرے،

تیسرا وہ شخص جو مالدار ہو کر ظلم کرے۔"

ف: ان چھ شخصوں کے متعلق اس قسم کے مضامین بہت سی مختلف روایات میں وارد ہوئے ہیں اور یہ حدیث آیات کے سلسلہ میں نمبر ۹ کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے۔ بعض روایات میں ان میں سے ایک شخص کو ذکر کیا ہے اور بعض میں ایک سے زائد کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تین موقع ایسے ہیں جن میں بندہ کی دعا رد نہیں کی جاتی یعنی ضرور قبول ہوتی ہے۔ ایک وہ شخص جو کسی جنگل میں ہو، جہاں کوئی اس کو نہ دیکھتا ہو اور وہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (اس وقت اس کی دعا ضرور قبول ہوگی) ایک وہ شخص جو کسی مجمع کے ساتھ جہاد میں ہو اور ساتھی بھاگ جائیں وہ اکیلا جما رہے۔ تیسرا وہ شخص جو آخر رات میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے (جامع الصغیر)۔

ایک حدیث میں ہے تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ جلّ شانہٗ قیامت میں نہ کلام کریں گے نہ اُن کا تزکیہ کریں گے اور نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائیں گے، اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ ایک زانی بوڑھا، دوسرا جھوٹا بادشاہ، تیسرا متکبر فقیر (جامع الصغیر عن مسلم) تزکیہ نہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو گناہوں سے پاک نہ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی تعریف نہ کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی طرف حق تعالیٰ شانہٗ قیامت میں (رحمت کی) نظر نہ کریں گے اور اُن کیلئے دُکھ دینے والا سخت عذاب ہوگا۔ ایک ادھیڑ عمر کا شخص زناکار، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا وہ شخص جو خرید و فروخت میں ہر وقت قسم کھاتا ہے۔ جو خریدے قسمیں کھا کر خریدے اور جب فروخت کرے تو بھی قسمیں کھا کر فروخت کرے (یعنی بات بے بات بے ضرورت بار بار قسمیں کھاتا ہو کہ یہ اللہ پاک کی عالی شان کی بے ادبی ہے) ایک اور حدیث کے الفاظ میں کہ تین شخصوں کی طرف کل کو (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شانہٗ نظر نہ کریں گے، بوڑھا زانی، دوسرے وہ شخص جو قسموں کو اپنی پونجی بنائے کہ ہر حق ناحق پر قسم کھاتا ہو۔ تیسرے متکبر فقیر جو اکڑتا ہو (جامع الصغیر)۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کو حق تعالیٰ شانہٗ محبوب رکھتے ہیں اور تین شخصوں کو

مُبغوض رکھتے ہیں۔ جن کو محبوب رکھتے ہیں، ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی جماعت کیساتھ جہاد میں شریک ہو اور دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے، یہاں تک کہ فتح ہو یا شہید ہو جائے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی جماعت کے ساتھ سفر کر رہا ہو اور جب رات کا بہت سا حصّہ گذر جائے اور وہ جماعت تھوڑی دیر آرام لینے کے لئے لیٹ جائے تو یہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ساتھیوں کو آگے چلنے کے لئے جگا دے (خود ذرا بھی نہ سوئے) تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اس کو ستاتا ہو اور وہ اس کی اذیت پر صبر کرے، یہاں تک کہ موت سے یا سفر وغیرہ سے اس میں اور اس کے پڑوسی میں جدائی ہو جائے (یعنی یہ کہ جب تک اس کا پڑوسی باقی رہے مسلسل صبر کرتا رہے) اور وہ تین شخص جن کو اللہ جلّ شانہٗ مبغوض رکھتے ہیں ایک قسمیں کھانے والا تاجر، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا وہ بخیل جو صدقہ کرکے احسان جتاتا ہو (جامع الصغیر)۔

(۱۶) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رض قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۔الاٰية

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے (پھر اپنے اس ارشاد کی تائید میں سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی یہ آیت) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ آخر تک تلاوت فرمائی۔"

(رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی كذا فی المشكوة وقال الترمذی هذا حديث ليس اسناده بذلك وابوحمزة يضعف وروی بيان واسمٰعيل عن الشعبی هذا الحديث قوله وهو اصح قلت واخرجه ابن ماجة بلفظ ليس فی المال حقًّا سوی الزكوة وقال العينی فی شرح البخاری رواه البيهقی بلفظ الترمذی ثم قال والذی يرويه اصحابنا فی التعاليق ليس فی المال حق سوی الزكوة)

ف: اس آیت شریفہ کا بیان سلسلہ آیات میں ۱۲ پر گذر چکا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت شریفہ سے یہ تجویز فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے، اور یہ تجویز اس وجہ

سے ظاہر ہے کہ آیتِ شریفہ میں اپنے مال کو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی، یتیموں پر، غریبوں پر، مسافروں پر اور سوال کرنے والوں پر خرچ کرنے کی، قیدیوں اور غلاموں وغیرہ کی گردن چھڑانے میں خرچ کرنے، مستقلاً علیحدہ ترغیب دی ہے اور اس سب کے بعد، زکوٰۃ ادا کرنے کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

مُسلم بن یسارؒ کہتے ہیں کہ نمازیں دو ہیں (ایک فرض ایک نفل) اسی طرح زکوٰتیں بھی دو ہیں (ایک نفل دوسری فرض) اور قرآن پاک میں دونوں مذکور ہیں، میں تم کو بتاؤں، لوگوں کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی اور ابتدائی حصہ پڑھ کر جس میں مال کا مواقع مذکورہ پر خرچ کرنا مذکور ہے فرمایا کہ یہ تو سب کا سب نفل ہے، اس کے بعد زکوٰۃ کا ذکر پڑھ کر فرمایا، کہ یہ فرض ہے۔ (درمنثور)۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں حق سے مراد یہ ہے کہ سُوال کرنے والے کو محروم نہ رکھے، قرض مانگنے والے کو محروم نہ کرے، اپنے گھر کا معمولی سامان مُستعار مانگنے والوں کو انکار نہ کرے۔ مثلاً ہانڈی پیالہ وغیرہ کوئی عاریۃً مانگے تو اس کو نہ روکے۔ پانی اور نمک اور آگ کو لوگوں کو انکار نہ کرے۔

علامہ قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اس حدیث پاک میں جو آیتِ شریفہ پڑھی ہے اسمیں زکوٰۃ کے علاوہ جو اُمور ذکر کئے ہیں، وہ مراد ہیں جیسا کہ صلہ رحمی، یتیموں پر احسان کرنا، مسکین مسافر اور سُوالی کو دینا، لوگوں کی گردنوں کو آزادی وغیرہ کے ذریعہ سے خلاص کرنا (مرقاۃ)۔

صاحبِ مظاہرِ حقؒ نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ تو فرض ہے ضرور دینی چاہیئے۔ سوائے زکوٰۃ کے صدقہ نفل بھی مستحب ہے وہ بھی دیا کرے اور وہ یہ ہے اس کے بعد علامہ طیبیؒ اور علامہ قاریؒ کے کلام کا ترجمہ تحریر فرما کر لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سند کے لئے پڑھی ہے اس واسطے کہ اس میں اوّل تو اللہ تعالیٰ نے تعریف کی مؤمنوں کی ساتھ دینے مال کے اپنوں اور یتیموں وغیرہ کو، بعد ازاں تعریف کی ساتھ قائم کرنے نماز کے اور دینے زکوٰۃ کے، پس معلوم ہوا کہ دینا مال کا سوائے دینے زکوٰۃ کے ہے اور وہ صدقہ نفل ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ مال میں حق ہے سوائے زکوٰۃ کے وہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اوّل صدقہ نفل ذکر کیا گیا، پھر صدقہ واجب۔

علامہ جصاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس آیتِ شریفہ سے حقوقِ واجبہ مراد لئے ہیں جیسا کہ صلہ رحمی جب کہ کسی ذی رحم کو سخت مشقت میں پائے ۔ یا کسی مُضطر پر خرچ کرنا جب کہ اس کو اضطرار نے ہلاکت کے اندیشہ تک پہنچا دیا ہو تو اس پر اتنی مقدار خرچ کرنا لازم ہے جس سے اس کی بھوک جاتی رہے ، اس کے بعد علامہ نے حضورؐ کا ارشاد کہ "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے" نقل کرکے فرمایا کہ اس سے نادار رشتہ داروں پر خرچ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حاکم نے ان کا نفقہ ذمہ کر دیا ہو ۔ اور مُضطر پر خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے ۔ اور نفلی حقوق بھی ہو سکتے ہیں اسلئے کہ حق کا لفظ واجب اور نفل دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے ۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ لوگوں کے ذمہ محتاج کا کھلانا فرض ہے جب کہ وہ (کمانے کیلئے) نکلنے سے اور مانگنے سے عاجز ہو اور اسمیں تین باتیں ہیں اوّل یہ کہ جب محتاج نکلنے سے عاجز ہو تو ہر اُس شخص پر جس کو اس کا حال معلوم ہو ، اس کا کھلانا فرض ہے اور اتنی مقدار کھلانا ضروری ہے جس سے وہ نکلنے پر اور فرض ادا کرنے پر قادر ہو جائے بشرطیکہ جس کو اس کا حال معلوم ہو وہ کھلانے پر قادر ہو ، اور اگر اس میں خود کھلانے کی قدرت نہ ہو تو اُس کے ذمہ ضروری ہے کہ دوسروں کو اس کے حال کی اطلاع کرے اور اگر نہ خود کھلا سکے نہ دوسروں کو اطلاع کرے اور وہ محتاج مر جائے تو وہ سب گناہ گار ہوں گے جن کو اُس کا حال معلوم ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر محتاج نکلنے پر قادر ہے لیکن کمانے پر قادر نہیں تو لوگوں کے ذمہ جن کو اس کا حال معلوم ہے ضروری ہے کہ وہ اپنے صدقاتِ واجبہ سے اس کی مدد کریں ۔ اور اگر وہ کمانے پر بھی قادر ہے تو پھر اس کو جائز نہیں کہ سوال کرے ۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر وہ محتاج نکلنے پر قادر ہے لیکن کمانے پر قادر نہیں تو اسکے ذمہ ضروری ہے کہ نکل کر لوگوں سے سوال کر لے اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا (عالمگیریہ) ۔

(۱۷) عَنْ بُهَيْسَةَ عَنْ اَبِيْهَا قَالَتْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اَلْمَاءُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِيْ

حضرت بُہَیسہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد صاحب نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا (کسی مانگنے والے کو دینے سے) روکنا جائز نہیں

لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ۔
(رواہ ابو داؤد کذا فی المشکوۃ)

حضورؐ نے فرمایا پانی۔ میرے والد نے پھر یہی سُوال کیا تو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا نمک، میرے والد نے پھر یہی سُوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا جو بھلائی تو (کسی کے ساتھ) کر سکے وہ تیرے لئے بہتر ہے۔"

ف: اگر پانی سے مراد کنوئیں سے پانی لینا ہو اور نمک سے مراد اس کے مَعدِن سے نمک لینا ہو، تب تو شرعی حیثیت سے بھی کسی کو ان چیزوں سے روکنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر اپنا مملوک پانی اور مملوک نمک ہے تو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی غرض اس پر تنبیہ فرمانا ہے کہ ایسی معمولی چیزوں کو سائل کو انکار کرنا ہرگز نہ چاہیئے، جس میں دینے والے کو زیادہ نقصان نہیں اور مانگنے والے کی بڑی اِحتیاج پوری ہوتی ہے بشرطیکہ دینے والے کی اپنی حاجت بھی اسی درجہ کی نہ ہو لیکن عام طور پر چونکہ گھروں میں یہ چیزیں اکثر موجود ہوتی ہیں، اور اپنی کوئی وقتی ضرورت اُن سے ایسی وابستہ نہیں ہوتی۔ اگر کسی شخص کی ہانڈی پھیکی ہے ذرا سے نمک میں اس کا سارا کھانا درست ہو جاتا ہے اور تمہارا کوئی ایسا نقصان اس میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی پانی کا حال ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ تین چیزوں کا روکنا جائز نہیں۔ پانی، نمک، آگ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ، پانی کو تو ہم سمجھ گئے (کہ واقعی بہت مجبوری کی چیز ہے) لیکن نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ اے حُمَیرا! جب کوئی شخص کسی کو آگ دیتا ہے تو گویا اُس نے وہ ساری چیز صدقہ کی جو آگ پر پکی اور جس نے نمک دیا اُس نے گویا وہ ساری چیز صدقہ کی جو نمک کی وجہ سے لذیذ ہو گئی (مشکوۃ) گویا ان دونوں میں معمولی خرچ سے دوسرے کا بہت زیادہ نفع ہے۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حدیث بالا میں مثال کے طور پر دو چیزوں کا ذکر فرما کر پھر ایک ضابطہ اِرشاد فرمادیا کہ جو بھلائی کسی کے ساتھ کر سکتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہے ع "بھلا کر جو اپنا بھلا چاہتا ہے"

حقیقت یہی ہے کہ آدمی جو کوئی احسان کسی قسم کا بھی کسی کے ساتھ کرتا ہے، وہ صورت میں دوسرے کے ساتھ احسان ہے حقیقت میں وہ اپنے ہی ساتھ احسان ہے۔ اللہ جل شانہٗ کے پاک ارشاد میں بسلسلۂ آیات نمبر۲۰ پر گذر چکا ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کروگے اللہ جل شانہٗ اس کا بدل عطا فرمائے گا، اور بسلسلہ احادیث نمبر۱ پر گذر چکا ہے کہ دو فرشتے روزانہ اس کی دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی عطا کر۔ ایسی حالت میں جو احسان بھی کوئی شخص کسی کے ساتھ کرتا ہے وہ اپنے مال کو بربادی سے بچاکر اس کے بدل کا اللہ جل شانہٗ کے خزانہ سے اپنے لئے اِستحقاق قائم کرتا ہے۔ اور غور کی نگاہ اگر میسّر ہو تو حقیقت میں دوسروں پر ذرا بھی احسان نہیں، بلکہ ایسا ہے جیسا کہ اُس نے تمہارے مکان کو لُوٹ سے بچادیا ہو، اس لحاظ سے اس کا تم پر احسان ہے نہ کہ تمہارا اُس پر۔

(۱۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضؓ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (رواه مالك و ابوداؤد والنسائي كذا في المشكوة)۔

"حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ کا اِنتقال ہوگیا (ان کے ایصالِ ثواب کے لئے) کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لئے ایک کنواں کھدوا دیا۔"

ف: حضورؐ نے پانی کو زیادہ افضل اس لئے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں اس کی ضرورت زیادہ تھی۔ اوّل تو گرم ملکوں میں سب ہی جگہ پانی کی ضرورت خاص طور سے ہوتی ہے، اور مدینہ منورہ میں اس وقت پانی کی قلت بھی تھی۔ اس کے علاوہ پانی کا نفع بھی عام ہے اور ضرورت بھی عمومی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پانی کا سلسلہ جاری کر جائے تو جو انسان یا جن یا پرندہ بھی اس سے پانی پیئے گا تو مرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے گھٹنے

میں ایک زخم ہے۔ سات برس ہوگئے۔ ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طبیبوں سے بھی رجوع کر چکا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنوا دو۔ مجھے اللہ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ جب اس میں پانی نکل آئے گا تمہارے گھٹنے کا خون بند ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور گھٹنے کا زخم اچھا ہو گیا۔

مشہور مُحدِّث اَبُو عَبدُاللہ حاکمؒ کے چہرہ پر ایک زخم ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے علاج کیے۔ کوئی بھی کارگر نہ ہوا۔ ایک سال اسی حال میں گذر گیا۔ ایک مرتبہ استاذ اَبُو عُثمان صابونی سے دعا کی درخواست کی۔ جمعہ کا دن تھا۔ انہوں نے بڑی دیر تک دعا کی مجمع نے آمین کہی۔ دوسرے جمعہ کو ایک عورت حاضر ہوئیں اور ایک پرچہ مجلس میں پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ میں گذشتہ جمعہ کو جب گھر واپس گئی تو حاکم کے لئے بہت اہتمام سے دعا کرتی رہی۔ میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حاکم سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وُسعت کرے۔ حاکم نے یہ سُن کر اپنے گھر کے دروازہ پر ایک سبیل قائم کر دی جس میں پانی کے بھرنے کا اور اس میں برف ڈالنے کا اہتمام کیا۔ ایک ہفتہ گذرا تھا کہ چہرہ کے سب زخم بالکل اچھے ہو گئے اور پہلے سے زیادہ خوشنما چہرہ ہو گیا۔ (ترغیب)۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری والدہ اپنی زندگی میں میرے مال سے حج کرتی تھیں، میرے ہی مال سے صدقہ دیتی تھیں، صلہ رحمی کرتی تھیں لوگوں کی امداد کرتی تھیں، اب ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ سب کام اگر ہم ان کی طرف سے کریں تو اُن کو ان کا ثواب پہنچے گا؟ حضورؐ نے فرمایا پہنچے گا (کنز)۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے سُوال کیا کہ میری والدہ کا دفعۃً انتقال ہو گیا۔ اگر دفعۃً نہ ہوتا تو وہ کچھ صدقہ وغیرہ کرتیں۔ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو ان کی طرف سے ہو جائے گا؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں ان کی طرف سے صدقہ کر دو۔ (ابوداؤد)۔ اپنے ماں باپ، خاوند، بیوی، بہن، بھائی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار خصوصاً وہ لوگ جن کے مرنے کے بعد ان کا کوئی مال اپنے پاس پہنچا ہو یا اُن کے خصوصی

احسانات اپنے اُوپر ہوں جیسے اساتذہ اور مشائخ، ان کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔ بڑی بے غیرتی ہے کہ ان کے مال سے آدمی منتفع ہوتا رہے اُن کی زندگی میں ان کے احسانات سے فائدہ اُٹھاتا رہے اور جب وہ اپنے عطایا اور اپنے ہدایا کے ضرورتمند ہوں، ان کو فراموش کر دے۔

آدمی جب مرجاتا ہے تو اسکے اپنے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا ہو یا کوئی اور ایسا عمل کر گیا ہو جو صدقہ جاریہ کے حکم میں ہو جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، اس وقت وہ دوسروں کے ایصالِ ثواب اور ان کی دعا۔ وغیرہ سے امداد کا محتاج اور منتظر رہتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مردہ اپنی قبر میں اُس شخص کی طرح سے ہوتا ہے جو پانی میں ڈُوب رہا ہو اور ہر طرف سے کسی مددگار کا خواہشمند ہو، اور وہ اس کا منتظر رہتا ہے کہ باپ بھائی وغیرہ کسی دوست کی طرف سے کوئی مدد دعا، کی (کم از کم) اس کو پہنچ جائے اور جب اس کو کوئی مدد پہنچتی ہے تو وہ اس کیلئے ساری دُنیا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے (احیاء)۔

بشر بن منصورؒ کہتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک آدمی تھے جو کثرت سے جنازوں کی نمازوں میں شریک ہوتے اور شام کے وقت قبرستان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ دعا۔ کرتے آنَسَ اللّٰهُ وَحْشَتَكُمْ وَرَحِمَ غُرْبَتَكُمْ وَتَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَقَبِلَ اللّٰهُ حَسَنَاتِكُمْ (اللہ جلّ شانہٗ تمہاری وحشت کو دلبستگی سے بدل دے اور تمہاری غربت پر رحم فرمائے، تمہاری لغزشوں سے درگذر فرمائے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے) اس دعاء کے بعد اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ ایک دن اتفاق سے اس دعا۔ کو پڑھنے کی نوبت نہیں آئی ویسے ہی گھر آگئے تو رات کو خواب میں ایک بڑا مجمع دیکھا جو ان کے پاس گیا۔ اُس نے پوچھا تم کون لوگ ہو کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قبرستان کے رہنے والے ہیں، تم نے ہم کو اس کا عادی بنا دیا تھا کہ روزانہ شام کو تمہاری طرف سے ہمارے پاس ہدیہ آیا کرتا تھا۔ اُس نے پوچھا کیسا ہدیہ؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تم جو دعا۔ روزانہ شام کو کیا کرتے تھے وہ ہمارے پاس ہدیہ بن کر پہنچتی تھی، وہ شخص کہتے ہیں کہ پھر میں نے کبھی اس

دعاء کو ترک نہیں کیا۔

بشار بن غالبؒ نجرانی کہتے ہیں کہ میں حضرت رابعہ بصریہ کے لئے بہت کثرت سے دعاء کیا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا وہ کہتی ہیں کہ بشار تمہارے تحفے ہمارے پاس نور کے خوانوں میں رکھے ہوئے پہنچتے ہیں جن پر ریشم کے غلاف ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی جو دعاء مردہ کے حق میں قبول ہو جاتی ہے تو وہ دعاء نور کے خوان پر ریشم کے غلاف سے ڈھکی ہوئی میت کے پاس پیش ہوتی ہے کہ یہ فلاں شخص نے تمہارے پاس ہدیہ بھیجا ہے (احیاء)۔

آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے کئی واقعات آرہے ہیں۔ امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی مذہب حق ہے۔ اور بعض لوگوں نے جو یہ لکھ دیا کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا، یہ قطعاً باطل ہے اور کھلی ہوئی خطا ہے۔ یہ قرآن پاک کے خلاف ہے، یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے خلاف ہے، یہ اجماعِ امت کے خلاف ہے اس لئے یہ قول ہرگز قابلِ التفات نہیں (بذل)۔

شیخ تقی الدینؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ آدمی کو صرف اپنے ہی کئے کا ثواب ملتا ہے، وہ اجماعِ امت کے خلاف کر رہا ہے، اس لئے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ آدمی کو دوسروں کی دعاء سے فائدہ پہنچتا ہے، یہ دوسرے کے عمل سے نفع ہوا۔ نیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ حشر میں شفاعت فرماویں گے، نیز دوسرے انبیاءؑ اور صلحاءؒ سفارش فرمائیں گے، یہ سب دوسروں کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز فرشتے مومنوں کیلئے دعاء اور استغفار کرتے ہیں (جیسا کہ سورۂ مومن کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنی رحمت سے بہت سے لوگوں کے گناہ معاف فرمادیں گے یہ اپنی کوشش اور عمل کے علاوہ سے فائدہ ہوا۔ نیز مومنوں کی اولاد اپنے والدین کے ساتھ جنت میں داخل کی جائیں گی (جیسا کہ والطور کے پہلے رکوع میں ہے) یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا۔ نیز حجِ بدل کرنے سے میت کے ذمہ سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے یہ دوسرے کے

عمل سے نفع ہوا غرض بہت سی چیزیں اس کیلئے دلیل اور حجت ہیں جن کا شمار بھی دشوار ہے (بذل)
ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ قبر میں رکھنے کے بعد تم پر کیا گذری؟ وہ کہنے لگے کہ اُس وقت میرے پاس ایک آگ کا شعلہ آیا مگر ساتھ ہی ایک شخص کی دُعا مجھ تک پہنچی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ شعلہ مجھ کو لگ جاتا۔
علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھا محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب اس نعش کو دفن کر چکے تو ایک نابینا شخص آئے اور وہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے لگے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم وہاں سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں محمد بن قدامہؒ نے حضرت امام احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک مبشر بن اسمٰعیل حلبیؒ کیسے آدمی ہیں۔ امام نے فرمایا کہ وہ معتبر آدمی ہیں۔ ابن قدامہؒ نے پوچھا کہ آپ نے بھی ان سے کچھ علم حاصل کیا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے بھی اُن سے حدیثیں لی ہیں۔ ابن قدامہؒ نے کہا کہ مبشرؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرحمن بن علاء بن لجلاجؒ نے اپنے والد سے یہ نقل کیا کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا اوّل و آخر پڑھا جائے اور یہ کہہ کر فرمایا تھا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ وصیت کرتے ہوئے سُنا تھا۔ حضرت امام نے یہ قصہ سُن کر ابن قدامہ سے کہا کہ قبرستان میں واپس جاؤ اور اُن نابینا سے کہو کہ وہ قرآن شریف پڑھ لیں۔ محمد بن احمد مروزیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب تم قبرستان میں جایا کرو تو الحمد شریف، قُلْ هُوَ اللهُ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر قبرستان والوں کو بخشا کرو، اس کا ثواب ان کو پہنچ جاتا ہے (احیاء)۔
صاحبِ مُغنی نے جو فقہ حنبلی کی بہت معتبر کتاب ہے اس قصہ کو نقل کیا ہے اور اس مضمون کی اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ بذل المجہود میں بحر سے نقل کیا ہے کہ جو شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے خواہ وہ شخص جس کو بخشا ہے زندہ ہو یا مُردہ۔ اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اس میں کوئی

فرق نہیں کہ جس کو ثواب بخشتا ہے وہ زندہ ہو یا مُردہ۔

اَبُو داوٗد شریف میں حضرت اَبُوہُریرہؓ کا یہ اِرشاد نقل کیا گیا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو اس کا ذمّہ لے کہ مسجدِ عشار (بصرہ کے قریب ہے) میں جا کر دو رکعت یا چار رکعت نماز پڑھ کر یہ کہے کہ یہ نماز (یعنی اس کا ثواب) اَبُوہُریرہؓ کی ہے (ابوداوٗد)

اپنے عزیز مُردوں کو ثواب پہنچانے کا بہت زیادہ اِہتمام چاہیئے، ان کے حقوق کے علاوہ۔ عنقریب مرنے کے بعد اُن سے ملنا ہوگا، کیسی شرم آئے گی جب ان کے حقوق ان کے اِحسانات اور ان کے مالوں میں جو آدمی اپنے کام میں خرچ کرتا رہتا ہے، ان کو یاد نہ رکھے۔

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ۔

حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اِرشاد ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، تیسرے صالح اولاد جو اس کے لئے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے۔

(رواہ مسلم کذا فی المشکوٰة قلت و ابوداؤد والنسائی وغیرهما)

ف: اللہ جلّ شانُہٗ کا کس قدر زیادہ اِنعام و اِحسان ہے لُطف و کرم ہے کہ آدمی اگر یہ چاہے کہ مر جانے کے بعد جب کہ اس کے اعمال کا وقت ختم ہو جانے وہ عمل کرنے سے بیکار ہو جانے وہ قبر میں میٹھی نیند پڑا سوتا رہے اور اس کے اعمالِ حسنہ میں اِضافہ ہوتا رہے۔ تو اس کا ذریعہ بھی اللہ جلّ شانُہٗ نے اپنے فضل سے پیدا فرما دیا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین چیزیں اس حدیث پاک میں ذکر فرمائی ہیں ایک صدقہ جاریہ یعنی کوئی ایسی چیز صدقہ کر گیا جس کا نفع باقی رہنے والا ہو مثلاً کوئی مسجد

بنوا گیا جس میں لوگ نماز پڑھتے رہیں۔ تو جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی اس کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا۔ اسی طرح سے کوئی مسافر خانہ، کوئی مکان کسی دینی کام کے لئے بنوا کر وقف کر گیا جس سے مسلمانوں کو یا دینی کاموں کو نفع پہنچتا رہا، تو اس کو اس نفع کا ثواب ملتا رہے گا۔ کوئی کنواں رفاہِ عام کیلئے بنوا گیا تو جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے وضو وغیرہ کرتے رہیں گے، اس کو مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد جن چیزوں کا ثواب اس کو ملتا ہے، ایک تو وہ علم ہے جو کسی کو سکھایا ہو اور اشاعت کی ہو اور وہ صالح اولاد ہے جس کو چھوڑ گیا ہو، اور وہ قرآن شریف جو میراث میں چھوڑ گیا ہو اور وہ مسجد ہے اور مسافر خانہ ہے جن کو بنایا ہو، اور نہر ہے جو جاری کر گیا ہو، اور وہ صدقہ ہے جس کو اپنی زندگی اور صحت میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

"ثواب ملتا رہنے" کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر دے گیا۔ مثلاً وقف کر گیا ہو۔ اور "علم کی اشاعت" کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسہ میں چندہ دیا ہو، یا کوئی دینی کتاب تالیف کی ہو، یا پڑھنے والوں کو تقسیم کی ہو، یا مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن پاک یا کتابیں وقف کی ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد سات چیزوں کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔ کسی کو علم پڑھایا ہو، کوئی نہر جاری کر دی ہو، کوئی کنواں بنا دیا ہو، کوئی درخت لگا دیا ہو، کوئی مسجد بنا دی ہو، قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو، یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے (ترغیب)۔

اور ان سب چیزوں میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری تنہا خود ہی کی ہوں۔ بلکہ اگر کسی چیز میں تھوڑی بہت شرکت بھی اپنی ہو گئی تو بقدر اپنے حصہ کے اس کے ثواب میں سے حصہ ملتا رہے گا۔ دوسری چیز اُوپر کی حدیث میں وہ علم دین ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے۔ مثلاً کسی مدرسہ میں کوئی کتاب وقف کر گیا، جب تک وہ کتاب باقی ہے اس سے لوگ

نفع اُٹھاتے رہیں گے، اس کا ثواب خود بخود ملتا رہے گا۔ کسی طالب علم کو اپنے خرچ سے حافظِ قرآن یا عالم بنایا گیا، جب تک اس کے علم وحفظ سے نفع پہنچتا رہے گا، چاہے وہ حافظ اور عالم خود زندہ رہے یا نہ رہے اس شخص کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ مثلاً کسی شخص کو حافظ بنایا تھا۔ اُس نے دس بیس لڑکوں کو قرآن پاک پڑھا دیا اور وہ حافظ اس کے بعد مرگیا تو جب تک یہ لڑکے قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے رہیں گے اس حافظ کو مستقل ثواب ملتا رہے گا اور اس حافظ بنانے والے کو علیحدہ ثواب ہوتا رہے گا۔ اور اسی طرح سے جب تک ان پڑھنے والے لڑکوں کا سلسلہ پڑھنے پڑھانے کا قیامت تک چلتا رہے گا اس اصل حافظ بنانے والے کو ثواب خود بخود ملتا رہے گا چاہے یہ لوگ ثواب پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔

یہی صورت بعینہٖ کسی شخص کو عالم بنانے کی ہے کہ جب تک بلا واسطہ یا بواسطہ اس کے علم سے لوگوں کو نفع کا سلسلہ چلتا رہے گا اس اوّل عالم بنانے والے کو ان سب کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور یہاں بھی وہی پہلی بات ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ پورا حافظ یا پورا عالم خود تنِ تنہا بنائے، اگر کسی حافظ کے حفظ میں اپنی طرف سے مدد ہوگئی، کسی عالم کے علم حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی اعانت ہوگئی تو اس اعانت کی بقدر ثواب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی کسی قسم کی جانی یا مالی کوشش علم کے پھیلانے میں، دین کے بقاء اور حفظ میں لگ جائے کہ دنیا کی زندگی خواب سے زیادہ نہیں۔ نہ معلوم کب اس عالَم سے ایک دَم جانا ہو جائے، جتنا ذخیرہ اپنے لئے چھوڑ جائے گا وہی دیرپا اور کارآمد ہے۔ عزیز قریب، احباب، رشتہ دار سب دو چار دن رو کر یاد کرکے اپنے اپنے مشاغل میں لگ کر بھول جائیں گے، کام آنے والی چیزیں یہی ہیں جن کو آدمی اپنی زندگی میں اپنے لئے کبھی فنا نہ ہونے والے بینک میں جمع کر جائے کہ سرمایہ محفوظ رہے اور نفع قیامت تک ملتا رہے۔

تیسری چیز جو اس حدیث پاک میں ذکر کی گئی ہے وہ اولاد صالح ہے جو مرنے کے بعد دعائے خیر بھی کرتی رہے۔ اوّل تو اولاد کا صالح بنا جانا بھی مستقل صدقہ جاریہ

ہے کہ جب تک وہ کوئی بھی نیک کام کرتی رہے گی، اپنے آپ اس کا ثواب ملتا رہے گا پھر اگر وہ نیک اولاد والدین کے لئے دعا بھی کرتی رہے، اور جب وہ صالح ہے. تو دعائیں کرتی ہی رہے گی، یہ مستقل ذخیرہ والدین کے لئے ہے۔

ایک نیک عورت کا قصہ روض میں لکھا ہے جس کو باہیہ کہتے تھے، بڑی کثرت سے عبادت کرنے والی تھی۔ جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اُس نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہا۔ اے وہ ذات جو میرا توشہ اور میرا ذخیرہ ہے اور اسی پر میرا زندگی اور موت میں بھروسہ ہے، مجھے مرتے وقت رسوا نہ کیجیو اور قبر میں مجھے وحشت میں نہ رکھیو جب وہ انتقال کر گئی تو اس کے لڑکے نے یہ اہتمام شروع کر دیا کہ ہر جمعہ کو وہ ماں کی قبر پر جاتا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کو ثواب بخشتا اور اس کے لئے اور سب قبرستان والوں کے لئے دعا کرتا۔ ایک دن اس لڑکے نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا اور پوچھا، امّاں تمہارا کیا حال ہے۔ ماں نے جواب دیا موت کی سختی بڑی سخت چیز ہے میں اللہ کی رحمت سے قبر میں بڑی راحت سے ہوں۔ ریحان میرے نیچے بچھی ہوئی ہے۔ ریشم کے تکیے لگے ہوئے ہیں، قیامت تک یہی برتاؤ میرے ساتھ رہے گا۔ بیٹے نے پوچھا کہ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو کہو۔ اُس نے کہا کہ تو ہر جمعہ کو میرے پاس آکر قرآن پاک پڑھتا ہے اس کو نہ چھوڑنا، جب تو آتا ہے سارے قبرستان والے خوش ہو کر مجھے خوشخبری دینے آتے ہیں کہ تیرا بیٹا آگیا۔ مجھے بھی تیرے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے اور ان سب کو بھی بہت خوشی ہوتی ہے۔

وہ لڑکا کہتا ہے کہ میں اسی طرح ہر جمعہ کو اہتمام سے جاتا تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت بڑا مجمع مردوں اور عورتوں کا میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو، کیوں آئے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم فلاں قبرستان کے آدمی ہیں ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ تم جو ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے ہو اور ہمارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہو اس سے ہم کو بڑی خوشی ہوتی ہے، اس کو جاری رکھنا۔ اس کے بعد سے میں نے اور بھی زیادہ اہتمام اس کا شروع کر دیا۔

ایک اور عالم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبرستان کی سب قبریں ایک دم شق ہوگئیں اور مُردے ان میں سے باہر نکل کر زمین پر سے کوئی چیز جلدی جلدی چُن رہے ہیں۔ لیکن ایک شخص فارغ بیٹھا ہے وہ کچھ نہیں چُنتا۔ میں نے اس کے پاس جاکر سلام کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا چُن رہے ہیں۔ اُس نے کہا کہ جو لوگ کچھ صدقہ دعا درود وغیرہ کرکے اس قبرستان والوں کو بھیجتے ہیں اس کی برکات سمیٹ رہے ہیں۔ میں نے کہا، تم کیوں نہیں چُنتے۔ اس نے کہا مجھے اس وجہ سے اِستغنا ہے کہ میرا ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں زَلَابِیہ (حلوے کی ایک قسم ہے جو مُنہ کو چپک جاتی ہے) بیچا کرتا ہے وہ روزانہ مجھے ایک قرآن پڑھ کر بخشتا ہے میں صبح کو اُٹھ کر اس بازار میں گیا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ زَلَابِیہ فروخت کر رہا ہے اور اس کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ اُس نے کہا، میں روزانہ ایک قرآن پاک ختم کرکے اپنے والد کو ہدیہ پیش کیا کرتا ہوں۔

اس قصہ کے عرصہ کے بعد میں نے پھر ایک مرتبہ اس قبرستان کے آدمیوں کو اسی طرح چُنتے دیکھا اور اس مرتبہ اس شخص کو بھی چُنتے دیکھا جس سے پہلی مرتبہ بات ہوئی تھی۔ پھر میری آنکھ کُھل گئی۔ مجھے اس پر تعجّب تھا۔ صبح اُٹھ کر پھر میں اسی بازار میں گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا اِنتقال ہوگیا (روض)۔

حضرت صالح مرّیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی شب میں اخیر رات میں جامع مسجد جارہا تھا تاکہ صبح کی نماز وہاں پڑھوں۔ صبح میں دیر تھی۔ راستہ میں ایک قبرستان تھا۔ میں وہاں ایک قبر کے قریب بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ سب قبریں شق ہوگئیں اور اس میں سے مُردے نکل کر آپس میں ہنسی خوشی باتیں کر رہے ہیں ان میں ایک نوجوان بھی قبر سے نکلا، جس کے کپڑے میلے اور وہ مغموم سا ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں آسمان سے بہت سے فرشتے اُترے جن کے ہاتھوں میں خوان تھے۔ جن پہ نُور کے رومال ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ ہر شخص کو ایک خوان دیتے تھے اور جو خوان لے لیتا تھا وہ اپنی قبر میں چلا جاتا تھا۔ جب سب لے چکے تو یہ جوان بھی خالی ہاتھ اپنی قبر میں جانے لگا۔ میں نے اس سے پُوچھا کہ کیا بات ہے تم اس قدر غمگین کیوں ہو اور یہ خوان کیسے تھے۔ اُس نے

کہا کہ یہ خوان اُن ہدایا کے تھے جو زندہ لوگ اپنے اپنے مُردوں کو بھیجتے ہیں۔ میرے کوئی اور تو ہے نہیں جو بھیجے۔ ایک والدہ ہے مگر وہ دنیا میں پھنس رہی ہے۔ اس نے دوسری شادی کر لی، وہ اپنے خاوند میں مشغول رہتی ہے، مجھے کبھی بھی یاد نہیں کرتی۔ میں نے اس سے اسکی والدہ کا پتہ پوچھا، اور صبح کو اس پتہ پر جا کر اس کی والدہ کو پردہ کے پیچھے بُلایا اور اس سے اس کے لڑکے کو پوچھا اور یہ خواب سُنایا۔

اس عورت نے کہا بیشک وہ میرا لڑکا تھا، میرے جگر کا ٹکڑا تھا، میری گود اس کا بستر تھا۔ اس کے بعد اس عورت نے مجھے ایک ہزار درم دیئے کہ میرے لڑکے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے اس کو صدقہ کر دینا اور میں آئندہ ہمیشہ اس کو دعا اور صدقہ سے یاد رکھوں گی، کبھی نہ بھولوں گی۔

حضرت صالحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر خواب میں اس مجمع کو اسی طرح دیکھا اور اس نوجوان کو بھی بڑی اچھی پوشاک میں بہت خوش دیکھا۔ وہ میری طرف کو دوڑا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ صالح حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تمہارا ہدیہ میرے پاس پہنچ گیا (روض)

اس قسم کے ہزاروں واقعات کُتب میں موجود ہیں۔ بعض اس سے پہلی حدیث میں بھی گذر چکے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میری اولاد مرنے کے بعد بھی میرے کام آئے تو اپنے مقدور کے مُوافق اس کو نیک اور صالح بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ حقیقت میں اولاد کے لئے بھی خیر خواہی ہے اور اپنے لئے بھی کار آمد ہے۔ اللہ جل شانہٗ کا پاک ارشاد ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم) "اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔"

زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اپنے اہل وعیال کو کس طرح آگ سے بچائیں؟ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو ایسے کاموں کا حکم کرتے رہو جن سے اللہ جل شانہٗ راضی ہوں اور ایسی چیزوں سے روکتے رہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اپنے آپ کو

اور اپنے اہل کو خیر کی باتوں کی تعلیم اور تنبیہ کرتے رہو (در منثور) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اس باپ پر رحم کرے جو اولاد کی اس بات میں مدد کرے کہ وہ باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے، یعنی ایسا برتاؤ اس سے نہ کرے جس سے وہ نافرمانی کرنے لگے (احیاء)۔

اولاد کو نیک بنانا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر وہ نیک نہ ہوگی تو پھر والدین کے ساتھ جو کرے وہ برمحل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ بچہ کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے، اور جب چھ برس کا ہو اس کو آداب سکھائے جائیں اور جب نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر علیحدہ کر دیا جائے (یعنی دوسروں کے پاس نہ سوئے) اور جب تیرہ برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے اور جب سولہ برس کا ہو جائے تو نکاح کر دیا جائے پھر اس کا باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے کہ میں نے تجھے آداب سکھا دیئے، تعلیم دے دی، نکاح کر دیا، اب میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں دنیا میں تیرے فتنہ سے اور آخرت میں تیری وجہ سے عذاب سے (احیاء)۔

"تیری وجہ سے عذاب" کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ ارشادِ نبوی وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی بُرا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کو اپنے فعل کا گناہ بھی ہوتا ہے اور جتنے لوگ اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ بھی اس کو ہوگا، اس طرح پر کہ کرنے والوں کے اپنے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی، ان کو اپنے فعل کا مستقل گناہ ہوگا، اور اس کو ذریعہ اور سبب بننے کا مستقل گناہ ہوگا۔ اس بناء پر جو اولاد اپنے بڑوں کی بُری حرکات ان کے عمل کی وجہ سے اختیار کرتی ہے ان سب کا گناہ بڑوں کو بھی ہوتا ہے، اسلئے اپنے چھوٹوں کے سامنے بُری حرکات کرنے سے خصوصیت سے احتراز کرنا چاہیئے۔

اس حدیث شریف میں تیرہ برس کی عمر میں نماز پر مارنے کا حکم ہے اور بہت سی احادیث میں ہے کہ بچہ کو جب سات برس کا ہو جائے نماز کا حکم کرو اور جب دس برس

کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ یہ روایات اپنی صحت اور کثرت کے لحاظ سے مُقدّم ہیں۔ بہرحال بچہ کے نماز نہ پڑھنے پر باپ کو مارنے کا حکم ہے اور اس پر نماز میں تنبیہ نہ کرنا اپنا جُرم ہے اور اس کے بالمقابل اگر اس کو نماز روزہ اور دینی احکام کا پابند اور عادی بنا دیا تو اس کے اعمالِ حَسَنہ کا ثواب اپنے آپ کو بھی ملے گا اور اس کے ساتھ جب وہ صالح بن کر والدین کے لئے دعا بھی کرے گا تو اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

ابن مَلکؒ کہتے ہیں کہ حدیث بالا میں اولاد کو صالح کے ساتھ اس لئے مُقیّد کیا ہے کہ ثواب غیر صالح اولاد کا نہیں پہنچتا، اور اس کی دعا کا ذکر اولاد کو دعا کی ترغیب دینے کے لئے ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ والد کو صالح اولاد کے عمل کا ثواب خود پہنچتا رہتا ہے چاہے وہ دعا کرے یا نہ کرے جیسا کہ کوئی شخص رفاہِ عام کے لئے کوئی درخت لگا دے اور لوگ اس کا پھل کھاتے رہیں تو ان کھانے والوں کے کھانے کا ثواب اس کو ملتا رہے گا چاہے یہ لوگ درخت لگانے والے کے لئے دعا کریں یا نہ کریں۔

علامہ مناویؒ کہتے ہیں کہ والد کو دعا کے ساتھ تنبیہ اور تحریض کے طور پر ذکر فرمایا کہ وہ دعا کرے ورنہ دعا ہر شخص کی نافع ہے چاہے وہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اس حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر اہتمام کی وجہ سے کیا ہے ان کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں احادیث میں ایسی آئی ہیں جن کے مُتعلق یہ وارد ہوا ہے کہ ان کا دائمی ثواب ملتا رہتا ہے۔ مُتعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص کوئی نیک طریقہ جاری کر دے اس کو اپنے عمل کا ثواب بھی ملے گا اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس کو ملتا رہے گا اور کرنے والوں کے اپنے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص بُرا طریقہ جاری کر دے اُس پر اپنے کئے کا بھی گناہ ہے اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے اُن سب کے عمل کا گناہ بھی اس کو ہوگا اور اس کی وجہ سے اُنکے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے عمل کا ثواب مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے مگر جو شخص اللہ کے راستہ میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والا ہے، اس کا ثواب قیامت تک بڑھتا رہتا ہے (مرقاۃ)۔

ان کے علاوہ احادیث میں اور بھی بعض اعمال کا ذکر آیا ہے جیسا کہ کوئی درخت لگا دینا یا نہر جاری کر دینا، جن کو علامہ سیوطیؒ نے جمع کر کے گیارہ چیزیں بتائی ہیں، اور ابن عمادؒ نے تیرہ چیزیں گنوائی ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر انہی تین کی طرف راجع ہو جاتی ہیں جیسا کہ درخت لگانا یا نہر جاری کرنا صدقۂ جاریہ میں داخل ہے (عون)۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ رضؓ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِیَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِیَ مِنْهَا اِلَّا کَتِفُهَا قَالَ بَقِیَ کُلُّهَا اِلَّا کَتِفُهَا۔ (رواه الترمذی وصححه کذا فی المشکوٰۃ)۔

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے آدمیوں نے یا صحابۂ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کی (اور اس میں سے تقسیم کر دیا) حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کتنا باقی رہا؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ صرف ایک شانہ باقی رہ گیا (باقی سب تقسیم ہو گیا) حضورؐ نے فرمایا وہ سب باقی ہے اس شانہ کے سوا۔"

ف: مقصد یہ ہے کہ جو اللہ کے لئے خرچ کر دیا گیا وہ حقیقت میں باقی ہے کہ اس کا دائمی ثواب باقی ہے اور جو رہ گیا وہ فانی ہے۔ نہ معلوم باقی رہنے والی جگہ خرچ ہو یا نہ ہو۔ صاحبِ مظاہر کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اللہ جلّ شانہٗ کے اس پاک ارشاد کی طرف: مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (نحل، ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا (چاہے اس کے زوال سے ہو یا تمہاری موت سے) اور جو کچھ اللہ جلّ شانہٗ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، اس کے سوا دوسری بات نہیں ہے کہ اس کا مال وہ ہے جو کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے اپنے لئے ذخیرہ بنا لیا اور اسکے علاوہ جو رہ گیا وہ جانیوالی چیز ہے جس کو وہ لوگوں کیلئے چھوڑ کر چلا جائیگا (مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے

وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جس کو (ذخیرہ بنا کر) آگے بھیج دیا اور جو مال چھوڑ گیا وہ وارث کا مال ہے (مشکوٰۃ عن البخاری)۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضورؐ نے سورہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا آدمی کہتا ہے، میرا مال، میرا مال۔ او آدمی تیرے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے یا صدقہ کر کے آگے چلتا کر دے (تاکہ اللہ جل شانہٗ کے خزانہ میں محفوظ ہے) (مشکوٰۃ عن مسلم)

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے مضامین کی روایتیں نقل کی گئیں۔ لوگوں کو دنیا کے بینک میں روپیہ جمع کرانے کا بڑا اہتمام ہوتا ہے لیکن وہی کیا ساتھ رہنے والا ہے۔ اگر اپنی زندگی ہی میں اس پر کوئی آفت نہ بھی آئے تو مرنے کے بعد بہر حال وہ اپنے کام آنے والا نہیں ہے لیکن اللہ جل شانہٗ کے بینک میں جمع کیا ہوا روپیہ ہمیشہ کام آنیوالا ہے، نہ اس پر کوئی آفت ہے نہ زوال، اور مزید برآں کہ کبھی ختم ہونیوالا نہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں بڑی کثرت سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی والدہ اور بھائیوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے اس کی شکایت کی کہ یہ سب کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ یہ چند روز میں فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے حضرت سہلؒ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طیبہ کا رہنے والا رُستاق میں (جو ملک فارس کا ایک شہر ہے) زمین خرید لے اور وہاں منتقل ہونا چاہے، وہ مدینہ طیبہ میں اپنی کوئی چیز چھوڑے گا؟ انہوں نے فرمایا، کہ نہیں۔ کہنے لگے بس یہی بات ہے۔ لوگوں کو ان کے جواب سے یہ خیال ہو گیا کہ وہ دوسری جگہ انتقالِ آبادی کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں (تنبیہ الغافلین)۔

اور ان کی غرض دوسرے عالم کو انتقال تھی، اور آج کل تو ہر شخص کو اس کا ذاتی تجربہ بھی ہے۔ جو لوگ ہند سے پاکستان یا پاکستان سے ہند میں مستقل قیام کی نیت سے

انتقالِ آبادی اپنے اختیار سے کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے جانے سے پہلے اپنی جائداد مکانات وغیرہ سب چیزوں کے تبادلہ کی کتنی کوشش کرتے ہیں اور اتنے تبادلہ مکمل نہیں ہو جاتا، ساری تکالیف برداشت کرنے کے باوجود انتقالِ آبادی کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور جو بلا اختیار جبری طور پر ایک جگہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے ہیں، ان کی حسرت و افسوس کی نہ کوئی انتہا ہے نہ خاتمہ۔ یہی صورت بعینہٖ ہر شخص کی اس عالم سے انتقال کی ہے۔ ابھی تک ہر شخص کو اپنے سامان جائداد وغیرہ سب چیز کے انتقال کا اختیار ہے لیکن جب موت سے جبری انتقال ہو جائے گا، سب کچھ اسی عالم میں رہ جائے گا اور گویا بحق سرکار ضبط ہو جائے گا۔ ابھی وقت ہے کہ سمجھ رکھنے والے اپنے سامان کو دوسرے عالم میں منتقل کر لیں۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ وَفِیْ روایة بدل الجار وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے، اور زبان سے کوئی بات نکالے تو بھلائی کی بات نکالے ورنہ چُپ رہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ صلہ رحمی کرے۔

(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

ف: اس حدیث پاک میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی اُمور پر تنبیہ فرمائی اور ہر مضمون کو حضورؐ نے اس ارشاد کے ساتھ ذکر فرمایا کہ "جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے"۔ ترجمہ میں اختصار کی وجہ سے شروع ہی میں ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ ہر ہر جملہ کے ساتھ اس کو ذکر فرمانے سے مقصود ان اُمور کی اہمیت اور

تاکید ہے، جیسا کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کر دے۔ مقصد اس تنبیہ سے یہ ہے کہ یہ چیزیں کامل ایمان کے افراد ہیں جو انکا اہتمام نہ کرے اس کا ایمان بھی کامل نہیں (مظاہر)۔

اور اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے ذکر میں خصوصیت غالباً اس وجہ سے ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ پر ایمان بغیر تو آخرت میں کسی نیکی کا کوئی ثواب ہی نہیں۔ اور اللہ جلّ شانہٗ پر ایمان میں آخرت پر ایمان خود آگیا تھا، پھر اس کو خصوصیت سے غالباً اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ تنبیہ اور ثواب کی نیت پر شوق دلاتا ہے کہ ان امور کا حقیقی بدلہ اور ثواب آخرت کے دن ملے گا جس دن یہ معلوم ہوگا کہ دنیا کی ذرا ذرا سی چیز اور عمل پر اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں کتنا کتنا اجر و ثواب ہے۔

اس کے بعد حضورؐ نے اس حدیث پاک میں چار چیزوں پر تنبیہ فرمائی پہلی چیز مہمان کا اکرام ہے، وہی اس جگہ بندہ کا اس روایت کے ذکر کرنے سے مقصود ہے اس کی توضیح آئندہ حدیث میں آنے گی۔

دوسرا مضمون پڑوسی کو ایذا نہ دینے کے متعلق ہے۔ اس حدیث شریف میں ادنیٰ درجہ کا حکم کیا گیا کہ پڑوسی کو ایذا نہ پہنچانے۔ یہ بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ روایات میں پڑوسی کے حق کے متعلق بہت زیادہ تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ شیخین عہ کی بعض روایات میں فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ وارد ہوا ہے یعنی پڑوسی کا اکرام کرے۔ اور شیخین کی بعض روایات میں فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهٖ آیا ہے کہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے یعنی جس چیز کا وہ محتاج ہو اس میں اس کی اعانت کرے، اس سے برائی کو دفع کرے۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے۔ جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے، اگر وہ تجھ سے مدد چاہے تو اس کی مدد کر۔ اگر قرض مانگے تو اس کو قرض دے، اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کر، اگر بیمار ہو تو عیادت کر، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جا، اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دے، اگر مصیبت پہنچے تو تعزیت کر۔ بغیر اس کی اجازت کے اس کے مکان کے پاس اپنا مکان اونچا نہ کر

عہ یعنی بخاری و مسلم۔

جس سے اس کی ہوا رُک جائے، اگر تو کوئی پھل خریدے تو اس کو بھی ہدیہ دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس پھل کو ایسی طرح پوشیدہ گھر میں لا کر وہ نہ دیکھے اور اس کو تیری اولاد باہر لے کر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر رنجیدہ نہ ہوں، اور اپنے گھر کے دُھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچا مگر اس صورت میں کہ جو پکاوے اس میں سے اس کا بھی حصّہ لگالے۔ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کتنا حق ہے؛ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے حق کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ رحم کرے۔ روایت کیا، اس کو غزالیؒ نے اربعین میں (مظاہر ترغیب)۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین مرتبہ فرمایا) خدا کی قسم مؤمن نہیں ہے خدا کی قسم مؤمن نہیں ہے خدا کی قسم مؤمن نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کون شخص ـ حضورؐ نے فرمایا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں (اور بدیوں) سے مامون نہ ہو (مشکوٰۃ عن الشیخین)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جنّت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی مصیبتوں سے مامون نہ ہو۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں حضرات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے بارہ میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے ان کی تاکیدوں سے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنا کر رہیں گے (مشکوٰۃ) حق سُبحانہٗ وتقدس کا پاک ارشاد ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا	تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور
بِهٖ شَيْـئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور اپنے
وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	والدین کیساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي	اہلِ قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کیساتھ
الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ	اور غرباء کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی کے
الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ	ساتھ بھی اور دُور والے پڑوسی کیساتھ بھی اور
السَّبِيْلِ ۙ۔ (نساء ع ۶)	ہم مجلس کیساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی۔

"پاس والے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان قریب ہو اور "دُور کے پڑوسی" سے مراد یہ ہے کہ اس کا مکان دُور ہو۔ حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ پڑوس کہاں تک ہے انہوں نے فرمایا کہ چالیس مکان آگے کی جانب اور چالیس پیچھے کی جانب چالیس دائیں اور چالیس بائیں جانب۔

حضرت ابُوہریرہؓ سے نقل کیا گیا کہ دُور کے پڑوسی سے ابتدا نہ کی جائے بلکہ پاس کے پڑوسی سے ابتدا کی جائے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں کس سے ابتدا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا جس کا دروازہ تیرے دروازہ سے قریب ہو۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مختلف طرق سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت ہو اور دُور کا پڑوسی وہ ہے جس سے قرابت نہ ہو۔ نوف شامیؒ سے نقل کیا گیا کہ پاس کا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے۔ اور دُور کا پڑوسی یہود و نصاریٰ، یعنی غیر مسلم (درمنثور)۔

مُسند بزّار وغیرہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوں، پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق، اور اسلام کا حق۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے دو حق ہوں، پڑوس کا حق اور اسلام کا حق۔ تیسری قسم وہ ہے جس کا ایک ہی حق ہو وہ غیر مسلم پڑوسی ہے (جمل) گویا پڑوس کے تین درجے ترتیب وار ہوگئے۔ امام غزالیؒ نے بھی اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث شریف میں محض پڑوسی ہونے کی وجہ سے مشرک کا حق بھی مسلمان پر قائم فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسیوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور اپنے پڑوسی کی کثرت سے شکایت کرنے لگے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جاؤ (اپنا کام کرو) اگر اُس نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی کی (کہ تم کو ستایا) تو تم تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی نہ کرو۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت کا حال بیان کیا گیا کہ وہ روزے بھی کثرت سے رکھتی ہے، تہجد بھی پڑھتی ہے، لیکن اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ جہنم میں داخل ہوگی (چاہے پھر سزا بھگت کر نکل آئے)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کا حق صرف یہی نہیں کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تکلیف کو برداشت کیا جائے۔ حضرت ابن المقفعؒ اپنے پڑوسی کی دیوار کے سایہ میں اکثر بیٹھ جایا کرتے تھے، اُن کو معلوم ہوا کہ اس کے ذمہ قرض ہوگیا جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ فرمانے لگے کہ ہم اس کے گھر کے سایہ میں ہمیشہ بیٹھے، اس کے سایہ کا حق ہم نے کچھ ادا نہ کیا۔ یہ کہہ کر اس کے گھر کی قیمت اس کو نذر کر دی اور فرمایا کہ تمہیں قیمت وصول ہوگئی، اب اس کو فروخت کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔ حضرت ابن عمرؓ کے غلام نے ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب اس کی کھال نکال چکو تو سب سے پہلے اس کے گوشت میں سے میرے یہودی پڑوسی کو دینا، کئی دفعہ یہی لفظ فرمایا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ اس کو فرمائیں گے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت جبرئیلؑ بار بار پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے (اس لئے میں بار بار کہہ رہا ہوں)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مکارمِ اخلاق دس چیزیں ہیں۔ بسا اوقات یہ چیزیں بیٹے میں ہو جاتی ہیں باپ میں نہیں ہوتیں، غلام میں ہو جاتی ہیں آقا میں نہیں ہوتیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا ہے جس کو چاہے عطا کر دیں۔ ۱: سچ بولنا۔ ۲: لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرنا (دھوکہ نہ دینا)۔ ۳: سائل کو عطا کرنا۔ ۴: احسان کا بدلہ دینا۔ ۵: صلہ رحمی کرنا۔ ۶: امانت کی حفاظت کرنا۔ ۷: پڑوسی کا حق ادا کرنا۔ ۸: ساتھی کا حق ادا کرنا۔ ۹: مہمان کا حق ادا کرنا۔ ۱۰: ان سب کی جڑ اور اصل اُصول حیا ہے (احیاء)۔

تیسرا مضمون حدیث بالا میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان

رکھتا ہو وہ خیر کی بات زبان سے نکالے یا چُپ رہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ پاک ارشاد جامع کلمہ ہے اس لئے کہ جو بات کہی جائے وہ یا خیر ہوگی یا شر۔ اور خیر میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا کہنا مطلوب ہے فرض ہو یا مستحب۔ اس کے علاوہ جو رہ گیا وہ شر ہے (فتح)۔ یعنی اگر کوئی ایسی بات ہو جو بظاہر نہ خیر معلوم ہوتی ہو نہ شر، وہ حافظ کے کلام کے مُوافق شر میں داخل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جب کوئی فائدہ اس سے مقصود نہیں تو لغو ہوئی وہ خود شر ہے۔

حضرت اُمِ حَبِیبَہؓ نے حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کیا کہ آدمی کا ہر کلام اس پر وبال ہے کوئی نفع دینے والی چیز نہیں بجز اس کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا بُرائی سے روکے یا اللہ جَلّ شانُہٗ کا ذکر کرے۔ اس حدیث کو سُن کر ایک شخص کہنے لگے یہ حدیث تو بڑی سخت ہے۔ حضرت سُفیان ثَورِیؒ نے فرمایا، اس میں حدیث کی سختی کی کیا بات ہے یہ تو خود اللہ جَلّ جَلالُہٗ نے قرآن شریف میں فرمایا:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (نساء۔ ع ۱۷)	"لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی۔ ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات یا کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیواسطے یہ کام کریگا ہم اس کو عنقریب بہت زیادہ اجر عطا کریں گے"۔

حضرت اَبُوذَرؓ فرماتے ہیں میں نے حُضورؐ سے عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرما دیجئے۔ حُضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ تمہیں اللہ کے خوف کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ تمہارے ہر کام کیلئے زینت ہے۔ میں نے عرض کیا کچھ اور، اِرشاد فرمایا کہ قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر کہ جو آسمانوں میں تمہارے ذکر کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے نُور ہے۔ میں نے اور زیادتی چاہی تو ارشاد فرمایا کہ سُکوت بہت کثرت سے رکھا کرو، یہ

شیطان کے دُور رہنے کا ذریعہ ہے اور دینی کاموں میں مدد کا سبب ہے ، میں نے اور زیادتی چاہی تو فرمایا کہ ہنسنے کی زیادتی سے احتراز کرو ۔ اس سے دل مر جاتا ہے ، اور مُنہ کی رونق کم ہو جاتی ہے ، میں نے عرض کیا اور کچھ فرمایا حق بات کہو چاہے کڑوی ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا اور کچھ ، فرمایا اللہ کے معاملہ میں کسی کا خوف نہ کرو ۔ میں نے عرض کیا ، اور کچھ ، فرمایا کہ تمہیں اپنے عیوب (کا فکر) لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے روک دے (درمنثور)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان اللہ جل شانہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اس کی عجیب و لطیف صنعتوں میں سے ایک صنعت ہے ، اس کا جثہ چھوٹا ہے لیکن اس کی اطاعت اور گناہ بہت بڑے ہیں حتّٰی کہ کفر و اسلام جو گناہ اور طاعت میں دو آخری کناروں پر ہیں اسی سے ظاہر ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد اس کی بہت سی آفتیں شمار کی ہیں ۔ بیکار گفتگو ، بیہودہ باتیں ، جنگ و جدل ، مُنہ پھیلا کر باتیں کرنا مقفّٰی عبارتوں اور فصاحت میں تکلّف کرنا ، فحش بات کرنا ، گالی دینا ، لعنت کرنا ، شعر شاعری میں انہماک ، کسی کے ساتھ تمسخر کرنا ، کسی کا راز ظاہر کرنا ، جھوٹا وعدہ کرنا ، جھوٹ بولنا ، جھوٹی قسم کھانا ، کسی پر تعریض کرنا تعریض کے طور پر جھوٹ بولنا ، غیبت کرنا ، چغل خوری کرنا ، دو رنگی باتیں کرنا ، بے محل کسی کی تعریف کرنا ، بے محل سوال کرنا وغیرہ وغیرہ ۔ اتنی کثیر آفتیں اس چھوٹی سی چیز کے ساتھ وابستہ ہیں کہ ان کا مسئلہ نہایت خطرناک ہے ۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چُپ رہنے کی بہت ترغیب فرمائی ہے ۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چُپ رہا وہ نجات پا گیا ۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اسلام کے بارہ میں ایسی چیز بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنا نہ پڑے ۔ حضورؐ نے فرمایا ، اللہ جل شانہٗ پر ایمان لاؤ اور اس پر استقامت رکھو ۔ انہوں نے عرض کیا ، حضورؐ میں کس چیز سے بچوں ۔ حضورؐ نے فرمایا اپنی زبان سے ۔ ایک اور صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ نجات کی کیا صورت ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو ۔ اپنے گھر میں رہو (فضول باہر نہ پھرو) اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو ۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اِرشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص دو چیزوں کا ذمہ لے لے میں اس کے لئے جنت کا ذمہ دار ہوں۔ ایک زبان دوسری شرمگاہ۔ ایک حدیث میں ہے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سوال کیا گیا کہ جو چیزیں جنت میں داخل کرنے والی ہیں ان میں سب سے اہم کیا چیز ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اللہ کا خوف اور اچھی عادتیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ جہنم میں جو چیزیں داخل کرنے والی ہیں ان میں اہم چیز کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، مُنہ اور شرمگاہ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ صفا مروہ کی سعی کر رہے تھے اور اپنی زبان کو خطاب کرکے فرماتے تھے، اے زبان اچھی بات کہہ نفع کمائے گی اور شر سے سکوت کر سلامت رہیگی اس سے پہلے کہ شرمندہ ہو کسی نے پوچھا کہ یہ جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اپنی طرف سے فرما رہے ہیں یا آپ نے اس بارہ میں کچھ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آدمی کی خطاؤں کا اکثر حصہ اس کی زبان میں ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی زبان کو روکے رہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کی عیب پوشی کرتے ہیں اور جو شخص اپنے غصہ پر قابو رکھے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کو اپنے عذاب سے محفوظ فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی بارگاہ میں معذرت کرتا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے عذر کو قبول فرماتے ہیں۔

حضرت معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے کچھ وصیت فرمائیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو، اور اگر تم کہو تو میں وہ چیز بتاؤں جس سے ان چیزوں پر سب سے زیادہ قدرت حاصل ہو جائے، اور یہ فرما کر اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا (احیاء)۔

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے نقل کیا گیا کہ اگر کلام چاندی ہے تو سکوت سونا ہے۔ حضرت لقمان حکیم جو اپنی حکمت اور دانائی کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں ایک حبشی غلام نہایت بدصورت تھے، مگر اپنی حکمتوں کی وجہ سے مقتدائے عالم تھے کسی نے

ان سے پوچھا کہ تو فلاں شخص کا غلام نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا، بیشک ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو فلاں پہاڑ کے نیچے بکریاں نہ چراتا تھا، انہوں نے فرمایا صحیح ہے۔ پھر اس نے کہا کہ پھر یہ مرتبہ کس بات سے ملا انہوں نے فرمایا (چار چیزوں سے) اللہ کا خوف، بات میں سچائی، امانت کا پورا پورا ادا کرنا، اور بے فائدہ بات سے سکوت۔ اور بھی متعدد روایات میں ان کی خصوصی عادت کثرتِ سکوت ذکر کی گئی (درمنثور)۔

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدو نے آکر عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں لے جانے والا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم کرو اور بری باتوں سے روکو، اور یہ نہ ہو سکے تو اپنی زبان کو بھلی بات کے علاوہ بولنے سے روکے رکھو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اپنی زبان کو خیر کے علاوہ سے محفوظ رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم شیطان پر غالب رہوگے۔

یہ چند روایات مختصراً ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی روایات اور آثار ہیں جن کو امام غزالیؒ نے ذکر کیا، اور علامہ زبیدیؒ اور حافظ عراقیؒ نے ان کی تخریج کی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے جس سے ہم لوگ بالکل غافل ہیں۔ جو چاہا زبان سے کہہ دیا حالانکہ اللہ جل شانہٗ کے دو نگہبان ہر وقت دن اور رات دائیں اور بائیں مونڈھوں پر موجود رہتے ہیں جو ہر بھلائی اور برائی کو لکھتے ہیں۔ اس سب کے بعد اللہ جل شانہٗ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کیا احسان ذکر کیا جائے، آدمی سے بے التفاتی میں فضول بات نکل ہی جاتی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا، کفارہ مجلس کا یہ ہے کہ اٹھنے سے قبل تین مرتبہ یہ دعا پڑھ لے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ (حصن حصین)۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اخیر میں ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ؐ آپ پہلے تو ان کلمات کو نہیں پڑھتے تھے

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے حضورؐ نے فرمایا، چند کلمے ایسے ہیں کہ جو شخص مجلس سے اُٹھنے کے وقت تین مرتبہ ان کو پڑھے تو وہ مجلس کی گفتگو کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں اور اگر مجلس خیر میں پڑھے جائیں تو اس مجلس (کے خیر ہونے) پر ان سے مہر لگ جاتی ہے جیسا کہ خط کے ختم پر مہر لگائی جاتی ہے وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ (ابوداؤد)۔

چوتھا مضمون حدیث بالا میں صلہ رحمی کے متعلق ہے۔ اس کا مفصل بیان آئندہ فصلوں میں آرہا ہے۔

(۲۲) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن رات اور مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اتنا طویل قیام کرے جس سے میزبان مشقت میں پڑ جائے۔

ف: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ادب ارشاد فرمائے، ایک میزبان کے متعلق دوسرا مہمان کے متعلق۔ میزبان کا ادب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں گذر چکا ہے، تو اس کو چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ اور مہمان کا اکرام یہ ہے کہ کشادہ روئی اور خوش خلقی سے پیش آئے، نرمی سے گفتگو کرے (مظاہر) ایک حدیث میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ آدمی مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک مشایعت کے لئے جائے (مشکوٰۃ)۔

حضرت عقبہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مہمانی نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کی ضیافت کا حکم فرمایا کرتے تھے (مجمع الزوائد)۔

ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت علیؓ رو رہے ہیں۔ اس نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے اس کا ڈر ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہ نے میری اہانت کا ارادہ تو نہیں کر لیا (احیاء)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بالا میں مہمان کے اکرام کا حکم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ اس کا جائزہ ایک دن رات ہے۔ اس کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اکرام و اعزاز اور خصوصی تحفے ہیں۔ یعنی ایک دن رات تو اسکے اعزاز میں اچھا کھانا تیار کرے اور باقی ایام میں معمولی مہمانی۔ اسکے بعد پھر علماء کے اسمیں دو قول ہیں کہ تین دن کی مہمانی جو حضورؐ کے پاک ارشاد میں وارد ہوئی ہے وہ اس ایک دن کے بعد ہے، یعنی مہمان کا حق کُل چار دن ہو گئے یا وہ ایک دن خصوصی اعزاز کا بھی انہی تین دن میں داخل ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد ناشتہ ہے راستہ کا، اور حاصل یہ ہے کہ اگر مہمان قیام کرے تو تین دن کی مہمانی ہے اور قیام نہ کر سکے تو ایک دن کا ناشتہ (فتح الباری)۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد تو ناشتہ ہی ہے لیکن اس کا مطلب علماء نے یہ لکھا ہے کہ تین دن کی مہمانی اور چوتھے دن رخصت کے وقت ایک دن کا ناشتہ۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ جائزہ سے مراد گذر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص مستقل ملاقات کیلئے آئے اس کا حق تین دن قیام کا ہے اور جو راستہ میں گذرتے ہوئے ٹھہر جائے کہ اصل مقصود آگے جانا تھا یہ جگہ راستہ میں پڑ گئی، اس لئے یہاں بھی قیام کر لیا تو اس کے قیام کا حق صرف ایک دن ہے (منذری)۔

اور ان سب اقوال کا خلاصہ مختلف حیثیات سے مہمان کے اکرام کا اہتمام ہی ہے کہ ایک دن کا اس کا خصوصی اہتمام کھانے کا کرے اور روانگی کے وقت ناشتہ کا بھی۔

بالخصوص ایسے راستوں میں جہاں راستہ میں کھانا نہ مل سکتا ہو۔

دوسرا ادب حدیث بالا میں مہمان کے لئے ہے کہ کہیں جا کر اتنا طویل قیام نہ کرے جس سے میزبان کو تنگی اور دِقّت پیش آئے۔ ایک اور حدیث میں اس لفظ کی جگہ یہ ارشاد ہے کہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان کو گنہگار بنا دے، یعنی یہ کہ اس کے طویل قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرنے لگے یا کوئی ایسی حرکت کرے جس سے مہمان کو اذیت ہو یا مہمان کے ساتھ کسی قسم کی بدگمانی کرنے لگے کہ یہ سب اُمور میزبان کو گنہگار بنانے والے ہیں لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ میزبان کی طرف سے مہمان کے قیام پر اِصرار اور تقاضہ نہ ہو یا اس کے انداز سے غالب گمان یہ ہو کہ زیادہ قیام اس پر گراں نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا چیز ہے جو اس کو گناہ میں ڈالے حضور ﷺ نے فرمایا، اس کے پاس اتنا قیام کرے کہ میزبان کے پاس اس کے کھلانے کو کچھ نہ ہو حافظؒ کہتے ہیں کہ اس میں حضرت سلمانؓ کا اپنے مہمان کے ساتھ ایک قصہ پیش آیا (فتح) جس قصہ کی طرف حافظؒ نے اشارہ کیا ہے امام غزالیؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔ حضرت ابو وائلؒ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی حضرت سلمانؓ کی زیارت کے لئے گئے۔ انہوں نے جَو کی روٹی اور نیم کوفتہ نمک ہمارے سامنے رکھا۔ میرا ساتھی کہنے لگا کہ اگر اس کے ساتھ سَعتَر (پودینہ کی ایک قسم ہے) ہوتا تو بڑا لذیذ ہوتا۔ حضرت سلمانؓ تشریف لے گئے اور وضو کا لوٹا رہن رکھ کر سَعتَر خرید کر لائے۔ جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا رَزَقَنَا (سب تعریف اللہ جلّ شانہٗ کے لئے ہے جس نے ہمیں ماحضر پر قناعت کی توفیق عطا فرمائی) حضرت سلمانؓ نے فرمایا، اگر تمہیں ماحضر پر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا گروی نہ رکھا جاتا (احیاء)۔

حاصل یہ ہے کہ میزبان سے ایسی فرمائشیں کرنا جس سے اس کو دقّت ہو یہ بھی یُحْرِجُہٗ (میزبان کو تنگی میں ڈالنے) میں داخل ہے۔ دوسرے کے گھر جا کر چناں چنیں کرنا، یہ چاہیئے وہ چاہیئے، ہرگز مناسب نہیں ہے۔ جو وہ حاضر کر رہا ہے اس کو صبر و شکر سے بشاشت کے ساتھ کھا لینا چاہیئے۔ فرمائشیں کرنا بسا اوقات میزبان کی دقّت اور تنگی کا سبب

ہوتا ہے، البتہ اگر میزبان کے حال سے یہ اندازہ ہو کہ وہ فرمائش سے خوش ہوتا ہے مثلاً فرمائش کرنے والا کوئی محبوب ہو اور جس سے فرمائش کی جائے وہ جان نثار ہو تو جو چاہے فرمائش کرے۔

حضرت امام شافعیؒ بغداد میں زعفرانی کے مہمان تھے اور وہ حضرت امامؒ کی خاطر میں روزانہ اپنی باندی کو ایک پرچہ لکھا کرتا تھا جس میں اس وقت کے کھانے کی تفصیل ہوتی تھی حضرت امام شافعیؒ نے ایک وقت باندی سے پرچہ لے کر دیکھا اور اس میں اپنے قلم سے ایک چیز کا اضافہ فرما دیا۔ دسترخوان پر جب زعفرانیؒ نے وہ چیز دیکھی تو باندی پر اعتراض کیا کہ میں نے اس کے پکانے کو نہیں لکھا تھا۔ وہ پرچہ لے کر آقا کے پاس آئی اور پرچہ دکھا کر کہا کہ یہ چیز حضرت امامؒ نے خود اپنے قلم سے اضافہ کی تھی۔ زعفرانیؒ نے جب اس کو دیکھا اور حضرت کے قلم سے اس میں اضافہ پر نظر پڑی تو خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اس خوشی میں اس باندی کو آزاد کر دیا (احیاء)۔ اگر ایسا کوئی مہمان ہو اور ایسا میزبان ہو تو یقیناً فرمائش بھی لطف کی چیز ہے۔

(۲۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ مسلمان کے علاوہ کسی کیساتھ مصاحبت اور ہم نشینی نہ رکھ، اور تیرا کھانا غیر متقی نہ کھائے۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد والدارمی کذا فی المشکوۃ و بسط فی تخریجہ صاحب الاتحاف)

ف: اس حدیث پاک میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آداب ارشاد فرمائے۔ اوّل یہ کہ ہمنشینی اور نشست و برخاست غیر مسلم کے ساتھ نہ رکھ۔ اگر اس سے کامل مسلمان مراد ہے تب تو مطلب یہ ہے کہ فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ مجالست اختیار نہ کر۔ دوسرے جملہ میں چونکہ متقی کا ذکر ہے اس سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نیز ۔ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نہ داخل ہوں

تیرے گھر میں مگر متقی لوگ (کنز)۔

اور اگر اس سے مطلقاً مسلمان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ کافروں کیساتھ بے ضرورت مجالست اختیار نہ کی جائے۔ اور ہر صورت میں تنبیہ مقصود ہے اچھی صحبت اختیار کرنے پر اسلئے کہ آدمی جس قسم کے لوگوں میں کثرت سے نشست برخاست رکھتا ہے اسی قسم کے آثار آدمی میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر حضورؐ کا وہ ارشاد ہے جو ابھی گذرا، کہ تیرے گھر میں متقیوں کے علاوہ داخل نہ ہوں، یعنی ان سے میل جول ہوگا، تو ان کے اثرات پیدا ہوں گے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد ہے کہ صالح ہمنشین کی مثال مُشک بیچنے والے کی ہے کہ اگر اس کے پاس بیٹھا جائے تو وہ تجھے تھوڑا سا مُشک کا ہدیہ بھی دے دیگا تو اس سے خرید بھی لے گا، اور دونوں باتیں نہ ہوں تو پاس بیٹھنے کی وجہ سے مُشک کی خوشبو سے دماغ معطر رہے گا (اور فرحت پہنچتی رہے گی) اور بُرے ساتھی کی مثال لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے والے کی ہے کہ اگر اس کی بھٹی سے کوئی چنگاری اُڑ کر لگ گئی تو کپڑے جلا دے گی، اور یہ بھی نہ ہو تو بدبُو اور دُھواں تو کہیں گیا ہی نہیں (مشکوٰۃ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے پس اچھی طرح غور کرلے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے (مشکوٰۃ) مطلب یہ ہے کہ پاس بیٹھنے کا اور صحبت کا اثر بلا ارادہ رفتہ رفتہ آدمی میں سرایت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس کا مذہب بھی اختیار کرلیا کرتا ہے۔ اس لئے پاس بیٹھنے والوں کی دینی حالت میں اچھی طرح سے غور کرلینا چاہئے۔ بددینوں کے پاس کثرت سے بیٹھنے سے بددینی آدمی میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ شراب پینے والوں کے، شطرنج کھیلنے والوں کے پاس تھوڑے دن کثرت سے اُٹھنا بیٹھنا ہو تو یہ مرض آدمی میں لگ جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو رزین رضؓ سے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس سے اس چیز پر قدرت ہو جائے جو دارین کی خیر کا سبب ہو۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلس اختیار کر اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جس قدر

بھی تو کر سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دیتا رہا کر اور اللہ کے لئے دوستی کر اور اسی کے لئے دشمنی کر (مشکوۃ) یعنی جس سے دوستی یا دشمنی ہو وہ اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو۔ اپنے نفس کے واسطے نہ ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی مصاحبت اختیار کرے اس میں پانچ چیزیں ہونا چاہئیں۔ اول صاحبِ عقل ہو، اس لئے کہ عقل اصل رأس المال ہے، بیوقوف کی مصاحبت میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس کا مآلِ کار وحشت اور قطعِ رحمی ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے تو یہ بھی نقل کیا گیا کہ احمق کی صورت کو دیکھنا بھی خطا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں کہ جب آدمی کے اخلاق خراب ہوں تو وہ عقل پر بسا اوقات غالب آجاتے ہیں۔ ایک آدمی سمجھدار ہے، بات کو خوب سمجھتا ہے لیکن غصہ شہوت بخل وغیرہ اس کو اکثر عقل کا کام نہیں کرنے دیتے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ وہ فاسق نہ ہو، اسلئے کہ جو شخص اللہ جل شانہٗ سے بھی نہ ڈرتا ہو اسکی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں، نہ معلوم کس جگہ کس مصیبت میں پھنسا دے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ بدعتی نہ ہو کہ اس کے تعلقات سے بدعت کیساتھ متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اس کی نحوست کے متعدی ہونے کا خوف ہے۔ بدعتی اس کا مستحق ہے کہ اس سے تعلقات اگر ہوں تو منقطع کر لئے جائیں، نہ یہ کہ تعلقات پیدا کئے جائیں۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ وہ دنیا کمانے پر حریص نہ ہو کہ اس کی صحبت سم قاتل ہے۔ اس لئے کہ طبیعت تشبہ اور اقتدا، پر مجبور ہوا کرتی ہے اور مخفی طور پر دوسرے کے اثرات لیا کرتی ہے (احیاء) حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد حضرت زین العابدینؒ نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ نہ رہنا، ان سے بات بھی نہ کرنا، حتیٰ کہ راستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ راستہ بھی نہ چلنا۔

ایک فاسق شخص کہ وہ تجھے ایک لقمہ بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی فروخت کر دے گا۔ میں نے پوچھا کہ ایک لقمہ سے کم میں فروخت کرنے کا کیا مطلب؟ فرمایا کہ ایک لقمہ کی اُمید

وہ تجھے فروخت کر دے پھر اس کو وہ لقمہ بھی جس کی امید تھی نہ ملے (محض امید پر فروخت کر دے)۔

۲: بخیل کے پاس نہ جائیو کہ وہ تجھ سے ایسے وقت میں تعلق توڑ دے گا جب تُو اس کا سخت محتاج ہو۔ ۳: جھوٹے کے پاس نہ جائیو کہ وہ بالُو (دھوکہ) کی طرح سے قریب کو دُور اور دُور کو قریب ظاہر کرے گا۔ ۴: احمق کے پاس کو نہ گذرنا کہ وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا اور نقصان پہنچا دے گا۔ ۵: قطعِ رحمی کرنے والے کے پاس کو نہ گذریو کہ میں نے اس پر قرآن پاک میں تین جگہ لعنت پائی ہے (روض)۔

اثرات کا لینا آدمیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جس چیز کے ساتھ آدمی کا تلبّس زیادہ ہوا کرتا ہے اس کے اثرات مخفی طور پر آدمی کے اندر آجایا کرتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا کہ بکریوں والوں میں مسکنت ہوتی ہے اور فخر و تکبّر گھوڑے والوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان دونوں جانوروں میں یہ صفات اثر جاتی ہیں۔ اونٹ اور بیل والوں میں شدّت اور سخت دلی بھی وارد ہوئی ہے متعدد روایات میں چیتے کی کھال پر سواری کی ممانعت آئی ہے۔ علماء نے منجملہ دوسری وجوہ کے اس کی ایک وجہ یہ بھی فرمائی ہے کہ مجالست کیوجہ سے اسمیں درندگی کی خصلت پیدا ہوتی ہے (کوکب)

دوسرا ادب حدیث بالا میں یہ ہے کہ تیرا کھانا متقی لوگ ہی کھائیں۔ یہ مضمون بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ۔ اور اپنے احسان کا مومنوں کو مورد بناؤ (اتحاف) علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دعوت کا کھانا ہے حاجت کا کھانا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے کھانے سے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے اللہ کی وجہ سے محبت ہو (اتحاف) دفع حاجت کے کھلانے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے قیدیوں کے کھلانے کی بھی مدح فرمائی ہے۔ اور قیدی اُس زمانہ کے کافر تھے (مظاہر) جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۴ پر یہ مضمون گذر چکا ہے۔ اور احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۱۰ پر گذر چکا ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی محض اس وجہ سے مغفرت ہوئی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

اور بھی متعدد روایات میں مختلف مضامین سے اس کی تائید ہوتی ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قاعدہ اور ضابطہ فرما دیا کہ ہر جاندار میں اجر ہے۔ اس میں متقی غیر متقی، مسلم کافر، آدمی حیوان سب ہی داخل ہیں۔ لہٰذا احتیاج اور ضرورت کے کھانے میں یہ چیزیں نہیں دیکھی جاتیں۔ وہاں تو احتیاج کی شدت اور قلت دیکھی جاتی ہے جتنی زیادہ احتیاج ہو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ یہ کھانا دعوت اور تعلقات کا ہے۔ اس میں بھی اگر کوئی دینی مصلحت ہو، خیر کی نیت ہو تو جس درجہ کی وہ خیر اور مصلحت ہوگی اسی درجہ کا اجر ہوگا۔ البتہ اگر کوئی دینی مصلحت نہ ہو تو پھر کھانے والا جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی زیادہ اجر کا سبب ہوگا۔

صاحب مظاہر اور امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ متقیوں کو کھلانا طاعت اور نیکیوں پر اعانت ہے اور فاسقوں کو کھلانا فسق و فجور پر اعانت ہے۔ اور ظاہر چیز ہے کہ متقی اور نیک آدمی میں جتنی زیادہ طاقت اور قوت آئے گی عبادت میں زیادہ مصروف ہوگا اور فاسق فاجر میں اچھے کھانوں سے جتنی زیادہ قوت ہوگی، لہو و لعب، فسق و فجور میں بڑھے گا جس میں اس کی اعانت ہوئی۔

ایک بزرگ اپنے کھانے کو فقراء صوفیہ ہی کو کھلاتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ عام فقراء کو بھی کھلائیں تو بہتر ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ جب ان کو فاقہ ہوتا ہے تو اس سے توجہ میں انتشار ہوتا ہے۔ میں ایک شخص کی توجہ کو اللہ جل شانہٗ تک لگائے رکھوں یہ اس سے بہتر ہے کہ ایسے ہزار آدمیوں کی اعانت کروں جن کی ساری توجہ دنیا کی طرف ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے جب یہ بات سنی تو بہت پسند فرمایا (احیاء، اتحاف)۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ سے ایک درزی نے دریافت کیا کہ میں ظالم بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں، کیا آپ کا خیال ہے کہ میں بھی ظالموں کی اعانت کر رہا ہوں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا نہیں، تو اعانت کرنے والوں میں نہیں ہے تو تو خود ظالم ہے۔ ظالم کی اعانت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو تیرے ہاتھ سوئی دھاگہ فروخت کریں (احیاء)۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص کریم پر احسان کرتا ہے اس کو غلام بنالیتا ہے اور جو ذلیل (لئیم) شخص پر احسان کرتا ہے اسکی دشمنی اپنی طرف کھینچتا ہے (کنز)

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اپنا کھانا متقی لوگوں کو کھلاؤ اور اپنا احسان مؤمنین پر کرو (مشکوٰۃ)

اور اس میں علاوہ بالائی مصالح کے متقی اور مؤمنین کا اعزاز و اکرام بھی ہے اور یہ خود مستقل طور پر مندوب اور مامور بہ ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی جس میں آپؐ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوٰۃ) منجملہ دوسری وُجوہ کے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کرنے میں اس کا اعزاز و اکرام ہے۔

(۲۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضؓ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ سب سے افضل صدقہ کیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ نادار کی انتہائی کوشش، اور ابتداء اس سے کرو جس کی پرورش تمہارے ذمہ ہے۔

ف: یعنی جو شخص خود ضرورتمند ہو۔ فقیر ہو۔ نادار ہو۔ وہ اپنی کوشش سے اپنے کو مشقت میں ڈال کر جو صدقہ کرے وہ افضل ہے۔

حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ تین عمل بہت سخت ہیں یعنی ان میں ہمت کا کام ہے ایک تنگدستی کی حالت میں سخاوت، دوسرے تنہائی میں تقویٰ اور اللہ کا خوف تیسرے ایسے شخص کے سامنے حق بات کا کہنا جس سے خوف ہو یا اُمید ہو (اتحاف) یعنی اس سے اغراض وابستہ ہیں، اور یہ اندیشہ ہے کہ وہ حق بات کہنے سے میری اغراض پوری نہ کریگا یا کسی قسم کی مضرت پہنچانے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے کلام پاک میں بھی اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے جیسا کہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۲۸ پر گذرا کہ وہ حضرات باوجود

اپنی حاجت اور فقر کے، دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اور اس کے ذیل میں اس کی کچھ تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں، تین شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے پاس سَو دینار (اشرفیاں) تھے میں نے ان میں سے دس دینار اللہ کے واسطے صدقہ کر دیئے۔

دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس دس دینار تھے میں نے ایک دینار صدقہ کر دیا۔ تیسرے صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک ہی دینار تھا، میں نے اس کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم تینوں کا ثواب برابر ہے اس لئے کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کیا ہے۔

ایک اور حدیث میں اسی قسم کا ایک اور قصہ وارد ہوا ہے۔ اس میں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد جواب میں ہے کہ تم سب ثواب میں برابر ہو کہ ہر شخص نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کر دیا۔ اس حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ (کنز) یہ آیتِ شریفہ سورۂ طلاق کے پہلے رکوع کے ختم پر ہے۔ پوری آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ وُسعت والے کو اپنی وُسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے۔ جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہیئے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے موافق خرچ کرے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے موافق کیونکہ) خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اسکو دیا ہے (اور غریب آدمی خرچ کرتا ہوا اس سے نہ ڈرے کہ پھر بالکل ہی نہیں رہے گا) خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی ہی فراغت بھی دے دیگا۔

علامہ سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی روایت کے ہم معنی دوسرے بعض صحابہؓ سے بھی روایات نقل کی ہیں، اور ان سے بڑھ کر ایک صحیح حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ ایک دِرم۔ ایک لاکھ دِرم سے بھی ثواب میں بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک آدمی کے پاس دو ہی دِرم

فقط ہیں، اُس نے ان میں سے ایک صدقہ کر دیا۔ دوسرا شخص ایسا ہے کہ اس کے پاس بہت بڑی مقدار میں مال ہے، اس نے اپنے کثیر مال میں سے ایک لاکھ درم صدقہ کیے تو یہ ایک درم ثواب میں بڑھ جائے گا۔

علامہ سُیوطیؒ نے جامع الصغیر میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایات سے اس کو نقل کیا ہے اور صحیح کی علامت لکھی، یہی نادار کی کوشش ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف دو دِرہم ہیں یعنی ۷ر کہ ایک درم تقریباً ۳۔ر کا ہوتا ہے[1]۔ ان میں سے ایک صدقہ کر دے، اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کو صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور اپنے اُوپر بوجھ لاد کر مزدوری میں ایک مُد (جو حنفیہ کے نزدیک ایک سیر وزن ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک تین پاؤ سے بھی کچھ کم ہے) کماتے اور اس کو صدقہ کر دیتے (فتح)۔

بعض روایات میں ہے کہ ہم میں سے بعض آدمی جن کے پاس ایک درم بھی نہ ہوتا تھا، بازار جاتے اور لوگوں سے اس کی خواہش کرتے کہ کوئی مزدوری پر کام کرالے اور اپنی کمر پر بوجھ لاد کر ایک مُد مزدوری حاصل کرتے۔ راوی یہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاں تک خیال ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ اپنا ہی حال بتایا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر یہ باب ذکر کیا ہے "بیان اس شخص کا جو اس لئے مزدوری کرے کہ اپنی کمر پر بوجھ لادے اور پھر اس مزدوری کو صدقہ کر دے" (فتح)۔

آج ہم میں سے بھی کوئی اس اُمنگ کا آدمی ہے کہ سٹیشن پر جا کر صرف اس لئے بوجھ اُٹھائے کہ دو چار آنے جو مل جائیں گے وہ ان کو صدقہ کر دے گا۔ ان حضرات کو آخرت کے کھانے کا ہر وقت اتنا ہی فکر رہتا تھا جتنا ہمیں دنیا کے کھانے کا۔ ہم اس لئے مزدوری کرتے ہیں کہ آج کھانے کو کچھ نہیں لیکن یہ اس لئے مزدوری کرتے تھے کہ آج آخرت میں جمع کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ اِبتداءِ اسلام میں بعض مُنافق ایسے لوگوں پر طعن کرتے تھے،

[1] یہ قیمت کتاب کی تصنیف کے وقت تھی۔ درم دراصل ساڑھے تین ماشہ چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے۔

جو مشقت اُٹھا کر تھوڑا تھوڑا صدقہ کرتے تھے، حق تعالیٰ شانہٗ نے ان پر عتاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (توبہ۔ع ۱۰) یہ (منافق) ایسے لوگ ہیں کہ نفل صدقہ کرنے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارہ میں طعن کرتے ہیں اور (بالخصوص) ان لوگوں پر (اور بھی زیادہ) طعن کرتے ہیں جن کو بجز محنت اور مزدوری کے کچھ میسر نہیں ہوتا یہ (منافق) ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ جلّ شانہٗ ان کے مذاق اُڑانے کا بدلہ (اسی نوع سے) دیگا (کہ آخرت میں ان احمقوں کا بھی اوّل مذاق اُڑایا جائے گا) اور دُکھ دینے والا عذاب تو ان کے لئے ہے ہی (وہ تو ٹلتا نہیں) مُفسّرین نے اس آیتِ شریفہ کے ذیل میں بہت سی روایات اس قسم کی ذکر کی ہیں کہ یہ حضرات رات بھر حمّالی کرکے مزدوری کماتے اور صدقہ کرتے اور جو کچھ تھوڑا بہت گھر میں ہوتا وہ تو ان کی نگاہ میں صدقہ ہی کے واسطے ہوتا تھا مجبوری کے درجہ میں کچھ خود بھی استعمال کرلیا کرتے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ) سے کہو کہ میں نے جو چھ درہم تمہارے پاس رکھے ہیں ان میں سے ایک دیدو۔ صاحبزادے گئے اور یہ جواب لائے کہ وہ آپ نے آٹے کے واسطے رکھوائے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ایمان میں اس وقت تک سچا نہیں ہوتا جب تک اپنے پاس کی موجود چیز سے اس چیز پر زیادہ اعتماد نہ ہو جو اللہ جلّ شانہٗ کے پاس ہے اپنی والدہ سے کہو کہ وہ چھ درہم سب کے سب دیدو۔ حضرت فاطمہؓ نے تو یاددہانی کے طور پر فرمایا تھا ان کو اس میں کیا تأمل ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت فاطمہؓ نے دیدیئے۔ حضرت علیؓ نے وہ سب سائل کو دیدیئے۔ حضرت علیؓ اپنی اس جگہ سے اُٹھے بھی نہیں تھے کہ ایک شخص اونٹ فروخت کرتا ہوا آیا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی، اس نے ایک سو چالیس (۱۴۰) درم بتائے۔ آپ نے وہ قرض خرید لیا اور قیمت کی ادائیگی کا بعد کا وعدہ کرلیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اُونٹ کو دیکھ کر

پوچھنے لگا کہ یہ کس کا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرا ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ فروخت کرتے ہو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ اس نے قیمت دریافت کی۔ حضرت علیؓ نے دو سو[۲۰۰] درم بتائے وہ خرید کر لے گیا۔

حضرت علی نے ایک سو چالیس[۱۴۰] درم اپنے قرض خواہ یعنی پہلے مالک کو دے کر ساٹھ[۶۰] درم حضرت فاطمہؓ کو لاکر دیدیئے۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے واسطے سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کرتا ہے اس کو دس گُنا بدلہ ملتا ہے (کنز العمال)۔

یہ بھی جُہد والے کی مشقت تھی کہ کل صرف چھ درم [۶] کُل موجود تھے جو آٹے کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ اللہ جل شانہٗ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے ان کو خرچ فرمادیا، اور دہ[۱۰] درد نیا کا بدلہ وصول کر لیا۔ اور بھی بہت سے واقعات ان حضرات کے اللہ جل شانہٗ پر اعتماد کامل کر کے سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے وارد ہوئے ہیں۔

حضرت اَبُوبکر صدیقؓ کا قصہ غزوۂ تبوک کا مشہور معروف ہے کہ جب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صدقہ کا حکم فرمایا تو جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لاکر پیش کر دیا اور حضورؐ کے دریافت فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا عرض کیا، اللہ اور اس کے رسولؐ کو یعنی انکی رضا کو۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت اَبُوبکرؓ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار اشرفیاں تھیں (تاریخ الخلفاء)۔

محمد بن عَبّاد مُہلّبیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد مامون رشید بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے ایک لاکھ درم ہدیہ دیا۔ والد صاحب جب وہاں سے اُٹھ کر آئے تو سب کے سب صدقہ کر دیئے۔ مامون کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ جب دوبارہ والد صاحب کی ملاقات ہوئی تو مامون نے ناراضی کا اظہار کیا۔ والد صاحب نے کہا اے امیر المؤمنین موجود کا روکنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے (احیاء)۔ یعنی جو چیز موجود ہے اسکو خرچ نہ کرنا اسی خوف سے تو ہوتا ہے کہ یہ نہ رہے گی تو کہاں سے آئے گی تو گویا جس مالک نے اس وقت دیا ہے اس کو دوبارہ دینا مشکل پڑ جائے گا۔

بہت سے واقعات اَسلاف واکابِر کے ایسے گذرے ہیں کہ ناداری کی حالت میں بھی جو کچھ تھا سب دیدیا لیکن ان سب روایات اور واقعات کے خلاف احادیث میں ایک مضمون اور بھی آیا ہے اور وہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک اور مشہور اِرشاد خَیْرُ الصَّدَقَۃِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی ہے بہترین صدقہ وہی ہے جو غنٰی سے ہو۔ یہ مضمون بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے۔

اَبُوداوٗد شریف میں ایک قصہ وارد ہوا ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، کہ ہم لوگ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص حاضر ہوئے اور ایک بَیضہ کے بقدر سونا پیش کر کے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ یہ مجھے ایک معدن سے مل گیا ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضورؐ نے اس جانب سے اعراض فرما لیا وہ صاحب دوسری جانب سے حاضر ہوئے اور یہی درخواست مکرر پیش کی۔ حضورؐ نے اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا۔

اسی طرح متعدد مرتبہ ہوا۔ حضورؐ نے اس ڈلی کو لے کر ایسے زور سے پھینکا کہ اگر وہ ان کے لگ جاتی تو زخمی کر دیتی۔ اسکے بعد حضورؐ نے فرمایا بعض لوگ اپنا سارا مال صدقہ میں پیش کر دیتے ہیں پھر وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنٰی سے ہو۔

حضرت اَبُو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (ان کی بدحالی دیکھ کر) لوگوں سے کپڑا صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ کپڑے پیش کیے جن میں سے دو کپڑے حضورؐ نے ان کو بھی مرحمت فرمائے جو اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسرے موقعہ پر حضورؐ نے ہم لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے بھی اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کر دیا حضورؐ نے انکو تنبیہ فرمائی اور ان کا کپڑا واپس فرما دیا (ابوداوٗد)۔

ایک اور حدیث میں اس قصہ میں حضورؐ کا یہ اِرشاد وارد ہوا ہے کہ یہ صاحب

نہایت بُری ہیئت سے مسجد میں آئے تھے، مجھے یہ اُمید تھی کہ تم ان کی حالت دیکھ کر خود ہی خیال کر و گے مگر تم نے خیال نہ کیا تو مجھے کہنا پڑا کہ صدقہ لاؤ۔ تم صدقہ لائے اور ان کو دو کپڑے دیدیئے۔ پھر میں نے دوسری مرتبہ جب صدقہ کی ترغیب دی تو یہ بھی اپنے دو۲ کپڑوں میں سے ایک صدقہ کرنے لگے۔ لو اپنا کپڑا واپس لو (کنز العمال)۔

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ بعض آدمی اپنا سارا مال صدقہ کر دیتے ہیں، پھر بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھوں کو دیکھتے ہیں بہترین صدقہ وہ ہے جو غنٰی سے ہو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ بغیر غنٰی کے صدقہ ہے ہی نہیں۔ (کنز)

یہ روایات بظاہر پہلی روایات کے خلاف ہیں گو حقیقت میں کچھ خلاف نہیں ہے اس لئے کہ ان روایات میں ممانعت کی وجہ کی طرف حضورؐ نے خود ہی اشارہ فرمادیا کہ سارا مال صدقہ کرکے پھر لوگوں کے ہاتھوں کو تکتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے لئے یقیناً تمام مال صدقہ کرنا مناسب نہیں بلکہ نہایت بے جا ہے لیکن جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کو اپنے پاس جو مال موجود ہو، اس سے زیادہ اعتماد اس مال پر ہو جو اللہ کے قبضہ میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے قصہ میں ابھی گذرا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احوال تو اس سے بھی بالاتر ہیں، ایسے حضرات کو سارا مال صدقہ کر دینے میں مضائقہ نہیں، البتہ اس کی کوشش ضرور کرتے رہنا چاہیئے کہ اپنا حال بھی ان حضرات جیسا بن جائے، اور دنیا سے ایسی ہی بے رغبتی اور حق تعالیٰ شانہٗ پر ایسا ہی اعتماد پیدا ہو جائے جیسا ان حضرات کو تھا، اور جب آدمی کسی کام کی کوشش کرتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ چیز عطا فرماتے ہی ہیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ ضَرْبُ الْمَثَل ہے کہ جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ کتنے مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عوام کیلئے دو۲ سو درہم میں پانچ درہم یعنی چالیسواں حصہ شریعت کا حکم ہے، لیکن ہم لوگوں پر سارا مال صدقہ کر دینا واجب ہے (احیاء اول)۔

اسی ذیل میں حضورؐ کے وہ ارشادات ہیں جو احادیث کے سلسلہ میں نمبر ا پر گذرے کہ اگر اُحد کا پہاڑ سارے کا سارا سونا بن جاتے تو مجھے یہ گوارا نہیں کہ اسمیں سے ایک درم بھی باقی رکھوں بجز اس کے جو قرض کی ادائیگی کے لئے ہو۔ اسی بنا پر حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عصر کی نماز کے بعد نہایت عجلت سے مکان تشریف لے گئے اور سونے کا ٹکڑا جو گھر میں اتفاق سے رہ گیا تھا اس کو صدقہ کا حکم فرما کر واپس تشریف لائے اور چند داموں کی موجودگی کی وجہ سے اپنی علالت میں بے چین ہو گئے جیسا کہ سلسلۂ احادیث میں نمبر ۴ پر گذرا۔ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں فرمایا کہ صدقہ بغیر غنٰی کے نہیں ہے اور جو شخص ایسی حالت میں صدقہ کرے کہ وہ خود محتاج ہو یا اس کے اہل و عیال محتاج ہوں یا اس پر قرض ہو تو قرض کا ادا کرنا مقدم ہے۔ ایسے شخص کا صدقہ اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص صبر کرنے میں معروف ہو اور اپنے نفس پر باوجود اپنی احتیاج کے ترجیح دے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا فعل تھا یا انصار نے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دی (تو اس میں مضائقہ نہیں)۔

علامہ طبریؒ کہتے ہیں جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ جو شخص اپنا سارا مال صدقہ کر دے بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو اور تنگی کی اس میں برداشت ہو اور اس کے عیال نہ ہوں یا اگر ہوں تو وہ بھی اس کی طرح سے صابر ہوں تو سارا مال صدقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو سارا مال صدقہ کرنا مکروہ ہے (فتح)۔

ہمارے حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاک ارشاد "بہترین صدقہ وہ ہے جو غنٰی سے ہو" میں غنٰی سے مراد دل کا غنٰی ہے (حجۃ اللہ) اس صورت میں یہ احادیث پہلی احادیث کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ خود حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد بھی احادیث میں آیا ہے کہ غنٰی مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اصل غنٰی دل کا غنٰی ہوتا ہے (مشکوٰۃ)

اُوپر جو قصہ سونے کی ڈلی کا گذرا، اس میں بھی اشارۃً یہ مضمون ملتا ہے کہ ان صاحب کا بار بار یہ عرض کرنا کہ یہ سارا صدقہ ہے اور میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے

اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ دل کو اس سے وابستگی ہے۔

صاحبِ مظاہر فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ صدقہ غنا سے دیا جائے، چاہے غنائے نفس ہو یعنی اللہ جلّ شانہٗ پر اعتماد کامل ہو جیسا کہ ابُوبکر صدیق رضؓ نے جب تمام مال اللہ کے لئے دیدیا اور حضورؐ کے اس ارشاد پر کہ اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، تو حضورؐ نے ان کی تعریف فرمائی، اور یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر مال کا غنٰی باقی رہے۔

حاصل یہ ہے کہ توکّل کامل ہو تو جو چاہے خرچ کر دے، اور یہ کامل نہ ہو تو اہل و عیال کی رعایت کو مقدّم کرے (مظاہر) مگر اپنے دل کو اپنی اس کوتاہی پر تنبیہ کرتا رہے اور غیرت دلاتا رہے کہ تجھے اس ناپاک دنیا پر جتنا اعتماد ہے اللہ جلّ شانہٗ پر اس کا آدھا تہائی بھی نہیں ہے۔ انشاءاللہ اس کے بار بار تنبیہ سے ضرور اثر ہوگا۔ کاش حق تعالیٰ شانہٗ ان اکابر کے توکّل اور اعتماد کا کچھ حصہ اس کمینہ کو بھی عطا فرما دیتا۔

(۲۵) عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِہَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَہَا اَجْرُہَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِہَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُہُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا۔
(متفق علیہ کذا فی المشکوۃ)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے اسی طرح صدقہ کرے کہ (اسراف وغیرہ سے) اس کو خراب نہ کرے، تو اس کو خرچ کرنے کا ثواب ہے اور خاوند کو اس لئے ثواب ہے کہ اس نے کمایا تھا اور کھانے کا انتظام کرنیوالے کو (مرد ہو یا عورت) ایسا ہی ثواب ہے اور ان تینوں میں سے ایک کے ثواب کی وجہ سے دوسرے کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔

ف: اس حدیث شریف میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں۔ ایک بیوی کے خرچ کرنے کے متعلق ہے دوسرا سامان کے محافظ خزانچی اور منتظم کے متعلق ہے اور دونوں مضامین میں

روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ شیخینؒ کی ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو اس عورت کو آدھا ثواب ہے (مشکوٰۃ)۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی جماعت کو بیعت کیا تو ایک عورت کھڑی ہوئیں جو بڑے قد کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ قبیلۂ مُضَر کی ہوں کہ ان کے قد لانبے ہوتے ہوں گے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ، ہم عورتیں اپنے والدوں پر بھی بوجھ ہیں، اپنی اولاد پر بھی اور اپنے خاوندوں پر بھی بوجھ ہیں۔ ہمیں ان کے مال میں سے کیا چیز لینے کا حق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تر و تازہ چیزیں (جن کے روکنے میں خراب ہونے کا اندیشہ ہو) کھا بھی سکتی ہو اور دوسروں کو دے بھی سکتی ہو (مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ روٹی کے ایک لقمہ اور کھجور کی ایک مٹھی کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں، ایک گھر کے مالک کو یعنی خاوند کو، دوسرے بیوی کو جس نے یہ کھانا پکایا تیسرے اس خادم کو جو دروازہ تک مسکین کو دے کر آیا۔ (کنز)

حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے بجز اس کے جو (میرے خاوند) حضرت زبیرؓ مجھے دے دیں۔ کیا میں اس میں سے خرچ کر لیا کروں، حضورؐ نے فرمایا، خوب خرچ کیا کرو باندھ کر نہ رکھو کہ تم پر بھی بندش کر دی جائے گی (کنز) یہ روایت اور اسکے ہم معنی کئی روایتیں ابھی گذری ہیں۔

ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب عورت خاوند کی کمائی میں سے اس کے بغیر حکم کے خرچ کرے تو خاوند کو آدھا ثواب ہے (عینی عن مسلم) ابھی ایک روایت میں اس کا عکس گذر چکا کہ ایسی صورت میں عورت کے لئے آدھا ثواب ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند کی کمائی سے خرچ کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ خاوند نے کما کر مال کا کچھ حصہ عورت کو بالکل دے دیا، اسکو مالک بنا دیا۔ ایسے مال میں سے اگر عورت خرچ کرے تو اس کو پورا ثواب اور خاوند کو نصف ثواب۔

ظاہر ہے کہ خاوند تو بہر حال عورت کو دے چکا ہے۔ اب اگر وہ خرچ کرتی ہے تو حقیقت میں خاوند کے مال میں سے خرچ نہیں کرتی بلکہ اپنے مال میں سے خرچ کرتی ہے لیکن کمائی چونکہ خاوند کی ہے اس لئے اس کو بھی اللہ کے لطف و کرم سے اس کی کمائی کی وجہ سے اس کے صدقہ کرنے کا آدھا ثواب ہے اور بیوی کو دیدینے کا مُستقل ثواب پہلے علیٰحدہ ہو چکا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند نے کمانے کے بعد عورت کو مالک نہیں بنایا، بلکہ گھر کے اِخراجات کے لئے اس کو دیا ہے۔ اس مال میں سے صدقہ کرنے کا خاوند کو پورا ثواب ہوگا وہ اصل مالک ہے اور عورت کو آدھا کہ اِخراجات میں تنگی تو اس کو بھی پیش آئے گی ان کے عِلاوہ اور بھی مُتعدد رِوایات میں مُختلف عُنوانات سے عورتوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ کھانے کی چیزوں میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کریں۔ ذرا ذرا سی چیزوں میں یہ بہانہ تلاش نہ کیا کریں کہ خاوند کی اجازت تو لی نہیں۔ لیکن ان سب روایات کے خلاف بعض رِوایات میں اس کی مُمانعت بھی وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابو اُمامہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے حَجَّۃ الوداع کے خطبہ میں مُنجُملہ اور اِرشادات کے یہ بھی فرمایا کہ کوئی عورت خاوند کے گھر سے (یعنی اس کے مال میں سے) بغیر اس کی اجازت کے خرچ نہ کرے۔ کسی نے دریافت کیا حضورؐ کھانا بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے۔ حضورؐ نے فرمایا، کھانا تو بہترین مال ہے (ترغیب عن الترمذی) یعنی اس کو بھی بغیر اجازت خرچ نہ کرے۔

اس رِوایت کو پہلی روایت سے کوئی حقیقت میں مُخالفت نہیں ہے پہلی سب رِوایات عام حالات اور معروف عادات کی بناء پر ہیں۔ گھروں کا عام عُرف سب جگہ یہی ہے، اور یہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں سامان یا روپیہ پیسہ گھر میں اخراجات کے واسطے دے دیا جاتا ہے اس میں خاوندوں کو اس سے خلاف نہیں ہوتا کہ عورتیں اس میں سے کچھ صَدَقہ کر دیں یا غُرباء کو کچھ کھانے کو دے دیں۔ بلکہ خاوندوں کا ایسی چیزوں میں کُنج کاو اور پوچھنا، تحقیق کرنا کنجوسی اور چھوٹا پن شمار ہوتا ہے۔ لیکن اس عُرفِ عام کے باوجود اگر کوئی بخیل اس کی اجازت نہ دے کہ اس میں سے کسی کو دیا جائے تو پھر

عورت کو جائز نہیں کہ اس کے مال میں سے کچھ صدقہ کرے یا ہدیہ دے، البتہ اپنے مال میں سے جو چاہے خرچ کرے۔

ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری بیوی میرے مال میں سے میری بغیر اجازت خرچ کرتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم دونوں کو اس کا ثواب ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کو منع کر دیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، تجھے تیرے بخل کا بدلہ ملے گا، اس کو اس کے احسان کا اجر ہوگا (کنز)۔

معلوم ہوا کہ خاوندوں کا ایسی معمولی چیز سے روکنا بخل ہے اور اس کے روکنے کے بعد اس کے مال میں سے عورت کو خرچ کرنا جائز نہیں۔ البتہ عورت کا اگر دل خرچ کرنے کو چاہتا ہے اور خاوند کی مجبوری سے رُکی ہوئی ہے تو اس کو اس کی نیت کی وجہ سے صدقہ کا ثواب ملتا ہی رہے گا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں، حقیقت میں ان چیزوں میں ہر شہر کا عُرف اور عادت مختلف ہوتی ہے اور خاوندوں کے احوال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض پسند کرتے ہیں بعض پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح جو چیز خرچ کی جائے اس کے اعتبار سے بھی مختلف احوال ہوتے ہیں۔ ایک تو معمولی چیز قابل تسامح ہوتی ہے اور کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی خاوند کو اہمیت ہو۔ اسی طرح سے کوئی تو ایسی چیز ہوتی ہے جس کے رکھنے میں اس کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو، اور کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کو روکنے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ شرط تو متفق علیہ ہے کہ وہ عورت خرچ کرنے میں فساد کرنے والی نہ ہو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ خرچ کرنے کی ترغیبیں حجاز کے عُرف کے موافق وارد ہوئی ہیں کہ وہاں بیویوں کو اس قسم کے تصرفات کی عام اجازت ہوتی تھی کہ وہ مساکین کو، مہمانوں کو، پڑوس کی عورتوں کو، سوال کرنے والوں کو کھانے وغیرہ کی چیزیں دے دیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مقصد ان روایات سے اپنی اُمّت کو ترغیب دینا ہے کہ عرب کی یہ نیک خصلت اختیار کریں (مظاہر) چنانچہ ہمارے دیار میں بھی بہت سے گھروں

میں یہ خوف ہے کہ اگر سائل کو یا کسی عزیز یا ضرورت مند کو، بھوکے کو کھانے پینے کی چیزیں دے دی جائیں تو خاوندوں کے نزدیک یہ چیز نہ ان سے قابلِ اجازت ہے نہ یہ اُن کیلئے مُوجبِ تکدُّر ہوتا ہے۔

دوسرا مضمون حدیث بالا میں مُحافظ اور خزانچی کے مُتعلق وارد ہوا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل مالک کسی شخص کو ہدیہ دینے کی، صدقہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے مگر یہ خزانچی اور مُحافظ کارکن اس میں رخنہ پیدا کیا کرتے ہیں۔ بالخصُوص اُمراء اور سلاطین کے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مالک کی طرف سے صدقات کے پروانے جاری ہوتے ہیں اور یہ میر منشی ہمیشہ عدمِ گنجائش کا عذر کھڑا کرتے ہیں۔ اسلئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مُتعدِد روایات میں اس کی ترغیب دی ہے کہ یہ کارکن حضرات اگر نہایت طیبِ خاطر اور خندہ پیشانی سے مالک کے حکم کی تعمیل کریں تو ان کو محض ذریعہ اور واسطہ ہونے کیوجہ سے اللہ کے فضل و انعام سے مُستقل ثواب ملے جیسا کہ اوپر کے مضمون میں مُتعدِد روایات اس کی گذر چکی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان خزانچی امانتدار مالک کے حکم کی تعمیل پوری پوری خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ کرے اور جتنا دینے کا اس کو حکم ہے اتنا ہی دیدے تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں ہے (مشکوٰۃ)۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر صدقہ (بالفرض) سات کروڑ آدمیوں کے ہاتھ میں بھی نکل کر آئے تو آخر والے کو بھی ایسا ہی ثواب ہوگا جیسا کہ اول والے کو (کنز) یعنی مثلاً کسی بادشاہ نے صدقہ کا حکم دیا اور اس کے عملہ کے اتنے آدمیوں کو اس میں واسطہ بننا پڑا تو سب کو ثواب ہوگا۔ یعنی اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی سب ایسے ہی ہیں جیسا کہ صدقہ کرنے والا ثواب کا مُستحق ہے۔ گو دونوں کے ثواب میں فرقِ مَراتِب ہو اور فرقِ مَراتِب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مالک ہی کا ثواب زیادہ ہو کہیں مالک کا ثواب زیادہ ہوگا۔ مثلاً سَو روپیہ ملازم کو یا خزانچی کو حکم کرے کہ فلاں شخص کو جو دروازہ پر اپنے پاس موجود ہے دیدے، اس صورت میں یقیناً مالک کو ثواب زیادہ ہوگا۔ اور ایک انار کسی کو دے کہ فلاں محلہ میں جو بیمار ہے اس کو دے آؤ کہ اتنی دُور جانا انار کی قیمت سے بھی مَشقّت کے اعتبار سے بڑھ جائے تو اس صورت میں اس

اس واسطہ کا ثواب اصل مالک سے بھی بڑھ جائے گا (عینی)۔

اسی طرح سے اس خازن کو مال کی تحصیل میں مشقت زیادہ اٹھانی پڑتی ہو، اور مالک کو بے محنت مفت میں مل جائے تو ایسے مال کے صدقہ کرنے میں یقیناً خازن کا ثواب زیادہ ہو جائے گا کہ اَلْاَجْرُ عَلٰی قَدْرِ النَّصَبِ "ثواب مشقت کی بقدر ہوا کرتا ہے"۔ یہ شریعتِ مُطَہَّرہ کا مستقل ضابطہ ہے لیکن جیسا کہ بیوی کے لئے بغیر اذن خاوند کے تصرف کرنے کا فی الجملہ حق ہے خازن کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر اذن مالک کے کوئی تصرف اس کے مال میں کرے البتہ اگر مالک کی طرف سے تصرف کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا فِیْ حَدِیْثٍ لَفْظُهٗ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَالدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ وَاللّٰهُ یُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور کسی کار خیر پر دوسرے کو ترغیب دینے کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ خود کرنے کا ثواب ہے اور اللہ جل شانہٗ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو محبوب رکھتا ہے۔

(کذا فی المقاصد الحسنة وبسط فی تخریجه وطرقه وذکر السیوطی فی الجامع الصغیر حدیث اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ من روایة ابن مسعود وابی مسعود وسهل بن سعد وبریدة وانس)

ف: اس حدیث پاک میں تین مضمون ہیں۔ اول یہ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے یعنی صدقہ کے لئے مال ہی دینا ضروری نہیں ہے اور صدقہ اسی میں منحصر نہیں بلکہ جو بھلائی کسی کیساتھ کی جائے وہ ثواب کے اعتبار سے صدقہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑ ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ ایک صدقہ کیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس کی طاقت کس کو ہے (کہ تین سو ساٹھ صدقہ روزانہ کیا کرے)۔ حضورؐ نے فرمایا، مسجد میں تھوک پڑا ہو اُس کو ہٹا دو۔ یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اس کو ہٹا دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی دو رکعت نفل سب کے قائم مقام

ہو جاتی ہیں (مشکوٰۃ)۔

اس لئے کہ نماز میں ہر جوڑ کو اللہ کی عبادت میں حرکت کرنا پڑتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آدمی پر ہر جوڑ کے بدلہ میں ایک صدقہ ہے دو آدمیوں کے درمیان انصاف کر دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی شخص کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دو، یہ بھی صدقہ ہے، اس کا سامان اٹھا کر دے دو، یہ بھی صدقہ ہے کلمہ طیبہ (یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنا) بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کیلئے چلے صدقہ ہے۔ کسی کو راستہ بتا دو، یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دو، یہ بھی صدقہ ہے (جامع الصغیر)۔

ایک حدیث میں ہے کہ روزانہ آدمی کے ہر جوڑ کے بدلہ میں اس پر صدقہ ضروری ہے۔ ہر نماز صدقہ ہے، روزہ صدقہ ہے، حج صدقہ ہے، سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا صدقہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا صدقہ ہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا صدقہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی راستہ میں مل جائے، اس کو سلام کرنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے۔ برائی سے منع کرنا صدقہ ہے (ابوداؤد) اور بھی اس قسم کی متعدد روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بھلائی ہر نیکی ہر احسان صدقہ ہے بشرطیکہ اللہ کے واسطے ہو۔

دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ذکر کی گئی کہ جو شخص کسی کارِ خیر پر کسی کو ترغیب دے اس کو بھی ایسا ہی ثواب ہے، جیسا کرنے والے کو۔ یہ حدیث مشہور ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ بھلائی کا راستہ بتانے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو کرنے والا ہو۔ حق تعالیٰ شانہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ کی عطا اور احسان بخشش اور انعام کا کیا ٹھکانا ہے۔ اس کی عطائیں، اس کے الطاف بے محنت ملتے ہیں، مگر ہم لینا ہی نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ ایک شخص خود نفلیں کثرت سے نہیں پڑھ سکتا، وہ دوسروں کو ترغیب دے کر نفلیں پڑھوائے اس کو بھی ان کا ثواب ہو۔ خود نادار ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مال کثرت سے خرچ نہیں کر سکتا، دوسروں کو ترغیب دے کر خرچ کرائے اور خرچ کرنے والوں کے ساتھ خود بھی ثواب کا شریک بنے۔ ایک شخص خود روزے نہیں رکھ سکتا، حج نہیں کر سکتا، جہاد نہیں کر سکتا۔ اور کوئی عبادت نہیں کر سکتا، لیکن ان

چیزوں کی دوسروں کو ترغیب دیتا ہے اور خود ان سب کا شریک بنتا ہے۔ بہت غور سے سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ ہی ان سب عبادتوں کو کرنے والا ہو تو ایک ہی کے کرنے کا ثواب تو ملے گا لیکن ان چیزوں پر سَو آدمیوں کو ترغیب دے کر کھڑا کر دے تو سَو کا ثواب ملے گا، اور ہزار دو ہزار کو اور ان سے زیادہ کو لگا دے، تو جتنے لوگوں کو آمادہ کر دے گا سب کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور لُطف یہ ہے کہ خود اگر مر بھی جائیگا تو ان اعمال کے کرنے والوں کے اعمال کا ثواب بعد میں بھی پہنچتا رہے گا۔ کیا اللہ جلّ شانہٗ کے احسانات کی کوئی حد ہے، اور کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو لاکھوں کو اپنی زندگی میں دینی کاموں پر لگا گئے، اور اب مرنے کے بعد وہ ان اعمال کے کرنے والوں کے ثواب میں شریک ہیں۔

میرے چچا جان، مولانا مولوی محمد الیاس صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ فرمایا کرتے تھے، اور مَسرّت سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعد آدمیوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں میں مُلک کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ میوات کا خِطّہ جہاں لاکھوں آدمی ان کی کوشش سے نمازی بنے ہزاروں تَہَجُّد گزار بنے، ہزاروں حافظ قرآن، ان سب کا ثواب انشاء اللہ ان کو ملتا رہے گا اور اب یہ خوش قسمت جماعت عرب اور عجم میں تبلیغ کر رہی ہے، ان کی کوشش سے جتنے آدمی کسی دینی کام میں لگ جائیں گے، نماز و قرآن پڑھنے لگیں گے، اس سب کا ثواب ان کوشش کرنے والوں کو بھی ہوگا اور ان کو بھی ہوگا جن کو یہ مَسرّت تھی کہ میں مُلک کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

زندگی بہرحال ختم ہونے والی چیز ہے، اور مرنے کے بعد وہی کام آتا ہے جو اپنی زندگی میں آدمی کرلے۔ زندگی کے ان لمحات کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے، اور جو چیز ذخیرہ بنائی جا سکتی ہو اس میں کسر نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور بہترین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! وقت کو بہت غنیمت سمجھو اور جو ساتھ لے جانا ہے، لے جاؤ۔ بعد میں نہ کوئی باپ پوچھتا ہے نہ بیٹا، سب چند روز رو کر چُپ ہو جائیں گے اور بہترین چیز صدقۂ جاریہ ہے۔

تیسری چیز حدیث بالا میں یہ ذکر فرمائی ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد رسی کو پسند کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس پر رحم نہیں فرماتے جو آدمیوں پر رحم نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مصیبت زدہ عورتوں کی مدد کرتا ہے یا غریب کی مدد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا ہو، اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ تمام رات نفلیں پڑھنے والا ہو کہ ذرا بھی سستی نہیں کرتا، اور وہ ایسا ہے جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی افطار نہ کرتا ہو (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کسی مصیبت کو زائل کرتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس سے قیامت کے دن کی مصیبت کو زائل کرتا ہے اور جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کو سہولت پہنچاتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کو دنیا اور آخرت کی سہولت عطا فرماتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرتا ہے (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے اس کو ایسا ثواب ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی تمام عمر خدمت (عبادت) کی ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت کو حاکم تک پہنچائے تو اس کی پُل صراط پر چلنے میں مدد کی جائے گی جس دن کہ اس پر پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کریں، ان کے کاموں میں مدد دیا کریں۔ یہ لوگ قیامت کے سخت دن میں بے فکر ہوں گے، ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مُضطر بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ ٹھہر سکیں گے (یعنی قیامت کے دن)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی کسی کلمہ سے اعانت کرے یا اس کی مدد میں قدم چلائے حق تعالیٰ شانہٗ اس پر تہتر ۷۳ رحمتیں نازل فرماتے ہیں جن میں سے ایک میں اس کی دنیا اور آخرت کی درستگی ہے اور بہتر ۷۲ آخرت میں رفع درجات کے لئے ذخیرہ ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس قسم کے مضامین کی صاحبِ کنز العمال نے نقل کی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ تعلّق میں، ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب بدن کا کوئی عضو ماؤف ہو جاتا ہے تو سارے اعضاء جاگتے ہیں، بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں (مشکوٰۃ)۔ یعنی جیسا کہ ایک عضو کی تکلیف سے سارے اعضاء بے چین ہو جاتے ہیں مثلاً ہاتھ میں زخم ہو جاتا ہے تو پھر کسی عضو کو بھی نیند نہیں آتی، سب کو جاگنا پڑتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی اکڑاہٹ سے سارے بدن کو بخار ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے سب کو بے چین ہو جانا چاہئے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم کرنے والے آدمیوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے تم ان لوگوں پر رحم کرو جو دنیا میں ہیں، تم پر وہ رحم کریں گے جو آسمان میں ہیں۔ اس سے حق تعالیٰ شانہٗ بھی مراد ہو سکتے ہیں اور فرشتے بھی۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو، اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا جاتا ہو (مشکوٰۃ)۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص میری اُمّت میں سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے تاکہ اس کو خوش کرے، اُس نے مجھ کو خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے اللہ جلّ شانہٗ کو خوش کیا، اور جو شخص حق تعالیٰ شانہٗ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنّت میں داخل فرما دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کیلئے تہتّر درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک درجے تو اس کی درستگی ہوتی ہے (یعنی لغزشوں کا بدلہ ہو جاتا ہے) باقی بہتّر درجے رفعِ درجات کا سبب ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ جلّ شانہٗ کے نزدیک وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے (مشکوٰۃ)۔

"مخلوق ساری کی ساری اللہ کی عیال ہے" مشہور حدیث ہے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ

عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ سے نقل کی گئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ جیسا آدمی اپنے عیال کی روزی کا اہتمام کرنیوالا ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ شانُہٗ بھی اپنی ساری مخلوق کے روزی رساں ہیں۔ اسی لحاظ سے ان کو اللہ کے عیال بتایا گیا (مَقاصِدِ حَسَنہ)۔ اور اس صفت میں مسلمانوں کی بھی خصوصیت نہیں ہے، مسلمان کافر سب ہی شریک ہیں بلکہ سارے حیوانات اس میں داخل ہیں، کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی مخلوق اور اس کے عیال ہیں جو شخص سب کیساتھ حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

(۲۷) عَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی، اس نے شرک کیا۔ جس نے ریا کے ارادہ سے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا۔ جس نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا، اس نے شرک کیا۔

(رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یعنی جس نے ان عبادتوں میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنالیا اور وہ وہ لوگ ہیں جن کو دکھانا مقصود ہے، اُس نے اپنی عبادت کو خالص حق تعالیٰ شانُہٗ کے لئے نہیں رکھا، بلکہ اس کی عبادت ساجھے کی عبادت بن گئی اور اس عبادت کی غرض میں ان کا حصہ بھی ہوگیا جن کو دکھانا مقصود ہے۔

یہ بہت ہی اَہم چیز ہے، اس پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں مقصد یہ ہے کہ جو عبادت بھی ہو خالص اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے ہو، اس میں کوئی فاسد غرض ریاء، شُہرت، وجاہت وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں نیکی برباد گناہ لازم ہوجاتا ہے۔ احادیث میں بہت کثرت سے اس پر وعیدیں اور تنبیہیں وارد ہوئی ہیں۔

ایک حدیث قُدسی میں حق سُبحانُہٗ وَتَقَدَّس کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ میں سب شریکوں میں سب سے زیادہ بے پرواہ ہوں، جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے (بنائے ہوئے) شریک کے

ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (مشکوۃ)۔ یعنی وہ اپنا بدلہ اور ثواب اس شریک سے جاکر لے لے مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک مُنادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جَلَّ شانُہٗ شرکت سے بے نیاز ہے (مشکوۃ)۔

حضرت اَبُو سعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم لوگ دجّال کا تذکرہ کر رہے تھے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجّال سے بھی زیادہ خوف کرتا ہوں۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شرکِ خفی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے (اِخلاص سے شروع کی ہے، کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے) وہ آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

ایک دوسرے صحابیؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، چھوٹا شرک کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ریا ہے ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانُہٗ بندوں کو انکے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے یہ ارشاد ہوگا کہ جن کو دکھانے کے لئے کئے تھے، دیکھو ان کے پاس تمہارے اعمال کا بدلہ ہے یا نہیں (مشکوۃ)۔

قرآن پاک میں بھی حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (کہف ع ۱۲) "جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے (اور ان کا محبوب و مُقرّب بننا چاہے) تو نیک کام کرتا رہے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

حضرت اِبنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ میں بعضے (دینی) مواقع میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میری اس کوشش کو لوگ دیکھیں۔ حضورؐ نے اس کا کوئی جواب مرحمت

نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔

حضرت مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں صدقہ کرتا ہوں اور صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا مقصود ہوتی ہے مگر دل یہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھے اچھا کہیں۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔

ایک حدیثِ قُدسی میں ہے حق تعالیٰ شانُہٗ کا اِرشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک کرتا ہے تو میں اس عمل کو سارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں۔ میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے ہو۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں ہے اللہ جَلَّ شانُہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ بہترین تقسیم کرنے والا ہوں۔ جو شخص اپنی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو ساجھی کردے میں اپنا حصہ بھی اس ساجھی کو دے دیتا ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ایسی ہے جس سے جہنم خود بھی چار سو مرتبہ روزانہ پناہ مانگتی ہے، وہ ریاکار قاریوں کے واسطے ہے۔

ایک اور حدیث میں حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا اِرشاد آیا ہے کہ جُبُّ الحُزن سے پناہ مانگا کرو (یعنی غم کے کنویں سے جو جہنم میں ہے) صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس میں کون لوگ رہیں گے۔ حُضورؐ نے فرمایا، کہ جو اپنے اَعمال میں ریاکاری کرتے ہیں۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ قرآن پاک میں سب سے آخر میں نازل ہوئی (دُرِّ منثور)

قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ۙ کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ الاٰیة (بقرہ۔ع ۳۶)

"اے ایمان والو! تم اِحسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص (برباد) کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک چکنا پتھر ہو جس پر کچھ مٹی آگئی ہو (اور اس مٹی میں کچھ سبزہ وغیرہ جم گیا ہو) پھر اس پتھر پر زور کی بارش پڑ جائے سو وہ اس کو بالکل صاف کردے گی (اسی طرح ان احسان رکھنے والوں

ایذا دینے والوں اور ریاکاروں کا خرچ کرنا بھی بالکل صاف اُڑ جائے گا اور قیامت کے دن)
ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی (یعنی یہ جو نیکیاں کی تھیں صدقات دیئے تھے یہ
سب ضائع جائیں گے)۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہ قرآن پاک میں ریا کی مذمت فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن لوگوں کا فیصلہ ہوگا، اُن میں ایک تو شہید ہوگا اس کو بُلایا جائیگا اور بُلانے کے بعد دُنیا میں جو اللہ جلّ شانہٗ کے انعامات اس پر ہوئے تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے۔ اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جلّ شانہٗ کی ان نعمتوں میں رہ کر تُو نے کیا نیک عمل کیا۔ وہ عرض کریگا کہ میں نے تیری رضا جوئی میں جہاد کیا حتّٰی کہ شہید ہوگیا (اور تجھ پر قربان ہوگیا) ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے تو نے جہاد اسلئے کیا تھا کہ لوگ بڑا بہادر بتائیں گے، وہ تجھے بہت بڑا بہادر بتا چکے ہیں (جو غرض عمل کی تھی وہ پوری ہوگئی ہے) اسکے بعد اس کو جہنّم میں پھینک دینے کا حکم کیا جائیگا اور تعمیلِ حکم میں اسکو منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو بُلا کر اللہ جلّ شانہٗ کے انعامات اور احسانات جتا کر اس سے بھی دریافت کیا جائیگا کہ اللہ جلّ شانہٗ کی ان نعمتوں میں تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا، تیری رضا جوئی میں قرآن پاک پڑھتا رہا۔ ارشاد ہوگا، یہ سب جھوٹ ہے یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا عالم بڑا قاری ہے سو لوگوں نے کہہ دیا ہے۔ (اور جو مقصد اس محنت سے تھا وہ حاصل ہو چکا ہے) اسکے بعد اس کو بھی جہنّم میں پھینکنے کا حکم کیا جائے گا اور تعمیلِ حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک سخی ہوگا جس پر اللہ جلّ شانہٗ نے دنیا میں بڑی وُسعت فرما رکھی تھی۔ ہر قسم کے مال سے اس کو نوازا تھا۔ اس کو بُلایا جائیگا اور جو انعامات اللہ جلّ شانہٗ نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ جتا کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا کارگذاری ہے۔ وہ عرض کریگا کہ میں نے خیر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند ہو ایسا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا یہ جھوٹ ہے تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے، بڑا سخی شخص ہے، سو کہا جا چکا ہے ———— اس کے بعد اس کو بھی

جہنّم میں پھینکنے کا حکم ہوگا، اور تعمیل حکم میں مُنہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا (مشکوٰۃ بروایۃ مسلم) اس حدیث میں اور اسی طرح اور احادیث میں جہاں ایک ایک شخص کا ذکر آتا ہے، اس سے ایک قسم آدمیوں کی مراد ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ معاملہ صرف تین آدمیوں کے ساتھ کیا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تینوں قسم کے آدمیوں سے یہ مطالبہ ہوگا، اور مثال کے طور پر ہر قسم میں سے ایک ایک آدمی کا ذکر کر دیا۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث میں کثرت سے اس پر تنبیہ کی گئی ہے اور بہت زیادہ اَہمیّت سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی اُمّت کو اس پر تنبیہ کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لئے کیا جاتے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نمود و شُہرت اور دکھاوے کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔ مگر اس جگہ شیطان کے ایک بڑے مکر سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ دشمن جب قوی ہوتا ہے وہ مختلف انواع سے اپنی دشمنی نکالا کرتا ہے، یہ بہت مرتبہ آدمی کو اس وسوسہ کی بدولت کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، اہم ترین عبادتوں سے روک دیا کرتا ہے۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان اوّل تو نیک کام سے روکا کرتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈالا کرتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو لیکن جب آدمی اپنی ہمت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہا کرتا ہے تجھ میں اخلاص تو ہے ہی نہیں، یہ تیری عبادت محنت بیکار ہے، جب اخلاص ہی نہیں پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اس قسم کے وسوسے پیدا کر کے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے اور جب آدمی رُک جاتا ہے تو اس کی غرض پوری ہو جاتی ہے (احیاء) اسلئے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رُکنا نہیں چاہئے کہ اخلاص تو ہے ہی نہیں، بلکہ نیک کام کرنے میں اخلاص کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور اس کی دعا کرتا رہے کہ حق تعالیٰ شَانُہٗ محض اپنے لُطف سے دستگیری فرمائے تاکہ نہ تو دین کا مشغلہ ضائع ہو نہ برباد ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

دُوسری فصل

بُخل کی مَذمّت میں

پہلی فصل میں جتنی آیات اور احادیث اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گذر چکی ہیں اُن سے خود ہی یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے اتنے فضائل و فوائد اور خوبیاں ہیں تو جتنی اس میں کمی ہوگی یہ منافع حاصل نہ ہوں گے۔ یہ خود ہی کافی مَذمّت انتہائی نقصان ہے، لیکن اللہ جَلّ شانُہٗ اور اس کے پاک رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تنبیہ اور اہتمام کی وجہ سے بُخل اور مال کو روک کر رکھنے پر خُصوصی وعیدیں بھی اِرشاد فرمائی ہیں، جو اللہ کا انعام اور اس کے پاک رسولؐ کی اُمّت پر انتہائی شفقت ہے کہ اس نے اس مُہلک مرض پر خاص طور سے بہت سی تنبیہیں فرمادیں۔ قرآن و حدیث میں ہر مضمون نہایت ہی کثرت سے ذکر کیا گیا اور مُختلف عُنوانوں سے ہر خیر کے کرنے پر ترغیب اور ہر بُرائی سے رُکنے پر تنبیہیں کی گئیں۔ کسی ایک مضمون کا اِحاطہ بھی دُشوار ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کے مُتعلِّق بھی چند آیات اور چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔

آیات

(۱) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۲۴)

تم لوگ اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

ف : یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے سلسلہ آیات میں نمبر ۳ پر گذر چکی ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا قرار دیا ہے جیسا کہ پہلے مُفَصَّل صحابۂ کرامؓ سے نقل کیا جا چکا ہے، کون شخص ہے جو اپنی تباہی اور بربادی چاہتا ہو۔ مگر کتنے آدمی ہیں جو یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے، اس سے بچتے ہیں اور مال کو جوڑ جوڑ کر نہیں رکھتے۔ اس کے سوا کیا ہے کہ غفلت کا پردہ ہم لوگوں کے دلوں پر پڑا ہوا ہے اور اپنے ہاتھوں ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے جا رہے ہیں۔

(۲) اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (بقرہ ع ۳۷)

شیطان تم کو محتاجی (اور فقر) سے ڈراتا ہے اور تم کو بُری بات (بخل) کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے (خرچ کرنے پر اپنی طرف سے) گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وُسعت والے ہیں (وہ سب کچھ دے سکتے ہیں) خُوب جاننے والے ہیں (نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں)۔

ف : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے اندر ایک تو شیطان تصرف کرتا ہے اور ایک فرشتہ تصرف کرتا ہے۔ شیطان کا تصرف تو بُرائی سے ڈرانا ہے (مثلاً صدقہ کریگا تو فقیر ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ) اور حق بات کا جھٹلانا ہے۔ اور فرشتہ کا تصرف بھلائی کا وعدہ کرنا ہے اور حق بات کی تصدیق کرنا ہے جو اس کو پاوے (یعنی بھلائی کی بات کا خیال دل میں آوے تو اس کو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اُس کا شکر ادا کرے۔ اور جو دوسری بات کو پاوے (یعنی بُرا خیال دل میں آوے) تو شیطان سے پناہ مانگے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ پڑھی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کی تائید میں یہ آیت شریفہ

پڑھی۔ جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ شیطان فقر کا خوف اور فحش باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور یہی حق کا جھٹلانا ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں دو چیزیں اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ہیں اور دو چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں۔ شیطان فقر کا وعدہ کرتا ہے اور بُری بات کا حکم کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ مال خرچ نہ کر، احتیاط سے رکھ۔ تجھے اس کی ضرورت پڑے گی اور اللہ جلّ شانہٗ اُن گناہوں پر مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے، اور رزق میں زیادتی کا وعدہ فرماتا ہے۔ (درمنثور)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو آئندہ کے فکر میں زیادہ مُبتلا نہیں رہنا چاہیئے۔ کہ کیا ہوگا۔ بلکہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے رزق کا وعدہ فرما رکھا ہے تو اس پر اعتماد کرنا چاہیئے اور یہ سمجھتے رہنا چاہیئے کہ آئندہ کی احتیاج کا خوف شیطانی اثر ہے جیسا کہ اس آیتِ شریفہ میں بتایا گیا۔ وہ آدمی کے دل میں یہ خیال پکاتا رہتا ہے کہ اگر تُو مال جمع کرکے نہیں رکھے گا تو جس وقت تُو بیمار ہو جائے گا یا کمانے کے قابل نہیں رہے گا یا کوئی اور وقتی ضرورت پیش آجائے گی تو اس وقت تُو مشکل میں پھنس جائے گا اور تجھے بڑی دِقت اور تکلیف ہوگی۔ اور ان خیالات کی وجہ سے اس کو اس وقت مشقت اور کوفت اور تکلیف میں پھانس دیتا ہے اور ہمیشہ اسی تکلیف میں مُبتلا رکھتا ہے۔ اور پھر اس کا مذاق اُڑاتا ہے کہ یہ احمق آئندہ کی موہوم تکلیف کے ڈر سے اس وقت کی یقینی تکلیف میں پھنس رہا ہے (احیاء) کہ جمع کی فکر میں ہر وقت پریشان رہتا ہے اور آئندہ کا فکر سوار رہتا ہے۔

(۳) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بُخل کرتے ہیں جو اُن کو اللہ جلّ شانہٗ نے محض اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بات (یعنی بُخل کرنا) ان کیلئے کچھ اچھی ہوگی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات اُن کیلئے

وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (آل عمران ع ۱۸)

بہت بُری ہوگی اس لئے کہ وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس کے ساتھ بخل کیا تھا (یعنی سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈال دیا جائے گا) اور اخیر میں آسمان وزمین (اور جو کچھ اُن کے اندر ہے، لوگوں کے مرجانے کے بعد) اللہ ہی کا رہ جائے گا (تم اپنے ارادہ سے اس کو دے دو تو ثواب بھی ہو ورنہ ہے تو اسی کا) اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہیں۔

ف : بخاری شریف میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ (جس کے زہر کی کثرت اور شدت کی وجہ سے اس کے سر کے بال بھی جاتے رہے ہوں) بنایا جائے گا، جس کے منہ کے نیچے دو نقطے ہوں گے (یہ بھی زہر کی زیادتی کی علامت ہے) اور وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جو اس شخص کے دونوں جبڑے پکڑلے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

یہ حدیث شریف زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعیدوں میں پانچویں فصل کی احادیث میں نمبر ۲ پر آرہی ہے۔ حضرت حَسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ کافروں کے بارے میں اور اس مؤمن کے بارے میں جو اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتا ہو، نازل ہوئی ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ مال میں سے جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے حقوق ادا نہ ہوتے ہوں تو وہ مال گنجا سانپ بن کر قیامت میں اس کے پیچھے لگ جائے گا اور وہ آدمی اس سانپ سے پناہ مانگتا ہوا ہوگا۔

حجر بن بیانؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو ذی رحم اپنے قریبی رشتہ دار سے اس کی ضرورت سے بچے ہوئے مال سے مدد مانگے اور وہ مدد نہ کرے اور بخل کرے تو وہ مال قیامت کے دن سانپ بنا کر اس کو طوق پہنا دیا جائے گا اور پھر حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ اور متعدد صحابۂ کرامؓ سے بھی یہ

مضمون نقل کیا گیا۔ مسروقؒ کہتے ہیں کہ یہ آیتِ شریفہ اس شخص کے بارے میں ہے، جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے مال عطا کیا اور وہ اپنے رشتہ داروں کے اُن حقوق کو جو اللہ جلّ شانہٗ نے اس پر رکھے ہیں، ادا نہ کرے، تو اُس کا مال سانپ بنا کر ——— اُس کو طوق پہنا دیا جائے گا۔ وہ شخص اس سانپ سے کہے گا کہ تو نے میرا پیچھا کیوں کیا۔ وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں۔ (درمنثور)

امام رازیؒ تفسیرِ کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُوپر کی آیات میں جہاد میں اپنی جانوں کی شرکت پر تاکید و ترغیب تھی۔ اس کے بعد اس آیت میں جہاد میں مال خرچ کرنے کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں مال خرچ نہیں کرتے، تو وُہ مال سانپ بن کر اُن کے گلے کا ہار بن جائے گا۔ اور اس کے بعد امام رازیؒ طویل بحث اس پر کرتے ہیں کہ جو شدید وعید اس آیت شریفہ میں ہے وہ تطوّعات کے ترک پر تو مشکل ہے، ترکِ واجب پر ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ واجبات کئی قسم کے ہیں۔ اوّل[۱] اپنے اُوپر اور اپنے اُن اقارب پر خرچ کرنا جن کا نفقہ اپنے ذمّہ واجب ہے دوسرے[۲] زکوٰۃ۔ تیسرے[۳] جس وقت مسلمانوں پر کفار کا ہجوم ہو کہ وہ اُن کے جان و مال کو ہلاک کرنا چاہتے ہوں تو اس وقت سب مال داروں پر حسبِ ضرورت خرچ کرنا واجب ہے جس سے مدافعت کرنیوالوں کی مدد ہو کہ یہ در اصل اپنی ہی جان و مال کی حفاظت میں خرچ ہے۔ چوتھے[۴] مضطر پر خرچ کرنا ہے جس سے اس کی جان کا خطرہ زائل ہو جائے۔ یہ سب اخراجات واجب ہیں۔ (تفسیر کبیر)

(۴) إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۞ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

بیشک اللہ جلّ شانہٗ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا جو (دل میں) اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں (زبان سے شیخی کی باتیں کرتے ہوں) جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور دوسرے کو بخل کی تعلیم دیتے ہوں۔ اور جو چیز اللہ جلّ شانہٗ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اس کو

مُّهِيْنًا ۝ (نساء-ع ٦) چھپاتے ہوں اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ف : "دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہوں"۔ عام ہے کہ زبان سے ان کو ترغیب دیتے ہوں یا اپنے عمل سے تعلیم دیتے ہوں کہ اُن کے عمل کو دیکھ کر دوسروں کو بخل کی ترغیب ہوتی ہو۔ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جو شخص بُرا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اُس کو اپنے کئے کا وبال بھی ہوتا ہے اور جتنے آدمی اس کی وجہ سے اس پر عمل کریں، اُن سب کا گناہ بھی اس کو ہوتا ہے، اس طرح پر کہ اُن کو اپنی اپنی سزاؤں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ مضمون قریب ہی مُفصّل گزر چکا ہے۔

حضرت مُجاہدؒ سے مُخْتَالًا فَخُوْرًا کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ یہ ہر وہ مُتکبّر ہے جو اللہ کی عطا کی ہوئی چیزوں کو گن گن کر رکھتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ حضرت اَبُوْ سَعِیْد خُدری رضی اللہ عنہ، حُضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانُہٗ ساری مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمادیں گے تو جہنّم کی آگ تو بتو چڑھتی ہوئی ان کی طرف شدت سے بڑھے گی۔ جو فرشتے اس پر مُتعیّن ہیں وہ اس کو روکنا چاہیں گے تو وہ کہے گی کہ میرے رب کی عزت کی قسم یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے جوڑی داروں (یاروں) کو لے لوں، ورنہ میں سب پر چھا جاؤں گی وہ پوچھیں گے تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ وہ کہے گی۔ ہر مُتکبّر ظالم۔ اس کے بعد جہنّم اپنی زبان نکالے گی اور ہر ظالم مُتکبّر کو چُن چُن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی (جیسا کہ جانور زبان کے ذریعہ سے گھاس وغیرہ کھاتا ہے) ان سب کو چُن کر پیچھے ہٹ جائے گی۔ اس کے بعد اسی طرح دوبارہ زور کرکے آئے گی اور یہ کہے گی کہ مجھے اپنے جوڑی داروں کو لینے دو۔ اور جب اُس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون ہیں؟ تو وہ کہے گی۔ ہر اکڑنے والا ناشکری کرنے والا۔ اور پہلے کی طرح اُن کو بھی چُن کر اپنی زبان کے ذریعے اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ پھر اسی طرح جوش کرکے چلے گی اور اپنے جوڑی داروں کا مطالبہ کریگی اور جب اُس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے جوڑی دار کون لوگ ہیں؟ تو وہ اس مرتبہ

کہے گی۔ سر اکڑنے والا، فخر کرنے والا۔ اور اُن کو بھی چُن کر اپنے پیٹ میں ڈال لے گی۔ اس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوتا رہے گا۔

حضرت جابر بن سُلیم ہُجَیمیؓ فرماتے ہیں کہ میں حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں چلتے ہوئے حضورؐ سے ملاقات ہوگئی۔ مَیں نے سلام کیا اور لُنگی کے مُتعلق مسئلہ دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پنڈلی کے موٹے حصّے تک ہونی چاہیئے۔ اور اگر تجھے اتنی اُونچی پسند نہ ہو تو تھوڑی اور نیچے تک سہی، اور یہ بھی پسند نہ ہو تو ٹخنوں کے اُوپر تک۔ اور یہ بھی پسند نہ ہو تو (آگے گنجائش نہیں اس لئے کہ) اللہ جَلَّ شَانُہٗ مُتکبّر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے (اور ٹخنوں سے نیچے لُنگی یا پاجامہ کو لٹکانا تکبّر میں داخل ہے)۔ پھر میں نے کسی کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے کے مُتعلق دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بھلائی کو حقیر نہ سمجھو (کہ اس کی وجہ سے مُلتوی کردو) چاہے رسّی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی کا ڈول ہی ڈال دو۔ راستہ میں کوئی اذیت پہنچانے والی چیز ہو اس کو ہٹادو۔ حتّٰی کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے بات ہی سہی۔ راستہ چلنے والے سے سلام ہی سہی۔ کوئی گھبرا رہا ہو اس کی دلبستگی ہی سہی (کہ یہ سب چیزیں احسان اور نیکی میں داخل ہیں) اور اگر کوئی شخص تمہارے عیب کو ظاہر کرے اور تمہیں اس کے اندر کوئی دوسرا عیب معلوم ہے تو تم اس کو ظاہر نہ کرو۔ تمہیں اس اخفاء کا ثواب ملے گا، اس کو اس اظہار کا گناہ ہوگا۔ اور جس کام کو تم یہ سمجھو کہ اگر کسی کو اس کی خبر ہوگئی تو مضائقہ نہیں، اس کو کرو۔ اور جس کو تم یہ سمجھو کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو اس کو نہ کرو (کہ یہ علامت اس کے بُرا ہونے کی ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ کُردم بن زید وغیرہ، بہت سے آدمی انصار کے پاس آتے اور ان کو نصیحت کرتے کہ اتنا خرچ نہ کیا کرو ہمیں ڈر ہے کہ یہ سب خرچ ہو جائے گا، تم فقیر بن جاؤ گے، ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو، نہ معلوم کل کو کیا ضرورت پیش آجائے۔ ان لوگوں کی مذمّت میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی (درمنثور)۔

۵ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (توبہ رکوع ۵)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ اُن کو بڑے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دیجئے وہ اُس دن ہوگا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اوّل جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اُن سے اُن لوگوں کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کرکے رکھا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو، جس کو جمع کرکے رکھا تھا۔

ف : عُلماء نے لکھا ہے کہ پیشانیوں وغیرہ کے ذکر سے آدمی کی چاروں طرف مراد ہیں پیشانی سے اگلا حصہ، پسلیوں سے دایاں اور بایاں اور پُشت سے پچھلا حصہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ سارے بدن کو داغ دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں منہ سے قدم تک داغ دیا جانا وارد ہوا ہے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین اعضاء کی خصوصیت اس لئے ہے کہ انہیں زیادہ تکلیف بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان تین کو اس وجہ سے ذکر کیا کہ آدمی جب چہرہ سے فقیر کو دیکھتا ہے تو پہلو بچا کر اس طرف پشت کرکے چل دیتا ہے، اسلئے ان تینوں اعضاء کو خصوصیت سے عذاب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ذکر کی گئیں۔ (تفسیر کبیر)

اس آیتِ شریفہ میں اس مال کو تپا کر داغ دینا وارد ہے اور آیت نمبر ۳ پر اس کا سانپ بن کر پیچھے لگنا وارد ہوا ہے۔ ان دونوں میں کچھ اِشکال نہیں۔ یہ دونوں عذاب علیحدہ علیحدہ ہیں جیسا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی حدیث نمبر ۲ پر آرہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور متعدد صحابۂ کرامؓ سے نقل کیا گیا کہ

اس آیت شریفہ میں خزانہ سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو، وہ خزانہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ یہ حکم زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو حق تعالےٰ شانہٗ نے زکوٰۃ ادا کر دینے کو بقیہ مال کے پاک ہو جانے کا سبب قرار دیا۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو ہم حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ سونا چاندی جمع کرنے کا تو یہ حشر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ بہترین مال کیا ہے، جس کو خزانہ کے طور پر جمع کر کے رکھیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کا ذکر کرنے والی زبان، اللہ کا شکر ادا کرنے والا دل اور نیک بیوی، جو آخرت کے کاموں میں مدد دیتی رہے۔

حضرت عمرؓ سے نقل کیا گیا کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ آیت شریفہ تو لوگوں پر بہت بار ہو رہی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے زکوٰۃ اسی لئے مشروع فرمائی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے اور میراث تو اسی مال میں جاری ہوگی جو بعد میں باقی رہے۔ اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کی طرح محفوظ رکھے وہ نیک بیوی ہے جس کو دیکھ کر جی راضی ہو جائے۔ جب اس کو کوئی حکم کیا جائے، فوراً اطاعت کرے۔ اور جب خاوند غائب ہو (سفر وغیرہ میں) تو وہ اپنی (اور اس کے مال کی) حفاظت کرے۔

حضرت بُرَیدہؓ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی، تو صحابہؓ میں اس کا چرچا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! خزانہ بنانے کے لئے کیا چیز بہتر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل، اور وہ نیک بیوی جو ایمانی چیزوں پر مدد کرے۔

حضرت ابوذرؓ، حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دینار (سونے کا سکہ) درم (چاندی کا سکہ) یا سونے چاندی کا ٹکڑا رکھے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرے گا، بشرطیکہ قرض کے ادا کرنے کے واسطے نہ رکھا ہو، وہ خزانہ میں داخل

ہے جس کا قیامت کے دن داغ دیا جائے گا۔ حضرت ابُو اُمامہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص سونا یا چاندی چھوڑ کر مرجائے، اس کا قیامت کے دن داغ دیا جائے گا، بعد میں چاہے جہنّم میں جائے یا مغفرت ہو جائے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے مسلمانوں کے اَغنیاء کے مالوں میں وہ مقدار فرض کر دی ہے جو اُن کے فقراء کو کافی ہے۔ فقراء کو بھوکے یا ننگے ہونے کی مَشَقَّت صرف اس وجہ سے پڑتی ہے کہ اَغنیاء اُن کو دیتے نہیں۔ خبردار رہو کہ حق تعالیٰ شَانُہٗ قیامت کے دن اُن اَغنیاء سے سخت مطالبہ کریں گے یا سخت عذاب دیں گے (دُرِّمنثور) کنزُ العُمّال میں اس حدیث پر کلام بھی کیا ہے اور حضرت ابُو ہُرَیرہؓ کی حدیث سے نقل کیا کہ اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اَغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کو کافی نہ ہوگی تو زکوٰۃ کے علاوہ اور کوئی چیز ان کے لئے تجویز فرماتے جو اُن کو کافی ہو جاتی۔ پس اب جو فقراء بھوکے ہیں وہ اَغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہیں (کنز) کہ وہ زکوٰۃ پوری نہیں نکالتے۔

حضرت بلالؓ سے نقل کیا گیا کہ حضورؐ نے اُن سے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے فقر کی حالت میں ملو، تونگری کی حالت میں نہ ملو۔ اُنہوں نے عرض کیا، اس کی کیا صُورت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کہیں سے کچھ مُیَسَّر ہو، اس کو چھپا کر نہ رکھو۔ مانگنے والے سے انکار نہ کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا حضور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہی ہے اور یہ نہ ہو تو جہنّم ہے (درِمنثور) حضرت ابُو ذر غفاری بھی انہی حضرات میں ہیں جن کا مسلک یہ ہے کہ روپیہ پیسہ بالکل رکھنے کی چیز نہیں ہے۔ ایک دِرَم، جہنّم کا ایک داغ ہے اور دو درم، دو داغ ہیں۔ ان کے مختلف واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔ جن میں سے بعض پہلی فصل کے سلسلۂ احادیث میں نمبرا پر گذرے۔

ایک مرتبہ حبیب بن سَلمہؓ نے جو شام کے امیر تھے۔ حضرت ابُو ذرؓ کے پاس تین سو دینار (اشرفیاں) بھیجے اور عرض کیا کہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کر لیں حضرت ابُو ذرؓ نے واپس فرما دیئے۔ اور یہ فرما دیا کہ دُنیا میں اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے ساتھ

دھوکہ کھانے والا میرے سوا کوئی نہ ملا (یعنی دنیا کی اتنی بڑی مقدار اپنے پاس رکھنا اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے غافل ہونا ہے) اور یہی اللہ کے ساتھ دھوکہ ہے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے فکر ہو جائے جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے مُتعَدد جگہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ چھٹی فصل میں دُنیا اور آخرت کی آیات میں نمبر ۲۸ پر آرہا ہے۔ اس کے بعد حضرت اَبُو ذرؓ نے فرمایا۔ مجھے صرف تھوڑا سا سایہ چاہیئے جس میں اپنے کو چھپالوں، اور تین بکریاں جن کے دودھ پر ہم سب گذر کرلیں، اور ایک باندی جو اپنی خدمت کا احسان ہم پر کردے۔ اس سے زائد جو ہو مجھے اس کے اندر اللہ جَلّ شانُہٗ سے ڈر لگتا ہے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن دو درم والا ایک درم والے کی بہ نسبت زیادہ قید میں ہو گا۔ (درمنثور)

حضرت عبداللہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت اَبُو ذرؓ کے پاس تھا کہ اُن کا روزینہ بَیتُ المال سے آیا۔ ایک باندی اُن کے پاس تھی جو اُس میں سے ضروری چیزیں خرید کر لائی۔ اس کے بعد سات درم اُن کے پاس بچے۔ فرمانے لگے کہ اس کے پیسے کرلاؤ (تاکہ تقسیم کردیں) میں نے کہا۔ ان کو اپنے پاس رہنے دو کوئی ضرورت پیش آجائے، کوئی مہمان آجائے۔ فرمایا مجھ سے میرے محبوب (صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم) نے یہ طے شدہ بات فرمائی تھی کہ جس سونے یا چاندی کو باندھ کر رکھا جائے گا وہ اپنے مالک پر آگ کی چنگاری ہے جب تک کہ اُس کو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کر دیا جائے۔ (ترغیب)

حضرت شدادؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اَبُو ذرؓ، حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے کوئی سخت حُکم سُنتے تھے۔ پھر جنگل چلے جاتے تھے (کہ اکثر جنگل میں قیام رہتا تھا) اُن کے تشریف لے جانے کے بعد اس حُکم میں کچھ سہولت پیدا ہو جاتی، جس کا اُن کو علم نہ ہوتا۔ اس لئے وہ سخت ہی حکم پر قائم رہتے (درمنثور) یہ صحیح ہے کہ حضرت اَبُو ذرؓ کا مسلک اس بارے میں بہت ہی سختی اور شدت کا ہے۔ باقی اس میں تو شک نہیں کہ زہد کا کمال یہی ہے جو اُن کا مسلک تھا، اور بہت سے اکابر کا یہی پسندیدہ معمول رہا

۱۷

مگر اس پر نہ تو کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے، نہ اس پر عمل نہ کرنے میں جہنمی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اپنی خوشی اور رضا و رغبت سے اختیار کرنے کی چیز یہی ہے جس خوش نصیب کو بھی اللہ جَلّ شانُہٗ اپنے لطف و کرم سے نصیب فرمادے۔ کاش اس دُنیا کے کُتّے کو بھی اللہ جَلّ شانُہٗ ان حضرات زاہدین کے اوصافِ جمیلہ کا کچھ حصہ عطا فرما دیتا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(٦) وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (سورۂ توبہ ع ۷)

اور ان منافقوں کی خیر خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (نفاق سے اپنے کو مومن بتاتے ہیں) یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر بہت کاہلی سے (ہارے دل سے) اور نیک کاموں میں خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ (بدنامی سے بچنے کی وجہ سے) ان (مردودوں) کا مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے (کہ ایسے مردودوں پر اتنے انعامات کیوں ہیں) اللہ جَلّ شانُہٗ کا ارادہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے اُن کو دنیوی عذاب میں مُبتلا رکھے (کہ ہر وقت ان کے فکروں میں مُبتلا رہیں) اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکل جائے۔

ف : اِبتداء میں خیرات کے قبول ہونے میں کفر کے عِلاوہ کاہلی سے نماز پڑھنے کو اور بد دِلی سے صدقہ دینے کو بھی دخل بتایا ہے۔ نماز کے مُتعلق مضامین اس ناکارہ کے رسالہ فضائل نماز" میں گذر چکے ہیں۔ اس میں حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد گذرا ہے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں، جس کی نماز نہیں۔ اُس کیلئے دین نہیں، جس کی نماز نہیں۔ نماز دین کے لئے ایسی ضروری چیز ہے، جیسا کہ آدمی

کے لئے اس کا سر ضروری ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو نماز کو خشوع و خضوع سے اچھی طرح پڑھے، وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر دعائے خیر دیتی ہوئی جاتی ہے اور جو بُری طرح پڑھے وہ بُری صورت میں سیاہ رنگ میں بددعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے، جیسا تُو نے مجھے برباد کیا۔ اور ایسی نماز پُرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے مُنہ پر مار دی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے اوّل نماز کا حساب ہوگا۔ اگر وہ اچھی ہوئی تو باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے، وہ بُری ہوئی تو باقی اعمال بھی بُرے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں ہے اگر وہ قبول ہوئی تو باقی اعمال بھی قبول ہوں گے۔ وہ مردود ہوگئی تو باقی اعمال بھی مردود ہوں گے (فضائلِ نماز) اس کے بعد آیت شریفہ میں بددلی سے صدقہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بددلی سے صدقہ دینا ظاہر ہے کہ کیا قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ صدقہ فرض ہے جیسا کہ زکوٰۃ تو وُجوب ساقط ہو ہی جائے گا۔ اسی واسطے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زکوٰۃ ادا کرنے کی روایات میں متعدد جگہ طَیِّبَۃً بِھَا نَفْسُہٗ (ترغیب) رَافِدَۃً عَلَیْہِ کُلَّ عَامٍ (ابوداؤد) وغیرہ الفاظ ذکر فرمائے۔ جن کا مطلب یہی ہے، کہ نہایت خوش دلی سے ادا کرے تاکہ فرض ادا ہونے کے علاوہ اس کا اجر و ثواب بھی ہو اور اس پر انعام و اکرام بھی ہو۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت سے ادا کرے گا، اس کو اس کا اجر ملے گا اور جو ادا نہ کرے گا، ہم اس کو لے کر رہیں گے۔ اور بعض روایات میں اس کے ساتھ تاوان بھی وارد ہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ بھی کریں گے۔

حضرت جعفر بن محمدؒ کہتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین ابُو جعفر منصورؒ کے پاس گئے۔ تو وہاں حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے کوئی شخص تھے جنہوں نے منصور سے اپنی کوئی حاجت پیش کی تھی اور منصور نے اُن کی درخواست پر کچھ اُن کو دینے کا حکم بھی کر دیا تھا مگر وہ مقدار زبیری کے نزدیک کم تھی۔ جس کی شکایت انہوں نے کی اور منصور کو اس پر

غصہ آگیا۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے واسطے سے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو عطاء خوشدلی سے دی جائے۔ اس میں دینے والے کے لئے بھی برکت ہوتی ہے اور لینے والے کے لئے بھی۔

منصورؒ نے یہ حدیث سنتے ہی کہا۔ خدا کی قسم دیتے وقت تو مجھے خوش دلی نہ تھی مگر تمہاری حدیث سن کر مجھ میں طیبِ نفس پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت جعفرؓ ابن زُبیری کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ مجھے اپنے باپ دادوں کے ذریعہ سے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جو شخص قلیل رزق کو کم سمجھے، اللہ جلّ شانہٗ اس کو کثیر سے محروم فرما دیتے ہیں۔

زُبیریؒ کہنے لگے کہ خدا کی قسم پہلے سے تو یہ عطیہ میری نگاہ میں کم تھا تمہاری حدیث سُننے کے بعد بہت معلوم ہونے لگا۔ سُفیان بن عُیَینہؒ جو اس قصہ کو نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زُبیری سے پوچھا کہ وہ کیا مقدار تھی جو تمہیں منصور نے دی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ اس وقت تو بہت تھوڑی سی تھی لیکن میرے پاس پہنچنے کے بعد اللہ جلّ شانہٗ نے اسمیں ایسی برکت اور نفع عطا فرمایا کہ وہ پچاس ہزار کی مقدار تک پہنچ گئی۔ سُفیانؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (اہل بیت حضرت جعفرؓ اور اُن کے اکابر کی طرف اشارہ ہے) بھی بارش کی طرح جہاں پہنچ جاتے ہیں نفع ہی پہنچاتے ہیں۔ (کنز) مطلب یہ ہے کہ اس جگہ دو حدیثیں سُنا کر دونوں کو خوش اور مطمئن کر دیا۔ اسی طرح سے یہ حضرات جہاں بھی پہنچتے ہیں رُوحانی یا مادّی نفع پہنچائے بغیر نہیں رہتے۔ اس کے ساتھ ہی اُس زمانہ کے اُمراء کی یہ چیز بھی قابلِ رشک ہے کہ بادشاہت کے باوجود حضورؐ کے ارشادات سُن کر اُن کے سامنے گردن رکھ دینا اُس زمانہ کی عام فضا تھی۔ آیتِ شریفہ میں اس کے بعد آلِ اولاد اور مال کو دُنیا میں عذاب کا ذریعہ فرمایا۔ ان چیزوں کا دُنیا میں مُوجبِ دِقّت اور کُلفت ہونا ظاہر ہے۔ کہیں اولاد کی بیماری ہے، کہیں ان پر مصائب ہیں، کہیں ان کے مرنے کا رنج و حسرت ہے، اور یہ سب چیزیں مسلمانوں پر بھی پیش آتی ہیں لیکن مسلمان کے لئے چونکہ ہر تکلیف جو دُنیا میں پیش آئے وہ آخرت میں اجر و ثواب کا

ذریعہ ہے، اس لئے وہ تکلیف نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ تکلیف تکلیف نہیں بلکہ راحت ہے جس کے بدلہ میں کہیں اس سے زیادہ مل جائے اور جن کیلئے آخرت میں ان مصائب کا بدلہ نہیں ہے اُن کے لئے یہ دُنیا کا عذاب ہی عذاب رہ گیا۔ ابنِ زیدؒ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے دنیا میں عذاب ہونے سے مصائب مراد ہیں کہ ان کے لئے یہ عذاب ہیں اور مؤمنین کے لئے ثواب کی چیزیں ہیں۔

(۷) وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ع ۳)

اور نہ تو (بخل کی وجہ سے) اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ لینا چاہیئے اور نہ بہت زیادہ کھول دینا چاہیئے (کہ اسراف کی حد تک پہنچ جائے کہ اس صورت میں) ملامت زدہ اور (فقر کی وجہ سے) تھکے ہوئے بیٹھے رہو (اور محض کسی کے فقر کی وجہ سے اپنے کو پریشانی میں مُبتلا کرنا مناسب نہیں) بیشک تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کی مصالح اور ان کے احوال) سے باخبر ہے (کہ کس کے لئے کتنا مناسب ہے اور ان کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔

ف: قرآنِ پاک میں اس جگہ مُعاشرت کے بہت سے آداب پر بڑی تفصیلی تنبیہات فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے اس آیت شریفہ میں بخل اور اسراف پر تنبیہ فرما کر اعتدال اور میانہ روی کی گویا ترغیب دی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کسی نے کچھ سُوال کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تو کچھ نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ اپنا کرتہ جو آپ پہن رہے ہیں یہ دے دیجئے۔ حضور نے کرتہ نکال کر مرحمت فرما دیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت شریفہ خانگی اخراجات کے بارہ میں ہے کہ نہ ان میں بہت بخل کیا جائے نہ بہت وُسعت اختیار

کی جائے۔ میانہ روی اختیار کی جائے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بھی متعدد روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ جو شخص میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا۔ اور آیتِ شریفہ کے ختم پر اس احمقانہ خیال کی تردید فرمائی کہ سب کے سب مالی حیثیت سے برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ وہ جس پر چاہے فراخی فرمائے، جس پر چاہے تنگی کرے۔ وہی بندوں کے احوال سے واقف ہے وہی ان کی مصالح کو خوب جانتا ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بندوں کے احوال سے باخبر ہیں جس کے لئے ثروت بہتر سمجھتے ہیں، اس کو ثروت عطا فرماتے ہیں اور جس کے لئے تنگی مفید سمجھتے ہیں اس پر تنگی فرماتے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ۭ اِنَّہٗ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ○ (شوریٰ۔ع ۳)	اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کیلئے روزی میں وُسعت کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت (اور فساد) کرنے لگتے۔ لیکن حق تعالیٰ شانُہٗ (جس کیلئے) جتنا رزق مناسب سمجھتا ہے اُتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں (کی مصالح) سے باخبر (اور اُن کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔

اس آیتِ شریفہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ سب پر وُسعت کا ہونا دنیا میں سرکشی اور فساد کا سبب ہے، اور قرینِ قیاس اور تجربہ کی بات بھی ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ اپنے لُطف سے سب ہی کو مال دار بنا دیں تو پھر دنیا کا نظام چلنا ناممکن ہو جائے کہ سب تو آقا بن جائیں، مزدوری کون کرے۔ ابنِ زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب میں جس سال پیداوار کی کثرت ہوتی، ایک دوسرے کو قید کرنا اور قتل کرنا شروع کر دیتے، اور جب قحط پڑ جاتا تو اس کو چھوڑ دیتے (درمنثور)

حضرت علیؓ اور متعدد حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن سے نقل کیا گیا کہ اَصحابِ صُفّہ نے دنیا کی تمنا کی تھی جس پر آیتِ شریفہ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ

نازل ہوئی۔ حضرت قتادہؒ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہترین رزق وُہ ہے جو نہ تجھ میں سرکشی پیدا کرے، نہ اپنے اندر تجھے مشغول کرلے۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمّت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ دنیا کی چمک دمک ہے۔ کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، کیا خیر (مال) بھی بُرائی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس پر آیت شریفہ وَلَوْ بَسَطَ اللہُ الرِّزْقَ نازل ہوئی۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حدیثِ قدسی میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لئے مقابلہ میں آتا ہے۔ مَیں اپنے دوستوں کی حمایت میں ایسا غُصّہ میں آتا ہوں جیسا کہ غضبناک شیر۔ اور کوئی بندہ میرے ساتھ تقرّب اُن چیزوں سے زیادہ کسی چیز سے حاصل نہیں کرسکتا جو میں نے اُن پر فرض کی ہیں (یعنی حق تعالیٰ شانُہٗ نے جو چیزیں فرض کر دیں، اُن کی بجا آوری سے جتنا تقرّب حاصل ہوتا ہے کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرے درجہ میں نوافل کے ذریعہ سے تقرّب حاصل ہوتا ہے) اور نوافل کے ذریعہ سے بندہ میرے ساتھ قُرب حاصل کرتا رہتا ہے (اور جتنا نوافل میں اضافہ ہوتا رہے گا اُتنا ہی قُرب میں اضافہ ہوتا رہے گا) یہاں تک کہ وُہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ اور جب وُہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی آنکھ، کان، ہاتھ اور مددگار بن جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھے پُکارتا ہے تو مَیں اس کی پُکار کو قبول کرتا ہوں، اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو اس کا سُوال پورا کرتا ہوں، اور مجھے کسی چیز میں جس کے کرنے کا مَیں ارادہ کرتا ہوں، اتنا تردُّد نہیں ہوتا جتنا اپنے مؤمن بندہ کی رُوح قبض کرنے میں تردُّد ہوتا ہے کہ وہ (کسی وجہ سے) موت کو پسند نہیں کرتا اور مَیں اُس کا جی بُرا کرنا نہیں چاہتا لیکن موت ضروری چیز ہے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص نوع کی عبادت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ لیکن مَیں اس لئے وہ نوع عبادت کی اُن کو مُیسّر نہیں کرتا کہ اس سے اُن میں عُجب پیدا نہ ہو جائے۔ میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو اُن کی تندرستی ہی درست رکھ سکتی ہے اگر مَیں اُن کو بیمار کر دوں تو اُن کی حالت خراب ہو جائے۔ اور بعض بندے ایسے ہیں،

جن کے ایمان کو ان کی بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے۔ اگر میں اُن کو تندرستی دیدوں تو وہ بگڑ جائیں۔ مَیں اپنے بندوں کے حال کے موافق عمل درآمد کرتا ہوں، اسلئے کہ میں اُن کے دِلوں کے احوال سے واقف ہوں اور باخبر ہوں (درمنثور)۔

یہ حدیث شریف بڑی قابلِ غور ہے۔ اس کا تعلق تکوینی اُمور سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی غریب ہے تو اس کی امداد کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کوئی بیمار ہے تو اس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ ہوتا تو پھر صدقات کی سب روایات اور آیات بے محل ہو جاتیں، دوا کرنے کا حکم جن روایات میں ہے وہ بے محل ہوتیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سلسلہ تو اسی طرح رہے گا۔ کوئی ماہر ڈاکٹر یا محکمۂ حفظانِ صحت یہ چاہے کہ کوئی بیمار نہ ہو، ناممکن۔ کوئی حکومت یہ کوشش کرے کہ کوئی غریب نہ رہے، کبھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہم لوگ اپنی وُسعت کے موافق اُن کی اعانت کے، ہمدردی کے، علاج کے، امداد کے مامور ہیں اور جتنی کوئی شخص اسمیں کوشش کرے گا، اس کا اجر، اس کا ثواب، اس کا دین اور دنیا میں اس کو بدلہ ملے گا۔

لیکن اپنی سعی کے باوجود کوئی بیمار اچھا نہیں ہوتا، اپنی کوشش کے باوجود کسی کی مالی حالت درست نہیں ہوتی۔ تو اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں میرے لئے خیر ہے۔ اس سے پریشان اور گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور چونکہ غیب کی خبر نہیں، اور تکوینی چیزوں پر عمل کے ہم مامور نہیں، اس لئے اپنی کوشش، علاج اور اِعانت و ہمدردی اور مدد زیادہ سے زیادہ رکھنی چاہیئے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى۔

(۸) وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ	اور تجھے جو کچھ اللہ جلّ شانُہٗ نے دے رکھا ہے اس میں عالَمِ آخرت کی بھی جستجو کر، اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر۔ جس طرح اللہ جلّ شانُہٗ نے تیرے ساتھ احسان کیا تو بھی (بندوں پر) احسان

فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (قصص - ع ۸)

کر (اور خدا کی نافرمانی اور حقوق کو ضائع کر کے) دنیا میں فساد نہ کر۔ بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ف : یہ قرآن پاک میں مسلمانوں کی طرف سے قارون کو نصیحت کا بیان ہے۔ اس کا پورا قصہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۳ پر آ رہا ہے۔ سُدّیؒ کہتے ہیں کہ آخرت کی جستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کر، اللہ جَلَّ شانُہٗ کا تقرُّب حاصل کر اور صلہ رحمی کر۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ "دُنیا سے اپنا حصہ مت بھول" کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا چھوڑ۔ مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، یہ دُنیا سے اپنا حصہ ہے جس کا ثواب آخرت میں ملتا ہے۔ حَسَن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت اپنے لئے روک کر باقی زائد کا خرچ کر دینا اور آگے چلتا کر دینا یہ دنیا میں سے اپنا حصہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک سال کا خرچ روک کر باقی کا صدقہ کر دے (درمنثور) آدمی کا اپنی دنیا میں سے اپنی آخرت کا حصہ بھلا دینا اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی ایسی حالت میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سامنے لایا جائے گا جیسا کہ (ضُعف اور ذِلّت کے اعتبار سے) بھیڑ کا بچّہ ہو۔ وہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ وہاں سے مطالبہ ہوگا کہ میں نے تجھے مال دیا، دولت عطا کی، تجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے۔ تُو نے میرے انعامات میں کیا کارگذاری کی۔ وہ عرض کرے گا۔ یا اللہ، میں نے مال خُوب جمع کیا، اس کو خُوب بڑھایا، اور جتنا مال تھا اُس سے بہت زیادہ اُس کو کر کے دُنیا میں چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دُنیا میں واپس کر دیں تو میں وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے آؤں۔ ارشاد ہوگا۔ وہ دِکھاؤ جس کو ذخیرہ بنا کر آگے بھیج رکھا ہو۔ وہ پھر یہی عرض کرے گا کہ یا اللہ میں نے اس کو بہت ہی جمع کیا اور بڑھایا، اور جتنا تھا اُس سے بہت زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے آپ واپس بھیج دیں، میں وہ سارا ہی ساتھ لے آؤں۔ بالآخر جب اُس کے پاس

ذخیرہ ایسا نہ ہوگا جس کو آگے نہ بھیج رکھا ہو تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (مشکوٰۃ)
یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اور اس کے پاک رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات، بڑے غور اور بہت اہتمام سے عمل کرنے کی چیزیں ہیں۔ سرسری پڑھ کر چھوڑ دینے کے واسطے نہیں ہیں۔ دنیا کی زندگی کو جو بالکل خواب کی مثال ہے بہت اہتمام سے آخرت کی تیاری کیلئے غنیمت سمجھو اور جو کمایا جا سکے، کما لو۔ حق تعالیٰ شانُہٗ مجھے بھی توفیق عطا فرمائے۔

(۹) هَاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ج فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ج وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ط وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ج وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد - ع ۴)

تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں (تھوڑا سا) خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے سو اس پر بھی تم میں سے بعض آدمی بخل کرنے لگتے ہیں (اگر زیادہ مانگا جاتا تو کیا کرتے) اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے (اس لئے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا نفع اسی کو ملتا) اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (اس کو تمہارے مال کی پرواہ نہیں) اور تم محتاج ہو (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور اسی لئے تمہیں صدقہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ اس کا نفع تمہیں کو پہنچتا ہے) اور اگر تم (اللہ تعالیٰ کے احکام سے) روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، اور پھر وہ تم جیسے (روگردانی کرنے والے) نہ ہوں گے (بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے)

ف: یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی کوئی غرض ہماری خیرات اور صدقات کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ اس نے جس قدر زیادہ ترغیبیں اپنے پاک کلام اور اپنے پاک رسولؐ کے ذریعہ سے فرمائی ہیں وہ ہمارے ہی نفع کے واسطے ہیں۔ چنانچہ پہلی فصل میں بہت سے دینی اور دُنیوی فوائد صدقہ کے گذر چکے ہیں، اور جب ایک حاکم، مالک خالق کسی شخص کو ایسے کام کا حکم کرے، جس سے حکم کرنے والے کا کوئی نفع نہ ہو بلکہ جس کو حکم دیا ہے اُسی کا نفع ہو اور پھر بھی وہ حکم عدولی کرے، تو یقیناً اس کا جتنا

خمیازہ بھی بھگتے وہ ظاہر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بہت سے لوگوں کو نعمتیں اس لئے دیتا ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچائیں۔ جب تک وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ نعمتیں اُن کے پاس رہتی ہیں جب وہ اس سے رُوگردانی کرنے لگتے ہیں، وُہ نعمتیں اُن سے چھین کر حق تعالیٰ شانہٗ دوسروں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں (کنز) اور یہ نعمتیں مال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ عزت، وجاہت، اثر وغیرہ سب ہی چیزیں اس میں داخل ہیں اور سب کا یہی حال ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی کہ "اگر تم رُوگردانی کروگے تو اللہ جلّ شانہٗ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا" تو بعض صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ یہ لوگ کن میں سے ہوں گے جو ہماری رُوگردانی کی صورت میں ہمارے بدل ہوں گے۔ تو حضورؐ نے حضرت سلمانؓ فارسی کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور ان کی قوم۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر دین ثریا (جو چند ستاروں کے مجموعہ کا نام ہے) پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہیں سے دین کو پکڑتے۔ متعدد روایات میں یہ مضمون آیا ہے۔ (درمنثور)

یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو دین کی اتنی پرواز عطا فرمائی ہے کہ دین اور علم کو، اگر وہ ثریا پر ہوتا، وہاں سے بھی حاصل کرتے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت ترمذی شریف سے نقل کی ہے۔ اور اسی طرح ایک اور روایت میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا، کہ حضورؐ کے سامنے عجمی لوگوں کا ذکر کیا گیا، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اُن پر یا اُن میں سے بعض پر تم سے یا تم میں سے بعض سے زیادہ اعتماد ہے (مشکوٰۃ)

اور یہ ظاہر ہے کہ عجم میں بعض بعض اکابر ایسے اُونچے درجے اور حالات کے پیدا ہوئے ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کو چھوڑ کر دوسرے اعتبارات سے ان کے کمالات بہت اُونچے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے بہت سے فضائل حدیث میں آئے ہیں، اور آنے بھی چاہئیں کہ دینِ حق کی تلاش میں انہوں نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں بہت سے ملکوں کی خاک چھانی۔ اُن کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ ڈھائی سو سال میں تو کسی معتمد

کا اختلاف ہی نہیں ہے۔ بعض نے ساڑھے تین سو سال بتائی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ۔ حتّٰی کہ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسٰی علٰی نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زمانہ پایا اور حضورؐ کے اور حضرت عیسٰیؑ کے زمانہ میں چھ سو سال کا فرق ہے۔ ان کو پہلی کتابوں سے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نبیّ آخر الزّماں کے مبعوث ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ یہ حضورؐ کی تلاش میں نکل پڑے اور راہبوں سے اور اس زمانہ کے عالموں سے تحقیق کرتے رہے اور وہ لوگ حضورؐ کے عنقریب پیدا ہونے کی بشارت اور حضورؐ کی علامات بتاتے رہے۔ یہ فارس کے شہزادوں میں تھے۔ اسی تلاش میں مُلک در مُلک تلاش کرتے پھرتے تھے۔ کسی نے ان کو قید کر کے اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ پھر یہ اسی طرح بکتے رہے۔ خود فرماتے ہیں :۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ مجھے دس آقاؤں سے زیادہ نے خریدا اور فروخت کیا۔ آخر میں مدینہ منوّرہ کے ایک یہودی نے ان کو خریدا۔ اس وقت حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اُن کو اس کی خبر ہوئی۔ یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جو علامات ان کو بتائی گئی تھیں۔ ان علامات کو جانچا اور امتحان کیا۔ اس کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے یہودی آقا سے فدیہ دے کر (جس کو مُکاتَب بننا کہتے ہیں) آزاد ہوئے ایک حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالٰی شانہٗ چار آدمیوں کو محبوب رکھتے ہیں جن میں سلمانؓ بھی ہیں (اصابہ) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کسی سے محبّت نہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ چار محبوبوں میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لئے حق تعالٰی شانہٗ نے سات نُجَباء بناتے ہیں (یعنی مخصوص جماعت برگزیدہ لوگوں کی جو اس نبی کے کام کی ظاہری اور باطنی نگرانی کرنیوالے اور مدد کرنے والے ہوں) لیکن میرے لئے حق تعالٰی شانہٗ نے چودہ ۱۴ نُجَباء مقرر فرمائے ہیں۔ کسی نے عرض کیا، وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں یعنی عہ حضرت علیؓ اور میرے دونوں بیٹے (حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ) اور حضرت جعفرؓ اور حضرت حمزہؓ،

عہ اس روایت کے راوی خود حضرت علیؓ ہیں۔

ابوبکرؓ، عمرؓ، مُصْعَبؓ بن عُمَیر، بلالؓ، سلمانؓ، عمّارؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ۔ (مشکوٰۃ)

حالات کی تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے کسی اہم امر میں ان حضرات کی خصوصیات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب سورۂ جمعہ کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ نازل ہوئی، تو صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضورؐ نے سکوت فرمایا۔ صحابہؓ نے مکرّر دریافت کیا حتیٰ کہ تین دفعہ سوال کیا۔ تو حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے اُوپر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر ہوتا، تو ان میں سے بعض آدمی وہاں سے بھی لے آتے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر علم ثریا پر ہوتا۔ دوسری حدیث میں ہے۔ اگر دین ثریا پر ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہاں سے بھی لے آتے۔ (فتح الباری)

علامہ سیوطیؒ جو خود محققین شافعیہ میں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فضائل میں پیشین گوئی کے طور پر ایسی صحیح چیز ہے، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (مقدمہ اوجز)

(۱۰) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں) ان جانوں کے پیدا ہونے سے پہلے لکھی ہوئی ہے اور یہ بات (کہ وقوع سے اتنا پہلے لکھ دینا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان کام ہے (اور یہ اس لئے بتلا دیا) تاکہ جو چیز (عافیت مال یا اولاد وغیرہ) تم سے جاتی رہے اس پر (زیادہ) رنج نہ کرو اور جو تم کو عطا اس پر اِترَاؤ نہیں (اس لئے کہ اتراوے وہ جس کو

يَتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ (حدید۔ ع ۳) اپنے استحقاق سے ملے اور جو دوسرے کے حکم سے ایک چیز ملے اس پر کیا اترانا) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (بالخصوص) جو لوگ ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور جو (اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے یا دینی کاموں سے) اعراض کرے گا، تو اللہ تعالیٰ (کا کیا نقصان کرے گا وہ تو) بے نیاز ہے حمد کے لائق۔

ف: مَصائب پر رنج تو طبعی چیز ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنا زیادہ رنج نہ ہو کہ دین اور دُنیا کے سب ہی کاموں سے روک دے اور یہ بھی طبعی بات ہے کہ جب کسی بات کے مُتعلق یہ پختہ یقین پہلے سے ہو جائے کہ فلاں بات ہو کر رہے گی، کسی سَعی اور کوشش سے وہ مُلتوی نہیں ہو سکتی تو پھر اُس پر رنج و غم ہلکا ہو جایا کرتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ کوئی بات خلافِ توقّع پیش آئے تو اس پر رنج زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس آیتِ شریفہ میں اس پر مُتَنَبِّہ کر دیا کہ موت و حیات، رنج و خوشی، راحت و آفت یہ سب چیزیں ہم نے پہلے سے طے کر رکھی ہیں وہ اسی طرح ہو کر رہیں گی۔ پھر اس میں اترانے یا غم سے ہلاکت کے قریب ہو جانے کی کیا بات ہے۔

آیتِ شریفہ میں دو لفظ وارد ہوئے ہیں۔ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ، جس کا ترجمہ اترانے والے شیخی باز کا کیا ہے۔ اِترانا اپنے آپ ہوتا ہے یعنی دوسرے کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ اور شیخی دوسرے کے سامنے اور دوسرے کے مقابلہ میں ہوا کرتی ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اِختیال تو ایسی چیزوں پر اترانا ہوتا ہے جو آدمی کے اندر ذاتی کمال ہوں۔ اور فخر ایسی چیزوں پر ہوتا ہے، جو خارجی ہوں۔ جیسا مال، جاہ وغیرہ۔ (بیانُ القرآن)

حضرت قَزْعَہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عُمرؓ کو موٹے کپڑے پہنے دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں خُراسان کے بنے ہوئے نرم کپڑے یہ لایا ہوں اگر آپ ان کو پہن لیں تو آپ کے بدن پر یہ کپڑے دیکھ کر میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔

اُنہوں نے فرمایا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ کپڑے پہن کر کہیں میں مُختال فخور نہ بن جاؤں۔ (درمنثور) یعنی ان کے پہننے سے کہیں مجھ میں عُجب اور تفاخر پیدا نہ ہونے لگے۔

(۱۱) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ	یہی (منافقین) وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں
لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ	کہ یہ جو لوگ رسولُ اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم)
رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ط	کے پاس جمع ہیں، اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں
وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ	تک کہ یہ آپ ہی (خرچ نہ ملنے کی وجہ سے
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس
لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (منافقون۔ ع ۲)	سے) مُنتشر ہو جائیں گے اور (بیوقوف

یہ نہیں جانتے کہ) اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمینوں کے لیکن یہ منافق (احمق ہیں) سمجھتے نہیں ہیں۔

ف : مُتعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ عبداللہ بن اُبَی رئیس المنافقین اور اس کی ذرّیات نے یہ کہا کہ یہ لوگ جو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جمع ہیں، ان کی اِعانت کرنا چھوڑ دی جائے۔ یہ بھوک سے پریشان ہو کر خود بخود مُنتشر ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اور بالکل حق ہے۔ روز مرّہ کا مُشاہدہ ہے، سینکڑوں مرتبہ اس کا تجربہ ہوا کہ جب بھی کسی دینی کام کرنے والوں کے مُتعلق عناد اور بد باطنیت سے لوگوں نے یا کسی خاص فرد نے اِعانت روکی اللہ جلّ شانُہٗ نے اپنے لطف و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ یہ ہر شخص کو یقین کے ساتھ سمجھ لینا چاہئے کہ روزی اللہ جلّ شانُہٗ نے اپنے اور صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھی ہے۔ وہ کسی کے باپ کے بند کرنے سے بھی بند نہیں ہوتی۔ البتہ بند کرنے والے دین کی اِعانت سے ہاتھ روک کر آخرت میں اللہ جلّ جلالُہٗ کے یہاں جواب دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جہاں نہ تو جھوٹ چل سکتا ہے کہ ہماری یہ غرض تھی اور وہ غرض تھی۔ نہ کوئی بیرسٹر یا وکیل کام دے سکتا ہے۔ فرضی حیلے تراش کر کے اللہ کے اور دین کے کاموں سے پہلو تہی کرنے سے بجز اس کے کہ اپنی ہی عاقبت خراب کی جائے اور کوئی فائدہ نہیں

ذاتی عناد اور دُنیوی اَغراضِ فاسدہ کی وجہ سے کسی دینی کام میں روڑے اٹکانا، یا کسی دین کا کام کرنے والے کی اِعانت سے ہاتھ روکنا یا دوسروں کو روکنا اپنا ہی نقصان کرنا ہے کسی دوسرے کا نقصان نہیں۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت پہلوتہی کرے جبکہ اس کی آبرو گرائی جارہی ہو، اس کا اِحترام توڑا جارہا ہو، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی مدد کرنے سے ایسے وقت میں بے اِلتفاتی فرماتے ہیں جبکہ یہ کسی مدد کرنے والے کی مدد کا خواہشمند ہو۔ (مشکوٰۃ)

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عمل اُمت کے لئے شاہراہ ہے۔ ہر چیز میں اس کی کوشش ہر اُمتی کا فرض ہے کہ حضورؐ کا طریقہ کیا تھا، اور اس راہ پر چلنے کی حَتَّی الْوُسْع کوشش کرنا چاہیئے۔ حُضورؐ کا معمول تھا کہ دشمنوں کی اِعانت سے بھی دریغ نہ تھا۔ سیکڑوں واقعات کُتُبِ احادیث و تاریخ میں اس پر شاہد ہیں خود یہی عبداللہ بن اُبَیّ منافقوں کا سردار جس قدر تکالیف اور اَذیتیں پہنچا سکتا تھا، اس نے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی شخص کا مقولہ اسی سفر کا جس میں آیت بالا نازل ہوئی، یہ ہے کہ ”جب ہم لوگ مدینہ واپس پہنچ جائیں گے تو عزّت دار لوگ یعنی ہم لوگ ان ذلیلوں کو (یعنی مسلمانوں کو) مدینہ سے نکال دیں گے“ لیکن ان سب حالات کے باوجود اسی سفر سے واپسی کے چند روز بعد یہ بیمار ہوا تو اپنے بیٹے سے جو بہت بڑے پکے مسلمان تھے کہا کہ تم جاکر حضورؐ کو میرے پاس بُلا لاؤ، تمہارے بُلانے سے وہ ضرور آجائیں گے۔

یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باپ کی درخواست نقل کی حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اسی وقت جوتے پہن کر ساتھ ہولئے۔ جب حضورؐ کو اس نے دیکھا تو رونے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن کیا گھبرا گیا۔ اُس نے کہا۔ میں نے اس وقت آپ کو تنبیہ کے واسطے نہیں بُلایا بلکہ اس واسطے بُلایا کہ اس وقت مجھ پر رحم کریں، یہ کلمہ سُن کر حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا۔ کیا چاہتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میری موت کا وقت قریب ہے۔

جب مَیں مر جاؤں تو میرے غسل دینے میں آپ موجود ہوں اور اپنے ملبُوس میں مجھے کفن دیں، اور میرے جنازہ کے ساتھ قبر تک جائیں اور میری نمازِ جنازہ پڑھیں حضورؐ نے ساری درخواستیں اس کی قبول فرمائیں۔ جس پر آیت شریفہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ (براءۃ۔ ع ۱۱) نازل ہوئی (درمنثور) جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے منافقین کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی ممانعت فرمائی۔

یہ تھا حضورؐ کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ، اور یہ کرم تھا ان کمینوں کے ساتھ جو کسی وقت بھی سب وشتم اور عیب تراشی میں کمی نہ کرتے تھے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاملہ کر سکتے ہیں کہ اس جانی دشمن کی تکلیف کو دیکھ کر رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور جتنی فرمائشیں اس نے اپنے کفر کے باوجود کیں حضورؐ نے اپنے کرم سے سب پوری کیں اپنا کرتہ مبارک اُتار کر اس کو کفن کیلئے مرحمت فرمایا اور بقیہ سب درخواستیں بھی پوری کیں۔ گو کفر کی وجہ سے اس کو کارآمد نہ ہو سکیں بلکہ آئندہ کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس انتہائی کرم کی ممانعت اُتر آئی۔

(۱۲) اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ

ہم نے (ان مکّہ والوں کو سامانِ عیش دے کر) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ یہ ان نعمتوں میں کیا عمل کرتے ہیں) جیسا کہ (ان سے پہلے) ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جبکہ ان باغ والوں نے آپس میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ اس باغ کا پھل ضرور صبح کو جا کر توڑ لیں گے اور (ان کو ایسا پختہ یقین تھا کہ) انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک عذاب پھر گیا (جو ایک آگ تھی یا لُو) اور وہ لوگ سو رہے تھے۔ پس صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت (کہ خالی

لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۂ قلم۔ ع ۱)

زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ اس کو کاٹ کر اس جگہ آگ بھی لگا دی جاتی ہے) پس صبح کو سویرے وہ باغ والے ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل توڑنا ہے تو سویرے چلو۔ پس چلتے ہوئے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جارہے تھے کہ آج کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے وہ اپنے خیال میں اس کے روکنے پر اپنے آپ کو قادر سمجھ کر چلے (کہ سب کچھ خود ہی لے آئیں گے) جب وہاں پہنچ کر اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے (کہیں اور پہنچ گئے یہ تو وہ باغ نہیں ہے لیکن جب قرائن سے معلوم ہوا کہ یہ وہی جگہ ہے تو کہنے لگے) کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ ان میں جو ایک آدمی (کسی قدر) نیک تھا (لیکن عمل میں اُن کا شریک حال تھا) کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا (کہ ایسی بدنیتی نہ کرو۔ غریبوں کے دینے سے برکت ہوتی ہے اب) اللہ کی پاکی کیوں نہیں بیان کرتے (یعنی توبہ استغفار کرو) وہ باغ والے کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے، بیشک ہم قصوروار ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو الزام دینے لگے (جیسا کہ عام طور سے عادت ہے کہ جب کوئی کام بگڑ جاتا ہے تو ہر ایک دوسرے کو قصوروار بتایا کرتا ہے) پھر سب کے سب کہنے لگے کہ بیشک ہم سب ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے (کسی ایک پر الزام نہیں ہے سب کی یہی صلاح تھی، سب مل کر توبہ کرو اس کی برکت سے) شاید ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ دیدے اب ہم توبہ کرتے ہیں (اس کے بعد

اللہ جلّ جلالہٗ تنبیہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ) اسی طرح (دنیا کا) عذاب ہوا کرتا ہے (کہ بعض چیزوں کو فنا کر دیتے ہیں) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ اس بات کو جان لیتے (کہ غریبوں سے بخل کا نتیجہ اچھا نہیں)۔

ف: یہ بڑی عبرت کا قصہ ہے جو ان آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ جو لوگ غربا، مساکین اہلِ ضرورت کو نہ دینے کے عہد پیمان کرتے ہیں، قسمیں کھا کھا کر وعدے کرتے ہیں، کہ ان ضرورت مندوں کو ایک پیسہ بھی نہیں دیا جائے گا، ایک وقت کی روٹی بھی نہ دی جائے گی، یہ نالائق ہرگز اعانت کے مستحق نہیں اُن کو دینا بیکار ہے۔ وہ اپنے سارے مال سے یوں بیک وقت ہاتھ دھو لیتے ہیں اور جو نیک دل اس طرز کو پسند نہیں کرتے لیکن عملاً لحاظ و ملاحظہ میں اُن کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں وہ بھی عذاب کی بلا سے نجات نہیں پاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں جو واقعہ گذرا ہے وہ حبشہ کے رہنے والے آدمیوں کا ہے۔ اُن کے باپ کا ایک بہت بڑا باغ تھا وہ اس میں سے مانگنے والوں کو بھی دیا کرتا تھا۔ جب اُس کا انتقال ہو گیا تو اُس کی اولاد کہنے لگی کہ ابا جان تو بیوقوف تھے، سب کچھ ان لوگوں پر بانٹ دیتے تھے۔ پھر قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم صبح ہی سارا باغ کاٹ لائیں گے اور کسی فقیر کو اس میں سے کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس باغ کے مالک بڑے میاں کا دستور یہ تھا کہ اس کی پیداوار میں سے اپنا ایک سال کا خرچ رکھ کر باقی سب کا سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ ان کی اولاد ان کو اس طرز سے روکتی رہتی تھی مگر وہ نہ مانتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کی اولاد نے یہ کوشش کی جو اُوپر ذکر کی گئی کہ سارا کا سارا روک لیں اور کسی غریب کو کچھ نہ دیں۔

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ یہ باغ یمن میں تھا۔ اس جگہ کا نام ضروان تھا جو (یمن کے مشہور شہر) صنعاء سے چھ میل تھا۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ وہ عذاب جو اس باغ پر مسلط ہوا۔ جہنم کی گھاٹی سے ایک آگ نکلی جو اس پر پھر گئی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں، کہ یہ باغ انگور کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتے رہا کرو۔ آدمی بعض گناہ ایسے کرتا ہے کہ اسکی نحوست سے علم کا ایک حصہ بھول جاتا ہے (یعنی حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور پڑھا ہوا بھول جاتا ہے) اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے تہجّد کو آنکھ نہیں کھلتی، اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی آمدنی جو بالکل اس کیلئے آنے کو تیار ہوتی ہے جاتی رہتی ہے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ آیتِ شریفہ تلاوت فرمائی فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ (الاٰیۃ) اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ کی وجہ سے اپنے باغ کی پیداوار سے محروم ہو گئے (درمنثور)۔

خود حق سبحانہٗ و تقدّس کا قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (شوریٰ ع ۴) ترجمہ: "اور جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کی بدولت پہنچتی ہے اور (ہر گناہ پر نہیں پہنچتی بلکہ) بہت سے گناہ تو حق تعالیٰ شانہٗ معاف فرما دیتے ہیں"

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر تمہیں بتاؤں۔ اے علی! جو کچھ بھی تمہیں پہنچے، مرض ہو یا کسی قسم کا عذاب یا دنیا کی اور کوئی مصیبت ہو، وہ اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اس مضمون کو بندہ اپنے رسالہ "اعتدال" میں تفصیل سے لکھ چکا ہے، وہاں دیکھا جائے۔

(۱۲) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّيْ

اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (نہایت ہی حسرت سے) کہے گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی سب قصہ ختم کر دیتی (قیامت ہی نہ آتی

سُلْطَانِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ (الحاقہ۔ع ۱)

جو حساب کتاب ہوتا) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔ میری جاہ (آبرو) بھی جاتی رہی۔ (اس کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا) اس کو پکڑو اور اس کو طوق پہنادو، پھر جہنّم میں اسکو داخل کردو، پھر ایک ستّر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑدو۔ اس لئے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا تھا (اور خود تو کیا کھلاتا) دوسرے آدمیوں کو بھی غریب کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا پس نہ تو آج اس کا کوئی یہاں دوست ہے اور نہ اس کے لئے کوئی چیز کھانے کو ہے بجز غِسلین کے جس کو بجز بڑے گناہ گاروں کے اور کوئی نہ کھائے گا۔

ف: غِسلین کا مشہور ترجمہ دھوون کا ہے۔ یعنی زخموں وغیرہ کے دھونے سے جو پانی جمع ہو جائے وہ غِسلین کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ زخموں کے اندر سے جو لہو پیپ وغیرہ نکلتی ہے وہ غِسلین ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ غِسلین کا ایک ڈول اگر دُنیا میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو سے ساری دنیا سڑ جائے نوف شامیؒ سے نقل کیا گیا کہ وہ زنجیر جو ستّر گز لمبی ہے، اس کا ہر گز ستّر باع ہے اور ہر باع اتنا لمبا ہے کہ مکّہ مکرمہ سے کوفہ تک پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اور دوسرے مفسّرین سے نقل کیا گیا کہ یہ زنجیر پاخانہ کی جگہ کو داخل کرکے ناک میں کو نکالی جائے گی اور پھر اس پر لپیٹ دی جائے گی جس سے وہ بالکل جکڑا جائے گا۔ (درمنثور)

اس آیتِ شریفہ میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے پر بھی عتاب ہے۔ اس لئے آپس میں اپنے عزیزوں کو، اپنے احباب کو، ملنے والوں کو غرباء پر، مساکین

کو کھلانے پلانے پر خاص طور سے ترغیب دیتے رہنا چاہیئے کہ دوسروں کو ترغیب دینے سے اپنے اندر سے بھی بخل کا مادہ کم ہوگا۔

(۱۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۭ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ (الهمزه)

بڑی خرابی ہے ایسے شخص کیلئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، منہ در منہ طعنہ دینے والا ہو، مال جمع کرکے رکھتا ہے اور (غایت محبت سے) اس کو بار بار گنتا ہے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ مال اسکے پاس ہمیشہ رہیگا ہرگز نہیں (یہ مال ہمیشہ نہیں رہیگا) خدا کی قسم یہ شخص ایسی آگ میں ڈال دیا جائے گا کہ اس میں جو چیز پڑ جائے، وہ آگ اس کو توڑ پھوڑ کر ڈال دے۔ آپ کو خبر بھی ہے وہ کیسی توڑ دینے والی آگ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی (یعنی دنیا کی آگ تو جہاں بدن میں لگی آدمی مرگیا، اور وہاں چونکہ موت نہیں ہے اس لئے بدن میں لگتے ہی دل تک پہنچ جائے گی اور دل کی ذرا سی ٹیس بھی آدمی کو بہت محسوس ہوتی ہے) اور وہ آگ ان لوگوں پر بند کردی جائے گی اس طرح پر کہ وہ لوگ لمبے لمبے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

ف: ہمزہ لمزہ کی تفسیر میں مختلف اقوال علماء کے ہیں۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے جو اوپر نقل کی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے ہمزہ کی تفسیر طعن دینے والا اور لمزہ کی تفسیر غیبت کرنے والا نقل کی گئی ہے۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ ہمزہ اشارہ سے ہوتا ہے آنکھ کے، منہ کے، ہاتھ کے، جس کے بھی اشارہ سے ہو۔ اور لمزہ زبان سے ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معراج کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے مردوں کی ایک جماعت دیکھی، جن کے بدن قینچیوں سے

کترے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو زینت اختیار کرتے تھے (یعنی حرام کاری کے لئے بن سنور کر نکلتے تھے) پھر میں نے ایک کنواں دیکھا، جس میں نہایت سخت بدبُو آرہی تھی اور اس میں چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو (حرام کاری کے لئے) بنتی سنورتی تھیں اور ناجائز کام کرتی تھیں۔ پھر میں نے کچھ مرد اور عورتیں مُعلّق دیکھیں جو پستانوں کے ذریعہ سے لٹک رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہیں۔ تو جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ طعن دینے والے چغل خوری کرنے والے ہیں۔ (درمنثور)

اللہ جلّ شانُہٗ اپنے فضل سے ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔ بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اس سورتِ شریفہ میں بخل اور حرص کی خاص طور سے مذمّت ارشاد فرمائی ہے کہ بخل کی وجہ سے مال جمع کرکے رکھتا ہے اور حرص کی وجہ سے بار بار گنتا ہے کہ کہیں کم نہ ہو جائے۔ اور اتنی محبّت اس سے ہے کہ اس کے بار بار گننے میں بھی مزہ آتا ہے۔ اور یہ بُری عادت تکبّر اور تعلّی کا سبب بنتی ہے جس کی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی اور اُن پر طعن و تشنیع پیدا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس سورت کے شروع میں ان عیوب پر تنبیہ فرمانے کے بعد اس بُری خصلت کی مذمّت ذکر کی ہے۔ اور ہر شخص اس خبط میں مُبتلا ہے کہ مال کی افزائش اس کو آفات اور حوادث سے بچا سکتی ہے۔ گویا مال دار کو موت آتی ہی نہیں، اس لئے اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ واقعات بھی کثرت سے اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب کوئی آفت اور مصیبت مُسلّط ہوتی ہے یہ مال و متاع سب رکھا رہ جاتا ہے۔ بلکہ مال کی کثرت بسا اوقات خود آفات کو کھینچتی ہے۔ کوئی زہر دینے کی فکر میں ہوتا ہے، کوئی قتل کرنے کی اور لوٹ مار چوری ڈاکہ، سینکڑوں آفات اس مال کی بدولت آدمی پر مُسلّط رہتی ہیں۔ اور جب مال زیادہ ہو جاتا ہے پھر تو عزیز و اقارب، بیوی بیٹا سب ہی دل سے اس کی خواہش کرنے لگتے ہیں کہ بڈھا کہیں مرے تو یہ ہمارے ہاتھ آئے۔

⑮ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

(سورۂ ماعون)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے پس (اس شخص کا حال یہ ہے کہ) یتیم کو دھکے دیتا ہے اور غریب کو (خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی اُن کے) کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا پس ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں کو بُھلا بیٹھتے ہیں (یعنی نہیں پڑھتے، اور اگر کبھی پڑھتے بھی ہیں تو) وہ لوگ دکھاوا کرتے ہیں اور ماعُون کو روکتے ہیں (بالکل دیتے ہی نہیں)۔

ف: حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ یتیم کو دھکے دینا یہ ہے کہ اس کا حق روکتے ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کے دھکّے دینے سے اس پر ظلم کرنا مراد ہے اور یہ چیز قیامت کے دن کو غلط سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کو آخرت کے دن کا یقین ہوگا، وہاں کی جزا اور سزا کا پورا وُثوق ہوگا۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور اپنے مال کو جمع کرکے نہیں رکھے گا بلکہ خوب خرچ کرے گا۔ اس لئے کہ جس کو اس کا کامل یقین ہو جائے، کہ آج اگر میں اس تجارت میں دس روپے لگا دوں، کل کو ضرور مجھے ایک ہزار جائز طریقہ سے ملیں گے وہ کبھی بھی اس میں تأمّل نہ کرے گا۔

اور جن نمازیوں کا اس میں ذکر ہے اُن کے مُتعلّق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ منافق لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے سامنے تو دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے ہیں اور جہاں کہیں اکیلے ہوں، اس کو چھوڑ دیں۔ حضرت سعدؓ وغیرہ مُتعدِّد حضرات سے نقل کیا گیا کہ نماز کو چھوڑنے سے مراد تاخیر سے پڑھنا ہے کہ بے وقت پڑھتے ہیں۔

ماعُون کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اس کی تفسیر بعض علماء سے زکوٰۃ نقل

کی گئی ہے۔ لیکن اکثر علماء سے جو تفسیریں منقول ہیں، اُن کے موافق معمولی روزمرہ کے برتنے کی چیزیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے زمانہ میں ماعُون کا مصداق یہ چیزیں قرار دیتے تھے۔ ڈول مانگا دے دینا، ہانڈی، کلہاڑی، ترازو اور اس قسم کی جو چیزیں ایک دوسرے کو مانگی دے دی جاتی ہیں کہ اپنا کام پورا کرکے واپس کردیں۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ماعُون سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ کلہاڑی، دیگچی، ڈول وغیرہ۔ اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون کثرت سے ذکر کیا گیا۔ عکرمہؓ سے کسی نے ماعُون کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی جڑ تو زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ درجہ چھلنی، ڈول، سوئی کا دینا ہے۔ (درمنثور)

اس سورتِ شریفہ میں کئی چیزوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔ من جملہ ان کے یتیموں کے بارے میں خاص تنبیہ ہے کہ ہلاکت کے اسباب میں سے یتیم کو دھکے دے کر نکال دینا بھی ہے۔ بہت سے لوگ یتیموں کے والی وارث بن کر ان کا مال اپنے تصرف میں لاتے ہیں اور جب وہ یا اس کی طرف سے کوئی مطالبہ کرے تو اس کو ڈانٹتے ہیں۔ ان پر ہلاکت اور عذاب شدید میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ یہی نوع اس سورتِ شریفہ کا شانِ نزول بتایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں بہت کثرت سے یتیموں کے بارے میں تنبیہات اور آیات نازل ہوئی ہیں۔ چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ جلّ جلالہٗ عمّ نوالہٗ نے کس اہتمام سے اس پر تنبیہ بارہا فرمائی ہے۔

(۱) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ (بقرہ ع۱۰) (۲) وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ۔ (بقرہ ع۲۲) (۳) قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى (بقرہ ع۲۶) (۴) وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط (بقرہ ع۲۷) (۵) وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ (نساء ع۱) (۶) وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى (نساء ع۱) (۷) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

(الیٰ قولہٖ) وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا ط (نساء۔ ع ۱)
(۸) وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى الآية (نساء۔ ع ۱)
(۹) إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا الآية (نساء۔ ع ۱)
(۱۰) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى الآية (نساء۔ ع ۶)
(۱۱) وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الآية (نساء۔ ع ۱۹)
(۱۲) وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ط (نساء۔ ع ۱۹) (۱۳) وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (انعام۔ ع ۱۹) (۱۴) بنی اسرائیل ع ۴۔
(۱۵) مَا أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ الآية (حشر۔ ع ۱) (۱۶) وَيُطْعِمُوْنَ
الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا الآية (دہر۔ ع ۱) (۱۷) كَلَّا بَلْ
لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ الآية (فجر۔ ع ۱) (۱۸) أَوْ إِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ
مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (بلد۔ ع ۱) (۱۹) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا (والضحیٰ)
(۲۰) فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (والضحیٰ)

یہ بیس آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں اور آیات کی سورت اور رکوع بھی لکھ دیئے ہیں۔ اگر کسی مترجم قرآن شریف میں ان کو نکال کر ترجمہ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ جل شانہٗ نے بار بار مختلف عنوانوں سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یتیموں کے بارے میں ان کی اِصلاح، ان کی خیر خواہی، ان کے مال میں احتیاط، ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ، ان کی اصلاح اور فلاح کی کوشش، حتّٰی کہ اگر کسی یتیم لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے مہر کو کم نہ کرنے پر بھی تنبیہ کی گئی کہ کس مپرسی کی وجہ سے اس کے مہر میں بھی کمی نہ کی جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ میں اور وہ شخص جو کسی یتیم کی کفالت کرتا ہو، جنت میں ایسے قریب ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ اس ارشاد پر حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے یہ دو قریب ہیں ملی ہوئی ہیں، ایسے ہی میں اور وہ شخص جنت میں قریب ہوں گے۔ اور بعض علماء

نے فرمایا ہے کہ بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے تھوڑی سی آگے نکلی ہوئی ہوتی ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میرا درجہ نبوّت کی وجہ سے تھوڑا سا آگے بڑھا ہوا ہوگا اور اس کے قریب ہی اس شخص کا درجہ ہوگا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کسی یتیم کے سر پہ (شفقت سے) ہاتھ پھیرے اور صرف اللہ جَلَّ شانُہٗ کی رضا کے واسطے ایسا کرے تو اس کا ہاتھ یتیم کے سر کے جتنے بالوں پر پھرے گا، ہر بال کے بدلہ میں اس کو نیکیاں ملیں گی اور جو شخص کسی یتیم لڑکے یا لڑکی پر احسان کرے تو میں اور وہ شخص جنّت میں اس طرح ہوں گے دہی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا، جیسا اُوپر گذرا۔ اور بھی کئی حدیثوں میں مختلف عُنوان سے یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ قبروں سے ایسے اُٹھیں گے کہ اُن کے منہ میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے تو حضور نے آیاتِ گذشتہ میں سے نویں آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وُہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں"۔ شبِ معراج میں حضور نے ایک قوم کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں کی طرح سے بڑے بڑے ہیں اور فرشتے ان پر مُسلّط ہیں کہ وہ ان کے ہونٹوں کو چیر کر اُن میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ٹھونس رہے ہیں، کہ وہ آگ مُنہ سے داخل ہو کر پاخانہ کی جگہ سے نکلتی ہے۔ اور وہ لوگ نہایت آہ و زاری سے چلا رہے ہیں۔ حضور نے حضرت جبرئیل ؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو اُنہوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے اُن کو آگ کھلائی جا رہی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ چار قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ جَلَّ شانُہٗ نہ تو جنّت میں داخل فرمائیں گے، نہ جنّت کی نعمتیں ان کو چکھنا نصیب ہوں گی۔ ایک وہ شخص جو ہمیشہ شراب پیتا ہو، دوسرے سُود خوار، تیسرے وہ شخص جو ناحق یتیم کا مال کھائے۔

چوتھے وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرے (درمنثور) حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یتیموں پر احسان دو قسم کا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو وارثوں پر واجب ہے۔ مثلاً اس کے مال کی حفاظت کہ اُس میں زراعت یا تجارت وغیرہ سے ترقی ہو تاکہ اس کا نفقہ اور ضروریات پوری ہو سکیں، اور اس کی خوراک پوشاک وغیرہ کی خبر گیری۔ نیز اس کے لکھنے پڑھنے اور تعلیم آداب وغیرہ کی خبر گیری۔ دوسری قسم وہ ہے جو عام آدمیوں پر واجب ہے۔ اور وہ اس کی ایذا کو ترک کرنا ہے، اور نرمی اور مہربانی سے اس سے پیش آنا ہے۔ محفلوں اور مجالس میں اپنے پاس بٹھانا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اپنی اولاد کی طرح اس کو گود میں لینا اور اس سے محبت ظاہر کرنا۔ اس لئے کہ جب وہ یتیم ہو گیا اور اس کا باپ نہ رہا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سب بندوں کو حکم کیا، کہ اس کے ساتھ باپ جیسا برتاؤ کریں اور اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں، تاکہ باپ کے مرنے کی وجہ سے جو عجز بےکسی اس کو لاحق ہو گیا، اس قوتِ حقیقی کے ساتھ کہ ہزاروں آدمی اس کے باپ کی جگہ ہو جائیں، دُور ہو جائے۔ پس یتیم بھی قرابتِ شرعی رکھتا ہے جیسا کہ دوسرے اَقارِب قرابتِ عُرفی رکھتے ہیں (سورۂ بقرہ)۔ دوسرا مضمون جو آیتِ بالا میں خصوصی مذکور ہے وہ مسکین کے کھانے پر ترغیب نہ دینے پر تنبیہ ہے اور گویا بخل کے انتہائی درجہ کی طرف اِشارہ ہے کہ خود تو وہ اپنا مال کیا خرچ کرتا، وہ یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ دوسرا بھی کوئی فقیروں پر خرچ کرے۔

قرآن پاک میں مسکینوں کے کھانا کھلانے پر بہت سی آیات میں ترغیب دی گئی۔ جن میں سے بعض پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ سورۂ فجر میں ہے کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۙ اس میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی کہ تم لوگ نہ تو یتیموں کا اکرام کرتے ہو۔ نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

تیسری چیز جو آیتِ بالا میں ذکر کی گئی وہ مَاعُوْن کا روکنا ہے جس کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ اس سورت کا نام

مانعون اس وجہ سے ہے کہ یہ احسان کا ادنیٰ درجہ ہے اور جب کہ احسان نہ کرنے کا ادنیٰ درجہ بھی مُوجِب حجاب و عتاب ہے تو اعلیٰ درجہ یعنی حقوق اللہ اور حقوق الناس کے ضائع کرنے سے بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیئے۔

یہاں تک اس مضمون کے متعلق چند آیات ذکر کی گئی ہیں۔ آگے چند احادیث اس مضمون کے متعلق لکھی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بخل اور مال کو جمع کر کے رکھنا، کس قدر سخت چیز ہے۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَ سُوْءُ الْخُلُقِ۔ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایک تو بخل دوسری بد خلقی۔

ف: یعنی کوئی شخص مؤمن ہو کر بخیل بھی ہو اور بد خلق بھی۔ یہ مؤمن کی شان ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ اسی سے ہاتھ دھو بیٹھیں کہ جیسا ہر خوبی دوسری خوبی کو کھینچتی ہے' ایسے ہی ہر عیب دوسرے عیب کو کھینچتا ہے۔ دوسری حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر حضور کا ارشاد ہے کہ شحّ (یعنی بخل کی اعلیٰ قسم) ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی (مشکوٰۃ) کہ ان دونوں چیزوں کا اجتماع گویا ضدّین کا اجتماع ہے۔ جیسا کہ آگ اور پانی کا جمع ہونا، کہ جونسی چیز غالب ہوگی وہ دوسرے کو فنا کر دے گی۔ اگر پانی غالب ہے آگ کو بجھا دے گا۔ آگ غالب ہے تو پانی کو جلا دے گی۔ ایسے ہی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے منافی ہیں جونسی چیز غالب ہوگی رفتہ رفتہ دوسری کو فنا کر دے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کوئی ولی ایسا نہیں ہوا۔ جس میں اللہ جلّ شانہٗ نے دو عادتیں پیدا نہ کر دی ہوں'

ایک سخاوت دوسرے خوش خلقی۔ (کنز)

دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ کا کوئی ولی ایسا نہیں ہے جو سخاوت کا عادی نہ بنایا گیا ہو (کنز) اور بہت ظاہر بات ہے کہ اگر اللہ جل شانہٗ سے تعلق اور محبت ہے، تو اس کی مخلوق پر خرچ کرنے کو بے اختیار دل چاہے گا، کہ محبوب کے عزیز و اقارب کی خاطر محبت کے لوازمات سے ہے اور جب مخلوق اللہ کی عیال ہے تو اُن پر خرچ کرنے کو ولی کا دل ضرور چاہے گا، اور اس کے عیال میں بھی جس کا تعلق اس کے ساتھ جتنا زیادہ قوی ہوگا اتنا ہی اس پر خرچ کرنے کو زیادہ چاہے گا۔ اور اگر نہ چاہے تو معلوم ہوا کہ مال کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ جھوٹ ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ۔ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت میں نہ تو چال باز (دھوکہ باز) داخل ہوگا نہ بخیل، نہ صدقہ کرکے احسان رکھنے والا۔

ف: علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات کے ساتھ کوئی شخص بھی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ اگر کسی مومن میں یہ بُری صفات خدانخواستہ پائی جاتی ہوں گی تو اول تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو دنیا ہی میں اُن سے توبہ کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ اور اگر یہ نہ ہوا تو اول جہنم میں داخل ہوکر ان صفات کا تنقیہ ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوسکے گا لیکن جہنم میں داخل ہونا۔ چاہے تھوڑی ہی دیر کے لئے ہو کیا کوئی معمولی اور آسان کام ہے، دنیا کی آگ میں تھوڑی دیر کے لئے ڈالا جانا کیا اثرات پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ یہ آگ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ آگ کیا کچھ کم ہے یہ تو خود ہی بہت کافی اذیت پہنچانے والی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اس سے انہتر درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ (مشکوۃ)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جہنّم میں سب سے کم عذاب والا شخص وُہ ہوگا، جس کو جہنّم کی آگ کی صرف دو جوتیاں پہنائی جائیں گی اور ان کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا جوش مارے گا جیسا کہ ہنڈیا آگ پر جوش مارتی ہے (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں آیا، کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جنّتِ عدن کو اپنے دستِ مبارک سے بنایا۔ پھر اس کو آراستہ اور مُزیّن کیا۔ پھر فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اس میں نہریں جاری کریں، اور پھل اس میں لٹکائیں جب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی زیب و زینت کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا، کہ میری عزّت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میرے عرش پر بلندی کی قسم، تجھ میں بخیل نہیں آسکتا۔ (کنز)

(۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِىْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِىْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ مَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ (متفق علیه کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں تشریف رکھتے تھے۔ مجھے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا کہ کعبہ کے ربّ کی قسم وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں۔ میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان کون لوگ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جن کے پاس مال زیادہ ہو مگر وہ لوگ جو اس طرح اس طرح اس طرح (خرچ) کریں اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لیکن ایسے آدمی بہت کم ہیں۔

ف: حضرت ابوذرؓ زاہدین صحابہؓ میں ہیں جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا، اُن کو دیکھ کر یہ ارشاد حقیقۃً ان کی تسلی تھی کہ اپنے فقر و زہد پر کسی وقت بھی خیال نہ کریں کہ یہ مال و متاع کی کثرت فی ذاتہٖ کوئی محبوب چیز نہیں بلکہ بڑے خسارے اور نقصان کی چیز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ جلّ شانہٗ سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔ روزمرّہ کا مُشاہدہ ہے کہ بغیر تنگدستی کے اللہ کی طرف رجوع بہت ہی کم ہوتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کو اللہ جلّ شانہٗ نے توفیق عطا فرمائی ہے، اور وہ ضرورت کے مواقع میں جہاں

اور جس طرف ضرورت ہو، چاروں طرف بخشش کا ہاتھ پھیلاتے ہوں اُن کے لئے مال مُضِر نہیں ہے۔

لیکن حضورؐ نے خود ہی ارشاد فرما دیا کہ ایسے آدمی کم ہیں۔ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جہاں مال کی کثرت ہوتی ہے۔ فسق و فجور، آوارگی عیاشی اپنے ساتھ لاتی ہے اور بے محل خرچ کرنا۔ نام و نمود پر صرف کرنا تو دولت کے ادنیٰ کرشموں میں سے ہے۔ بیاہ شادیوں اور دوسری تقریبات پر بے جا اور بے محل ہزاروں روپیہ خرچ کر دیا جائیگا لیکن اللہ کے نام پر ضرورت مندوں اور بھوکوں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہی نہ نکلے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ دنیا میں زیادہ مالدار ہیں وہی لوگ آخرت میں کم سرمایہ والے ہیں۔ مگر وہ شخص جو حلال ذریعہ سے کمائے اور یوں یوں خرچ کرے (کنز) پہلی حدیث کی طرح یوں یوں کا اشارہ اِدھر اُدھر خرچ کرنے کی طرف ہے۔ حقیقت میں مال اس کے لئے زینت اور عزت ہے جو اس کو اِدھر اُدھر خرچ کر دے، اور جو گن گن کر باندھ کر رکھے۔ اس کے لئے یہ ہر قسم کی آفات کا پیش خیمہ ہے۔ اس کو بھی ہلاک کرتا ہے اور خود بھی اس کے پاس سے ضائع ہوتا ہے۔ یہ بے مروّت کسی شخص کو دین یا دنیا کا فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچاتا، جبتک اس کے پاس سے جُدا نہ ہو۔

(۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

(رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخی آدمی اللہ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے جہنم سے دُور ہے۔ اور بخیل آدمی اللہ سے دُور ہے، جنت سے دُور ہے آدمیوں سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ بے شک جاہل سخی اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

ف: یعنی جو شخص عبادت بہت کثرت سے کرتا ہو، نوافل بہت لمبی لمبی پڑھتا ہو اس سے وہ شخص اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے جو نوافل کم پڑھتا ہو لیکن سخی ہو۔ عابد سے مراد نوافل کثرت سے پڑھنے والا ہے۔ فرائض کا پڑھنا تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے چاہے سخی ہو یا نہ ہو۔

امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ شیطان سے دریافت فرمایا کہ تجھے سب سے زیادہ کون شخص محبوب ہے اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت مومن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق سخی سے ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ یہ کیا بات ہے اس نے عرض کیا کہ بخیل تو اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بے فکر رکھتا ہے۔ یعنی اس کا بخل ہی جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے، لیکن فاسق سخی پر مجھے ہر وقت فکر سوار رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگذر نہ فرمادیں۔ (احیاء)

یعنی اگر حق تعالیٰ شانہٗ اس کی سخاوت کی وجہ سے کسی وقت اس سے راضی ہو گئے تو اس کے دریائے مغفرت و رحمت میں عمر بھر کے فسق و فجور کی کیا حقیقت ہے۔ وہ سب کچھ معاف فرما سکتا ہے۔ ایسی صورت میں میری عمر بھر کی محنت جو اس سے گناہ صادر کرانے میں کی تھی، ساری ضائع ہو گئی۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ اللہ جل شانہٗ کے ساتھ حسنِ ظن کی وجہ سے کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ بدظنی سے کرتا ہے (کنز) حسنِ ظن کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے یہ عطا فرمایا وہ پھر بھی عطا فرما سکتا ہے۔ اور ایسے شخص کے اللہ سے قریب ہونے میں کیا تردد ہے اور بدظنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ختم ہو گئے تو پھر کہاں سے آئیں گے۔ ایسے شخص کا اللہ جل شانہٗ سے دور ہونا ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ کو بھی محدود سمجھتا ہے۔ حالانکہ آمدنی کے اسباب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب سے پیداوار کا ہونا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو دوکاندار ہاتھ پر ہاتھ

رکھے بیٹھا ہے۔ کاشتکار بوئے اور پیداوار نہ ہو اور جبکہ یہ سب اسی کی عطا کیوجہ سے ہے پھر اُس کا کیا مطلب کہ پھر کہاں سے آئیگا۔ مگر ہم لوگ زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد دل سے یہ نہیں سمجھتے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی کی عطا ہے۔ ہمارا اسمیں کوئی دخل نہیں اور صحابہ کرامؓ دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب اُسی کی عطا ہے جس نے آج دیا وہ کل بھی دیگا اسلئے انکو سب کچھ خرچ کردینے میں ذرا بھی تامل نہ ہوتا تھا۔

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِی النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ (رواه البيهقى فى شعب الايمان كذا فى المشكوٰة)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سخاوت جنّت میں ایک درخت ہے۔ پس جو شخص سخی ہوگا وہ اُس کی ایک ٹہنی پکڑلے گا، جس کے ذریعہ سے وہ جنّت میں داخل ہوجائے گا، اور بخل جہنّم کا ایک درخت ہے جو شخص شحیح (بخیل) ہوگا، وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑلے گا، یہاں تک کہ وہ ٹہنی اُس کو جہنّم میں داخل کرکے رہے گی۔

ف: شُح بخل کا اعلیٰ درجہ ہے جیساکہ پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۸ پر گذر چکا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جب بخل جہنّم کا درخت ہے تو اس کی ٹہنی پکڑ کر جو شخص چڑھے گا وہ جہنّم ہی میں پہنچے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنّت میں ایک درخت ہے جس کا نام سخا ہے، سخاوت اسی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور جہنّم میں ایک درخت ہے جس کا نام شُح ہے، شُح اسی سے پیدا ہوا ہے۔ جنّت میں شحیح داخل نہ ہوگا (کنز)۔ یہ پہلے متعدد مرتبہ معلوم ہوچکا کہ شُح بخل کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سخاوت جنّت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دُنیا میں جھک رہی ہیں۔ جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اس کو جنّت تک پہنچادیتی ہے اور بخل جہنّم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں دُنیا میں جھک

رہی ہیں۔ جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے ٹہنی اسکو جہنم تک پہنچا دیتی ہے (کنز)۔
یہ ظاہر چیز ہے کہ جو سڑک اسٹیشن پر جاتی ہے جب آدمی اس سڑک پر چلتا ہے گا تو لا محالہ کسی وقت اسٹیشن پر پہنچے گا۔ اسی طرح سے یہ ٹہنیاں جن درختوں کی ہیں جب ان کو کوئی پکڑ کر چڑھے گا تو جہاں وہ درخت کھڑا ہے وہاں پہنچ کر رہے گا۔

(۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ ھَالِعٌ وَّجُبْنٌ خَالِعٌ۔ (رواہ ابوداؤد وکذا فی المشکوٰۃ)۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین عادتیں جو آدمی میں ہوں (دو ہیں)۔ ایک وہ بخل ہے جو بے صبر کر دینے والا ہو دوسرے وہ نامردی اور خوف، جو جان نکال دینے والا ہو۔

ف: ان دو عیبوں کی طرف اللہ جل شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں بھی تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِشَھٰدٰتِھِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ ۝ (معارج ع ۱)

پوری آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ:
"بیشک انسان کم ہمت (تھوڑے اور کچے دل کا) پیدا ہوا ہے۔ جب اس کو

تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو خیر (مال) پہنچتی ہے. تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں کے لئے اور سوال نہ کرنے والوں کے لئے مقررہ حق ہے، اور وہ لوگ جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، بیشک اُن کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یقیناً اس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے) اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام جگہ سے) محفوظ رکھتے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا باندیوں سے (حفاظت کی ضرورت نہیں) کیوں کہ ان پر ان میں کوئی الزام نہیں (یعنی ان لوگوں پر بیویوں اور باندیوں سے صحبت کرنے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے) ہاں جو لوگ ان کے علاوہ (اور جگہ شہوت پوری کرنے) کے طلب گار ہوں، وہ حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے (سپرد کی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد (قول وقرار) کا خیال رکھنے والے ہوں، اور اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہوں، اور جو اپنی فرض نماز کی پابندی کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت سے داخل ہوں گے"۔ فقط

یہ ان آیات کا ترجمہ ہے اور اس قسم کا پورا مضمون اس کے قریب قریب دوسری جگہ سورۂ مومنون کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔

حضرت عمران بن حُصَینؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عمامہ کا سرا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ عمران حق تعالیٰ شانہٗ کو خرچ کرنا بہت پسند ہے اور روک کر رکھنا ناپسند ہے، تو خرچ کیا کر اور لوگوں کو کھلایا کر۔ کسی کو مضرت نہ پہنچا کر تجھ پر تیری طلب میں مضرت ہونے لگے گی۔ غور سے سُن! حق تعالیٰ شانہٗ شبہات کے وقت تیز نظر کو پسند کرتے ہیں (یعنی جس امر میں جائز ناجائز کا شبہ ہو اس میں باریک نظر سے کام لینا چاہیئے، ویسے ہی سرسری طور پر جو چاہے کر گذرنا نہ ہو) اور شہوتوں کے وقت کامل عقل کو پسند کرتے ہیں (کہ شہوت کے غلبہ میں عقل نہ کھو دے) اور سخاوت کو پسند کرتے ہیں چاہے چند کھجوریں ہی خرچ کرے (یعنی اپنی حیثیت کے موافق

زیادہ نہ ہو سکے تو کم میں شرم نہ کرے جو ہو سکے خرچ کرتا رہے) اور بہادری کو پسند کرتے ہیں چاہے سانپ اور بچھو ہی کے قتل میں کیوں نہ ہو (کنز) لہٰذا ذرا سی خوف کی چیز سے ڈر جانا اللہ جَلَّ شَانُہٗ کو پسند نہیں ہے۔ اگر دل میں خوف پیدا بھی ہو، تو اس کا اظہار نہ کرنا چاہیئے بلکہ قوّت کے ساتھ اس کو دفع کرنا چاہیئے۔ حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے جو دعائیں اُمّت کی تعلیم کے لئے منقول ہیں، ان میں نامردی سے پناہ مانگنا بھی نقل کیا گیا ہے اور مُتعدِّد دعاؤں میں اس سے پناہ مانگنا نقل کیا گیا (بخاری)۔

(۷) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔

(رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

ف: یقیناً جس شخص کے پاس اتنا ہے کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے، اور پاس ہی بھوکا پڑوسی ہے تو اس کے لئے ہرگز ہرگز زیبا نہیں کہ خود پیٹ بھر کر کھائے اور وہ غریب بھوک میں تلملاتا رہے۔ ضروری ہے کہ اپنے پیٹ کو کچھ کم پہنچائے اور پڑوسی کی بھی مدد کرے۔ ایک حدیث میں ہے۔ حُضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ جو خود پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کو یہ بات معلوم ہے کہ اُس کا پڑوسی اُس کے برابر میں بھوکا ہے (ترغیب)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کا دامن پکڑے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے۔ یا اللہ اس سے پوچھیں کہ اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا اور مجھے اپنی ضرورت سے زائد جو چیز ہوتی تھی وہ بھی نہ دیتا تھا (ترغیب)۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے۔ لوگو صدقہ کرو، میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔ شاید تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہونگے جن کے پاس رات کو سیر ہونے کے بعد بچ رہے اور اس کا چچازاد بھائی بھوک کی حالت میں

رات گذارے، تم میں شاید کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو خود تو اپنے مال کو بڑھاتے رہیں اور اُن کا مسکین پڑوسی کچھ نہ کما سکے۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ آدمی کے بخل کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اپنا حق پورا کا پورا لوں گا، اس میں سے ذرا سا بھی نہیں چھوڑوں گا (کنز) یعنی تقسیم وغیرہ میں، رشتہ داروں سے ہو یا پڑوسیوں سے اپنا پورا حق وصول کرنے کی فکر میں لگا رہے، ذرا ذرا سی چیز پر کھینچ و کاؤ کرے یہ بھی بخل کی علامت ہے۔ اگر تھوڑا بہت دوسرے کے پاس چلا ہی جائے گا، تو اس میں کیا مر جائے گا۔

(۸) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رضؓ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتْ اِمْرَأَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ۔ (متفق علیہ کذا فی المشکوۃ)۔

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ ایک عورت کو اس پر عذاب کیا گیا کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا۔ جو بھوک کی وجہ سے مر گئی نہ تو اس نے اس کو کھانے کو دیا، نہ اُس کو چھوڑا کہ وہ زمین کے جانوروں (چوہے وغیرہ) سے اپنا پیٹ بھر لیتی۔

ف: جو لوگ جانوروں کو پالتے ہیں، ان کی ذمہ داری بہت سخت ہے۔ کہ وہ بے زبان جانور اپنی ضروریات کو ظاہر بھی نہیں کر سکتے۔ ایسی حالت میں ان کے کھانے پینے کی خبر گیری بہت اہم اور ضروری ہے۔ اس میں بخل سے کام لینا اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے تیار کرنا ہے۔ بہت سے آدمی جانوروں کے پالنے کا تو بڑا شوق رکھتے ہیں لیکن اُن کے گھاس دانہ پر خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون نقل کیا گیا کہ ان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک اُونٹ نظرِ اقدس سے گذرا۔ جس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ (بھوک کی وجہ سے یا دُبلے پن کی وجہ سے)۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ ان کی اچھی حالت میں اُن پر سوار ہُوا کرو، اور اچھی حالت میں ان کو کھایا کرو۔

حضورؐ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ استنجے کے لئے جنگل تشریف لے جایا کرتے۔ کسی باغ میں یا کسی ٹیلہ وغیرہ کی آڑ میں ضرورت سے فراغت حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ اس ضرورت سے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں ایک اُونٹ تھا جو حضورؐ کو دیکھ کر بڑانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے (ایک معروف چیز ہے کہ مصیبت زدہ کا کسی غم خوار کو دیکھ کر دل بھر آیا کرتا ہے) حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے، اُس کے کانوں کی جڑ پر شفقت کا ہاتھ پھیرا جس سے وہ چُپکا ہُوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس اُونٹ کا مالک کون ہے۔ ایک انصاری تشریف لائے، اور عرض کیا کہ میرا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس اللہ سے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا، ڈرتے نہیں ہو، یہ اُونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے کہ تم اس کو بھُوکا رکھتے ہو، اور کام زیادہ لیتے ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اُس کے مُنہ پر داغ دیا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم کو ابتک یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو جانور کے مُنہ کو داغ دے یا مُنہ پر مارے۔ ابُوداؤد شریف میں یہ روایات ذکر کی گئیں۔ ان کے علاوہ اور بھی مختلف روایات میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جانوروں کی خبر گیری میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اور جب جانوروں کا یہ حال ہے اور اُن کے بارہ میں یہ تنبیہات ہیں تو آدمی جو اشرف المخلوقات ہے، اس کا حال اظہر ہے اور زیادہ اہم ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس کی روزی اپنے ذمہ ہے اس کو ضائع کرے۔ اس لئے اگر کسی جانور کو اپنی کسی ضرورت سے روک رکھا ہے تو اس کے کھانے میں کنجوسی کرنا اور یہ سمجھنا کہ کون جانے

کس کو خبر ہوگی ؟ اپنے اُوپر سخت ظلم ہے۔ جاننے والا سب کچھ جانتا ہے، اور لکھنے والے ہر چیز کی رپورٹ لکھتے ہیں، چاہے کتنی ہی مخفی کی جائے۔ اور یہ آفت بخل سے آتی ہے کہ جانوروں کو اپنی ضرورت سے، سواری کی ہو یا کھیتی کی، دُودھ کی ہو یا کوئی اور کام لینے کی ہو، پالتے ہیں لیکن کنجوسی سے اُن پر پیسہ خرچ کرتے ہوئے دم نکلتا ہے۔

(۹) عَنْ اَنَسٍ رضؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ: اَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَ تَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَيَقُوْلُ اَرِنِيْ مَا قَدَّمْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَ ثَمَّرْتُهٗ وَ تَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ، فَاِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهٖ اِلَى النَّارِ۔ (رواه الترمذی وضعفه كذا فی المشكوٰة)

حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قیامت کے دن آدمی ایسا (ذلیل وضعیف) لایا جائے گا جیسا کہ بھیڑ کا بچہ ہوتا ہے اور اللہ جَلَّ جلالُہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا، خَشَم وخدم دیئے تجھ پر نعمتیں برسائیں۔ تُو نے ان سب انعامات میں کیا کارگذاری کی۔ وہ عرض کرے گا کہ مَیں نے خُوب مال جمع کیا۔ اُس کو (اپنی کوشش سے) بہت بڑھایا اور جتنا شروع میں میرے پاس تھا، اُس سے بہت زیادہ کرکے چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دُنیا میں واپس کردیں، مَیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر کردوں۔ ارشاد ہوگا مجھے تو وہ بتا جو تُو نے زندگی میں (ذخیرہ کے طور پر آخرت کے لئے) آگے بھیجا ہو۔ وہ پھر اپنا پہلا کلام دُہرائے گا کہ میرے پروردگار مَیں نے اس کو خُوب جمع کیا اور خُوب بڑھایا اور جتنا شروع میں تھا، اُس سے بہت زیادہ کرکے

چھوڑ آیا۔ آپ مجھے دُنیا میں واپس کر دیں، میں وُہ سب لے کر حاضر ہوں (یعنی خوب صدقہ کر دوں تاکہ وہ سب یہاں میرے پاس آجائے) چونکہ اس کے پاس کوئی ذخیرہ ایسا نہ نکلے گا جو اُس نے اپنے لئے آگے بھیج دیا ہو۔ اس لئے اُس کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔

ف : ہم لوگ تجارت میں، زراعت میں اور دوسرے ذرائع سے روپیہ کمانے میں جتنی محنت اور دردسری کر کے جمع کرتے ہیں، وہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ کچھ ذخیرہ اپنے پاس موجود رہے جو ضرورت کے وقت کام آئے۔ نہ معلوم کس وقت کیا ضرورت پیش آجائے۔ لیکن جو اصل ضرورت کا وقت ہے اور اس کا پیش آنا بھی ضروری اور اس میں اپنی سخت احتیاج بھی ضروری ہے، اور یہ بھی یقینی کہ اس وقت صرف وہی کام آئے گا جو اپنی زندگی میں خدائی بنک میں جمع کر دیا گیا ہو۔ کہ وہ تو جمع شدہ ذخیرہ بھی پورا کا پورا ملے گا اور اس میں اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے اِضافہ بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن اس کی طرف بہت ہی کم اِلتفات کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی یہ زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے بہرحال ایک دن ختم ہو جانیوالی ہے۔ اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونیوالی نہیں ہے دنیا کی زندگی میں اگر اپنے پاس سرمایہ نہ ہے تو اسوقت محنت مزدوری بھی کی جاسکتی ہے، بھیک مانگ کر بھی زندگی کے دن پورے کئے جاسکتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں ہے۔ وہاں صرف وہی کام آئے گا جو ذخیرہ کے طور پر آگے بھیج دیا گیا۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ میں جنّت میں داخل ہوا تو میں نے اس کی دونوں جانب تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں۔ پہلی سطر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا تھا۔ دوسری سطر میں مَا قَدَّمْنَا وَجَدْنَا وَمَا اَكَلْنَا رَبِحْنَا وَمَا خَلَفْنَا خَسِرْنَا لکھا تھا (جو ہم آگے بھیج دیا وہ پالیا اور جو دُنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان میں رہا) اور تیسری سطر میں لکھا تھا اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ (اُمّت گنہگار اور ربّ بخشنے والا ہے)۔ (برکاتِ ذکر)

پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۶ پہ گذر چکا کہ اس دن نہ تجارت ہے۔ نہ دوستی نہ سفارش۔ اسی فصل میں نمبر ۳۰ پہ اللہ جلّ شانُہٗ کا ارشاد گذرا ہے کہ ہر شخص یہ دیکھ لے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو فرشتے تو یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ذخیرہ اپنے حساب میں جمع کرایا؟ کیا چیز کل کے لئے بھیجی؟ اور آدمی یہ پوچھتے ہیں، کیا مال چھوڑا۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تم میں کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال، اپنے سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال اپنے وارث سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اُس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ گیا، وہ اس کا مال نہیں، اس کے وارث کا مال ہے۔ (مشکوٰۃ عن البخاری)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ آدمی کہتا ہے، میرا مال میرا مال۔ اُس کے مال میں سے اس کے لئے صرف تین چیزیں ہیں۔ ۱ جو کھا کر ختم کر دیا۔ ۲ یا پہن کر پُرانا کر دیا۔ ۳ یا اللہ کے یہاں اپنے حساب میں جمع کرا دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ اُس کا مال نہیں ہے، لوگوں کے لئے چھوڑ جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

اور بڑا لُطف یہ ہے کہ آدمی اکثر ایسے لوگوں کے لئے جمع کرتا ہے۔ محنت اُٹھاتا ہے مصیبت جھیلتا ہے تنگی برداشت کرتا ہے، جن کو وہ اپنی خواہش سے ایک پیسہ دینے کا روادار نہیں ہے۔ لیکن جمع کر کے چھوڑ جاتا ہے، اور مقدّرات انہی کو سارے کا وارث بنا دیتے ہیں جن کو وہ ذرا سا بھی دینا نہ چاہتا تھا۔ اَرطاۃؒ بن سہیۃ کا جب اِنتقال ہونے لگا تو انہوں نے چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"آدمی کہتا ہے کہ میں نے بہت مال جمع کیا، لیکن اکثر کمانے والا دوسروں کے یعنی وارثوں کے لئے جمع کرتا ہے۔ وہ خود تو اپنی زندگی میں اپنا بھی حساب لیتا رہتا ہے کہ کتنا کہاں خرچ ہوا، کتنا کہاں ہوا۔ لیکن بعد میں ایسے لوگوں کی لُوٹ کے لئے چھوڑ جاتا ہے، جن سے حساب بھی نہیں لے سکتا

کہ سارا کہاں اُڑا دیا۔ پس اپنی زندگی میں کھالے اور کھلائے اور بخیل وارث سے چھین لے۔ آدمی خود تو مرنے کے بعد نامراد رہتا ہے (کوئی اسکو اس مال میں یاد نہیں رکھتا) دوسرے لوگ اس کو کھاتے اُڑاتے ہیں۔ آدمی خود تو اس مال سے محروم ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگ اس سے اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ (اتحاف)

ایک حدیث میں یہ قصہ جو اُوپر کی حدیث میں ذکر کیا گیا۔ دوسرے عنوان سے وارد ہوا کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے دریافت فرمایا۔ تم میں کوئی ایسا ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم میں ہر شخص ایسا ہی ہے جس کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ سوچ کر کہو۔ دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم تو ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ ہم میں ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ کس طرح۔ حضورؐ نے فرمایا، تمہارا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا، اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ (کنز) یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے، کہ اِن روایات کا مقصد وارثوں کو محروم کرنا نہیں ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ حضرت سَعْد بن اَبِی وَقَاصؓ فتح مکہ کے زمانہ میں ایسے سخت بیمار ہوئے کہ زیست کی اُمید نہ رہی۔ حُضورؐ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے پاس مال زیادہ ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے سارے مال کی وصیّت کر دوں (کہ اسوقت انکی اولاد صرف ایک بیٹی ہی تھی اور اُس کا تکفّل اُسکے خاوند کے ذمہ) حُضورؐ نے منع فرمادیا۔ انہوں نے دو تہائی کی اجازت چاہی حضورؐ نے اس کا بھی انکار فرمادیا، پھر نصف کی درخواست بھی قبول نہیں فرمائی۔ تو انہوں نے ایک تہائی وصیت کی اجازت چاہی حضورؐ نے اسکی اجازت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو (یعنی مرنے کے وقت

جو بھی ہوں۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد اور بھی اولاد ہو گئی تھی) غنی چھوڑو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو فقیر چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ جو خرچ اللہ کے واسطے کیا جائے وہ ثواب کا موجب ہے، حتّٰی کہ اللہ کے لئے اگر ایک لقمہ بیوی کو دیا جائے تو اس پر بھی اجر ہے۔ (مشکوٰۃ عن الصحیحین)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا یہ قصہ پہلی حدیث یعنی تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کو وارث کا مال محبوب ہو گئے منافی نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کا مقصد اپنی صحت اور ضرورت کے وقت میں صدقہ کرنے کی ترغیب ہے اور حضرت سعدؓ کے قصہ میں مرض الموت میں سارا یا اکثر حصہ مال کا وصیت کرنا مقصود ہے (فتح)۔ بندہ ناکارہ کے نزدیک صرف یہی نہیں بلکہ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے وصیت کرنا موجبِ عتاب وعقاب ہے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ بعض مرد اور عورت اللہ کی فرمانبرداری میں ساٹھ سال گذارتے ہیں اور جب مرنے کا وقت آتا ہے تو وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے جہنّم کی آگ اُن کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہؓ نے قرآن پاک کی آیت مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ط (نساء، ع ۲) پڑھی جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو ورثہ کو تقسیم مال کی تفصیل بیان ہوئی ہے وہ وصیت کے بقدر مال نکالنے کے بعد ہے۔ اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو قرض کی مقدار بھی وضع کرنے کے بعد اس حال میں کہ وصیت کرنے والا کسی وارث کو ضرر نہ پہنچائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو کسی وارث کی میراث کو قطع کرے، اللہ جل شانہٗ اس کی میراث کو جنّت سے قطع کرے گا (مشکوٰۃ) لہٰذا اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ وصیت اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں یہ ارادہ اور نیّت ہرگز نہ ہو، کہ کہیں فلاں وارث نہ بن جائے۔ بلکہ ارادہ اور نیّت اپنی ضرورت کا پورا کرنا، اپنے لئے ذخیرہ بنانا ہو۔ آدمی کے ارادہ اور نیّت کو عبادات میں بہت زیادہ دخل ہے حضورؐ کا

پاک ارشاد جو بہت زیادہ مشہور ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کہ اعمال کا مدار نیت اور ارادہ پر ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت اللہ کے واسطے پڑھی جائے، تو کتنی زیادہ مُوجِب اجر، مُوجِبِ ثواب، مُوجِب قُربت کہ کوئی دوسری عبادت اس کے برابر نہیں۔ یہی چیز ریاکاری اور دکھاوے کے واسطے پڑھی جائے تو شرکِ اصغر اور وبال بن جائے۔ اس لئے خالص نیت اللہ کی رضا اور اپنی ضرورت میں کام آنا ہونا چاہیئے۔ جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں، اپنی تندرستی میں اس حالت میں جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میں پہلے مروں گا یا وارث پہلے مرجائے گا اور کون وارث ہوگا کون نہ ہوگا، ایسے وقت میں خرچ کرے اور خُوب خرچ کرے۔ جتنا زیادہ سے زیادہ صدقہ کرسکتا ہے، کرے۔ وصیت کرے، وقف کرے، اور جن مَواقعِ خیر میں زیادہ ثواب کی اُمید ہو، ان کی فکر وجستجو میں رہے۔ یہ نہیں کہ اپنے وقت میں تو بخل کرے اور جب مرنے لگے تو سخی بن جائے۔ جیسا کہ حضورؐ کا پاک ارشاد پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۵ پر گذر چکا، کہ افضل صدقہ وہ ہے جو حالتِ صحت میں کیا جائے نہ یہ کہ جب جان نکلنے لگے تو کہے کہ اتنا فلاں کا، اتنا فلاں کا۔ حالانکہ مال فلاں کا (یعنی وارث کا) ہو گیا۔

خُوب سمجھ لو! میں سب سے پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہوں، اس کے بعد اپنے دوستوں کو، کہ ساتھ جانے والا صرف وہی مال ہے جس کو اللہ کے بینک میں جمع کردیا۔ اور جس کو جمع کرکے اور خُوب زیادہ بڑھا کر چھوڑ دیا وہ اپنے کام نہیں آتا۔ بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی اولاد پوچھتے ہیں۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہ۔ اپنا ہی کیا اپنے کام آتا ہے۔ ان سب کی ساری محبّتوں کا خلاصہ دوچار دن ملنے ٹلنے کرنا ہے اور پانچ سات مفت کے آنسو بہانا ہے۔ اگر ان آنسوؤں میں بھی پیسے خرچ کرنا پڑیں تو یہ بھی نہ رہیں۔

یہ خیال کہ اولاد کی خیر خواہی کی وجہ سے مال کو جمع کرکے چھوڑنا ہے، نفس کا محض دھوکہ ہے۔ صرف مال جمع کرکے اُن کے لئے چھوڑ جانا، اُن کے ساتھ خیر خواہی نہیں ہے

بلکہ شاید بدخواہی بن جائے۔ اگر واقعی اولاد کی خیرخواہی مقصود ہے، اگر واقعی یہ دل چاہتا ہے کہ وہ اپنے مرنے کے بعد پریشان حال، ذلیل وخوار نہ پھریں، تو اُن کو مال دار چھوڑنے سے زیادہ ضروری اُنکو دیندار چھوڑنا ہے کہ بد دینی کے ساتھ مال بھی اوّلاً اُن کے پاس باقی نہ رہے گا، چند یوم کی لذّات وشہوات میں اُڑ جائے گا اور اگر رہا بھی تو اپنے کسی کام کا نہیں ہے اور دینداری کے ساتھ اگر مال نہ بھی ہو تو اُنکی دینداری اُن کے لئے بھی کام آنے والی چیز ہے اور اپنے لئے بھی کام آنے والی چیز ہے اور مال میں سے تو اپنے کام آنے والا صرف وہی ہے جو ساتھ لے گیا۔

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے دو[۲] غنی اور دو فقیروں کو وفات دی۔ اس کے بعد ایک غنی سے مطالبہ فرمایا کہ اپنے واسطے آگے کیا بھیجا اور اپنے عیال کے واسطے کیا چھوڑ کر آیا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! تُو نے مجھے بھی پیدا کیا، اور ان کو بھی تُو نے ہی پیدا کیا اور ہر شخص کی روزی کا تو نے ہی ذمہ لیا۔ اور تُو نے قرآن پاک میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ط (پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۵ پر گذر چکی ہے) اس بنا پر میں نے اپنا مال آگے بھیج دیا اور مجھے یہ بات مُحَقَّق تھی کہ آپ ان کو روزی دیں ہی گے۔ ارشاد ہوا اچھا جاؤ۔ اگر تمہیں (دُنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا کیا (انعام و اکرام) ہے تو دُنیا میں بہت خوش ہوتے اور بہت کم رنجیدہ ہوتے۔

اس کے بعد دوسرے غنی سے مطالبہ ہوا کہ تونے کیا اپنے لئے بھیجا اور کیا عیال کے لئے چھوڑا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! میری اولاد تھی مجھے انکی تکلیف اور فقر کا ڈر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ کیا میں نے ہی تجھ کو اور اُن کو سب کو پیدا نہ کیا تھا؟ کیا میں نے سب کی روزی کا ذمہ نہیں اُٹھایا تھا؟ اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ بیشک ایسا ہی تھا لیکن مجھے اُن کے فقر کا خوف ہی بہت ہوا۔ ارشاد ہوا کہ فقر تو اُن کو پہنچا، کیا تونے اس کو ان سے روک دیا۔ اچھا جا۔ اگر تجھے (دُنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تیرے لئے میرے پاس کیا کیا (عذاب) ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔

پھر ایک فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے کیا اپنے لئے جمع کیا اور کیا عیال کیلئے چھوڑا اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! آپ نے مجھے صحیح سالم تندرست پیدا کیا، اور گویائی بخشی۔ اپنے پاک نام مجھے سکھائے، اپنے سے دعا کرنا سکھایا۔ اگر آپ مجھے مال دے دیتے تو مجھے یہ اندیشہ تھا کہ میں اس میں مشغول ہو جاتا۔ میں اپنی اس حالت پر جو تھی، بہت راضی ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اچھا جاؤ، میں بھی تم سے راضی ہوں۔ اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا ہے تو بہت زیادہ ہنستے اور بہت کم روتے۔

پھر دوسرے فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تُو نے اپنے لئے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا۔ اس نے عرض کیا۔ یا اللہ! آپ نے مجھے دیا ہی کیا تھا، جس کا اب سُوال ہے۔ اِرشاد ہوا۔ کیا ہم نے تجھے صحت نہ دی تھی، گویائی نہ دی تھی، کان، آنکھ نہ دیئے تھے، اور قرآن پاک میں یہ نہ کہا تھا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ "مجھ سے دعائیں مانگو، میں قبول کروں گا" اُس نے عرض کیا۔ یا اللہ! یہ تو بیشک سب صحیح ہے، مگر مجھ سے بھُول ہوئی۔ اِرشاد ہوا کہ اچھا آج ہم نے بھی تجھے بھُلا دیا۔ جا چلا جا۔ اگر تجھے خبر ہوتی کہ تیرے لئے ہمارے یہاں کیا کیا عذاب ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔ (کنز)

(۱۰) عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَّالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔ (رواہ ابن ماجة والدارمی کذا فی المشکوٰة)۔

حضرت عمرؓ حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص رزق (غلہ وغیرہ) باہر سے لائے (تاکہ لوگوں کو ارزاں دے) اُس کو روزی دی جاتی ہے، اور جو شخص روک کر رکھے وہ ملعُون ہے۔

ف: فقیہ ابُواللیثؒ سمرقندی فرماتے ہیں کہ باہر سے لانے والے سے وہ شخص مراد ہے جو تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں سے غلّہ خرید کر لائے تاکہ لوگوں کے ہاتھ (ارزاں) فروخت کرے تو اُس کو (اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف سے) روزی دی جاتی

ہے ۔کیونکہ لوگ اس سے مُنتَفِع ہوتے ہیں ۔اُن کی دعائیں اس کو لگتی ہیں ۔اور روکنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو روکنے کی نیت سے خرید کر رکھے اور لوگوں کو اُس سے نقصان پہنچے (تنبیہ الغافلین) یعنی گرانی کے انتظار میں روکے رکھے اور باوجود لوگوں کی حاجت کے فروخت نہ کرے ۔اس پر لعنت ہے ۔یعنی بخل اور لالچ اور نفع کمانے کی غرض سے غلّہ وغیرہ جن چیزوں کی لوگوں کو اپنی زندگی کے لئے اِحتیاج ہے ،خرید کر روکے رکھے اور گرانی کی زیادتی کا دن بدن اِنتظار کرتا رہے ،اس پر حضورؐ کی طرف سے لعنت کی گئی ۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص مسلمانوں پر اُن کے کھانے کو چالیس[۲] دن تک (باوجود سخت اِحتیاج کے) روکے رکھے (فروخت نہ کرے) حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کوڑھ کے مرض میں اور اِفلاس میں مُبتلا کرتے ہیں (مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور فقر میں مُبتلا کرتا ہے اُس پر بدنی عذاب (کوڑھ) بھی مُسلّط ہوتا ہے اور مالی عذاب اِفلاس و فقر بھی ۔اور اُس کے بالمُقابل پہلی حدیث میں گذر چکا کہ جو دوسری جگہ سے لاکر ارزانی سے فروخت کرتا ہے ،اللہ جَلّ شانہٗ خود اس کو روزی (اور نفع) پہنچاتے ہیں ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ غلّہ روکنے والا بھی کیسا بُرا آدمی ہے کہ اگر نرخ ارزاں ہوتا ہے تو اُس کو رنج ہوتا ہے اور گراں ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے ۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس[۴] دن (اِحتیاج کے باوجود) غلّہ روکے رکھے (فروخت نہ کرے) پھر اس کو لوگوں پر صدقہ کردے تو یہ صدقہ کرنا بھی اس روکنے کا کفّارہ نہ ہوگا ۔(مشکوٰۃ) ۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلی اُمتوں میں ایک بُزرگ ریت کے ایک ٹیلہ پر کو گذرے ۔گرانی کا زمانہ تھا ۔وہ اپنے دل میں یہ تمنا کرنے لگے کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلّہ کا ڈھیر ہوتا تو میں اس سے بنی اسرائیل کو خوب کھلاتا ۔حق تعالیٰ شانہٗ نے اُس زمانہ کے نبی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر وحی ارسال کی کہ فلاں بزرگ کو بشارت سُنادو کہ ہم نے تمہارے لئے اتنا ہی اجر وثواب لکھ دیا جتنا کہ یہ

ٹیلہ غلّہ کا ہوتا اور تم اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے (تنبیہ الغافلین)۔

حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں ثواب کی کمی نہیں ہے۔ اس کو اجر و ثواب دینے کیلئے نہ ذخیرہ کی ضرورت ہے، نہ آمدنی اور کمائی کی۔ اس کے ایک اشارہ میں ساری دُنیا کی پیدا وار ہے۔ وہاں لوگوں کا عمل اور اِخلاص دیکھا جاتا ہے اور جو اس کی مخلوق پر رحمت و شفقت کرتا ہے، اُس پر رحمت و شفقت میں وہاں کوئی کمی نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں چھ چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ سب سے پہلی چیز اللہ پر بھروسہ اور یقین ان چیزوں کا جن کا اللہ جلّ شانُہٗ نے خود ذمہ لے رکھا ہے۔ (مثلاً روزی وغیرہ)۔ دوسرے اللہ کے فرائض کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا۔ تیسرے زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے۔ چوتھے شیطان کا کہنا نہ ماننا، وہ ساری مخلوق سے حسد رکھتا ہے۔ پانچویں دنیا کے آباد کرنے میں مشغول نہ ہونا، کہ وُہ آخرت کو برباد کرے گی۔ چھٹے مسلمانوں کی خیر خواہی کا ہر وقت خیال رکھنا۔

فقیہ ابُو اللّیثؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی سعادت کی گیارہ علامتیں ہیں اور اس کی بد بختی کی بھی گیارہ علامات ہیں۔ سعادت کی گیارہ علامات یہ ہیں۔ ۱: دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ ۲: عبادت اور تلاوتِ قرآن کی کثرت۔ ۳: فضول بات سے احتراز۔ ۴: نماز کا اپنے اوقات پر خصُوصی اہتمام۔ ۵: حرام چیز سے چاہے ادنیٰ درجہ کی حرام ہو بچنا۔ ۶: صُلحاء کی صحبت اختیار کرنا۔ ۷: متواضع رہنا، تکبّر نہ کرنا۔ ۸: سخی اور کریم ہونا۔ ۹: اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا۔ ۱۰: مخلوق کو نفع پہنچانا۔ ۱۱: موت کو کثرت سے یاد کرنا۔

اور بد بختی کی علامات یہ ہیں۔ ۱: مال کے جمع کرنے کی حرص۔ ۲: دُنیوی لذّتوں اور شہوتوں میں مشغولی۔ ۳: بے حیائی کی گفتگو اور بہت بولنا۔ ۴: نماز میں سُستی کرنا۔ ۵: حرام اور مُشتبہ چیزوں کا کھانا اور فاسق فاجر لوگوں سے میل جول۔ ۶: بد خُلق ہونا۔

۷: متکبر اور فخر کرنے والا ہونا۔ ۸: لوگوں کے نفع پہنچانے سے یکسو رہنا۔ ۹: مسلمانوں پر رحم نہ کرنا۔ ۱۰: بخیل ہونا۔ ۱۱: موت سے غافل ہونا۔ (تنبیہ الغافلین)

بندۂ ناکارہ کے نزدیک ان سب کی جڑ موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے۔ جب وہ ہر وقت یاد آتی رہے گی۔ تو پہلی گیارہ علامات انشاء اللہ پیدا ہو جائیں گی۔ اور دوسری گیارہ سے بچاؤ حاصل ہو جائے گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ لذتوں کی توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ (مشکوٰۃ)

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ رضؓ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ رَجُلٌ اَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَلَا تَدْرِيْ لَعَلَّهٗ تَكَلَّمَ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ اَوْ بَخِلَ بِمَا لَا يَنْقُصُهٗ۔ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مجمع میں سے کسی نے ان کو بظاہر حالات کے اعتبار سے جنّتی بتایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہیں کیا خبر ہے، ممکن ہے کبھی انہوں نے بیکار بات زبان سے کوئی نکال دی ہو، یا کبھی ایسی چیز میں بخل کیا ہو، جس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔

ف: یعنی یہ چیزیں بھی ابتداء جنّت میں جانے سے مانع بن جاتی ہیں، حالانکہ بیکار باتوں میں منہمک رہنا اور فضول گفتگو میں اوقات ضائع کرنا ہم لوگوں کا ایسا دلچسپ مشغلہ ہے کہ شاید ہی کسی کی کوئی مجلس اس سے خالی ہوتی ہو۔ لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت علی الاُمّت کے قربان کہ حضورؐ نے ہر مشکل کا حل بتایا اور تیئس ۲۳ برس کے قلیل زمانہ میں ساری دُنیا کی ہر قسم کی ضرورتوں کا حل تجویز فرمایا۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ مجلس کا کفّارہ یہ دعاء ہے، مجلس ختم ہونے کے بعد اُٹھنے سے پہلے یہ دعاء پڑھ لیا کرے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (حصن حصین)

دوسری چیز حدیث بالا میں وہی بخل ہے کہ شاید ایسی چیز میں بخل کر لیا ہو جس سے کوئی نقصان نہیں تھا۔ ایک اور حدیث میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آیا ہے۔ اس میں حضور کا ارشاد ہے کہ شاید کسی لَا یَعْنِیْ چیز میں گفتگو کر لی ہو یا کسی لَا یَعْنِیْ چیز میں بخل کر لیا ہو (کنز) ہم لوگ بہت سی چیزوں کو بہت سرسری سمجھتے ہیں لیکن اللہ جل شانہٗ کے یہاں ثواب کے اعتبار سے بھی اور عذاب کے اعتبار سے بھی ان کا بہت اونچا درجہ ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کی کوئی بات زبان سے نکالتا ہے جس کو وہ کچھ اہم بھی نہیں سمجھتا، لیکن اس کی وجہ سے اس کے درجات بہت بلند ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا کہہ دیتا ہے جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ اتنا نیچے پھینک دیا جاتا ہے جتنی مشرق سے مغرب دور ہے (مشکوٰۃ)۔

(۱۲) عَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ رض بِضْعَةٌ مِّنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی خدمت میں کسی شخص نے گوشت کا ایک ٹکڑا (پکا ہوا) ہدیہ کے طور پر پیش کیا چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کا بہت شوق تھا، اس لئے حضرت اُمّ سلمہؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ اس کو اندر رکھ دے، شاید کسی وقت حضورؐ نوش فرما لیں۔ خادمہ نے اس کو اندر طاق میں رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک سائل آیا۔ اور دروازہ پر کھڑے ہو کر سوال کیا کہ کچھ اللہ کے واسطے دے دو، اللہ جل شانہٗ تمہارے یہاں برکت فرمائے۔ گھر میں سے جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ تجھ برکت دے (یہ اشارہ

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ إِذْهَبِيْ فَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ۔ (رواه البيهقي في دلائل النبوة كذا في المشكوة)

تھا کہ کوئی چیز دینے کے لئے موجود نہیں) وہ سائل تو چلا گیا۔ اتنے میں حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا کہ اُمِّ سلمہؓ میں کچھ کھانا چاہتا ہوں، کوئی چیز تمہارے یہاں ہے؟ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے خادمہ سے فرمایا کہ جاؤ، وہ گوشت حضورؐ کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ اندر گئیں اور جا کر دیکھا کہ طاق میں گوشت تو ہے نہیں، سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے (حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو واقعہ معلوم ہوا تو) حضورؐ نے فرمایا تم نے وہ گوشت چونکہ سائل (فقیر) کو نہ دیا اسلئے وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا۔

ف: بڑی عبرت کا مقام ہے۔ اَزواجِ مُطہرات کی سخاوت اور فیاضی کا کوئی کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ایک ٹکڑا گوشت کا اگر انہوں نے ضرورت سے روک لیا اور وُہ بھی اپنی ضرورت سے نہیں بلکہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ضرورت سے روکا۔ تو اس کا یہ حشر ہوا۔ اور یہ بھی حقیقۃً اللہ جَلَّ شانُہٗ کا خاص لُطف و کرم حضورؐ کے گھر والوں کے ساتھ تھا کہ اس گوشت کا جو اثر فقیر کو نہ دینے سے ہوا، وہ حضورؐ کی برکت سے اپنی اصلی حالت میں گھر والوں پر ظاہر ہو گیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرورت مند سے بچا کر اور انکار کر کے جو شخص کھاتا ہے وہ اثر اور ثمرہ کے اعتبار سے ایسا ہے، جیسا کہ پتھر کھا لیا ہو کہ اس سے اس چیز کا اصل فائدہ حاصل نہ ہو گا بلکہ سخت دِلی اور منافع سے محرومی حاصل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بہت سی اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نعمتیں کھاتے ہیں، لیکن اُن سے وہ فوائد بہت کم حاصل ہوتے ہیں جو ہونے چاہئیں

اور کہتے ہیں کہ چیزوں میں اثر نہیں رہا۔ حالانکہ حقیقت میں اپنی نیتیں خراب ہیں اس لئے بدنیتی سے فوائد میں کمی ہوتی ہے۔

(۱۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ (رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اس اُمت کی صلاح کی ابتداء (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) یقین اور دُنیا سے بے رغبتی سے ہوئی اور اس کے فساد کی ابتدا۔ بخل اور لمبی لمبی اُمیدوں سے (ہوگی)۔

ف: حقیقت میں بخل بھی لمبی لمبی اُمیدوں سے ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی دُور دُور کے منصوبے سوچتا ہے، پھر اس کے لئے جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اگر آدمی کو اپنی موت یاد آتی رہے، اور یہ سوچتا رہے کہ نہ معلوم کے دن کی زندگی ہے، تو پھر نہ تو زیادہ دُور کی سوچ وفکر ہو، نہ زیادہ جمع کرنے کی ضرورت ہو۔ بلکہ اگر موت یاد آتی رہے تو پھر اُس گھر کے لئے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی فکر ہر وقت سوار رہے۔

(۱۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ۔ قَالَ شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ أَمَا تَخْشٰى أَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ أَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کے پاس داخل ہوئے تو اُن کے سامنے کھجوروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا حضورؐ نے دریافت فرمایا، کہ بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، حضورؐ آئندہ کی ضروریات کیلئے ذخیرہ کے طور پر رکھ لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بلال تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اس کی وجہ سے کل کو قیامت کے دن جہنم کی آگ کا دھواں تم

ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا ۔ (رواہ البیھقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)	دیکھو۔ بلال خرچ کر ڈالو اور عرش والے (جَلَّ جَلَالُہٗ) سے کمی کا خوف نہ کرو۔

ف: ہر شخص کی ایک شان اور ایک حالت ہوا کرتی ہے۔ ہم جیسے کمزور ضُعفاء ضَعِیْفُ الْاِیْمَان ضَعِیْفُ الْیَقِیْن لوگوں کے لئے شرعاً اس کی گنجائش ہو بھی کہ وہ ذخیرہ کے طور پر آئندہ کی ضروریات کے لئے کچھ رکھ لیں لیکن حضرت بلالؓ جیسے جَلِیْلُ الْقَدْر کَامِلُ الْاِیْمَان، کَامِلُ الْیَقِیْن کی یہی شان تھی کہ اُن کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے کمی کا ذرا بھی خوف یا واہمہ نہ ہو۔ جہنّم کا دُھواں دیکھنے سے اس میں جانا لازم نہیں آتا۔ لیکن ان لوگوں کے اعتبار سے کمی تو ضرور ہوگئی جن کو یہ بھی نظر نہ آئے اور کم سے کم حساب کا قصّہ تو لمبا ہو ہی جائے گا۔ بعض احادیث میں معمولی معمولی رقم ایک دو دینار کسی شخص کے پاس نکلنے پر بھی حُضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جہنّم کی آگ کی وعید وارد ہوئی ہے، جیسا کہ چھٹی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر۲ کے ذیل میں آرہا ہے، اور حساب کا معاملہ تو ہر شخص کے لئے ہے کہ جتنا مال زیادہ ہوگا اُتنا ہی حساب طویل ہوگا۔ حُضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ میں جنّت کے دروازہ پر کھڑا ہوا مَیں نے دیکھا کہ اس میں کثرت سے داخل ہونے والے فُقرا ہیں۔ اور وُسعت والے ابھی روکے ہوئے ہیں اور جہنّمی لوگوں کو جہنّم میں پھینک دیا گیا۔ اور مَیں جہنّم کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو میں نے اسمیں کثرت سے داخل ہونے والی عورتیں دیکھیں (مشکوٰۃ)

عورتوں کے جہنّم میں کثرت سے داخل ہونے کی وجہ ایک اور حدیث میں آئی ہے۔ حضرت اَبُو سَعِیدؓ فرماتے ہیں کہ حُضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن عید گاہ میں تشریف لے گئے۔ جب عورتوں کے مجمع پر گذر ہوا تو حُضورؐ نے عورتوں سے خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ بہت کثرت سے کیا کرو۔ میں نے عورتوں کو بہت کثرت سے جہنّم میں دیکھا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ یہ کیا بات ہے حُضورؐ نے فرمایا کہ عورتیں لعنت (بد دعائیں) بہت کرتی ہیں اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں (مشکوٰۃ)۔

اور یہ دونوں باتیں عورتوں میں ایسی کثرت سے شائع ہیں کہ حد نہیں جس اولاد پر دم دیتی ہیں، ہر وقت اس کی راحت اور آرام کی فکر میں رہتی ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر اس کو ہر وقت بد دعائیں، تو مر جا، تو گر جا، تیرا ناس ہو جائے وغیرہ وغیرہ الفاظ ان کا تکیہ کلام ہوتا ہے۔ اور خاوند کی ناشکری کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ وہ غریب جتنی بھی ناز برداری کرتا ہے، ان کی نگاہ میں لاپرواہی رہتا ہے۔ ہر وقت اس غم میں مری رہتی ہیں کہ اس نے ماں کو کوئی چیز کیوں دے دی، باپ کو تنخواہ میں سے کچھ کیوں دے دیا، بہن بھائی سے سلوک کیوں کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے صلوٰۃ الکسوف میں دوزخ جنت کا مشاہدہ فرمایا تو دوزخ میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا۔ صحابہؓ نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ احسان فراموشی کرتی ہیں، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اگر تو تمام عمر ان میں سے کسی پر احسان کرتا رہے پھر کوئی ذرا سی بات پیش آجائے تو کہنے لگتی ہے کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہ دیکھی (مشکوٰۃ معن المتفق علیہ)

حضورؐ کا یہ ارشاد بھی عورتوں کی عام عادت ہے۔ جتنا بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی وقت کوئی بات اُن کے خلافِ طبع پیش آجائے تو خاوند کے عمر بھر کے احسان سب ضائع ہو کر "اس گھروے میں مجھے کبھی چین نہ ملا" ان کا خاص تکیۂ کلام ہے۔ ان روایات سے عورتوں کے کثرت سے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ معلوم ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سے بچاؤ اور حفاظت کی چیز بھی صدقہ کی کثرت ہے۔ چنانچہ اس وعید والی حدیث میں ہے کہ حضورؐ جب یہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت بلالؓ حضورؐ کے ساتھ تھے اور صحابی عورتیں کثرت سے حضورؐ کا پاک ارشاد سننے کے بعد اپنے کانوں کا زیور اور گلے کا زیور نکال کر حضرت بلالؓ کے کپڑے میں جس میں وہ چندہ جمع کر رہے تھے، ڈال رہی تھیں۔

ہمارے زمانہ میں اوّل تو عورتوں کو اس قسم کی سخت حدیثیں سُن کر خیال بھی نہیں ہوتا، اور اگر کسی کو ہوتا بھی ہے تو پھر اس کا نزلہ بھی خاوند ہی پر گرتا ہے کہ وہ ہی

اُن کی زکوٰۃ ادا کرے، ان کی طرف سے صدقہ کرے۔ اگر وہ خود یہی کریں گی تو خاوند ہی سے وصول کر لے۔ مجال ہے کہ اُن کے زیوروں کو کوئی آنچ آجاوے۔ ویسے چاہے سارا ہی چوری ہو جاوے، کھویا جائے، یا بیاہ شادیوں اور لغو تقریبات میں گروی رکھ کر ہاتھ سے جاتا رہے، مگر اس کو اپنی خوشی سے اللہ کے یہاں جمع کرنا، اس کا کہیں ذکر نہیں اسی حال میں اس کو چھوڑ کر مر جاتی ہیں۔ پھر وہ وارثوں میں تقسیم ہو کر کم داموں میں فروخت ہوتا ہے۔ بنتے وقت نہایت گراں بنتا ہے۔ بکتے وقت نہایت ارزاں جاتا ہے۔ لیکن ان کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ یہ گھڑائی کے دام بالکل ضائع جا رہے ہیں۔ ان کو بنواتے رہنے سے غرض، یہ تڑوا کر وہ بنوا لیا، وہ تڑوا کر یہ بنوا لیا۔ اور اپنے کام آنے والا نہ وہ ہے نہ یہ ہے، اور بار بار تڑوانے میں مال کی اضاعت کے علاوہ گھڑائی کی اُجرت ضائع ہوتی رہتی ہے۔

یہ مضمون درمیان میں عورتوں کے کثرت سے جہنم میں جانے کی وجہ میں آگیا تھا اصل مضمون تو یہ تھا کہ مال کی کثرت کچھ نہ کچھ رنگ تو لاتی ہی ہے حتیٰ کہ حضرات مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن فقراء مُہاجرینؔ اَغنیاء سے چالیس سال قبل جنت کی طرف بڑھ جائیں گے (مشکوٰۃ) حالانکہ ان حضرات کے ایثار اور صدقات کی کثرت اور اخلاص کا نہ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے، نہ مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ (اے اللہ زندگی میں بھی مجھے مسکین رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت عطا کر اور میرا حشر بھی مسکینوں کی جماعت میں فرما) - حضرت عائشہؓ نے عرض کیا - یا رسول اللہ یہ کیوں - یعنی آپ مسکینی کی دعا کیوں فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مساکین اپنے اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں جائیں گے۔ عائشہ! مسکین کو نامراد واپس نہ کرو، چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ عائشہ! مساکین سے محبت رکھا کرو، ان کو اپنا مقرب بنایا کرو۔ اللہ جلّ شانہٗ قیامت کے دن تمہیں اپنا مقرب بنائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

بعض علماء کو اس حدیث پر یہ اشکال ہو گیا کہ اس سے عام فُقَراء کا انبیاء سے مُقدّم ہونا لازم آتا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں یہ اشکال نہیں ہے۔ اس حدیث پاک میں اپنے اغنیاء کا لفظ موجود ہے۔ ہر جماعت کے فقراء کا اس جماعت کے اغنیاء سے مقابلہ ہے۔ انبیاء کا انبیاء سے، صحابہؓ کا صحابہؓ سے اور اسی طرح اور جماعتیں۔

(۱۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِيَ الْمَالُ۔ (رواه الترمذی كذا فی المشكوٰة)

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر اُمّت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے (جس میں مُبتلا ہو کر وہ فتنہ میں پڑ جاتی ہے) میری اُمّت کا فتنہ مال ہے۔

ف: حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد بالکل ہی حق ہے، کوئی اعتقادی چیز نہیں ہے۔ روزمرّہ کے مُشاہدہ کی چیز ہے کہ مال کی کثرت سے جتنی آوارگی، عیّاشی، سود خواری، زنا کاری، سینما بینی، جوا بازی، ظلم وستم، لوگوں کو حقیر سمجھنا، اللہ کے دین سے غافل ہونا، عبادات میں تساہُل، دین کے کاموں کے لئے وقت نہ ملنا وغیرہ وغیرہ ہوتے ہیں، ناداری میں ان کا تہائی چوتھائی بلکہ دسواں حصہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ایک مثل مشہور ہے "زر نیست عشق ٹیں ٹیں" پیسہ پاس نہ ہو تو پھر بازاری عشق بھی زبانی جمع خرچ ہی رہ جاتا ہے۔ اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو کم سے کم درجہ مال کی بڑھوتری کا ہر وقت فکر تو کہیں گیا ہی نہیں۔ صرف تین ہزار روپیہ کسی کو دے دیجئے، پھر جو ہر وقت اس کو کسی کام میں لگا کر بڑھانے کا فکر دامن گیر ہو گا تو کہاں کا سونا، کہاں کا راحت آرام، کیسا نماز روزہ، کیسا حج زکوٰۃ۔ اب دن بھر، رات بھر دُوکان کے بڑھانے کی فکر ہے۔ دُکان کی مشغولی نہ کسی دینی کام میں شرکت کی اجازت دیتی ہے، نہ دین کے لئے کہیں باہر جانے کا وقت ملتا ہے کہ دُکان کا حرج ہو جائے گا۔ ہر وقت یہ فکر سوار کہ کونسا کاروبار ایسا ہے جس میں نفع زیادہ ہو،

کام چلتا ہوا ہو۔ اسی لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لئے دو وادیاں (دو جنگل) مال کے حاصل ہو جائیں تو وہ تیسری کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے (مشکوٰۃ) ایک حدیث میں ہے، کہ اگر آدمی کے لئے ایک وادی مال کی ہو تو دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی کے لئے ایک جنگل کھجوروں کا ہو تو دوسرے کی تمنا کرتا ہے، اور دو ہوں تو تیسرے کی اور اسی طرح تمنائیں کرتا رہتا ہے۔ اس کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی۔ (کنز)

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کو تلاش کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کو تلاش کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی (بخاری)۔ مٹی سے بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی مٹی میں جا کر ہی وہ اپنی اس ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی خواہش سے رُک سکتا ہے۔ دنیا میں رہتے رہتے تو ہر وقت اس پر اضافہ اور زیادتی کی فکر رہتی ہے۔ ایک کارخانہ اچھی طرح چل رہا ہے اس میں بقدرِ ضرورت آمدنی ہو رہی ہے، کہیں کوئی دوسری چیز سامنے آگئی اس میں بھی اپنی ٹانگ اڑا دی۔ ایک سے دو ہو گئیں، دو سے تین ہو گئیں۔ غرض جتنی آمدنی بڑھتی جائے گی، اس کو مزید کاروبار میں لگانے کی فکر رہے گی۔ یہ نہیں ہو گا کہ اس پر قناعت کر کے کچھ وقت اللہ کی یاد میں مشغولی کا نکل آئے۔ اسی لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ "اے اللہ میری اولاد کا رزق قوت ہو" یعنی بقدرِ کفایت ہو، زائد ہو ہی نہیں۔ جس کے چکر میں میری اولاد پھنس جائے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "بہتری اور خوبی اس شخص کے لئے ہے، جو اسلام عطا کیا گیا ہو اور اُس کا رزق بقدرِ کفایت ہو اور اس پر قانع ہو" ایک اور حدیث میں ہے کہ کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہو گا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو، کہ دنیا میں

اس کی روزی صرف قوت (یعنی بقدرِ کفایت) ہوتی۔ (احیاء)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے اُوپر تمہارے فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دُنیا کی وُسعت ہو جائے جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر ہو چکی ہے۔ پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے جیسا کہ اُن کا لگنے لگا تھا۔ پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ پہلی اُمتوں کو کر چکی ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں مختلف عنوانات سے مختلف قسم کی تنبیہات سے مال کی کثرت اور اُس کے فتنہ پر متنبہ فرمایا۔ اس لئے نہیں کہ مال فی حدِ ذاتہٖ کوئی ناپاک یا عیب کی چیز ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کے قلوب کے فساد کی وجہ سے بہت جلد ہمارے دلوں میں مال کی وجہ سے تعفّن اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مضرتوں سے بچتے ہوئے، اس کی زیادتی سے احتراز کرتے ہوئے شرائط کے ساتھ اس کو استعمال کرے تو مُضِر نہیں بلکہ مُفید ہو جاتا ہے لیکن چونکہ عام طور سے نہ شرائط کی رعایت ہوتی ہے نہ اصلاح کی فکر ہوتی ہے اس بنا پر یہ اپنا زہریلا اثر بہت جلد پیدا کر دیتا ہے۔

اس کی بہترین مثال ہیضہ کے زمانہ میں امرود کا کھانا ہے کہ فی حدِ ذاتہٖ امرود کے اندر کوئی عیب نہیں۔ اس کے جو فوائد ہیں وہ اب بھی اس میں موجود ہیں لیکن ہوا کے فساد کی وجہ سے اس کے استعمال سے، بالخصوص کثرتِ استعمال سے بہت جلد اس میں تغیّر پیدا ہو کر مضرت اور ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علی العموم ڈاکٹر ہیضہ کے زمانہ میں امرودوں کی سختی سے ممانعت کر دیتے ہیں۔ ٹوکرے کے ٹوکرے ضائع کرا دیتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر معمولی حکیم یا ڈاکٹر کسی چیز کو مضر بتاتا ہے تو طبعاً ہمارے قلوب اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹروں کے ان اعلانات کے بعد اچھے اچھے سورماؤں کی ہمت امرود کھانے کی نہیں رہتی۔ لیکن وہ ہستی جس کے جوتوں کی خاک تک بھی کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں پہنچ سکتا۔ جس کی تجویزات نورِ نبوت سے مستفاد

ہیں ۔ اس کے اعلان پر اس کی تجویز پر ذرا بھی خوف پیدا نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار اس کے فتنوں اور اس کی مضرتوں پر تنبیہ فرمارہے ہیں تو یقیناً ہر شخص کو بہت زیادہ اس کی مضرتوں سے ڈرتے رہنا چاہیے اس کے استعمال کے لئے شرعی قوانین کے ماتحت جو اس کے لئے ایسے ہیں جیسا کہ ام ودکے سے نمک مرچ لیموں وغیرہ مصلحات ہیں ۔ ان کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے ۔ اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا بہت زیادہ اس میں فکر کرتے رہنا چاہیے ۔ خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غنی میں اس شخص کے لئے نقصان نہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے (مشکوٰۃ) ۔ میرے نسبی بزرگوں میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مشہور فقیہ حضرت اقدس مرجع الکل شاہ عبدالعزیز دہلوی نور اللہ مرقدہ کے خاص شاگرد ہیں ۔ ان کی بیاض میں اُن کے شیخ کی بیاض سے نقل کیا ہے کہ "دنیا (یعنی مال) آدمی کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضیات پر عمل کرنے کے لئے بہترین مدد ہے ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف بلایا، تو ان چیزوں کے چھوڑ دینے کا حکم نہیں فرمایا ۔ بلکہ اسباب معیشت اور اہل وعیال کی خدمت کی ترغیب دی ۔ لہٰذا مال کا اور اپنے اہل وعیال میں رہنے کا انکار ناواقف شخص ہی کر سکتا ہے ۔ حضرت عثمانؓ کے وصال کے وقت اُنکے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جائداد خیبر وادی قریٰ وغیرہ کی تھی، جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھے ۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مال کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی، اور ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے ۔ اور عمرو بن العاصؓ نے تین لاکھ دینار چھوڑے تھے ۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال کا تو شمار ہی مشکل ہے ۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تعریف قرآن پاک میں فرمائی ۔ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہف ع ۴) "اپنے رب کی عبادت صبح شام (یعنی ہمیشہ) محض اس کی رضاجوئی کے واسطے کرتے ہیں" ۔ اور ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور، ع ۵) "یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت وغیرہ اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی" ۔ فقط

بیاض کی عبارت عربی ہے یہ اس کا ترجمہ ہے اور صحیح ہے کہ اُس زمانہ میں فتوحات کی کثرت سے عام طور پر ان حضرات کی مالی حالت ایسی ہی تھی۔ دُنیا اور ثروت اُن کے جوتوں سے لپٹتی تھی، یہ اُس کو جھٹکتے تھے اور وہ ان کو چمٹتی تھی لیکن اس سب کے باوجود اس کے ساتھ ان کی دلبستگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغولی کیا تھی "فضائل نماز" اور "حکایاتِ صحابہؓ" میں ان حضرات کے کچھ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ ان کو عبرت اور غور سے دیکھو۔ یہی عبداللہ بن زبیرؓ اپنی اس دولت کے ساتھ جب نماز کو کھڑے ہوتے تو جیسے ایک کیل کہیں گاڑ دی ہو۔ سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چڑیاں کمر پر آکر بیٹھ جاتیں، اور حرکت کا ذکر نہیں۔ جس زمانہ میں خود اُن پر چڑھائی ہو رہی تھی اور اُن پر گولہ باری ہو رہی تھی، نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے اس کا ایک حصہ گرا، اُن کی داڑھی کے پاس سے گذرا مگر اُن کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

ایک صحابیؓ کا باغ کھجوروں کا خُوب پک رہا تھا، یہ اس باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز میں باغ کا خیال آگیا۔ اس کا رنج اور صدمہ اس قدر ہوا کہ نماز کے بعد فوراً باغ کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں، جو اس وقت امیرُ المؤمنین تھے پیش کر دیا۔ انہوں نے پچاس ہزار میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ کر دی۔ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو بوریاں درہم کی نذرانہ میں آئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ طباق منگا کر اور بھر بھر کر سب تقسیم کر دیں۔ اپنا روزہ تھا، یہ بھی خیال نہ آیا کہ اپنے افطار کے لئے کچھ رکھ لیں یا کوئی چیز منگا لیں افطار کے وقت جب باندی نے افسوس کیا کہ اگر ایک درم کا گوشت منگا لیتیں تو آج ہم بھی گوشت سے کھانا کھا لیتے۔ تو فرمایا۔ اب افسوس سے کیا ہوتا ہے، جب یاد دِلا دیتی تو میں منگا دیتی۔

حکایاتِ صحابہؓ میں یہ اور اس قسم کے چند واقعات ذکر کیے گئے۔ ان کے علاوہ ہزاروں واقعات ان حضرات کے تاریخ میں موجود ہیں۔ ان کو مال کیا نقصان دے سکتا تھا۔ جن کے نزدیک اس میں اور گھر کے کوڑے میں کوئی فرق ہی نہ ہو۔

کاش اللہ جَلّ شانُہٗ اس صفت کا کوئی شمّہ اس ناپاک کو بھی عطا کر دیتا۔

یہاں ایک بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ ان حضرات مُتَموِّل صحابہ کرامؓ کے ان اَحْوال سے مال کی کثرت کے جواز پر اِسْتِدلال تو ہو سکتا ہے کہ خیرُ القرون اور خُلفائے راشِدِینؓ کے دور میں یہ مثالیں بھی ملتی ہیں، لیکن ہم لوگوں کو اس زہر کے اپنے پاس رکھنے میں ان کے اِتباع کو آڑ بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی تپ دق کا بیمار کسی جوان، قوی تندرست کے اِتباع میں روزانہ صحبت کیا کرے کہ وہ تین چار دن میں قبر کا گڑھا ہی دیکھے گا۔ رسالہ کے ختم پر حکایات کے سلسلہ میں نمبر ۵۴ پر ایک عارف کا ارشاد غور سے دیکھنا چاہیے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال بمنزلہ ایک سانپ کے ہے جس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی ہے اور اس کے فوائد بمنزلہ تریاق کے ہیں اور اس کے نقصانات بمنزلہ زہر کے، جو اس کے فوائد اور نقصانات سے واقف ہو جائے وہ اس پر قادر ہو سکتا ہے کہ اس کے فوائد حاصل کرے اور نقصانات سے محفوظ رہے۔ اس میں فوائد تو دو قسم کے ہیں دُنیوی اور دینی۔ دُنیوی فوائد تو ہر شخص جانتا ہے، انہی کی وجہ سے سارا جہان اس کے کمانے میں مر مٹ رہا ہے۔

دینی فوائد تین ہیں۔ اوّل یہ کہ بِوَاسطہ یا بلا واسطہ عبادت کا سبب ہے۔ بلا واسطہ تو جیسے حج، جہاد وغیرہ کہ یہ روپیہ ہی سے ہو سکتے ہیں۔ اور بواسطہ یہ کہ اپنے کھانے پینے اور ضروریات میں خرچ کرے، کہ یہ ضرورتیں اگر پوری نہ ہوں تو آدمی کا دل اُدھر مشغول رہتا ہے جس کی وجہ سے دینی مَشاغل میں اِشتغال کا وقت نہیں ملتا۔ اور جب یہ بواسطہ عبادت کا ذریعہ ہے تو خود بھی عبادت ہوا۔ لیکن صرف اتنی ہی مقدار جس سے دینی مَشاغل میں اِعانت ملے۔ اس سے زیادہ مقدار اس میں داخل نہیں۔

دوسرا دینی فائدہ اس سے کسی دوسرے پر خرچ کرنے کے مُتعلق ہے اور یہ چار قسم پر ہے۔ (الف) صَدَقہ جو غُربا پر کیا جائے۔ اس کے فضائل بے شمار ہیں۔ جیسا کہ پہلے کچھ گذر چکے۔ (ب) مُرُوّت جو اَغنیاء پر دعوت، ہدیہ وغیرہ میں خرچ

کیا جائے کہ وہ صدقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ صدقہ فقراء پر ہوتا ہے۔ یہ قسم بھی دینی فوائد لئے ہوئے ہے کہ اس سے آپس کے تعلقات قوی ہوتے ہیں، سخاوت کی بہترین عادت پیدا ہوتی ہے۔ بہت سی احادیث ہدایا اور کھانا کھلانے کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں اس قسم میں ان لوگوں کے فقر کی قید نہیں ہے جن پر خرچ کیا جائے (بندہ کے ناقص خیال میں یہ فائدہ بسا اوقات پہلے نمبر سے بھی بڑھ جاتا ہے مگر جب ہی تو، جب اس میں خرچ بھی کیا جائے۔ لیکن جو شخص ننانوے کے پھیر میں پڑ جائے اس کیلئے نہ یہ فضائل کارآمد ہیں نہ وہ سب احادیث جو اُن کے فضائل میں آئی ہیں اس پر اثر کرتی ہیں)۔

(ج) اپنی آبرو کا تحفظ۔ یعنی مال کا ایسی جگہ خرچ کرنا، جس میں اگر خرچ نہ کیا جائے تو کمینہ لوگوں کی طرف سے بدگوئی، فحش وغیرہ مضرتوں کا اندیشہ ہے۔ یہ بھی صدقہ کے حکم میں آجاتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنی آبرو کی حفاظت کیلئے جو خرچ کرتا ہے، وہ بھی صدقہ کرتا ہے (بندۂ ناکارہ کے نزدیک دفع ظلم کے لئے رشوت دینا بھی اس میں داخل ہے۔ رشوت کا دینا کسی نفع کے حاصل کرنے کے واسطے حرام ہے، ناجائز ہے۔ دینے والا بھی ایسا ہی گناہ گار ہے جیسا کہ لینے والا۔ لیکن ظالم کے ظلم کو ہٹانے کے واسطے دینے والے کو جائز ہے، لینے والے کو حرام ہے)۔ (د) مزدوروں کی اُجرت دینا کہ آدمی بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرسکتا اور بعض کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آدمی خود تو کرسکتا ہے۔ لیکن ان میں بہت سا عزیز وقت صرف ہوتا ہے۔ اگر ان کاموں کو اُجرت پر کرالے، تو اپنا یہ وقت علم و عمل، ذکر و فکر وغیرہ ایسے اُمور میں خرچ ہوسکتا ہے جن میں دوسرا نائب نہیں ہوسکتا۔

تیسرا دینی فائدہ عمومی اخراجاتِ خیر ہیں۔ جن میں کسی دوسرے مُعیّن شخص پر تو خرچ نہیں کیا جاتا کہ یہ دوسرے نمبر میں گذر چکے ہیں۔ البتہ عمومی فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں جیسا مساجد کا بنانا، مسافر خانے پُل وغیرہ بنانا، مدارس، شفاخانے وغیرہ ایسی چیزیں بنانا، جو اپنے مرنے کے بعد بھی اُن کے اجر و ثواب اور

ان سے فوائد حاصل کرنے والے صُلحاء کی دعائیں پہنچتی رہیں۔

یہ تو اِجمال ہے اس کے فوائد کا اور سارے فوائد جو اس سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ ان میں آ گئے۔ حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب قدّس سِرّہٗ فرماتے ہیں کہ مال کا خرچ کرنا، سات طرح سے عبادت ہے۔ ۱: زکوٰۃ، جس میں عُشر بھی داخل ہے۔ ۲: صدقۂ فطر۔ ۳: نفل خیرات، جس میں مہمانی بھی داخل ہے اور قرضداروں کی اعانت بھی۔ ۴: وقف، مساجد، سرائے، پُل وغیرہ بنانا۔ ۵: حج فرض ہو یا نفل یا کسی دوسرے کی حج میں مدد ہو، توشہ سے یا سواری سے۔ ۶: جہاد میں خرچ کرنا کہ ایک دِرم اس میں سات سو درم کے برابر ہے۔ ۷: جن کے اِخراجات اپنے ذمہ ہیں، اُن کو ادا کرنا جیسا کہ بیوی کا اور چھوٹی اولاد کا خرچ ہے اور اپنی وسعت کے بعد محتاج رشتہ داروں کا خرچ وغیرہ (تفسیر عزیزی)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال کے نقصانات بھی دو قسم کے ہیں، دینی اور دُنیوی۔ دینی نقصانات تین قسم پر ہیں۔

الف: معاصی کی کثرت کا سبب ہوتا ہے کہ آدمی اکثر و بیشتر اسی کی وجہ سے شہوتوں میں مُبتلا ہوتا ہے اور ناداری اور عجز ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونے دیتا۔ جب آدمی کو کسی معصیت کے حصول سے نا اُمیدی ہوتی ہے تو دل اس طرف زیادہ مُتوجہ بھی نہیں ہوتا اور جب اپنے کو اس پر قادر سمجھتا ہے تو کثرت سے ادھر توجُّہ رہتی ہے اور مال قدرت کے بڑے اسباب میں سے ہے۔ اسی وجہ سے مال کا فتنہ فقر کے فتنہ سے بڑھا ہوا ہے۔

ب: جائز چیزوں میں تنعُّم کی کثرت کا سبب ہے، اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا لباس وغیرہ وغیرہ۔ بھلا مالدار سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ جَو کی روٹی کمائے اور موٹا کپڑا پہنے۔ اور ان تنعُّمات کا حال یہ ہے کہ ایک چیز دوسرے کو کھینچتی ہے اور شُدہ شُدہ اخراجات میں اِضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور آمدنی جب ان کو کافی نہیں ہوتی تو ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرنے کی فکریں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جھوٹ نِفاق وغیرہ بُری

عادات کی بُنیاد اسی سے پڑتی ہے کہ مال کی کثرت کی وجہ سے مُلاقاتی بھی کثیر ہوں گے اور اُن کے تعلقات کی بقا اور حفاظت کے واسطے اس قسم کے اُمور کثرت سے پیدا ہوں گے، اور تعلقات کی کثرت میں بُغض وعداوت، حسد کینہ وغیرہ اُمور طرفین میں کثرت سے پیدا ہوں گے۔ اور ایسے بلے انتہا عوارض آدمی کے ساتھ لگ جائیں گے جن سے مال کے ہوتے ہوئے خلاصی دُشوار ہے۔ اور غور کرنے سے یہ منفرتیں وسیع پیمانہ پر پہنچ جاتی ہیں اور ان سب کا پیدا ہونا مال ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔

ج : اور کم سے کم اس بات سے تو کوئی بھی مال دار خالی نہیں ہو سکتا کہ اس کا دل مال کی صلاح و فلاح کے خیال میں اللہ کے ذکر و فکر سے غافل رہے گا اور جو چیز اللہ جلّ شانُہٗ سے غافل کر دے وہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اسی واسطے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وَ علیہِ الصَّلوٰۃُ وَ السَّلام نے فرمایا کہ مال میں تین آفتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ناجائز طریقہ سے کمایا جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر جائز طریقہ سے حاصل ہو، تو آپ نے فرمایا کہ بے جگہ خرچ ہوتا ہے۔ کسی نے عرض کیا اگر اپنے محل ہی پر خرچ کیا جائے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اصلاح کا فکر اللہ جلّ شانُہٗ سے تو مشغول کر ہی دے گا اور یہ لاعلاج بیماری ہے کہ ساری عبادات کا لُبِّ لباب اور مغز، اللہ جلّ شانُہٗ کا ذکر و فکر ہے۔ اور اس کے لئے فارغ دل کی ضرورت ہے۔ اور صاحبِ جائداد شخص دن بھر رات بھر کاشتکاروں کے جھگڑوں کے سوچ میں رہتا ہے۔ ان سے وصولی کے حساب کتاب میں رہتا ہے۔ شریکوں کے معاملات کی فکر میں رہتا ہے کہیں اُن کے حصوں کا جھگڑا ہے، اُن سے پانی کی بانٹ پر جھگڑا ہے کہیں ڈول بندیوں میں لڑائی ہے اور حُکام اور اُن کے اہلکاروں کا قصہ علیحدہ ہر وقت لگا ہے، نوکروں مزدوروں کی خبرگیری ان کے کام کی نگرانی ایک مُستقل مشغلہ ہے۔ اسی طرح تاجر کا حال ہے کہ اگر شرکت میں تجارت ہو تو شرکاء کی حرکتیں ہر وقت کی ایک مُستقل مصیبت اور مُستقل مشغلہ ہے اور تنہا تجارت ہو تو نفع کے بڑھنے کا فکر، ہر وقت اپنی محنت میں کوتاہی کا خیال، تجارت میں نقصان کا فکر، ایسے اُمور ہیں جو ہر وقت مُسلّط رہتے ہیں ہمشاغل کے اعتبار سے

سب سے کم وہ خزانہ ہے جو نقد کی صورت میں اپنے پاس ہو، لیکن اس کی حفاظت اور اضاعت کا اندیشہ، چوروں کا فکر اور اس کے خرچ کرنے کے مصارف کا فکر، اور جن لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں اُن کا خیال ایسے تفکرات ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہی وہ سب دُنیوی مضرات ہیں جو مال کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور جس کے پاس بقدرِ ضرورت ہو وہ ان سب افکار سے فارغ ہے

لنگے زیر لنگے بالا نے غم دُزد نے غم کالا

"ایک لُنگی نیچے ایک لُنگی اوپر، نہ چور کا ڈر نہ پونجی کا" (کہ اس کی کس طرح حفاظت کروں، روز افزوں اخراجات کس طرح پورے کروں) - پس مال کا تریاق اس میں سے بقدرِ ضرورت اپنے ذاتی مصارف میں خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے اس کو خیر کے مصارف میں خرچ کر دینا ہے - اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ زہر ہی زہر ہے آفت ہی آفت ہے - حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس زہر سے اس ناکارہ کو بھی محفوظ رکھے اور نیک مصرف پر خرچ کی توفیق عطا فرمائے (احیاء) - اس کی مثال بالکل سانپ کی سی ہے کہ جو لوگ اس کے پکڑنے کے ماہر ہیں، اس کے طریقوں سے واقف ہیں، اُن کے لئے اس کے پکڑنے میں کوئی نقصان نہیں، بلکہ وہ اس سے تریاق بنا سکتے ہیں اور دوسرے فوائد حاصل کر سکتے ہیں - لیکن کوئی ناواقف ان ماہرین کی حرص کر کے سانپ کو پکڑیگا تو ہلاک ہو گا - اسی طرح متموّل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی حرص کر کے ہم لوگ اگر اس زہر کا استعمال کثرت سے کریں تو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے - اور ان حضرات کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق محض اعتقادی بات نہیں، اُن کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی کُھلی شہادت دیتا ہے کہ ان کے یہاں اس کی وقعت ایندھن سے زیادہ نہ تھی، ان کے لئے اس کا وجود حق تعالیٰ شانہٗ سے ذرا سی توجہ بھی ہٹانے والا نہ تھا، اور اس کے باوجود اس سے ڈرتے تھے جیسا کہ اُن کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے - وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى -

---

تیسری فصل

صلہ رحمی کے بیان میں

یہ فصل درحقیقت پہلی ہی فصلوں کا تتمہ ہے لیکن اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک ارشادات میں اس پر خصوصیت سے تاکیدیں فرمائی ہیں، اور تعلقات کے توڑنے پر خصوصی وعیدیں فرمائی ہیں اس لئے اس مضمون کو اہتمام کی وجہ سے مستقل فصل میں ذکر کیا گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اہل قرابت پر صدقہ کا ثواب دوگنا ہے۔ (کنز)

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزاد کی تو حضور نے فرمایا کہ اگر تم اس کو اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو وہ افضل تھا (کنز)۔ لہٰذا صدقات کے اندر اگر کوئی دوسری دینی ضرورت اہم نہ ہو تو عام صدقہ سے اہل قرابت پر صدقہ کرنا افضل ہے۔ البتہ اگر کوئی دینی ضرورت درپیش ہو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اور احادیث میں بہت کثرت سے صلہ رحمی کی ترغیبات اور قطع رحمی پہ وعیدیں آئی ہیں۔ مگر خوف ہے اس رسالہ کے بڑھ جانے کا۔ اس لئے صرف تین آیات ترغیب کی اور تین آیات وعید کی ذکر کرکے چند احادیث اس مضمون کی ذکر کرتا ہوں کہ ذرا بھی طول ہوگیا تو ہم لوگوں کو ان کے پڑھنے کی بھی فرصت نہ ملے گی۔ مگر یہ سارے مضامین اس قدر اہم ہیں کہ باوجود اختصار کے بھی یہ رسالہ بڑھتا ہی جا رہا ہے، اور ایک حصہ کے بجائے شاید دو حصے کرنے پڑ جائیں۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (نحل-ع ۱۳)

بے شک اللہ جلّ شانہٗ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بُری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان اُمور کی) نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرلو۔

ف : حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں بہت سی جگہ اہل قرابت کی خیرخواہی اُن کو دینے کا حکم اور اس کی ترغیب فرمائی ہے چند آیات کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے، جس کا دل چاہے کسی مترجم قرآن شریف کو لے کر دیکھ لے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى (بقرہ، ع ۱۰) قُلْ مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ (بقرہ، ع ۲۶) سورۂ نساء کا پہلا رکوع تمام۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (نساء، ع ۶) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (انعام، ع ۱۹) وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ط (انفال، ع ۱۰) لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف، ع ۱۰) وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ (رعد، ع ۳) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (ابراہیم، ع ۶) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بنی اسرائیل، ع ۳) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل، ع ۳) وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل، ع ۳) وَكَانَ تَقِيًّا ○ لا وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (مریم، ع ۱) وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ (مریم، ع ۲) إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ الخ (مریم، ع ۳) وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص (مریم، ع ۴) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (طٰہٰ، ع ۸) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا (فرقان، ع ۶) وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ط (احقاف، ع ۲) رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح، ع ۲)

یہ چند آیات نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں کہ سب کے لکھنے میں اور ترجمہ میں طُول کا ڈر تھا۔ یہ اُن تین آیات کے علاوہ ہیں جو مُفصّل یہاں ذکر کی گئیں۔ اِن کے علاوہ اور بھی آیات ملیں گی۔ جس چیز کو اللہ جلّ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں بار بار ارشاد فرمایا ہو، اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا۔ حضرت کَعب اَحبارؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پاک ذات کی، جس نے سمندر کو حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کے لئے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ اللہ سے ڈرتا رہ اور صلہ رحمی کرتا رہ، میں تیری عُمر بڑھا دوں گا۔ سہولت کی چیزوں میں تیرے لئے سہولت پیدا کر دوں گا، مُشکلات کو دُور کر دوں گا۔

حق تعالیٰ شانُہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط (نساء ع ۱) "یعنی اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتے رہو، جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو توڑو نہیں"۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے، وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ "یعنی رشتہ دار کا جو حق نیکی اور صلہ رحمی کا ہے وُہ ادا کرتے رہو"۔ تیسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ "یعنی اللہ جلّ شانُہٗ توحید کا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کا حکم فرماتے ہیں، اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کا اور اُن سے درگذر کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور رشتہ داروں کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا حکم فرماتے ہیں"۔ تین چیزوں کا حکم فرمانے کے بعد تین چیزوں سے منع کیا ہے۔ فحش سے یعنی گناہ سے، اور مُنکَر سے یعنی ایسی بات سے جس کی شریعت میں اور سُنّت میں اصل نہ ہو۔ اور ظلم سے یعنی لوگوں پر تعلّی سے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی تم کو نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت عُثمان بن مَظعُونؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے مجھے بہت محبت تھی اور اسی کی شرم میں میں مسلمان ہوا تھا کہ حُضورؐ مجھ سے مسلمان ہونے کو فرماتے تھے۔ اس وجہ سے میں مسلمان ہو گیا۔ لیکن اسلام میرے دل میں نہ جما تھا۔ ایک مرتبہ میں حضورؐ

کے پاس بیٹھا ہوا کچھ باتیں کر رہا تھا کہ مجھ سے باتیں کرتے کرتے حضورؐ کسی دوسری طرف ایسے متوجہ ہو گئے جیسے کسی اور سے باتیں کر رہے ہوں۔ تھوڑی دیر میں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور یہ آیت شریفہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ آخر تک نازل ہوئی۔ مجھے اس مضمون سے بہت مسرت ہوئی اور اسلام میرے دل میں جم گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا (جو مسلمان نہ تھے) ان سے جا کر میں نے کہا کہ میں تمہارے بھتیجے کے پاس تھا۔ اُن پر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرو، فلاح کو پہنچو گے۔ خدا کی قسم وہ اپنی نبوت کے دعوی میں سچے ہوں یا جھوٹے لیکن تمہیں تو اچھی عادتوں کی ہی تعلیم اور کریمانہ اخلاق سکھاتے ہیں (تنبیہ الغافلین) یہ ایسے شخص کی نصیحت ہے جو خود مسلمان بھی نہیں ہیں، کہ وہ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ نبوت کا دعوی سچا ہو یا جھوٹا، لیکن اسلام کی تعلیم بہترین تعلیم ہے وہ کریمانہ اخلاق سکھاتی ہے، مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں ہی کے اخلاق سب سے زیادہ گرے ہوئے ہیں۔

(۲) وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (نور۔ ع ۳)

ف: یہ آیت شریفہ اور اس کا ترجمہ پہلی فصل کے نمبر ۱۸ پر گذر چکا ہے۔ مجھے اس کے اعادہ سے اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہم لوگ اپنے ان اسلاف کے معمولات پر بھی غور کریں اور حق تعالیٰ شانہ کی اس ترغیب پر بھی۔ کتنا سخت اور اہم واقعہ ہے کہ حضورؐ کی بیوی، سارے مسلمانوں کی ماں، ان پر اولاد کی طرف سے بے بنیاد تہمت لگائی جائے اور اس کو پھیلانے وہ قریبی رشتہ دار ہوں جن کا گذر اوقات بھی ان کے باپ ہی کی اعانت پر ہو۔ اس پر باپ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جس قدر

بھی رنج اور صدمہ ہو، وہ ظاہر ہے۔ اس پر بھی اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے یہ ترغیب کہ مُعاف کریں اور درگذر کریں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے یہ عمل کہ جتنا پہلے خرچ کرتے تھے اس میں اضافہ فرمایا، جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ کیا ہم بھی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ کوئی ہم پر الزام رکھے، ہمارے گھر والوں کو ایسی سخت چیز کے ساتھ مُتَّہَم کرے اور پھر ہم قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کو تلاوت کریں، اور اس رشتہ دار کی قرابت پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی قسم کی اِعانت اس کی گوارا کرلیں۔ حَاشَا وَکَلَّا عمر بھر کی اسی سے نہیں، اس کی اولاد سے بھی دشمنی بندھ جائے گی، بلکہ جو دوسرے رشتہ دار اس سے تعلّق رکھیں گے، اُن کا بھی بائیکاٹ کر دیں گے۔ اور جس کسی تقریب میں وہ شریک ہوں گے، مُجال ہے کہ ہم اس میں شرکت کرلیں۔ کیوں، فقط اس لئے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی تقریب میں یا دعوت میں شریک ہوگئے جس نے ہمیں گالی دے دی، ہماری آبرو گرادی، ہماری بہو بیٹی پر تہمت لگادی، چاہے یہ لوگ اس گالی دینے والے کے فعل سے کتنے ہی ناراض ہوں مگر اس کی تقریب میں شرکت کے جرم میں ان سے بھی ہمارا قطع تعلّق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد یہ ہے کہ ہم خود بھی اس کی اِعانت سے ہاتھ نہ روکیں، اور ہمارا عمل یہ ہے کہ کوئی دوسرا بھی اس کی دعوت کر دے تو ہم اس دوسرے سے بھی تعلّقات مُنقطع کر دیں لیکن جن کے دل میں حقیقی ایمان ہے، اللہ جلّ شانہٗ کی عظمت ان میں راسخ ہے، اس کے پاک اِرشاد کی ان کو وُقعت ہے، انہوں نے اس پر عمل کرکے دکھا دیا کہ اطاعت کرنا اس کو کہتے ہیں، مُطیع ایسے ہوتے ہیں۔ اللہ جلّ شانہٗ اپنے عالی شان کے مُوافق ان پر رحمتیں نازل فرمائے، اور اُن کے شان کے موافق ان کے درجات بلند فرمائے۔ آخر یہ بھی جذبات رکھتے تھے، غیرت حمیّت رکھتے تھے، ان کے سینوں میں دل اور اس میں جذبات بھی تھے، لیکن اللہ جلّ شانہٗ کی رضا کے سامنے کیسا دل اور کہاں کے جذبات، کیسی غیرت اور کہاں کی بدنامی، اللہ کی رضا کے مقابلہ میں سب چیز فنا تھی۔

(۳) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ
ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً لا قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ج اِنِّيْ
تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ
فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ط وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ○ (احقاف ۔ ع ۲)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (بالخصوص ماں کے ساتھ احسان کا اور بھی زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے بڑی مشقّت کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقّت سے اس کو جنا۔ اور اس کو پیٹ میں رکھنے اور دُودھ چھڑانے میں (اکثر کم سے کم) تیس۳۰ مہینے ہو جاتے ہیں (کتنی طویل مشقّت ہے) یہاں تک کہ جب وہ بچّہ جوان ہوتا ہے (اور دانائی کے زمانہ) چالیس۴۰ برس کو پہنچتا ہے تو (جو سعید ہوتا ہے وہ) کہتا ہے اے میرے پرورگار مجھے اس پر مداومت دیجئے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور (اس کی توفیق دیجئے کہ) میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میری اولاد میں بھی میرے (نفع کے) لئے صلاحیت پیدا فرما دیں۔ میں (اپنے سارے گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں، اور میں آپ کے فرمانبرداروں سے ہوں (آگے حق تعالیٰ شانہٗ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ) یہی لوگ ہیں جن کے نیک کاموں کو ہم قبول کرلیں گے اور ان کی برائیوں سے درگذر کریں گے اس طرح پر کہ یہ جنّت والوں

میں سے ہوں گے یہ اس وعدہ کی وجہ سے ہے جس کا ان سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا (کہ نیک اعمال کا صلہ جنت ہے)۔

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے اہل قرابت اور والدین کے بارے میں بار بار تاکید فرمائی جیسا کہ پہلی آیت شریفہ کے ذیل میں بھی گذر چکا۔ اس آیتِ شریفہ میں خاص طور سے والدین کے بارہ میں احسان کی خصوصی تاکید فرمائی کہ ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ یہ مضمون اسی عنوان سے کہ ہم نے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا تین جگہ قرآن پاک میں وارد ہے۔ پہلی جگہ سورۂ عنکبوت رکوع[۱] میں پھر سورۂ لقمان رکوع[۲] میں، تیسری مرتبہ یہاں جس سے بہت زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔

صاحبِ خازن نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی کہ ابتداءً ان کی رفاقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شام کے سفر میں ہوئی تھی، جب کہ ان کی عمر اٹھارہ[۱۸] سال کی تھی اور حضور کی عمر شریف بیس[۲۰] سال کی تھی۔ اس سفر میں راستہ میں ایک بیری کے درخت کے پاس ان دونوں حضرات کا قیام ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ، وہاں ایک راہب تھا، اس سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور حضورؐ درخت کے سایہ میں تشریف فرما رہے۔ اس راہب نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ یہ شخص جو درخت کے نیچے ہے کون ہے۔ آپ نے فرمایا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدُ المُطّلب۔ راہب نے کہا۔ خدا کی قسم یہ نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد سے اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھا، یہی نبی آخر الزماں ہیں جب حضورؐ کی عمر شریف چالیس[۴۰] سال کی ہوئی اور آپ کو نبوّت ملی تو حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے، اور دو برس بعد جب آپ کی عمر شریف چالیس[۴۰] سال کی ہوئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ کہ مجھے توفیق دیجیے کہ میں اس نعمت کا شکر ادا کروں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہوئی۔ حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ فرماتے ہیں، کہ یہ فضیلت مُہاجرین میں اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی کہ اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوئے ہوں۔ اور دوسری دعا، اولاد کے متعلق صلاحیت کی فرمائی، جس کا ثمرہ یہ ہے

کہ آپ کی اولاد بھی مسلمان ہوئی (خازن)۔

سب سے پہلی آیت سورۂ عنکبوت والی اور بھی زیادہ سخت ہے کہ اس میں ان والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے جو کافر ہوں۔ اور جب کافر والدین کے ساتھ بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اچھا برتاؤ اور بھلائی کرنے کا حکم ہے تو مسلمان والدین کے ساتھ بھلائی اور احسان کی تاکید بطریق اولیٰ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری ماں نے یہ عہد کر لیا کہ میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی، جب تک کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے نہ پھرے گا۔ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا، حتیٰ کہ زبردستی اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی (درمنثور) عبرت کا مقام ہے کہ ایسی سخت حالت میں بھی اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے آدمی کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ البتہ اگر وہ مشرک بنانے کی کوشش کریں تو اس میں اطاعت نہیں ہے۔ حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی کیا مقدار ہے انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ تیری ملک میں ہے، اُن پر خرچ کرے اور جو وہ حکم کریں، اس کی اطاعت کرے بجز اس کے کہ وہ کسی گناہ کا حکم کریں کہ اس میں اطاعت نہیں ہے۔

یہ تھی اسلام کی تعلیم، مسلمانوں کا عمل کہ مشرک والدین اگر اولاد کو مشرک بنانے کی کوشش بھی کریں تب بھی اُن کے ساتھ بھلائی کا حکم ہے۔ البتہ شرک کرنے میں اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں، اس لئے کہ یہ خالق کا حق ہے۔ والدین کا حق خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو جائے مالک کے حق کے مقابلہ میں کسی کا حق نہیں ہے۔ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں"۔ لیکن اُن کے اس حکم اور اولاد کو مشرک بنانے کی کوشش پر بھی ان کے ساتھ احسان کا، بھلائی کا حکم ہے۔ ایک اور حدیث میں سورۂ لقمان والی آیت کے متعلق وارد ہوا ہے کہ یہ حضرت سعدؓ کے واقعہ میں نازل ہوئی۔ اس حدیث میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتا تھا جب میں مسلمان

ہو گیا تو میری والدہ نے کہا سعد یہ کیا کیا - یا تو اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کھانا چھوڑ دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی - ہمیشہ تیرے لئے یہ طعن کی چیز رہے گی ۔ لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل کہیں گے - میں نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کر ، میں اپنا دین تو چھوڑ نہیں سکتا - اُس نے ایک دن بالکل نہ کھایا نہ پیا - دوسرا دن بھی اسی حال میں گذر گیا - تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری سَو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب ختم ہو جائیں ، تب بھی دین تو نہیں چھوڑ سکتا - جب اُس نے یہ پختگی دیکھی تو کھانا پینا شروع کر دیا - (درمنثور) -

اس آیتِ شریفہ میں والدین کے ساتھ نیک سُلوک کا حکم ہے - فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ والدین کے حق کا حکم نہ بھی فرماتے تب بھی عقل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کا حق بہت ضروری اور اہم ہے - چہ جائیکہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنی سب کتابوں توراۃ ، انجیل ، زبور ، قرآن شریف میں ان کے حق کا حکم فرمایا - تمام انبیاء کرامؑ کو ان کے حق کے بارہ میں وحی بھیجی اور تاکید فرمائی ، اپنی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ وابستہ کیا ، اور ان کی ناراضی پر اپنی ناراضی مُرتّب فرمائی - (تنبیہ الغافلین)

یہ تین آیات حُسنِ سُلوک کے متعلق تھیں - اس کے بعد صرف تین آیات بدسلوکی پر تنبیہ کے متعلق بھی ذکر کرتا ہوں -

(۱) وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ - رکوع ۳)

اور نہیں گمراہ کرتے اللہ تعالیٰ شانہٗ اس مثال سے (جس کا پہلی آیت میں ذکر ہوا) مگر ایسے فاسق لوگوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اس مُعاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے ، اس مُعاہدہ کی پختگی کے بعد - اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کے وابستہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا - اور فساد کرتے رہتے ہیں

زمین میں یہی لوگ ہیں پورے خسارہ والے۔

ف: جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ صلہ رحمی بالخصوص والدین کے حقوق کی رعایت کا حکم اور ترغیب فرمائی جیسا کہ اوپر گذرا۔ اسی طرح سے بہت سی جگہ اپنے پاک کلام میں قطع رحمی بالخصوص والدین کے ساتھ بدسلوکی پر بھی تنبیہ فرمائی۔ پہلے کی طرح ان میں سے بھی چند آیات کا حوالہ لکھتا ہوں۔ دوستو! غور کرو، اللہ کے پاک کلام میں جب بار بار اس پر تنبیہ ہے تو اس کو سوچو اور عبرت حاصل کرو۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط (نساء ع ۱) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط (انعام ع ۱۹) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل ع ۴) وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ الآیۃ (احقاف ع ۲) اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (محمد ع ۳)

حضرت محمد باقرؒ کو ان کے والد نے جو خاص طور سے اہتمام سے وصیت فرمائی ہے جو پہلی فصل کی احادیث کے سلسلہ میں نمبر ۲۲ پر بھی گذر چکی ہے۔ وہ بہت تجربہ کی بات ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد (حضرت امام زین العابدینؒ) نے وصیت فرمائی ہے کہ پانچ قسم کے آدمیوں کے پاس نہ پھٹکیو، ان سے بات نہ کیجیو، حتّٰی کہ راستہ چلتے ہوئے اتفاقاً بھی اُن کے ساتھ نہ چلنا۔ اوّل: فاسق شخص کہ وہ ایک لقمہ کے بدلہ میں تجھ کو بیچ دے گا، بلکہ ایک لقمہ سے کم میں بھی۔ میں نے پوچھا، کہ ایک لقمہ سے کم میں کس طرح بیچے گا۔ فرمانے لگے کہ محض لقمہ کی اُمید پر تجھ کو بیچ دے گا اور وہ لقمہ اس کو میسّر بھی نہ ہوگا۔ نمبر ۲: بخیل، کہ وہ تیری سخت احتیاج کے وقت بھی تیرے سے کنارہ کش ہو جائے گا۔ نمبر ۳: جھوٹا شخص کہ وہ بالو (دھوکہ) کی طرح سے تجھے دھوکا میں رکھے گا۔ جو چیز دُور ہوگی اس کو قریب بتائے گا، جو قریب ہوگی اس کو دُور ظاہر کرے گا۔ نمبر ۴: بیوقوف کے پاس نہ لگنا کہ وہ تجھے نفع پہنچانے کا ارادہ کرے گا تب بھی اپنی حماقت سے نقصان پہنچا دے گا۔ مثل مشہور ہے کہ دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہے۔ نمبر ۵: قطعِ رحمی کرنے والے کے پاس نہ جائیو کہ میں نے قرآن پاک

میں تین جگہ اس پر اللہ کی لعنت پائی ہے۔ (روض)

(۲) وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ (سورۂ رعد، ع ۳)	اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کے جوڑنے کا حکم فرمایا اُن کو توڑتے ہیں اور دُنیا میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے، اور اُن کے لئے اُس جہان میں خرابی ہے۔

ف: حضرت قتادہؓ سے نقل کیا گیا کہ اس سے بہت احتراز کرو کہ عہد کرکے توڑ دو، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے، اور بیس آیتوں سے زائد میں اس پر وعید فرمائی ہے جو نصیحت کے طور پر اور خیر خواہی کے طور پر اور حجت قائم کرنے کے لئے وارد ہوئی ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے عہد کے توڑنے پر جتنی وعیدیں فرمائی ہیں، اس سے زائد کسی اور چیز پر فرمائی ہوں۔ پس جو شخص اللہ کے واسطے سے عہد کرلے، اس کو ضرور پورا کرے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خطبہ میں فرمایا کہ جو شخص امانت کو ادا نہ کرے اس کا ایمان ہی نہیں، اور جو عہد کو پورا نہ کرے اس کا دین نہیں۔ حضرت ابُو اُمامہؓ اور حضرت عُبادہؓ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا۔ (درمنثور)

حضرت مَیمُون بن مِہرانؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کافر مسلمان کی کوئی تفریق نہیں، سب کا حکم برابر ہے۔ اوّل جس سے مُعاہدہ کیا جائے اس کو پورا کیا جائے، چاہے وہ معاہدہ کافر سے کیا ہو یا مسلمان سے۔ اس لئے کہ عہد حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دوسرے جس سے رشتہ کا تعلق ہو اس کی صلہ رحمی کی جائے۔ چاہے وہ رشتہ دار مسلمان ہو یا کافر۔ تیسرے جو شخص امانت رکھوائے اس کی امانت واپس کی جائے، چاہے امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر ہو (تنبیہ الغافلین)۔

قرآن پاک میں بہت سی آیات کے علاوہ ایک جگہ خاص طور سے اسی کا حکم ہے
وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ع ۴)
"عہد کو پورا کیا کرو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی" حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم فرمایا۔ اس سے رشتہ داریاں قریب کی اور دور کی مراد ہیں (دُر)۔ دوسری چیز تعلقات کے توڑنے کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرابت کے تعلقات کو توڑنے والا ہو اس سے میل جول پیدا نہ کیجیو کہ میں نے قرآن پاک میں دو جگہ ان لوگوں پر لعنت پائی ہے۔ ایک اس آیت شریفہ میں، دوسری سورۂ محمد میں (دُر)

سورۂ محمد کی آیت شریفہ کا حوالہ قریب گذر چکا ہے۔ جس میں قطع رحمی کے بعد ارشاد فرمایا ہے "یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پھر (ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام سننے سے) بہرا کر دیا اور (راہِ حق) دیکھنے سے اندھا کر دیا" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو جگہ لعنت کا لفظ فرمایا اور حضرت زین العابدینؒ نے، جیسا کہ ابھی گذرا، تین جگہ فرمایا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ دو جگہ تو لعنت ہی کا لفظ ہے سورۂ رعد میں اور سورۂ محمد میں، اور تیسری جگہ ان کو گمراہ اور خسارہ والا فرمایا ہے جو لعنت ہی کے قریب ہے جیسا کہ اس سے پہلے نمبر پر سورۂ بقرہ کی آیت میں ابھی گذرا۔

حضرت سلمانؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس وقت کہ قول ظاہر ہو جائے اور عمل خزانہ میں چلا جائے یعنی تقریریں تو بہت ہونے لگیں مضامین بہت کثرت سے لکھے جائیں لیکن عمل نادر ہو جائے گویا مقفل رکھا ہوا ہے، اور زبانی اتفاق تو آپس میں ہو جائے لیکن قلوب مختلف ہوں اور رشتہ دار آپس کے تعلقات توڑنے لگیں تو اس وقت میں اللہ جل شانہ، ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اندھا بہرا کر دیتے ہیں۔

حضرت حسنؓ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ "جب لوگ علوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کر دیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں

اور دلوں میں بغض رکھیں اور قطع رِحمی کرنے لگیں، تو اللہ جلّ شانہٗ اس وقت اُن کو اپنی رحمت سے دُور کردیتے ہیں اور اندھا بہرا کردیتے ہیں" (درمنثور) کہ پھر نہ سیدھا راستہ ان کو نظر آتا ہے نہ حق بات اُن کے کانوں میں پہنچتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی خوشبو اتنی دُور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رِحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (احیاء)

حضرت عبداللہ بن ابی اَوفیٰ رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم عرفہ کی شام کو حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حلقہ کے طور پر چاروں طرف بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجمع میں کوئی شخص قطعِ رحمی کرنے والا ہو تو وہ اُٹھ جائے ہمارے پاس نہ بیٹھے۔ سارے مجمع میں سے صرف ایک صاحب اُٹھے۔ جو دُور بیٹھے ہوئے تھے اور پھر تھوڑی دیر میں واپس آکر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ میرے کہنے پر مجمع میں سے صرف تم اُٹھے تھے اور پھر آکر بیٹھ گئے۔ یہ کیا بات ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضور کا ارشاد سُن کر میں اپنی خالہ کے پاس گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے قطع تعلّق کر رکھا تھا۔ میرے جانے پر اُس نے کہا کہ تُو خلافِ عادت کیسے آگیا۔ میں نے اُسے آپ کا ارشادِ مبارک سُنایا۔ اُس نے میرے لئے دعائے مغفرت کی۔ میں نے اس کیلئے دعائے مغفرت کی (اور آپس میں صلح کرکے واپس حاضر ہوگیا) حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ بیٹھ جاؤ۔ اس قوم پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطعِ رحمی کرنے والا ہو۔

فقیہ ابُواللیثؒ نے اس کو نقل کیا ہے لیکن صاحبِ کنز نے اس کے ایک راوی کے مُتعلق ابنِ معین سے کذب کی نسبت نقل کی ہے۔ (کنز) فقیہ ابُواللیث فرماتے ہیں، اس قصہ سے معلوم ہوا کہ قطع رِحمی اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کے پاس بیٹھنے والے بھی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص اس میں مُبتلا ہو وہ اس سے توبہ کرے اور صلہ رحمی کا اہتمام کرے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور کوئی گناہ جس کا وبال

دنیا میں اسکے علاوہ ملے جو آخرت میں ملیگا قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے (تنبیہ الغافلین)۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ قطع رحمی کا وبال آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی پہنچتا ہے اور آخرت میں بُرے ٹھکانے کا تو خود اس آیت شریفہ ہی میں ذکر ہے۔ فقیہ ابُواللیث نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک نیک شخص امانت دار خراسان کے رہنے والے تھے۔ لوگ اُن کے پاس اپنی امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت رکھوا کر اپنی کسی ضرورت سے سفر میں چلا گیا۔ جب وہ سفر سے واپس آیا تو اُن خراسانی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُن کے اہل وعیال سے اپنی امانت کا حال پوچھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ ان کو بڑا فکر ہوا کہ بہت بڑی رقم تھی۔ علمائے مکہ مکرمہ سے کہ اتفاق سے اس وقت ایک مجمع اُن کا موجود تھا، مسئلہ پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ آدمی تو بڑا نیک تھا۔ ہمارے خیال میں جنتی آدمی تھا۔ تُو ایک ترکیب کر۔ جب آدھی یا تہائی رات گذر جائے تو زمزم کے کنوئیں پر جا کر اُس کا نام لے کر پکار کے اُس سے دریافت کر۔ اُس نے تین دن تک ایسا ہی کیا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر جا کر اُن علماء سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے اناللہ پڑھا اور کہا کہ ہمیں تو یہ ڈر ہو گیا کہ وہ شاید جنتی نہ ہو۔ تُو فلاں جگہ جا۔ وہاں ایک وادی ہے جس کا نام برہوت ہے۔ اس میں ایک کنواں ہے۔ اس کنوئیں پر آواز دے۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی ہی آواز میں جواب ملا کہ تیرا مال ویسا ہی محفوظ رکھا ہے۔ مجھے اپنی اولاد پر اطمینان نہ ہوا۔ اس لئے میں نے فلاں جگہ مکان کے اندر اس کو گاڑ دیا ہے۔ میرے لڑکے سے کہہ کر تجھے اس جگہ پہنچا دے۔ وہاں سے زمین کھود کر اس کو نکال لے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور مال مل گیا۔ اس شخص نے وہاں بہت تعجب سے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تُو تو بہت نیک آدمی تھا تُو یہاں کیوں پہنچ گیا۔ کنوئیں سے آواز آئی کہ خراسان میں میرے کچھ رشتہ دار تھے، جن سے میں نے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ اسی حال میں میری موت آگئی۔ اس کی گرفت میں میں یہاں پکڑا ہوا ہوں۔ (تنبیہ الغافلین)

حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ سب سے بہترین وادی تمام وادیوں میں مکہ مکرمہ کی وادی ہے اور ہندوستان کی وہ وادی جہاں حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُترے تھے، اسی جگہ ان خوشبوؤں کی کثرت ہے جن کو لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور بدترین وادی اُحقاف ہے اور وادیِ حضرموت جس کو برہوت کہتے ہیں۔ اور سب سے بہترین کنواں دنیا میں زمزم کا ہے اور بدترین کنواں برہوت کا ہے۔ جس میں کفار کی روحیں جمع ہوتی ہیں (درمنثور) ان روحوں کا کسی وقت ان مواقع میں ہونا شرعی حجت نہیں ہے کشفی اُمور سے تعلق رکھتا ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ جس پر چاہے کسی وقت منکشف فرمادیتے ہیں لیکن کشف شرعی حجت نہیں ہے۔

(۳) اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل ع ۳)

"اگر وہ (یعنی ماں باپ) تیرے سامنے (یعنی تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچ جائیں" چاہے ایک ان میں سے پہنچے یا دونوں (اور بڑھاپے کی بعض باتیں جوانوں کو گراں ہونے لگتی ہیں اور اس وجہ سے ان کی کوئی بات تجھے گراں ہونے لگے) تب بھی ان سے کبھی "ہوں" بھی مت کرنا اور نہ اُن سے جھڑک کر بولنا۔ ان سے خُوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے ہمارے پروردگار تُو ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (اور صرف ظاہرداری ہی نہیں بلکہ دل سے ان کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات کو خُوب جانتا ہے اگر تم سعادتمند ہو (اور غلطی سے کوئی بات خلاف ادب سرزد ہوجائے اور تم توبہ کرلو) تو

وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں بڑی کثرت سے معاف کرنے والا ہے۔

ف: حضرت مجاہدؒ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اُف بھی نہ کرو، جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اُف کہنے سے کوئی ادنیٰ درجہ ہوتا، تو اللہ جل شانہٗ اس کو بھی حرام فرما دیتے۔ حضرت حسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ نافرمانی کی مقدار کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "اپنے مال سے ان کو محروم رکھے اور ملنا چھوڑ دے، اور ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے"۔ حضرت حسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ ان سے "قول کریم" کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ان کو "اماں، ابا" کر کے خطاب کرے۔ اُن کا نام نہ لے۔ حضرت زُہَیر بن محمدؒ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا کہ جب وہ پکاریں، تو "حاضر ہوں حاضر ہوں" سے جواب دے۔ حضرت قتادہؒ سے نقل کیا گیا کہ نرمی سے بات کرے۔ حضرت سعید بن المُسَیَّبؒ سے کسی نے عرض کیا کہ قرآن پاک میں حسنِ سلوک کا حکم تو بہت جگہ ہے اور میں اس کو سمجھ گیا لیکن "قول کریم" کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے فرمایا جیسا کہ بہت سخت مجرم غلام، سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ حضورؐ نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان سے آگے نہ چلنا، ان سے پہلے نہ بیٹھنا ان کا نام لے کر نہ پکارنا اور ان کو بُرا نہ کہنا۔

حضرت عُروہؒ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن پاک میں ان کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے اُن کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اوّل اس کی آنکھ سے ہی پہچانی جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل کرتی ہیں کہ جس نے باپ کی طرف تیز نگاہ کر کے دیکھا، وہ فرماں بردار نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا ۔ کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا ۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا ، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ۔ میں نے عرض کیا ۔ اس کے بعد ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔ جہاد ۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے (درمنثور) ۔

صاحبِ مظاہر نے لکھا ہے کہ ماں باپ کے حقوق میں ہے کہ ایسی تواضع اور تملّق کرے اور ادائے خدمت کرے کہ وہ راضی ہو جائیں ۔ جائز کاموں میں اُن کی اطاعت کرے بے ادبی نہ کرے ۔ تکبر سے پیش نہ آئے ، اگرچہ وہ کافر ہی ہوں ۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرے ۔ اُن کو نام لے کر نہ پکارے ، کسی کام میں ان سے پہل نہ کرے ۔ اَمر بالمعروف نہی عن المنکر میں نرمی کرے ۔ ایک بار کہے ، اگر وہ قبول نہ کریں تو خود سلوک کرتا رہے اور ان کے لئے دعاء و استغفار کرتا رہے ۔ اور یہ بات قرآن پاک سے نکالی ہے ۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے باپ کو نصیحت کرنے سے (مظاہر بتغیر) یعنی حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ نصیحت کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ اچھا اب میں اللہ سے تمہارے لئے دعا کرتا ہوں ، جیسا کہ سورۂ مریم کے تیسرے رکوع میں آیا ہے حتّٰی کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کی اطاعت حرام میں تو ناجائز ہے لیکن مشتبہ اُمور میں واجب ہے ۔ اس لئے کہ مشتبہ اُمور سے احتیاط تقویٰ اور ان کی رضا جوئی واجب ہے پس اگر اُن کا مال مشتبہ ہو ، اور وہ تیرے علیحدہ کھانے سے مکدّر ہوں تو اُن کے ساتھ کھانا چاہیئے ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے والدین حیات ہوں اور وہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو ، اُس کے لئے جنت کے دو دروازے نہ کھل جاتے ہوں ۔ اور اگر اُن کو ناراض کر دے تو اللہ جلّ شانہٗ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے

جب تک ان کو راضی نہ کرے۔ کسی نے عرض کیا کہ اگر وُہ ظلم کرتے ہوں۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا۔ اگرچہ وُہ ظلم کرتے ہوں۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے، اور جہاد میں شرکت کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ زندہ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی خدمت کو مضبوط پکڑ لو، جنّت ان کے پاؤں کے نیچے ہے۔ پھر دو بارہ اور سہ بارہ حضورؐ نے یہی ارشاد فرمایا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا جہاد کو بہت دل چاہتا ہے لیکن مجھ میں قدرت نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ والدہ زندہ ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے بارہ میں اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی اُن کے حقوق کی ادائیگی میں فتویٰ سے آگے بڑھ کر تقویٰ پر عمل کرتے رہو)۔ جب تم ایسا کرو گے تو تم حج کرنے والے بھی ہو، عُمرہ کرنے والے بھی ہو، جہاد کرنیوالے بھی ہو۔ یعنی جتنا ثواب ان چیزوں میں ملتا، اتنا ہی تمہیں ملے گا۔

حضرت محمد بن المُنکَدِر کہتے ہیں کہ میرا بھائی عُمر تو نماز پڑھنے میں رات گذارتا تھا اور میں والدہ کے پاؤں دبانے میں رات گذارتا تھا۔ مجھے اس کی کبھی تمنا نہ ہوئی کہ اُن کی رات (کا ثواب) میری رات کے بدلے میں مجھے مل جائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ خاوند کا۔ میں نے پھر پوچھا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ماں کا۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں کے ساتھ عفیف رہو۔ تمہاری عورتیں بھی عفیف رہیں گی۔ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے گی (درمنثور)

حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے۔ وہ بیمار ہوا۔ ان بیٹوں میں سے ایک نے اپنے تین بھائیوں سے کہا کہ اگر تم باپ کی تیمار داری اس شرط پر کرو کہ تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا، تو تم کرو ورنہ میں اس شرط پر تیمار داری کرتا ہوں کہ میراث میں سے کچھ نہ لوں گا۔ وہ اس پر راضی ہوگئے کہ تو ہی اس شرط پر تیمار داری کر، ہم نہیں کرتے۔ اس نے خوب خدمت کی۔ لیکن باپ کا انتقال ہی ہوگیا اور شرط کے موافق اس نے کچھ نہ لیا۔ رات کو خواب میں دیکھا، کوئی شخص کہتا ہے۔ فلاں جگہ سو۱۰۰ دینار (اشرفیاں) گڑی ہوئی ہیں، وہ تو لے لے۔ اس نے خواب میں ہی دریافت کیا کہ ان میں برکت بھی ہوگی۔ اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ صبح کو بیوی سے خواب کا ذکر کیا۔ اس نے ان کے نکالنے پر اصرار کیا، اس نے نہ مانا۔ دوسرے دن پھر خواب دیکھا جس میں کسی دوسری جگہ دس۱۰ دینار بتائے۔ اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔ اس نے کہا کہ برکت ان میں نہیں ہے۔ اس نے صبح کو بیوی سے اس کا بھی ذکر کیا اس نے پھر اصرار کیا۔ مگر اس نے نہ مانا۔ تیسرے دن اس نے پھر خواب دیکھا۔ کوئی شخص کہتا ہے، فلاں جگہ جا۔ وہاں تجھے ایک دینار (اشرفی) ملے گا، وہ لے لے۔ اس نے پھر وہی برکت کا سوال کیا۔ اس شخص نے کہا۔ ہاں اس میں برکت ہے۔ یہ جا کر وہ دینار لے آیا اور بازار میں جا کر اس سے دو۲ مچھلیاں خریدیں۔ جن میں سے ہر ایک کے اندر سے ایک ایسا موتی نکلا جس قسم کا عمر بھر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ بادشاہِ وقت نے ان دونوں کو بہت اصرار سے نوّے خچروں کے بوجھ کے بقدر سونے سے خریدا۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ میرے بہترین تعلقات (احسان وسلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ حضورؐ نے ارشاد

قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وفی روایۃ قَالَ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

فرمایا - ماں - پھر دوبارہ سہ بارہ ماں کو ہی بتایا - پھر فرمایا کہ باپ - پھر دوسرے رشتہ دار اَلْاَقْرَب فَالْاَقْرَب (جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مُقَدَّم ہے)۔

ف: اس حدیث شریف سے بعض علماء نے اِستنباط کیا ہے کہ حُسنِ سُلوک اور احسان میں ماں کا حق تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ - اس لئے کہ حضورؐ نے تین مرتبہ ماں کو بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا - اس کی وجہ علماء یہ بتاتے ہیں کہ اولاد کے لئے ماں تین مشقتیں برداشت کرتی ہے - حمل کی، جننے کی، دودھ پلانے کی - اسی وجہ سے فُقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ احسان اور سُلوک میں ماں کا حق باپ پر مُقَدَّم ہے - اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتا تو ماں کے ساتھ سُلوک کرنا مُقَدَّم ہے۔ البتہ اِعْزاز اور ادب تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مُقَدَّم ہے (مظاہر حق) - اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے ماں احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے بعد دوسرے رشتہ دار ہیں جس کی قرابت جتنی قریب ہوگی، اتنا ہی مُقَدَّم ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ حُسنِ سُلوک کی ابتداء کرو - اس کے بعد باپ کے ساتھ پھر بہن کے ساتھ پھر بھائی کے ساتھ - اَلْاَقْرَب فَالْاَقْرَب - اور اپنے پڑوسیوں اور حاجت مندوں کو نہ بھولنا - (کنز)

حضرت بَہز بن حکیم اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ حضور میں سُلوک و احسان کس کے ساتھ کروں - حضورؐ نے فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ - انہوں نے پھر یہی دریافت فرمایا - حضورؐ نے پھر یہی جواب دیا۔ اسی طرح تیسری مرتبہ بھی - چوتھی مرتبہ میں حضورؐ نے فرمایا باپ کے ساتھ - اس کے بعد پھر دوسرے رشتہ دار جو جتنا قریب ہو، اتنا ہی مُقَدَّم ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

عرض کیا کہ مجھے کوئی حکم دیں تاکہ تعمیل ارشاد کروں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اپنی ماں کے ساتھ احسان کرو۔ دوسری اور تیسری مرتبہ کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ باپ کے ساتھ احسان کرو۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں۔ جس میں یہ پائی جائیں حق تعالیٰ شانہٗ مرنے کے وقت کو اس پر آسان کر دیتے ہیں اور جنت میں اس کو داخل کر دیتے ہیں ضعیف پر مہربانی۔ والدین پر شفقت اور ماتحتوں پر احسان۔ (مشکوٰۃ)

(۲) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُنْسَأَ لَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ متفق علیہ (مشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشاناتِ قدم میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔

ف: "نشاناتِ قدم" میں تاخیر کیے جانے سے عمر کی درازی مراد لی جاتی ہے۔ اس لئے کہ جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہوگی اتنے ہی زمانہ تک اس کے چلنے سے نشاناتِ قدم زمین پر پڑیں گے اور جو مر گیا۔ اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مٹ گیا۔

اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ عمر ہر شخص کی متعین ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ یہ مضمون صراحت سے مذکور ہے کہ ہر شخص کا ایک مقررہ وقت ہے جس میں ایک ساعت کی نہ تو تقدیم ہو سکتی ہے، نہ تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے درازئ عمر کو بعض علماء نے وسعتِ رزق کی طرح سے برکت پر محمول فرمایا ہے کہ اس کے اوقات میں اس قدر برکت ہوتی ہے کہ جو کام دوسرے لوگ دنوں میں کرتے ہیں وہ گھنٹوں میں کر لیتا ہے اور جس کام کو دوسرے لوگ مہینوں میں کرتے ہیں وہ دنوں میں کرتا ہے۔

اور بعض علماء نے درازئ عمر سے اس کا ذکرِ خیر مراد لیا ہے کہ بہت دنوں تک اس کے کارناموں کے نشانات اور ذکرِ خیر اس کا جاری رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی اولاد میں زیادتی ہوتی ہے جس کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد دیر تک

رہتا ہے اور یہی وجوہ اس کی ہو سکتی ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کا قول سچا ہے ارشاد برحق ہے، اس کی اطلاع دی ہے تو صورت اس کی جو بھی ہو اس کا حاصل ہونا یقینی ہے اور اللہ جل شانہٗ کی پاک ذات، قادرِ مطلق اور مُسَبِّبُ الْاَسباب ہے۔ اس کو اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ ہر چیز کا جس کو وہ کرنا چاہے ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ عقلاء کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ اس لئے اس میں نہ کوئی اشکال ہے، نہ کوئی مانع ہے۔ (مظاہر بتغیر)

مُقدّرات کا مسئلہ اپنی جگہ پر اٹل ہے لیکن اس دنیا کو اللہ جل شانہٗ نے دارُ الاَسباب بنایا ہے اور ہر چیز کے لئے ظاہری یا باطنی سبب پیدا کیا ہے۔ اگر ہیضہ کے بیمار کے لئے حکیم ڈاکٹر وغیرہ کے لئے ایک ایک منٹ میں آدمی دوڑ سکتا ہے کہ شاید اس دوا سے فائدہ ہو۔ اس دوا سے فائدہ ہو۔ کیوں، تاکہ عمر باقی رہے۔ حالانکہ وہ ایک مقررہ متعیّنہ چیز ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بقاء عمر کے لئے اس سے زیادہ جدّ و جُہد صلہ رحمی میں نہ کی جائے۔ اس لئے کہ اس کا بقاء اور طولِ عمر کے لئے سبب ہونا یقینی ہے، اور ایسے حکیم کا ارشاد ہے جس کے نسخہ میں کبھی غلطی نہ ہوئی ہو۔ اور ان معمولی حکیم ڈاکٹروں کے نسخوں اور تشخیص میں غلطی کے سینکڑوں احتمالات ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد جو اوپر گذرا، مختلف احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے اس لئے اسمیں تردد نہیں۔ ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ جو شخص ایک بات کا ذمہ لے لے میں اس کیلئے چار باتوں کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو شخص صلہ رحمی کرے اسکی عمر دراز ہوتی ہے، اعزہ اس سے محبت کرتے ہیں رزق میں اسکے وسعت ہوتی ہے اور جنت میں داخل ہوتا ہے (کنز) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ تین باتیں بالکل حق (اور پکی ہیں)۔ نمبرا: جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی کرے اس کی عزت بڑھتی ہے۔ نمبر۲: جو شخص مال کی زیادتی کے لئے سوال کرے اس کے مال میں کمی ہوتی ہے۔ نمبر۳: جو شخص عطا اور صلہ رحمی کا دروازہ کھول دے اس کے مال میں کثرت ہوتی

ہے (درمنثور)۔ فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی میں دس چیزیں قابلِ مدح ہیں۔ اوّل یہ کہ اس میں اللہ جلّ شانہٗ عمّ نوالہٗ کی رضا و خوشنودی ہے کہ اللہ پاک کا حکم صلۂ رحمی کا ہے۔ دوسرے رشتہ داروں پر مسرّت پیدا کرنا ہے۔ اور حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل مؤمن کو خوش کرنا ہے۔ تیسرے اس سے فرشتوں کو بھی بہت مسرّت ہوتی ہے۔ چوتھے مسلمانوں کی طرف سے اس شخص کی مدح اور تعریف ہوتی ہے۔ پانچویں شیطان علیہ اللعنۃ کو اس سے بڑا رنج و غم ہوتا ہے۔ چھٹے اس کی وجہ سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ ساتویں رزق میں برکت ہوتی ہے۔ آٹھویں مُردوں کو اس سے مسرّت ہوتی ہے کہ باپ دادا جن کا انتقال ہوگیا، اُن کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو ان کو بڑی خوشی اس سے ہوتی ہے۔ نویں آپس کے تعلقات میں اس سے قوت ہوتی ہے، جب تم کسی کی مدد کروگے، اس پر احسان کروگے۔ تمہاری ضرورت اور مشقّت کے وقت میں وہ دل سے تمہاری اعانت کرنے کا خواہش مند ہوگا۔ دسویں، مرنے کے بعد تمہیں ثواب ملتا رہے گا کہ جس کی بھی تم مدد کروگے تمہارے مرنے کے بعد وہ ہمیشہ تمہیں یاد کرکے دعائے خیر کرتا رہے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے۔ ایک صلۂ رحمی کرنے والا، کہ اس کے لئے دنیا میں بھی اس کی عمر بڑھائی جاتی ہے۔ رزق میں بھی وُسعت کی جاتی ہے اور اس کی قبر میں بھی وُسعت کردی جاتی ہے۔ دوسرے وہ عورت جس کا خاوند مرگیا ہو اور وہ چھوٹی اولاد کی پرورش کی خاطر اُن کے جوان ہونے تک نکاح نہ کرے تاکہ ان کی پرورش میں مشکلات پیدا نہ ہوں۔ تیسرے وہ شخص جو کھانا تیار کرے، اور یتامیٰ مساکین کی دعوت کرے۔

حضرت حسنؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں۔ ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کے لئے اُٹھا ہو۔ دوسرا وہ قدم جو کسی محرم کی ملاقات کے لئے اُٹھا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ

پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور استقلال سے اللہ جل شانہٗ کے یہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت ہوتی ہے ایک صدقہ کی مداومت تھوڑا ہو یا زیادہ۔ دوسرے صلہ رحمی پر مداومت چاہیے قلیل ہو یا کثیر تیسرے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ چوتھے ہمیشہ باوضو رہنا۔ پانچویں والدین کی فرمانبرداری پر مداومت کرنا (تنبیہ الغافلین)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس عمل کا ثواب اور بدلہ سب سے جلدی ملتا ہے۔ وہ صلہ رحمی ہے بعض آدمی گنہگار ہوتے ہیں لیکن صلہ رحمی کی وجہ سے ان کے مالوں میں بھی برکت ہوتی ہے اور ان کی اولاد میں بھی (احیاء) ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ طریقہ کے موافق کرنا اور معروف (بھلائی) کا اختیار کرنا، والدین کے ساتھ احسان کرنا، اور صلہ رحمی آدمی کو بدبختی سے نیک بختی کی طرف پھیر دیتا ہے، عمر میں زیادتی کا سبب ہے اور بری موت سے حفاظت ہے۔ (کنز)

عمر میں اور رزق میں زیادتی جتنی کثرت سے روایات میں ذکر کی گئی ہے اس کا نمونہ معلوم ہوگیا، اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن پر ہر شخص مرتا ہے اور دنیا کی ساری کوششیں انہی دو چیزوں کی خاطر ہیں۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کے لئے بہت سہل تدبیر بتادی کہ صلہ رحمی کیا کرے، دونوں تمنائیں حاصل ہوں گی۔ اگر حضور ﷺ کے ارشاد کے حق ہونے پر یقین ہے، تو پھر عمر اور رزق کی زیادتی کے خواہشمندوں کو اس نسخہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا چاہیئے۔ اور جو میسر ہو اقربا پر خرچ کرنا چاہیئے کہ رزق میں زیادتی کے وعدہ سے اس کا بدل بھی ملے گا اور عمر میں اضافہ مزید میں ہے۔

(۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَھْلَ وُدِّ اَبِیْہِ بَعْدَ اَنْ یُّوَلِّیَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس کے ساتھ تعلقات رکھنے والوں کے ساتھ

(رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ) حُسنِ سُلوک کرے۔

ف: چلے جانے سے مراد عارضی چلا جانا بھی ہو سکتا ہے اور مُستقل چلا جانا یعنی مر جانا بھی ہو سکتا ہے اور یہ درجہ بڑھا ہوا اس لئے ہے کہ زندگی میں تو اُس کے دوستوں کے ساتھ حُسنِ سُلوک میں اپنے ذاتی اغراض کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے ساتھ تعلّق کی قوّت اور اچھا سُلوک ان اغراض کے پورا ہونے میں مُعیّن ہوگا جو والد سے وابستہ ہیں لیکن باپ کے مرنے کے بعد اُن کے ساتھ سُلوک اور احسان کرنا اپنے ذاتی اغراض سے بالاتر ہوتا ہے، اس میں باپ ہی کا احترام خالص رہ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، ابنِ دینارؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمرؓ مکّہ کے راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بدّو جاتا ہوا نظر پڑ گیا حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کو اپنی سواری دے دی اور اپنے سرِ مبارک سے عمامہ اُتار کر اس کی نذر کر دیا۔ ابنِ دینارؒ نے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص تو اس سے کم درجہ احسان پر بھی بہت خوش ہو جاتا (آپ نے عمامہ بھی دے دیا اور سواری بھی) حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اس کا باپ میرے باپ کے دوستوں میں تھا اور میں نے حضورؐ سے یہ سُنا کہ بہترین صلہ آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں پر احسان کرنا ہے۔

حضرت ابُوبُردہؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیّبہ حاضر ہوا تو حضرت ابنِ عمرؓ مجھ سے ملنے تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے، میں کیوں آیا، میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلۂ رحمی کرے۔ اس کو چاہیئے کہ اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سُلوک کرے اور میرے باپ عمرؓ میں اور تمہارے والد میں دوستی تھی۔ اس لئے آیا ہوں (ترغیب) کہ دوست کی اولاد بھی دوست ہی ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت ابُو اُسَید مالک بن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قبیلہ بنُو سَلمہ کے ایک صاحب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والدین کے انتقال کے

بعد اُن کے حُسنِ سُلوک کا کوئی درجہ باقی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ہاں اُن کے لئے دُعائیں کرنا، اُن کی مغفرت کی دُعا مانگنا، اُن کے عہد کو جو کسی سے کر رکھا ہو پورا کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سُلوک کرنا، ان کے دوستوں کا اِکرام کرنا۔ (مشکوٰۃ بروایۃ ابوداؤد)۔ ایک اور حدیث میں اس قصّہ کے بعد ہے، اس شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ، یہ کیسی بہترین اور بڑھیا بات ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو پھر اس پر عمل کرو۔ (ترغیب)

(۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا (رواه البيهقى فى الشعب كذا فى المشكوٰة)

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ماں باپ دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک مر جائے اور وہ شخص ان کی نافرمانی کرنے والا ہو، تو اگر وہ اُن کے لئے ہمیشہ دُعائے مغفرت کرتا رہے اس کے علاوہ اُن کے لئے اور دعائیں کرتا رہے، تو وہ شخص فرمانبرداروں میں شمار ہو جائے گا۔

ف: یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر اِنعام و احسان اور لُطف و کرم ہے کہ والدین کی زندگی میں بسا اوقات ناگوار اُمور پیش آ جانے سے دلوں میں میل آ جاتا ہے لیکن جتنا بھی رنج ہو جائے، والدین ایسی چیز نہیں جن کے مرنے کے بعد بھی دل میں رنج رہے۔ ان کے احسانات یاد آکر آدمی بیتاب نہ ہو جائے۔ لیکن اب وہ مر گئے اب کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے فضل سے اس کا دروازہ بھی کھول دیا کہ انکے مرنے کے بعد انکے لئے دُعائیں کرے، ان کی مغفرت کو اللہ سے مانگتا رہے، اُن کے لئے ایصالِ ثواب جانی اور مالی کرتا رہے کہ یہ اُن کی زندگی کے زمانہ میں جو اُن کے حقوق ضائع ہوئے ہیں اُس کی تلافی کر دے گا۔ اور بجائے نافرمانوں میں شمار ہونے کے فرمانبرداروں میں شمار ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ ہاتھ سے وقت نکل جانے کے بعد بھی اس کا راستہ کھول دیا۔ کس قدر بے غیرتی اور

دلی قساوت ہوگی اگر اس موقعہ کو بھی ہاتھ سے کھو دیا جائے۔ ایسا کون ہوگا جس سے ہمیشہ والدین کی رضا ہی کے کام ہوتے رہے ہوں اور ادائے حقوق میں کوتاہی تو کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے۔ اگر اپنا معمول اور کوئی ضابطہ ایسا مقرر کر لیا جائے جس سے اُن کو ثواب پہنچتا رہے تو کس قدر اعلیٰ چیز حاصل ہوسکتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو یہ اُن کے لئے حج بدل ہوسکتا ہے، ان کی رُوح کو آسمان میں اس کی خوشخبری دی جاتی ہے اور یہ شخص اللہ کے نزدیک فرماں برداروں میں شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ پہلے سے نافرمان ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کی طرف سے حج کرے تو ان کے لئے ایک حج کا ثواب ہوتا ہے اور حج کرنے والے کیلئے نو حجوں کا ثواب ہوتا ہے۔ (رحمۃ المہداۃ)

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط لِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط وَلَہُ الْعَظْمَۃُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط ھُوَ الْمَلِکُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَالَمِیْنَ ط وَلَہُ النُّوْرُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ط

اور اس کے بعد یہ دعا کرے کہ "یا اللہ اس کا ثواب میرے والدین کو پہنچا دے" اُس نے والدین کا حق ادا کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی اگر کوئی نفلی صدقہ کرے، تو اس میں کیا حرج ہے کہ اس کا ثواب اپنے والدین کو بخش دیا کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں کہ اس صورت میں اُن کو ثواب پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنیوالے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی (کنز)۔

اس حدیث شریف کے موافق کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا۔ جو کچھ بھی کسی موقع پر خرچ کیا جائے اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا دیا کرے حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں۔ اس پاک ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے ساتھ بھیجا ہے، یہ اللہ کے پاک کلام میں ہے کہ جو شخص تیرے باپ کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو تو اس کے ساتھ قطع رحمی نہ کر، اس سے تیرا نور جاتا رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو اپنے والدین کی یا اُن میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرے اُس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔

اُوزاعیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں نافرمان ہو پھر ان کے انتقال کے بعد اُن کے لئے استغفار کرے۔ اگر ان کے ذمہ قرض ہو تو اس کو ادا کرے اور اُن کو بُرا نہ کہے تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہو جاتا ہے، اور جو شخص والدین کی زندگی میں فرمانبردار تھا۔ لیکن ان کے مرنے کے بعد اُن کو بُرا بھلا کہتا ہے، اُن کا قرض بھی ادا نہیں کرتا۔ اُن کے لئے استغفار بھی نہیں کرتا، وہ نافرمان شمار ہو جاتا ہے۔ (درمنثور)

⑤ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ۔ (رواہ ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاتا ہوں۔ تیری وہ لڑکی (اس کا محل ہے) جو لوٹ کر تیرے ہی پاس آگئی ہو اور اس کے لئے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہ ہو (کہ ایسی لڑکی پر جو بھی خرچ کیا جائیگا وہ بہترین صدقہ ہے)

ف: لوٹ کر آجانے سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کر دیا تھا۔ اس کے خاوند کا انتقال ہوگیا یا خاوند نے طلاق دے دی یا کوئی اور عارضہ ایسا پیش آگیا جس کی وجہ سے وہ لڑکی پھر باپ کے ذمہ ہوگئی تو اُس کی خبر گیری، اس پر خرچ کرنا افضل ترین

صدقہ ہے۔ اور اس کا افضل ہونا صاف ظاہر ہے کہ اس میں ایک صدقہ ہے دوسرے مصیبت زدہ کی امداد ہے۔ تیسرے صلہ رحمی ہے۔ چوتھے اولاد کی خبر گیری ہے پانچویں غمزدہ کی دلداری ہے کہ اولاد کا ابتداء میں والدین کے ذمہ ہونا رنج کی بجائے خوشی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس کا اپنا گھر ہو جانے کے بعد اپنا ٹھکانا بن جانے کے بعد پھر والدین کے ذمہ ہو جانا زیادہ رنج کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کی فریادرسی کرے اس کیلئے تہتر درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں اس کے تمام امور کی اصلاح اور درستی ہے۔ اور بہتّر درجے اس کے لئے قیامت میں ترقیات کا سبب ہیں۔

اس مضمون کی بہت سی روایات پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۲۶ کے ذیل میں گذر چکیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میرے پہلے خاوند ابو سلمہؓ کی جو اولاد میرے پاس ہے ان پر خرچ کرنے کا بھی مجھے ثواب ملے گا وہ تو میری ہی اولاد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، ان پر خرچ کیا کر، اس کا تجھے ثواب ملے گا (مشکوٰۃ) اور اولاد پر رحمت اور شفقت تو بغیر اس کی احتیاج اور ضرورت کے بھی مستقل مندوب اور مطلوب ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دونوں نواسے حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک موجود تھے۔ حضورؐ نے ان کو پیار کیا۔ اقرع بن حابس قبیلہ تمیم کا سردار بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کبھی بھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ حضورؐ نے اس کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم کیا بھی نہیں جاتا۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ ایک بدّو نے عرض کیا کہ تم بچوں کو پیار کرتے ہو، ہم تو نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا میں اس کا کیا علاج کروں کہ اللہ نے تیرے دل سے رحمت کا مادہ نکال دیا (ترغیب) اولاد ہونے کے علاوہ اس کا مصیبت زدہ ہونا مستقل اجر کا سبب ہے۔

(۶) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غریب پر صدقہ کرنا

وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَۃُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَۃٌ وَّھِیَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَۃٌ وَّصِلَۃٌ۔

صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی دو چیزیں ہو گئیں۔

(رواہ احمد والترمذی وغیرھما کذا فی المشکوٰۃ)

ف: جہاں تک اہلِ قرابت اور رشتہ داروں کا تعلق ہے اُن پر صدقہ عام غُربا پر صدقہ سے مُقدّم ہے اور افضل ہے۔ نبیِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بہت مختلف روایات میں مختلف عُنوانات سے یہ مضمون بھی بہت کثرت سے نقل کیا گیا۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ایک اشرفی تُو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، ایک اشرفی تُو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے، ایک اشرفی تُو کسی فقیر کو دے، ایک اشرفی تُو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔ ان سب سے افضل یہی ہے جو تُو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے (بشرطیکہ محض اللہ کے واسطے خرچ کیا جائے اور وہ ضرورتمند بھی ہوں جیسا کہ آگے آ رہا ہے) ۔ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزاد کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اس کو اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

ایک مرتبہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابہ اور فقہاء میں ہیں اُن کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے اُن سے کہا کہ آج حضورؐ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے تمہاری مالی حالت کمزور ہے۔ اگر تم حضورؐ سے جاکر یہ دریافت کرو کہ میں صدقہ کا مال تمہیں دے دوں تو یہ کافی ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود ہی جاکر دریافت کرو (کہ اُن کو اپنی ذات کے لئے دریافت کرنے میں غالباً حجاب اور خود غرضی کا خیال ہوا ہوگا) حضرت زینبؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہاں دروازہ پر دیکھا کہ ایک اور عورت بھی کھڑی ہیں اور وہ بھی یہی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں لیکن حضورؐ کے رُعب کی وجہ سے دریافت کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت بلالؓ آگئے، ان دونوں نے اُن سے درخواست کی کہ حضورؐ سے

عرض کر دیں کہ دو عورتیں کھڑی ہیں اور یہ دریافت کرتی ہیں کہ اگر وہ اپنے خاوندوں پر اور جو یتیم بچے پہلے خاوندوں سے اُن کے پاس ہیں، اُن پر صدقہ کر دیں تو یہ کافی ہے۔ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کو پیام پہنچایا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ کون عورتیں ہیں۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ ایک فلاں عورت انصاریہ ہیں اور ایک عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اُن کے لئے دوگنا ثواب ہے۔ صدقہ کا بھی اور قرابت کا بھی۔ (مشکوٰۃ)

حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کا اِرشاد ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کی ایک دِرَم سے مدد کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے دوسرے پر بیس۲۰ درم خرچ کرنے سے۔ اور میں اس پر سَو۱۰۰ درم خرچ کر دوں یہ زیادہ محبوب ہے ایک غلام آزاد کرنے سے (احیاء، اتحاف)

ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی خود ضرورت مند ہو تو وہ مُقَدَّم ہے۔ جب اپنے سے زائد ہو تو عیال مُقَدَّم ہے۔ اس سے زائد ہو تو دوسرے رشتہ دار مقدم ہیں ان سے زائد ہو تو پھر اِدھر اُدھر خرچ کرے (کنز) ۔ یہ مضمون کنزُ العُمَّال وغیرہ میں کئی روایات میں ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو مُؤخَّر کرنا جب ہی ہے، جب کہ اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو اِحتیاج زیادہ ہو، اور اگر اپنے سے زیادہ محتاج دوسرے ہوں، یا خود باوجود احتیاج کے صبر پہ قادر ہے اور اللہ پر اعتمادِ کامل ہے تو دوسروں کو مُقَدَّم کر دینا کمال کا درجہ ہے۔ پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۸ پہ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ کے ذیل میں یہ مضمون مُفَصَّل گذر چکا ہے۔

حضرت علیؓ اِرشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں اپنا اور (اپنی بیوی حضرت) فاطمہؓ کا جو حضورؐ کی سب سے زیادہ لاڈلی اولاد تھیں، قصہ سُناؤں۔ وُہ میرے گھر رہتی تھیں، خود چکّی پیستیں، جس کی وجہ سے ہاتھوں میں گَٹّے پڑ گئے۔ خود پانی بھر کر لاتیں، جس کی وجہ سے مشکیزہ کی رگڑ سے بدن پر رسّی کے نشان پڑ گئے، خود گھر میں جھاڑو وغیرہ دیتیں جس سے کپڑے مَیلے رہتے۔ خود کھانا پکاتیں، جس سے دُھویں کے اثر سے کپڑے کالے رہتے۔ غرض ہر قسم کی مشقّتیں اُٹھاتی رہتی تھیں۔ ایک

مرتبہ حضورؐ کے پاس کچھ باندی غلام وغیرہ آئے تو مَیں نے کہا کہ تم بھی جا کر ایک خادم مانگ لو کہ اس مشقت سے کچھ امن ملے۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہاں کچھ مجمع تھا، شرم کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکیں، واپس چلی آئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے عرض کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن حضورؐ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ فاطمہ تم کل کیا کہنے گئی تھیں۔ وہ تو شرم کی وجہ سے چپکی ہو گئیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ان کی ساری حالت پانی وغیرہ بھرنے کی بیان کر کے عرض کیا کہ مَیں نے ان کو بھیجا تھا کہ ایک خادم آپ سے مانگ لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں خادم سے بہتر چیز بتاؤں۔ جب سونے لیٹا کرو تو سُبْحَانَ اللّٰہ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۳ مرتبہ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھا کرو۔ یہ خادم سے بڑھ کر ہے (ابوداؤد)۔ ایک اور حدیث میں اس قصہ میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا کہ مَیں تمہیں ایسی حالت میں ہرگز نہیں دے سکتا کہ اہلِ صُفّہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے لپٹ رہے ہیں۔ مَیں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی قیمت اہلِ صُفّہ پر خرچ کروں گا۔ (فتح الباری)

(۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ فِیْ عَھْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَھِیَ رَاغِبَۃٌ اَفَاَصِلُھَا قَالَ نَعَمْ صِلِیْھَا۔ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں حضورؐ کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا، اس وقت میری والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آئیں۔ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری اعانت کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کر دوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ان کی اعانت کر دو۔

ف: ابتداءِ زمانہ میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر جس قدر مظالم ہوتے وہ بیان سے باہر ہیں۔ تواریخ کی کتب ان سے پُر ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو مجبور ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی مشرکین کی طرف سے

ہر طریقہ سے لڑائی اور ایذا رسانی کا سلسلہ رہا۔ حضورِ اقدس صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ محض عمرہ کرنے کی نیت سے مکّہ مکرمہ تشریف لائے، تو کافروں نے مکّہ میں داخل بھی نہ ہونے دیا، باہر ہی سے واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس وقت آپس میں ایک معاہدہ چند سال کے لئے ہوگیا تھا جس میں چند سال کے لئے کچھ شرائط پر آپس میں لڑائی نہ ہونے کا فیصلہ ہوا تھا۔ مشہور قصہ ہے۔ اسی معاہدہ کی طرف حضرت اسماءؓ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا کہ جس زمانہ میں قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا۔ اس معاہدہ کے زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی جو حضرت اسماءؓ کی والدہ تھیں اور مسلمان نہیں ہوئی تھیں، اپنی بیٹی حضرت اسماءؓ کے پاس کچھ اعانت کی خواہش لے کر گئیں۔ چونکہ وہ مشرک تھیں، اس لئے حضرت اسماءؓ کو اشکال پیش آیا کہ ان کی اعانت کی جائے یا نہیں۔ اس لئے حضورؐ سے دریافت کیا۔ حضورؐ نے اعانت کا حکم فرمایا۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ داروں کی صلہ رحمی بھی مال سے ضروری ہے جیسا کہ مسلمان رشتہ داروں کی ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اسی قصہ میں قرآن پاک کی آیت لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (ممتحنہ، ع ۲) نازل ہوئی (فتح الباری) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنیوالوں سے محبت رکھتے ہیں۔"

حضرتِ اقدس حکیم الامّۃ مولانا تھانوی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ "مراد وہ کافر ہیں جو ذِمّی یا مُصَالِح ہوں۔ یعنی مُحسنانہ برتاؤ ان سے جائز ہے اور اسی کو منصفانہ برتاؤ فرمایا۔ پس انصاف سے مراد خاص انصاف ہے۔ یعنی اُن کی ذمیّت یا مُصالحت کے اعتبار سے انصاف اسی کو مُقتضی ہے کہ ان کے ساتھ

اِحسان سے دریغ نہ کیا جائے، ورنہ مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت اسماءؓ کی یہ والدہ جن کا نام قَیلہ یا قُتَیلہ بنت عبد العزیٰ ہے چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھیں اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو طلاق دے دی تھی بعض روایات میں ہے کہ یہ کچھ گھی پنیر وغیرہ ہدیہ کے طور پر لے کر اپنی بیٹی حضرت اسماءؓ کے پاس گئیں۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیا، اور اپنی علاتی ہمشیرہ حضرت عائشہؓ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا، کہ حضورؐ سے دریافت کرکے اطلاع دیں۔ حضورؐ نے اجازت فرما دی، اور یہ آیت شریفہ اسی قصہ میں نازل ہوئی (فتح، درمنثور)

یہ ان حضرات کی دین پختگی اور قابلِ رشک جذبہ تھا کہ ماں گھر پر آئی ہے محض بیٹی سے ملنے کے واسطے آئی ہے کہ اس وقت تک اعانت کی طلب کا تو وقت ہی نہ آیا تھا۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے مسئلہ تحقیق کرنے کے لئے آدمی دوڑا دیا کہ میں اپنی ماں کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتی ہوں یا نہیں۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ صحابۂ کرامؓ غیر مسلموں پر صدقہ کرنا ابتداء میں پسند نہیں کرتے تھے۔ جس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے آیت شریفہ لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰهُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ ط الآیۃ (بقرہ، ع ۳۷) نازل فرمائی کہ آپ کے ذمہ اُن کی ہدایت نہیں ہے، یہ تو خدا تعالیٰ کا کام ہے جس کو چاہیں ہدایت پر لادیں اور جو کچھ تم (خیرات وغیرہ) خرچ کرتے ہو، اپنے نفع کے واسطے کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے علاوہ کسی اور فائدہ کی غرض سے نہیں کرتے۔ یعنی تم تو صدقہ وغیرہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے واسطے کرتے ہو، اس میں ہر حاجت مند داخل ہے کافر ہو یا مسلمان ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنے کافر رشتہ داروں پر احسان کرنا پسند

نہیں کرتے تھے تاکہ وہ بھی مسلمان ہو جائیں۔ اُنہوں نے اس بارہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستفسار کیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ نازل ہوئی۔ اور بھی مُتعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے (درمنثور)

اِمام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مجوسی حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کا مہمان بننے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تُو مسلمان ہو جائے تو میں تیری مہمانی قبول کرتا ہوں۔ وہ مجوسی چلا گیا۔ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ابراہیم تم ایک رات کا کھانا تبدیلِ مذہب بغیر نہ کھلا سکے، ہم ستّر برس سے اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا دے رہے ہیں۔ ایک وقت کا کھانا کھلا دیتے تو کیا مضائقہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فوراً اسکی تلاش میں دوڑنے لگے۔ وُہ مِل گیا۔ اس کو اپنے ساتھ واپس لائے اور اس کو کھانا کھلایا اس مجوسی نے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی کہ تم خود مجھے تلاش کرنے نکلے۔ حضرت ابراہیمؑ نے وَحی کا قصّہ سُنایا۔ وہ مجوسی کہنے لگا۔ اس کا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے تو مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (احیاء)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں کسی شخص کو کوئی گنجائش نہیں نمبر ۱: والدین کے ساتھ احسان کرنا چاہے والدین مسلمان ہوں یا کافر۔ نمبر ۲: جس سے عہد کر لیا جائے اس کو پورا کرنا، چاہے مسلمان سے عہد کیا ہو یا کافر سے۔ نمبر ۳: امانت کو واپس کرنا، چاہے مسلمان کی امانت ہو یا کافر کی (جامع الصغیر)

محمد بن الحنفیہؒ، عطاؒ اور قتادہؒ تینوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے پاک ارشاد اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا؏ (احزاب، ع ۱) میں مسلمان کی یہود و نصاریٰ غیر مسلم رشتہ داروں کے لئے وصیت مراد ہے (مغنی)۔

(۸) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مخلوق ساری کی ساری

؏ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے بھلائی کرو۔

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ۔ (رواہ البیھقی فی الشعب کذا فی المشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو وہ شخص بہت محبوب ہے جو اس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔

ف: مخلوق کے اندر مسلمان، کافر، انسان، حیوان سب ہی داخل ہیں۔ ہر مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا اسلام کی تعلیم ہے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کو محبوب ہے۔ پہلی فصل کے نمبر ۱۰ پر یہ حدیث گذر چکی کہ ایک فاحشہ عورت کی اس پر بخشش ہو گئی کہ اُس نے پیاسے کتّے کو پانی پلایا۔ دوسری فصل کی نمبر ۸ پر یہ حدیث گذرتی ہے کہ ایک عورت کو اس بنا پر عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلّی پال رکھی تھی اور اس کو کھانے کو نہ دیا۔

جب جانوروں کا یہ حال ہے تو آدمی تو اشرفُ المخلوقات ہے اس پر احسان اور اچھے برتاؤ کا کیا کچھ اجر ہوگا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مشہور ارشاد ہے۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ "تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو۔ تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ دوسری حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ جَلَّ شانُہٗ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔ (مشکوٰۃ)

خود حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ساری زندگی ساری دنیا کے لئے رحمت تھی۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ اُمّت کیلئے ضروری ہے کہ حضورؐ کی زندگی کے واقعات کی تحقیق کرے اور اس کا اتباع کرے حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیا۔ ع ۷) اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے لئے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کیلئے حضرت ابنِ عباسؓ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لے آئے، اُن کے لئے تو آپ کا وجود دنیا اور آخرت کی رحمت ہے ہی، لیکن جو لوگ ایمان نہیں لائے اُن کے لئے بھی آپ کا وجود اس لحاظ سے رحمت ہے کہ وہ پہلی اُمّتوں

کی طرح دُنیا کے عذاب مسخ ہو جانے سے، زمین میں دھنس جانے سے، آسمانوں سے پتھر برسنے سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابُوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے حضورؐ سے درخواست کی، کہ قریش نے مسلمانوں کو بہت اذیت پہنچائی، بہت نقصانات دیئے۔ آپ ان لوگوں پر بد دعاء فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں بد دعائیں دینے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ اور بھی متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے (درمنثور) حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طائف کے سفر کا جانگداز واقعہ "حکایاتِ صحابہؓ" کے شروع میں لکھ چکا ہوں کہ ان بدنصیبوں نے کتنی سخت سخت تکلیفیں پہنچائیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بدن مبارک سے خون جاری ہو گیا اور اس پر جب اُس فرشتہ نے جو پہاڑوں پر متعیّن تھا۔ اگر درخواست کی کہ اگر آپ فرمادیں تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دُوں جن سے یہ سب بیچ میں کچل جائیں گے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ اگر یہ لوگ مسلمان نہ بھی ہوں تو ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ اللہ کا نام لینے والے پیدا ہو جائیں گے۔

اُحُد کی لڑائی میں جب حضورؐ پر سخت حملہ کیا گیا، حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا لوگوں نے کفّار پر بدُدعاء کی درخواست کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ یا اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ لوگ ناواقف ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگر آپ بھی حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلام کی طرح بدُدعاء فرما دیتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے کہ آپ کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائی گئیں، لیکن آپ ہر وقت یہی فرماتے رہے کہ یا اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کہ وہ جانتے نہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ان حالات کو بڑے غور سے دیکھنا چاہیئے کہ کس قدر حضورؐ کا حلم اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ اور جود و کرم کی انتہاء ہے کہ ان سخت سخت تکلیفوں پر حضورؐ کبھی مغفرت کی، کبھی ہدایت کی دعائیں ہی کرتے رہے۔

غواث بن حارثؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ایک سفر میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّم تنہا سو رہے تھے، وہ تلوار ہاتھ میں لے کر حضورِ اقدسؐ کے پاس پہنچ گیا اور حضورؐ کی آنکھ اس وقت کھلی جب کہ وہ تلوار سونتے ہوئے پاس کھڑا تھا۔ اُس نے للکار کر کہا، کہ بتا اب تجھے بچانے والا کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ جَلَّ شَانُہٗ۔ حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ اس کے ہاتھ کو کپکپی ہوئی اور تلوار ہاتھ سے گر گئی حضورؐ نے وہ تلوار اپنے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا کہ اب تو بتا کہ تجھے بچانے والا کون ہے۔ وہ کہنے لگا کہ آپ بہترین تلوار لینے والے ہیں (یعنی معاف فرمائیں) حضورؐ نے معاف فرمایا۔

یہودی عورت کا حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو زہر دینے کا واقعہ بھی مشہور ہے اور اس عورت نے اس کا اقرار بھی کر لیا کہ میں نے حضورؐ کو زہر دیا۔ لیکن حضورؐ نے اپنا انتقام نہیں لیا۔ لَبِید بن اَعْصَم نے حضورؐ پر جادو کیا۔ حضورؐ کو اس کا علم بھی ہو گیا مگر حضورؐ نے اس واقعہ کا پرچا بھی گوارا نہیں کیا۔ غرض دو چار واقعات نہیں ہزاروں واقعات حضورؐ کے، دشمنوں پر رحم و کرم کے ہیں۔ (شفا۔)

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد ہے کہ تم اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہ کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ ہم میں سے ہر شخص تو رحم کرتا ہی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ یہ رحم نہیں ہے جو اپنے ہی کے ساتھ ہو بلکہ رحم وہ ہے جو عام ہو۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مکان میں تشریف لے گئے، وہاں چند قریش کے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ سلطنت اور حکومت کا سلسلہ قریش میں رہے گا، جب تک کہ وہ یہ معمول رکھیں کہ جو اُن سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں، جب کوئی حکم لگائیں تو عدل کا لحاظ رکھیں، جب کوئی چیز تقسیم کریں تو انصاف کو اختیار کریں اور جو شخص ان امور کا خیال نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، سارے آدمیوں کی لعنت۔

ایک مرتبہ حضورؐ ایک مکان میں تشریف لے گئے۔ جہاں مہاجرینؓ اور انصارؓ کی ایک جماعت تشریف رکھتی تھی۔ حضورؐ کو تشریف لاتا دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ سے ہٹ گیا

اس امید پر کہ حضورؐ وہاں تشریف رکھیں۔ حضورؐ دروازہ پر تشریف فرما تھے اور دروازہ کی دونوں جانبوں پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ میرا تم پر بہت حق ہے۔ یہ امرِ سلطنت کا قریش میں رہے گا جبتک وہ تین باتوں کا اہتمام رکھیں۔ نمبر۱: جو شخص اُن سے رحم کی درخواست کرے اس پر رحم کریں۔ نمبر۲: جو فیصلہ کریں انصاف سے کریں۔ نمبر۳: جو معاہدہ کسی سے کرلیں اس کو پورا کریں۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص ایک چڑیا کو بھی بغیر حق کے ذبح کرے گا، قیامت کے دن اس سے مطالبہ ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اُس کا حق کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ذبح کرکے اس کو کھایا جائے، یہ نہیں کہ ویسے ہی ذبح کرکے پھینک دی جائے۔ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ غلام جو تمہارے ماتحت میں ان کو اس چیز سے کھلاؤ جس سے خود کھاتے ہو، اس چیز سے پہناؤ جس سے خود پہنتے ہو، اور جس سے موافقت نہ آئے اس کو فروخت کردو۔ اس کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (ترغیب)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تمہارا کوئی خادم تمہارے لئے کوئی چیز پکا کر لائے کہ اس کی گرمی اور دھوئیں کی مشقت اُس نے اٹھائی ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس کو کھانے میں اپنے ساتھ شریک کرو۔ اگر اتنی مقدار نہ ہو کہ اس کو شریک کرسکو تو اُس میں سے تھوڑا سا اُسے بھی دے دو (مشکوٰۃ) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مبارک ہے، اور ان کے ساتھ بدخلقی برتنا بدبختی ہے (مشکوٰۃ)

غرض ہر نوع سے حضورؐ نے مخلوق پر رحم کی تاکید فرمائی، مختلف نوع سے ان پر اکرام کی ترغیب دی۔

(۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو برابر سرابر کا معاملہ کرنیوالا

الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ)

ہو۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو دوسرے کے توڑنے پر صلہ رحمی کرے۔

ف: بالکل ظاہر اور بدیہی بات ہے۔ جب آپ ہر بات میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ جیسا برتاؤ دوسرا کرے گا ویسا ہی میں بھی کروں گا تو آپ نے کیا صلہ رحمی کی؟ یہ بات تو ہر اجنبی کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ جب دوسرا شخص آپ پر احسان کرے گا تو آپ خود اس پر احسان کرنے میں مجبور ہیں۔ صلہ رحمی تو درحقیقت یہی ہے کہ اگر دوسرے کی طرف سے بے اتفاقی، بے نیازی، قطع تعلق ہو تو تم اس کے جوڑنے کی فکر میں رہو۔ اس کو مت دیکھو کہ وہ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کو ہر وقت سوچو کہ میرے ذمہ کیا حق ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا کوئی حق اپنے ذمہ رہ جائے جس کا قیامت میں اپنے سے مطالبہ ہو جائے اور اپنے حقوق کے پورا ہونے کا واہمہ بھی دل میں نہ لو بلکہ اگر وہ پورے نہیں ہوتے تو اور بھی زیادہ مسرور ہو کہ دوسرے عالم میں جو اجر و ثواب اس کا ملے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہوگا جو یہاں دوسرے کے ادا کرنے سے وصول ہوتا۔

ایک صحابیؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے رشتہ دار ہیں، میں اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں وہ قطع رحمی کرتے ہیں، میں اُن پر احسان کرتا ہوں وہ میرے ساتھ بُرائی کرتے ہیں، میں ہر معاملہ میں تحمّل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت پر اُترے رہتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو تو اُن کے منہ میں خاک ڈال رہا ہے (یعنی خود ذلیل ہوں گے) اور تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد شاملِ حال رہے گی جب تک تُو اپنی اس عادت پر جما رہے گا (مشکوٰۃ) اور جب تک اللہ جلّ شانہٗ کی مدد کسی کے شاملِ حال رہے نہ کسی کی بُرائی سے نقصان پہنچ سکتا ہے، نہ کسی کا قطعِ تعلق نفع پہنچنے سے مانع ہو سکتا ہے ؎

تُو نہ چھوٹے مجھ سے یا رب تیرا چھٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کسی کا مددگار ہو جائے تو اس کو کب

کسی دوسرے کی کسی مدد کی احتیاج باقی رہ سکتی ہے۔ پھر ساری دنیا اس کی مجبور امُعین ہے اور ساری دُنیا مل کر اس کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مجھے میرے ربّ نے ۹ باتوں کا حکم فرمایا ہے۔ نمبر۱: حق تعالیٰ شانہٗ کا خوف ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی (یعنی دل سے اور ظاہر سے یا خلوت میں اور جلوت میں)۔ نمبر۲: انصاف کی بات خوشی میں بھی غصہ میں بھی (آدمی جب کسی سے خوش ہوا کرتا ہے تو عیوب چھپا کر تعریفوں کے پُل باندھا کرتا ہے، جب خفا ہوتا ہے تو جھوٹے الزام تراشا کرتا ہے۔ مجھے حکم ہے کہ ہر حالت میں انصاف کی بات کہوں)۔ نمبر۳: میانہ روی فقر کی حالت میں بھی اور وسعت کی حالت میں بھی (نہ تنگی میں کنجوسی کروں نہ وُسعت میں اسراف کروں یا نہ فقر میں جزع فزع کروں، نہ غنا میں عُجب اور فخر کروں)۔ نمبر۴: نیز یہ کہ جو شخص مجھ سے قطعِ تعلّق کرے میں اس کے ساتھ بھی تعلّقات وابستہ کروں۔ نمبر۵: اور جو شخص مجھے اپنی عطا سے محروم کرے میں اس کیساتھ حُسنِ سلوک کروں۔ نمبر۶: جو شخص مجھ پہ ظلم کرے اس کو مُعاف کر دوں (انتقام لینے کی فکر میں نہ پڑوں)۔ نمبر۷: یہ کہ میرا سکوت (آخرت کا یا اللہ تعالیٰ کی آیات کا) فکر ہو۔ نمبر۸: میری گویائی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو (تسبیح وغیرہ یا اللہ کے احکام کا بیان)۔ نمبر۹: میری نظر عبرت ہو (یعنی جس چیز کو دیکھوں عبرت کی نگاہ سے دیکھوں) نمبر۱۰: اور میں نیک کام کا حکم کرتا رہوں (مشکوٰۃ)

شروع میں نو۹ چیزیں فرمائی تھیں تفصیل میں دس ہوگئیں مگر یہ دسویں چیز سابقہ نو۹ چیزوں کا اجمال بھی ہو سکتا ہے اور نمبر ۷، ۸ دو مقابل ہونے کی وجہ سے ایک بھی شمار ہو سکتے ہیں جیسا کہ شروع میں ظاہر باطن ایک شمار ہوئے، خوشی اور غصہ ایک شمار ہوئے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ افضل ترین صدقہ کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ کاشح رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ (ترغیب) کاشح اس شخص کو کہتے ہیں جو دل میں کسی سے بغض وکینہ رکھے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ قیامت

میں اس کو بلند مکانات ملیں، اس کو اُونچے درجے ملیں، اس کو چاہیئے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اُس سے درگذر کرے، جو اُس کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس پر احسان کرے، اور جو اُس سے تعلّقات توڑے اُس سے تعلّقات جوڑے۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ جب آیتِ شریفہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۝ (اعراف، ع ۲۴) (معافی کو اختیار کرو، نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے اِعراض کرو) نازل ہوئی تو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام سے اس کی تفسیر دریافت کی تو اُنہوں نے عرض کیا کہ جاننے والے (تعالیٰ شانُہٗ) سے دریافت کرکے عرض کروں گا۔ وہ واپس تشریف لے گئے اور پھر آکر عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے اُس کو مُعاف کریں، اور جو آپ کو اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا فرمائیں، اور جو آپ سے تعلّقات توڑے اس سے تعلّقات جوڑیں۔

ایک اور حدیث میں اس واقعہ کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ میں تم کو دُنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، جو تم پر ظلم کرے اس کو مُعاف کرو، جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو، جو تم سے تعلّقات توڑے اس سے صلہ رحمی کرو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اوّلین اور آخرین کے بہترین اخلاق بتاؤں۔ میں نے عرض کیا، ضرور ارشاد فرمائیں حضورؐ نے فرمایا کہ جو تمہیں اپنی عطا سے محروم رکھے اس کو عطا کرو۔ جو تم پر ظلم کرے اس کو مُعاف کرو، اور جو تم سے قرابت کے تعلّقات توڑے اس کے ساتھ تعلّقات جوڑو۔ حضرت عُقبہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق بتاؤں۔ پھر یہی تین چیزیں ارشاد فرمائیں۔ اور بھی مُتعدد صحابۂ کرامؓ سے یہ مضمون ذکر کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آدمی خالص ایمان تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ یہ کام نہ کرے۔ کہ اپنے سے تعلّق

توڑنے والوں کے ساتھ تعلقات جوڑا کرے، اپنے اُوپر ظلم کرنے والوں کو معاف کیا کرے، اپنے کو گالیاں دینے والے کو بخش دیا کرے، اور جو اپنے ساتھ بُرائی کرے اُس کے ساتھ بھلائی کرے۔ (درمنثور)

(۱۰) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰی اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہٖ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ۔

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ نہیں ہے کوئی گناہ جو زیادہ مستحق اس بات کا ہو کہ اس کا وبال آخرت میں ذخیرہ رہنے کے باوجود دنیا میں اس کی سزا بہت جلد نہ بھگتنی پڑے، ان دو کے علاوہ ایک ظلم، دوسرا قطع رحمی۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یعنی یہ دو گناہ ظلم اور قطعِ رحمی ایسے ہیں کہ آخرت میں تو ان پر جو کچھ وبال ہوگا وہ ہو ہی گا، آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر گناہ کی جب چاہے مغفرت فرما دیتے ہیں، مگر والدین کی قطع رحمی کی سزا مرنے سے پہلے پہلے دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ ہر گناہ کی سزا اللہ جلّ شانہٗ آخرت پر مؤخّر فرما دیتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کی سزا کو بہت جلد دنیا میں دے دیتے ہیں (جامع الصغیر) بہت سی احادیث میں یہ مضمون بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رحم (قرابت) کو زبان عطا فرماویں گے، وہ عرش معلّی کو پکڑ کر درخواست کرتا رہے گا کہ یا اللہ جس نے مجھے ملایا تُو اس کو ملا اور جس نے مجھے قطع کیا تُو اس کو قطع کر۔ بہت سی احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ رِحم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالا گیا ہے جو اس کو ملائے گا رحمٰن اس کو ملائے گا۔ جو اس کو قطع کرے گا رحمٰن اس کو قطع کر دیگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطعِ رحمی کرنیوالا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہر پنجشنبہ کو اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں اعمال پیش ہوتے ہیں

قطعِ رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا (درمنثور)۔

فقیہ ابُوالليثؒ فرماتے ہیں کہ قطعِ رحمی اسقدر بدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رحمت سے دُور کردیتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اس سے بہت جلد توبہ کرے اور صلہ رحمی کا اہتمام کرے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صلۂ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں جس کا بدلہ بہت جلد ملتا ہو، اور قطعِ رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں جلد ہی نازل ہوجاتا ہو (تنبیہ الغافلین)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد ایک مجمع میں تشریف فرما تھے فرمانے لگے میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اگر اس مجمع میں کوئی شخص قطعِ رحمی کرنے والا ہو تو وہ چلا جائے، ہم لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایک دُعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطعِ رحمی کرنے والے کے لئے بند ہوجاتے ہیں (ترغیب) یعنی اسکی دعاء آسمان پر نہیں جاتی، اس سے پہلے ہی دروازہ بند کردیا جاتا ہے اور جب اس کے ساتھ ہماری دعاء ہوگی تو وہ دروازہ بند ہوجانے کی وجہ سے رہ جائے گی۔

ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے اور دنیا کے واقعات بہت کثرت سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطعِ رحمی کرنے والا دنیا میں بھی ایسے مصائب میں پھنستا ہے کہ پھر روتا ہی پھرتا ہے اور اپنی حماقت اور جہالت سے اس کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ اتنے اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کی تلافی نہ کرے، اس کا بدل نہ کرے، اتنے اس آفت اور اس عذاب سے جس میں مُبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی چاہے لاکھ تدبیریں کرلے اور اگر کسی دُنیوی آفت میں مُبتلا ہوجائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بددینی میں خدا نہ کرے مُبتلا ہوجائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ توبہ ہی کرلے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ فرمائے۔

چوتھی فصل

زکوٰۃ کی تاکید اور فضائل میں

زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کے ارکان میں سے اَہم ترین رُکن ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے پاک کلام میں مشہور قول کے موافق ۸۲ بیاسی جگہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم فرمایا اور جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا حکم ہے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مشہور ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ۱: کلمہ طیبہ کا اقرار۔ ۲: نماز۔ ۳: زکوٰۃ۔ ۴: روزہ۔ ۵: حج۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن پاک میں) اس کو نماز کے ساتھ جمع کیا ہے پس ان دونوں میں فرق نہ کرو۔ (کنز)

عُلماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی چیز کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ یہی پانچ چیزیں اسلام کی بُنیاد ہیں۔ یہی اَہَمُّ الْعِبَادات ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن پر اسلام کا گویا مدار ہے لیکن اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خلاصہ کیا ہے۔ اقرارِ عَبدیّت کے بعد صرف دو حاضریاں ہیں۔ آقا کے دربار کی، محبوب کی بارگاہ کی۔ پہلی حاضری رُوحانی ہے جو نماز کے ذریعہ ہے اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے۔ اسی لئے اس کو مِعْرَاجُ الْمُؤمنین کہا جاتا ہے۔ یہ حاضری اپنی ہر وقت کی حاجات اور ضرورتیں مالک کے حضورؐ میں پیش کرنے کا وقت ہے اسی لئے بار بار حاضری کی ضرورت پیش آتی ہے کہ آدمی کی ضرورتیں ہر وقت پیش آتی رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے، کہ حضورِ اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے انبیاء کرام کو جب کوئی حاجت پیش آتی ۔ نماز کی طرف رجوع کرتے ۔ اس حاضری میں بندہ کی طرف سے حمد وثنا کے بعد اعانت کی درخواست ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اجابت کا وعدہ ہے ۔ جیسا کہ احادیث میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں اس کی تصریح ہے ۔ اسی لئے جب نماز کے لئے پکارا جاتا ہے تو نماز کے لئے آؤ ، اس کے ساتھ ہی اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاح کیلئے آؤ یعنی دونوں جہان کی کامیابی کے لئے آؤ ۔ اس کی تائید میں کثرت سے احادیث کا ذخیرہ موجود ہے اور نماز پر چونکہ دونوں جہان کی فلاح اور کامیابی ہی مولیٰ اور آقا کے دربار سے ملتی ہے ۔ دین اور دنیا دونوں ہی عطا ہوتی ہیں ۔ اسلئے زکوٰۃ گویا اس کا تکملہ اور تتمہ ہے کہ ہمارے دربار سے جو عطا ہو اس میں سے نہایت قلیل مقدار ڈھائی روپیہ سینکڑہ ہمارے نام لیوا فقیروں کو بھی دے دیا کرو ۔ یہ گویا شکرانہ ہے دربار کی عطا کا ۔ جو عقلی بھی ہے ، فطری بھی ہے اور معتاد بھی ہے کہ دربار کی عطاؤں میں سے دربار کے نوکروں کو بھی دیا ہی جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کثرت سے جہاں جہاں نماز کا حکم آتا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے بعد اکثر زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے ۔ کہ نماز کے ذریعہ ہم سے مانگو اور لو ، پھر جو ملے اس میں سے تھوڑا سا ہمارے نام لیواؤں کو دیتے جاؤ ۔ پھر لطف پر لطف یہ ہے کہ اس قلیل مقدار کی ادائیگی پر مستقل اجر ہے ۔ مستقل ثواب ہے اور انعامات کثیرہ کا وعدہ ہے

دوسری حاضری جسمانی ۔ محبوب کے گھر کی ہے جس کو حج کہتے ہیں ۔ اس میں چونکہ فی الجملہ مشقت ہے جانی بھی مالی بھی ، اس لئے استطاعت پر عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کی حاضری ضروری قرار دی ، اور وہاں کی حاضری کے لئے اپنے آپ کو گندگیوں سے پاک کرنے کے لئے چند یوم کا روزہ ضروری قرار دیا کہ ساری گندگیوں کی جڑ پیٹ اور شرمگاہ ہے ۔ ان کی چند یوم اہتمام سے حفاظت کی جائے تاکہ وہاں کی حاضری کی قابلیت پیدا ہو جائے ، اسی لئے روزہ کا مہینہ ختم ہوتے ہی حج کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے ۔ اسی مصلحت سے غالباً فقہاءِ کرام اسی ترتیب سے ان عبادات

کو اپنی کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ روزہ میں دوسری مصالح کا ملحوظ ہونا اس کے منافی نہیں۔ مال خرچ نہ کرنے پر آیات میں جو وعیدیں آئی ہیں جن میں سے بعض دوسری فصل میں گذر چکی ہیں وہ اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ کرنے ہی پر نازل ہوئی ہیں۔ ان سب آیات یا احادیث کا ذکر کرنا تو ظاہر ہے کہ دشوار ہے۔ نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس بارہ میں ذکر کی جاتی ہیں۔ مسلمان کے لئے تو ایک آیت یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بھی کافی ہے۔ اور جو محض نام کا مسلمان ہے، اُس کے لئے تمام قرآن پاک اور احادیث کا سارا دفتر بھی بیکار ہے۔ فرمانبردار کے لئے تو اس کا ایک مرتبہ معلوم ہو جانا بھی کافی ہے کہ آقا کا یہ حکم ہے۔ اور نافرمان کے لئے ہزار تنبیہیں بھی بیکار ہیں۔ اتنے عذاب کا جوتا نہ پڑے اتنے کب سمجھ میں آسکتا ہے۔

آیات

(۱) وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○
(سورۂ بقرہ ع ۵)

اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو، اور عاجزی کرو عاجزی کرنیوالوں کے ساتھ (یا رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ)۔

ف: حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں، فروع اسلامیہ میں اعمال دو قسم کے ہیں۔ اعمال ظاہری اور اعمال باطنی۔ پھر اعمال ظاہری دو قسم کے ہیں عبادتِ بدنی اور عبادت مالی۔ تو یہ تین کلیات ہوئیں۔ ان تینوں کلیات میں سے ایک ایک جزئی کو ذکر کر دیا۔ نماز عبادتِ بدنی ہے اور زکوٰۃ عبادت مالی ہے اور خشوع وخضوع عبادت باطنی ہے۔ چونکہ تواضع باطنی میں اہل تواضع کی معیت کو بڑا دخل اور تاثیر عظیم ہے، اس لئے مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کا لفظ بڑھانا نہایت برمحل ہوا۔ (بیان القرآن)

اس قول کے مُوافق رُکوع سے خُشوع خُضوع مراد ہے اور بڑے لطیف اُمور آیتِ شریفہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نمبر ۱: یہ کہ ساری عبادات میں اَہَمُّ الْعِبَادات نماز ہے اسی لئے اس کو سب سے مُقدّم کیا۔ نمبر ۲: دوسرے درجہ میں زکوٰۃ ہے اسی لئے اس کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ نمبر ۳: زکوٰۃ اس عطا کا شکرانہ ہے، جیسا کہ ابھی مُفَصَّل گذرا۔ نمبر ۴: یہ کہ عبادات میں بدنی عبادات، مالی عبادات پر مُقدّم ہیں۔ اس لئے بدنی عبادت کو اوّل اور مالی کو دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ نمبر ۵: یہ کہ عبادات میں اُن کی ظاہری صورت، باطنی حقیقت پر مُقدّم ہے، اسی لئے خُشوع خضوع کو تیسرے نمبر پر ذکر فرمایا۔ نمبر ۶: یہ کہ خُشوع خضوع پیدا کرنے میں اس جماعت کے ساتھ شرکت کو بڑا دخل ہے، اسی وجہ سے مشائخ خانقاہوں کے قیام کو اَہمیّت دیتے ہیں کہ ان حضرات کی خدمت میں رہنے سے یہ صفت جلدی پیدا ہوتی ہے۔ نمبر ۷: تینوں قسم کی عبادات میں مسلمانوں کے عُمومی اَفراد کے عمل کو بہت اَہمّیت ہے۔ اسی لئے سب جگہ جمع کے صیغے ارشاد ہوئے۔ غور سے اور بھی لطائف پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رُکوع سے مراد نماز کا رُکوع ہے۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تفسیرِ عزیزی میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ، یعنی جماعت سے نماز ادا کرو۔ اس لفظ میں گویا جماعت کی تاکید ہے اور جماعت کی نماز اسی مذہب کا خاصّہ ہے، اور دینوں میں نہیں ہے۔ اور اس کو رُکوع کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ یہود کا اُوپر سے بیان ہو رہا ہے اور اُن کی نماز میں رکوع نہیں ہوتا۔ پس گویا اشارہ ہے اس طرف کہ نماز مسلمانوں کی طرح پڑھو۔ (تفسیر عزیزی)

نماز کے ذیل میں جماعت کو بہت خصوصی دخل ہے، جیسا کہ رسالہ "فضائلِ نماز" میں اس کا بیان تفصیل سے گذر چکا ہے۔ حتّٰی کہ فقہاء نے بغیر جماعت کی نماز کو ناقص ادا بتایا ہے۔

(۲) وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام

شَيْءٍ ط فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ (اعراف ع ۱۹)	چیزوں کو محیط ہے۔ پس اس کو ان لوگوں کے لئے (کامل طور پر خاص طور سے) لکھوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ف: حضرت حسنؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی رحمت دُنیا میں ہر شخص کو شامل ہے، نیک ہو یا بد ہو لیکن آخرت میں خاص طور سے متقی لوگوں ہی کے لئے ہے۔ ایک اعرابی مسجد میں آئے اور نماز پڑھ کر انہوں نے دعاء کی۔ یا اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرما اور ہمارے ساتھ رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دُعاء کرتے ہوئے سُن لیا تو فرمایا کہ تم نے اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کیا۔ اللہ جل شانہٗ نے رحمت کے سو حصے فرما کر ایک حصہ دنیا میں اُتارا، جس کو ساری دنیا میں تقسیم فرما دیا۔ اسی کی وجہ سے مخلوق ساری کی ساری جنات ہوں یا انسان یا چوپائے ایک دوسرے پر (آل اولاد پر، اپنے بیگانے پر) رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصہ اپنے پاس رکھ لی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں جن میں سے ایک کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے۔ اسی کی وجہ سے جانور اپنی اولاد پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصے قیامت کے دن کیلئے مؤخر کر دیئے۔ اور بھی متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے (درمنثور)

کس قدر مسرت کی بات ہے، کس قدر لطف کی چیز ہے کہ مائیں اپنی اولاد پر جتنی شفقت کرتی ہیں کہ اس کی ذراسی تکلیف سے بے چین ہو جاتی ہیں۔ باپ اپنی اولاد کو کسی مصیبت میں دیکھتے ہیں پریشان ہو جاتے ہیں۔ عزیز اقربا، میاں بیوی اپنے اور اجنبی کسی پر مصیبت دیکھ کر تلملانے لگتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں اس رحمت ہی کا تو اثر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قلوب میں رکھی ہے۔ ساری دُنیا کی ساری رحمتیں ملا کر ایک بٹہ سو حصہ ہے اس رحمت کا جس کے ننانوے حصے اللہ جل شانہٗ نے اپنے لئے اختیار فرمائے۔ اتنے بڑے رحیم، اتنے بڑے شفیق کے احکام کی پروا نہ کرنا کس قدر بے غیرتی ہے، کس قدر ظلم

ہے۔ کوئی ماں اپنے لڑکے پر انتہائی کرم کرتی ہو اور پھر وہ لڑکا اس کے کہنے کی پرواہ نہ کرے تو ماں کو کس قدر رنج ہو۔ حالانکہ ماں کا لطف وکرم اللہ کے لطف وکرم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی سے حق تعالیٰ شانہٗ کے احکام کی پرواہ نہ کرنے کا اندازہ کرلیا جائے۔

(۳) وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ (سورۂ روم رکوع ۴)	اور جو چیز تم اس غرض سے دوگے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے یہ تو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوٰۃ (وغیرہ) دوگے جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہتے ہیں۔

ف: مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بڑھوتری کی غرض سے مال دینے میں وہ سب مال داخل ہیں جو اس نیت سے دیئے جائیں کہ اس سے افضل ملے۔ یعنی چاہے دنیا میں اس سے افضل ملنے کی، زیادہ ملنے کی امید پر خرچ کرے یا آخرت میں زیادہ ملنے کی امید پر خرچ کرے وہ سب بڑھوتری کی امید میں داخل ہے۔ اسی لئے ربٰو اور زکوٰۃ کو ساتھ ذکر کیا۔ ایک اور حدیث میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ اس سے ہدایا مراد ہیں۔ (درمنثور)

یعنی جو ہدیہ وغیرہ کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ اس کے بدلہ میں اس سے بڑھ کر دے گا مثلاً کسی کی دعوت اس غرض سے کی جائے کہ پھر وہ نذرانہ دے گا جو اس سے زیادہ ہوگا جتنا دعوت میں خرچ کیا گیا، اسی میں نوتہ وغیرہ بھی داخل ہے کہ یہ سب کے سب بڑھوتری کی نیت سے خرچ کئے جاتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی ضابطہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اضافہ اسی چیز کا ہوتا ہے جو اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہدیہ اس نیت سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ دنیا میں ملے، اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب آخرت کی نیت سے دیا ہی نہیں تو وہاں کیوں ملے۔ حضرت کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص

کسی کو اس نیت سے دے کہ وہ بدلہ میں اس سے زیادہ دے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اضافہ کا سبب نہیں۔ اور جو شخص محض اللہ کے واسطے دے کہ جس شخص کو دیا ہے اس سے کسی قسم کی مکافات اور بدلہ کا امّیدوار نہ ہو، یہی وہ مال ہے جو اللہ کے نزدیک بڑھتا رہتا ہے۔ (درمنثور)

لہٰذا جو لوگ کسی کو زکوٰۃ وغیرہ کا مال دے کر اس کے امّیدوار رہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ احسان مند رہیں گے، وہ اپنے ثواب میں اس بدنیتی سے خود کمی کر دیتے ہیں سب سے پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۴ پر گذرا ہے اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ (ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں، نہ تو ہم اس کا تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ اس کا شکریہ چاہتے ہیں)۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے زیادہ بدلہ چاہنے کی نیت سے خرچ کرنے کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو تو خاص طور سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ خصوصیت سے حضورؐ کو ارشاد ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر، ع ۱) "اور آپ کسی کو اس غرض سے نہ دیں کہ اس کا زیادہ معاوضہ چاہیں"۔

اور اللہ جَلَّ شانہٗ کے لئے خرچ کرنے کا ثواب اور اس کی زیادتی دین اور دُنیا میں متعدد آیات اور روایات سے پہلی فصل میں گذر چکی ہے، اسلئے خرچ کرنے والوں کو بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ کسی پر خرچ کرنے کی صورت میں ہرگز ان سے کسی قسم کے بدلہ یا شکریہ کا امّیدوار نہ رہنا چاہیئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لینے والے کا فرض ہے کہ وہ احسان مند ہو اور اس کا شکر ادا کرے، لیکن دینے والا اگر اس کی نیت کرے گا تو وہ اللہ کے واسطے سے نکل کر دُنیا کے واسطے میں داخل ہو جائے گا، بالخصوص زکوٰۃ میں تو اس کا واہمہ بھی نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ اس میں کسی پر کیا احسان ہے۔ اسی لئے آیت شریفہ میں زکوٰۃ کو اللہ کی رضا کے لئے دینے کے ساتھ مقیّد کیا ہے۔

احادیث

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُؓ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُؓ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔ (رواه ابوداود وكذا فى المشكوٰة)

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں، کہ جب قرآن پاک میں آیت شریفہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت بہت شاق ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مشکل کو میں حل کرونگا۔ حضرت عمرؓ یہ فرماکر حضورؐ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور وہاں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ یہ آیت تو لوگوں پر بڑی شاق ہو رہی ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال کو عمدہ اور طیّب بنادے اور میراث تو آخر اسی وجہ سے فرض ہوئی کہ مال بعد میں باقی رہے۔ حضرت عمرؓ نے خوشی میں اللہ اکبر فرمایا۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں بہترین چیز خزانہ کے طور پر رکھنے کی بتاؤں، وہ عورت ہے جو نیک ہو کہ جب خاوند اس کو دیکھے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے اور جب اس کو کوئی حکم کرے تو وہ اطاعت کرے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ عورت (خاوند کی متروکہ چیزوں کی) حفاظت کرے (جس میں عفت بھی داخل ہے)۔

ف: دوسری فصل کی آیات میں نمبر ۵ پر یہ آیت شریفہ اور اس کا ترجمہ گذر چکا ہے اس آیت شریفہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ چاہے کیسی ہی ضرورت سے جمع کیا جائے وہ سخت عذاب کا سبب ہے۔ اسی لئے صحابۂ کرامؓ کو بڑا شاق گذرا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جان تھی اور ضرورتیں بسا اوقات روپیہ وغیرہ رکھنے پر مجبور کرتی تھیں، اس لئے بڑی گرانی ہو رہی تھی جس کو حضرت عمرؓ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے حل کیا۔ حضورؐ نے تسلی فرمادی کہ زکوٰۃ اسی لئے فرض ہوئی، کہ اس کے ادا کرنے کے بعد باقی مال طیب ہو جائے اور اس سے مال کے جمع رکھنے پر دلیل ہوگئی، کہ زکوٰۃ تو جب ہی واجب ہوگی جب سال بھر مال موجود ہے۔ اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہوتا تو زکوٰۃ کیوں واجب ہوتی۔ نیز اس سے زکوٰۃ کی کتنی بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے ادا کرنے کا ثواب تو مستقل اور علیحدہ رہا، اس کی وجہ سے باقی مال بھی پاک صاف اور طیب بن جاتا ہے۔ خود قرآن پاک میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا الآیۃ (توبہ، ع ۱۳) "آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے"۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ یہ تمہارے پاک ہونے کا ذریعہ ہے (کنز)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کیا کرو، کہ وہ پاک کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو (اس کے ذریعہ سے) پاک کر دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ سے (گندگی سے یا اضاعت سے) محفوظ بناؤ، اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو۔ اور بلاؤں کے لئے دعاؤں کو تیار کرو۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے اپنے مال کو محفوظ بناؤ اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کرو، اور بلاؤں کے زوال کے لئے دُعا، اور عاجزی سے

مدد چاہو (کنز) اس کے بعد حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حدیثِ بالا میں مال جمع رکھنے کے جواز کی دوسری دلیل ارشاد فرمائی کہ میراث کا حکم تو اسی وجہ سے ہے کہ مال رکھنا جائز ہے۔ اگر مال کا رکھنا جائز نہ ہو تو پھر تقسیم میراث کس چیز کی ہوگی اس کے بعد حضور نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ جائز ہونا اَمرِ آخر ہے لیکن خزانوں میں رکھنے کی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کو تو خرچ ہی کر دینا چاہیئے۔ محفوظ رکھنے کی چیز نیک بیوی ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے اس جگہ سوال فرمایا تھا جس پر حضورؐ کا یہ ارشاد ہے۔ حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت شریفہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الآية نازل ہوئی تو ہم حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ خزانہ کے طور پر کیا چیز حفاظت سے رکھنے کی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ بہترین چیز وہ زبان ہے جو ذکر کرنے والی ہو، وہ دل ہے جو شکر گذار ہو، اور وہ نیک بیوی ہے جو دین کے کاموں میں مدد کرنے والی ہو۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا، کہ سونے چاندی کا ناس ہو کیسی بُری چیز ہے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ اس پر صحابہؓ نے دریافت کیا کہ خزانہ کے طور پر قابلِ حفاظت کیا چیز بہتر ہے حضورؐ نے فرمایا۔ زبان ذکر کرنے والی، دل اللہ سے ڈرنے والا، اور وہ نیک بیوی جو دین کے کاموں میں مُعین و مددگار ہو۔ (تفسیر کبیر)

کیسی پاک اور جامع تعلیم ہے حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کہ مال رکھنے کا جواز بھی بتا دیا اور جمع رکھنے کا پسندیدہ نہ ہونا بھی بتا دیا اور دنیا میں راحت کی ایسی زندگی جو آخرت میں کام دے وہ بھی بتا دی کہ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل، اور دنیا کی لذت کی وہ چیز بھی بتا دی جو راحت سے زندگی گذرنے کا سبب ہو، اور وہ فتنے اس میں نہ ہوں جو مال میں ہیں، ہر قسم کی راحت اس سے مُیسّر ہو، اور وہ

بیوی ہے۔ بشرطیکہ نیک ہو، دین دار ہو، فرمانبردار ہو، اور سمجھ دار ہو کہ خاوند کے مال و متاع کی حفاظت کرنے والی ہو۔

(۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلزَّکٰوۃُ قَنْطَرَۃُ الْاِسْلَامِ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا (بہت بڑا مضبوط) پُل ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط الکبیر کذا فی الترغیب)

ف: جیسا کہ مضبوط پُل ذریعہ اور سہولت کا سبب ہوتا ہے کسی جگہ جانے کا، اسی طرح زکوٰۃ ذریعہ ہے اور راستہ ہے اسلام کی حقیقت تک سہولت سے پہنچنے کا۔ یا اللہ جَلَّ شانُہٗ کے عالی دربار تک پہنچنے کا۔ عبدالعزیز بن عُمیرؒ حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ نماز تجھے آدھے راستہ تک پہنچا دے گی اور روزہ بادشاہ کے دروازہ تک پہنچا دے گا اور صدقہ تجھے بادشاہ کے پاس پہنچا دے گا۔ (اتحاف)

پُل کے ساتھ ایک لطیف مناسبت حضرت شقیق بلخیؒ جو مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، کے کلام سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں، اُن کو پانچ جگہ پایا۔ روزی کی برکت کو چاشت کی نماز میں پایا، اور قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی، مُنکر نکیر کے جواب کو تلاوتِ قرآن میں پایا، اور پُل صراط پر سہولت سے گذرنا روزہ اور صدقہ میں پایا، اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔ (فضائل نماز)

(۳) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ اَدّٰی الرَّجُلُ زَکٰوۃَ مَالِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدّٰی زَکٰوۃَ مَالِہٖ فَقَدْ ذَھَبَ عَنْہُ شَرُّہٗ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کر دے، تو اس مال کی شر اُس سے جاتی رہتی ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم مختصرا وقال صحیح علی شرط مسلم کذا فی الترغیب)

ف: بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے کہ جب تُو مال کی زکوٰۃ ادا کر دے، تو تُو نے اس مال کے شر کو زائل کر دیا (کنز) یعنی مال بہت سے شُرُور کا سبب ہوتا ہے لیکن اس کی زکوٰۃ اگر اہتمام سے ادا ہوتی رہے تو اس کے شر سے حفاظت رہتی ہے۔ آخرت کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ پھر اس مال پر عذاب نہیں ہوتا، دُنیا کے اعتبار سے اس لحاظ سے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا مال کے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ اس سے اگلی حدیث میں آ رہا ہے، اور اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ مال ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ فصل کے نمبر ۶ پر آ رہا ہے۔

(۴) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصِّنُوْا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَ دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاسْتَقْبِلُوْا أَمْوَاجَ الْبَلَاءِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ (رواہ ابوداؤد فی المراسیل و رواہ الطبرانی والبیھقی وغیرھما عن جماعۃ من الصحابۃ مرفوعًا متصلًا والمرسل اشبہ کذا فی الترغیب)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو، اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے استقبال کرو۔

ف: تحصین کے معنی اپنے چاروں طرف قلعہ بنا لینے کے ہیں۔ یعنی جیسا کہ آدمی قلعہ میں بیٹھ جانے سے ہر طرف سے محفوظ ہو جاتا ہے ایسا ہی زکوٰۃ کا ادا کر دینا، اس مال کو ایسا محفوظ کر دیتا ہے جیسا کہ وہ مال قلعہ میں محفوظ ہو گیا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کعبہ میں حطیم میں تشریف رکھتے تھے کسی شخص نے تذکرہ کیا کہ فلاں آدمیوں کو بڑا نقصان ہو گیا۔ سمندر کی موج نے اُن کے مال کو ضائع کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ جنگل ہو یا سمندر کسی جگہ بھی جو مال ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ضائع ہوتا ہے۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو اور اپنے بیماروں کی صدقہ سے دوا کیا کرو، اور بلاؤں کے نزول کو دعاؤں سے

دُور کیا کرو۔ دعاء اس بلا کو بھی زائل کر دیتی ہے جو نازل ہو گئی ہو اور اس بلا کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نازل نہ ہوئی ہو۔ جب اللہ جَلّ شانُہٗ کسی قوم کا بقاء چاہتے ہیں یا اُن کی بڑھوتری چاہتے ہیں تو اس قوم میں گناہوں سے عِفّت اور جوانمردی (یعنی جود و بخشش) عطا فرماتے ہیں، اور جب کسی قوم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس میں خیانت پیدا کر دیتے ہیں۔ (کنز)

(۵) رُوِیَ عَنْ عَلْقَمَةَ اَنَّهُمْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَمَامَ اِسْلَامِكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ۔
(رواه البزار كذا فى الترغيب)

حضرت علقمہؓ فرماتے ہیں، کہ جب ہماری جماعت حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اسلام کی تکمیل اس میں ہے، کہ مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

ف: اسلام کی تکمیل کا زکوٰۃ پر موقوف ہونا ظاہر ہے کہ جب زکوٰۃ اسلام کے پانچ مشہور ارکان کلمہ طیبہ کا اقرار، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک رکن ہے تو جب تک ایک رکن بھی باقی رہے گا، اسلام کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابُو ایُّوبؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنّت میں داخل کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا، اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو۔

ایک اور حدیث میں ہے، ایک اعرابیؓ نے سُوال کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے، جس پر عمل کر کے جنّت میں داخل ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز کو اہتمام سے ادا کرتے رہو، فرض زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان کے روزے رکھتے رہو۔ ان صاحب نے عرض کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس میں ذرا بھی کمی زیادتی نہ ہو گی۔ جب وُہ

چلے گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص کا کسی جنتی آدمی کو دیکھ کر دل خوش ہو، وہ اس شخص کو دیکھے (ترغیب)

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مُعَاوِيَةَ الْغَاضِرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَعَلِمَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَعْطٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ رَافِدَةً عَلَيْهِ كُلَّ عَامٍ وَلَمْ يُعْطِ الْهَرِمَةَ وَلَا الدَّرِنَةَ وَلَا الْمَرِيْضَةَ وَلَا الشَّرَطَ اللَّئِيْمَةَ وَلٰكِنْ مِّنْ وَّسَطِ اَمْوَالِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَسْأَلْكُمْ خَيْرَهٗ وَلَمْ يَأْمُرْكُمْ بِشَرِّهٖ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین کام کرلے، اس کو ایمان کا مزہ آجائے۔ صرف اللہ جل شانہٗ کی عبادت کرے اور اس کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور زکوٰۃ کو ہر سال خوش دلی سے ادا کرے (بوجھ نہ سمجھے)۔ اس میں (جانوروں کی زکوٰۃ میں) بوڑھا جانور یا خارشی جانور، یا مریض یا گھٹیا قسم کا جانور نہ دے، بلکہ متوسط جانور دے اللہ جل شانہٗ زکوٰۃ میں تمہارے بہترین مال نہیں چاہتے، لیکن گھٹیا مال کا بھی حکم نہیں فرماتے۔

(رواہ ابوداؤد کذا فی الترغیب)

ف: اس حدیث میں تذکرہ اگرچہ جانوروں کی زکوٰۃ کا ہے لیکن ضابطہ ہر زکوٰۃ کا یہی ہے کہ نہ تو بہترین مال واجب ہے نہ گھٹیا مال جائز ہے بلکہ درمیانی مال ادا کرنا اصل ہے البتہ کوئی اپنی خوشی سے ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمدہ مال ادا کرے تو اس کی سعادت ہے، اس کی خوش قسمتی ہے۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے احوال کو غور سے دیکھئے، اُن کے طرزِ عمل کی تحقیقات کرے، دو واقعے نمونہ کے طور پر اس جگہ نقل کرتا ہوں۔

مُسلم بن شُعبہؒ کہتے ہیں کہ نافع بن عَلقمہؒ نے میرے والد کو ہماری قوم کا چودھری

بنا دیا تھا - ایک مرتبہ انہوں نے میرے والد کو حکم دیا کہ ساری قوم کی زکوٰۃ جمع کر کے لے جائیں - میرے والد نے مجھے سب سے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے اور جمع کرنے کو بھیج دیا - میں ایک بڑے میاں کے پاس جن کا نام سِعرؓ تھا ان کی زکوٰۃ لینے کے لئے گیا - انہوں نے مجھ سے پوچھا - بھتیجے! کس طرح کا مال لوگے - میں نے کہا، اچھے سے اچھا لونگا حتّٰی کہ بکری کے تھن تک بھی دیکھوں گا کہ بڑے ہیں یا چھوٹے، یعنی ایک ایک چیز دیکھ کر ہر اعتبار سے عمدہ سے عمدہ چھانٹ کر لوں گا - انہوں نے فرمایا کہ پہلے میں تمہیں ایک حدیث سُنا دوں (تاکہ مسئلہ تم کو معلوم ہو جائے، اس کے بعد جیسا دل چاہے لے لینا) میں حضورؐ کے زمانہ میں اسی جگہ رہتا تھا - میرے پاس حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس سے دو آدمی قاصد بن کر آئے اور یہ کہا کہ ہمیں حضورؐ نے تمہاری زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا ہے - میں نے ان کو اپنی بکریاں دکھا کر دریافت کیا کہ ان میں کیا چیز واجب ہے - اُنہوں نے شمار کر کے بتایا کہ ایک بکری واجب ہے - میں نے ایک نہایت عُمدہ بکری جو چربی اور دُودھ سے لبریز تھی نکالی کہ زکوٰۃ میں دوں - ان صاحبوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ بچہ والی بکری ہے، ہمیں ایسی بکری لینے کی حضورؐ کی طرف سے اجازت نہیں ہے - میں نے پوچھا کہ پھر کیسی لوگے - ان دونوں نے کہا کہ چھ مہینہ کا مینڈھا، یا ایک سال کی بکری - میں نے ایک شش ماہا بچہ نکال کر ان کو دے دیا، وہ لے گئے (ابوداؤد)-

اس واقعہ میں حضرت سِعرؓ کی خواہش ابتداءً یہی تھی کہ تمام بکریوں میں جو بہتر سے بہتر ہو، ادا کی جائے - اور ابنِ نافع کو غالباً یہ واقعہ اس لئے سُنایا کہ ان کو مسئلہ معلوم ہو جائے اور اس کے بعد اُن کا انداز تو اس واقعہ سے خود ہی معلوم ہو گیا کہ یہ زکوٰۃ میں اپنا بہترین مال دینا چاہتے ہیں -

دوسرا واقعہ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے ایک مرتبہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا - میں ایک صاحب کے پاس گیا - جب انہوں نے اپنے اُونٹ میرے سامنے کیے تو میں نے دیکھا کہ ان میں ایک سال کی اونٹنی واجب ہے - میں نے ان سے کہا کہ ایک سالہ اونٹنی دے دو - وہ کہنے لگے کہ ایک سالہ اونٹنی کس کام

آئے گی، نہ تو وہ سواری کا کام دے سکتی ہے نہ دودھ کا۔ یہ کہنے کے بعد اُنہوں نے ایک نہایت عمدہ بہت موٹی تازی بڑی اونٹنی نکالی اور کہا کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا میں تو اس کو قبول نہیں کرسکتا۔ البتہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود سفر ہی میں تشریف فرما ہیں اور تمہارے قریب ہی آج منزل ہے، اگر تمہارا دل چاہے تو براہِ راست حضورؐ کی خدمت میں جاکر پیش کردو۔ اگر حضورؐ نے اجازت دے دی تو میں لے لوں گا۔ وہ صاحب اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ چل دیئے۔ جب ہم حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو اُنہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کے قاصد میرے پاس آئے تھے کہ میری زکوٰۃ لیں، اور خدا کی قسم یہ سعادت مجھے اب سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی کہ حضورؐ نے یا حضورؐ کے قاصد نے کبھی مجھ سے مال طلب کیا ہو۔ میں نے آپ کے قاصد کے سامنے اپنے اُونٹ کردیئے۔ اُنہوں نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ان میں ایک سالہ اونٹنی واجب ہے۔ حضورؐ! ایک سالہ اُونٹنی نہ تو دودھ کا کام دے سکتی ہے نہ سواری کا، اس لئے میں نے ایک بہترین اُونٹنی ان کی خدمت میں پیش کی تھی جو یہ میرے ساتھ حاضر ہے، انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا اس لئے میں آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ یارسول اللہ! اس کو قبول ہی فرمالیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتایا۔ اگر تم نفل کے طور پر زیادہ عمر کی عمدہ اونٹنی دیتے ہو تو اللہ جلّ شانہٗ تمہیں اس کا اجر دیگا۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اسی لئے ساتھ لایا ہوں۔ اس کو قبول فرمالیں حضورؐ نے اس کے لینے کی اجازت فرمادی۔ (ابوداؤد)

ان حضرات کے دلوں میں زکوٰۃ کا مال ادا کرنے کے یہ وَلولے تھے۔ وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ اس کو عزّت سمجھتے تھے کہ اللہ کا اور اس کے رسول کا قاصد آج میرے پاس آیا اور میں اس قابل ہوا۔ وہ اس کو تاوان اور بیگار نہیں سمجھتے تھے وہ اس کو اپنی ضرورت، اپنی غرض اور اپنا کام سمجھتے تھے۔ ہم لوگ عمدہ مال کو یہ سوچتے ہیں کہ اس کو رکھ لیں کہ اپنے کام آئے گا، اور یہ حضرات اپنے کام آنا اُسی کو سمجھتے تھے: جو

اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا ہو۔ حضرت اَبُوذَرؓ کا واقعہ پہلی فصل کی آیات کے ذیل میں نمبر ۱۱ پر گذر چکا کہ جب قبیلۂ بنی سُلَیم کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں رہنے کی درخواست کی تو آپ نے اُن سے یہ فرمایا کہ اس شرط پر میرے پاس قیام کی اجازت ہے کہ جب میں کسی کو کوئی چیز دینے کو کہوں تو جو چیز میرے مال میں سب سے عمدہ اور بہتر ہو، اس کو چھانٹ کر دینا ہوگا۔ یہ مُفصّل قصہ گذر چکا ہے۔ اور آئندہ فصل کی احادیث میں نمبر ۱۰ پر یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے کہ زکوٰۃ، صدقات میں بالخصوص زکوٰۃ میں خراب مال ہرگز نہ دینا چاہیئے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَدَّیْتَ الزَّکٰوةَ فَقَدْ قَضَیْتَ مَا عَلَیْكَ وَمَنْ جَمَعَ مَالًا حَرَامًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ یَکُنْ لَهٗ فِیْهِ اَجْرٌ وَکَانَ اِصْرُهٗ عَلَیْهِ (رواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحیھما والحاکم وقال صحیح الاسناد کذا فی الترغیب)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ جب تُو مال کی زکوٰۃ ادا کردے تو جو حق (واجب) تجھ پر تھا وُہ تو ادا ہوگیا (آگے صرف نوافل کا درجہ ہے) اور جو شخص حرام طریقہ (سُود، رشوت وغیرہ) سے مال جمع کرکے صدقہ کرے، اُس کو اس صدقہ کا کوئی ثواب نہیں ہے، بلکہ اس حرام کمائی کا وبال اُس پر ہے۔

ف: اس حدیث پاک میں دو مضمون وارد ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ واجب کا درجہ زکوٰۃ کا ہے۔ اس کے علاوہ جو درجات ہیں وہ صَدقات اور نوافل کے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کو ادا کردے اس نے اس حق کو تو ادا کردیا۔ جو اس پر واجب تھا، اس سے زیادہ جو ادا کرے وہ افضل ہے۔ (کنز)

حضرت ضِمام بن ثَعْلَبَہؓ کی مشہور حدیث ہے جو بخاری شریف، مسلم شریف وغیرہ سب کُتُب میں بہت طریقوں سے ذکر کی گئی، جس میں انہوں نے حضورؐ سے اسلام اور اس کے اَرکان کے متعلق سوالات کیئے اور حضورؐ نے سب کو تفصیل سے بتایا۔

اس میں منجملہ دوسرے ارکان کے حضورؐ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا۔ حضرت ضِمام رضؓ نے پوچھا کہ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی چیز مجھ پر واجب ہے ؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، البتہ اگر نفل کے طور پر تم ادا کرو تو اختیار ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے مکان فروخت کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ اس کی قیمت کو احتیاط سے اپنے گھر میں گڑھا کھود کر اس میں رکھ دینا۔ اس نے عرض کیا کہ اس طرح کنز میں داخل نہ ہو جائے گا ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس کی پروا نہیں کہ میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو، میں اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور اس میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں۔ (درمنثور)

اس نوع کی بہت سی روایات کُتُب احادیث میں موجود ہیں، جن کی بناء پر جمہور علماء اور ائمۂ اربعہؒ کا یہی مذہب ہے کہ مال میں بحیثیت مال کے تو زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسری چیز کا وجوب نہیں، البتہ دوسری حیثیات سے اگر وجوب ہو تو وہ اَمرِ آخر ہے جیسا کہ بیوی کا چھوٹی اولاد کا نفقہ ہے، اور اسی طرح سے دوسرے نفقات ہیں، یا اسی طرح سے مُضطر کی ضرورت کا پورا کرنا ہے کہ جو شخص بھوک یا پیاس کی وجہ سے مر رہا ہے اس کو موت سے بچانا فرض کفایہ ہے۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ بعض تابعینؒ کا مذہب یہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، جیسا کہ نخعی، شعبی اور عطاء اور مجاہد کا مذہب ہے۔ امام شعبیؒ سے کسی نے پوچھا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی حق ہے ؟ انہوں نے فرمایا ہے، اور قرآن پاک کی آیت وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ تلاوت فرمائی جو سب سے پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲ پر گذر چکی ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حقوق مسلم میں داخل ہے: کہ مال داروں کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ جب وہ کسی ضرورت مند کو دیکھیں تو اس کی ضرورت کا ازالہ کریں، لیکن جو چیز فقہ کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اضطرار کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کا ازالہ فرض کفایہ ہے، لیکن اس کا

اِزالہ بطور قرض کے کیا جائے یا اعانت کے طور پر یہ فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے (احیاء)
مُضطر کی اعانت اپنی جگہ پر مستقل واجب ہے، جب کہ وہ بھوک سے یا پیاس سے یا کسی اور وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو، لیکن مالدار پر مالی حیثیت سے زکوٰۃ سے زیادہ واجب نہیں ہے۔ یہاں دو امر قابلِ لحاظ ہیں۔ اوّل افراط، ہم لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب بھی کسی چیز کی طرف بڑھتے ہیں تو ایسا زور سے دوڑتے ہیں کہ پھر حُدود کی ذرا بھی پروا نہیں رہتی۔ اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے کہ کسی دوسرے شخص کا مال بغیر اس کی طِیبِ خاطر کے لینا جائز نہیں ہے۔ فُقہاء نے مُضطر کے لئے دوسرے کا مال کھانے کی ضرور اجازت دی ہے لیکن اس میں خود حنفیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں کہ اس کو مُردار کا کھانا دوسرے کا مال کھانے پر مُقدّم ہے یا دوسرے کا مال مردار کھانے پر مُقدّم ہے، جیسا کہ کُتُبِ فقہ میں مذکور ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اس حالت پر پہنچ جائے کہ اس کو مُردار کھانے کی اجازت ہو جائے، جب وُہ دوسرے کا مال کھا سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى	نہ کھاؤ، اور ان کو حُکّام کے یہاں اس
الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ	غرض سے نہ لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ	ایک حصہ بطریقِ گناہ کے کھا جاؤ اور
تَعْلَمُونَ ۝ (سورۂ بقرہ، ع ۲۳)	تم اس کو جانتے ہو۔

حُضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو، کسی شخص کا مال اس کی طِیبِ خاطر بغیر لینا حلال نہیں ہے (مشکوٰۃ، زیلعی)۔ حُضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ جو شخص ایک بالشت زمین کسی کی ظلم سے لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا وہ حصّہ جو اس ایک بالشت کے مُقابل ہے، طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)
وَفدِ ہَوازِن کا قصّہ نہایت مشہور ہے کہ جب وہ شکست کھانے کے بعد مسلمان ہو کر

حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ غنیمت میں جو قیدی اور مال ان کا لیا گیا ہے وہ ان کو واپس مل جائے، تو حضورؐ نے بعض مصالح کی بنا پر یہ دیدہ فرما لیا کہ دونوں چیزیں تو واپس نہیں ہو سکتیں، ان میں سے ایک واپس ہو سکتی ہے۔ انہوں نے قیدیوں کے واپس مل جانے کی درخواست کی، تو حضورؐ نے سب مسلمانوں سے جن کا ان میں حق تھا یہ اعلان فرمایا کہ میں نے ان کے قیدی واپس کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، تم میں سے جو شخص طیبِ خاطر سے اپنا حصّہ مفت دے دے وہ دیدے، اور جو اس کو پسند نہ کرے ہم اس کا بدل اس کو دے دیں گے۔ بھلا حضورؐ کے ایما کے بعد صحابہؓ میں کون انکار کرنے والا تھا۔ مجمع نے عرض کیا ہم طیبِ خاطر سے پیش کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجمع کے درمیان میں یہ صحیح طور پر پتہ نہیں چل سکتا کہ کس کی خوشی سے اجازت ہے، کس کی نہیں، اس لئے تمہارے چودھری تم سے علیحدہ علیحدہ بات کر کے تمہاری رضا کی مجھے اطلاع کر دیں۔ (بخاری)

دوسرے کے مال میں احتیاط کا یہ اُسوۂ حضورؐ کا ہے، اور اس مضمون کی تائید میں احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے کہ جبر و اکراہ سے بلا رضا مندی کسی دوسرے کا مال لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ علماءِ حق نے اس میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ جو مجمع کی شرم میں کسی کارِ خیر میں چندہ دیا جائے اس کو بھی پسند نہیں کیا۔ اس لئے ایک جانب تو اس میں افراط سے بچنا ضروری ہے کہ بجبر و اکراہ کسی دوسرے کا مال نہ لیا جائے کسی وقتی تحریک سے مرعوب ہو کر ہرگز قول و فعل سے، تحریر و تقریر سے جمہور اسلاف کا خلاف نہ کرنا چاہیئے۔ غریب پروری کا جذبہ بہت مبارک ہے، مگر اس میں حدود سے تجاوز ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے۔ (مشکوٰۃ)

اس لئے اس میں ایک جانب افراط سے بچنا ضروری ہے، اور دوسری جانب اس میں تفریط سے بچنا بھی اہم اور نہایت ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مال میں زکوٰۃ

ہی واجب ہے لیکن محض واجب کی ادائیگی پر کفایت کرنا ہرگز مناسب نہیں۔
اب تک جو مضامین اور روایات رسالہ میں گذر چکی ہیں۔ وہ سب کی سب بآنگِ دہل اس کا اعلان کر رہی ہیں کہ اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں دے دیا گیا، اور اللہ کے یہاں جمع کر دیا گیا۔ بعد میں نہ کوئی ماں باپ یاد رکھتا ہے، نہ بیوی یا اولاد پوچھتی ہے۔ سب چند روز کے فرضی آنسو مفت کے بہا کر اپنے اپنے مشغلہ میں لگ جائیں گے، کسی کو مہینوں اور برسوں بھی مرنے والے کا خیال نہیں آئے گا۔ اس سب سے قطع نظر حدیثِ بالا کے سلسلہ میں ایک اور اہم اور کلّی بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ دین کے متعلق ایک مُہمل اور بیہودہ لفظ ہماری زبانوں پر ہوتا ہے "ابھی ہم دنیا داروں سے فرائض ہی ادا ہو جائیں تو غنیمت ہے، نوافل تو بڑے لوگوں کا کام ہے" یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ نوافل اور تطوّعات فرائض ہی کی تکمیل کے واسطے ہوتے ہیں۔ کون شخص یہ یقین کر سکتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کو بھی پورا کا پورا کر دیا، اور جب اس میں کوتاہی رہتی ہی ہے تو اس کے پورا کرنے کے لئے نوافل ہوتے ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے ایسی حالت میں فارغ ہوتا ہے کہ اس کے لئے اس نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، نواں حصہ، آٹھواں حصہ، ساتواں حصہ، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد) یہ مثال کے طور پر حضور نے ارشاد فرمایا۔ ہم لوگ جیسی نماز پڑھتے ہیں، اس کا تو ہزارواں بلکہ لاکھواں حصہ بھی لکھ لیا جائے تو محض اس کا لطف و کرم ہے۔ ورنہ وہ تو اپنی بداعمالیوں اور بے اخلاصی کی وجہ سے ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے کہ بعض نمازیں پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر منہ پر مار دی جائیں گی کہ ان میں قبول کا کوئی درجہ بھی نہ ہوگا۔ ایسے احوال میں نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے فرائض کا کتنا حصہ لکھا گیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا محاسبہ ہوگا۔ اللہ

جَلَّ شانُہٗ کا پاک ارشاد فرشتوں کو ہوگا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو، کہ ناقص ہے یا پوری۔ اگر پوری ہوتی ہے تو وہ پوری لکھ لی جاتی ہے اور اگر ناقص ہوتی ہے، تو جتنا نقصان ہوتا ہے وہ درج ہو جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھو، اس کے پاس کچھ نوافل ہیں یا نہیں۔ اگر نوافل اس کے پاس ہوتے ہیں تو اُن سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح زکوٰۃ کا حساب کتاب ہوتا ہے یعنی اوّل فرائض کا حساب ہوتا ہے پھر نوافل سے اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح بقیہ اعمال کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

ایسی صورت میں اس گھمنڈ میں کسی شخص کو ہرگز نہ رہنا چاہیئے کہ میں زکوٰۃ حساب کے موافق دیتا رہتا ہوں۔ نہ معلوم کتنی کوتاہیاں اس میں ہو جاتی ہوں گی۔ اُن کی تلافی کے لئے زیادہ سے زیادہ مقدار صدقاتِ نافلہ کا ذخیرہ ہونا چاہیئے۔ عدالت میں جب مُقدّمہ کے لئے آدمی جاتا ہے ہمیشہ خرچ سے زیادہ روپیہ جیب میں ڈال کر جاتا ہے کہ نہ معلوم کیا خرچ پیش آجائے۔ وہ عدالت تو سب عدالتوں سے اُونچی ہے، جہاں نہ جھوٹ چلتا ہے نہ زبان زوری، نہ سفارش۔ ہاں اللہ کی رحمت ہر چیز سے بالاتر ہے۔ وہ صاحبِ حق ہے، بالکل ہی مُعاف کر دے تو کسی کا کیا اِجارہ ہے۔ لیکن یہ ضابطہ کی چیز نہیں ہے، اور مراحمِ خُسروانہ کی امید پر جرم نہیں کئے جاتے۔ اس لئے فرض کی مقدار کو بہت اہتمام سے اس کے شرائط اور آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کرتے رہنا چاہیئے اور محض فرائض کی ادائیگی پر ہرگز ہرگز قناعت نہ کرنا چاہیئے بلکہ ان کی کوتاہی کے خوف سے تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ حصّہ نوافل کے ذخیرہ کا اپنے پاس رہنا چاہیئے۔

علامہ سُیوطیؒ نے مِرقاۃُ الصُّعُود میں نقل کیا ہے کہ ستّر نوافل ایک فریضہ کی برابری کرتے ہیں۔ اس لئے فرض کو بہت اِہتمام سے ادا کرنا چاہیئے کہ اس کی تھوڑی سی کوتاہی سے نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اس میں وضع ہو جاتا ہے، اور فرائض میں اِہتمام کے باوجود اِحتیاط کے طور پر نوافل کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے نامۂ اعمال میں

محفوظ رکھنا چاہیئے۔ دوسرا مضمون حدیثِ بالا میں یہ تھا کہ جو شخص حرام مال جمع کرکے اس میں سے صدقہ کرے اس کو صدقہ کا ثواب نہیں ہے۔ بہت سی روایات میں یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ حلال مال سے صدقہ قبول کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ غُلُول کے مال کا صدقہ قبول نہیں کرتے۔ غُلُول، مالِ غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں۔ عُلماء نے لکھا ہے کہ غُلُول کا تذکرہ اس وجہ سے فرمایا کہ غنیمت کے مال میں سب کا حصّہ ہوتا ہے تو جب ایسے مال کا صدقہ جس میں خود اپنا بھی حصہ ہے، قبول نہیں ہوتا، تو جس مال میں اپنا کوئی حصّہ نہ ہو، اس میں سے صَدَقہ بطریقِ اولیٰ قبول نہ ہوگا۔

ایک حدیث میں حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرام مال کماتا ہے وہ اگر خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، صَدَقہ کرے تو قبول نہیں ہوتا، پیچھے میراث کے طور پر چھوڑ جائے تو گویا جہنّم کا توشہ چھوڑ گیا۔

حضرت اِبنِ مَسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال مال کماوے، اس کا زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا اس مال کو خبیث بنا دیتا ہے اور جو شخص حرام مال کماوے، اس کا زکوٰۃ ادا کرنا اس مال کو طَیّب نہیں بناتا۔ (درمنثور)

پانچویں فصل

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وعید میں

قرآن پاک میں بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں جن میں سے متعدد آیات دوسری فصل میں یعنی مال خرچ نہ کرنے کی وعید میں گذر چکی ہیں۔ جن کے متعلق علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے میں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی وعیدیں گذری ہیں وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر جب کہ زکوٰۃ بالاجماع فرض ہے بطریق اولیٰ شامل ہوں گی چنانچہ :۔

(۱) وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الاٰية جو دوسری فصل کی نمبر ۵ پر مع ترجمہ گذر چکی ہے جمہور صحابہ کرامؓ اور جمہور علماء کے نزدیک زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور جو سخت عذاب اس آیت شریفہ میں ذکر کیا گیا وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے ہے۔ جیسا کہ اس کے ذیل میں بھی گذر چکا اور متعدد احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو عذاب اس آیت شریفہ میں ذکر کیا گیا۔ کہ اس کے مال کو تپا کر اس شخص کی پیشانی کو اور پہلو وغیرہ کو اس سے داغ دیئے جائیں گے۔ یہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے کہ پکتے ہوئے دھات کا ذرا سا داغ بھی سخت اذیت پہنچانے والا ہوتا ہے چہ جائے کہ جتنا زیادہ مال ہو، اتنے ہی زیادہ داغ آدمی کو دیئے جائیں گے۔ چند روز ان سونے چاندی کے ٹھیکروں کو اپنے پاس رکھ کر کتنی سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(۲) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ

فَضْلِهِ الْاٰيَة یہ آیت شریف بھی مع ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر ۲ پر گذر چکی ہے اور اس کی تائید میں بخاری شریف کی حدیث سے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد بھی گذر چکا ہے کہ جس شخص کو اللہ جل شانہٗ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسکی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو، وہ مال سانپ بن کر اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں۔ سانپ جس گھر میں بھی نکل آتا ہے، دہشت کی وجہ سے اندھیرے میں اس گھر میں بھی جانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کہیں لپٹ نہ جائے۔ لیکن اللہ کا پاک رسولؐ فرماتا ہے کہ یہی مال جس کو آج محفوظ خزانوں اور لوہے کی الماریوں میں رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر کل کو سانپ بن کر تمہیں لپٹا دیا جائے گا۔ گھر کے سانپ کا لپٹنا ضروری نہیں، محض احتمال ہے کہ شاید وہ لپٹ جائے اور اس شاید اور احتمال پر بار بار فکر و خوف ہوتا ہے کہ کہیں اِدھر سے نہ نکل آئے اُدھر سے نہ نکل آئے، اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اس کا عذاب یقینی ہے مگر پھر بھی اس کا خوف ہم کو نہیں ہوتا۔

(۳) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ
مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ق
اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ○ وَابْتَغِ
فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا
وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ
عِنْدِىْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ
مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ
ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ط
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ
قَارُوْنُ لا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ج وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (سورۂ قصص، ع ۸)

قارون حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چچا زاد بھائی تھا جس کا قصہ مشہور معروف ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ قصص کا آٹھواں رکوع سارا کا سارا اسی کے قصہ میں ہے جس کا ترجمہ مع توضیح یہ ہے کہ "قارون (حضرت) موسیٰ (علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی برادری میں سے (ان کا چچازاد بھائی) تھا۔ سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبّر کرنے لگا، اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گراں بار کر دیتی تھیں (یعنی ان سے مشکل اُٹھتی تھیں اور جب خزانوں کی کنجیاں اتنی تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے تو بہت ہی ہوں گے اور اس نے یہ تکبّر اس وقت کیا تھا) جب کہ اس کو اس کی برادری نے (حضرت موسیٰ وغیرہ نے سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و دولت پر) اترامت، واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجھ کو خدا تعالیٰ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالَمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے، تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کیا کر (اور خدا کی نافرمانی اور حقوق واجبہ ضائع کرکے) دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ قارون نے (اُن کی نصیحتیں سُن کر یہ) کہا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا (کہ میری حُسنِ تدبیر سے یہ جمع ہوا، نہ اس میں کچھ غیبی احسان ہے نہ کسی دوسرے کا

اس میں کوئی حق ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے قول پر عتاب فرماتے ہیں کہ) کیا اس (قارون) نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے گذشتہ اُمتوں میں ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو مالی قوت میں بھی اُس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور (جماعتی حیثیت سے) مجمع بھی اُن کا زیادہ تھا (یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں تم کا عذاب الگ رہا) اور مجرموں سے اُن کے گناہوں کا (معلوم کرنے کی غرض سے) سُوال بھی نہ ہوگا (کہ ہر شخص کا پورا حال اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم ہے، مطالبہ کی وجہ سے سُوال علیحدہ رہا) پھر (وہ قارون ایک مرتبہ) اپنی آرائش وشان کے ساتھ اپنی برادری کے سامنے نکلا تو جو لوگ (اس کی برادری میں) دنیا کے طالب تھے وہ کہنے لگے، کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی یہ سازو سامان ملا ہوتا جو قارون کو ملا ہے، واقعی یہ قارون بڑا صاحب نصیب ہے (یہ تمنّا اور حرص مال کی تھی، اس سے ان لوگوں کا کافر ہونا لازم نہیں ہے جیسا اب بھی بہت سے مسلمان دوسری قوموں کی دنیاوی ترقیات دیکھ کر ہر وقت للچاتے ہیں اور اس کی فکر وسعی میں لگے رہتے ہیں کہ دنیاوی فروغ ہمیں بھی نصیب ہو) اور جن لوگوں کو علم دین (اور اس کا فہم) عطا کیا گیا تھا وہ (ان حریصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو، (تم اس دنیا پر کیا للچاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس چند روزہ مال و دولت سے لاکھ لاکھ درجے) بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے اور (ان میں سے بھی کامل درجہ کا ثواب) انہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور پھر (جب ہم نے قارون کی سرکشی اور فساد کی وجہ سے) اس کو اور اس کے محل سرائے کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی جماعت ایسی نہ ہوئی کہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی کسی تدبیر سے بچ سکا (بے شک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے اور کون بچ سکتا ہے۔ قارون پر یہ عذاب کی حالت دیکھ کر) کل جو لوگ اس جیسا ہونے کی تمنا کر رہے تھے، وہ کہنے لگے۔ بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ (رزق کی فراخی کا اور تنگی کا مدار خوش نصیبی یا بدنصیبی پر نہیں ہے بلکہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ رزق کی فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے،

(یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کی فراخی کو خوش نصیبی سمجھ رہے تھے واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (کہ گنہگار تو آخر ہم بھی ہیں ہی) بس جی معلوم ہو گیا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (گو چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ لیں)۔ (بیان القرآن بتغییر)

ف: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا۔ اُن کا چچا زاد بھائی تھا۔ (دنیاوی) علوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام پر حسد کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس سے فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ موسیٰؑ اس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتا ہے۔ اس نے نماز کا حکم کیا تم نے برداشت کیا، اس نے اور احکام جاری کیے جن کو تم برداشت کرتے رہے، اب وہ تمہیں زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے اس کو بھی برداشت کرو۔ لوگوں نے کہا۔ یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا، تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ۔ اُس نے کہا۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ عورت کو اس پر راضی کیا جائے، جو حضرت موسیٰؑ پر اس کی تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ انعام کا وعدہ کرکے اس پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگائے۔ اس کے راضی ہونے پر قارون حضرت موسیٰؑ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ کو دیئے ہیں وہ بنی اسرائیل کو سب کو جمع کرکے سُنا دیجئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو پسند فرمایا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے احکام بتانے شروع کیے کہ مجھے یہ احکام دیئے ہیں کہ اس کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، صلہ رحمی کرو اور دوسرے احکام گنوائے جن میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے۔ تو اُس کو سنگسار کیا جائے۔ لوگوں نے کہا۔ اور اگر آپ خود زنا کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اگر میں زنا کروں تو مجھے بھی سنگسار کیا جائے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے (تعجب سے) فرمایا کہ میں نے؟ لوگوں نے کہا، جی ہاں آپ نے۔ اور یہ کہہ کر اس عورت کو بُلا کر اس سے

پوچھا کہ تُو حضرت موسیٰؑ کے متعلق کیا کہتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی اس کو قسم دے کر فرمایا کہ تو کیا کہتی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ جب آپ قسم دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھ سے اتنے اتنے انعام کا وعدہ کیا تھا کہ میں آپ پر الزام لگاؤں۔ آپ اس الزام سے بالکل بَری ہیں۔ یہ سُن کر حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے سجدہ ہی میں وحی آئی کہ رونے کی کیا بات ہے، تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے ہم نے زمین پر تسلُّط دے دیا، تم جو چاہو ان کے متعلق زمین کو حکم فرماؤ۔ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ ان کو نگل جا۔ اس نے ایڑیوں تک نگلا تھا کہ وہ عاجزی سے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلام کو پُکارنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر حکم فرمایا کہ ان کو دھنسا دے حتیٰ کہ وہ لوگ گردن تک دھنس گئے۔ پھر بہت زور سے وہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کو پُکارتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر زمین کو یہی فرمایا، کہ ان کو لے لے۔ وہ سب کو نگل گئی۔ اس پر اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر وحی آئی کہ وہ تمہیں پُکارتے رہے اور تم سے عاجزی کرتے رہے۔ میری عزت کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دُعا کرتے تو میں ان کی دُعا کو قبول کر لیتا۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ آیت شریفہ میں "دُنیا سے اپنا حصّہ نہ بھول" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں آخرت کے لئے عمل کر۔ حضرت مُجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ اللہ کی اطاعت کرنا دنیا کا وہ حصّہ ہے جس میں آخرت کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسنؒ سے نقل کیا گیا کہ "دُنیا سے اپنا حصّہ نہ بھول" یعنی جتنے کی دُنیا میں ضرورت ہے اس کو باقی رکھ، اور جو زائد ہے اس کو آگے بھیج دے۔ ایک اور حدیث میں اُن سے نقل کیا گیا کہ ایک سال کی روزی باقی رکھ لے اور جو اس سے زائد ہے وہ صدقہ کر دے (درمنثور)۔ اس کا کچھ حصہ بُخل کے بیان میں دوسری فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۸ پر بھی گذر چکا ہے۔

احادیث

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَیُكْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ (الحدیث بطوله فی المشکوٰۃ عن مسلم)

حضورِ اقدس صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص جو سونے کا مالک ہو یا چاندی کا اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس سونے چاندی کے پترے بنائے جائیں گے اور ان کو جہنم کی آگ میں ایسا تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں۔ پھر اُن سے اس شخص کا پہلو اور پیشانی اور کمر داغ دی جائے گی اور بار بار اسی طرح تپا تپا کر داغ دیئے جاتے رہیں گے قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار دنیا کے حساب سے پچاس ہزار برس ہوگی اس کے بعد اس کو جہاں جانا ہوگا جنت میں یا جہنم میں چلا جائے گا۔

ف: یہ بڑی لمبی حدیث ہے جس میں اونٹ والوں پر اُونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے کا، گائے بکری والوں پر اُن کی زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب اور اس کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ یہاں عام طور سے جانوروں کی اتنی مقداریں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہیں نہیں ہوتیں عرب میں انہی کی کثرت تھی۔ البتہ سونا چاندی اور اس کے متعلقات ایسی چیزیں ہیں جو یہاں عام طور سے ہوتی ہیں۔ اس لئے اتنی ہی حدیث پر قناعت کی اور اس سے بھی سب چیزوں کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے کا کیا حشر ہے کہ یہ وبال اور عذاب جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا کہ سونا چاندی جہنم کی آگ کے ٹکڑے بن کر داغ دیئے جائیں گے۔ یہ تو صرف قیامت کے ایک دن کا عذاب ہے جو پیشی کا دن ہے لیکن

اس دن کی مقدار بھی پچاس ہزار برس کی ہوگی اور اتنے دن زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب بھگت کر یہ معلوم ہوگا کہ اپنے دوسرے اعمال اس قابل ہیں کہ ان کی وجہ سے مُعافی ہو کر جنّت میں جانے کی اجازت ہو جائے، یا وہ اگر اس قابل نہیں اور معافی کی کوئی صورت نہیں یا زکوٰۃ نہ دینے ہی کا ابھی کچھ اور عذاب بھگتنا باقی ہے تو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا، وہاں جو کچھ گذرے گی وہ تو تحریر و تقریر میں آ ہی نہیں سکتی۔

اس حدیث میں قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے اور قرآن پاک کی آیتِ شریفہ سورۂ معارج کے شروع میں بھی قیامت کے دن کو اسی مقدار کا بتایا ہے لیکن بعض احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں پر یہ دن ایسا ہلکا گذر جائے گا، جیساکہ ایک فرض نماز پڑھ لی ہو اور بعض لوگوں پر اُن کے اعمال کے لحاظ سے ایسا ہوگا جیسا ظہر سے عصر تک کا وقت (درمنثور) - اور اتنی جلدی گذر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس دن سیر تفریح میں ہوں گے اور سیر و تفریح کے شوقین سب ہی اس سے واقف ہیں کہ لذّت کے اوقات منٹوں میں ختم ہو جایا کرتے ہیں - ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یہ نہ ہوگا کہ روپیہ پر روپیہ اور اشرفی پہ اشرفی رکھ دی جائے بلکہ اُس کے بدن کو اتنا وسیع کر دیا جائے گا جس پر یہ سب برابر برابر رکھے جا سکیں اور ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنے خزانوں کا مزا چکھو۔

حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا گیا کہ جتنا سونا چاندی اس کے پاس ہوگا اُس کے ہر قیراط کا (جو تقریباً تین رتّی کا ہوتا ہے پھیلا کر) آگ کا ایک ٹکڑا بنایا جائے گا پھر اس سے اس کے سارے بدن کو منہ سے پاؤں تک داغ دیا جائے گا، اس کے بعد چاہے اس کی بخشش ہو جائے یا جہنّم میں ڈال دیا جائے (درمنثور) - آگ میں تپا کر داغ لیئے جانے کا جو عذاب اس حدیث شریف میں گذرا ہے یہ قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے جیساکہ دوسری فصل کی آیات میں نمبر ۵ پہ گذرا - بعض احادیث میں اس کے مال کا سانپ بن کر طوق پہنانا بھی آیا ہے جیساکہ آئندہ آرہا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ　　　حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَہٗ مُثِّلَ لَہٗ مَالُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَہٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِھْزِمَتَیْہِ یَعْنِیْ شِدْقَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ ثُمَّ تَلَا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الاٰیۃ (رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ وقد روی من مسند ثوبان وابن مسعود وابن عمر بمعناہ فی الترغیب)۔

ہے کہ جس شخص کو اللہ جلّ شانہٗ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ مال قیامت کے دن ایک ایسا سانپ بنا دیا جائے گا، جو گنجا ہو اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں۔ پھر وہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا جو اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا "میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے (اس کی تائید میں) قرآن پاک کی آیت وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الاٰیۃ پڑھی۔

ف: یہ آیتِ شریفہ مع اس کے ترجمہ کے دوسری فصل کے نمبر ۳ پر گذر چکی ہے۔ اس سانپ کی ایک صفت تو یہ بیان کی کہ وہ شجاع ہو جس سے بعض علماء نے نر سانپ مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شجاع وہ سانپ کہلاتا ہے جو دُم کے اُوپر سیدھا کھڑا ہو کر مقابلہ کرے (فتح الباری) اور دوسری صفت اس سانپ کی یہ فرمائی کہ وہ گنجا ہوگا اور گنجا اس واسطے کہا کہ سانپ جب بہت زیادہ زہریلا ہوتا ہے تو اس کے زہر کی شدت سے اس کے سر پر سے بال اُڑ جایا کرتے ہیں۔ اور تیسری صفت اس سانپ کی یہ بیان فرمائی کہ اس پر دو نقطے سیاہ ہوں گے۔ اس پر دو نقطے سیاہ ہونا بھی سانپ کے زیادہ زہریلے ہونے کی علامت ہے ایسے سانپ کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اور بعض علماء نے دو نقطوں کی بجائے سانپ کے مُنہ میں زہر کی کثرت سے دونوں جانب زہر کا جھاگ ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے دو دانت جو اُس کے مُنہ سے باہر دونوں جانب نکلے ہوئے ہوں۔ اور بعض نے دو زہر کی تھیلیاں جو دونوں جانب لٹکی

ہوئی ہوں۔ ترجمہ کیا ہے۔ (فتح الباری)

اس حدیث پاک میں زکوٰۃ نہ دینے پر اس مال کا سانپ بن کر طوق پہنانا ذکر کیا ہے۔ اور پہلی حدیث میں آگ پر تپا کر داغ دینا گذرا ہے۔ اور دونوں قسم کے عذاب قرآن پاک کی دو آیتوں میں بھی گذر چکے ہیں۔ اور دونوں آیتیں دوسری فصل کی آیات کے ذیل میں گذری ہیں، دو عذابوں میں کوئی اشکال نہیں۔ مختلف اوقات کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے اور مختلف انواعِ مال کے اعتبار سے بھی اور مختلف آدمیوں کے اعتبار سے بھی۔ اور دونوں عذاب جمع بھی ہو سکتے ہیں۔

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ سانپ بن کر پیچھے لگنے میں اور پترے بن کر داغ دینے میں فرق اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو اگر مجملاً مال سے محبت ہو، اس کی تفاصیل سے خصوصی تعلق نہ ہو، اس کا مال تو ایک شئے واحد سانپ بن کر اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ اور جس کو مال کی تفاصیل سے تعلق خاطر ہو، وہ روپیہ اور اشرفی کو گن گن کر رکھتا ہو اور جو مل جائے اس کے روپے بنا کر رکھتا ہو، تو اس کا مال پترے بنا کر داغ دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ جائے تو وہ خزانہ ایک گنجا دو نقطوں والا سانپ بن کر قیامت کے دن اس شخص کے پیچھے لگ جائے گا۔ وہ شخص گھبرا کر کہے گا۔ تو کیا بلا ہے؟ وہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جس کو چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ سانپ اوّل اس کے ہاتھ کو کھائے گا پھر سارے بدن کو (ترغیب)۔ قیامت کے عذابوں میں کثرت سے یہ بات ہے کہ جو شخص کسی عذاب کی وجہ سے ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا پھر عذاب کے مسلط ہونے کے واسطے اپنی اصلی حالت پر عود کر کے دوبارہ عذاب کا محل بنے گا۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اُمِرْنَا بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَمَنْ لَّمْ یُزَکِّ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے

فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔ اس کی نماز بھی (قبول) نہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر باسانید احدھا صحیح کذا فی الترغیب)

ف: یعنی نماز پر جو ثواب اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں سے ملتا وہ بھی نہیں ملے گا اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے، وُہ (کامل) مسلمان نہیں، اس کو اس کے نیک عمل فائدہ نہ دیں گے (ترغیب) یعنی دوسرے نیک اعمال سے زکوٰۃ نہ دینے کا وبال نہیں ٹلے گا، اس کا مطالبہ بدستور رہے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بغیر زکوٰۃ ادا کرنے کے دین (کامل) نہیں ہے (کنز)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جو زکوٰۃ نہ دیتا ہو، جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے (بیسیوں جگہ قرآن پاک میں) نماز اور زکوٰۃ کو جمع فرمایا ہے تو اس کو علیحدہ نہ کرو (کنز)۔ علیحدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھی جائے اور زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

(۴) عَنْ عَلِیٍّ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلٰی اَغْنِیَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ اَمْوَالِھِمْ الْقَدْرَ الَّذِیْ یَسَعُ فُقَرَائَھُمْ وَلَنْ یُّجْھَدَ الْفُقَرَآءَ اِذَا جَاعُوْا اَوْ عَرُوْا اِلَّا بِمَا یَمْنَعُ اَغْنِیَآءُھُمْ اَلَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُحَاسِبُھُمْ حِسَابًا شَدِیْدًا اَوْ یُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ (کذا فی الدر، وقال اخرجہ الطبرانی فی الاوسط و ابو بکر الشافعی فی الغیلانیات

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے دولتمندوں پر اُن کے مالوں میں اتنی مقدار کو فرض کر دیا ہے جو اُن کے فقراء کو کافی ہے اور نہیں مشقت میں ڈالتی فقراء کو جب کہ وہ بھوکے یا ننگے ہوں مگر صرف یہ بات کہ ان کے غنی اپنے فریضہ کو روکتے ہیں یعنی پورا ادا نہیں کرتے۔ غور سے سُن لو کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان دولتمندوں سے سخت محاسبہ فرمائیں گے اور (فرض کی کوتاہی پر) سخت عذاب دیں گے۔

قلت ولفظ المنذری فی الترغیب ویعذبهم بالوا وقال رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر وقال تفرد به ثابت بن محمد الزاهد قال الحافظ ثابت ثقة صدوق روی عنه البخاری وغیره وبقیة رواته لا باس بهم وروی موقوفا علی علی وهو اشبه کذا فی الترغیب وعزاه صاحب کنز العمال الی الخطیب فی تاریخه وابن النجار وقال فیه محمد بن سعید البورقی کذاب یضع اھ)

ف: حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے عَلَّامُ الْغُیُوْب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی جو مقدار فرض فرمادی ہے وہ یقیناً اتنی کافی مقدار ہے کہ اگر لوگ اس کو پورا پورا ادا کرتے رہیں اور اُصول سے ادا کرتے رہیں تو کوئی شخص بھوکا یا ننگا نہیں رہ سکتا اور یہ بالکل ظاہری اور یقینی چیز ہے۔ حضرت اَبُوذَر غفاریؓ کی حدیث میں یہ مقصود زیادہ واضح الفاظ میں ذکر کیا گیا۔ یہ طویل حدیث ہے جس کو فقیہ اَبُواللَّیث سَمَرقندیؒ نے تَنْبِیْہُ الْغَافِلِیْن میں مُفَصَّل ذکر کیا ہے، اس میں منجملہ اور سوالات کے ایک یہ بھی ہے میں نے عرض کیا، یا نبیَّ اللہ، آپ نے زکوٰۃ کا حکم فرمایا۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ ابوذرؓ جو شخص امانت دار نہیں اُس کا ایمان نہیں، اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اس کی نماز (مقبول) نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے غنی لوگوں پر اُن کے مالوں کی زکوٰۃ اتنی مقدار میں واجب کردی ہے جو اُن کے فقراء کو کافی ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُن کے مال کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا اور اس پر ان کو عذاب فرمائے گا۔ یہ حدیث صاف طور سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد زکوٰۃ ہی کے متعلق ہے۔

امام غزالیؒ اِحیاء میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الآیۃ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اپنے متعلقات کے اعتبار سے چھ قسم پر ہے۔ جانوروں کی

زکوٰۃ، سونے چاندی کی زکوٰۃ، تجارتی مال کی زکوٰۃ، رِکاز و مَعدِن کی زکوٰۃ، پیداوار کی زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔ (احیاء)

یہ سب چیزیں ائمہ اَربعہؒ کے نزدیک مُتَّفَق عَلَیہ ہیں بجز مَعدِن کے اس میں حنفیہ کے نزدیک بجائے زکوٰۃ کے خُمس، یعنی پانچواں حصہ واجب ہے جو وُجوب کے اعتبار سے زکوٰۃ ہی جیسا ہے۔ اور یقیناً اگر مسلمان ان سب اَنواع کو اہتمام اور پابندی سے نکالتے رہیں تو کسی غریب کو اِضطرار سے مرنے کی نوبت نہ آئے۔

بعض علماء کو حضرت علیؓ کی اس روایت سے یہ اِشتباہ پیدا ہوگیا کہ اس سے زکوٰۃ سے زائد مقدار کا اِیجاب مقصود ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ مراد ہو، تو وہ خود حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کی دوسری روایت کے خلاف ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ سے حُضورؐ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے نے اس کے علاوہ صدقات کو منسوخ کر دیا۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے، اور امام رازی جَصَّاصؒ نے اَحکامُ القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا قول ہونا بہتر سند سے نقل کیا گیا۔

صاحبِ کَنزُ العُمّال نے مُتَعَدِّد کُتُب سے اس روایت کو نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو قرآن پاک میں ہے اور غُسلِ جنابت نے اس کے علاوہ اور غُسلوں کو منسوخ کر دیا، اور رمضان کے روزہ نے ہر روزہ کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے ہر ذَبیحہ کو منسوخ کر دیا۔ خود حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ساری دنیا کا مال لے لے اور اس کی نیت محض رضاءِ الٰہی ہو، وہ زاہد ہے، جیسا کہ آئندہ فصل کے شروع میں آ رہا ہے۔ بعض عُلماء نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے اپنی ضرورت کے بقدر رکھ کر باقی کا خرچ کرنا ضروری تھا جس کو زکوٰۃ کی فرضیت نے منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ علامہ سُیُوطیؒ نے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (اعراف ع ۲۴) کی تفسیر میں سُدِّیؒ سے نقل کیا لہٰذا اگر اس سے اِیجاب مراد ہو بھی تو وہ منسوخ ہے۔

نیز حدیثِ بالا سے زکوٰۃ سے زائد کا مراد لینا حضورؐ کے اس ارشاد کے بھی خلاف ہوگا، جس میں وارد ہوا ہے کہ جس شخص نے زکوٰۃ ادا کر دی، اس نے اس حق کو ادا کر دیا

جو اس پر ہے اور جو زائد ہے وہ فضل ہے (کنز عن الحسن مرسلاً) اس مضمون کی متعدد روایات پہلے بھی گذر چکی ہیں۔ اور اس سے واضح وہ روایت ہے جو حضرت ابُوہریرہؓ کے واسطہ سے نقل کی گئی اور وہ حضرت علیؓ کی حدیث کے ہم معنی ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانُہٗ یہ جانتے کہ اغنیاء کی زکوٰۃ فقراء کے لئے کافی نہ ہوگی تو زکوٰۃ کے علاوہ اور چیز اُن پر فرض کرتے۔ پس اگر اب فقراء بھوکے ہوتے ہیں تو اغنیاء کے ظلم کی وجہ سے ہوتے ہیں (کنز)۔ یعنی اغنیاء زکوٰۃ کو پورا ادا نہیں کرتے، اس وجہ سے فقراء پر فاقوں کی نوبت آتی ہے۔ اسی وجہ سے مُحدِّث ہیثمیؒ نے مَجْمَعُ الزَّوائد میں حضرت علیؓ کی اس حدیث پر فرضیت زکوٰۃ کا ترجمہ باندھا۔ بلکہ اس باب کو اسی حدیث سے شروع کیا۔ جس سے اس کا محمل زکوٰۃ ہونا ظاہر ہے، اور صاحبِ کنزُ العُمّال نے بھی اسی وجہ سے کتابُ الزَّکوٰۃ ہی میں اس کو ذکر کیا۔

حافظ ابنِ عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اور اس قسم کے دوسرے ارشادات اس حالت پر محمول ہیں جب کہ زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ جمہور فقہاءِ امصار کا یہی مذہب ہے، اور یہی قول ہے حضرت عمرؓ، حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کیا کہ حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں سونے کا ایک زیور پہن رہی تھی۔ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یہ بھی کنز میں داخل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "جو چیز مقدارِ زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہے"۔ نیز اس کی تائید ابُوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو ترمذیؒ نے اور حاکمؒ نے ذکر کیا۔ جس میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تُو نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ تو اُس حق کو پورا کر دیا جو تجھ پر واجب تھا۔

نیز حضرت جابرؓ کی حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی بُرائی کو زائل کر دیا۔ حاکمؒ نے اس حدیث کو مرفوعاً مُسلمؒ کی

شرط پر نقل کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے اس کو حضرت جابرؓ پر موقوف بتایا ہے اور ابوزرعہؒ نے بھی حضرت جابرؓ سے موقوفاً ان الفاظ کے ساتھ صحیح بتایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں ہے۔ اور یہی مضمون حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا گیا۔ عطاءؒ اور مجاہدؒ سے نقل کیا گیا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو، وہ کنز نہیں ہے اگرچہ زمین کے اندر گاڑ رکھا ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ کنز ہے اگرچہ زمین کے اُوپر رکھا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ شرعی اصطلاح لغوی اِصطلاح پر مُقدّم ہے (یعنی لُغت میں اگرچہ کنز اس کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر گڑا ہوا ہو لیکن شریعت میں وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور میں نے چند حضرات کے سوا کسی کو اس کا مخالف نہیں پایا کہ کنز وہی ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔ البتہ چند حضرات حضرت علیؓ، حضرت ابوذرؓ، اور ضحاکؒ اور بعض دوسرے زاہد اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان میں سے حضرت ابوذرؓ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو مال روزی اور زندگی سے زائد ہو وہ سارا ہی کنز ہے، اور حضرت علیؓ سے نقل کیا گیا کہ چار ہزار کی مقدار سے زائد کنز ہے، اور ضحاکؒ کہتے ہیں کہ دس ہزار درم کی مقدار مال کثیر ہے۔ نیز ابراہیم نخعیؒ، مجاہدؒ، شعبیؒ اور حسن بصریؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کچھ حقوق ہیں۔ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ انکے علاوہ بقیہ سب علماء متقدمین اور متأخرین کا مذہب کنز کے بارہ میں وہی ہے جو پہلے گذرا (کہ کنز وہ ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) اور جن آیات اور احادیث سے یہ دوسرا فریق استدلال کرتا ہے وہ جمہور کے نزدیک استحباب پر محمول ہیں، یا زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے کا حکم ہے جو زکوٰۃ کے واجب ہونے سے منسوخ ہو گیا، جیسا کہ عاشورا کا روزہ رمضان کے روزہ سے منسوخ ہو گیا، البتہ فضیلت کا درجہ اب بھی باقی ہے (اتحاف)۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب فقراء مہاجرین بے مال و زر ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مواسات کے طور پر مقامی انصار سے جو مال دار تھے اُن کا بھائی چارہ کیا تو انصار نے یہ درخواست کی کہ ہمارے اموال کو بھی ان پر آدھا تقسیم کر دیجئے۔ حضورؐ نے

اس کا انکار فرما دیا۔ بلکہ یہ طے فرمایا کہ مہاجرین ان کے باغات میں کام کریں گے۔ اور بٹائی کے طور پر پھلوں میں شرکت ہوگی۔ اسی ذیل میں حضورؐ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ اور سعد بن الربیعؓ کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) فرمائی تو حضرت سعدؓ نے حضرت عبد الرحمنؓ سے کہا کہ سب کو یہ بات معلوم ہے کہ انصار میں سب سے زیادہ مال دار میں ہوں، میں اپنا مال آدھا تمہیں دیتا ہوں۔ حضرت عبد الرحمنؓ نے اس کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ وہاں جا کر خرید فروخت کا کام شروع کر دیا۔ اگر مالداروں کے زائد اموال میں فقراء کا بلا اضطرار حق تھا، تو پھر کیوں حضورؐ نے انکار فرمایا اور کیوں حضرت عبد الرحمنؓ نے اپنا حق لینے سے انکار فرمایا۔

اصحابِ صفہ کے واقعات اتنی کثرت سے کتب احادیث و سیر میں موجود ہیں کہ ان کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ ان حضرات پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے۔ بھوک کی وجہ سے گر جاتے تھے، اور انصار میں بہت سے حضرات مال دار بھی تھے۔ لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر جبر نہیں فرمایا کہ اپنے مال کا زائد از ضرورت حصہ ان لوگوں پر تقسیم کر دو۔ ترغیبات البتہ کثرت سے فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ ستر آدمی تھے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی چادر نہ تھی۔ (درمنثور)

حضرت ابو ہریرہؓ نے خود اپنے واقعات اس حال کے کثرت سے بیان کیے ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں اپنے جگر کے بل بھوک کی شدت سے پڑا رہتا تھا اور کبھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں اس امید پر بیٹھ گیا کہ شاید کوئی مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے۔ میں نے ایک آیت ان سے محض اس لئے دریافت کی کہ شاید وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر وہ ویسے ہی چلے گئے۔ ان کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میری حالت دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ

آجاؤ۔ میں ہمراہ چل دیا۔ حضورؐ مکان تشریف لے گئے۔ وہاں ایک پیالہ دُودھ کا رکھا ہُوا تھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، یہ کہاں سے آیا۔ گھر والوں نے عرض کیا، فلاں نے ہدیّہ بھیجا ہے۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ابُوہُریرہؓ سب اَصحابِ صُفّہؓ کو بُلا لاؤ۔ ابُوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اَصحابِ صُفّہ اسلامی مہمان تھے۔ نہ اُن کے اہل وعیال تھے۔ نہ اُن کے پاس مال وزر تھا، نہ کسی کے ذمّہ اُن کا کھانا مُقرّر تھا، نہ کسی کے ذمّہ ان کا بار تھا جب حضورؐ کے پاس کہیں سے صدقہ کی کوئی چیز آتی تو اُن کو مرحمت فرما دیتے۔ خود اس میں سے نوش نہ فرماتے اور جب ہدیّہ کی کوئی چیز آتی تو خود بھی اُس کو حضورؐ تناوُل فرماتے، اور ان لوگوں کو بھی شریک فرما لیتے۔ حضورؐ نے اس وقت جب یہ فرمایا کہ اَصحابِ صُفّہ کو بُلا لاؤ، تو مجھے بہت گرانی ہوئی کہ یہ ایک پیالہ دُودھ، اَصحابِ صُفّہؓ کا کیا بنائے گا۔ حضورؐ مجھے مرحمت فرما دیتے، مجھ میں پی کر کچھ جان آجاتی۔ اب میں ان سب کو لے کر آؤں گا تو حضورؐ مجھ ہی کو حکم فرمائیں گے کہ سب کو دے دو۔ میں جب اُن کو تقسیم کرونگا تو میرا نمبر آخر میں آئے گا۔ نہ معلوم کچھ بچے گا بھی یا نہیں۔ مگر تعمیلِ حکم کے بغیر چارۂ کار کیا تھا۔ میں ان سب کو بُلا لایا۔ جب وہ سب آکر حضورؐ کی مجلس میں بیٹھ گئے تو حضورؐ نے وہ پیالہ مجھے مرحمت فرمایا کہ ان سب کو پلا دو۔ میں نے سب کو پلایا اور ہر ایک سیر ہو گیا۔ آخر میں حضورؐ نے فرمایا کہ ابُوہُریرہ اب تو تم اور میں ہی باقی رہ گئے میں نے عرض کیا بیشک۔ حضورؐ نے فرمایا، لو بیٹھ کر پی لو۔ میں نے خُوب سیر ہو کر پیا۔ حضورؐ نے فرمایا اَور پیو، میں نے اور پیا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا کہ اور پی لو۔ میں نے پھر اور پیا۔ حتّٰی کہ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ اب مجھ میں اور پینے کی گنجائش نہیں تو پھر بقیہ حضورؐ نے پیا۔

ایک اور مرتبہ کا اپنا ہی قصہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین دن کا فاقہ تھا۔ مجھے کچھ کھانے کو نہ ملا۔ میں صُفّہ پر جا رہا تھا کہ راستہ میں گر گیا۔ بچے کہنے لگے کہ ابُوہریرہؓ کو جنون ہو گیا۔ میں نے کہا، جنون تو تمہیں ہو رہا ہے۔ بالآخر میں صُفّہ تک پہنچا۔ وہاں حضورؐ کے پاس دو پیالے ثرید کے کہیں سے آئے ہوئے تھے اور حضور اَصحابِ صُفّہ کو کھلا رہے تھے۔ میں بھی سر اُوپر کو اُٹھا رہا تھا کہ حضورؐ کی نظر مجھ پر پڑ جائے۔

اور حضورؐ مجھ کو بھی بُلالیں۔ حتّٰی کہ سب فارغ ہوگئے اور پیالوں میں کچھ بھی نہ بچا۔ حضورؐ نے ان پیالوں کو اپنے دستِ مبارک سے چاروں طرف سے پونچھا تو ایک لقمہ ہو گیا۔ حضورؐ نے اپنی اُنگلیوں پر رکھ کر مجھ سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اس کو کھاؤ۔ مَیں نے اس کو کھایا تو پیٹ بھر گیا۔

حضرت فَضَالَہ بن عُبَیدؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب صبح کی نماز پڑھ کر تشریف فرما ہوتے تو اَصحابِ صُفّہ میں سے بعض لوگ بھوک کی شدت سے کھڑے کھڑے گر جاتے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُن کی طرف اِلتفات فرما کر ارشاد فرماتے کہ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لئے کیا درجہ ہے تو اس سے زیادہ فقر و فاقہ کو پسند کرنے لگو۔ (ترغیب)

پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۲۰ پر قبیلۂ مُضر کی ایک جماعت کا مُفصّل قصّہ گذر چکا جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بھُوکے اور ننگے حاضر ہوئے کہ ان کے پاس پہننے کے لئے کپڑا نہ تھا۔ کھانے کو کوئی چیز نہ تھی۔ فاقہ کی وجہ سے مشقّت میں پڑے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے اپنے گھروں میں اُن کے لئے تلاش کیا۔ کچھ نہ مِلا تو مجمع اکٹھا کیا اور صدقہ کی ترغیب دی اور بہت زور سے ترغیب دی جس پر ۲ ڈھیر سامان کے جمع ہوگئے، اور وہ اُن لوگوں پر تقسیم فرما دیئے۔ نہ کسی پر جبر فرمایا، نہ کسی سے اُس کے پاس زائد از ضرورت کا محاسبہ فرمایا۔

حضرت اَنَسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاریؓ نے آکر حضورؐ سے سُوال کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ ایک ٹاٹ ہے جس کو آدھے کو بچھا لیتے ہیں اور آدھا اوڑھ لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے پانی پینے کو۔ حضورؐ نے دونوں چیزیں منگائیں اور ۲ درم میں نیلام کر دیں، اور وہ اُن کو دیئے کہ ایک دِرم کا غلّہ خرید کر گھر دے آویں اور دوسرے دِرم کا کلہاڑی کا پھلڑا خرید کر لائیں وہ لے کر آئے تو حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں لکڑی یعنی دستہ لگایا اور فرمایا کہ جاؤ، لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔ پندرہ دن تک تمہیں یہاں نہ دیکھوں۔ انہوں نے

اِرشاد کی تعمیل کی اور پندرھویں دن دس درم کما کر لائے، جن میں سے کچھ کا غلہ خریدا کچھ کا کپڑا خریدا۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ اچھا ہے سوال کرنے سے کہ بھیک مانگنے سے قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر داغ ہوتا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ سوال کی صرف تین آدمیوں کے لئے گنجائش ہے لِذِیْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِیْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِیْ دَمٍ مُوْجِعٍ۔ ایک اس شخص کے لئے جس کا فقر ہلاک کرنے والا ہو، دوسرے اس کے لئے جس پر کوئی تاوان سخت پڑ گیا ہو، تیسرے جو دردناک خون کے معاملہ میں پھنس گیا ہو۔ ان تین حالتوں میں بھی حضورؐ نے سوال ہی کی اجازت دی، اور خود یہ صاحب واقعہ جس فقر میں مبتلا تھے، اُن کو نہ تو سوال کی اجازت دی نہ کسی پر ان کا نفقہ واجب فرمایا۔ غرض ہزاروں واقعات کُتُب احادیث میں اس کے شاہد ہیں کہ جہاں تک وُجوب کا تعلق ہے وہ صرف زکوٰۃ ہے۔ اس پر اضافہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مشہور قول اَلْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا 'صدقہ میں تعدّی اور افراط کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کو نہ دینے والا' کا مِصداق ہے۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ضحاک بن قیس کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ اس مال میں بہترین اُونٹ چھانٹ لائے۔ حضورؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تم ان لوگوں کا عمدہ مال لے آئے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس وقت آپ جہاد میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں، مَیں اس لئے ایسے اونٹ لایا جن پر سواری ہو سکے اور سامان لادا جا سکے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ان کو واپس کر کے آؤ اور معمولی مال لے کر آؤ (مجمع الزوائد)۔ حالانکہ جہاد کی ضرورت بھی ظاہر، اور اس موقعہ پر حضورؐ نے ایسی ایسی ترغیبات اِرشاد فرمائی ہیں کہ حضرت ابُوبکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا اثاثہ لے آئے اور حضرت عمرؓ نے ہر چیز کا آدھا حصّہ پیش کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا، یا رسول اللہ میرے پاس چار ہزار ہیں، دو ہزار گھر کے اخراجات کے واسطے رکھتا ہوں دو ہزار اللہ کے واسطے پیش کرتا ہوں۔ اور ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے رات بھر مزدوری کر کے دو صاع (ساتُ سیر) کھجوریں مزدوری

میں کمائی ہیں۔ آدھی گھر کے خرچ کے واسطے چھوڑ دیں آدھی حاضر ہیں (درمنثور)۔ حضرت ابُومسعُودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ صدقہ کا حکم فرماتے اور ہم میں سے بعض کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو وہ صرف اس کے لئے بازار جاتا، مزدوری کرتا اور مزدوری میں ایک مُد (ا½ پاؤ) کھجور کماتا اور صدقہ کر دیتا۔ (بخاری)

پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۲۴ پر یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا۔ لیکن اس سب کے باوجود ضابطہ کے طور پر یہاں معمولی اونٹ کی جگہ عمدہ اونٹ بھی قبول نہیں فرمایا۔ اسلئے جہاں تک وُجوب کا تعلق ہے وہ مالی حیثیت سے صرف زکوٰۃ ہے، اور جہاں تک خرچ کرنے کا تعلق ہے مسلمان اس لئے پیدا ہی نہیں ہوا کہ وہ مال جمع کر کے رکھے۔ قرآن پاک کی آیات اور حضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کے ارشادات جو پہلی فصل میں گذر چکے، وُہ بڑے زور سے اس کی ترغیب و تاکید کر رہے ہیں کہ مال صرف اس لیے ہے کہ اس کو اللہ کی رضا کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔ خود اپنی طاقت کے مُوافق تنگی اُٹھائی جائے، دوسروں پہ خرچ کیا جائے۔ اپنے کام صرف وہی آئے گا جو اللہ کے خزانہ میں جمع کر دیا جائے گا کہ اس کے بینک میں جمع کر دینے پر نہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، نہ بینک کے فیل ہو جانے کا احتمال ہے، اور ایسی ضرورت کے وقت کام آئے گا جس وقت کہ آدمی انتہائی محتاج ہوگا۔ خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد حضورؐ نقل فرماتے ہیں، کہ اے آدمی تُو اپنا خزانہ میرے پاس بھادے، نہ تو اس کو آگ لگ جانے کا خوف رہے گا، نہ چوری کا، نہ دریا بُرد ہونے کا، اور میں ایسے وقت تجھ کو پورا کا پورا دے دوں گا، جب تو بے حد محتاج ہوگا۔ (ترغیب)

حق تعالیٰ شانُہٗ کا پاک ارشاد پہلی فصل کے نمبر ۳۰ پہ گذر چکا کہ ہر شخص یہ غور کرلے کہ اُس نے کل قیامت کے دن کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بُھلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو خود ان کی جانیں بُھلا دیں۔

دوسری آیت میں نمبر ۳۱ پہ گذرا کہ تمہارے مال و متاع، آل اولاد تمہارے لئے امتحان کی چیزیں ہیں، اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو، یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

حضورؐ کا پاک ارشاد اسی فصل کی احادیث میں نمبر ا پر گذر چکا کہ اگر میرے پاس اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرا دل نہیں چاہتا کہ اس میں سے کچھ بھی میں اپنے پاس رکھوں بجز اس کے کہ قرض کی ادائیگی کے واسطے رکھا ہو۔ نمبر ۳ پر حضورؐ کا ارشاد گذرا کہ جو چیز ضرورت سے زائد ہو اُس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے، بچا کر رکھنا بُرا ہے۔ نمبر ۱۲ پر حضورؐ کا پاک ارشاد گذرا کہ گن گن کر خرچ نہ کر، جتنا بھی ہو سکے خرچ کر ڈال۔ نمبر ۲۰ پر یہ واقعہ گذر چکا کہ ایک بکری ذبح کی گئی اور بجز ایک شانہ کے ٹکڑے کے ساری تقسیم کر دی گئی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کتنی تقسیم ہو گئی۔ تو عرض کیا گیا کہ ایک شانہ باقی رہ گیا اور باقی سب خرچ ہو چکی۔ حضورؐ نے فرمایا وہ ساری باقی ہے اس شانہ کے علاوہ۔

اس قسم کے بہت سے ارشادات فصل اوّل میں گذر چکے ہیں۔ اس لئے اس سے قطع نظر کر واجب کیا ہے، مندوب و مستحب کیا ہے، اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں آدمی آگے بھیج دے۔ اگر اس محنت و مشقت سے کمائی ہوئی چیز کو اپنی ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے کہیں محفوظ کرنا ہے تو وہ صرف اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے، جس کا نفع آخرت میں تو ہے ہی، دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ ہے کہ بلاؤں کے دُور ہونے میں، امراض سے صحت ہونے میں، صدقہ کو زیادہ سے زیادہ دخل ہے۔ بُرے خاتمہ سے اس کی وجہ سے حفاظت ہوتی ہے۔ حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے کہ قابلِ رشک دو آدمی ہیں۔ ایک وہ جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن پاک عطا فرمایا ہو کہ وہ رات دن اس کی تلاوت میں، اس پر عمل کرنے میں منہمک رہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے بہت مال عطا کیا ہو اور وہ ہر وقت اس کو اللہ کے راستہ میں لٹانے پر تُلا ہوا ہو۔ (مجمع الزوائد)

حضورؐ کا پاک ارشاد دوسری فصل کے نمبر ۳ پر گذر چکا کہ سرمایہ دار بڑے خسارہ میں ہیں۔ بجز اس شخص کے جو دونوں ہاتھوں سے اِدھر اُدھر دائیں بائیں آگے پیچھے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا رہے۔ اور نمبر ۷ پر حضورؐ کا پاک کا ارشاد گذر چکا کہ وہ حقیقت میں

مومن ہی نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔

غرض اس رسالہ میں پہلی فصلوں میں تفصیل سے یہ مضمون گذر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کی ہرگز یہ شان نہیں ہے کہ مال کو جمع کر کے رکھے۔ اس کی صحیح مثال بالکل پاخانہ کی سی ہے کہ وہ ضروری تو اتنا کہ ایک دو دن نہ ہو تو حکیم اور ڈاکٹر دوائیں وغیرہ سب ہی کچھ آدمی کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن اگر مناسب مقدار سے زائد آنے لگے تو اس کو بند کرنے کیواسطے بھی حکیم اور ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی شخص پاخانہ کو اس وجہ سے کہ وہ اتنی اہم اور ضروری چیز ہے اپنے گھر میں محفوظ رکھے کہ بڑی مشقت سے حاصل ہوئی ہے تو مکان بھی سڑ جائے گا، دماغ بھی سڑ جائے گا، امراض بھی بکثرت پیدا ہو جائیں گے۔ بعینہٖ یہی صورت اس مال کی ہے کہ ضروری تو اتنا کہ اگر چند روز کچھ نہ ملے تو سارے جتن اس کے لئے بھی کرنا پڑیں، لیکن اس کے باوجود اتنا ہی گندہ ہے کہ اگر اس کو فوراً مجبوری سے زائد مقدار کو پاخانہ کی طرح سے گھر سے نہ نکالا جائے تو تکبر اس سے پیدا ہوتا ہے، غرور اس سے پیدا ہوتا ہے، تفاخر اس سے ہوتا ہے، دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھنا اس سے ہوتا ہے، آوارگی عیاشی اس کا ثمرہ ہے۔ غرض ہر قسم کی آفات اس پر مسلط ہیں۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا، اپنی اولاد کے لئے ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ "یا اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد کا رزق بقدر کفایت عطا فرما" یعنی زیادہ ہو ہی نہیں جس پر فسادات مرتب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سید عام طور سے زیادہ متمول نہیں ہوتے۔ ایک دو کا متمول ہو جانا اس کے منافی نہیں کہ نیت ایسی ہی ملے گی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس کی ناپاک حقیقت کو اس ناپاک پر بھی واضح کر دے تو کیسے لطف کی زندگی میسر ہو۔

(۵) عَنْ بُرَیْدَۃَ رَضِیَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَ قَوْمٌ نِ الزَّکٰوۃَ اِلَّا ابْتَلَاھُمُ اللّٰہُ بِالسِّنِیْنَ (رواہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جو قوم بھی زکوۃ کو روک لیتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قحط میں مبتلا فرماتے ہیں۔

الطبرانی فی الاوسط و رواتہ ثقات کذا فی الترغیب و فی الباب روایات کثیرۃ فی الترغیب و الکنز وغیرھما)

ف : قحط کی وبا ہم لوگوں پر ایسی مُسَلَّط ہو رہی ہے کہ اس کی حد نہیں۔ ہزاروں تدبیریں اس کے زائل کرنے کے واسطے کی جاتی ہیں لیکن کوئی بھی کارگر نہیں ہو رہی ہے اور جب حق تعالیٰ شانُہٗ کوئی وبال کسی گناہ پر اُتار دیں، دنیا میں کسی کی طاقت ہے، کہ اس کو ہٹا سکے؟ لاکھ تدبیریں کیجئے، ہزاروں طرح کے قانون بنایئے، جو چیز مالکُ المُلک کی طرف سے مُسَلَّط ہے وہ تو اُسی کے ہٹانے سے ہٹ سکتی ہے۔ اس نے مرض بتا دیا اس کا صحیح علاج بتا دیا۔ اگر مرض کو زائل کرنا مقصود ہے تو صحیح علاج اختیار کیجئے۔ ہم لوگ اَمراض کے اسباب خود پیدا کرتے رہیں اور اس پر روتے رہیں، کہ اَمراض بڑھ رہے ہیں، یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔

حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس عالَم میں جو حوادث اور مصائب آتے ہیں، اُن پر اور اُن کے اسباب پر خاص طور سے مُتَنَبِّہ فرما دیا۔ جس کو بندہ مُختصر طور پر اپنے رسالہ اَلاِعْتِدَال میں لکھ چکا ہے۔ یہاں اُن کا اِعادہ تطویل کا سبب ہے کسی کا دل چاہے تو اس میں دیکھ لے کہ اس میں حُضُورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کیسے اہتمام سے اس پر مُتَنَبِّہ فرمایا کہ جب میری اُمّت یہ حرکتیں کرنے لگے گی تو آفات اور بلاؤں میں پھنس جائے گی۔ اس وقت سُرخ آندھیاں، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ ہو جانا، اور زلزلوں کا آنا، آسمان سے پتھر برسنا۔ دشمنوں کا غلبہ اور مسلمانوں پر اُن کا مُسَلَّط ہو جانا، طاعون اور قتل و غارت کا مُسَلَّط ہونا، بارش کا رُک جانا، طوفان کا آجانا، دلوں کا مَرعُوب ہو جانا اور دلوں پر خوف کا مُسَلَّط ہو جانا۔ نیک لوگ دعائیں بھی کریں تو اُن کی دُعاؤں کا بھی قبول نہ ہونا، یہ سب آفات حُضُورؐ نے بتائیں اور جس جس حرکت پر جو آفت مُسَلَّط ہوتی ہے اُس کو حُضُورؐ نے تقریباً چودہ سو برس پہلے سے بتا دیا، مُتَنَبِّہ کر دیا اور ہم لوگ اُن کے تجربے بھی کر رہے ہیں، اور ایسے حرف بحرف یہ ارشادات سامنے آرہے ہیں کہ ذرا بھی فرق نہیں ہو رہا ہے۔ کاش ہم

لوگ حضورؐ جیسے شفیق کے ارشادات کی قدر کرتے جو صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، اور ان اصولوں پر عمل کرنا ساری ہی مخلوق کے لئے انتہائی فائدہ کی چیز ہے۔

مگر جب خود مسلمان اپنے اسلامی دعووں کے باوجود ان کی قدر نہ کریں تو دوسروں پر کیا الزام ہے اور دوسروں کو کیا خبر کہ اللہ کی مجسّم رحمت نے دُنیوی آفات سے بچنے کے بھی کیسے کیسے زرّیں اُصول پر مُتنبّہ فرمایا ہے۔ اب بھی اگر ان اُصولوں کو اہتمام سے پکڑ لیا جائے تو دنیا کو مصائب سے نجات مل جائے۔ مُسلم حکیم ڈاکٹروں کا علاج غیر مسلم بھی کرتے ہیں اور غیر مسلموں کا علاج مُسلم بھی کرتے ہیں۔ اگر اس حاذق حکیم کے نسخہ پر لوگ عمل کریں تو کیسی راحت آرام سب کو مل جائے۔

اس جگہ مجھے زکوٰۃ کے مُتعلّق دو ایک احادیث پر مُتنبّہ کرنا ہے کہ وہی اس جگہ مقصود ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، حُضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اے مُہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مُبتلا ہو جاؤ اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تم ان میں مُبتلا ہو (تو بڑی آفات میں پھنس جاؤ) ۔ ایک تو یہ ہے کہ فحش بدکاری جس قوم میں بھی کھُلّم کھلا علی الاعلان ہونے لگے تو ان میں ایسی نئی نئی بیماریاں پیدا ہونگی جو پہلے کبھی سُننے میں نہ آئی ہوں، اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے، اُن پر قحط اور مشقّت اور بادشاہ کا ظلم مُسلّط ہو جائے گا، اور جو قوم زکوٰۃ کو روک لے گی اُن پر بارش روک دی جائے گی اگر جانور نہ ہوں تو ایک قطرہ بھی بارش کا نہ ہو (جانور چونکہ اللہ کی مخلوق ہیں اور بے قصور ہیں اُن کی وجہ سے تھوڑی بہت بارش ہوگی) ۔ اور جو لوگ معاہدوں کی خلاف ورزی کریں گے اُن پر دوسری قوموں کا تسلّط ہو جائے گا، اور اُن کے مال ومتاع کو لوٹ لیں گے۔ اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم جاری کریں گے ان میں خانہ جنگی ہو جائے گی۔ (ترغیب)

آج ہم لوگوں کو بڑے غور سے ان عُیوب کو دیکھنا چاہیئے کہ ان میں سے کونسا

عیب ایسا ہے جس میں ہم مُبتلا نہیں ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی غور کرلیں کہ جو آفات ان پر بتائی گئی ہیں، کونسی آفت ایسی ہے جو ہم پر مُسلّط نہیں ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو قوم مُعاہدہ کی خلاف ورزی کرتی ہے اس پر دُشمن غالب آجاتا ہے، اور جو لوگ اللہ کے قانون کے خلاف حکم کریں گے ان میں اَموات کی کثرت ہوگی، اور جو لوگ زکوٰۃ کو روک لیں گے ان پر بارش بند کردی جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کی پیداوار کم ہوجائے گی اور قحط مُسلّط ہوجائے گا۔

(ترغیب) اس حدیث شریف میں غالباً اِختصار ہوا کہ تفصیل میں چار ہی چیزیں ذکر کی گئیں۔ اس حدیث پاک میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی پر اَموات کی کثرت اور پہلی میں خانہ جنگی ارشاد ہوا ہے۔ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ بھی ہوسکتی ہیں، اور خانہ جنگی سے اَموات کی کثرت کا نمونہ آج کل تو آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت اَبُوہُرَیرہؓ دونوں حضرات سے یہ حدیث نقل کی گئی کہ جب میری اُمّت ان پندرہ عُیوب میں مُبتلا ہوجائے مِنجُملہ ان کے یہ بھی دونوں حدیثوں میں ہے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا تاوان بن جائے (یعنی ان کو ادا کرنا ایسا مصیبت ہوجائے جیسے تاوان ہوتا ہے یا وہ تاوان کی طرح سے وصول کی جانے لگے) تو اس وقت سُرخ آندھیاں، زلزلے، زمینوں میں دھنس جانا، صورتوں کا مسخ ہوجانا، آسمانوں سے پتھر برسنا، ایسے لگاتار مصائب یکے بعد دیگرے نازل ہونے لگیں گے، جیسا کہ تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے ایک ایک ہوکر گرنا شروع کردیں۔ "اِعتِدال" میں یہ روایتیں پوری ذکر کی گئی ہیں، اور اس میں ان پندرہ عُیوب کی تفصیل بھی ہے جس پر یہ سخت عذاب ذکر فرمائے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی روایات اس قسم کے مضامین کی ذکر کی گئیں، یہاں صرف زکوٰۃ کی وجہ سے ان روایات کی طرف اشارہ کردیا۔

(٦) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ حَدِّثًا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَكُنْتُ اَكْثَرَهُمْ لُزُوْمًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلِفَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّكٰوةِ۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مال کسی جنگل میں یا دریا میں کہیں بھی ضائع ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کے روکنے سے ضائع ہوتا ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط وھو غریب کذا فی الترغیب وله شاھد من حدیث عبادۃ ابن الصامت فی الکنز بروایۃ ابن عساکر)

ف: یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے جو وبال و عذاب آخرت کے ہیں وہ تو علیحدہ ہے دنیا میں بھی اس کا وبال یہ ہوتا ہے کہ وہ مال کے ضائع ہو جانے کا سبب بنتا ہے۔

ایک اور حدیث میں اس حدیث شریف کے متعلق ایک قصہ بھی نقل کیا ہے حضرت عُبادۃ بن الصّامت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں حطیم کے سایہ میں تشریف فرما تھے کسی نے آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ فلاں گھرانہ کا سامان سمندر کے کنارہ پڑا ہوا تھا وہ ہلاک ہو گیا (سمندر کی موج سے بظاہر ضائع ہوا) حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی مال برّ و بحر میں (یعنی خشکی میں ہو یا سمندر میں، مطلب یہ ہے کہ ساری دُنیا میں) اس کے بغیر ضائع نہیں ہوتا کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی ہو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے ذریعہ حفاظت کیا کرو اور اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعے علاج کیا کرو، اور ناگہانی مصیبتوں کو دعا کے ذریعہ ہٹایا کرو کہ دعا اس مصیبت کو زائل کر دیتی ہے جو آن پڑی ہو، اور اس کو روک دیتی ہے جو ابھی تک نہ آئی ہو۔ اور حضورؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جلّ شانہٗ جس قوم کی بڑھوتری اور بقاء کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں عفت (پاکبازی) اور سماحت یعنی نرمی اور جود و عطا فرماتے ہیں اور جس قوم کے خاتمہ اور فنا کا ارادہ فرماتے ہیں اس میں خیانت پیدا فرما دیتے ہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (کنز) یہ آیت شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے جس کا شروع فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ سے ہے اور اُوپر کی دو آیات سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے پہلی اُمتوں کی ہلاکت کا ایک دستور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے پہلی اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے تھیں پیغمبر بھیجے تھے (جب انہوں نے پیغمبروں کا کہنا نہ مانا تو) پھر ہم نے ان کو مصیبتوں اور بیماریوں سے پکڑا (یعنی مصائب اور بیماریوں میں مُبتلا کیا) تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پس جب اُن کو ہماری (طرف سے مصائب کی) سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی (کہ ان پر رحم کیا جاتا اور اُن کا قصور مُعاف کر دیا جاتا) لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے (وہ نصیحت کیا قبول کرتے) اور شیطان ان کے اعمال کو (جن کو وہ پہلے سے کر رہے تھے ان کی نگاہ میں) آراستہ کر کے دکھلاتا رہا (جس کی وجہ سے وہ اپنے بُرے اعمال میں جن کو وہ اچھا سمجھتے رہے پھنسے رہے) پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے (اور ان کی طرف اِلتفات بھی نہ کیا) جن کی ان کو پیغمبروں کی طرف سے نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر (عیش و عشرت، راحت و آرام کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر (جو اُن کو عیش و عشرت کی ملی تھیں) اترانے لگے (جس سے اُن کی گمراہی اور بھی بڑھ گئی) تو ہم نے اُن کو (عذاب میں ایسا) دفعۃً پکڑ لیا (کہ ان کو اس کا گمان بھی نہ تھا) پھر ظالم لوگوں کی جڑیں تک کٹ گئیں۔ فقط

یہ آیات شریفہ بڑی عبرت کی آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے باوجود اگر کسی قسم کی سختی کے بجائے عیش و عشرت اور راحت کے سامان ہوتے رہیں تو یہ زیادہ خطرہ کی چیز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جب تُو یہ دیکھے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں پر مُصر ہے اور اس پر دنیا کی وُسعت ہو رہی ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے۔ پھر حضورؐ نے یہی آیت فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ تلاوت فرمائی۔

حضرت ابو حازمؒ سے نقل کیا گیا کہ جب تُو یہ دیکھے کہ تُو اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے اور اس کی نعمتیں تجھ پر لگاتار ہو رہی ہیں تو اس سے ڈرتا رہ، اور ہر وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے قرب پیدا نہ کرے وہ مصیبت ہے (درمنثور)۔ چھٹی فصل کی احادیث میں نمبر ۱ پر یہ مضمون تفصیل سے آ رہا ہے اور چونکہ مال بھی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اس کو زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی پاک بارگاہ میں تقرُّب پیدا کرنے کا ذریعہ بنانا چاہیے، اور کوئی شخص بجائے اس کے کہ اس کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرکے تقرّب پیدا کرے، اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کرے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کا اہم فریضہ ہے تو اس کی نافرمانی میں کیا شک ہے، اور ایسے شخص کو اپنے مال کے باقی رہنے کی زیادہ اُمید نہ رکھنی چاہیے وہ خود اس کے ضائع ہو جانے کی تدبیر کر رہا ہے۔ اور اگر اس حال میں بھی خدا نخواستہ ضائع نہ ہو تو یہ اور بھی سخت خطرناک ہے کہ اس صورت میں یہ کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی اپنے فضل سے محفوظ رکھے۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ جس مال کے ساتھ زکوٰۃ کا مال مل جاتا ہے وہ اس مال کو ہلاک کیے بغیر نہیں رہتا۔

(رواہ الشافعی و البخاری فی تاریخہ کذا فی المشکوٰۃ وعزاہ المنذری الی البزار و البیہقی)

ف: اس حدیث پاک کے مطلب میں علماء کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں صحیح ہیں حضورؐ کا یہ پاک ارشاد دونوں پر صادق آتا ہے۔ ایک یہ کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو گئی ہو اور اس میں سے زکوٰۃ نہ نکالی گئی ہو تو یہ سارا مال زکوٰۃ کے ساتھ مخلوط ہے اور یہ زکوٰۃ کا مال سب کو ہی ہلاک کر دیگا۔ اس مطلب کے موافق یہ حدیث پاک اس سے پہلی حدیث شریف کے ہم معنی ہوئی کہ یہی مضمون بعینہٖ پہلی حدیث شریف کا ہے۔

حافظ ابنِ تیمیہؒ نے مُنتقیٰ میں انہی معنی کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے اس پر زکوٰۃ نکالنے میں جلدی کرنے کا باب لکھا ہے۔ اور حُمیدیؒ سے اس حدیث کے بعد یہ نقل کیا ہے کہ اگر تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوجائے اور تُو اس کو نہ نکالے تو حرام مال حلال کو بھی ہلاک کردے گا یعنی زکوٰۃ کا مال جس کا روکنا حرام ہے باقی مال کو جس کا روکنا حلال ہے ضائع کردے گا۔ دوسری تفسیر جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کی گئی یہ ہے کہ جو شخص خود صاحبِ نصاب ہو، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی چیز اصلی ضرورت سے زائد اس کے پاس ہو اور پھر وہ اپنے کو غریب ظاہر کر کے کسی سے زکوٰۃ کا مال لے لے، تو یہ مال اُس کے پاس جو اپنا اصلی مال پہلے سے تھا اس کو بھی ضائع کردے گا (مشکوٰۃ)۔ اس حدیث پاک سے ان لوگوں کو بہت ڈرتے رہنا چاہیئے جو صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود لوگوں کی زکوٰتیں لیتے رہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کا مال اُن کے اصلی مال کو بھی فنا کردے گا، اور تھوڑے سے نفع کی خاطر بہت سا نقصان برداشت کرنا پڑ جائے گا۔ پھر چاہے چوروں کو گالیاں دیتے رہیں، یا ظالموں کو بددُعائیں دیتے رہیں، اپنی حرکت کی بدولت مال چلا ہی جائے گا اور ایسی حالت میں کہ وہ مُستحق نہ تھا لینے کا گناہ سر پر رہے گا۔

(۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ مَنْ كَسَبَ طَيِّبًا خَبَّثَهٗ مَنْعُ الزَّكٰوةِ وَمَنْ كَسَبَ خَبِيْثًا لَمْ تُطَيِّبْهُ الزَّكٰوةُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص طیب مال (حلال مال) کمائے زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا اس کو خبیث بنا دیتا ہے، اور جو شخص حرام مال کمائے زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کو پاک نہیں بناتا۔

(رواه الطبرانی فی الکبیر موقوفًا باسناد منقطع کذا فی الترغیب)

ف: کتنی سخت وعید ہے کہ جس مال کو بڑی محنت جانفشانی سے جائز ناجائز کا اہتمام رکھتے ہوئے کمایا تھا وہ ذرا سے بخل سے کہ اس کی زکوٰۃ کا اہتمام نہیں کیا، سارا کا سارا اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے نزدیک خبیث بن گیا۔

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کا ارشاد وارد ہوا ہے ۔ کہ جو شخص حرام طریقہ سے مال کمائے اور پھر اس کو صدقہ کرے ۔ اس کے لئے اس میں کوئی اجر نہیں ہے اور اس کا وبال اس پر ہے (ترغیب) ۔یعنی حرام کمانے کا وبال سر پر رہا اور اس صدقہ کا کوئی ثواب اس کو نہیں ہے ۔

(۹) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلَهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ جَعَلَتْ فِيْ أُذُنِهَا خُرْصًا مِّنْ ذَهَبٍ جُعِلَ فِيْ أُذُنِهَا مِثْلُهٗ مِنَ النَّارِ ۔	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہِ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے گلے میں سونے کا ہار ڈالے گی اس کے گلے میں اسی طرح کا آگ کا ہار قیامت کے دن ڈالا جائے گا ۔ اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے گی ۔ اُس کے کان میں اسی جیسی آگ کی بالی قیامت کے دن ڈالی جائے گی ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی باسناد جید کذا فی الترغیب)

ف: اس حدیث شریف سے عورتوں کے لئے بھی سونے کا پہننا ناجائز اور حرام معلوم ہوتا ہے ۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا ہے ، اس لئے کہ سب علماء کے نزدیک دوسری احادیث کی بناء پر عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور جائز ہے ۔لیکن بعض علماء نے اس حدیث کو اور اس جیسی (دوسری) احادیث کو زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر محمول فرمایا ہے اور بعض روایات سے اس کی تائید فرمائی ہے ۔ چنانچہ خود حضرت اسماءؓ ہی کی روایت ہے کہ میں اور میری خالہ حضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ہمارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے ۔حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے عرض کر دیا کہ نہیں ۔حضورؐ نے فرمایا ۔ تم اس سے نہیں ڈرتیں کہ اللہ جلّ شانہٗ تمہیں آگ کے

کنگن پہنائیں۔ ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو (ترغیب)۔ یہ روایت اس مضمون میں صاف اور واضح ہے کہ جہنم کی آگ اس کے بدلہ میں پہننا اسی صورت میں ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ عورتوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ جو زیور آج بدن کی زینت بن رہا ہے وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں کل کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بن کر بدن کا عذاب بنے گا۔

حضرت اسماءؓ کا یہ فرمانا کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتی ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ اُن کو اس وقت تک یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اُن کا سُوال کرنا اس کی دلیل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک وہ زیور کو عورت کی اصلی ضرورت میں سمجھتی ہوں۔ حالانکہ زیور اصلی ضرورت میں نہیں ہے ایک زائد چیز ہے۔ اس مطلب کے مُوافق سونے کی کوئی تخصیص نہ ہوگی، چاندی کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ تشریف لائے تو میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے ملاحظہ فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس لئے بنوائے کہ آپ کے لئے اپنی زینت کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تجھ کو تو جہنم کی آگ کے لئے یہی کافی ہیں۔ (ترغیب)

یہاں انکار کی ان دو وجہوں کے علاوہ جو پہلی حدیث میں گذریں، تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چاندی کے چھلّوں کا وزن عام طور سے اتنا نہیں ہوتا کہ وہ نصاب تک پہنچ جائے۔ اور حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ایک زیور کی مقدار اگرچہ اتنی نہ ہو سکین دوسرے زیور کے ساتھ ملا کر بھی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی تھیں جن کے ہاتھ میں دو وزنی کنگن سونے کے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں اس بات سے خوشی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن تمہیں قیامت میں پہنا دیں۔ انہوں نے یہ سُنتے ہی دونوں کنگن حضورؐ کی خدمت میں

پیش کر دینے کہ یہ اللہ کے واسطے دیتی ہوں۔ (ترغیب)

یہی وہ خاص ادا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مرد و عورت میں تھی کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُننے کے بعد پھر تعمیل میں کوئی حِیلِ حُجت، لیت ولعل ہوتی ہی نہ تھی۔ ان سب روایات کے موافق سونے چاندی کے سب زیوروں کا ایک ہی حکم ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے پر جہنم کی آگ مُسلط ہو جانے میں دونوں برابر ہیں خواہ کسی روایت میں سونے کے زیور ہوں یا چاندی کے زیور۔ اور بعض عُلما نے ان روایات کی وجہ سے جن میں زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اور سونے چاندی میں فرق کیا گیا ہے، یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے تکبر تفاخر اور اظہار مراد ہے۔

ایک روایت سے اس مفہوم کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف اور نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اے عورتوں کی جماعت کیا تمہیں زیور بنانے کیلئے چاندی کافی نہیں ہے، یاد رکھو کہ جو عورت سونے کا زیور بنائے اور اس کو ظاہر کرے وہ اس کی وجہ سے عذاب دی جائے گی (ترغیب)۔ اور یہ بات عام طور سے مُشاہدہ میں آتی ہے کہ عورتوں کے یہاں چاندی کا زیور بالخصوص، جو عورتیں اپنی جہالت سے اپنے کو اُونچے خاندان کی سمجھتی ہیں کچھ وقعت اور اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ چاندی کے زیور کو کوئی اظہار یا تفاخر کی چیز نہیں سمجھتیں۔ انکے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن ہوں تو ذرا بھی ان کو اس کے اظہار کا داعیہ پیدا نہ ہو لیکن سونے کے کنگن ہوں تو بے وجہ پچاس مرتبہ مکھی اُڑانے کے بہانے سے ہاتھ ہلائیں گی، بیس مرتبہ دوپٹہ درست کرنے کے واسطے ہاتھ کو پھیریں گی بالخصوص کوئی نئی عورت گھر میں آجائے یا وہ کسی دوسرے کے گھر جائیں، پھر تو نہ مکھی اُن کے بدن سے اُڑ کر دیتی ہے نہ اُن کا دوپٹہ درست ہو کر دیتا ہے۔ بار بار ہاتھوں کو حرکت دیتی رہتی ہیں، اور اس حرکت سے مخفی دوسرے پر تفاخر مقصود ہوتا ہے اپنے زیور کو دکھانا ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ زیور سے تفاخر اور تکبر اور اس کا اظہار ہرگز نہ ہونا چاہیئے اور اس کی زکوٰۃ بہت اہتمام سے ادا کرنا چاہیئے اور دونوں میں سے اگر کوئی سی ایک بات کا بھی لحاظ نہ رکھا جائے

تو اپنے آپ کو عذاب کے لیے تیار رکھنا چاہیے

(۱۰) عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ كَانَ اُنَاسٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ حِيْنَ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُؤَدِّيَ الزَّكٰوةُ يَجِيْئُوْنَ بِصَدَقَاتِهِمْ بِاَرْدَاِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الثَّمَرَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں، کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا، تو منافق آدمی بدترین پھل جو ان کے پاس ہوتے تھے وہ دیا کرتے تھے اس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں آیت شریفہ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ نازل فرمائی۔

(اخرجه ابن جرير وغيره كذا فى الدر المنثور)

ف: یہ آیت شریفہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں رکوع کی پہلی آیت کا جزو ہے یہ آیت شریفہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ سے شروع ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے عمدہ مال کو خرچ کیا کرو (نیک کاموں میں) اور (خرچ کیا کرو عمدہ مال کو) اس چیز میں سے جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا (یعنی پھل وغیرہ) اور ردّی مال کا ارادہ نہ کیا کرو کہ اس میں سے خرچ کرنے لگو حالانکہ (اگر تم کو ویسی خراب چیز کوئی تمہارے حق واجب میں یا سوغات میں دینے لگے تو) تم کبھی بھی اس کو لینے والے نہ ہو۔ مگر یہ کہ چشم پوشی کرکے (شرمے شرمائے) لے لو اور یہ سمجھ لو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی کے محتاج نہیں ہیں (کہ ایسے ردّی مال سے خوش ہو جائیں وہ) تعریف کے لائق ہیں"۔

بہت سی احادیث ان آیات کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں، مآل سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ہم انصاریوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ہم باغات کے مالک تھے۔ ہر شخص اپنے باغ کی حیثیت کے موافق کم و بیش لایا کرتا تھا۔ بعض آدمی ایک دو خوشے مسجد میں ٹانگ دیتے۔ اہلِ صُفّہ فقراء کی جماعت تھی جن کے کھانے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ ان میں سے جس کو بھوک لگتی وہ ان خوشوں میں لکڑی

مارتا، اور جو پکی کچی کھجوریں گرتیں، کھالیتا۔ بعض لوگ جنہیں خیر کے کاموں میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی وہ بعض ردّی قسم کی کھجوروں کا خوشہ یا خراب شدہ خوشہ ٹانگ دیتے۔ اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو ہدیہ میں ایسی چیز دی جائے، تو شرمے شرمائے تو لے لو ویسے نہ لو۔ اس کے بعد سے اچھے اچھے خوشے آنے لگے۔

اس مضمون کی متعدد روایات وارد ہوئی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ بازار سے سستا مال خریدتے اور وہ صدقہ میں دیتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ یہ آیت شریفہ فرض زکوٰۃ کے بارہ میں نازل ہوئی جب لوگ کھجوریں کاٹتے تو اچھا اچھا مال چھانٹ کر علیحدہ کر لیتے جب زکوٰۃ لینے کے لئے آدمی جاتا تو ردّی مال اس کے سامنے کر دیتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی اور مسجد میں کسی نے ردّی کھجوروں کا خوشہ لٹکا رکھا تھا۔ حضورؐ نے اس خوشہ میں لکڑی ماری اور فرمایا کہ جس نے یہ لٹکایا ہے اگر اس سے بہتر لٹکاتا تو کیا نقصان ہو جاتا۔ یہ شخص جنّت میں ایسی ہی ردّی کھجوریں پائیگا (درمنثور) حضرت عائشہؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ مساکین کو اس مال کو نہ کھلاؤ جس کو تم خود نہ کھا سکو (کنز)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ گوشت میں بُو ہو گئی تھی، حضرت عائشہؓ نے ارادہ فرمایا کہ وہ کسی کو اللہ واسطے دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا ایسی چیز کا صدقہ کرتی ہو جس کو خود نہیں کھاتیں (جمع الفوائد)۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جب دیا جا رہا ہے تو اچھا مال جہاں تک ممکن ہو، دینا چاہیئے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھا دیا نہ جائے اور خراب اس وجہ سے نہ دے بس حذف ہی ہو جائے۔ اگر عمدہ کی توفیق نہ ہو تو نہ دینے سے گھٹیا دینا بہتر ہے۔ زکوٰۃ میں ردّی مال دینا بھی زکوٰۃ نہ دینے ہی کی ایک قسم ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا زکوٰۃ ادا کرنے کا ضابطہ چوتھی فصل کی احادیث میں نمبر ۶ پر گذر چکا ہے کہ نہ تو اللہ جلّ شانہٗ بہترین مال کا مطالبہ فرماتے ہیں،

نہ گھٹیا مال کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ متوسط مال کا مطالبہ ہے یہی اصل ضابطہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو احکامات اپنے ماتحتوں کو زکوٰۃ وصول کرنے کے تحریر فرمائے، ان میں زکوٰۃ کی تفصیل تحریر فرمائی اور تمہید میں تحریر فرمایا کہ جو اس تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرے اس کو دی جائے اور جو اس سے زیادہ لینا چاہے اس کو نہ دی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو نماز کے حکم کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم کی تلقین فرمائی، اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ زکوٰۃ ادا کریں تو ان کے بہترین مال کو لینے کی کوشش نہ کرنا مظلوم کی بد دعاء سے بچنا کہ مظلوم کی بد دعاء کے قبول ہونے میں کوئی آڑ نہیں ہوتی۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جب حکومت کا آدمی زکوٰۃ لینے آئے تو بکریوں کے تین حصے کر دیئے جائیں۔ عمدہ عمدہ ایک جگہ اور ردی ردی ایک جگہ، تیسرا حصہ جو درمیانی ہے ان میں سے لے لے (ابوداؤد)۔ یہی اصل ضابطہ ہے زکوٰۃ لینے والے کے حق میں لیکن دینے والا اگر اپنی خوشی سے اچھے سے اچھا مال دے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اسی حدیث نمبر ۶ کے ذیل میں صحابہؓ کے بعض واقعات اور حضورؐ کا پاک ارشاد گذر چکا کہ تم اگر اپنی خوشی سے عمدہ مال ضابطہ سے زائد دینا چاہو تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر دے گا۔ اس لئے دینے والے کو یہ سمجھ کر کہ اپنے کام آنے والا صرف یہی مال ہے جو دیا جا رہا ہے بہتر سے بہتر مال چھانٹ کر دینا چاہیئے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص زکوٰۃ کو آخرت کے واسطے ادا کرنا چاہے اس کے لئے کچھ آداب ہیں، کچھ قواعد ہیں، اُن کی رعایت کرنا چاہیئے۔ امام غزالی نے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ بندہ اس کو نہایت اختصار سے اور کہیں کہیں معمولی توضیح سے ذکر کرتا ہے، یہ اس کا ترجمہ نہیں ہے۔ امام غزالیؒ نے آٹھ ادب ذکر فرمائے ہیں۔ نمبر ۱: سب سے پہلی چیز تو یہ سمجھنے کی ہے کہ آخر زکوٰۃ کیوں واجب ہوئی۔ کیوں اس کو اسلام کا رکن قرار دیا گیا اسکی تین وجہیں ہیں۔ الف: اس وجہ سے کہ زبان سے

کلمہ کا اقرار کرلینا وہ اللہ تعالیٰ کو تن تنہا معبود ماننے کا اقرار ہے یعنی یہ کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز شریک نہیں ہے اور اس کی تکمیل اور تمامی جب ہی ہوسکتی ہے جب کہ اس ایک پاک ذات کے سوا محبت کے دعویدار کے دل میں اختیاری طور پر کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہے، اس لئے کہ محبت شرکت کی ہرگز متحمل نہیں ہے اور محض زبانی دعویٰ محبت بیکار ہے۔ محبت کا امتحان جب ہی ہوسکتا ہے جب دوسری محبوب چیزوں سے مقابلہ پڑ جائے۔ اور مال ہر شخص کو بالطبع محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ سے محبت اور اس کی تنہا معبودیت کے اقرار میں امتحان کی کسوٹی کے طور پر مال کا خرچ کرنا فرض کیا گیا ہے جس سے لوگوں کی حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت کا اندازہ ہوتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورۂ توبہ، ع ۱۴) "بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس بات کے بدلہ میں خرید لیا ہے، کہ ان کو جنت ملے گی۔" اور جانوں کا خرید لینا جہاد کے ذریعہ سے ہے اور مالوں کا خرچ کرنا جان کے خرچ کرنے سے ہلکا ہے اور جب مال کے خرچ کرنے کا یہ مفہوم ہوا کہ وہ محبت کے امتحان کی کسوٹی ہے تو آدمی اس امتحان میں تین قسم کے ہوتے۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا سچا اقرار کیا کہ اس کی محبت میں ذرا سی بھی شرکت کسی چیز کی نہیں آنے دی اور اپنے عہد کو پورا پورا ادا کر دیا کہ اپنے مالوں کو سب کو اس کے نام پر قربان کر دیا۔ نہ اپنے لئے کوئی دینار رکھا نہ درم، وہاں زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں آتا۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ دو سو درم میں کتنی مقدار واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عام لوگوں پر شریعت مطہرہ کے ضابطہ کے موافق پانچ درم ہیں لیکن ہم لوگوں کو سب کا خرچ کر دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال خدمت میں پیش کر دیا۔ اور محبت کے دعویٰ کو ایسا پورا کیا کہ محبوب کے سوا کچھ بھی نہ چھوڑا۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو درمیانی درجہ کے ہیں کہ وہ بقدرِ حاجت و ضرورت باقی رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نعمتوں اور لذتوں میں تو مشغول نہیں ہوتے، البتہ بقدرِ ضرورت ذخیرہ رکھتے ہیں اور ضرورت سے زائد کو صرف کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات بھی خرچ کرنے میں مقدارِ زکوٰۃ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ فاضل مال جو بھی ہوتا ہے وہ سب خرچ کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض تابعین جیسا کہ امام نخعیؒ، شعبیؒ وغیرہ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق واجب ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک مال دار کے ذمہ واجب ہے کہ جہاں کہیں ضرورت مند کو دیکھے تو زکوٰۃ سے زائد سے بھی اسکی حاجت کو پورا کرے۔

لیکن فقہ کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص اضطرار کے درجہ کو پہنچ گیا ہو تو اس کی ضرورت کا پورا کرنا فرض کفایہ ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مضطر پر اتنی مقدار خرچ کرنا بھی جس سے وہ ہلاکت سے بچ جائے، بہت ضروری ہے یا قرض دینا بھی کافی ہے۔ اور جو قرض دینا کہتے ہیں وہ گویا تیسری قسم میں داخل ہیں۔ اور تیسری قسم ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی ہے جو صرف واجب یعنی مقدارِ زکوٰۃ ہی ادا کرتے ہیں، نہ اس سے کم کرتے ہیں نہ زیادہ۔ عام لوگ بیشتر اسی قسم میں داخل ہیں، اس لئے کہ ان کو مال سے محبت ہے وہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، انہیں آخرت کی رغبت کم ہے۔

امام غزالیؒ نے تین ہی قسمیں آدمیوں کی لکھی ہیں۔ چوتھی قسم کو ذکر نہیں کیا، جو مقدارِ واجب کو بھی پوری ادا نہیں کرتے یا بالکل ہی ادا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ یہ لوگ تو اپنے دعویٔ محبت میں بالکل ہی جھوٹے ہیں، ایسوں کا کیا ذکر کرنا جو جھوٹی محبت کے دعوے دار ہوں۔

ب : اس وجہ سے بھی کہ زکوٰۃ سے آدمی کو صفتِ بخل سے پاک کرنا مقصود ہے جو بڑی مہلک چیز ہے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تین چیزیں مہلک ہیں۔ ایک وہ حرص و بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اگر طبعاً کوئی شخص بخیل ہو مگر عمل اپنی طبیعت کے خلاف کرتا ہے اور طبیعت پر جبر کرتا ہے تو یہ تو مہلک نہیں، مہلک وہ

بخل ہے کہ عمل بھی اس کے موافق ہو) - دوسری وہ خواہش نفس جس کا اتباع کیا جائے۔ (اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ مثلاً شہوت کسی شخص کو ہو اور وہ اس کو بجبر روکے۔ تو وہ مُہلک نہیں۔ مُہلک وہ ہے کہ اس کے مُوافق عمل بھی کرے) - تیسری چیز ہر شخص کا اپنی رائے کو سب سے بہتر سمجھنا ہے"۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی مُتعدد آیات اور بہت سی احادیث میں بخل کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ جیساکہ دوسری فصل میں ان میں سے چند گذر چکیں۔ اور آدمی سے صفتِ بخل اسی طرح زائل ہو سکتی ہے کہ زبردستی اس کو مال خرچ کرنے کا عادی بنائے۔ کہ جب کسی سے محبت، تعلق چھڑانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ اپنے کو اس سے دُور رکھنے پر مجبور کیا جائے تاکہ اس کی محبت جاتی رہے۔ اسی لحاظ سے زکوٰۃ کو پاکی کا ذریعہ کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کو بخل کی گندگی سے پاک کرتی ہے۔ اور جس قدر زیادہ مال خرچ کرے گا اور جتنی زیادہ مسرت اور خوشی سے خرچ کرے گا اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے بشاشت ہوگی اتنی ہی بخل کی گندگی سے نظافت حاصل ہوگی۔

ج : اس وجہ سے بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی نعمت مال کا شکرانہ ہے کہ اللہ جلّ شانُہٗ کے ہر شخص کے جان و مال میں اس قدر انعامات احسانات ہیں کہ حد نہیں۔ پس طاعات بدنیہ، بدنی انعامات کا شکرانہ ہیں۔ اور طاعات مالیہ، مالی انعامات کا شکرانہ ہیں۔ اور کس قدر کمینہ اور ذلیل ہے وہ شخص جو کسی فقیر کو دیکھے، اس کی تنگ دستی اور بدحالی کو، اس پر رزق کی کمی کی مصیبت کو دیکھے پھر بھی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانہ کا خیال نہ آئے جو اللہ تعالےٰ نے اس شخص پر کی کہ اس کو بھیک مانگنے سے مُستغنی کیا اور اس فقیر کی طرح اپنی حاجت کو دوسرے کے سامنے لے جانے سے بے نیاز کیا۔ بلکہ اس قابل کیا کہ دوسرا شخص اس کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے۔ کیا اس کا شکرانہ یہ نہیں ہے کہ اپنے مال کا دسواں یا چالیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کر دے (دسویں سے پیداوار کا عُشر اور چالیسویں سے زکوٰۃ مراد ہے)۔

نمبر۲ : دوسرا ادب زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کے اعتبار سے ہے اور وہ یہ ہے

کہ اس کی ادائیگی میں بہت عجلت کرے کہ اس کے واجب ہونے کے وقت سے پہلے ہی ادا کر دے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہٗ کے اِمتثالِ حکم میں رغبت کا اظہار ہے۔ اور فقراء کے دلوں میں مسرّت کا پیدا کرنا ہے اور دیر کرنے میں اپنے اوپر اور مال پر کسی قسم کی بیماری اور آفت آ جانے کا بھی احتمال ہے۔ اور جن کے نزدیک زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ضروری ہے اُن کے نزدیک تو تاخیر کا گناہ مستقل ہے۔ لہٰذا جس وقت بھی دل میں خرچ کرنے کا خیال پیدا ہو، اس کو فرشتہ کی تحریک سمجھے۔ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے، کہ آدمی کے ساتھ ایک تحریک فرشتہ کی ہوتی ہے اور ایک شیطان کی۔ فرشتہ کی تحریک تو خیر کی طرف مُتوجہ کرنا اور حق کی تصدیق ہے۔ جب آدمی اس کو پاوے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور شیطان کی تحریک بُرائی کی طرف مُتوجّہ کرنا اور حق بات کو جھٹلانا ہے جب آدمی اس کو پاوے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھے (سادۃ)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہے جس طرح چاہے پلٹ دیتا ہے۔ اس لئے دل میں جو یہ خیال خرچ کرنے کا آیا ہے اس کے بدل جانے کا بھی خطرہ ہے۔ اس کے عِلاوہ شیطان آدمی کو اپنی اِحتیاج کا خیال دلاتا رہتا ہے جیسا کہ دوسری فصل کی آیات میں نمبر ۲ پر گذرا اور فرشتہ کی تحریک کے بعد شیطان کی تحریک بھی ہوتی ہے، اس لئے اس کی تحریک کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے ادا کرلے اور اگر ساری زکوٰۃ ایک ہی وقت ادا کرنا مقصود ہو، تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کوئی سا ایک مہینہ زکوٰۃ ادا کرنے کا مُعیّن کرے اور بہتر یہ ہے کہ افضل مہینوں میں سے مقرر کرے تاکہ اس میں خرچ کرنے سے ثواب میں زیادتی ہو جیساکہ مثلاً مُحرّم کا مہینہ ہے کہ وہ سال کا شروع مہینہ ہونے کے عِلاوہ اَشہُرِ حُرُم میں سے ہے اور اسمیں ایک دن یعنی عاشورہ کا ایسا ہے کہ اسمیں صدقہ کرنے کی اور اہل وعیال پر خرچ میں وُسعت کی فضیلت آئی ہے لہٰذا اس مہینہ میں اگر ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو ادا کرے (سادۃ) یا مثلاً رمضان المُبارک کا مہینہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم جُود وبخشش میں تمام آدمیوں سے بڑھ کر تھے اور ماہ رمضان میں تو آپ کی بخشش اور جود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ تیز ہوا نیز اس مہینہ میں لَیلَۃُ القدر

ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے نیز اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روز افزوں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ذُوالحجہ کا مہینہ بھی بڑی فضیلت والے مہینوں میں ہے اس میں حج ہوتا ہے۔ اس میں اَیّامِ مَعْلُومَات ہیں یعنی عشرۂ ذُوالحجہ اور اَیّامِ مَعْدُودَات ہیں یعنی اَیّامِ تشریق، اور ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد کی ترغیب قرآن پاک میں آتی ہے۔ پس اگر کوئی رمضان کو متعیّن کرے تو اس کا عشرۂ آخر مناسب ہے اور ذی الحجہ کو مقرر کرے تو اس کا عشرۂ اوّل بہتر ہے۔ بندہ ناکارہ زکریا کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی زکوٰۃ کا تقریبی اندازہ تو ہوتا ہی ہے اس لئے سال کے شروع ہی سے ضرورت کے مواقع پر اس اندازہ کی رعایت رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے اور جب سال وُجوب کا ختم ہو اس وقت اپنے مال کا اور اپنی زکوٰۃ کا پورا حساب لگالے۔ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس وقت پوری کردے اور اگر کچھ زیادہ ادا ہوگیا ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق تھی کہ واجب سے زیادہ ادا ہوگیا۔ اس میں تین مصلحتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ پوری رقم اگر مقدار میں زیادہ ہوئی تو بڑی رقم کا یک دم خرچ کرنا اکثر طبیعت پر بار ہوجاتا ہے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے میں طِیبِ نفس سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ اَہمیت ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ ضرورت کے مواقع ہر وقت میسّر نہیں ہوتے، اس طرح ادا کرنے میں ضرورت کے مواقع پر خرچ ہوتا رہے گا۔ اور اگر سال کے ختم پر حساب کرکے اس خیال سے اس کو علیحدہ رکھے گا کہ وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہوں گا تو اس میں ایک تو ہر دن تاخیر ہوتی رہے گی، دوسرے اس کا اطمینان نہیں کہ ادائیگی سے پہلے کوئی حادثہ جانی یا مالی پیش نہ آجائے اور زکوٰۃ واجب ہوجانے کے بعد ادا نہ ہونے میں سب کے نزدیک گناہ ہے۔ تیسری مصلحت یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنے میں اگر آدمی نے بخل نے زیادہ زور نہ کیا تو امید یہ ہے کہ مقدار واجب سے کچھ زیادہ اکثر ادا ہوجایا کرے گا جو مرغوب چیز ہے، اور یک دم وقت حساب لگا کر اس پر اضافہ کرنا بہت سے لوگوں کو دشوار ہوگا۔

یہاں ایک بات اہتمام سے ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کا مدار قمری سال پر ہے شمسی سال پر نہیں ہے۔ بعض لوگ انگریزی مہینہ سے زکوٰۃ کا حساب رکھتے ہیں۔ اس میں

دس یوم کی تاخیر تو ہر سال ہو ہی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چھتیس[۳۶] سال میں ایک سال کی زکوٰۃ کم ہو جائے گی جو اپنے ذمہ پر رہ گئی۔

۳: تیسرا ادب زکوٰۃ کا مخفی طریقے سے ادا کرنا ہے اس لئے کہ اسمیں اظہار شہرت سے امن ہے اور لینے والے کی پردہ پوشی ہے اس کو ذلت سے بچانا ہے اور افضل یہی ہے کہ اگر کوئی مجبوری اظہار کی نہ ہو تو مخفی طور پر ادا کرے۔ اسلئے کہ صدقہ کی مصلحت بخل کی گندگی کو دور کرنا ہے اور مال کی محبت کو زائل کرنا ہے۔ اور زیادہ شہرت میں حُبِ جاہ کو دخل ہوتا ہے اور یہ مرض یعنی حُبِ جاہ کا حُبِ مال سے بھی زیادہ سخت ہے اور لوگوں پر حُبِ مال سے بھی زیادہ مُسَلط ہے۔ اور صفت بخل قبر میں بچھو بن کر آدمی کو کاٹتی ہے اور صفت ریاء و شہرت اژدہا بن کر ڈستی ہے۔ تو صفت بخل کو زائل کر کے صفت ریاء کو تقویت دینے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص بچھو کو مار کر سانپ کو کھلائے کہ اس سے بچھو تو یقیناً مر گیا اور اس کی مضرت جاتی رہی لیکن سانپ زیادہ قوی ہو گیا اور مقصود دونوں کو مارنا ہے اور سانپ کا مارنا زیادہ ضروری ہے۔

۴: چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر کوئی دینی مصلحت اظہار کی ہو مثلاً دوسروں کو ترغیب مقصود ہو یا دوسرے لوگ اس کے فعل کا اتباع کرتے ہوں یا اور کوئی دینی مصلحت ہو تو اسوقت اظہار افضل ہوگا۔ ان دونوں نمبروں کا بیان پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۹ پر مفصل گذر چکا۔

۵: پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو مَنّ و اذٰی سے برباد نہ کرے مَنّ کے معنی احسان رکھنے کے ہیں یعنی جس پر صدقہ کیا ہے اس پر اپنے صدقہ کا احسان جتائے اور اذٰی کے معنی تکلیف کے ہیں یعنی اس کو کسی اور طرح کی اذیت اس گھمنڈ پر پہنچائے کہ یہ اپنا دست نگر ہے، محتاج ہے اس کی ضرورت اپنے سے وابستہ ہے یا میں نے زکوٰۃ دے کر اس پر احسان کیا ہے۔ یہ مضمون بھی پہلی فصل کی آیات میں نمبر ۸ پر تفصیل سے گذر چکا ہے۔

۶: چھٹا ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو حقیر سمجھے۔ اس کو بڑی چیز سمجھنے سے عُجب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جو بڑی ہلاکت کی چیز ہے اور نیک اعمال کو برباد کرنے والی ہے حق تعالیٰ شانہٗ نے بھی قرآن پاک میں طعن کے طور پر اس کو ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَيَوْمَ

حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا الاٰية (براءة رکوع ۴) "اور حُنین کے دن (بھی تم کو غلبہ دیا تھا) جبکہ (یہ قصہ پیش آیا تھا کہ) تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (کفار کے تیر برسانے سے تمہیں اس قدر پریشانی ہوئی کہ) زمین اپنی وُسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم (میدانِ جنگ سے) منہ پھیر کر بھاگ گئے اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر (فرشتوں کے) تمہاری مدد کیلئے بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا"

اس کا قصہ کُتُبِ احادیث میں مشہور ہے۔ کثرت سے روایات اس قصہ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک ۸ھ میں جبکہ حُضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح فرمالیا تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف پر حملہ کیلئے رمضان ہی میں تشریف لے گئے۔ چونکہ مسلمانوں کی جمعیت اس وقت پہلے غزوات کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو گئی تھی تو اُن میں اپنی کثرت پر عُجب پیدا ہوا کہ ہم اتنے زیادہ ہیں کہ مغلوب نہیں ہوسکتے۔ اسی بنا پر کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو گھمنڈ اور عُجب بہت ناپسند ہے۔ ابتداء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی جس کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر گھمنڈ پیدا ہوا۔ لیکن مجمع کی کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ حضرت عُروہؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے پاک رسول نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے لوگ چڑھائی کرکے آئے۔ اور موضع حُنین میں وہ لوگ جمع ہوگئے۔ حضرت حسنؓ سے نقل کیا گیا کہ جب مکہ والے بھی فتح کے بعد مدینہ والوں کے ساتھ مجتمع ہوگئے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ واللہ اب کہ اکٹھے ہوکر حُنین والوں سے مقابلہ کریں گے۔ حُضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ گھمنڈ کی بات گراں گذری اور ناپسند ہوئی۔ (درمنثور)

غرض عُجب کی وجہ سے یہ پریشانی پیش آئی۔ علماء نے لکھا ہے کہ نیکی جتنی بھی اپنی نگاہ میں کم سمجھی جائے گی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی سمجھی جائے گی۔ اور گناہ جتنا بھی اپنی نگاہ میں بڑا سمجھا جائے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں ہلکا اور کم سمجھا جائے گا یعنی ہلکے سے گناہ کو بھی یہی سمجھے کہ میں نے بہت بڑی حماقت کی، ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے تھا کسی

گناہ کو بھی یہ نہ سمجھے کہ چلو اس میں کیا ہوگیا۔

بعض علماء سے نقل کیا گیا کہ نیکی تین چیزوں سے کامل ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کو بہت کم سمجھے کہ کچھ بھی نہ کیا۔ دوسرے جب کرنے کا خیال آجائے تو اس کو کرنے میں جلدی کرے مبادا یہ مبارک خیال یعنی نیکی کرنے کا نکل جائے۔ یا کسی وجہ سے نہ ہوسکے۔ تیسرے یہ کہ اس کو مخفی طور سے کرے، اور جو کچھ خرچ کیا ہے اس کو حقیر سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ خرچ کیا ہے اُس کا موازنہ اس سے کرے جو اپنے اُوپر خرچ کیا جاچکا اور اپنے پاس باقی رہنے دیا۔ پھر سوچے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنا خرچ کیا۔ اور اپنے لئے کتنا رکھا۔ مثلاً اگر جو کچھ اس کے پاس موجود تھا اس میں سے ایک تہائی خرچ کردیا تو گویا مالک الملک آقا اور محبوب کی رضا میں تو ایک تہائی ہوا اور محبت کے دعوے دار کے حصہ میں دو تہائی۔ اور اگر کوئی شخص اس کا عکس یا سارا ہی خرچ کردے جس کی مثال اس زمانہ میں تو ملنا بھی مشکل ہے تب بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ آخر مال تو اللہ ہی کا تھا، اسی کی عطا فرمائی ہوئی چیز اپنے پاس تھی جس میں اس نے اپنے لطف وکرم، احسان سے خرچ کی اور اپنی ضرورت میں کام میں لانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اگر کسی ایسے شخص کی امانت اپنے پاس ہو جس نے امانت رکھواتے وقت یہ بھی کہہ دیا ہو کہ اگر آپکو کوئی ضرورت پیش آوے تو اس کو اپنا ہی مال تصوّر کرکے خرچ کرلیں۔ پھر تم کسی وقت اس کی امانت کم وبیش واپس کردو تو اس میں کونسا احسان تمہارا ہوا جس کو تم یہ سمجھو کہ ہم نے بڑا کارنامہ کیا، اور پھر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کی عطا کی ہوئی چیز واپس کرنے میں یعنی اس کے نام پر خرچ کرنے میں اس کی طرف سے اجر وثواب اور بدلہ کا ایسا ایسا وعدہ ہے کہ اس کے لحاظ سے تو یہ کہا بھی نہیں جاسکتا کہ ہم نے اس کی امانت واپس کردی بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ایک شخص نے مثلاً سو روپے امانت رکھوائے تھے، اور اس میں سے اس نے پچاس ساٹھ واپس لے لئے اس وعدہ پر کہ عنقریب ہی اتنی گنیاں اس کے بدلے میں تمہیں دے دوں گا، یا یوں سمجھو کہ پچاس واپس لئے اور پانسو کا چیک بنک کا کاٹ کر تمہارے حوالہ کردیا تو ایسی حالت میں کیا گھمنڈ کا موقع ہے اس بات کا کہ میں نے امانت رکھنے والے

کو کچھ واپس کیا۔ اسی وجہ سے اس ادب کے ماتحت یہ چیز بھی ہے کہ جب صدقہ کرے، تو بجائے فخر اور گھمنڈ کے شرمندگی کی سی صورت سے خرچ کرے جیسا کہ کسی کی امانت کوئی شخص اس طرح واپس کرے کہ اس میں سے کم یا زیادہ رکھ بھی لے، مثلاً کسی کے سو روپے امانت رکھے ہوں اور امانت کی واپسی کے وقت اس میں سے پچاس ہی واپس کرے اور یہ کہہ کر واپس کرے کہ تم نے چونکہ مجھے خرچ کی اجازت دیدی تھی اس لئے پچاس میں نے خرچ کر لئے یا اپنی کسی ضرورت کے لئے رکھ لئے۔ یہ کہتے وقت جیسا کہ آدمی پر ایک حجاب ایک شرم، ایک غیرت ایک عاجزی، ایک ذلت ٹپکتی ہے اور اس کو یہ بات خود کو محسوس ہوتی ہے کہ میں نے اس کریم النفس آدمی کے مال میں تصرف کیا۔ اس کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے باقی کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہی ہیئت بعینہٖ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ہونی چاہئے کہ اسی کی عطا کا کچھ حصہ اسی کو ایسی طرح واپس کیا جا رہا ہے کہ اس میں سے ہم نے کچھ کھا بھی لیا اور کچھ رکھ بھی لیا، اور یہ اس وجہ سے کہ صدقہ جو کسی فقیر کو دیا جا رہا ہے یا ضرورت کے موقع پر خرچ کیا جا رہا ہے تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی کو واپس کیا جا رہا ہے۔ فقیر تو محض ایک ایلچی ہے جو گویا اُس نے اپنا آدمی اپنی امانت واپس لینے کے لئے بھیجا ہے۔ ایسے مواقع میں آدمی ایلچی کی کیسی خوشامد کیا کرتا ہے کہ تو آقا سے حاکم سے ذرا سفارش کر دیجیو، کہہ دیجیو کہ اس کے پاس سارا مطالبہ ادا کرنے کو اس وقت تھا نہیں میری ضرورتوں اور احوال پر نظر کر کے اتنے ہی کو قبول کر لیں وغیرہ وغیرہ غرض جتنی چاپلوسی قاصدوں کی اہلکاروں کی ایسے وقت میں ہوتی ہے جب کہ پورا حق ادا نہ کیا جا رہا ہو اس سے زیادہ عملی صورت سے فقراء اور صدقہ کا مال لینے والوں کی ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ اللہ کے ایلچی ہیں، مالک الملک کے قاصد ہیں، اس مالک الملک، قادر مطلق اور بے نیاز کے بھیجے ہوئے ہیں جس نے سب کچھ عطا کیا اور وہ جب چاہے آن کی آن میں سب کچھ چھین کر تمہیں بھی ایسا ہی محتاج کر دے جیسا کہ تمہارے سامنے ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ مال سارا کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں سارا خرچ کر دینا مرغوب اور پسندیدہ ہے، اُس نے اپنے لطف و کرم سے سب کے خرچ کرنے کا ایجاب

تم پر نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ اگر وہ سب کچھ خرچ کرنا واجب فرما دیتا تو ہمیں اپنے طبعی بخل وکنجوسی سے بہت بار ہو جاتا۔

۷: ساتواں اَدب یہ ہے کہ اللہ کے راہ میں صدقہ کرنے کے لئے بالخصوص زکوٰۃ کے ادا کرنے میں جو اس کا ایک اہم حکم اور فریضہ ہے بہتر سے بہتر مال خرچ کرے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود طیّب ہیں، ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں، اس لئے طیّب ہی مال قبول فرماتے ہیں۔ اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ مال جو صدقہ کیا جا رہا ہے حق تعالیٰ شانہٗ کو دیا جا رہا ہے تو کس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے کہ جس پاک ذات کا مال ہے، جس کا عطا کیا ہوا ہے اس کی خدمت میں تو گھٹیا قسم کا مال پیش کرے اور خود اپنے لئے عمدہ اور بہتر رکھے۔ اس کی مثال اس نوکر یا خانساماں کی سی ہے جو آقا کے لئے تو باسی روٹی اور دال بُودار رکھے اور اپنے لئے قورمہ پکائے۔

خود ہی غور کر لو کہ ایسے نوکر کے ساتھ آقا کا کیا معاملہ ہونا چاہیئے۔ پھر دُنیا کے آقاؤں کو تو ہر ہر چیز کی خبر بھی نہیں ہوتی، اور اس عَلیم وخَبیر کے سامنے ہر ہر بات رہتی ہے بلکہ دل کے خیالات بھی ہر وقت سامنے ہیں۔ ایسی حالت میں اسی کے مال میں سے اسی کے لئے گھٹیا اور خراب چیز بھیجنا کس قدر نمک حرامی ہے اور اگر آدمی یہ خیال کرے کہ یہ جو کچھ خرچ کر رہا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہے اس کا بدلہ نہایت سخت احتیاج کے وقت اپنے ہی کو ملتا ہے تو کس قدر حماقت کی بات ہے کہ آدمی اپنے لئے تو سڑیل گھٹیا چیزیں رکھے اور اچھا اچھا مال دوسروں کے واسطے چھوڑ جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔ آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ یا کھا کر ختم کر دیا۔ باقی جو رہ گیا وہ دوسروں کا مال ہے (یعنی وارثوں کا)۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دِرہم کبھی لاکھ دِرہم سے بڑھ جاتا ہے اور وہ اسی طرح سے ہے، کہ آدمی حلال کمائی سے عمدہ مال، بطیبِ خاطر اور سُرور سے خرچ کرے۔ بجائے اس کے کہ کوئی گھٹیا مال سے ایک لاکھ درہم خرچ کرے۔

۸: آٹھواں اَدب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو ایسے موقع میں خرچ کرے جس سے اس کا

ثواب بڑھ جاتے - اور کچھ صفات ایسی ہیں کہ جس کے اندر ان میں سے ایک بھی صفت ہو اس کو دینے سے صدقہ کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے ۔ اور جس میں ان میں سے جتنی صفات زیادہ ہونگی اتنا ہی اجر بھی زیادہ ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے اتنا ہی صدقہ بڑھ جائے گا۔

الف : مُتقی پرہیزگار ہو ۔ دُنیا سے بے رغبت اور آخرت کے کاموں میں مشغول ہو ۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تیرا کھانا مُتقیوں کے سوا کوئی نہ کھاوے - یہ حدیث پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۲۳ پر گذر چکی ہے - اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مُتقی آدمی تیرے اس صدقہ سے اپنے تقویٰ اور طاعت میں اعانت حاصل کرے گا اور تو گویا اس کے اس تقویٰ میں مُعین ہوا اور اس کی عبادت میں ثواب کا شریک ہوا۔

ب : اہلِ علم ہو - اس لئے کہ اس سے تیری اعانت اس کے عُلوم حاصل کرنے میں اور پھیلانے میں شامل ہو جائے گی - اور علم تمام عبادتوں میں اشرف اور اعلیٰ عبادت ہے ۔ اور جتنی بھی علمی مشغلہ میں نیت اچھی ہوگی ، اتنی ہی یہ عبادت اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی جائے گی۔

حضرت عبدُاللہ بن مبارکؒ مشہور محدّث اور بزرگ ہیں - وہ اپنی عطاؤں کو علماء کے ساتھ مخصوص رکھتے تھے - کسی نے عرض کیا کہ اگر غیر عالموں پر بھی آپ کرم فرمائیں تو کیسا اچھا ہو - اُنہوں نے فرمایا کہ میں نبوّت کے درجہ کے بعد علم کے برابر کسی کا درجہ بھی نہیں پاتا جب کوئی اہلِ علم میں سے کسی دوسری طرف مُتوجّہ ہوتا ہے تو اس کے علمی مشغلہ میں نقصان ہوتا ہے اس لئے ان کو علمی مشاغل کے لئے فارغ رکھنا سب سے افضل ہے ۔

ج : وہ شخص اپنے تقویٰ اور اپنے علم میں حقیقی مُوَحِّد ہو اور حقیقی مُوَحِّد ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی احسان کرے تو وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا شکر کرے اور دل سے یہ بات سمجھے کہ حقیقی احسان اسی پاک ذات کا ہے ، وہی اصل عطا کرنے والا ہے ، اور جو دینے والا ظاہر میں دے رہا ہے وہ صرف واسطہ اور ایلچی ہے - حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے درمیان کسی دوسرے کو احسان کرنے والا مت بنا ۔ کسی دوسرے کے احسان کو اپنے اوپر تاوان سمجھ - جو شخص واسطہ کا حقیقی

احسان سمجھتا ہے اس نے حقیقی احسان کرنے والے کو پہچانا ہی نہیں۔ اس نے یہ نہ سمجھا کہ یہ واسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ فلاں شخص پر احسان کیا جائے اس لئے وہ اپنے اس احسان کرنے میں مجبور تھا اور جب آدمی کے دل میں یہ بات جم جائے تو پھر اس کی نگاہ اَسباب پر نہیں رہتی بلکہ مُسَبِّبُ الْاَسْبَاب پر ہو جاتی ہے اور ایسے شخص پر احسان کرنا، احسان کرنے والے کے لئے زیادہ نافع ہوتا ہے۔ اور دوسروں کے بہت لمبے چوڑے ثناء وشکر کے الفاظ سے اس پر احسان کرنا کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے اس لئے کہ جو آج احسان پر لمبی چوڑی تعریف کر رہا ہے وہ کل کو اعانت روکنے پر اسی طرح بُرائیاں شروع کر دے گا اور جو حقیقی مُوَحِّد ہوگا وہ کل کو مذمّت بھی نہ کریگا کہ وہ واسطہ کو واسطہ ہی سمجھتا ہے۔

د: جس پر صدقہ کیا جائے وہ اپنی حاجات اور ضرورتوں کا اِخفاء کرنے والا ہو، لوگوں سے اپنی قلتِ مَعاش کا اور آمدنی کی کمی کا اظہار نہ کرتا ہو، بالخصوص وہ شخص جو مُرُوَّت والوں میں سے ہو اور اس کی آمدنی پہلے سے کم رہ گئی ہو لیکن اس کی مُرُوَّت کی عادت جو آمدنی کی زیادتی کے زمانہ میں تھی وہ بدستور باقی ہو۔ وہ درحقیقت ایسا ضرورتمند ہو جو ظاہر میں غنی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ط یہ آیت شریفہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں رکوع کی ہے۔ پوری آیت شریفہ یہ ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ط تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ ○ (ترجمہ) (صدقات) اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مُقیّد ہوگئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اسی خدمتِ دین میں مُقیّد اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلبِ معاش کے لئے) کہیں مُلک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے اور ناواقف شخص ان کو تونگر خیال کرتا ہے اُن کے سُوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو اُن کے طرز سے پہچان

سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی اُن کو حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں۔ کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے کو) جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ شانہٗ کو اس کی خوب اطلاع ہے (دوسرے لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فی نفسہٖ ثواب زیادہ دیں گے)۔

فائدہ: فی نفسہٖ کی قید اس لئے لگائی کہ اصل میں تو زیادہ ثواب اسی میں ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے اس کے غیر میں بھی ثواب کا زیادہ ہونا ممکن ہے۔ مثلاً ان لوگوں کی حاجت سے زیادہ دوسروں کو حاجت ہو یا یہ توقع ہو کہ ان کی خدمت کوئی اور بھی کر دے گا، دوسرے بالکل محروم رہ جائیں گے۔ اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں یہ لوگ خدمت کیلئے افضل ہیں اور عارض کی وجہ سے غیر مستحق بلکہ غیر مؤمن کے ساتھ احسان کرنے میں بھی افضلیت ممکن ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو عُلُومِ دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں۔ پس اس بناء پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھیرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کار یہ طعن کرتے ہیں کہ ان سے کمایا نہیں جاتا، اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو، اور جس کو علم دین کا کچھ مذاق ہوگا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے۔ اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا، اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں (بیانُ القرآن بتغیر)

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں فقراء سے اصحابِ صُفّہ مراد ہیں۔ اصحابِ صُفّہ کی جماعت بھی حقیقت میں طلبہ ہی کی جماعت تھی جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ظاہری اور باطنی عُلُوم حاصل کرنے کے لئے پڑے رہتے تھے۔ محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ اس سے اصحاب صُفّہ مراد ہیں جن کے نہ گھر تھے، نہ کنبہ۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن پر صدقات کی ترغیب دی ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں وہ فقراء

مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے راستہ میں جہاد میں روک رکھا ہے (یعنی مشغول کر رکھا ہے) تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے (درمنثور)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو سُوال میں نہیں پڑتے۔ اُن کے دل اپنے یقین کی وجہ سے غنی ہیں مُجاہدۂ نفس پر غالب ہیں۔ ایسے لوگوں کو خاص طور سے تلاش کرکے دیا جائے اور دین داروں کے اندرونی اَحوال کی خاص طور سے جستجو کی جائے کہ ان کے گذران کی کیا صورت ہے کہ ان پر خرچ کرنے کا ثواب بھیک مانگنے والوں پر خرچ سے کہیں زیادہ ہے لیکن ایسے لوگوں کی جستجو بھی مشکل ہے کہ یہ اپنا حال دوسروں پر کم ظاہر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔

۵ : یہ کہ آدمی عیال دار ہو یا کسی بیماری میں مُبتلا ہو یا کسی اور ایسے سبب میں گرفتار ہو کہ کما نہیں سکتا تو وہ بھی قرآن پاک کی آیتِ بالا اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں داخل ہے کہ وہ بھی گھرا ہوا ہے، خواہ اپنے فقر میں گھرا ہوا ہو، یا معاش کی تنگی میں گھرا ہوا ہو یا اپنی اصلاحِ قلب کے مشغلہ میں گھرا ہوا ہو کہ یہ لوگ اپنی ان مجبوریوں کی وجہ سے بقدرِ ضرورت کمانے پر قادر نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ بعض گھر والوں کو دس دس بکریاں یا اس سے بھی زائد دیتے تھے اور حضورؐ کے پاس جب فَےْ کا مال آتا تو بیوی والے کو دوہرا حصہ دیتے اور مُجرّد آدمی کو اکہرا حصہ مرحمت فرماتے۔ فَےْ کا مال وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہو۔

۶ : یہ کہ رشتہ دار ہو کہ اس میں صَدَقہ کا ثواب علیحدہ ہے اور صلہ رحمی کا علیحدہ ہے۔ تیسری فصل کی احادیث میں نمبر۹ پر یہ مضمون گزر چکا ہے۔ ان چھ اوصاف کو ذکر کرنے کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صفات اس شخص میں مطلوب ہیں جس پر خرچ کیا جائے اور ہر صفت میں کمی بیشی کے اعتبار سے درجات کا بہت تفاوت ہے۔ یعنی مثلاً تقویٰ کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قرابت ایک بہت قریب کی ہے اور ایک بہت دُور کی۔ اسی طرح دوسرے اوصاف بھی ہیں، لہٰذا ہر صفت میں اعلیٰ درجہ کی تلاش اہم ہے، اور کسی شخص میں یہ ساری ہی صفات موجود ہوں تو وہ شخص بڑی غنیمت چیز ہے اور بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس پر اپنی کوئی چیز خرچ ہو جانے میں

بڑی کوشش کرنا چاہئے اور ان اوصاف کے ساتھ مُتّصف ہونے والے کی کوشش اور تلاش کرنا چاہیئے۔ اگر اپنی کوشش کے بعد حقیقت میں ایسا شخص مل گیا تب تو نُورٌ علیٰ نُور ہے، اور دوہرا اجر ہے۔ ایک کوشش کا، دوسرا حقیقی مَصرف کا۔ اور اگر کوشش کے بعد اپنی تحقیق کے مُوافق تو ان اوصاف کے مُتّصف ہی پر خرچ کیا تھا اور وُہ درحقیقت ایسا نہ تھا بلکہ اس کو معلومات میں غلطی ہوگئی تب بھی اس کو اپنی کوشش کا ایک اجر تو مل ہی گیا کہ اس ایک اجر میں بھی ایک تو اس کے نفس کا بُخل سے پاک ہونا ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کی مَحبّت کا اس کے دل میں زور سے جگہ پکڑنا ہے، اور اس کی اطاعت میں اپنی کوشش کا ہونا ہے۔ اور یہ تینوں صفات ایسی ہیں جو اس کے دل کو قوی کرتی ہیں، اور دل میں اللہ تعالیٰ کے ملنے کا شوق پیدا کرتی ہیں لہٰذا یہ مَنافع تو بہرحال حاصل ہیں اور اگر دوسرا اجر بھی حاصل ہوگیا یعنی صحیح مَصرف پر خرچ ہوگیا تو اس میں اور مَزید فوائد حاصل ہوں گے کہ لینے والے کی دعاء اور توجّہ اس کو شامل ہوگی کہ اللہ کے نیک بندوں کے دِلوں کی بڑی تاثیرات اور برکات دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی توجّہ اور دعاء میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بڑی تاثیر رکھی ہے (احیاء العلوم باختصار وزیادۃ)۔

تمت

زکریا کاندھلوی
مقیم مظاہر علوم سہارنپور

اردو

فضائل صدقات

حصّہ دوم

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

نور اللہ مرقدہ

کتب خانہ فیضی

لاہور۔ پاکستان

فہرستِ مضامین فضائلِ صدقات حصہ دوم

ساتویں فصل اگلے صفحہ پر

گذارش نامہ

تمام خریدنے اور پڑھنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ
اگر کتابت میں کوئی بھی غلطی ہو، تو براہِ مہربانی فوری طور کتب خانہ
کے ذمہ دار کو مطلع فرمائیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

بندہ ذمہ دار کتب خانہ

فضائلِ صَدَقات

حصہ دوم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

چھٹی فصل

زہد وقناعت اور سُوال نہ کرنے کی ترغیب میں

تالیف کے وقت یہ سب ایک ہی رسالہ تھا، لیکن طباعت کے وقت ضخامت کے بڑھ جانے کی وجہ سے چھٹی، ساتویں فصل کو علیحدہ کرکے حصہ دوم قرار دے دیا کہ پڑھنے والوں کو اس میں شاید سہولت رہے۔

قناعت کی فضیلت، مصائب پر صبر کی ترغیب وتاکید اور سُوال کرنے کی مذمت یہ تینوں چیزیں قرآن پاک اور احادیث میں اتنی کثرت سے مختلف عنوانات سے اور مختلف مضامین سے، مثالوں سے اور تنبیہوں سے، احکام سے اور قصوں سے ذکر کی گئی ہیں کہ ان کو اجمالاً اور مختصراً ذکر کرنا بھی بڑی تفصیل کو چاہتا ہے، جن کا اس مختصر رسالہ میں اختصار سے لکھنا بھی رسالہ کے طویل ہو جانے کا سبب ہے۔ تاہم مختصراً تو کرنا ہی ہے۔ یہ مضمون دوسری فصل کے ختم پر گزر چکا ہے کہ مال میں نفع بھی ہے نقصان بھی ہے۔ یہ تریاق بھی ہے زہر بھی ہے۔ حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے میری اُمت کا فتنہ مال ہے۔ اس لئے اس فتنہ سے اور اس کے زہر سے اپنے کو محفوظ رکھنا بڑی اَہم چیز ہے۔ اور یہ سانپ کسی کے پاس ہو تو اس سے اگر تریاق بنالیا جائے تو اپنے لئے بھی مفید ہے دوسروں کو بھی فائدہ ہے۔ ورنہ اس کا زہر اپنے کو بھی ہلاک کرے گا دوسروں کو بھی

نقصان پہنچاتے گا۔ اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یہ مال سرسبز شاداب اور میٹھی چیز ہے، اگر اس کو حق کے موافق (یعنی شرعی ضابطہ اور طریقہ کے موافق) حاصل کرے اور حق کے موافق خرچ کرے تو کام آنے والی مددگار چیز ہے، اور جو بغیر حق کے حاصل کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ آدمی کو جوع البقر ہو جائے کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے (مشکوٰۃ)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی ہے اس کی مثال سانپ کی سی ہے کہ جو شخص اس کا منتر جانتا ہے وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت نکال دیتا ہے۔ پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے، اور اس کو دیکھ کر کوئی ناواقف شخص اس کو پکڑلے، تو وہ سانپ اس کو کاٹ لے گا اور وہ ہلاک ہوگا۔ اور اس کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے۔ ۱: یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے۔ کس غرض سے یہ پیدا کیا گیا۔ تاکہ صرف وہی غرض اس سے وابستہ رکھی جائے۔ ۲: مال کے آنے اور حاصل کرنے کے طریق کی سختی سے نگرانی کرے، کہیں اس میں ناجائز طریقہ شامل نہ ہو جائے مثلاً ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ ہو۔ یا ایسا سوال جس میں ذلت کا اندیشہ ہو۔ ۳: حاجت کی مقدار سے زائد اپنے پاس نہ رہنے دے۔ جتنی مقدار کی واقعی ضرورت ہے وہ تو مجبوری ہے اس سے زیادہ کو فوراً خرچ کر دے۔ ۴: خرچ کے طریق کی نگرانی کرے کہیں بے محل خرچ نہ ہو جائے، ناجائز موقع پر خرچ نہ ہو جائے۔ ۵: مال کی آمد میں، خرچ میں، اور بقدرِ ضرورت روکنے میں، ہر چیز میں نیت خالص رہے۔ محض اللہ کی رضا مقصود ہو جو رکھے یا استعمال میں لاوے وہ محض اس نیت سے کہ اس سے اللہ کی اطاعت میں قوت ہو، جو ضرورت سے زائد ہو اس کو لغو و بے کار سمجھ کر جلد خرچ کر دے۔ اس کو ذلیل سمجھ کر خرچ کرے، وقیع نہ سمجھے۔ ان شرائط کے ساتھ مال کا ہونا مضر نہیں ہے۔ اسی لئے حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، اگر کوئی شخص ساری دنیا کا مال محض اللہ تعالیٰ کیواسطے لیتا ہے (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے۔ اور اگر بالکل ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لینا اللہ کے واسطے نہیں ہے بلکہ کسی دُنیوی غرض، حبِ جاہ وغیرہ کی وجہ سے ہے) تو وہ دنیا دار ہے (احیاء)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے۔ جو اس کو حق کے موافق

حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا کیا ہی اچھا گھر ہے اُس شخص کے لئے جو اس کو آخرت کا توشہ بنائے اور حق تعالیٰ شانہٗ کو (اس کے ذریعہ) راضی کرے، اور کتنا بُرا ہے اُس شخص کے لئے جو اس کو آخرت سے روک لے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کر دے۔ (کنز)

غرض بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مال فی حدِ ذاتہٖ بُری چیز نہیں ہے اچھی چیز ہے، کار آمد ہے اور بہت سے دینی اور دُنیوی فوائد اس کے ساتھ وابستہ ہیں اسی لئے روزی کے کمانے کی، مال کے حاصل کرنے کی ترغیبات بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور سمّی مادہ ہے اور قلوب عام طور سے بیمار ہیں اس لئے کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث شریفہ میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیبیں آئی ہیں۔ اس کی کثرت کو خاص طور سے غیر پسندیدہ بلکہ مُہلک بتایا گیا۔ اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہٗ جس بندے سے محبت فرماتے ہیں دنیا سے اس کی ایسی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کو اہتمام سے بچاتے ہیں جیسا کہ تم لوگ اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو (مشکوٰۃ)۔ حالانکہ پانی کیسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ زندگی کا مدار ہی اس پر ہے، بغیر اس کے زندگی رہ نہیں سکتی۔ لیکن اس سب کے باوجود اگر حکیم کسی بیمار کے لئے پانی کو مُضر بتا دے تو کتنی کتنی ترکیبیں اس کو پانی سے روکنے کی کی جاتی ہیں، اور یہ کیوں؟ اس لئے کہ مال کی کثرت سے عمُوماً نقصانات زیادہ پہنچتے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے نشہ سے متاثر نہ ہوں اسی وجہ سے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اسکے پاؤں پانی میں تر نہ ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُول اللہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہی حال دنیا دار کا ہے کہ اس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے (مشکوٰۃ)۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بُخل، حسد، کِبر، عُجب، کینہ، ریا، تفاخر وغیرہ قلبی امراض اور گناہ جتنے ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح آوارگی، شراب نوشی، قمار بازی، سُود خواری وغیرہ اور مختلف قسم کے شہوانی گناہ بھی اس کی

وجہ سے بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور پھر اس کی طبعی محبّت قُلُوب میں اس درجہ جگہ پکڑے ہوئے ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ اس پر ہمیشہ زیادتی کا طالب اور اس کا کوشاں رہتا ہے۔ چنانچہ مُتعدّد روایات میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا ہے۔ اور دنیا کا مُشاہدہ اور تجربہ ہے کہ کوئی شخص کسی مقدار پر بھی قناعت کرنے والا نہیں ہے اِلَّا ماشَاءَ اللہ۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے قناعت کی ترغیبات دی گئی ہیں کہ یہ جُوْعُ الْبَقَر کچھ کم ہو۔ اسی وجہ سے دنیا کی حقیقت اور اس کی گندگی اور ناپائیداری واضح کی گئی کہ اس سے محبّت میں کمی ہو، کہ جو چیز بہرحال بہت جلد زائل ہونے والی ہے اس سے آدمی کیا دل لگائے۔ دل لگانے کی چیز صرف وہی ہے جو ہمیشہ رہنے والی اور ہمیشہ کام آنے والی ہو، اور اسی وجہ سے صبر کی تاکید اور ترغیب کثرت سے وارد ہوئی کہ آدمی اس کی کمی کو مُطلقاً مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اس میں بھی بسا اوقات اللہ کی بڑی حکمتیں مُضمر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ الآیۃ (سورۂ شوریٰ۔ رکوع ۳) "اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں رزق کی زیادتی وُسعت فرما دے تو وہ زمین میں سرکشی شروع کردیں"۔ چنانچہ تجربہ بھی یہی ہے کہ جہاں اس کی کثرت ہے وہیں حد سے زیادہ فسادات ہیں اور چونکہ اس کی فراوانی مقصود نہیں اور لوگوں کے دل اس کی طرف طبعاً مُتوجّہ ہوتے ہیں اسی بنا پر سوال کرنے کی مُمانعت، اس کی قباحت کثرت سے ذکر کی گئی، کہ آدمی مال کی محبّت اور کثرت کے فکر میں بلا مجبوری بھی سُوال کرنے لگتا ہے کہ اس میں محنت تو کچھ کرنی نہیں پڑتی، ذرا سی زبان ہلانے سے کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، جس سے مال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ انہیں تین مضامین قناعت، مصائب پر صبر، اور سُوال کی مذمّت کے مُتعلّق کچھ آیات اور احادیث اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

آیات

(۱) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ (آل عمران رکوع ۲)

آراستہ کر دی گئی لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت (مثلاً) عورتیں ہوئیں اور بیٹے ہوئے اور ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان لگے ہوئے (یعنی عمدہ اور اعلیٰ) گھوڑے اور دوسرے مویشی اور زراعت (لیکن یہ سب چیزیں) دنیوی زندگی کی استعمالی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی (اور کام آنے والی چیز تو) اللہ ہی کے پاس ہے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان سے کہہ دو کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو (بدرجہا) بہتر ہو ان سب چیزوں سے (وہ کیا ہے غور سے سنو) ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے اور (ان کے لئے وہاں) ایسی بیبیاں ہیں جو ہر طرح پاک صاف ستھری ہیں اور (ان سب سے بڑھ کر چیز) اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال کو خوب دیکھنے والے ہیں (یہ لوگ جن کے لئے یہ آخرت کی چیزیں ہیں ایسے لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں پس آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا دیجئے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور سچ بولنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں اور

(نیک کاموں میں مال) خرچ کرنے والے ہیں، اور پچھلی رات میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

ف: حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سب چیزوں کی محبت کو شہوتوں کی محبت سے تعبیر کیا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شہوت کی افراط ہی کا نام عشق ہے جو بیماری ہے ایسے دل کی جو تفکرات سے خالی ہو۔ اس کا علاج ابتداء ہی سے کرنا ضروری ہے کہ اس کی طرف نظر کم کردے، اس کی طرف التفات کم کردے۔ ورنہ جب التفات بڑھ جائے گا تو ہٹانا مشکل ہوجائے گا اور ابتداء میں بہت سہل ہے۔ یہی حال ہے ہر چیز کے عشق کا، مال ہو جاہ ہو جائداد ہو، اولاد ہو، حتیٰ کہ پرندوں (کبوتر وغیرہ) سے کھیلنے کا اور شطرنج وغیرہ سے کھیلنے کا بھی یہی حال ہے کہ یہ سب چیزیں جب آدمی پر مسلّط ہوجاتی ہیں تو اس کے دین اور دنیا دونوں کو برباد کردیتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سواری پر سوار ہے۔ اگر وہ جانور کی باگ اسی وقت دوسری طرف پھیر دے جب وہ بے جگہ جانے کا رخ کر رہا ہو، تو اُس وقت بہت آسانی سے وہ جگہ پر پڑ سکتا ہے۔ لیکن جب وہ جانور کسی دروازے میں گھس جائے اور سوار پھر دُم پکڑ کر پیچھے کو کھینچنا چاہے تو پھر بڑی سخت دشواری ہوجاتی ہے اس لئے ان سب چیزوں کی محبت کو ابتداء ہی سے نگاہ میں رکھے کہ اعتدال سے نہ بڑھنے دے (احیاء) علماء نے فرمایا ہے کہ دنیا کی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ تین قسم میں داخل ہیں — معدنیات، نباتات، حیوانات۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان آیات میں تینوں کی مثالیں ذکر فرما کر دنیا کی ساری ہی چیزوں پر متنبہ فرما دیا۔ بیویوں اور بیٹوں کو ذکر فرما کر اولاد اور اقارب احباب غرض انسانی محبوبوں پر تنبیہ فرمادی۔ اور سونے چاندی کو ذکر فرما کر ساری معدنیات پر، اور گھوڑے مویشی کو ذکر فرما کر ہر قسم کے جانوروں پر، اور کھیتی سے ہر قسم کی پیداوار پر، اور یہی چیزیں ساری دنیا کی کائنات ہیں (احیاء)۔ اور ان سب کو گنوا کر اور ان پر تنبیہ فرما کر ارشاد فرمادیا کہ یہ سب کی سب اس چند روزہ زندگی کے گذران کی چیزیں ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی محبت کے قابل نہیں، دل لگانے کے قابل نہیں۔ دل لگانے کی چیزیں صرف وہی ہیں جو پائدار ہیں، ہمیشہ رہنے والی ہیں،

ہمیشہ کام آنے والی ہیں اور ان میں سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا ہے' اس کی خوشنودی ہے وہ دنیا اور آخرت کی ہر چیز پر فائق ہے، ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔

دوسری جگہ جنت کی نعمتوں کو ذکر فرما کر ارشاد ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ۔ع ۹) کہ "اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ان سب چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے اور وہی چیز ہے جو بڑی کامیابی ہے"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی برابری نہ دنیا کی کوئی چیز کر سکتی ہے نہ آخرت کی کوئی نعمت اس کے برابر ہے۔ آیات بالا میں دنیا کی ساری مرغوبات کو تفصیل سے ذکر فرما کر اس پر متنبہ کر دیا کہ یہ سب محض دنیوی زندگی کے اسباب ہیں، اور پھر بار بار قرآن پاک میں اس چیز پر تنبیہ فرمائی گئی، مختلف عنوانات سے نصیحت کی گئی، کہیں دنیا طلبی کی مذمت کی گئی، کہیں دنیا کو ترجیح دینے والوں کی قباحت بیان کی گئی، کہیں اس کی بے ثباتی پر تنبیہ کی گئی، کہیں اس کو محض دھوکا بتایا گیا تاکہ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز محض عارضی، محض ضرورت پورا کرنے کی چیز ہے۔ نہ یہ دائمی ہے، نہ دل لگانے کی چیز ہے۔ اسی سلسلہ کی چند آیات پر اس جگہ تنبیہ کرتا ہوں:

(۱) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ (بقرہ۔ ع ۱۰) "یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا۔ پس نہ تو اُن کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی، نہ ان کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی"۔

(۲) فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ط (بقرہ۔ ع ۲۵) "پس بعض آدمی تو ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں تو جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دیدے (پس ان کو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل جائے گا) اُن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض لوگ

یوں کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے حصہ ہے اُس چیز سے جو انہوں نے (نیک اعمال سے) کمایا ہے۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○ (بقرہ۔ ع ۲۵) "اور بعض آدمی بیچ دیتے ہیں اپنی جان کو اللہ کی رضا کی چیزوں میں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر مہربان ہیں۔

(۴) زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (بقرہ۔ ع ۲۶) "دنیوی معاش کفار کے لئے آراستہ کر دی گئی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمان جو کفر و شرک سے بچتے ہیں، قیامت کے دن ان کافروں سے (درجوں میں) بلند ہوں گے اور (آدمی کو محض فراخِ معیشت پر غرور نہ کرنا چاہئے کیونکہ) روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب دے دیتے ہیں" (اس لئے محض امیر ہونا کوئی فخر کی چیز نہیں ہے)۔

(۵) وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج (آلِ عمران ع ۱۴)
"اور یہ (دُنیا کی زندگی کے دن) اُن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (یعنی کبھی ایک قوم غالب ہوگئی کبھی دوسری غالب ہوگئی) اس لئے غالب یا مغلوب ہونے کی فکر سے زیادہ اہم اور زیادہ ضروری آخرت کی فکر ہے۔

(۶) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ط وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط (نساء۔ ع ۱۱) "آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا متاع بہت تھوڑا (چند روزہ) ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ اور تم پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا، تم چاہے کہیں بھی ہو، وہاں ہی موت آکر رہے گی، اگرچہ تم قلعی چونے کے قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو (پھر جب

مرنا بہر حال ہے تو اس کی فکر ہر وقت رہنا چاہیئے)۔

(۷) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ

(نساء- ع ۱۳) اور ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے اطاعت (کی علامت) ڈال دے (مثلاً السلام علیکم کرے یا کلمہ پڑھے) یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو (دل سے) مسلمان نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان ڈھونڈتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سے غنیمت کے مال ہیں"۔

فائدہ: یہ آیتیں اس پر تنبیہ ہیں کہ بعض مسلمانوں نے بعض کافروں کو جو اپنے کو مسلمان بتاتے تھے، مال غنیمت کے شوق میں قتل کر دیا تھا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ محض دنیا کمبخت کا مال کمانے کے لئے یہ ناپاک حرکت کی گئی۔ بہت سی احادیث میں ان واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مسلمان نے ایک کافر پر حملہ کیا۔ اس نے جلدی سے کلمہ پڑھ لیا۔ اس مسلمان نے پھر بھی اس کو قتل کر دیا حضورؐ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حضورؐ نے اس مسلمان سے مطالبہ کیا۔ اس نے یہ معذرت کی کہ اس شخص نے محض ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تونے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا کہ اس نے ڈر کی وجہ سے پڑھا ہے؟ اس کے بعد اس مسلمان کی موت بہت بری طرح سے ہوئی (دُرِّ منثور)۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حدود سے تجاوز کی اجازت کسی جگہ نہیں دی۔ دوسرا مضمون شروع ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو نہیں لکھتا۔ لیکن محض دنیوی اغراض کی وجہ سے کفار پر زیادتی کی بھی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ بہت سی آیات، بہت سی روایات اس مضمون میں وارد ہیں۔ سورۂ مائدہ کے شروع میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ الآیۃ (رکوع ۱) "یعنی کفار مکہ نے جو تم کو عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور بغیر عمرہ کے تم کو مکہ مکرمہ کے قریب سے بے نیل مرام واپس ہونا پڑا، اس کا غصہ تم کو حدود سے نہ نکلنے دے۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم تعدی کرنے لگو۔ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ اور گناہ

اور ظلم میں کسی کی اعانت نہ کرو۔ اسی سورت شریف کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ الاٰیۃ "اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
کے لئے اس کے احکام کی پوری پابندی کرنے والے بنو۔ اور (کہیں نوبت آ جائے تو)
گواہی انصاف کے ساتھ دو۔ کسی قوم کے ساتھ عداوت تم کو عدل و انصاف سے نہ
ہٹاوے" غرض بہت سی جگہ ان امور پر تنبیہ کی گئی۔ دنیا کی محبت آدمی کی عقل کو
بھی بیکار کر دیتی ہے۔

(۸) وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ
خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (انعام۔ ع ۴) اور دنیوی زندگانی
کچھ بھی نہیں ہے بجز لہو و لعب کے، اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے کیا تمہیں
عقل نہیں ہے۔ (جو ایسی صاف واضح بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ دنیا کے اس
لہو و لعب کو آخرت کی عمدہ زندگی سے کچھ بھی مناسبت نہیں)۔

(۹) وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّ لَھْوًا وَّ غَرَّتْھُمُ
الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا (انعام۔ ع ۸) "ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش (یکسو اور
علیحدہ) رہو، جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے۔ اور دنیوی زندگی نے
ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے"۔

(۱۰) وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ تَرَکْتُمْ
مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ (انعام۔ ع ۱۱) اور تم ہمارے پاس (مرنے کے بعد)
تنہا تنہا ہو کر آ گئے، جس طرح ہم نے تم کو دنیا میں اول مرتبہ پیدا کیا تھا (کہ ہر شخص
الگ الگ پیدا ہوتا تھا) اور جو کچھ ہم نے تم کو (دنیا میں مال و متاع ساز و سامان)
عطا کیا تھا اس کو وہیں چھوڑ آئے"۔

فائدہ: یعنی جس طرح آدمی ماں کے پیٹ سے بغیر مال متاع پیدا ہوتا ہے اسی
طرح قبر کی گود میں تن تنہا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ مال و متاع یہاں کا یہاں ہی رہ جائے گا بجز
اس کے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی زندگی میں جمع کرا دیا ہو کہ وہ سب جمع شدہ مال وہاں

پورا کا پورا مل جائے گا بلکہ سرکاری خزانہ سے اس میں اضافہ بھی ملے گا۔

(۱۱) وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (اعراف - ع ۶) "اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے"۔

(۱۲) فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا (اعراف - ع ۲۱) "پس (نیک بندوں کے بعد) ایسے لوگ اُن کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو تو اُن سے حاصل کیا (لیکن ایسے حرام خور ہیں کہ کتاب کے احکام کے بدلہ میں) اس دنیائے دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی (کیونکہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں)"۔

(۱۳) وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (اعراف - ع ۲۱) "اور آخرت کا گھر بہتر ہے متقی لوگوں کے واسطے، کیا تم بالکل عقل نہیں رکھتے (جو ایسی کھلی ہوئی صاف بات بھی نہیں سمجھتے)"۔

(۱۴) وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لا وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (انفال - ع ۳) "تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے (تاکہ ہم اس کا امتحان کریں کہ کون شخص اُن کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے) اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے، دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے لئے کارآمد بناتا ہے اس کے لئے) اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے"۔

(۱۵) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط (انفال - ع ۹) "تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ (تم سے) آخرت کو چاہتے ہیں یعنی یہ کہ تم آخرت کی فکر میں رہو، اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہو"۔

(۱۶) اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ (توبہ - ع ۶) "کیا تم لوگ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے، دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلہ

میں کچھ بھی نہیں ہے:۔

(۱۷) اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ (یونس-ع ۱) جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی اُمید نہیں ہے اور وُہ دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے اور اس سے انہیں اطمینان حاصل ہوگیا، اور جو لوگ ہماری تنبیہوں سے غافل ہوگئے ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے جہنم ہے:۔

(۱۸) یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (یونس-ع ۳) اے لوگو! سن لو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے۔ دُنیوی زندگی میں (چند روز اس سے) نفع اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے۔ پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلادیں گے پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے زمین کی نباتات (زمین سے اُگنے والی چیزیں) جن کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی (یعنی پیداوار سبزہ وغیرہ خوب شباب پر ہوگیا) اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اس پیداوار پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو ایکدم اس پیداوار پر ہماری طرف سے دن میں یا رات میں کوئی حادثہ پڑا (پالا، ٹڈی وغیرہ) پس ہم نے

اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا وہ کل یہاں موجود ہی نہ تھی (یہی حالت بعینہٖ اس دنیا کی زندگی اور اس کی رونق اور زیب و زینت کی ہے کہ وہ اپنے پورے شباب اور کامل زیب و زینت کے باوجود دم کے دم میں ایسی زائل ہو جاتی ہے کہ گویا تھی ہی نہیں) اسی طرح ہم آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے (سمجھانے کے لئے) جو سوچتے ہیں (اور جو سوچنے کا ارادہ نہیں کرتا وہ کیا سمجھے) اور (جب دنیا کی اور اس کی زیب و زینت کی یہ حالت ہے کہ ناپائیدار اور خطرہ کی چیز ہے پس اسی لئے) حق تعالیٰ شانہٗ تم کو دارالبقاء (جو گھر پائیدار ہے اور اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

(۱۹) قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس ع ۶)۔ (پہلے سے قرآنِ پاک کی خوبیاں بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہے) آپ کہہ دیجئے (کہ جب قرآن پاک ایسی چیز ہے) پس لوگوں کو خدا کے انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے (کہ اس نے اتنی بڑی دولت ہم کو عطا فرمائی) وہ (اس دنیا سے بدرجہا) بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں (اس لئے کہ دنیا کا نفع بہت تھوڑا اور بہت جلد زائل ہو جانے والا ہے اور قرآن پاک کا نفع بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے)۔

(۲۰) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود ع ۲) "جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) دنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے (جیسے مال و متاع یا شہرت و نیک نامی وغیرہ) ہم ان لوگوں کے اعمال (کا بدلہ) ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب بیکار

ثابت ہوگا۔ اور (حقیقت میں) یہ جو کچھ کر رہے ہیں سب باطل (بیکار) ہے۔

(۲۱) اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○ (رعد ع ۴)

"اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے۔ (رحمت اور غضب کا یہ مدار نہیں ہے) یہ لوگ دنیاوی زندگی پر خوش ہوتے ہیں (اور اس کی عیش و عشرت، راحت و آرام پر اتراتے ہیں) حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی ایک متاعِ قلیل ہے (کچھ بھی نہیں ہے، چند روزہ زندگی کے دن کاٹنے ہیں جس طرح بھی گذر جائیں)۔

(۲۲) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ (حجر۔ ع ۶) "آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس (زیب و زینت اور مال و متاع، راحت و آرام) کو جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو (اہلِ کتاب ہوں یا مشرکین) دے رکھا ہے برتنے کے لئے (کہ چند روز کے فوائد اس سے اُٹھا لیں اور پھر یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا)"۔

(۲۳) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (نحل۔ ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ (ایک دن) ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، دونوں حال میں ختم ہو گیا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے"۔

(۲۴) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (نحل۔ ع ۱۴) "یہ (جو عذاب اُوپر کی آیات میں ذکر کیا گیا) اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے دُنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا"۔

(۲۵) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۤءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۤئِكَ كَانَ

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ط وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○

(بنی اسرائیل۔ ع ۲) "جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے (اور اپنی کوشش اور اعمال کا ثمرہ صرف دنیا ہی میں چاہتا ہے) ہم اس کو دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں (نہ یہ ضروری ہے کہ ہر شخص کو دے دیں۔ جس کو ہمارا دل چاہتا ہے۔ دیتے ہیں اور جس کو دیتے ہیں اس کو بھی یہ ضروری نہیں کہ جتنا وہ مانگے سب دیدیں۔ جتنا ہمارا دل چاہتا ہے دیتے ہیں) پھر آخرت میں اس کے لئے جہنم تجویز کر دیتے ہیں کہ وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر جلتا رہے گا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنا چاہیئے، کرے، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ایسے لوگوں کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ ہر فریق کی (دنیادار ہو یا دین دار) آپ کے ربّ کی عطا میں سے ہم مدد کرتے ہیں۔ اور آپ کے ربّ کی (یہ دنیاوی عطا) کسی سے بھی بند نہیں کی گئی آپ خود ہی دیکھ لیں کہ اس دنیاوی عطا میں ہم نے ایک کو دوسرے پر (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) کیسی فوقیت دے رکھی ہے (آپ اس سے خود ہی اندازہ کر لیں گے، کہ عطا کسی اور کی طرف سے ہے کہ ایک شخص کو کوشش سے بھی بہت کم ملتا ہے اور دوسرا بغیر کوشش کے بھی بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے) اور آخرت (جو مخصوص ہے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے) درجوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔"

(۲۶) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ○

(کہف۔ ع ۶) "آپ ان لوگوں سے دُنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے، وہ ایسی ہے جیسا کہ

ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کی وجہ سے زمین کے نباتات (پیداوار) خُوب گنجان ہو گئے ہوں پھر (خُوب تر سبز و شاداب ہو کر ایک دم کسی حادثہ سے خشک ہو کر) ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اڑائے اُڑائے پھرتی ہو (بالکل یہی حالت دُنیاوی زندگی اور اس کی عیش و عشرت اور مال و متاع کی ہے کہ آج سب کچھ ہے اور ایک دم کوئی مصیبت آئے تو کچھ بھی نہ رہا۔ اور اب تو زمانہ اس کو اپنی آنکھوں سے خُوب ہی دیکھ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (جب چاہے جس کو چاہے امیر بنا دے، جس کو چاہے لکھ پتی سے فقیر بنا دے جس کو چاہے صاحب اولاد کر دے اور جس کو چاہے بڑی اولاد اور کنبہ والا ہونے پر دم کے دم میں اکیلا کر دے تو یہ سمجھ لو کہ) مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی صرف ایک رونق ہے اور جو نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ ثواب اور بدلہ کے اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں۔ اور اُمید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں (کہ ان کی ہی اُمیدیں لگانی چاہئیں، اور ان اُمیدوں کے پورا ہونے کی کوشش کرنا چاہئے)۔

(۲۷) يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ (طٰہٰ - ع ۵) - (اُوپر کی آیات میں قیامت کے آنے کا اور صُور پھونکے جانے کا ذکر ہے اُس دن یہ مجرم لوگ) چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے (اور ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے) کہ تم لوگ (دنیا میں) صرف دس دن رہے ہو گے جس بات کو وہ کہیں گے ہم اس کو خُوب جانتے ہیں جبکہ اُن میں کا زیادہ صَائِبُ الرّائے کہے گا کہ نہیں تم تو ایک ہی دن رہے ہو (اس کو زیادہ صَائِبُ الرّائے ان میں کا اس لئے کہا کہ اس کا قول ایک دن کا بمقابلہ دس دن کے زیادہ قریب ہے ویسے تو آخرت کے دِنوں کے اعتبار سے دنیا کی ساری زندگی ایک دن کیا اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے یہ بے حقیقت دنیا کے سارے قیام کی آخرت کے مقابلہ میں)۔

(۲۸) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۵ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ (طٰهٰ - ع ۸) "اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی آپ اُن چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو اُن کی آزمائش کے لئے مُتمتِّع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دُنیوی زندگی کی رونق ہے (اور آزمائش اس کی ہے کہ کون اس مال ومتاع میں بندگی کا حق ادا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) اور آپ کے رب کا عَطِیّہ (جو آخرت میں ملے گا، وہ اس سے بدرجہا) بہتر اور پائدار ہے اور اپنے مُتعلِّقِین کو نماز کا حکم کرتے رہیں اور خود بھی اُس کے اُوپر جمے رہیں۔ ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے۔ روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔"

(۲۹) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (الانبیاء - ع ۱) "لوگوں کے لئے اُن کے حساب (کتاب) کا دن آپہنچا، اور وہ غفلت میں اِعْراض کئے ہوئے پڑے ہیں۔"

(۳۰) حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا (مؤمنون ع ۶) حتّٰی کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آجاتی ہے (اور آخرت کے احوال کُھلنے لگتے ہیں) تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے (موت سے بچاکر) دنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا کو اور اس کے مال ومتاع) کو چھوڑ آیا ہوں اس میں (واپس جاکر) نیک کام کروں (حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں) ایسا ہرگز نہیں ہوگا (جس کا وقت آچکا ہے وہ ٹلتا نہیں) یہ (شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ فضول) ایک بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے۔

(۳۱) قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (مومنون ۔ ع ۶) ۔ (قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ان لوگوں کی حسرت و افسوس بڑھانے کے لئے) ارشاد ہوگا (اچھا یہ بتلاؤ) کہ تم دنیا میں کتنے برس رہے تھے ، وہ (وہاں کے زمانے کے طول کے لحاظ سے) کہیں گے ہم تو (دنیا میں) ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہوں گے (اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں خواب کی طرح سے یہ بھی اندازہ نہیں کہ کتنا وقت گذرا) پس گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے جو ہر چیز کا حساب لکھتے تھے) پوچھ لیں (کہ ہم کتنا تھوڑا ٹھہرے تھے) ارشاد ہوگا کہ جب تم اتنا کم ٹھہرے تھے تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم (یہ بات) جان لیتے (کہ یہ دنیا محض چند روزہ ہے ، بہت ہی تھوڑے دن یہاں قیام ہے ، اچھا یہ تو بتاؤ) کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کیا (کوئی غرض تمہارے پیدا کرنے سے نہیں تھی حالانکہ ہم نے قرآن پاک میں صاف صاف بتا دیا تھا کہ جن و انس کی پیدائش ہم نے محض عبادت کے لئے کی ہے کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ) تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

(۴۲) وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ (قصص ۔ ع ۶) ۔ (یہ لوگ جو اپنی خوش عیشی پر نازاں ہیں ان کی حماقت ہے اُن کو خبر نہیں کہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے ۔ پس (تم خود ہی دیکھ لو کہ) یہ اُن کے گھر (خالی پڑے ہوئے ہیں جو) اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر تھوڑی دیر کو۔

(۴۳) وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (قصص ۔ ع ۶) "پس جو کچھ تم کو (دنیا میں عیش و عشرت اور راحت و آرام کا سامان) دیا گیا ہے وہ محض دُنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے ۔ اور (اسی چند روزہ زندگی کی) زیب و

زینت ہے (جو بہت جلد زائل ہو جانے والی ہے) اور اللہ (جَلَّ شانُہٗ) کے یہاں جو اجر و ثواب ہے وُہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے۔"

(۳۴) اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ○ (قصص۔ ع ۷) "کیا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ (آخرت کا) کر رکھا ہے۔ پھر وہ شخص اس موعُود چیز کو پانے والا بھی ہے۔ ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دُنیوی زندگی کا کچھ متاع (معمولی فائدہ) دے رکھا ہے۔ پھر قیامت کے دن یہ شخص (اپنے جرموں کی پاداش میں) گرفتار کر لیا جائے گا۔"

(۳۵) قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ (قصص۔ ع ۸) "جو لوگ طالبِ دُنیا تھے وہ (تو قارون کی زیب و زینت کو دیکھ کر) کہنے لگے کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم کو بھی ایسا ہی ساز و سامان ملتا جیسا کہ قارون کو ملا ہے وہ تو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔ (قارون کا مفصّل قصہ عبرتناک زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے بیان میں پانچویں فصل کی آیات کے سلسلہ میں نمبر ۳ پر گذر چکا ہے۔ دولت اور ثروت کی کثرت کا اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ نہ بنایا جائے تو یہی حشر ہے)۔

(۳۶) وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ م لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ (عنکبوت۔ ع ۷) "اور یہ دُنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اصل زندگی (جو حقیقت میں زندگی کہلانے کے لائق ہے) وہ آخرت ہی کی زندگی ہے۔ کاش یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح) جان لیتے (تو پھر آخرت کے لئے کیسی کوشش کرتے)"۔

(۳۷) یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ○ (روم۔ ع ۱) "یہ لوگ دُنیوی زندگی کی صرف ظاہری حالت کو

جانتے ہیں (اسی کی کوشش کرتے ہیں، اسی پر جان دیتے ہیں) اور یہ لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں" (نہ وہاں کے ثواب کی تمنا، نہ وہاں کے عذاب کا خوف)۔

(۲۸) يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ط اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ (لقمٰن۔ ع ۴) "اے لوگو اپنے رب سے ڈرو، اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنی اولاد کی طرف سے کوئی مطالبہ پورا کر سکتا ہے، نہ کوئی اولاد اپنے باپ کی طرف سے ذرا کوئی چیز ادا کر سکتی ہے بیشک اللہ کا وعدہ (جو آخرت کے متعلق ہے) سچا ہے۔ پس تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (کہ تم اس میں لگ کر آخرت کے دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ تم اس کے بہکانے میں آکر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے فکر ہو جاؤ، اور یہ سمجھنے لگو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا)۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ تم کو شیطان اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے" کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی آرزو کرتے رہو۔ (در منثور) یعنی حق تعالیٰ شانہٗ سے مغفرت طلب کرنے کا منہ جب ہے جب پختہ طور پر گناہوں سے توبہ کرو، گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ سے گذشتہ گناہوں کی مغفرت چاہو۔ اور یہ حماقت ہے کہ دن بھر گناہوں سے منہ کالا کرتے رہو، اور زبان سے کہتے رہو کہ یا اللہ تو معاف کر۔ جیسا کہ اسی فصل کی حدیث نمبر ۸ اخیر فصل آرہا ہے، اور اس مضمون کی آیت دوسری بھی آرہی ہے۔

(۲۹) يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (احزاب۔ ع ۴) اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

تم اپنی بیبیوں سے (یعنی دو نوں صاف صاف بات) کہہ دو کہ اگر تم کو دُنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہیئے تو آؤ میں تم کو کچھ دُنیوی مال و متاع (مہر نفقہ وغیرہ) دے دوں اور تم کو خوبی اور خوش دلی کے ساتھ (طلاق دے کر) رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ (تعالیٰ کی رضا) کو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں تنگی اور فقر و فاقہ کے ساتھ رہنے) کو اور آخرت (کے عالی درجوں) کو چاہتی ہو تو (یہ دل نشین کر لو کہ) تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے (جو جتنی زیادہ نیکی کرے گی اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب پاوے گی)۔

(۴۰) يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ (فاطر-ع ۱) اے لوگو (اچھی طرح سمجھ لو. خوب دل میں جما لو کہ) بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے. ایسا نہ ہو کہ دُنیوی زندگی تم کو دھوکہ میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ دھوکہ باز (شیطان) تم کو اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دے (کہ اس کے دھوکہ میں آکر تم اللہ جل شانہٗ سے بے فکر ہو جاؤ)۔

حضرت سعید بن جبیرؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دُنیا کا دھوکہ میں ڈالنا یہ ہے کہ اس میں مشغول ہو کر آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاؤ، اور شیطان کا دھوکہ یہ ہے کہ گناہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی تمنا کرتے رہو (درمنثور)۔

(۴۱) يٰقَوْمِ إِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز وَّإِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ○ (مومن-ع ۵)۔ (فرعون کے خاندان کے اس مومن شخص نے جس نے اپنے ایمان کو مخفی کر رکھا تھا اپنی برادری کو نصیحت کرتے ہوئے کہا) اے قوم یہ دُنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور اصل ٹھہرنے کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

(۴۲) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ج وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ○ (شوریٰ-ع ۳) جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو (یعنی جیسا کھیتی کے لئے بیج بویا جاتا ہے پھر اس کو پانی وغیرہ دیا جاتا ہے تاکہ پھل پیدا ہو، اسی طرح وہ

آخرت کی کھیتی کرنا چاہتا ہے۔ اسکے لئے بیج ڈال کر اسکی پرورش کرتا ہے ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے) ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو (کہ ساری کوشش اسی زندگی پر خرچ کردے) تو ہم اسکو دنیا میں سے کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔

(۴۳) فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ (شوریٰ۔ ع ۴) پس جو کچھ تم کو (اس دنیا میں) دیا گیا وہ محض چند روزہ زندگی کے برتنے کے لئے ہے (بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے اور آخرت میں) جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائدار ہے۔ وہ[۱] ان لوگوں کیلئے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے احتراز کرتے ہیں اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور[۲] (یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا اور نماز کو قائم کیا۔ اور اُن کا (ہر مُہتم بالشان) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔ اور[۳] (وہ لوگ ہیں کہ) ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے (خوب) خرچ کرتے ہیں۔ اور[۴] جو ایسے (منصف مزاج ہیں) کہ اگر اُن پر ظلم ہو (اور ان کو بدلہ لینے کی ضرورت پڑے) تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ نہیں کہ ایک کے بدلہ میں دو اور کسی کا بدلہ کسی سے لے) علماء نے لکھا ہے کہ ان آیات میں بعض اہم اُمور اور مخصوصی اوصاف کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے چاروں خلفائے راشدین کی طرف ترتیب خلافت سے نمبروار اشارہ ہے۔

(۴۴) وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (زخرف ع ۳) اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بدرجہا بہتر ہے جس (دنیا) کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

(اس کے بعد دُنیوی زیب و زینت کی چند اشیاء ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہے) وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (زخرف۔ ع ۳)۔ (اوپر سے سونے چاندی کی چھتوں اور دروازوں وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے) اور یہ سب کا سب صرف دُنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (دو چار دن کی بہار ہے) اور آپ کے رب کے یہاں آخرت تو مُتقی لوگوں کے لئے ہے۔"

(۲۵) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (ذاریات۔ ع ۳) "اور میں نے جن اور انس کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں اُن سے رزق رسانی نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔ حق تعالیٰ شانہٗ تو خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا، قوی، نہایت قوت والا ہے۔"

(۲۶) اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ط وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (حدید۔ ع ۳) "تم خوب جان لو کہ دُنیوی زندگی (ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ آدمی اسی میں لگ جائے یہ تو) محض لہو و لعب اور ظاہری زیب و زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا ہے اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے پر بڑھو تری ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مینہ برسا کہ اس کی وجہ سے پیداوار (ایسی بڑھی کہ وہ) کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہونے لگی پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے کہ تو

اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے (یہی حالت دنیا کی زیب و زینت اور بہار کی ہے کہ آج زوروں پر ہے، پھر اِضمحلال ہے، پھر زوال ہے) اور آخرت کی یہ حالت ہے کہ اس میں سخت عذاب ہے (جس سے بچنے کی انتہائی کوشش ہونا چاہیئے) اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (جس کے حاصل کرنے کی کوشش اس کی شان کے مناسب ہونا چاہیئے۔ اور یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ) دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے (جب دنیا کی یہ حالت ہے اور آخرت کی یہ کیفیت، تو سعادت کی بات یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو (اور اس کی شان کے مناسب کوشش کرو اور نہایت اہتمام سے دوڑو) ایسی جنّت کی طرف جس کی وُسعت آسمان و زمین کی وُسعت کے برابر ہے۔ جو ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و احسان ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت زیادہ فضل والے ہیں (مگر کوئی اس کے فضل سے حصہ لینا بھی چاہے)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بچہ جب اس کو کچھ بھی سمجھ شروع ہوتی ہے تو وہ لہو و لعب کی طرف مشغول ہوتا ہے اور اس کے اندر اس کا ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں اس کو کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ پھر اس کے بعد جب وہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس میں زیب و زینت، اچھے کپڑوں کا پہننا، گھوڑے وغیرہ کی سواری کا شوق پیدا ہوتا ہے جس کے سامنے لہو و لعب کی لذت بھی لغو ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس میں جوانی کی لذتوں کا زور ہوتا ہے۔ شہوت پوری کرنے کے مقابلہ میں اس کی نگاہ میں کوئی چیز نہیں رہتی۔ نہ مال و متاع کی وقعت رہتی ہے نہ عزت و آبرو کی۔ اس کے بعد پھر اس میں بڑائی اور تفاخر اور ریاست کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو پہلے جذبوں پر غالب آجاتا ہے۔ یہ سب دنیاوی لذات ہیں۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے مقابلہ میں ہر چیز لغو بن جاتی ہے۔ یہی اصل جذبہ ہے جو سب سے زیادہ قوی ہے۔ پس ابتدائی زمانہ میں کھیل کود کی رغبت ہوتی ہے اور

بلوغ کے شروع میں شہوت کا زور ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر کے بعد سے ریاست کا جذبہ شروع ہوتا ہے اور چالیس سال کی عمر کے قریب سے عُلوم اور مَعرفت کا جذبہ شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ بچپن میں بچہ کھیل کے مقابلہ میں عورتوں کے اختلاط اور ریاست کو لغو سمجھتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیادار ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو اللہ کی معرفت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ والے سمجھتے ہیں کہ یہ بچے ہیں۔ بلوغ کے لطف کو جانتے ہی نہیں (احیاء)۔

اس آیتِ شریفہ میں دُنیوی لذات کے سب اَنواع کو ذکر فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی کہ ساری ہی لذتیں دھوکہ ہیں اور کام آنے والی صرف آخرت اور آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا کی ساری لذتیں اس کھیتی کی طرح ہیں جو لہلہا کر خشک ہو جائے۔ پھر اُس کو ہوا اُڑا کر فنا کر دے۔

(۴۷) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ○ (دہر۔ ع ۲) "یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں، اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (یعنی قیامت کے دن کی نہ تو کوئی فکر ہے نہ اس کی کوئی تیاری ہے۔ دنیا کی محبت نے ایسا اندھا کر رکھا ہے کہ ذرا بھی تو اس انتہائی مصیبت کے دن کی پروا نہیں ہے)"۔

(۴۸) فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۞ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۞ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ○ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ○ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۞ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۞ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞ (النازعات ۲) پس جس دن وہ بہت بڑا ہنگامہ (مصیبت کا دن یعنی قیامت کا دن) آجائے گا جس دن آدمی یاد کرے گا کہ (دنیا میں) کس کام کے لئے کوشش کی تھی۔ اور دوزخ اس دن آنکھوں کے سامنے ہوگی (اس دن کا قانون یہ ہے) کہ جس شخص نے (دنیا میں) سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو (آخرت

پر) ترجیح دی ہوگی، اس کا ٹھکانہ تو جہنّم ہوگا۔ اور جو شخص (دنیا میں) اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا، اور نفس کو (حرام) خواہشات سے روکا ہوگا پس جنّت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

(۴۹) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۭ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝ (اعلیٰ) بیشک بامراد ہوگیا وہ شخص جو (برائیوں سے) پاک ہوا اور اپنے ربّ کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر تم لوگ قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل ہی نہیں کرتے) بلکہ تم تو دُنیوی زندگی کو (آخرت کی زندگی پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے کہیں زیادہ) بہتر ہے، اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہی مضمون اگلے صحیفوں میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کے صحیفوں میں۔

فائدہ: ان صحیفوں کے مضامین بہت سے آثار اور روایات میں ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کل کتابیں کتنی نازل ہوئیں۔ حضورؐ نے فرمایا، سو صحیفے اور چار کتابیں۔ ان میں سے حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل ہوئے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے قبل دس صحیفے نازل ہوئے۔ اور چار کتابیں تورات (حضرت موسیٰؑ پر) انجیل (حضرت عیسیٰؑ پر) زبور (حضرت داؤدؑ پر) اور قرآن (سیّد الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل ہوئیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ سب امثال (تنبیہات) تھیں۔ (ایک مضمون اس کا یہ ہے) او غلبہ کرکے حکومت لینے والے بادشاہ، او مغرور میں نے تجھے اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ تو دنیا کو توتو جمع کرتا رہے۔ میں نے تجھے اس لئے ابھارا تھا کہ تو مظلوم کی آواز کو مجھ تک نہ آنے دے (اس کی دادرسی وہیں کردے) اس لئے کہ میں اس کی پکار کو رد نہیں کرتا چاہے

وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ عقل والے کے لئے ضروری ہے کہ اگر اس کی عقل مغلوب نہیں ہوگئی کہ اپنے اوقات کو تین حصوں پر تقسیم کردے۔ ایک حصہ میں اللہ تعالیٰ سے رازونیاز (اس کی عبادت) کرے۔ ایک حصہ اپنے اوپر محاسبہ میں خرچ کرے کہ میں نے کیا کیا (کتنے اوقات نیکیاں کمانے میں خرچ کئے، کتنے بُرائیاں اور گناہ کمانے میں۔ اور ان اوقات میں کیا کیا نیک کام کئے اور کیا کیا بُرے کام کئے۔ نیکیاں کس درجہ کی کمائیں اور گناہ کس درجہ کے کئے اور کتنے اوقات محض بیکار ضائع کردیئے) اور ایک حصہ اپنی جائز ضروریات (کھانے کمانے) میں خرچ کرے تاکہ یہ حصہ اوقات کا، پہلے دو حصوں کے لئے مددگار رہنے اور دل جمعی کا، اور پہلے دونوں کاموں کے لئے وقت کے فارغ کرنے کا سبب بنے۔ اور عاقل کیلئے ضروری ہے کہ اپنے اوقات کا محافظ ہو۔ اپنے مشاغل میں متوجہ رہے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ جو شخص اپنی بات کی نگہبانی کرے گا۔ بیکار باتوں میں گفتگو کم کرے گا اور عاقل کے ذمہ ضروری ہے کہ تین باتوں کا طالب رہے۔ ایک اپنی گزر اوقات یعنی معاشی اصلاح کا، دوسری آخرت کا توشہ، تیسری جائز راحتیں (کھانا پینا سونا وغیرہ) ان تین کے علاوہ جس میں بھی وقت ضائع کیا جائے محض بے کار اور لغو ہے۔ جب آدمی کوئی بات یا کام شروع کرے تو یہ سوچ لے کہ ان تین میں سے کونسے میں داخل ہے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عبرت کی باتیں تھیں (منجملہ اُن کے یہ بھی تھا) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو پھر وہ کسی بات پر کس طرح خوش ہوتا ہے (کہ موت ہر وقت سر پر سوار ہے نہ معلوم کس وقت آجائے) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو موت کا یقین ہے پھر اس کو کسی بات پر ہنسی آئے۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے اِنقلابات کو دیکھے (کہ آج ایک شخص لکھ پتی ہے کل کو فقیر اور ٹکڑے ٹکڑے کا محتاج ہے۔ آج ایک شخص جیل خانہ میں ہے اور کل کو حاکم بن جاتا ہے) پھر اس کی کسی بات پر اطمینان کرے۔ اور (تعجب ہے) اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھتا ہو پھر وہ کسی بات پر رنج کرے۔ اور (تعجب ہے) اس شخص پر جس کو (قیامت کے

دن) حساب کا یقین ہے پھر وہ عمل نہ کرے (کہ اس دن ہر قسم کا جانی مالی مطالبہ نیک اعمال ہی سے پورا کیا جائے گا۔ اور اپنے پاس نیک عمل نہ ہوں گے تو دوسرے کے گناہ حساب پورا کرنے کو لینے پڑیں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر بھی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں سے کچھ نازل ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں یہی آیت قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (درمنثور)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ نجم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفّٰى۔ اور وہ ابراہیم جنہوں نے پورا پورا ادا کر دیا، یعنی اسلام کے سارے سہاموں کو پورا کر دیا۔ اسلام کے کل تیس سہام ہیں جن میں سے دس تو سورۂ براۃ میں ذکر کیے گئے۔ ان آیات میں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (توبہ۔ ع ۱۴) اور دس سورۂ احزاب میں، ان آیات میں اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ (ع ۵) اور چھ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی شروع کی آیات میں، اور چار سَأَلَ سَائِلٌ میں وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (معارج۔ ع ۱) یہ سب تیس ۳۰ ہوئے۔ جو ان میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں جائے گا وہ اسلام کے ایک سہام کے ساتھ جائے گا (درمنثور)۔

(۵۰) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ (دنیوی سامان پر) تفاخر نے تم کو (آخرت سے) غافل کر رکھا ہے حتیٰ کہ تم (مر کر) قبرستان میں پہنچ جاتے ہو، ہرگز (یہ چیزیں قابل فخر اور توجہ) نہیں ہیں۔ تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی) معلوم ہو جائے گا (کہ دنیا کیا تھی اور آخرت کیا ہے) پھر تم کو دوسری مرتبہ متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابل فخر و التفات) نہیں۔ تم کو بہت جلد، (قبروں سے نکلتے ہی حشر میں) معلوم ہو جائے گا۔ اور تم کو تیسری دفعہ متنبہ کیا جاتا

ہے کہ ہرگز (یہ چیزیں قابلِ فخر و التفات) نہیں۔ اگر تم یقینی طور پر (قرآن و حدیث سے اس بات کو) جان لیتے (کہ یہ چیزیں قابلِ تفاخر نہیں ہیں جیسا کہ تم کو مرنے کے بعد اس کا یقین ہوا تو کبھی بھی ان میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم جہنم کو ضرور دیکھو گے۔ (وہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے دوبارہ تم سے تاکید سے) پھر (کہا جاتا ہے کہ) واللہ، تم اس کو ایسا دیکھو گے جو خود یقین ہے (یعنی اس کا دیکھنا بالکل یقینی اور قطعی ہے) پھر اُس دن تم سے ساری نعمتوں کی پوچھ ہوگی (کہ اللہ کی نعمتوں کا کیا حق ادا کیا)۔

فائدہ: ان نعمتوں کے سُوال کے متعلق بہت سی تفاصیل بہت سی احادیث میں آئی ہیں، اور جتنی تفاصیل آئی ہیں وہ سب ہی مثال کے طور پر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتوں کا جو ہر وقت، ہر آن، ہر آن اپر بارش کی طرح سے برستی رہتی ہیں کون احاطہ یا شُمار کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد بالکل حق ہے، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (ابراہیم ع ۵۔ نحل، ع ۲) "اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے"۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہ سورت تلاوت فرمائی اور جب یہ پڑھا ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ط "پھر اُس دن نعمتوں سے سُوال کیے جاؤ گے"۔ تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے ربّ کے سامنے تم سے ٹھنڈے پانی کا سُوال کیا جائے گا۔ مکانوں کے سایہ کا سُوال کیا جائے گا۔ (کہ ہم نے دُھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے سایہ عطا کیا تھا) پیٹ بھرائی کھانے سے سُوال کیا جائے گا۔ اعضاء کے صحیح سالم ہونے سے سُوال کیا جائے گا (کہ ہم نے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان وغیرہ صحیح سالم عطا کیے تھے ان کا کیا حق ادا کیا) میٹھی نیند سے سُوال کیا جائے گا، حتّٰی کہ اگر تم نے کسی عورت سے منگنی چاہی اور کسی اور شخص نے بھی اُس عورت سے منگنی چاہی اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اُس کا نکاح کرا دیا تو اس سے بھی سوال ہوگا کہ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا تم پر احسان تھا کہ بیٹی والوں کے دل میں حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ بات ڈالی کہ وہ تم سے اس کا نکاح کریں دوسرے سے نہ کریں۔ اور اُن چیزوں کو جو اس حدیث شریف میں ذکر کی گئیں غور کرنے سے آدمی

اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے کس قدر احسانات ہیں، اور اُن چیزوں میں غریب امیر سب ہی شریک ہیں۔ کون شخص غریب سے غریب، فقیر سے فقیر ایسا ہے جس پر ہر وقت اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے بے انتہا انعامات نہ برستے ہوں۔ ایک صحت اور اعضاء کی تندرستی ہی ایسی چیز ہے، اور اس سے بڑھ کر ہر وقت سانس کا آتے رہنا ہی ایک ایسی نعمت ہے جو ہر وقت ہر زندہ کو مُیسّر ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کون سی نعمتوں میں ہم ہیں۔ جو کی روٹی وہ بھی آدھی بھوک ملتی ہے پیٹ بھر کر نہیں ملتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرمائیں، کیا تم جوتے نہیں پہنتے، ٹھنڈا پانی نہیں پیتے، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کا سُوال ہوگا وہ بدن کی صحت اور ٹھنڈا پانی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن نعمتوں کا سُوال ہوگا وہ روٹی کا ٹکڑا ہے جس کو کھائے اور وہ پانی ہے جس سے پیاس بجھائے اور وہ کپڑے کا ٹکڑا ہے جس سے بدن چھپائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں دوپہر کے وقت حضرت اُبوبکر صِدیقؓ مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی وہ بھی اپنے گھر سے تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ اس وقت کیسے آنا ہوا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بھوک کی شدت نے مجبور کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسی بے چینی نے مجھے بھی مجبور کیا۔ یہ دونوں اسی حال میں تھے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے تشریف لائے۔ اور اُن سے دریافت کیا کہ تم اس وقت کہاں آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور بھوک کی شدت نے مجبور کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ یہ تینوں حضرات اُٹھ کر حضرت اُبوایوب انصاریؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ خود تو موجود نہیں تھے، اُن کی اہلیہ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ ابوایوب کہاں ہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ حضور ابھی آتے ہیں۔ اتنے میں ابو ایوبؓ آگئے اور جلدی سے

کھجور کا ایک خوشہ توڑ کر لائے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ سارا خوشہ کیوں توڑ لیا۔ اس میں سے پکی پکی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ انہوں نے عرض کیا حضرت اس خیال سے توڑ لیا کہ پکی اور آدھ کچری اور خشک و تر ہر قسم کی سامنے ہو جائیں جس کی رغبت ہو۔ اُن حضرات نے ہر قسم کی کھجوریں اس خوشہ میں سے نوش فرمائیں۔ اتنی دیر میں حضرت ابو ایوبؓ نے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے جلدی سے کچھ حصہ آگ پر بھونا، کچھ ہانڈی میں پکایا۔ اور ان حضرات کے سامنے لاکر رکھا۔ حضورؐ نے ذرا سا گوشت ایک روٹی میں لپیٹ کر ابو ایوب کو دیا کہ یہ فاطمہؓ کو دے آؤ۔ اس نے بھی کئی دن سے ایسی کوئی چیز نہیں کھائی۔ وہ جلدی سے دے آئے۔ ان حضرات نے گوشت روٹی کھایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا (اللہ کی اتنی نعمتیں کھائیں) گوشت اور روٹی اور کچی کھجوریں، پکی کھجوریں۔ یہ فرماتے ہوئے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ارشاد فرمایا کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سوال ہوگا۔ صحابہؓ کو یہ سُن کر بڑا شاق ہوا (کہ ایسی سخت بھوک کی حالت میں یہ چیزیں بھی بازپرس کے قابل ہیں) حضورؐ نے فرمایا۔ بیشک ہیں۔ اور اس کی تلافی یہ ہے کہ جب شروع کرو تو بِسْمِ اللّٰہِ کے ساتھ شروع کرو، اور جب ختم کرو، تو یہ دُعا پڑھو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعَنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ ۔ تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔ کہ اسی نے ہم کو (محض اپنے فضل سے) پیٹ بھر کر عطا کیا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا کیا۔" (درمنثور)

اس مضمون کی بہت سی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اُن کا ذکر اس وقت مقصود نہیں ہے۔ اس جگہ تو صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ دنیا کی ناپائیداری کو، اس کے ناقابل التفات ہونے کو، آخرت کے مقابلہ میں اس کے بالکل ہیچ ہونے کو، اس میں اشتغال کے باعث خسارہ ہونے اور انجام کار عذاب تک پہنچ جانے کو کس کثرت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے کلام اللہ شریف میں فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی، جس میں سے نمونہ کے طور پر صرف پچاس آیتوں کا ذکر اس جگہ کیا گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بکثرت آیات میں اس مضمون پر تنبیہ فرمائی ہے۔ بس قدر سخت حیرت اور غیرت کی

بات ہے کہ جتنی زیادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس پر تنبیہ ہے، اتنی ہی زیادہ ہماری طرف سے اس میں غفلت برتی جارہی ہے۔ اس کے بعد اس پاک بارگاہ میں حاضری کا کیا منہ رہ جاتا ہے۔ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔

مصائب پر صبر کے فضائل

(۲) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۞ (بقرہ-ع ۱۹)

اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے (جو مخالفین کی طرف سے یا حوادث سے پیش آئے) اور کسی قدر فقر و فاقے اور کسی قدر مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے (پس تم لوگ اس قسم کی جو چیزیں پیش آویں اُن پر صبر کرنا) اور آپ اُن صبر کرنے والوں کو بشارت سُنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی خاص خاص رحمتیں ہیں اور رحمتِ عامّہ بھی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ف: مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ کا زبان سے پڑھنا بھی مُفید اور باعثِ اجر ہے اور دل سے اس کے معنی سمجھ کر پڑھنا اور بھی زیادہ مُؤثر اور باعثِ اجر اور باعثِ طمانینت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہم سب کے سب (مع اپنی جانوں کے اور مالوں کے) اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں (اور مالک کو اپنی مِلک میں ہر طرح تصرُّف کا حق ہے۔ وہ جس طرح چاہے تصرُّف کرے) اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لَوٹ کر جانے والے ہیں۔" یعنی مرنے کے بعد سب کو وہیں جانا ہے۔ یہاں کے نُقصانات اور تکالیف کا بدلہ اور ثواب بہت زیادہ وہاں ملے گا، جیسا کہ دنیا میں کسی شخص کا کچھ نقصان ہو جائے اور

اس کو کامل یقین ہو کہ اس نقصان کے بدلہ میں اس سے بہت زیادہ بہت جلد مل جائے گا تو اس کو اپنے نُقصان کا ذرا سا بھی رنج نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں زیادہ سے زیادہ بدلہ ملنے کا یقین ہو جائے تو پھر ذرا بھی کُلفت نہ رہے۔ لیکن ہم لوگوں میں چونکہ ایمان اور یقین کی کمی ہے اس وجہ سے ذرا سی مشقت ذرا سی تکلیف، ذرا سا نقصان بھی ہمارے لئے مُصیبتِ عُظمیٰ بن جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں اس کی طرف بھی مُجملاً اور مُفصّلاً بہت جگہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ دنیا سخت ابتلا۔ اور امتحان کی جگہ ہے اور کئی کئی مضمونوں میں امتحان ہوتا ہے۔ کبھی مال کی اِفراط سے کہ اس کو کس طرح کمایا، اور کس طرح خرچ کیا جا رہا ہے۔ اور کبھی فقر و فاقہ سے کہ اس کا کس طرح اِستقبال کیا جا رہا ہے، جزع و فزع سے یا صبر و صلوٰۃ سے۔ اسی لئے بار بار صبر و صلوٰۃ اور اللہ کی طرف رجوع کی ترغیبیں دی جاتی ہیں اور اس پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم آج کل زیرِ امتحان ہو ایسا نہ ہو کہ اس امتحان میں فیل ہو جاؤ۔ نمونہ کے طور پر چند آیات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ۔ ع ۵) "اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ"

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی طرف سے مدد ہیں اُن سے مدد لو۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کے ساتھ سواری پر سوار تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لڑکے میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں، تجھے حق تعالیٰ شانہٗ اُن سے نفع دیں گے۔ میں نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حفاظت کر (یعنی اس کے حُقوق ادا کر) اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری حفاظت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ (کے حُقوق) کی حفاظت کر، تو اُس کو (ہر وقت اپنی مدد کے لئے) سامنے پائے گا۔ ثروت کی حالت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کو پہچان لے (یعنی یاد کر لے) وہ تجھے مُصیبت کے اوقات میں پہچانے گا (مدد کرے گا) اور یہ اچھی طرح جان لے کہ جو کچھ بھی مُصیبت تجھے پہنچی ہے وہ ہرگز تجھ سے چُوکنے والی نہ تھی۔ اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی بھی پہنچنے والی نہ تھی۔ اگر ساری

مخلوق سب کی سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ وہ تجھے کچھ دیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کا ارادہ نہ کریں، تو وہ سب کے سب ہرگز اس پر قادر نہیں ہوسکتے کہ تجھے کچھ دے دیں۔ اور اگر وہ سب کے سب مل کر تجھ سے کسی مصیبت کو ہٹانا چاہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نہ چاہے تو وہ کبھی بھی اس مصیبت کو نہیں ہٹا سکتے۔ تقدیر کا قلم ہر اس چیز کو لکھ چکا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ جب تو کچھ مانگے تو صرف اللہ ہی سے مانگ، اور جب مدد چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد چاہ۔ اور جب بھروسہ کرے تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کر، ایمان ویقین اور شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کر اور یہ خوب جان لے کہ ناگوار چیزوں پر صبر بہت بہتر چیز ہے۔ اور اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ اور مصیبت کے ساتھ راحت ہے اور تنگ دستی کے ساتھ فراخ دستی ہے۔ یعنی جب کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ اب کوئی راحت بھی ملنے والی ہے، اور جب تنگی ہو تو سمجھو کہ اب فراخی بھی ہونے والی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو اور اپنی حاجت کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال طریقہ سے عطا فرمائیں گے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو جب بھی کوئی اہم چیز پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ پہلے انبیاء کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ نماز میں مشغول ہوتے۔ حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں اپنے بیٹے کے انتقال کی خبر سنی۔ سواری سے اترے، دو رکعت نماز پڑھی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ پھر یہ آیت وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ پڑھی۔

حضرت عبادہؓ کے جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ میں تم میں سے ہر شخص کو اس سے روکتا ہوں کہ کوئی مجھے روئے۔ اور جب میری جان نکل جائے تو ہر شخص بہت اچھی طرح وضو کرے اور مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر میرے لئے اور اپنے لئے

دعائے مغفرت کرے۔ اور پھر جلدی ہی مجھے دفن کر دینا۔ (درمنثور)

(۲) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ ع ۱۹) "اے ایمان والو (مصیبتوں میں) صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو"۔

(۳) وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ الآية (بقرہ ع ۲۲) اور صبر کرنے والے تنگدستی میں اور بیماری میں اور خوف و قتال کے وقت۔ یہ آیت شریفہ پہلی فصل کے نمبر ۲ پر پوری گذر چکی۔

(۴) وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (بقرہ ع ۳۳) "اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ اس مضمون کی آیت قرآن پاک میں بہت جگہ نازل ہوئی۔ بار بار اللہ تعالیٰ شانہٗ یہ مژدہ اور تسلی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

(۵) اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ (آل عمران ع ۲) یہ آیت شریفہ اسی فصل کے نمبر ا پر پوری گذر چکی۔

(۶) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (آل عمران ع ۱۲) "اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان (کافروں) کا کوئی مکر تم کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔

(۷) اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ع ۱۴) "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک نہیں جانا (یعنی ابھی تک امتحان نہیں لیا) ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں جانا (اور جانچا) صبر کرنے والوں کو" (اور یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کے لئے ہر کوشش جہاد میں داخل ہے)۔

(۸) وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران ع ۱۹) اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار بنے رہو تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ (صبر اور تقویٰ) تاکیدی احکام میں سے ہیں۔

(۹) وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلٰى مَا كُذِّبُوا وَاُوْذُوا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا (انعام۔ ع ۴) بہت سے رسول جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی (بے ایمانوں کی طرف سے) تکذیب کی گئی (اور ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں) پس انہوں نے اس پر صبر ہی کیا۔ جو اُن کی تکذیب کی گئی اور ان کو تکلیفیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔ (اسی طرح آپ بھی اُن کی تکلیفوں پر صبر کرتے رہیں)۔

(۱۰) قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ج اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ط قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ (اعراف ع ۱۵) حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہتے رہو اور صبر کرتے رہو۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث (اور حاکم) بنا دیتا ہے۔ (چنانچہ اس وقت فرعون کو دے رکھی ہے) اور آخر کامیابی انہیں کو ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں (اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو انجام کار تمہاری ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰؑ کی) قوم نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کے تشریف لانے سے پہلے بھی ہم پر مصیبتیں ڈالی جاتی تھیں، اور ہماری اولاد کو قتل کیا جاتا تھا) اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی (طرح طرح کی مصیبتیں ہم پر ڈالی جا رہی ہیں۔ حضرت) موسیٰؑ نے کہا، بہت جلد حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیں گے اور بجائے اُن کے تم کو اس زمین کا مالک بنا دیں گے پھر تمہیں دیکھیں گے، کہ تم کیسا عمل کرتے ہو (شکر اور اطاعت کرتے ہو یا ناقدری اور معصیت کرتے ہو پھر جیسا تمہارا عمل ہوگا ویسا تمہارے ساتھ برتاؤ ہوگا)۔

(۱۱) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (توبہ۔ ع ۱۴) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اُن کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا کہ اُن کو جنت ملے گی۔

فائدہ: جب مسلمانوں کا جان و مال سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ الیسی چیزوں میں جو اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور پھر مزید یہ کہ ان کو خرید بھی لیا، جو چاہے تصرف کرے بلکہ مسلمانوں کے بیچ دینے کا مقتضا تو یہ ہے کہ اب یہ خود مشتری تک اس کا خریدا ہوا مال پہنچانے کی کوشش کریں اور خود اس پر پیش قدمی کریں چہ جائے کہ وہ خود اپنی خریدی ہوئی چیز لے تو اس میں بھی رنج و قلق کریں۔

(۱۲) وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ج وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ (یونس-ع ۱۱) آپ اس کا اتباع کرتے رہیں جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور (اُن کی ایذا پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (خود ہی ان کا) فیصلہ کر دیں گے (چاہے دنیا میں ہلاکت سے کریں یا آخرت میں عذاب سے) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(۱۳) وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ج إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ط إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ط أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (ہود ع ۲)

"اور اگر ہم آدمی کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر (راحت دولت وغیرہ دے کر) اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ بہت ناامید ہو جاتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو (بے فکر ہو کر) کہنے لگتا ہے کہ میری بُرائیوں کا دور ختم ہو گیا (پھر وہ) اِترانے لگتا ہے شیخی مارنے لگتا ہے (حالانکہ نہ پہلی چیز مایوسی اور ناشکری کی تھی نہ دوسری حالت اکڑنے اور اِترانے کی) البتہ جو لوگ صابر ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں (وہ نہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں، نہ راحت و ثروت میں شیخی مارتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے"۔

(۱۴) إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

(یوسف - ع ۱۰) "بیشک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

(۱۵) اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (رعد - ع ۳) "اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں کہ نصیحت تو سمجھدار ہی قبول کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو کہ اللہ سے جو کچھ انہوں نے عہد کیا، اُس کو پورا کرتے ہیں اور اس (عہد) کو توڑتے نہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن تعلقات کو (رشتہ داری وغیرہ کے) قائم رکھنے کا اللہ نے حکم کیا ہے اُن کو باقی رکھتے ہیں (اُن کو توڑتے نہیں) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور (قیامت کے دن کے) حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر (مصیبتوں پر) صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس سے مخفی طور پر بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں" اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں (یعنی کوئی اُن کے ساتھ بدسلوکی کرے تو یہ پھر بھی اُس کے ساتھ حُسنِ سُلوک کرتے ہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے پچھلا گھر ہے (یعنی ہمیشہ رہنے والی جنتیں جس میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور (اُن کے ساتھ) اُن کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد میں جو (جنت میں داخل ہونے کے) لائق ہوں گے (یعنی مومن ہونگے اگرچہ وہ اعمال اور درجوں کے اعتبار سے اُن کے برابر نہ ہوں، داخل ہوں گے) اور فرشتے ان لوگوں کے پاس جنت کے ہر دروازے سے حاضر ہو کر سلام کریں گے (یا سلامتی کی بشارت

دیں گے کہ تم ہر آفت سے اب محفوظ رہوگے یہ سب کچھ) اس وجہ سے ہے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط قائم رہے تھے) پس کیا ہی اچھا ہے پچھلا گھر"۔

فائدہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جنّت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا آدمی جو ہوگا، اس کو ایک محل صاف شفاف موتی کا ملے گا جس میں ستّر ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرہ میں ستّر ہزار دروازے ہوں گے، اور ہر دروازے سے ستّر ہزار فرشتے سلام کرنے کے لئے آئیں گے۔

(۱۶) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○ (ابراہیم۔ ع ۱) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لاؤ، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے معاملات یاد دلاؤ (کہ جن پر انعام ہوا تو کیسا کیسا ہوا، اور عذاب ہوا تو کیسا سخت ہوا) بیشک ان معاملات میں عبرتیں ہیں ہر صبر کرنے والے کے لئے اور ہر شکر کرنے والے کے لئے" (کہ اللہ کی نعمتوں پر شکر کرے اور مصیبتوں پر صبر کرے کہ صبر و شکر دونوں اس کے یہاں مطلوب اور مرغوب ہیں)۔

(۱۷) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ○ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ○ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (نحل۔ ع ۶) "اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا (یعنی ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے) بعد اس کے کہ ان پر (کفّار کی طرف سے) ظلم کیا گیا تھا، ہم اُن کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا ثواب (اس دنیا کے ٹھکانے سے بھی) بہت بڑھا ہوا ہے۔ کاش اُن لوگوں کو (اس کی خوبیوں کی اور بڑائی کی) خبر ہوتی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اپنی مصیبتوں پر) صبر کیا۔ اور یہ لوگ اپنے اللہ پر توکّل کرتے ہیں (گھر چھوڑتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ دارالاسلام میں جا کر کھانے پینے کی کیا صورت ہوگی)۔

(۱۸) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (نحل۔ ع ۱۶) اور اگر تم (اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے) بدلہ لو، تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا (اور اس وجہ سے کہ دوسرے نے ظلم کی ابتداء کی ہے تم بدلہ میں اس سے کہیں زیادہ بدلہ لو، اس کا حق ہرگز نہیں ہے۔ یہ تو جب ہے جب تم بدلہ لینا ہی چاہو) اور اگر تم صبر کر جاؤ تو یہ بات تو صابر لوگوں کے لئے بہت اچھی چیز ہے۔ (اس کے بعد خاص طور سے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خطاب ہے کہ آپ کی شان بدلہ لینے سے بلند ہے اس لئے) آپ تو صبر کریں۔ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا، مگر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے اور ان لوگوں (کی مخالفت) پر رنج نہ کیجئے۔ اور جو کچھ یہ (مخالفین آپ کی مخالفت میں) تدبیریں کرتے ہیں، اس سے دل تنگ نہ ہو جئے (کہ یہ آپ کا کچھ بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ آپ صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ اِحسان ہیں) اور اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوں اور اِحسان کرنے والے ہوں۔

(۱۹) اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (کہف ع ۱) ہم نے زمین کے اُوپر کی سب چیزوں کو زمین کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیں کہ کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی۔ میں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا امتحان لے کہ کون زیادہ عقل مند ہے (جو عقل کی بات کو اختیار کرے) اور کون حق تعالیٰ شانہٗ کی ناجائز کردہ چیزوں سے زیادہ احتیاط کرتا ہے، اور کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے۔

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دنیا کو چھوڑنے میں زیادہ سخت کون ہے۔

اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ امتحان اس کا ہے کہ دنیا میں زیادہ زاہد کون ہے (درِّ منثور) یعنی دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے صبر کرنے والا کون سب سے زیادہ ہے۔

(۲۰) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○ (طٰہٰ - ع ۸) پس آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیا کیجیے (جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نماز سب داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (جس میں صبح کی نماز بھی آگئی) اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے (جس میں ظہر عصر بھی آگئیں) اور رات کے حصہ میں بھی تسبیح کیا کیجیے (جس میں مغرب، عشاء بھی آگئیں) اور دن کے اول حصہ میں اور آخر حصہ میں (تسبیح کے لئے مکرر کہا جاتا ہے جس میں صبح اور عصر کی نماز کی زیادہ تاکید آگئی۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں انکی خاص تاکید آئی ہے۔ اور صبح شام کی تسبیحیں بھی آگئیں) تاکہ (آپ کو ان سب چیزوں پر آخرت کا بہت زیادہ ثواب ملے اس سے) آپ خوش ہو جائیں۔

(۲۱) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (حج - ع ۵) اور آپ (اللہ کے حکم کے سامنے) گردن جھکا دینے والوں کو خوشخبری (اللہ کی رضا اور جنت کی) سنا دیجیے جو ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل (اس کی عظمت اور خوف سے) ڈر جاتے ہیں اور جو ان پر مصیبت پڑتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو اس چیز سے جو ہم نے ان کو دی ہے خرچ کرتے ہیں۔ یہ آیت پہلی فصل کے نمبر ۱۶ پر مفصل گذر چکی۔

(۲۲) الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (عنکبوت - ع ۱) کیا لوگوں نے

یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم تو مسلمان ہیں، اور اُن کو (مختلف انواع کے مصائب سے) آزمایا نہ جائے گا (ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ دنیا امتحان کا گھر ہے) اور ہم تو اُن لوگوں کا امتحان لے چکے ہیں جو اُن سے پہلے گذرے (انمیں بھی بعض اپنے دعووں میں سچے نکلے اور بعض جھوٹے، اسی طرح اب بھی) اللہ تعالےٰ (امتحانی قاعدہ سے) جان کر رہے گا، ان لوگوں کو جنہوں نے (اپنے ایمان اور محبت کے دعووں میں) سچ کہا، اور اُن لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ بولا (چنانچہ ایسے ہی امتحانات میں جو سچے مسلمان ہیں وہ ان حوادث سے اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں اور جو نالائق ہیں وہ اور زیادہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتد ہو کر اسلام ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں یا مصائب کے ڈر سے برائیوں کی حمایت شروع کر دیتے ہیں) ہاں تو یہ لوگ جو برائیاں کر رہے ہیں کیا یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل جائیں گے ان کی یہ تجویز نہایت بیہودہ ہے۔

(۲۳) نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (عنکبوت۔ ع ۶) نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے وہ لوگ جنہوں نے (مصیبتوں پر) صبر کیا اور وہ (تنگی میں، روزی کی طرف سے ہو یا اور کسی بات سے) اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ آخر معاش کا ذریعہ کیا ہوگا تو آخر یہ تو سوچو کہ) بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اٹھا کر نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہی اُن کو روزی دیتا ہے اور وہی تم کو بھی روزی دیتا ہے وہ (ہر مانگنے والے کی بات کو) سننے والا ہے اور (ہر شخص کے حال کو) جاننے والا ہے (اسی سے مانگو وہ تمہاری حالت سے بخوبی واقف ہے، جتنا مناسب سمجھے گا عطا کرے گا)۔

(۲۴) اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (زمر ع ۲) اس کے سوا دوسری بات نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب (بیشمار) ملتا ہے۔

(۲۵) وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ۖ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ

اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ ○ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ (حٰم سجدہ۔ ع ۵) اور بھلائی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہوتیں (بلکہ ہر ایک کے نتائج اور اثرات جُدا جُدا ہیں۔جب یہ بات ہے تو) آپ (اور اسی طرح آپ کا اتباع کرنے والے بھی) بُرائی کو نیکی کے ساتھ ہٹا دیا کیجئے پھر ایک دم وہ شخص جس میں اور آپ میں عداوت ہے، ایسا ہو جائے گا جیسا کہ دلی دوست ہوتا ہے (یعنی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے کرنا عداوت کو کم نہیں کیا کرتا بلکہ بڑھایا کرتا ہے۔اور بُرائی کا بدلہ احسان سے کرنا اگر دوسرا بالکل ہی کمینہ نہ ہو تو اسکو ترکِ عداوت پر مجبور کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ احسان مند ہو کر دوست بن جاتا ہے۔لیکن چونکہ بُرائی اور ایذا رسانی کا بدلہ احسان سے کرنا بہت دشوار ہے اس لئے ارشاد ہے کہ) اور یہ عادت انہی کو دی جاتی ہے جو صابر ہوں (کہ مصائب کا تحمل ان کی عادت ہو گئی ہو) اور یہ عادت اسی کو دی جاتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہو۔اور اگر ایسے وقت آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے (مثلاً یہی کہ اس کے ساتھ بھلائی کرنے سے اپنی توہین ہو گی یا اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا وغیرہ وغیرہ) تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔

(۲۶) لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ○ وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ھٰذَا لِیْ لا (حٰم سجدہ۔ ع ۶) آدمی کا دل ترقی کی خواہش سے کبھی نہیں بھرتا۔اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچ جائے تو بالکل مایوس نا اُمید بن جاتا ہے۔ (حالانکہ اللہ کی ذات سے نا اُمید کبھی بھی نہ ہونا چاہیئے) اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ یہ تو (آئینی طور پر) میرا حق ہے ہی۔ (حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے نا اُمید ہونا چاہیئے نہ اپنا کوئی استحقاق ہے)۔

(۲۷) وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ج فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ

عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ
النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (شوریٰ-ع۴)

"اور بُرائی کا بدلہ اسی قسم کی بُرائی ہے (یعنی جس قسم کی بُرائی کسی نے کی، اسی قسم کی بُرائی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ فعل جائز ہو۔ مثلاً سخت کلامی کا بدلہ سخت کلامی، مار کا بدلہ مار ہے۔ یہ نہیں کہ سخت کلامی کا بدلہ مارنے سے لیا جائے) پھر جو شخص (بدلہ ہی نہ لے بلکہ) مُعاف کر دے اور اصلاح کرے (یعنی اس کے ساتھ اچھائی کا برتاؤ کرے) تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتے اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے، پس ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف انہیں لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں سرکشی کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو (دوسروں کے ظلم پر) صبر کرے اور (اس کو) معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی مظالم پر صبر کرنا اور مُعاف کرنا بڑی اُولُوالعزمی کی بات ہے)۔

(۲۸) تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ○
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (ملک-ع۱)

"وہ (پاک ذات) بڑی عالی شان ہے جس کے قبضہ میں تمام ملک ہے (ساری دنیا کی سلطنتیں اُسی کے قبضہ میں ہیں) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ (پاک) ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے"۔

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اس گھر کو زندگی اور موت کا گھر بنایا ہے اور آخرت کے گھر کو بدلہ اور بقا کا گھر بنایا ہے (درمنثور) اس گھر کی ساری تکالیف کا مُنتہا موت ہے اور وہ بہرحال آنے والی چیز ہے۔ اور اُس گھر کی تکلیف کی کوئی انتہا

ہی نہیں کہ وہاں موت بھی نہیں ہے ۔

(۲۹) هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

(دھر۔ ع ا) بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آچکا ہے کہ وہ کچھ بھی قابل ذکر نہ تھا (کہ اس سے پہلے منی تھا اور اس سے پہلے وہ بھی نہ تھا) ہم نے اس کو نطفہ مخلوط سے (یعنی ماں باپ کی منی کے ملنے سے) پیدا کیا کہ ہم اس کو جانچیں۔ پھر ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا (یعنی آنکھ کان دیئے کہ حق بات خود دیکھے یا دوسروں سے سنے پھر) ہم نے اس کو (بھلائی کا) راستہ بتادیا (پھر وہ آدمی دو طرح کے ہوگئے) یا تو شکر گذار (اور مومن) بن گیا یا ناشکری کرنے والا (کافر) بن گیا۔

فائدہ : جب یہ دار الامتحان ہے ایسی حالت میں کسی حالت پر بھی ناشکری کرتے ہوئے یہ سوچنا ضروری ہے کہ اللہ کے کتنے انعامات ایسے ہیں جن پر شکر اس تکلیف اور مصیبت سے زیادہ ضروری ہے ۔

(۳۰) فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ۝ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝ (الفجر۔ ع ۱) پس آدمی کا جب حق تعالیٰ شانہ امتحان لیتا ہے پس (امتحان کے طور پر بھی) اس پر انعام و اکرام فرماتا ہے (مال کا، جاہ کا، اور اس قسم کی چیزوں کا، تاکہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کا امتحان ہو اور یہ جانچا جائے کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا کارگذاری کی۔ یہ مال اور جاہ اس کے راستے میں

خوش ہوتے یا ناراضی میں) تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا (یعنی اپنے مکرم اور معزز ہونے کا گھمنڈ شروع ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ گھمنڈ کی چیز نہیں ہے۔ اور اگرچہ اللہ کا شکر اس کی نعمتوں پر بہت ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان نعمتوں کے امتحانی پہلو کا خوف بھی ضروری ہے) اور جب حق تعالیٰ شانہٗ کو آدمی کا دوسری طرح امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے) اور اس کو جانچتا ہے اس طرح پر کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے (جس سے اس کے صبر اور رضا کا امتحان مقصود ہوتا ہے) تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا (یعنی میرے استحقاق اکرام کے باوجود مجھے نظروں سے گرا رکھا ہے۔ حالانکہ نہ مال و دولت اکرام کی دلیل ہے، نہ فقر و فاقہ اہانت کی دلیل ہے) ہرگز نہیں (یہ بات بالکل نہیں ہے کہ روزی کی تنگی اہانت کی بات ہو) بلکہ (موجب اہانت یہ چیزیں ہیں کہ) تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سارا کھا جاتے ہو (اور دوسروں کا حق بھی ہضم کر جاتے ہو۔ بالخصوص یتیموں اور ضعیفوں کا، جو تم سے لڑ بھی نہ سکتے ہوں) اور تم مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (جو جڑ ہے ساری برائیوں کی، سارے مظالم کی، سارے عیوب کی۔ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔ تم لوگ ان چیزوں کو ہلکا سمجھتے ہو) ہرگز نہیں (یہ معمولی چیزیں نہیں ہیں بلکہ) جس وقت زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور آپ کا رب اور فرشتے جوق جوق (میدان حشر میں) آئیں گے، اور اس دن جہنم کو (سامنے) لایا جائے گا اس دن آدمی کو سمجھ آوے گی اور اس وقت سمجھ آنے کا وقت کہاں (رہے گا اس دن کا سمجھ میں آنا کارآمد نہیں) اس دن آدمی کہے گا کہ کاش میں آج کی زندگی کے واسطے کچھ ذخیرہ آگے بھیج دیتا۔

(۳۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (پوری سورۃ والعصر) قسم ہے زمانہ کی (کہ جس کے تغیرات موجب عبرت ہیں۔ کہیں رنج، کہیں خوشی، کہیں ثروت کہیں غربت، کہیں صحت کہیں

بیماری) کہ انسان (اپنی عزیز عمر کو ضائع کر کے) بڑے خسارہ میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق (بات کہنے کی اور حق پر قائم رہنے) کی وصیت (اور تاکید) کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے" (جس میں طاعات پر اہتمام بھی داخل ہے۔ اور شہوتوں اور ناجائز امور سے نفس کو روکنا بھی داخل ہے اور مصائب اور زمانہ کے حوادث پر صبر کرنا بھی داخل ہے)۔

یہ اکتیس[۳۱] آیات اشارہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔ ہر آیت شریفہ پر اگر فائدہ اور تنبیہ لکھی جائے تو بہت طول ہو جائے۔ مشترک طریقہ سے یہ مضمون سب ہی میں مشترک ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ جس کی نہ دولت وعزت باعث غرور و افتخار، نہ فقر و فاقہ باعثِ اہانت او حقارت ہے۔ مال کا وجود بھی موجب شکر ہونے کے ساتھ امتحان کا ایک مضمون ہے۔ جیسا کہ فقر و فاقہ بھی موجبِ صبر ہونے کے علاوہ رضا کا امتحان ہے، اور مال کا وجود امتحان کے اعتبار سے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ اس امتحان میں آدمی بہت کم پاس ہوتے ہیں، فیل زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد ہے کہ مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقہ کا اتنا خوف نہیں ہے، جتنا اس بات کا خوف ہے کہ دنیا کی فتوحات اور اس کی نعمتیں تم پر پھیل جائیں، اور تم اس میں ایسا دل لگا بیٹھو، جیسا کہ پہلے لوگ اس کے ساتھ دل لگا بیٹھے پس یہ آفت تمہیں بھی ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کر چکی ہے۔ اس لئے اس کے فتنہ سے بہت زیادہ بچنا چاہیئے اور ناداری اور مصائب کو بھی امتحان کی حیثیت سے برداشت کرنا چاہیئے۔

(۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۚ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ

اس کے سوا دوسری بات ہی نہیں، کہ ایمان والے تو ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے (تو اس کی عظمت اور خوف سے) ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جائیں تو وہ آیتیں ان کے

يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ۚ
(سورۃ الانفال۔ ع ۱)

ایمان کو مضبوط کردیں اور وہ صرف اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں پس ایمان والے حقیقۃً یہی لوگ ہیں ان کیلئے بڑے بڑے درجے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (اور اُن کے لئے اُن کے گناہوں سے) معافی ہے اور عزّت کی روزی ہے۔

ف : یہ آیتِ شریفہ پہلی فصل کے نمبر ۱۲ پر بھی گذر چکی ہے۔ یہاں اس لئے دوبارہ لکھی ہے کہ حقیقی مؤمن کی شان صرف اللہ جَلّ شانُہٗ پر توکل کرنا، اُسی پر اعتماد کرنا، اُسی پر بھروسہ کرنا، اس کے غیر کی طرف اِلتفات نہ کرنا اس آیتِ شریفہ میں وارد ہے اور اس پر درجات کا بلند ہونا، گناہوں کا معاف ہونا اور عزّت کی روزی کا وعدہ مذکور ہے۔ ان میں سے ہر چیز ایسی ہے کہ وہ تنہا بھی توکّل پر انتہائی کوشش کا موجب ہوتی ہے، چہ جائیکہ تین ایسے اُونچے وعدے اس پر اللہ جَلّ شانُہٗ کی طرف سے ہوں۔ اس کے بعد جتنی بھی اس صفت کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کم ہے۔

حضرت اِبنِ عبّاس رضؓ فرماتے ہیں کہ اللہ پر توکّل کا مطلب یہ ہے کہ اس کے غیر سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ پر توکّل ایمان کا مجموعہ ہے۔ (درمنثور)

اگر قرآن پاک میں صرف ایک ہی آیت اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کے متعلق نازل ہوتی، تب بھی بہت کافی تھی۔ لیکن قرآن پاک میں اس کثرت سے اللہ پر اعتماد اور صرف اسی پاک ذات پر اعتماد کرنا اور مصائب اور حاجات میں صرف اسی کو پکارنا، اور اسی سے مدد چاہنا، اسی پر نظر رکھنا وارد ہوا ہے کہ بہت کم دوسرے مضامین اتنی کثرت سے وارد ہوئے ہوں گے۔ بار بار اسی کا حکم ہے۔ اور نیک اور پسندیدہ لوگوں کے احوال میں اسی کا ذکر ہے، اسی کی ترغیب ہے۔ اور ہونا بھی چاہیئے کہ حقیقت میں توکّل توحید کا ثمرہ ہے۔ جو شخص توحید میں جتنا زیادہ پختہ ہوگا اتنا ہی اُس کا توکّل

بڑھا ہوا ہوگا۔ اور چونکہ توحید ہی اسلام کی بنیاد ہے، ایمان کی جڑ ہے، بغیر توحید کے کوئی چیز معتبر نہیں۔ سارے مذہب اور ساری شریعت کا مدار توحید ہی پر ہے۔ اس لئے جتنا بھی اس کا اہتمام وارد ہو ظاہر ہے۔ اور پھر اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں اتنا اونچا پروانہ رضا، توکل پر ارشاد فرمایا ہے کہ مر مٹنے کے قابل ہے۔ اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ صفتِ محبوبیت کے برابر کونی صفت دنیا میں ہو سکتی ہے؟ کوئی شخص مالک الملک شہنشاہِ دو عالَم کا محبوب بن جائے اس سے بڑھ کر کونسی عزت و افتخار دنیا یا آخرت میں ہو سکتا ہے؟ پھر اس کی ذمہ داری کا بھی اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ پر توکل کرلے تو وہ اس کو کافی ہے۔ بھلا پھر ایسے شخص کی کسی ضرورت کے لئے کسی اور کی کیا حاجت باقی رہے گی۔ اسی لئے حضور کا پاک ارشاد ہے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا کہ اس کا حق ہے تو تم کو ایسی طرح روزی عطا کرے جیسا کہ پرندوں کو عطا کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ منقطع ہو جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی ہر مشقت کی کفایت فرماتا ہے، اور ایسی طرح اس کو روزی عطا کرتا ہے جس کا اس کو گمان بھی نہ ہو۔ (احیاء العلوم)

احادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں بھی متعدد روایات اس مضمون کے مناسب آرہی ہیں۔ اس جگہ بھی حسبِ معمول چند آیات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن سے اللہ پر توکل اور اسی کی طرف حاجات میں رجوع کا ارشاد وارد ہے اور صرف نمونہ کے طور پر چند آیات ذکر کی جاتی ہیں کہ اختصار کے خیال سے ہر جگہ اجمال اور اشارات ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اگر تم لوگوں کو دین کا کچھ خیال ہو، آخرت کا اہتمام ہو، دنیا کے بیکار مشغلوں سے تم کو تھوڑا بہت وقت خالی مل جائے تو یہ آیات اور احادیث بہت اہتمام سے، بہت غور و فکر سے سوچنے کی چیزیں ہیں۔

آیات

(۱) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران ع ۱۳) "مومنوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیئے" یعنی کسی دوسرے پر بھروسہ ذرا بھی نہ کرنا چاہیے۔ یہ مضمون انہی الفاظ کے ساتھ قرآن پاک میں کئی جگہ وارد ہوا ہے، بار بار نازل ہوا ہے (آل عمران: ع ۱۷۔ مائدہ، ع ۴۔ توبہ، ع ۷۔ ابراہیم، ع ۲۔ مجادلہ، ع ۲۔ تغابن، ع ۲)۔ ان سب آیات میں یہی ارشاد ہے۔

(۲) قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (آل عمران، ع ۸)۔ (اے محمد، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک فضل (جس میں روزی بھی داخل ہے) تو خدا کے قبضہ میں ہے، وہ اس کو جسے چاہیں عطا کر دیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (اُن کے یہاں فضل کی کمی نہیں) خوب جاننے والے ہیں کہ کس کو کس وقت کتنا دینا چاہیئے) خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت (اور فضل) کے ساتھ جس کو چاہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔"

(۳) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۷) حق تعالیٰ شانہٗ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔"

ف: اور جس کو اللہ تعالیٰ محبوب بنالے اس کے عروج کا کیا کہنا۔

(۴) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ع ۱۸) (حضور کے زمانہ میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ) یہ ایسے لوگ

ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں نے (یعنی دشمنوں نے) تمہارے (مقابلہ کے لئے بڑا سامان جمع کر رکھا ہے سو تم کو اُن سے اندیشہ کرنا چاہیئے، تو اس خبر نے اُن کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمیں حق تعالیٰ شانہٗ کافی ہے (ہر مصیبت میں وہی کفایت فرمانے والا ہے) اور وہی بہترین کارساز ہے۔ پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ (اس موقع سے ایسی طرح) واپس ہوئے کہ ان کو کوئی مضرت نہ پہنچی اور وہ رضاء حق کے تابع رہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (مسلمانو! ایسے حوادث میں ایک بات سمجھ لو کہ اس قسم کے واقعات میں) شیطان اپنے دوستوں سے ڈرایا کرتا ہے تم ان سے نہ ڈرا کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرا کرو اگر تم مومن ہو"۔

مطلب یہ ہے کہ جس وقت دشمنوں کے مقابلہ اور حملہ کی خبریں سنو، تو اس سے خوف زدہ اور متوحش ہونے کی بات نہیں ہے۔ اللہ پر اعتماد کامل اور پورا بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی امکانی تیاری کرو اور خوف صرف اس بات کا رکھو کہ ہم سے کوئی بات مالک کی مرضی کے خلاف صادر نہ ہو کہ اصل ہلاکت یہی ہے، جو دنیا کی بھی ہلاکت ہے اور آخرت کی ہلاکت تو ہے ہی۔ اس کے علاوہ کسی سے خوف کی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوسرے آدمی اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتے کہ وہ مار دیں گے۔ سو موت بہرحال آنے والی چیز ہے۔ اور اپنے وقت سے پہلے آ نہیں سکتی۔

(۵) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ (نساء۔ ع ۷) "اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہاری مدد (اعانت) کیلئے بھی کافی ہے اور تمہاری حمایت کیلئے بھی کافی ہے"۔

(۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (نساء۔ ع ۱۱) "آپ اللہ ہی پر توکل کیجئے وہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے"۔

(۷) وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (مائدہ۔ ع ۴) "صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو"۔

(۸) قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ط (انعام۔ ع ۲) "آپ کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار

بتاؤں ؟ وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہ سب کو روزی دیتا ہے، اس کو کوئی (بوجہ عدمِ احتیاج) روزی نہیں دیتا۔

(۹) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (انعام - ع ۲) اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی مضرت پہنچائیں تو اُس کا دُور کرنے والا اُن کے سوا کوئی نہیں، اور اگر وہ کوئی نفع پہنچائیں تو (کوئی روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

(۱۰) وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (انفال ع ۷)
"اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے (تو وہ اکثر غالب رہتا ہے اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ بلاشبہ زبردست ہے (وہ اپنے اُوپر اعتماد رکھنے والے کو غالب کرتا ہے اور اگر کبھی ایسا نہ ہو تو اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ) وہ حکیم ہے"۔

(۱۱) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (انفال - ع ۸)۔
آپ اللہ پر توکل کیجئے، بیشک وہ سُننے والا ہے، جاننے والا ہے (لوگوں کی پُکار کو بھی سُنتا ہے اور اُن کے احوال سے بھی بخوبی واقف ہے)۔

(۱۲) وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط (یونس - ع ۲)
جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی کھڑے بھی۔ پھر جب ہم (اس کی آہ وزاری سے) وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر وہ (ہم سے ایسا بے تعلق) ہو جاتا ہے گویا ہم کو کسی تکلیف کے لئے پکارا ہی نہ تھا۔ (یہ بڑی حماقت ہے)۔

(۱۳) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ط فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ج فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (یونس ع ۴)
"آپ اُن سے پوچھیں وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا وُہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے

اور مُردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے ؟ اور وہ کون ہے جو سارے کاموں کی تدبیر کرتا ہے ؛ پس وہ لامحالہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے ۔ پھر آپ اُن سے کہیے ، کہ تم پھر اُس سے کیوں نہیں ڈرتے ۔" (دوسروں سے کیوں ڈرتے ہو) ۔

(۱۴) وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ○ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ج (یونس ۔ ع ۹) "اور موسیٰ (علیہ السلام نے اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر توکّل کرو ، اگر تم مسلمان ہو ۔ پس ان لوگوں نے (جواب میں) کہا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکّل کیا ۔"

(۱۵) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ج وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ "اگر تم کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے کوئی اس کا دُور کرنے والا نہیں ، اور اگر وہ کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں ۔ وہ اپنا فضل جس کو چاہے پہنچا دے ۔ وہ بڑی مغفرت والا ، بڑی رحمت والا ہے ۔" (یونس ۔ ع ۱۱)

(۱۶) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود ۔ ع ۱) "اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو" (پس اسی سے روزی طلب کرنا چاہیے) ۔

(۱۷) قُلْ هُوَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ (رعد ۔ ع ۴) "آپ کہہ دیجیے کہ وہی میرا رب ہے (میرا مربّی ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں میں نے اُسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور اُسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے ۔"

(۱۸) اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (نحل ۔ ع ۶) "یہی لوگ (جن کی اُوپر مدح ہو رہی ہے) ایسے ہیں جو (مصائب میں) صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں" (یہ نہیں سوچتے کہ ہجرت کے بعد کھانے کا کیا انتظام ہوگا) ۔

(۱۹) إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○
(نحل۔ع ۱۳) اُس کا (یعنی شیطان کا) قابو ایسے لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔

(۲۰) وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ○ (بنی اسرائیل۔ع ۱) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السّلام) کو کتاب (تورات) دی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا (اور اُس میں اور احکام کے ساتھ یہ بھی حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔

(۲۱) وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ع ۷) اور جب تم کو دریا میں (طوفان وغیرہ کی) مضرت پہنچتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور جتنوں کو پکارا کرتے تھے (اُن کی عبادت کرتے تھے اُن سے مدد چاہتے تھے) سب کھوئے جاتے ہیں (دل میں بھی اُن کا خیال نہیں آتا، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا جاتا ہے) اور جب اللہ تعالیٰ تم کو خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اس سے رُوگردانی کرنے لگتے ہو۔ واقعی انسان بڑا ناشکرا ہے۔

(۲۲) مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۚ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○ (کہف۔ع ۴) نہ تو اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی مدد کرنے والا ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (کہ پارلیمنٹ سے رائے لے)۔

(۲۳) يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○ (حج، ع ۲) اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیز کو پکارتا ہے، (اس کی عبادت کرتا ہے) جو نہ نقصان دے سکتی ہے نہ نفع۔ یہ انتہائی گمراہی ہے۔

(۲۴) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (فرقان۔ع ۵) اُس (پاک ذات) پر جو زندہ ہے اور کبھی اس پر موت طاری نہ ہوگی۔ توکل کیجئے۔

(۲۵) وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○

(شعراء-ع ۵)" وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔"

(۲۶) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (شعراء-ع ۱۱) اور آپ اُس (پاک ذات) پر توکل کیجئے جو قادر ہے رحیم ہے۔

(۲۷) فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ط إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (عنکبوت-ع ۲) پس تم لوگ رزق خدا سے مانگو (کہ وہی رزق کا مالک ہے) اس کی عبادت کرو اس کا شکر ادا کرو۔ اُسی کی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے۔"

(۲۸) وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ق اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ز وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ (عنکبوت-ع ۶) کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی اُٹھا کر نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی (اور وہی بھروسہ کے قابل ہے۔ کیونکہ) وہ سُننے والا، جاننے والا ہے۔"

(۲۹) وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ط (احزاب-ع ۱ و ۶)" اور آپ اللہ پر توکل کیجئے، وہی کارسازی کے لئے کافی ہے۔"

(۳۰) قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ○ (احزاب-ع ۲) آپ اُن سے یہ فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے تم کو بچا سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی بُرائی (کسی قسم کی مَضرّت۔ نقصان) پہنچانا چاہے (تو کون روک سکتا ہے) یا وہ کون ہے جو خدا کی رحمت کو تم سے روک سکے۔ اگر وہ تم پر کسی قسم کا فضل کرنا چاہے (تو ساری دنیا مل کر نہیں روک سکتی اس کو خوب سمجھ لیں کہ) وہ خدا کے سوا نہ تو کوئی اپنا حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔"

(۳۱) أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ط (زمر-ع ۴)" کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں؟"

(۳۲) قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ط قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ط عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ (زمر-ع ۴)" آپ اُن سے

فرمائیں کہ اچھا تو یہ بتاؤ کہ خدا کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو (ان کی بندگی کرتے ہو) اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کوئی رحمت (عنایت) کرنا چاہے تو کیا یہ اس کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اور اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں"۔

(۳۳) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ○ (شوریٰ - ع ۲) یہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر توکل رکھتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔

(۳۴) اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○ (شوریٰ - ع ۲) "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس شخص کو (جتنی زیادہ) چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ وہ قوت والا اور زبردست ہے"۔

(۳۵) وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (شوریٰ - ع ۴) "اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ہے"۔

(۳۶) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ (شوریٰ - ع ۴) اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں"۔

(۳۷) وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ (ذاریات - ع ۱) "اور تمہارا رزق اور جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہے"۔ (یعنی وہاں لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے یا وہاں سے بارش وغیرہ کے ذریعے نازل ہوتا ہے)۔

(۳۸) رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ (ممتحنہ - ع ۱) (حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی دعا ہے) "اے ہمارے رب تیرے ہی اوپر ہم نے توکل کیا اور تیری ہی طرف (ہر ضرورت میں) ہم نے رجوع کیا اور تیری ہی طرف (قیامت میں) لوٹ کر جانا ہے"۔

(۳۹) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (منافقون-ع ۱) یہ منافق لوگ یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہاں تک (کہ جب یہ بھوکے مرنے لگیں گے تو) آپ ہی حضور کے پاس سے منتشر ہو جائیں گے (حالانکہ یہ احمق یہ نہیں جانتے کہ) صرف اللہ ہی کیلئے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمین کے، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں (احمق ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ روزی ان لوگوں کے عطایا پر موقوف ہے)۔

(۴۰) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (طلاق-ع ۱) "اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات (اور سہولت کا) راستہ نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ (جس کام کا ارادہ کرتا ہے) اپنے کام کو پورا کرکے رہتا ہے (البتہ یہ ضرور ہے کہ) اللہ تعالے نے ہر شے کا ایک اندازہ (اور وقت) مقرر کر رکھا ہے"۔

احادیث کے سلسلہ میں پہلی حدیث کے ذیل میں اس آیتِ شریفہ کے متعلق ایک قصہ بھی آ رہا ہے۔

(۴۱) رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ (مزمل-ع ۱) "وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے، اسی کو اپنا کام سپرد کرنے کے لئے قرار دیئے رہو" (یعنی جب کہ مشرق و مغرب کا مالک وہی ہے تو اس پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیئے)۔

یہ اکتالیس ۴۱ آیتیں نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں ورنہ قرآن پاک کا تو ہر مضمون توحید ہی کی تعلیم ہے، اور توحید ہی کا ثمرہ توکل ہے جس کو جتنا زیادہ توحید میں رسوخ اور کمال ہوگا اتنا ہی توکل، اللہ پر اعتماد، اس کے ماسوا سے بے نیازی ہوگی چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب آگ میں ڈالا جا رہا

تھا تو حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلام نے آکر درخواست کی کہ میرے قابل کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، تم سے میری کوئی حاجت وابستہ نہیں (احیاء العلوم)۔

ایک مسجد میں ایک فقیر اِعتکاف کی نیت سے جاکر بیٹھ گئے۔ پاس کوئی سامان کھانے پینے کا کچھ نہ تھا۔ مسجد کے امام صاحب نے اُن کو نصیحت کی کہ یوں بے سرو سامانی سے مسجد میں بیٹھنے سے یہ اچھا تھا کہ کہیں مزدوری کرتے (پیٹ کا پالنا فرض ہے) فقیر نے اُن کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری دفعہ پھر یہی کہا۔ فقیر پھر چُپ ہو گئے۔ اُس نے تیسری دفعہ پھر کہا۔ فقیر خاموش رہے۔ اس نے چوتھی دفعہ پھر کہا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ مسجد کے قریب جو یہودی کی دُکان ہے، اس نے میری دو روٹی روزانہ کی مقرر کر لی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ اگر اس نے کھانا مقرر کر دیا تو بہت اچھا ہے پھر اِعتکاف ضرور کریں۔ فقیر نے کہا۔ کاش آپ امام نہ ہوتے تو بہت اچھا تھا۔ تم اپنی اس ناقص توحید کے ساتھ اللہ کے اور اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن کر کھڑے ہوتے ہو۔ ایک کافر یہودی کے وعدہ کو تم نے اللہ تعالیٰ کے روزی کے وعدہ پر بڑھایا (افسوس ہے تم پہ اور تمہارے حال پر)۔ (روض) ۔ واقعی سچ کہا، ہماری یہی حالت ہے کہ بندہ کے وعدہ پر تو ہمیں اطمینان ہے، اللہ کے وعدہ پر نہیں ہے۔

ان آیات پر جو ذکر کی گئیں، انتہائی غور ہونا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ اس کی کوشش ہونا چاہیئے کہ صرف حق تعالیٰ شانُہٗ وتقدّس پر ہی ہماری نگاہ ہو، اسی پر اِعتماد ہو، اُسی کی پاک ذات سے اپنا سُوال ہو، اُسی سے بھیک مانگی جائے، اس کے عِلاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلے بلکہ دل میں بھی کسی دوسرے کا خیال نہ آئے، بلکہ وہی پاک ذات اور صرف وہی پاک ذات اپنا سہارا ہو۔ وہی نفع اور نقصان کا مالک دل سے سمجھا جائے۔ زُبان سے کہتے رہنا تو ہماری عام عادت ہے لیکن اصل کارآمد یہ چیز ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات اچھی طرح جم جائے کہ بغیر اُس کے ارادہ کے کوئی حاکم، کوئی دولتمند نہ کسی قسم کی مَضرّت پہنچا سکتا ہے، نہ کسی قسم کا نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو بہت ہی کھُلی ہوئی بات ہے کہ تمام دنیا کے قلوب صرف اسی کے قبضہ میں

ہیں۔ ہم لاکھ کسی شخص کی مِنّت سماجت کریں مگر جب اس کا اپنا دل دوسرے کے قبضہ میں ہے تو جب تک دِلوں کے مالک کا ارادہ نہ ہو، ہماری مِنّت سماجت سے اُس کے دِل پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اور جب دِلوں کا مالک کسی کام کو کرنا چاہے تو وہ بات خود بخود دوسروں کے دلوں میں پڑے گی۔ ہم لاکھ بے نیازی برتیں، اس کا دل اس کو خود مجبور کرے گا۔ بار بار اُس کے دل میں خیال آئے گا، بغیر تحریک کے خیال آئے گا۔ اس لئے اگر اپنی حاجات مانگنے کا محل ہے تو صرف وہی پاک ذات ہے۔ اگر عاجزی اور مِنّت سماجت کرنے کی جگہ ہے تو اُسی کا دربار ہے۔ ساری دُنیا کے دِل اس کے ارادہ کے تابع ہیں۔ ساری دنیا کے خزانے اُس کی مِلک ہیں۔

یا اللہ محض اپنے فضل سے بِلا اِستحقاق بلکہ اِستحقاق کے خلاف اس ناپاک کو بھی اس جوہر کا کوئی شمہ عطا فرمادے کہ تیری عطا کے واسطے اِستحقاق بھی شرط نہیں ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال　　کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس کے بعد چند احادیث ان ہی مضامین کے متعلق مختصراً پیش کرتا ہوں جن کے متعلق اُوپر کی تین آیات مستقل طور پر ذکر کی گئیں۔

احادیث

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَزَلَتْ بِہٖ فَاقَۃٌ فَاَنْزَلَھَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُہٗ وَمَنْ نَزَلَتْ بِہٖ فَاقَۃٌ فَاَنْزَلَھَا بِاللّٰہِ فَیُوْشِکُ اللّٰہُ لَہٗ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ اَوْ اٰجِلٍ۔ (رواہ الترمذی وھکذا فی الدر المنثور بروایۃ ابی داؤد والترمذی والحاکم وقد صححہ ولفظ ابی داؤد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آجائے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اُس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو شخص اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ پر پیش کرے (اور اس سے درخواست کرے) تو حق تعالیٰ شانہٗ جلد اس کو روزی عطا فرماتے ہیں فوراً ہو جائے یا کچھ تاخیر سے مل جائے۔

بموت عاجل اوغنی عاجل وفی المشکوٰۃ بموت عاجل اوغنی اٰجل)

ف : "جو شخص لوگوں سے سُوال کرتا پھرے اس کا فاقہ بند نہ ہوگا" کا مطلب یہ ہے کہ اِحتیاج پوری نہ ہوگی۔ آج اگر ایک ضرورت کے واسطے بھیک مانگی ہے اور وہ صورت کے اعتبار سے پوری ہوگئی، تو کل اس سے اَہَم کوئی ضرورت پیش آجائے گی اور احتیاج بدستور باقی رہے گی، اور اگر اللہ جل شانُہٗ کی پاک بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے تو یہ ضرورت تو پوری ہو ہی گی۔ دوسری ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور اگر آئی تو اس کا انتظام مالک ساتھ ہی کر دے گا۔

پہلی فصل کی احادیث میں نمبر ۸ کے ذیل میں حضرت کبشہؓ کی حدیث گذر چکی ہے، جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر چند باتیں ارشاد فرمائیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص لوگوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس پر فقر کا دروازہ کھولتے ہیں۔ اسی جگہ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا قسم کھا کر یہی مضمون حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت سے بھی گذر چکا۔ یہی وجہ ہے کہ در بدر بھیک مانگنے والے ہمیشہ فقیر اور تنگدست ہی رہتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں یہ مضمون اس طرح وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے فاقہ اور احتیاج کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے سامنے پیش کرتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ بہت جلد اُس کے فقر کو دُور فرماتے ہیں جلدی کی موت سے یا جلدی کے غنا سے۔ جلدی کی موت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا وقت اگر خود قریب آگیا تو اس کو فاقوں کی تکلیف میں مصیبت اُٹھانے سے پہلے ہی حق تعالیٰ شانُہٗ موت عطا فرمائیں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی کی موت اس کے غناء کا سبب بن جائے گی۔ مثلاً کسی کی میراث کا وافر حصہ مل جائے یا کوئی شخص مرتے وقت اس کی وصیت کر جائے کہ میرے مال میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دینا۔

متعدد واقعات اس قسم کے دیکھنے اور سُننے میں آئے کہ مکہ میں بعض مرنے والوں نے یہ وصیت کی کہ ہندوستان کے فلاں شہر میں اس نام کا ایک شخص ہے، اس کو میرا مال فروخت کرکے روپیہ بھیج دیا جائے۔

کُرد ایک قبیلہ کا نام ہے، اسمیں ایک شخص مشہور ڈاکو تھا۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈاکہ کے لئے جارہا تھا۔ راستہ میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں۔ دو پر تو خوب پھل آرہا ہے اور ایک بالکل خشک ہے۔ اور ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تروتازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو لے جاتے دیکھا۔ تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کو کیا کرتی ہے۔ میں نے اس درخت کی چوٹی پر جاکر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے، اور یہ چڑیا وہ تروتازہ کھجور اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر عبرت ہوئی کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا، میرے مولا! یہ سانپ جس کے مارنے کا حکم تیرے نبیؐ نے دیا۔ تُونے، جب یہ اندھا ہوگیا تو اس کو روزی پہنچانے کے لئے چڑیا کو مقرر کردیا۔ اور میں تیرا بندہ، تیری توحید کا اقرار کرنے والا، تُونے مجھے لوگوں کے لوٹنے پر لگا دیا۔ اس کہنے پر میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ میرا دروازہ توبہ کے لئے کُھلا ہوا ہے۔ میں نے اُسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی، جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی اور اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا اِقَالَہ اِقَالَہ (درگذر درگذر) چلانے لگا۔ مجھے غیب سے آواز آئی کہ ہم نے درگذر کر دیا، درگذر کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے، تجھے کیا ہوگیا۔ میں نے کہا کہ میں مہجور تھا۔ اب میں نے صلح کر لی۔ یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ اُن کو سُنایا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم بھی صلح کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں، اور سب لُوٹ کا سامان چھوڑ کر ہم احرام باندھ کر مکہ کے ارادہ سے چل دیئے۔ تین دن چل کر ایک گاؤں میں پہنچے تو ایک اندھی بڑھیا ملی۔ اُس نے ہم سے میرا نام لے کر پوچھا کہ تم میں اس نام کا کوئی کُردی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہے۔ اُس نے کچھ کپڑے نکالے اور یہ کہا کہ تین دن ہوئے میرا لڑکا مرگیا۔ اُس نے یہ کپڑے چھوڑے۔ میں تین دن سے روزانہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خواب میں دیکھ رہی ہوں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس کے کپڑے فلاں کُردی کو دے دو۔ وہ کُردی کہتے ہیں کہ وہ کپڑے میں نے

لے لئے اور ہم سب نے اُن کو پہنا۔ (روض)

اس قصہ میں دونوں چیزیں قابلِ عبرت ہیں۔ ایک سانپ کی اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے روزی کا سامان، اور دوسرے حضورؐ کی طرف سے کپڑوں کا عطیہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی مدد کرنا چاہے تو اس کے لئے اسباب پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ سارے اسباب غنا اور فقر کے وہی پیدا کرتا ہے، اور سچی توبہ کی برکت سے حضورؐ کی طرف سے کپڑوں کا اعزاز خود ایک قابلِ فخر چیز ہے۔ اور جلدی کی موت سے غنا کے حاصل ہونے کی ایک مثال ہے۔ اور بہت سے واقعات مرتے وقت وصیتوں کے تو اکثر سننے میں آئے کہ میرے سامان میں سے اتنا فلاں شخص کو دے دیں۔

ایک حدیث میں حضرت ابن عباسؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھوکا ہو یا حاجتمند ہو اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ پر (بوجہ اُس کے لطف و کرم کے) یہ حق ہے کہ اس کو ایک سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکا ہو یا محتاج ہو، اور لوگوں سے اُس کو چھپائے، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مانگے، تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ایک سال کیلئے حلال روزی کا دروازہ اس پر کھول دیتے ہیں۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنا عطا فرماتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے عفت مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عفت عطا فرماتے ہیں۔ اور اُوپر کا ہاتھ (یعنی عطا کرنے والا) بہتر ہے نیچے کے ہاتھ سے (یعنی مانگنے والے کے ہاتھ سے)۔ اور کوئی شخص ایسا نہیں جو سوال کا دروازہ کھولے، مگر حق تعالیٰ شانہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ایک شخص کی آواز سنی جو عرفات کے میدان میں لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔ اُنہوں نے درّے سے اس کی خبر لی کہ ایسے دن میں اور ایسی جگہ اللہ کے غیر سے سوال کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سُوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اُس پر دنیا اور آخرت میں فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے عطاء کا دروازہ کھولتا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ اُس پر دنیا اور آخرت کی خیر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سُوال کا دروازہ کھولتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ کوئی شخص رسّی لے کر لکڑیاں اکٹھی کرکے اپنی کمر پر لا کر فروخت کردے اور اس سے اپنا گذر چلالے، یہ اس سے بہتر ہے کہ بھیک مانگے، چاہے وہ بھیک ملے یا نہ ملے۔ ایک اور حدیث میں ہے، کہ جو شخص عطاء کا دروازہ کھولتا ہے، صدقہ سے ہو یا صِلہ رحمی سے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر کثرت فرماتے ہیں (یعنی اس کے مال میں اِضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص مال کی زیادتی کی نیّت سے سُوال کا دروازہ کھولتا ہے، اُس کی وجہ سے اُس پر کمی بڑھتی جاتی ہے۔ یعنی حاجتیں بڑھتی جائیں گی اور آمدنی کے ناکافی ہونے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

حضرت عِمران بن حُصَینؓ، حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص کُلِّیۃً اللہ تعالیٰ کی طرف مُتوجّہ ہو جائے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کی ہر ضرورت کا تکفّل فرماتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص ہمہ تن دنیا کی طرف لگ جاتا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو دنیا کے حوالہ کر دیتے ہیں (کہ تُو جان اور تیرا کام۔ یعنی محنت کر اور کما لے، جتنی مشقت اُٹھائے گا اُس کے مناسب ہم دیتے رہیں گے)۔

حضرت اَبُوذَرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وَصِیّت کرتا ہوں، تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، اور جب کوئی بُرا کام سرزد ہو جائے تو (تلافی کے طور کوئی) اچھا کام بھی کرو اور کسی سے سوال نہ کرو۔ کسی کی امانت نہ رکھو۔ دو آدمیوں کے درمیان قاضی نہ بنو (کہ یہ بہت اَہم کام ہے، ہر شخص کے بس کا نہیں ہے)۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ جو تھوڑے پر راضی ہو جائے اور قناعت

کرے اور اللہ پر توکل کرے۔ وہ کمانے کی محنت سے بے فکر ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ سب سے زیادہ قوی ہو، وہ اللہ پر توکل کرے۔ اور جو یہ چاہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو، اس کو یہ چاہیئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اُس پر اس سے زیادہ اعتماد رکھے جتنا اپنے پاس کی چیز پر ہوتا ہے۔ اور جو یہ چاہے کہ سب سے زیادہ معزز ہو جائے، وہ تقویٰ اختیار کرے (اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ آدمی کے تقویٰ کا جتنا اثر لوگوں پر پڑتا ہے، اتنا کسی چیز کا نہیں پڑتا۔ جس شخص میں جتنا تقویٰ زیادہ بڑھا ہوا ہو گا، اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں اُس کا اعزاز و اکرام زیادہ ہو گا)۔

حضرت وہبؒ، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بندہ مجھ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو اگر آسمان زمین سب کے سب مل کر بھی اس کے ساتھ مکر کریں تو میں اُس کے لئے راستہ نکال دوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ مجھ پر توکل کرو، میں تمہاری ضروریات کا کفیل بنوں گا۔ میرے غیر کو اپنا ولی نہ بناؤ تاکہ میں تمہیں نہ چھوڑ دوں۔

بہت سی احادیث میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عوف بن مالکؓ کے صاحبزادے کو کافروں نے قید کر لیا۔ اور چمڑے کے تسموں سے خوب مضبوط ان کو جکڑ دیا۔ اُن پر نہایت سختی کی جاتی تھی، اور بھوکا بھی رکھا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے پاس کسی طرح اپنے احوال کی اطلاع بھیجی کہ حضورؐ سے دُعاء کے لئے عرض کریں۔ حضورؐ کو جب اطلاع پہنچی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ اُن کے پاس یہ کہلا بھیجو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ (تقویٰ اختیار کریں) اور اُسی پر توکل کریں اور صبح شام یہ آیت شریفہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (توبہ-ع ۱۶) پڑھا کریں اُن کے پاس جب اطلاع پہنچی تو انہوں نے اس آیت شریفہ کو پڑھنا شروع کیا،

خود بخود ایک دن وہ تسمے ٹوٹ گئے۔ یہ ان کی قید سے چھوٹ کر بھاگ آئے، اور کچھ جانور بھی اُن کے اپنے ساتھ پکڑ لائے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بادشاہ کے ظلم کا خوف ہو یا کسی درندہ کا یا دریا میں ڈوب جانے کا ڈر ہو اور اس آیتِ شریفہ کو تلاوت کرے تو انشاء اللہ کوئی مضرت اس کو نہ پہنچے گی۔

ایک اور حدیث میں اس قصہ میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بھی کثرت سے پڑھنے کا حکم ہے۔ انہی صاحبزادہ کے قصہ میں یہ آیتِ شریفہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط (طلاق۔ ع ۱) نازل ہوئی کہ "جو اللہ سے ڈرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اس کو روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا"۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لئے کافی ہے۔ اُن صحابیؓ کو اس کا کیا گمان ہو سکتا تھا کہ یہی کافر جو اس قدر سخت ظلم پر اُترے ہوئے ہیں، اُن ہی کے مال سے اُن کی روزی مقدّر ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی ایک پہاڑ میں رہتے تھے۔ ہر وقت عبادت ہی مشغلہ تھا۔ میرے ساتھی کا گذر تو گھاس وغیرہ پر تھا۔ اور میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ انتظام فرما رکھا تھا کہ ایک ہرنی روزانہ آیا کرتی تھی اور میرے قریب آکر ٹانگیں چیر کر کھڑی ہو جاتی۔ میں اُس کا دودھ پی لیا کرتا وہ چلی جاتی۔ بہت زمانہ اسی طرح گذر گیا، کہ وہ ہرنی روز آجایا کرتی اور میں اس کا دودھ پیتا تھا۔ میرے ساتھی کے قیام کی جگہ اس پہاڑ میں مجھ سے دور تھی۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک قافلہ یہاں قریب آکر ٹھیرا ہے، چلو قافلہ والوں کے پاس چلیں، وہاں شاید کچھ دودھ اور اس کے علاوہ کچھ کھانے کی چیزیں میسّر آجائیں۔ میں نے اول تو بہت انکار کیا۔ لیکن جب اُس نے بہت اصرار کیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم دونوں قافلے میں پہنچے۔ ان لوگوں نے ہمیں کھانا کھلایا۔ ہم کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ واپس آگئے۔ اس کے بعد میں ہمیشہ

اُس برنی کے وقت پر اس کا انتظار کیا کرتا مگر اُس کا آنا بند ہو گیا۔ کئی دن انتظار کے بعد میں سمجھا کہ اس گناہ کی نحوست سے وہ روزی جس کی وجہ سے میں بے فکر تھا، بند ہو گئی۔

صاحب رَوض کہتے ہیں کہ بظاہر تین چیزیں اس میں گناہ کی تھیں۔ ایک جس توکل کو اختیار کر رکھا تھا اس کو چھوڑا۔ دوسرے طمع کی اور اس روزی پر قناعت نہ کی جس کی وجہ سے بے فکری تھی۔ تیسرے ایسا کھانا کھایا جو طیّب نہ تھا جس کی وجہ سے طیّب رزق سے محرومی ہوگئی۔

بڑی عبرت کا قصہ ہے۔ ہم لوگ بسا اوقات اپنی حرص و طمع سے حق تعالیٰ شانہٗ کے انعامات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ صورت کے اعتبار سے سوال کرنے پر اُس وقت کچھ مل جاتا ہے، مگر اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اس انعام سے محرومی ہو جاتی ہے جو بے طلب اور بے منّت ملتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دعا ہے: اَللّٰهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنْ سُجُوْدِ غَيْرِكَ فَصُنْ وَجْهِيْ عَنْ مَسْئَلَةِ غَيْرِكَ۔ ”اے اللہ جیسا کہ تُو نے میرے سر کو اپنے غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا، اسی طرح میری زبان کو اپنے غیر کے سوال کرنے سے بھی محفوظ فرما۔“ اَللّٰهُمَّ آمین۔

(۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ (رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس لئے سوال کرتا ہے کہ اپنے مال میں زیادتی کرے وہ جہنم کے انگارے مانگ رہا ہے جس کا دل چاہے تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

ف: پہلی حدیث شریف میں صرف اللہ جل شانہٗ کی طرف سے غیبی اعانت اور امداد کے بند ہونے کی وعید تھی۔ اس لئے کہ اس حدیث میں ضرورت کے موقع پر سوال کا ذکر تھا۔ اور اس جگہ بلا ضرورت محض اپنی جمع بڑھانے کے لئے بھیک مانگنا ذکر ہے اس لئے اس میں زیادہ سخت وعید ہے کہ وہ جہنم کی آگ اکٹھی کر رہا ہے۔ اب آدمی کو اختیار ہے کہ جتنے انگارے دل چاہے اکٹھے کر لے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ فلاں فلاں دو شخص آپ کی تعریف کر رہے تھے کہ آپ نے اُن کو دو دینار دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا لیکن فلاں شخص میں نے اُس کو دس سے لے کر سَو تک اشرفیاں دیں مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ پھر فرمایا کہ بعض آدمی سُوال کرتے ہیں اور میں اُن کے سوال کی وجہ سے جو دیتا ہوں وہ بغل میں دبا کرلے جاتے ہیں لیکن وہ اپنی بغل میں آگ دبا کرلے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! پھر آپ دیتے کیوں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مَیں کیا کروں۔ وہ بغیر مانگے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لئے بخل کو گوارا نہیں فرماتے۔ ایک اور حدیث کے الفاظ میں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ جب آپ کو معلوم ہے کہ وہ آگ ہے تو آپ کیوں مرحمت فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ مَیں کیا کروں وہ بغیر سُوال کے رہتے نہیں اور اللہ تعالیٰ میرے لئے بخل گوارا نہیں فرماتے۔

حضرت قَبِیصہؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک بوجھ (تاوان وغیرہ کا) اپنے ذمہ رکھ لیا یعنی کسی چیز کی ضمانت کرلی۔ اس سلسلہ میں مَیں حضورؐ کی خدمت میں مدد چاہنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ، کہیں سے صدقہ کا مال آجائے گا تو مَیں مدد کروں گا پھر حضورؐ نے فرمایا کہ قَبِیصہؓ! سوال صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کوئی بوجھ ضمان وغیرہ کا اپنے ذِمّہ رکھ لیا ہو، اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سُوال کرلے، اور پھر رُک جائے، اس سے زیادہ کے سُوال کا حق نہیں۔ دوسرے وہ شخص جس کو کوئی حادثہ پہنچ جائے، جس سے سارا مال ہلاک ہو جائے (مثلاً آگ لگ جائے یا کوئی اور ایسی آفت اچانک پہنچ جائے جس سے سب کچھ لُٹ کُٹا جائے) تو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سُوال کرے جس سے زندگی کا سہارا ہو سکے۔ تیسرے وہ شخص جس کو فاقے گذرنے لگیں، حتیٰ کہ تین آدمی اس کی قوم کے کہنے لگیں کہ اس کو فاقہ ہونے لگا۔ تو اس کو بھی اتنی مقدار سُوال کر لینا جائز ہے جس سے زندگی کا سہارا ہو جائے۔ ان تین کے علاوہ جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام مال کھاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سوال کرنا دو شخصوں کے لئے جائز نہیں۔ ایک غنی کے لئے، دوسرے قوی تندرست کے لئے (جو کمانے پر قادر ہو) البتہ جس شخص کو خاک میں

ہلا دینے والا فقر یا پریشان کر دینے والا قرض لاحق ہو گیا ہو، اس کو سوال کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص مال کو بڑھانے کی غرض سے سوال کر رہا ہے، اُس کے منہ پر قیامت کے دن زخم ہوں گے اور وہ جہنم کی آگ کھا رہا ہے۔ جس کا دل چاہے زیادہ سوال کرلے جس کا دل چاہے کم کرلے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سُوال قیامت کے دن مُنہ پر زخم بن جائیں گے جن سے اس کا چہرہ زخمی ہو جائے گا۔ جس کا دل چاہے اپنے چہرہ کی رونق کو باقی رکھے۔ جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ البتہ اگر بادشاہ سے (یعنی بَیتُ المال سے بشرطیکہ اس میں سے لینے کا حق ہو) مانگے یا مجبوری کے درجہ میں مانگے تو مضائقہ نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی سوال کرتا رہتا ہے حتّٰی کہ قیامت کے دن اس کے چہرہ پر ذرا سا بھی گوشت نہ رہے گا۔

حضرت مَسعُودؓ بن عَمروؓ کہتے ہیں کہ حُضورؐ کی خدمت میں ایک جنازہ نماز پڑھنے کیلئے لایا گیا۔ حُضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا ترکہ چھوڑا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ دو تین اشرفیاں چھوڑی ہیں۔ حُضورؐ نے فرمایا کہ جہنّم کے دو تین داغ ہیں۔ راوی کہتے ہیں، کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے مولیٰ عَبدُاللہ بن قاسم سے اس کے مُتعلّق سوال کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ مال کے بڑھانے کی نیّت سے سُوال کرتا تھا۔

کُتبِ احادیث میں مُتعدد واقعات اس قسم کے وارد ہوئے ہیں جن میں حضورؐ نے معمولی معمولی رقوم چھوڑنے پر جہنّم کے داغ اور اس قسم کی وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔ علما نے ان کے مُتعلّق لکھا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب آدمی کے پاس پہلے سے کچھ موجود ہو اور وہ جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بالکل فقیر اور محتاج ظاہر کرکے سوال کرے اور باوجود فقیر نہ ہونے کے فُقرار کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سُوال کرنے کے بارہ میں مُمانعت کی بہت سی روایات وارد ہوئیں اور بڑی سخت سخت وعیدیں حدیث میں آئی ہیں لیکن ساتھ ہی بعض احادیث سے اجازت معلوم ہوتی ہے۔ اس کا واضح بیان یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو سُوال کرنا حرام ہے

لیکن مجبوری کے درجہ میں یا ایسی حاجت میں جو مجبوری کے قریب ہو، جائز ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو حرام ہے۔ اور حرمت کی وجہ یہ ہے کہ سُوال کرنا تین باتوں سے خالی نہیں ہوتا، اور وہ تینوں حرام ہیں۔ اوّل تو اس میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شکایت کا اِظہار ہے، گویا اس کی طرف سے اِنعام میں کمی ہے جیسا کہ کوئی غلام اگر کسی سے سُوال کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا سیّد[ع] کی طرف سے اُس پر تنگی ہے، اور اس کا مُقتضیٰ یہ ہے کہ بلا سخت مجبوری کے حلال نہ ہو۔ جیسا کہ مُردار کا کھانا سخت مجبوری میں حلال ہے۔ دوسرے اس میں مانگنے والے کا اپنے نفس کو غیرُاللہ کے سامنے ذلیل کرنا ہے۔ اور مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے ذلیل نہ کرے۔ البتہ اس پاک مولیٰ کے سامنے ذلیل کرنا اپنی عزّت ہے۔ اس لئے کہ محبوب کے سامنے ذِلّت و اِنکسار لذّت ہے اور آقا کے سامنے عجز کا اِظہار سعادت ہے۔ تیسرے اُس میں اس شخص کی اِیذاء اکثر ہوتی ہے جس سے سُوال کیا جائے۔ بسا اوقات دینے والے کا دل خوشی سے آمادہ نہیں ہوتا محض شرم وغیرہ کی وجہ سے خرچ کرتا ہے۔ پس اگر اُس نے شرم کی وجہ سے یا ریا کی وجہ سے دیا ہے تو وہ لینے والے پر بھی حرام ہے، اور اگر وہ انکار بھی کردے تب بھی بسا اوقات اس کو اس بات سے رنج ہوگا کہ وہ صورۃً بخیل بنا۔ اس لئے ہر حال میں اِیذاء کا اِحتمال ہے جس کا سبب یہ سائل بنا۔ اور اِیذاء دینا بلا مجبوری کے حرام ہے۔ اور جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضورؐ کی طرف سے سُوال کرنے پر اس قدر سخت وعیدیں کیوں وارد ہوئیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو ہم سے سُوال کرے گا اُس کو ہم دے دیں گے (ہم کیوں انکار کریں۔ اپنے سوال کے جواز کا وہ خود ذِمّہ دار ہے) اور جو مُستغنی ہوتا ہے (یعنی سوال نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ سے غنا کا طالب ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دیتے ہیں۔ اور جو ہم سے سُوال نہ کرے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے اُس شخص کے مقابلہ میں جو سوال کرے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگوں سے مُستغنی رہو، اور سوال جتنا بھی کم ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو دیکھا کہ مغرب کے بعد سوال کر رہا

ع یعنی مالک۔

ہے۔ آپ نے کسی سے فرمادیا کہ اس کو کھانا کھلا دو۔ انہوں نے فوراً تعمیل کی اور کھانا کھلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے پھر اس کی آواز سوال کی سُنی تو اُن صاحب سے مطالبہ کیا کہ میں نے تم سے اس کو کھانا کھلانے کو کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کھلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس سائل کی طرف دیکھا تو اُس کی بغل میں ایک جھولی پڑی ہوئی تھی۔ جس میں بہت سی روٹیاں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تُو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے یعنی فقیر نہیں۔ بلکہ تجارت کے لئے سُوال کرتا ہے، تاکہ ان روٹیوں کو جمع کرکے فروخت کرے اسکے بعد اسکی جھولی چھین کر صدقہ کے اونٹوں کے سامنے اُلٹ دی اور اُسکے دُرّہ مار کر کہا۔ پھر کبھی ایسا نہ کیجیو۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اگر سوال حرام نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ نہ تو اس کو مارتے، اور نہ اس کی روٹیاں چھینتے۔ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مارنا تو تنبیہ اور تادیب ہو سکتی ہے لیکن اس کے مال کا چھیننا ظلم ہے۔ شریعت نے کسی کا مال چھین لینے کی سزا نہیں بتائی۔ لیکن یہ اعتراض حقیقت کی ناواقفیت سے پیدا ہوا۔ بھلا حضرتِ عمرؓ کی فقاہت تک دوسروں کی رسائی کہاں ہو سکتی ہے۔ کیا حضرت عمرؓ کے مُتعلق یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ دوسرے کا مال لینا جائز نہیں، یا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے اُن کو فعلِ حرام پر یعنی سُوال پر غصہ آگیا اور نعوذ باللہ غصہ میں ایسا کر گئے، یا سُوال سے آئندہ روکنے کی مصلحت کی وجہ سے ایسا طریق اختیار کیا جو ناجائز تھا۔ اگر ایسا تھا تو یہ فعل خود ناجائز تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جب اُس نے بے ضرورت سُوال کیا اور دینے والوں نے اُس کو فقیر اور محتاج سمجھ کر دیا تو یہ دھوکہ سے حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی مِلک میں نہ آیا تھا اور اصل مالکوں کا پتہ چلنا اب دُشوار تھا تو یہ بمنزلہ لقطہ کے تھا جس کے مالک کا پتہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کا مصرف (بَیْتُ الْمال کے) مَصالح عامّہ میں۔ اس لئے صدقہ کے اونٹوں کو کھلا دیا۔ اس فقیر کا سوال کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی گنہگار شخص اپنے کو صوفی ظاہر کرکے صدقات لے لے۔ اگر دینے والے کو اس کا حال معلوم ہو جائے تو کبھی بھی نہ دے۔ ایسے شخص کو لینا جائز نہیں۔ اس کو ضروری ہے کہ مالک کو واپس کر دے۔

جب یہ بات مُتَحَقّق ہوگئی کہ سوال صرف ضرورت میں جائز ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ضرورت کے چار درجے ہیں۔ اوّل درجہ اِضطِرار کا ہے۔ دوسرا سخت حاجت کا لیکن اضطرار کی حد سے کم۔ تیسرا معمولی حاجت کا۔ چوتھا عدمِ حاجت کا۔ پہلا درجہ، مثلاً کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کو بھوک کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے ہلاکت کا اور مرجانے کا اندیشہ ہے۔ یا ایسا ننگا ہے کہ اس کے پاس کوئی کپڑا بدن چھپانے کو نہیں ہے، تو ایسے شخص کو سوال کرنا جائز ہے[عہ] بشرطیکہ جواز کی باقی شرطیں پائی جاتی ہوں۔ اور وہ یہ ہیں:-

الف : جو چیز مانگے، وہ چیز جائز ہو۔ **ب** : جس سے مانگے، وہ طیبِ خاطر سے راضی ہو۔ **ج** : مانگنے والا کمانے سے عاجز ہو۔ اگر وہ کمانے پر قادر ہے تو وہ لَغْو آدمی ہے جو بجائے کمانے کے سوال کرتا ہے۔ البتہ اگر کوئی طالبِ علم ہو جو اپنے اوقات کو طلبِ علم میں مشغول رکھتا ہو تو اس کو مضائقہ نہیں کہ سوال کرے۔

اور چوتھا درجہ اس کے بِالمُقَابِل کوئی شخص ایسی چیز کا سوال کرے جو چیز اُس کے پاس موجود ہے، مثلاً کپڑے کا سوال کرے، اور بقدرِ ضرورت کپڑا اس کے پاس موجود ہے تو اُس شخص کو سوال حرام ہے۔ یہ دو درجے تو متقابل ہوئے، ان کے درمیان دو درجے ہیں۔ ایک سخت حاجت کا مثلاً کوئی شخص بیمار ہے اور دوا کے لئے دام نہیں ہیں لیکن مرض ایسا نہیں ہے جو ہلاکت کے درجہ کا ہو۔ یا مثلاً کسی کے پاس کپڑا تو ہے مگر سردی کا پورا بچاؤ اس سے نہیں ہوتا۔ یہ درجہ بھی ایسا ہے کہ اس میں سوال کے جائز ہونے کی گنجائش ہے لیکن اس کا ترک اَولیٰ ہے۔ ایسا شخص اگر سوال کرے تو اس کو ناجائز یا مکروہ تو نہ کہیں گے لیکن خلافِ اَولیٰ کہیں گے، بشرطیکہ اپنے سوال کی نوعیت ظاہر کردے مثلاً یوں کہے کہ میرے پاس کپڑا تو ہے مگر سردی کے لئے کافی نہیں۔ ضرورت کے درجہ سے زیادہ کا اظہار نہ کرے۔ دوسرا درجہ کم حاجت کا ہے، مثلاً اس کے پاس روٹی کے دام تو ہیں سالن کے لئے دام نہیں ہیں۔ یا پھٹے پُرانے کپڑے ہیں اور وہ ایک کُرتا ایسا بنانا چاہتا ہے جو اُن پر باہر جانے کے وقت پہن لیا کرے، تاکہ لوگوں پر بوسیدہ کپڑے ظاہر نہ ہوں۔ تو ایسے

عہ بلکہ بعض احوال میں واجب ہے اور مُضطَر کے لئے بغیر اجازت کے لینا بھی بعض اوقات جائز ہے ۱۲ز

شخص کے لئے سُوال جائز تو ہے۔ مگر کراہت کے ساتھ، بشرطیکہ جس درجہ کی ضرورت ہے اس کو ظاہر کردے۔ اور ان تین چیزوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے جو پہلے گذر چکیں یعنی ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی شکایت نہ ہو، یعنی ایسی طرح سوال کرے جس سے شکایت نہ ٹپکتی ہو۔ دوسرے اپنی ذِلّت نہ ہو۔ تیسرے جس سے مانگے اس کو اذیّت نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی ہونے کی کیا صورت ہے؟ تو میں بتاتا ہوں کہ شکوئی سے خالی ہونے کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ساتھ ہو اور عدمِ ضرورت کا اظہار بھی ہو۔ فقیروں کی طرح سے سوال نہ کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ ضرورت کا درجہ تو نہیں ہے۔ ضرورت کی مقدار اللہ کا شکر ہے میرے پاس موجود ہے لیکن یہ نفس ایک اچھے کپڑے کی خواہش کرتا ہے۔ اور ذِلّت سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے باپ بھائی یا کسی ایسے دوست سے سوال کرے جس کے مُتعلق یہ گمان ہو کہ اس سُوال سے اس کی نگاہ میں ذِلّت نہ ہوگی۔ یا ایسے کریم سے سُوال کرے جس کے یہاں صدقات کا زور ہو کہ اُس کے سُوال کرنے سے اُس کو مسرّت ہو۔ اور ایذاء سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خصُوصی سُوال کسی سے نہ کرے۔ بلکہ عمُومی سُوال کرے یا ایسے انداز سے کرے، کہ اگر وہ شخص جس سے سُوال کیا ہے ٹالنا چاہے تو ٹال سکے۔

اور یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جو چیز دینے والے نے شرم کی وجہ سے یا زور دینے سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ دی ہے اُس کا لینا اجماعاً حرام ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا مال مار کر زبردستی چھین لیا ہو۔ اس لئے کہ کسی شخص کے ظاہر بدن کو مارنا، اور دل کو ملامت اور شرم کے کوڑے سے مارنا برابر ہے۔ البتہ مُضطر کے لئے یہ حق ہے کہ بغیر طیب خاطر کے بھی لے لے۔ لیکن معاملہ احکم الحاکمین سے ہے اور حالات سب اس کے سامنے عیاں ہیں، وہ ہر شخص کی حالت کو خُوب جانتا ہے۔ نیز ایسے دوستوں سے سوال میں بھی مضائقہ نہیں جن کے مُتعلق یہ اندازہ ہو کہ وہ سُوال سے خوش ہوں گے (احیاء مختصراً)۔

علّامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ ان وعیدات میں سُوال سے مراد اپنی ذات کے لئے سُوال ہے۔ جو سُوال کسی دوسرے کے لئے ہو، وہ اس میں داخل نہیں، بلکہ وہ

اُس کی اعانت ہے۔ نیز وہ سوال میں داخل نہیں جو اپنے لئے ہو لیکن اپنے اعزّہ اور دوستوں سے ہو۔ اس لئے کہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں (اتحاف) لیکن یہ شرط ہے کہ یہ ایسی جگہ ہوگا جہاں اعزّہ اس سے خوش ہوتے ہوں اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں تو اہلِ قرابت کو اذیّت دینا اور بھی زیادہ سخت ہے، البتہ جو اعزّہ کریم ہوتے ہیں وہ اُس سوال سے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے خود اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ اور بہت کثرت سے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

میرے والد کی ایک حقیقی خالہ ہیں جو ابتک بھی حیات ہیں؏۔ میرے بچپن سے اُن کا دستور مجھے کاندھلہ کے ہر سفر میں دو پیسے دینے کا تھا۔ جب میں صاحبِ اولاد ہوگیا اور انہوں نے میرے بچوں کو بھی دو دو پیسے دینا شروع کر دیئے، تو میں نے بہت اصرار سے اپنے دو پیسے کی بجائے چار پیسے کرالئے، اور یہ کہہ کر کرائے کہ تم مجھے اور میری اولاد کو ایک درجہ میں رکھتی ہو۔

مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ میرے اِن چار پیسوں کا مطالبہ اُن کے لئے اس قدر مسرّت کا سبب ہوتا ہے کہ مجھے بھی اُن کی خوشی سے لُطف آجاتا ہے حتّٰی کہ بعض اوقات اگر اُن کے پاس اُس وقت کچھ نہ ہوا تو میں نے خود اُن کی کچھ نذر کیا تاکہ اس میں سے وہ میرے پیسے مجھے مرحمت فرما دیں اسلئے کہ ان کو ان میں سے دینے سے بھی اتنی ہی خوشی ہوتی تھی اور اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ یہ میں اُسی کے پیسوں میں سے دے رہی ہوں۔

اسی طرح میرے والد صاحبؒ کے ایک حقیقی ماموں مولانا شمس الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہمیشہ سے اُن کا معمول مجھے ہر سفر میں ایک روپیہ مرحمت فرمانے کا تھا۔ جب میرے اولاد ہوگئی تو انہوں نے بجائے میرے اُن کی طرف اس کو منتقل کر دیا۔ میں نے زبردستی اپنے روپیہ کا اجراء کرایا۔ میں نے اُن سے کہا کہ بچوں کو آپ دیں یا نہ دیں میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں، میرا روپیہ بند نہیں ہوگا۔ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور جب بھی یاد آجاتا ہے میں ہمیشہ اُن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن کی مغفرت فرما کر

؏ طباعت کے وقت انتقال ہوگیا غفر اللہ لہا۔ ناظرین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ۱۲ ز

اپنی عالی شان کے موافق اجرِ جزیل عطا فرمائے کہ اُن کو میرے اس مطالبہ سے کس قدر مَسَرّت ہوتی تھی۔ اکثر قہقہہ سے ہنسا کرتے تھے اور بار بار میرے اس لفظ کو دُہراتے، "ہاں جی، میرا روپیہ بند نہیں ہوگا" میں کہتا کہ ہرگز بند نہ ہوگا۔

اور بھی مجھے اپنے اَعِزّہ اور اَحْباب سے اِس نوع کے واقعات کا سابقہ پڑا ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ آج کل تعلُّقات بِالخُصوص آپس داری کے عام طور سے ایسے خراب ہوتے جاتے ہیں کہ یہ بات اب ذہنوں میں آنا بھی دُشوار ہو جانے لگی کہ عزیزوں کا سُوال باعثِ مَسَرّت بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری چیز علامہ زَبِیدیؒ نے یہ لکھی ہے کہ اگر دوسرے کے واسطے کوئی شخص سُوال کرے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ اور پہلی فصل میں جتنی روایات کسی دوسرے کے لئے اِعانت اور مدد کی گذری ہیں وہ سب اس کے لئے دلیل ہیں اسی طرح طلبِ علم کی مشغولی سُوال کی ذِلّت سے اہم ہے۔

مُلّا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہے اور علمی اِشتِغال کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا تو اس کو زکوٰۃ کا لینا بھی جائز ہے اور صَدَقاتِ تطوُّع کا لینا بھی۔ اور اگر باوجود قدرت کے کمانا، نوافل اور عبادات میں مشغولی کی وجہ سے چھوڑا ہے تو اُس کو مالِ زکوٰۃ کا سُوال جائز نہیں ہے۔ صَدَقاتِ تطوُّع سے سوال میں مضائقہ نہیں گو کراہت ہو۔ اور اگر کوئی جماعت اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کیلئے مُجتمع ہے تو بہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص اُن سب کے لئے روٹی کپڑا جمع کر لیا کرے۔ (مرقات)

عِلمی اِشتِغال چاہے عُلُوم ظاہرہ ہوں یا عُلُوم باطنہ یقیناً بہت زیادہ اَہم ہے اور ایسے لوگوں کے لئے یقیناً کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہرگز نہ چاہیئے، اور محض نادانوں، احمقوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اس اہم مشغلہ کے ساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا، جاہلوں کے طعن کے خوف سے اپنی قیمتی مایہ کو ضائع کرنا ہے۔ نادانوں کے طعن وتشنیع سے نہ اہلِ علم کبھی بچے، نہ انبیائے کرامؑ بچے۔

آج کل یہ وبا بہت عام ہوتی جا رہی ہے کہ اہلِ علم کو اپنا گذر چلانے کے لئے کسی صنعت

و حرفت کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور اہلِ علم بھی دنیا داروں کے طعن تشنیع سے بددل ہو کر اس کی اہمیت کو محسوس کر رہے ہیں اور مدارسِ عربیہ دینیہ میں یہ سلسلے بھی جاری ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ علم کو بہت زیادہ نقصان دینے والی چیز ہے۔ اس میں اسلاف کے نمونے سامنے رکھے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی معاش کیلئے تجارت و حرفت وغیرہ کے مشاغل اختیار کرتے ہوئے دین کی اور علم کی خدمت کی۔ اور یقیناً اگر اللہ جلَّ شانُہٗ توفیق عطا فرمائے تو یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے مگر ہم لوگوں کے قلوب اور ہمارے قُویٰ اور ہمارے احوال نہ تو اس کے متحمل ہیں کہ ہم لوگ دو کام بیک وقت کر سکیں، اور نہ ہماری طبع نفس اور حُبِّ دنیا اس کی گنجائش دیتی ہے کہ مال کی بڑھوتری کے اسباب پیدا ہونے کے باوجود اللہ کے کام کے واسطے، دین کی خاطر، علم کی خاطر ہم اپنے اوقات کو دنیا کمانے کے مشاغل سے زیادہ سے زیادہ فارغ کر سکیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں دونوں کام شروع کئے اور آخر میں علمی مشغلہ پر دنیا کی کمائی اور طلب غالب آگئی، جس کے بارہا تجربے ہو چکے ہیں۔

امام غزالیؒ نے طلبِ علم کے جو دس آداب لکھے ہیں اس میں لکھتے ہیں کہ "چوتھا ادب یہ ہے کہ دنیا میں مشغولی کو بہت ہی کم کر دے، اور اپنے اہل اور وطن سے دُور چلا جائے اس لئے کہ تعلقات کی کثرت مشغولی کا سبب ہوتی ہے اور مقصد سے ہٹانے والی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لئے دو دل نہیں بناتے (کہ ایک دل علم میں مشغول رہے اور دوسرا دنیا کمانے میں) یہ قرآن پاک کی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ط (احزاب۔ ع ۱) کی طرف اشارہ ہے، اور جتنا زیادہ اپنے فکر و غور کو متفرق چیزوں میں مشغول کرو گے، علوم کے حقائق سے دُور رہو گے۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ علم تجھے تھوڑا سا حصہ جب دے گا جب تُو اپنے آپ کو پُورا کا پُورا علم کی نذر کر دے گا، اور جو غور و فکر متفرق امور کی طرف منتشر رہتا ہے۔ اس کی مثال اس نالی کی سی ہے جس کی ڈول ٹوٹ گئی ہو کہ اُس میں سے پانی ادھر اُدھر نکلے گا اور بہت کم کھیت میں پہنچے گا"۔ (احیاء)

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ واقعی علم حاصل کرنا مقصود ہو محض روٹی کھانے اور صدقات کا مال جو آدمیوں کا میل ہے جمع کرنا مقصود نہ ہو۔ امام غزالیؒ

وہ وعیدات جو بُرے عالموں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوا کہ دنیا دار عالم حالت کے اعتبار سے بہت زیادہ خسیس ہے، اور عذاب کے اعتبار سے بہت زیادہ عذاب کا مُستحق ہے بہ نسبت جاہل کے۔ اور کامیاب صرف وہی علماء ہیں جو آخرت کے عالم ہیں۔ اور آخرت کے عالم کے لئے چند علامات ہیں۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اپنے علم سے دنیا کمانا مقصود نہ ہو۔ عالم کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت، دنیا کا کمینہ پن، دنیا کی گندگی، اس کا فانی ہونا اس کو مُستحضر ہو۔ وہ آخرت کی بڑائی، اس کی پائیداری، اس کی عمدگی، اس کی نعمتوں کی پاکیزگی، اس کی رفعتِ شان کو پانے والا ہو۔ اور اس بات کو خُوب سمجھتا ہو کہ دنیا اور آخرت دو سَوکنیں ہیں۔ جب وہ ایک کو راضی کرے گا دوسری ناراض ہوگی (جیسا کہ حدیث میں بھی مضمون آیا ہے) اور یہ سمجھے کہ دنیا اور آخرت بمنزلہ ترازو کے دو پلڑوں کے ہیں۔ جونسا ایک جُھکائے گا دوسرا اُوپر چڑھ جائے گا۔ جو شخص دنیا کی حقارت کو نہ سمجھتا ہو، وُہ فاسدُ العقل ہے۔ وہ علماء میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت حَسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عُلماء کا عذاب دل کی موت ہے۔ اور دل کی موت آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہے (یعنی دین کا کام اس غرض سے کرنا کہ اس سے دنیا کی مال و دولت یا عزّت و وجاہت کمائی جائے) یحییٰ بن مُعاذؒ فرماتے ہیں کہ علم و حکمت کی رونق جاتی رہتی ہے، جب اُن سے دُنیا کمائی جائے۔ حضرت سعید بنُ المُسَیّبؒ فرماتے ہیں کہ جب عالم کو اُمراء کے دروازوں پر دیکھو تو وہ چور ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب دنیا کسی عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا سمجھو تو اس کو اپنے دین کے بارے میں مُتّہم سمجھنا۔ اس لئے کہ ہر شخص اسی میں گھسا کرتا ہے جس سے اُس کو محبت ہو۔ (احیاء مختصراً)

لہٰذا یہ تو ضروری ہے کہ علماء کو اپنے نفس کو ہر وقت مُتّہم سمجھتے ہوئے اس کی سختی سے نگرانی کرتے رہنا چاہیئے۔ ہر وقت اس فکر میں ضرور رہنا چاہئے کہ کہیں دنیا کی محبت جو ہر خطا کی جڑ ہے غیر محسوس طریقہ سے جڑ نہ پکڑ لے۔ اور دنیا سے بے رغبتی بلکہ نفرت راسخ ہو جانے کے بعد نہ سُوال میں مضائقہ ہے نہ صدقات و زکوٰۃ کے لینے میں۔ بلکہ صدقات و اموال کا

اہم وظیفہ ہے کہ اہلِ علم کو مقدم کریں جیسا کہ پہلے صدقہ ادا کرنے کے آداب میں گذر چکا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس ناپاک دنیا کے کتے کو بھی اس مُہلک مرض سے نجات عطا فرمائے کہ دنیا طلبی ایسا مُہلک مرض ہے جو آہستہ آہستہ ترقی کرتا رہتا ہے، اور وہ صرف مال ہی کے حاصل کرنے میں مُنضَمر نہیں ہے بلکہ جاہ کے حاصل کرنے میں مال سے بھی زیادہ سُرعت کے ساتھ بڑھتا ہے، اور دینی ماحول میں یہ مرض حُبِّ دنیا سے بھی زیادہ ترقی کرتا ہے۔

(۳) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍؓ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَاُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا (متفق عليه كذا فى المشكوة)

حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے سوال کیا حضورؐ نے عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا، حضورؐ نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے حکیم یہ مال سرسبز میٹھی چیز ہے یعنی خوشنما ہے دیکھنے میں لذیذ ہے دلوں میں۔ پس جو شخص اس کو نفس کی سخاوت (یعنی استغنا) سے لیتا ہے اس کیلئے تو اس میں برکت دی جاتی ہے، اور جو اس کو اشرافِ نفس (یعنی حرص اور طمع جیسا کہ آئندہ حدیث کے ذیل میں آئے گا) کے ساتھ لیتا ہے اُس کے لئے اس میں برکت نہیں ہوتی وہ ایسا ہے جیسا کوئی (بھوک کا مریض کہ) کھاتا ہے اور پیٹ نہ بھرے۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی نہ مانگنے والا ہاتھ، مانگنے والے سے اچھا ہے) حکیمؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اب آپ کے بعد مرنے تک کبھی کسی کو نہیں تکلیف دوں گا۔

ف: یعنی اب ساری عمر کبھی کسی سے سُوال نہیں کروں گا۔ بعض روایات میں اس

حدیث کے بعد یہ مضمون بھی ہے کہ اس کے بعد حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت حکیمؓ کو بُلاتے تاکہ اُن کا جو حق بیتُ المال کے فَیٔ میں ہے وہ اُن کو مرحمت فرماویں۔ وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا کہ وہ حکیمؓ کو اُن کا حصہ دینے کو بُلاتے، وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس پر گواہ بنایا کہ وہ حکیمؓ کا حصہ دینے کو بُلاتے ہیں وہ قبول نہیں کرتے لیکن حضرت حکیمؓ نے اپنے انتقال تک کسی سے نہ لیا۔ (ترغیب)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا۔ اوّل حضورؐ نے حضرت عباسؓ کو اس میں سے عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے حکیمؓ کو بُلایا اور لپ بھر کر عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کا لینا میرے لئے اچھا ہے یا بُرا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا بُرا ہے۔ اُنہوں نے واپس کر دیا اور قسم کھائی کہ میں کسی کی بھی عطا قبول نہیں کروں گا۔ پھر حکیمؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرے لئے دُعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے یہاں برکت عطا فرمائے۔ حضورؐ نے دُعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُن کے ہاتھ کی کمائی میں برکت عطا فرمائے (ترغیب)۔

حضرت معاویہؓ، حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مانگنے میں اِصرار نہ کیا کرو۔ خدا کی قسم جو شخص مجھ سے کوئی چیز مانگے اور محض اُس کے مانگنے کی وجہ سے اپنی طبیعت کے خلاف میں کوئی چیز اُس کو دوں تو اس میں برکت نہ ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو میں طِیبِ نفس سے کوئی چیز دوں اُس میں تو برکت ہوگی، اور جس شخص کو اس کی طمع اور سُوال کی وجہ سے بغیر طِیبِ خاطر کے کوئی چیز دوں گا، وہ ایسا ہوگا جیسا کہ آدمی کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے۔

حضرت ابنِ عمرؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سُوال میں اصرار نہ کیا کرو۔ جو شخص اِصرار کے ساتھ ہم سے کوئی چیز لے گا۔ اس میں برکت نہ ہوگی۔ (ترغیب)

قرآن پاک میں بھی اس پر تنبیہ فرمائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرہ۔ ع ۳۷) "کہ لوگوں سے اِصرار سے نہیں مانگتے"۔

حضرت عائشہؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ یہ مال سرسبز اور میٹھی چیز ہے۔ پس جس شخص کو ہم اس میں سے کوئی چیز اپنی طیب نفس سے دیں ایسی حالت میں کہ لینے والے کی طرف سے روزی لینے کی اچھی حالت ہو (یعنی استحقاق کے اعتبار سے بہترین مستحق ہو، سوال کے اعتبار سے جائز طلب ہو، مبالغہ نہ ہو) اور اُس کی طرف سے طمع نہ ہو، تو اس مال میں اُس کے لئے برکت دی جاتی ہے۔ اور جس شخص کو ہم کوئی چیز ایسی طرح دیں کہ ہماری طیبِ خاطر نہ ہو اور اُس کی طرف سے لینے کی اچھی حالت نہ ہو اور اس کی طمع شامل ہو، تو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (ترغیب)

برکت ایسی اہم اور قابلِ قدر چیز ہے کہ اس میں تھوڑی سی چیز میں بہت سی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نوع کے واقعات گذر چکے ہیں کہ ایک پیالہ دودھ بہت سے اصحابِ صُفّہ کو کافی ہو گیا۔ یہ آخر برکت ہی تو تھی۔ اور اس زمانہ میں بھی بسا اوقات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، گو ویسا نہ ہو جیسا کہ حضورؐ کے لئے برکت کا نمونہ ظاہر ہوتا تھا۔ اور ویسا ہو بھی نہیں سکتا۔ لیکن اس زمانہ اور حالات کے اعتبار سے بہت مرتبہ اس کا تجربہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے کسی چیز میں ایسی برکت فرما دیتے ہیں کہ دیکھنے والے تعجب میں رہ جاتے ہیں، اور اس کے بالمقابل بے برکتی ایسی منحوس چیز ہے کہ جتنا بھی کمائے جاؤ، کبھی کافی نہیں ہوتا۔ جس کی مثال حضورؐ کے پاک کلام میں قریب ہی گذری ہے کہ کھائے جاؤ پیٹ نہ بھرے۔

اس بے برکتی میں ایک اپنا ہی تجربہ خود اپنے ہی اُوپر اور اپنی حماقت کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے بچپن میں بیت بازی کا بہت شوق تھا۔ اور چونکہ والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی طرف سے باوجود اُن کے تشدّد اور سختیوں کے اس فعل پر نکیر نہ تھی۔ اس لئے یہ مرض ترقی پذیر تھا اور بلا مبالغہ ہر زبان کے ہزاروں شعر یاد تھے جواب نہیں رہے میرا اہم ترین کھیل یہ تھا کہ اپنے مخصوص اعزّہ جب کہیں ایک جگہ اتفاقیہ جمع ہو جاتے تو یہ مشغلہ شروع ہو جاتا۔ مجھے اپنے ابتدائی مدرّسی کے زمانہ میں ایک شب کے لئے کیرانہ جانے کا اتفاق ہوا، جہاں میرے پھوپی زاد بھائی وکالت کرتے تھے وہ بھی اس مشغلہ کے

شوقین یا مریض تھے۔ میری وجہ سے اور بھی بعض اعزہ جمع ہو گئے۔ اور حسبِ معمول عشاء کی نماز کے بعد یہ بیکار مشغلہ شروع ہو گیا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ انہوں نے تین سیر دودھ اس خیال سے منگا کر رکھا تھا کہ رات کو دو تین مرتبہ تو چائے کا دور آخر چلے ہی گا۔ مگر اس خیال سے کہ ابھی تھوڑا سا وقت گذر جائے تو چائے پکائی جائے گی۔ چائے پکانے کی نوبت بھی نہ آئی تھی۔ میرے اندازہ کے موافق آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ گذرا ہو گا کہ مجھے پیشاب کی ضرورت ہوئی۔ اور باہر آیا تو آسمان پر مشرق کی جانب ایسی تیز سفیدی نظر آئی کہ حیرت ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سفیدی کیا چیز ہے۔ اس کے دیکھنے کے واسطے میں نے دوسرے اعزہ کو آواز دی۔ سب اس کو دیکھ کر متحیر تھے کہ یہ سفیدی کس چیز کی ہے۔ مختلف قیاسات گھڑے جا رہے تھے کہ چاروں طرف سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ جس سے معلوم ہوا، کہ وہ صبحِ صادق ہے۔ وہ دن بھی عجیب حیرت میں گذرا کہ رات کہاں نکل گئی۔ اور اس کے بعد سے اب تک بھی جب خیال آ جاتا ہے ایک سناٹا گذر جاتا ہے کہ اس رات میں اسقدر بے برکتی کیوں ہوئی۔ اور اب تو جب کبھی اُس رات کا خیال آ جاتا ہے تو حیرت کے علاوہ ایک عبرت اور افسوس بھی ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ساری عمر ہی اُس رات جیسی ہو گی۔ اُسی دن میرے موصوف بھائی نے اپنے والد میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو۔ جو ایک بزرگ ہستی حضرت قطبِ عالم گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے حدیث میں شاگرد تھے خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ میاں زکریا بھی کیسے بزرگ ہیں اس طرح رات کو ضائع کر دیتے ہیں۔

کچھ انہی کی توجہ کا اثر ہو گا کہ اس کے بعد سے پھر کبھی اس مشغلہ کی نوبت نہ آئی۔ لیکن عمر بھر کی حیرت کے لئے یہ کیرانہ کی رات مجھے تعجب میں ڈالنے کے لئے کافی ہے اور اس واقعہ سے دو چیزیں ایسی ذہن نشین ہو گئیں کہ ان میں ذرا بھی استبعاد نہیں رہا۔

ایک تو بزرگوں کے وہ واقعات اور حالات جن کے متعلق تواریخ میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں کہ ساری رات نماز میں گذار دی۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔ رات رات بھر مناجات میں گذار دی، کہ اس نوع کے جتنے واقعات ہیں، وہ سب قرینِ قیاس ہیں۔ لذت اور انہماک یقیناً ایسی چیز ہے کہ اس کے حاصل ہونے

کے بعد نہ رات کا طُول رہ سکتا ہے، نہ نیند کا حملہ۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے لُطف سے ان حضرات کو ان عبادات میں لذت کا مرتبہ عطا فرمایا۔ یہ اس کو وصول کرتے ہیں۔ جن کو اِن میں لذت نہیں ہے اُن کو جتنا بھی دُشوار اور پہاڑ معلوم ہو ظاہر ہے۔

اور دوسری چیز جو اپنے تجربہ سے ذہن میں آئی وہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ قیامت کا سخت ترین دن جو پچاس ہزار برس کے برابر ہے، بعض لوگوں پر ایسا گذر جائے گا جیسا کہ ایک نماز یا ایک نماز سے دوسری نماز تک کا وقت ہوتا ہے۔ یقیناً یہ حضرات جن کے پاس مَعاصی نہ ہونے سے خوف کا گذر نہ ہو، اپنے نیک اعمال کی وجہ سے لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ الاٰیۃ کے مِصداق ہیں کہ نہ اُن کو اُس دن کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگیں ہوں گے۔ وہ عرش کے سایہ تلے اپنے کارناموں کے لذائذ میں مشغول اور مُنہمِک ہونگے۔ ان پر یہ طویل وقت جتنا بھی مُختَصَر سے مُختَصَر گذر جائے، میرے لئے تو اپنا تجربہ اس کی تائید کرتا ہے۔

(۴) عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلِیٍّ الْجُهَنِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَلَغَهٗ عَنْ اَخِیْهِ مَعْرُوْفٌ مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ وَلَا اِشْرَافِ نَفْسٍ فَلْیَقْبَلْهُ وَلَا یَرُدُّهٗ فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَیْهِ۔

حضرت خالد بن علی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو بغیر سُوال کے اور بغیر اشرافِ نفس (یعنی طمع اور حرص) کے اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز پہنچے اس کو قبول کرلینا چاہیئے اس کو رد نہ کرنا چاہیئے۔ یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے روزی ہے جو اُس کو بھیجی گئی ہے۔

(رواہ احمد باسناد صحیح وابن حبان فی صحیحہ والحاکم کذا فی الترغیب)

ف: مُتَعَدِّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ بِلا طلب اور بِلا طمع کے اگر کوئی ہدیہ ملے تو اس کو قبول کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کے واپس کرنے میں اللہ کی نعمت کا کُفران ہے اور ٹھکرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اکابِر باوجود طبیعت نہ چاہنے کے بھی قبول کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا کے طور پر کچھ مرحمت فرماتے، میں عرض کر دیتا کہ حضور کسی ایسے شخص کو مرحمت فرمادیں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں لے لو۔ جب کوئی مال ایسی طرح آوے کہ نہ اس کا سوال کیا جائے، نہ اس میں اشرافِ نفس ہو تو اس کو لے لیا کرو۔ پھر اگر دل چاہے اُس کو اپنے کام میں لاؤ اور دل نہ چاہے صدقہ کر دیا کرو۔ اور جو مال خود نہ آئے اُس کی طرف دھیان بھی نہ لگاؤ۔

حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تھے، اور کہیں سے کچھ آتا تو اُس کو رد نہ فرماتے۔

اِسی قسم کا قصہ حضرت عمرؓ کو بھی پیش آیا۔ کہ حضورؐ نے انکو کچھ مرحمت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کردیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ واپس کیوں کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ ہی نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ کسی سے کوئی چیز نہ لیا کریں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مانگ کر نہ لینا مراد ہے۔ جب بغیر مانگے کوئی چیز ملے تو وہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے روزی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر حضور، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اب سے کبھی کسی سے کوئی چیز نہ مانگونگا اور بلا طلب ملے گی اس کو قبول کروں گا۔

عبداللہ بن عامرؓ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں کچھ دام اور کچھ کپڑا کسی قاصد کے ہاتھ بھیجا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میری عادت تو کسی سے لینے کی نہیں ہے۔ جب وہ قاصد واپس جانے لگا، گھر سے نکلا ہی تھا، حضرت عائشہؓ نے اس کو واپس بُلایا اور اُس ہدیہ کو رکھ لیا۔ اور یہ فرمایا کہ مجھے ایک بات یاد آگئی۔ حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ عائشہ بے مانگے کوئی چیز ملے تو اس کو لے لینا۔ وہ اللہ کی طرف سے روزی ہے جو تمہاری طرف بھیجی گئی۔

غالباً یہ ابتدائی قصہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ ہدایا قبول کرنے لگیں متعدد

روایات میں مُتعدد صحابہ کرامؓ سے بڑی بڑی رقمیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش ہونا اور حضرت عائشہؓ کا اُن کو لے کر ہاتھ کے ہاتھ تقسیم کر دینا وارد ہوا ہے۔

واصل بن خطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی سے کچھ مانگنا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں مانگنے کے متعلق میں نے کہا ہے لیکن بغیر مانگے اگر اللہ تعالیٰ کوئی چیز مرحمت فرمادیں تو اس کو لے لینا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بھی حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانہٗ بے مانگے کوئی چیز دلوائیں، تو اُس کو قبول کرنا چاہیئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی روزی بھیجی گئی ہے۔

عابد بن عمرؓ بھی حضورؐ سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی روزی بغیر مانگے اور بغیر اشرافِ نفس کے پیش کی گئی ہو، اُس سے اپنے خرچ میں وُسعت پیدا کرنا چاہیئے۔ اور اگر خود کو اس کی حاجت نہ ہو تو پھر کسی ایسے شخص کو دے دینا چاہیئے جو اپنے سے زیادہ ضرورت مند ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اشرافِ نفس کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تُو اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ یہ شخص مجھے کچھ دے گا، فلاں شخص مجھے کچھ بھیجے گا۔ (ترغیب)

اِشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں۔ اِشرافِ نفس یہ ہے کہ نفس اس کو جھانک رہا ہو اُس کی تاک میں لگا ہوا ہو، جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے کچھ عطا کرے گا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء اس کو حرص و طمع سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی نفس کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے مل جائے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اشرافِ نفس کے معنی بعض نے شدّتِ حرص کے فرمائے ہیں اور بعض عُلماء نے کہا ہے کہ اشرافِ نفس یہ ہے کہ دینے والا گرانی کے ساتھ عطا کرے۔

امام غزالیؒ اس چیز کے قبول کرنے کے آداب میں جو بے طلب کہیں سے آئے لکھتے ہیں

کہ اس میں تین چیزیں قابلِ غور و فکر ہوتی ہیں۔ ایک تو مال۔ دوسرے دینے والے کی غرض، تیسرے لینے والے کی غرض۔ یعنی اوّل تو مال کو دیکھنا ہے کہ وہ کیسا ہے۔ اگر حرام مال ہے یا مُشتبہ ہے تو اس سے احتراز ضروری ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دینے والے کی غرض کو دیکھنا ہے کہ وہ کس نیت سے دیتا ہے۔ یعنی ہدیہ کی نیت سے دے رہا ہے جس سے دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی محبّت کا بڑھانا مقصود ہو، یا صدقہ کی نیت سے دے رہا ہے، یا اپنی شہرت اور نمود کی غرض سے دے رہا ہے (یا کسی اور فاسد غرض سے دے رہا ہے جس کا بیان دوسری حدیث میں آرہا ہے) پس اگر محض ہدیہ ہے تو اس کا قبول کرنا سُنّت ہے (بہت سی احادیث میں ہدیہ کے دینے کی اور قبول کرنے کی ترغیبات آئی ہیں) بشرطیکہ اس میں لینے والے پر منّت (احسان اور بوجھ) نہ ہو۔ اگر منّت ہو تو رَدّ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر ہدیہ کی مقدار زیادہ ہونے پر منّت ہو تو اس میں سے کچھ مقدار لے لینے میں اور کچھ مقدار واپس کر دینے میں مضائقہ نہیں۔

حُضورؐ کی خدمت میں ایک شخص نے گھی اور پنیر اور ایک مینڈھا پیش کیا۔ حُضورؐ نے گھی اور پنیر قبول فرمالیا، مینڈھا واپس کر دیا۔ اور حُضورؐ کی یہ عادتِ شریفہ بھی تھی کہ بعض کا ہدیہ قبول فرمالیتے اور بعض کا رَدّ فرما دیتے۔ ایک مرتبہ حُضورؐ نے ارشاد فرمایا میرا یہ ارادہ ہے کہ کسی شخص کا ہدیہ قبول نہ کروں بجز اُن لوگوں کے جو قریشی ہوں یا انصاری یا ثقفی یا دَوسی (اور اس ارشاد کا مَبنیٰ یہ تھا کہ ایک اعرابی نے حُضورؐ کی خدمت میں ایک اونٹنی پیش کی۔ حُضورؐ کی عادت شریفہ چونکہ ہدیہ کا بدلہ مرحمت فرمانے کی تھی اس لئے اس کے بدلہ میں حُضورؐ نے چھ اونٹ اس کو دیئے جو اُس نے کم سمجھے کہ وہ اُن سے بھی زائد کا اُمیدوار تھا۔ اور اس پر اُس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ جب حُضورؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حُضورؐ نے وعظ میں اس واقعہ کو ذکر فرما کر اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا۔ اور جن لوگوں کو مُستثنیٰ کیا اُن کے اِخلاص پر حُضورؐ کو اعتماد تھا۔ (بذل)

اور حضرات تابعینؒ کا بھی یہ معمول کثرت سے نقل کیا گیا کہ بعض ہدیہ قبول فرمالیتے بعض کو رَدّ فرما دیتے۔

فتح بن شخرفؒ موصلی کی خدمت میں کسی نے ایک تھیلی پچاس درہم کی پیش کی۔ انہوں نے فرمایا۔ مجھے حضورؐ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ جس شخص کے پاس بلا طلب کوئی رزق آئے، اور وہ اس کو واپس کر دے تو وہ اللہ کی روزی کو واپس کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ تھیلی لی اور اس میں سے ایک درہم قبول کر کے باقی کو واپس کر دیا۔

حسن بصریؒ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے پاس ایک شخص دراہم کی تھیلی اور ایک گٹھڑی خراسان کے باریک کپڑوں کی لایا۔ انہوں نے اس کو واپس فرما دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص اس مرتبہ پر بیٹھے جہاں میں بیٹھا ہوں (یعنی وعظ ونصیحت، رُشد وہدایت کے مرتبہ پر) پھر لوگوں سے اس قسم کی چیزیں قبول کرے، وُہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسے حال میں ملے گا کہ اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا (یعنی آخرت میں کچھ نہ ملے گا) اس لئے کہ اس میں شائبہ دینی کام میں بدلہ لینے کا ہے۔

حضرت عُبادہؓ فرماتے ہیں کہ میں اصحابِ صُفّہ کو قرآن شریف پڑھایا کرتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے ایک کمان ہدیہ میں دی۔ میں نے یہ سوچا کہ یہ کچھ ایسا مال بھی نہیں ہے اور اللہ کے راستہ جہاد میں اس سے کام لوں گا۔ پھر بھی مجھے خیال آیا کہ حضورؐ سے دریافت تو کر لوں۔ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ آگ کا ایک طوق تمہارے گلے میں ڈال دیا جائے تو لے لو۔ (ابوداؤد)

حسن بصریؒ کے اس عمل (اور حضورؐ کے ارشاد) سے معلوم ہوا کہ قبولِ ہدیہ کے معاملہ میں عالم اور واعظ کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔ اس کے باوجود حسن بصریؒ (اپنے مخصوص) احباب سے ہدیہ قبول کرتے تھے (جہاں معاوضہ کا شُبہ نہ ہوتا تھا) اور ابراہیم تیمیؒ اپنے احباب سے ایک ایک دو دو درہم لے لیتے تھے۔ اور بعض لوگ سینکڑوں پیش کرتے تھے اس کو قبول نہ کرتے تھے اور بعض حضرات کا یہ معمول تھا کہ جب اُن کو کوئی ہدیہ دیتا تو وہ فرماتے کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو اور مجھے غور کر کے یہ بتاؤ کہ اگر اس کے قبول کرنے سے میری وقعت (محبت) تمہارے دل میں اس سے زیادہ بڑھ جائے جتنی قبول کرنے سے پہلے ہے، تب تو مجھے خبر دینا، میں لے لوں گا۔ ورنہ نہیں۔ امام غزالیؒ

کہتے ہیں کہ اس کی علامت یہ ہے کہ رَدّ کرنے سے دینے والے کی دل شکنی ہو اور قبول کرنے سے اس کو مسرّت ہو، اور اس کا قبول کرلینا وہ اپنے اُوپر احسان سمجھتا ہو۔

بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ کے سوا کبھی کسی سے سوال نہیں کیا۔ اُن سے البتہ اس لئے سُوال کرتا ہوں کہ مجھے اُن کے زہد کا حال معلوم ہے۔ مجھے یہ بات محقق ہے کہ اُن کی ملک سے کسی چیز کا نکل جانا اُن کی مسرّت کا سبب ہوتا ہے۔ اور اُن کے پاس رہنا گرانی کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے میں اُن سے لے کر اُن کی خوشی میں مدد کرتا ہوں۔

ایک شخص خُراسان کے رہنے والے حضرت جُنید بغدادیؒ کے پاس بہت سا مال ہدیہ میں لائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا، میں اس کو فقرا پر تقسیم کردوں گا۔ اُس نے عرض کیا، میں اس لئے نہیں پیش کرتا۔ میرا دِل چاہتا ہے کہ اس کو آپ خود اپنے کھانے میں خرچ کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس کے ختم ہونے تک کہاں زندہ رہوں گا (بہت بڑی مقدار ہے اس کے ختم ہونے کے واسطے زمانہ چاہیئے) اُس نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اس کو سرکہ اور سبزی میں خرچ کریں (کہ برسوں میں ختم ہو) میرا دل چاہتا ہے کہ اس سے آپ حلوہ وغیرہ اچھی چیزیں نوش فرماویں۔ حضرت نے قبول فرمالیا۔ خُراسانی نے عرض کیا کہ بغداد میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کا احسان مجھ پر آپ سے زیادہ ہو۔ (اس وجہ سے کہ آپ نے میری درخواست پر میرا ہدیہ قبول فرمالیا) حضرت نے فرمایا کہ تیرے جیسے شخص کا ہدیہ ضرور قبول کرنا چاہیئے۔ (یہ ساری بحث ہدیہ کی تھی)

دوسری قسم صدقات اور زکوٰۃ ہے۔ پس اگر وہ زکوٰۃ ہے تو لینے والے کو چاہیئے کہ وہ یہ دیکھے کہ زکوٰۃ کا مُستحق ہے یا نہیں۔ اگر مُستحق ہے تو لے لے (زکوٰۃ کی فصل کے ختم پر اس کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے) اور اگر بغیر زکوٰۃ کا صدقہ ہے تو لینے والے کو یہ غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیوں دے رہا ہے۔ اگر وہ اس کی دین داری کی وجہ سے دے رہا ہے تو اپنے حال پر نظر کرنا چاہیئے کہ وہ در پردہ کسی ایسے گناہ کا مُرتکب تو نہیں ہے کہ اگر دینے والے کو اس گناہ کا علم ہو جائے، تو کبھی بھی نہ دے اور اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہو جائے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا لینا ناجائز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص کو عالم سمجھ کر کوئی

شخص دے اور وہ محض جاہل ہو۔ یا سید سمجھ کر کوئی شخص دے اور وہ سید نہ ہو، تو اُن کو اس کا لینا بالکل جائز نہیں، بے تردد حرام ہے۔

اور اگر دینے والے کی غرض فخر و ریا اور شہرت ہے، تو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ معصیت ہے، اور لینے والا گناہ میں مددگار ہوگا (حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایسے لوگوں کا کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے جو تفاخر کے لئے کھلاتے ہوں)۔ (ترغیب)

حضرت سُفیان ثوریؒ بعض ہدایا کو یہ کہہ کر واپس کر دیتے تھے کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ دینے والا فخر کے طور پر اس کو ذکر نہیں کرے گا تو میں لے لوں۔ بعض بزرگوں پر جب اُن کے ہدایا واپس کرنے پر اعتراض کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ دینے والوں پر ترس کھا کر واپس کر دیتا ہوں کہ وہ اس کا لوگوں سے تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کا ثواب جاتا رہتا ہے تو بغیر ثواب کے اُن کا مال کیوں ضائع ہو۔

تیسری چیز لینے والے کی غرض ہے۔ اگر وہ محتاج ہے اور مال اُن آفات سے محفوظ ہے جو پہلے دو نمبروں میں گذریں تو اس کا لینا افضل ہے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لینے والا اگر محتاج ہے تو وہ صدقہ کے لینے میں ثواب کے اعتبار سے دینے والے سے کم نہیں ہے۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ کوئی مال بغیر مانگے اور بغیر اِشرافِ نفس کے دے تو وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اُس نے عطا فرمایا۔

اس مضمون کی مُتعدد روایات ابھی گذر چکی ہیں علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص بغیر مانگے ملنے پر نہ لے، اُس کو مانگنے پر بھی نہیں ملتا۔

حضرت سَرِی سَقطیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے واپس کر دیا۔ تو حضرت سریؒ نے فرمایا کہ احمد! واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا، ایک مرتبہ پھر اس بات کو فرما دیں (تاکہ میں اس پر غور کر دوں) حضرت سریؒ نے پھر یہی بات فرمائی کہ واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا۔ میں نے اس لئے

واپس کیا کہ میرے پاس ایک مہینہ کے گذر کے قابل موجود ہے۔ آپ اس کو اپنے پاس رہنے دیجئے، ایک مہینہ کے بعد مجھے مرحمت فرمادیں۔

بعض عُلماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص احتیاج کے باوجود واپس کر دے وہ کسی سزا میں مُبتلا ہوتا ہے۔ طمع پیدا ہوجائے یا مُشتبہ مال لینا پڑجائے، یا کوئی اور آفت ایسی ہی آجائے۔ اور اگر اس کو احتیاج نہیں ہے تو پھر یہ دیکھے کہ وہ انفرادی زندگی گذارتا ہے یا اجتماعی۔ یعنی اگر وہ یکسو رہتا ہے، دُوسرے لوگوں سے اسکے تعلقات نہیں ہیں، تو ایسے آدمی کو ضرورت سے زیادہ لے کر اپنے پاس روکنا نہیں چاہیئے کہ یہ محض اتباعِ خواہش ہے، اور اس کو فتنہ میں مُبتلا کر دینے کا سبب ہے۔ اگر کسی وجہ سے لے تو اُس کو دوسروں پر تقسیم کر دے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت سرّیؒ کی عطا اس وجہ سے قبول نہیں کی کہ ان کو خود تو حاجت نہ تھی اور یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کو لے کر اس کی تقسیم اور خرچ کرنے میں اپنے اوقات کو مشغول کریں۔ اس لئے کہ اس میں بہت سی آفات اور بہت سی دِقتیں تھیں۔ اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آفات کے محل سے دُور رہے۔ اس لئے کہ شیطان کے مکر سے کسی وقت میں اطمینان نہیں۔

ایک شخص مکّہ کے رہنے والے کہتے ہیں کہ میرے پاس کچھ دراہم تھے۔ جن کو میں نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے رکھا تھا۔ میں نے ایک فقیر کی آواز سُنی جو طواف سے فارغ ہو کر بہت آہستہ سے (کعبہ کا پردہ پکڑ کر) کہہ رہے تھے، اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں بھُوکا ہوں۔ اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں ننگا ہوں۔ اے وہ ذات پاک جو دوسروں کو دیکھتی ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔ میں نے جو اُن فقیر صاحب کی طرف نگاہ کی تو اُن کے بدن پر دو پرانی چادریں تھیں جن سے اُن کا بدن ڈھکا بھی نہ جاتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میرے دراہم کا مصرف ان سے بہتر نہیں ملے گا میں نے وہ سب اُن کے سامنے پیش کر دیئے۔ انہوں نے ان میں سے صرف پانچ درہم لے کر باقی مجھے واپس کر دیئے۔ اور یہ کہا کہ چار درہم دو لنگیوں کی قیمت ہے اور ایک درہم تین دن

کھانے میں خرچ ہو جائے گا (ایک درم عـــہ تقریباً ۳۰ر کا ہوتا ہے) میں نے دوسری رات کو اُنکو دیکھا کہ دو سُتی لُنگیاں اُن کے بدن پر تھیں۔ میرے دل میں اُن کی طرف سے کچھ خطرہ گذرا۔ اُنہوں نے مجھے دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ طواف کرایا، تو طواف کے ساتوں چکروں کے ہر پھیرے میں میرے پاؤں کے نیچے معدنیات بھرے پڑے تھے۔ کہ پاؤں کے نیچے وہ حرکت کرتے تھے، جس میں سونا چاندی، یاقوت، موتی اور جواہرات تھے، مجھے وہ نظر آرہے تھے اور لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے بعد ان صاحب نے کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرما رکھا ہے لیکن میں اس میں سے لینا نہیں چاہتا۔ لوگوں کے ہاتھ سے لے کر خرچ کرتا ہوں، اس لئے کہ اس میں ان لوگوں کا نفع ہے جن سے لوں اور اُن پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

غرض ان واقعات سے یہ ہے کہ ضرورت سے زائد لینا فتنہ کا سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِمتحان ہے کہ اس کو کس کام میں خرچ کیا، اور بقدر حاجت کا لینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس آدمی کو رحمت اور امتحان میں فرق کرنا چاہیئے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا۔ الآیة (کہف۔ ع ۱) "ہم نے جو کچھ زمین کے اُوپر ہے اُس کو زمین کے لئے زینت بنا رکھا ہے، تاکہ ان لوگوں کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ ان میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرتا ہے" (اور کون نہیں کرتا یعنی کون شخص اس زیب و زینت میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور کون اس سے اِعراض کر کے خدا میں مشغول رہتا ہے) اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے تین چیز کے عِلاوہ کوئی حق نہیں۔ ایک اتنی مقدار کھانا جس سے کمر سیدھی رہے۔ ایک اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھکا رہے۔ اور ایک گھر جس میں آدمی سما سکے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ حساب ہے۔ پس ان تینوں چیزوں میں سے صرف ضرورت کی مقدار تو باعث اجر ہے۔ اس سے زیادہ میں اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی نہ کرے تب بھی حساب تو ہے ہی، اور اگر نافرمانی بھی کی تو عذاب بھی

عـــہ درم چاندی کے ایک سکّے کا نام ہے جس کا وزن تقریباً ۳۰ ماشہ ہے۔

ہے۔ پس ضرورت سے زائد اگر کچھ ہو بھی تو وہ محتاجوں پر صرف کر دے۔

یہ سب تو انفرادی زندگی کا حال تھا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اسکی اجتماعی زندگی ہے اسکی طبیعت میں جود و سخا کا مادہ ہے۔ فقراء اور صلحاء کی جماعت اُس سے وابستہ ہے۔ ان کی ضروریات بھی پوری کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے شخص کو اپنی حاجت سے زائد لینے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن لینے کے بعد بہت جلد اس کو خرچ کر دینا چاہیے اہلِ ضرورت پر بانٹ دینا چاہیئے۔ ایک رات بھی اس کو اپنے پاس رکھنا فتنہ کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل میں اس کا خیال پیدا ہونے لگے۔ خرچ کرنے سے طبیعت رُکنے لگے۔ بلکہ ایسے شخص کو اللہ پر اعتماد کر کے قرض لے کر خرچ کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں حق تعالیٰ شانہٗ اُس کا قرض ادا فرمائیں گے۔ (احیاء)

(۵) عَنْ اَنَسٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْ حَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَا يَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے پھر وہ قرض دار اس کو کوئی ہدیہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ ہدیہ قبول کرے، نہ اس کی سواری پر سوار ہو البتہ اگر اس قرض کے معاملہ سے پہلے اس قسم کا برتاؤ دونوں میں تھا تو مضائقہ نہیں۔

(رواه ابن ماجة والبيهقى فى الشعب كذا فى المشكوٰة)

ف : یعنی اگر اس سے پہلے سے آپس میں اس قسم کے تعلقات ہدیہ وغیرہ کے یا اُس کی چیز مستعار لینے کے تھے، تب تو قرض کی حالت میں بھی اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر پہلے سے ایسے تعلقات نہ تھے بلکہ اب قرض دار ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے تو وہ سُود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت ابُو بُردہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ کے رہنے والے ہو۔ جہاں سُود کا بہت رواج

ہے۔ پس اگر تمہارا کسی شخص کے ذمہ کوئی حق ہو، پھر وہ تمہارے یہاں بُھس کی گٹھڑی یا گھاس کی گٹھڑی ڈال دے تو اس کو مت لینا، وہ سُود ہے۔ (مشکوٰۃ)

پس ہدیہ قبول کرنے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ دینے والے کی کوئی فاسد غرض تو نہیں ہے۔ جیسا کہ قرض ہی کی صورت میں علاوہ سُود ہونے کے اگر یہ بھی غرض ہے کہ قرض خواہ تقاضا نہ کرے۔ تو یہ سُود کے ساتھ رشوت بھی ہے۔ حُضُورِ اَقدَس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے بہت سی احادیث میں رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر، دونوں پر لعنت آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عُمرؓ فرماتے ہیں کہ حُضُورِ اَقدَس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر لعنت کی ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس قوم میں سُود کا رواج ہوگا، اُن پر قحط مُسلّط ہوگا اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا وہ مَرعُوب اور خوف زدہ ہوں گے متعدد احادیث میں ہے کہ حُضُورؐ نے رشوت لینے والے کو، رشوت دینے والے کو اور اس شخص کو جو رشوت کے معاملہ میں درمیانی واسطہ بنے، لعنت فرمائی ہے۔ (ترغیب)

حُضُورِ اَقدَس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک صاحب کو صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ وہ جب اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس آئے تو حُضُورؐ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یہ مال تو صدقہ میں ملا ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ کے طور پر دیا ہے۔ حضورؐ نے وعظ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ بعض لوگوں کو صدقہ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ آکر یہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اپنے باپ کے گھر یا اپنی میاں کے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ (مشکوٰۃ)

جیسا کہ پہلی احادیث میں قرض کی صورت میں حُضُورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بلا معاملہ قرض کے یہ صورت ہدیہ کی پہلے سے ہو تو مضائقہ نہیں اسی کی طرف اس عتاب میں بھی

اشارہ ہے کہ بغیر حاکم ہونے کی صورت میں اپنے گھر بیٹھے جس شخص کو ہدیہ ملتا ہو وہ تو ہدیہ ہے لیکن جو ہدیہ محض حاکم ہونے کی وجہ سے دیا جاتا ہو، وہ ہدیہ نہیں ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے اور اس سفارش کی وجہ سے اُس کو ہدیہ میں کوئی چیز ملے اور وہ اس کو قبول کرے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بہت بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا جو مجھے راستہ سے واپس بُلا کر لایا۔ حضورؐ نے فرمایا. تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیوں بُلایا ہے، کوئی چیز میری بغیر اجازت نہ لینا کہ یہ خیانت ہوگی، وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران ع ۱۷) "اور جو شخص خیانت کریگا وہ اس کو قیامت میں (اپنے اوپر لاد کر عدالت میں) لائے گا۔" (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رفاعہؓ نے ایک غلام حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ وہ حضورؐ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گئے۔ وہ ایک موقعہ پر حضورؐ کے اونٹ پر سامان باندھ رہے تھے کہ ایک تیر کہیں سے آکر اُن کے لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو شہادت مبارک مبارک (کہ حضورؐ کے غلام اور پھر اضافہ شہادت کا مبارکبادی کی بات ہے ہی) حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ایک چادر کی خیانت کر لی تھی، جو اس وقت آگ بن کر اس کو لپٹ رہی ہے۔

حضرت زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ حُنین کی لڑائی میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا جب جنازہ تیار ہوا تو حضورؐ کی خدمت میں نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ حضورؐ نے فرما دیا کہ تم ہی اس کی نماز پڑھ لو۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کے (رنج کی وجہ سے) چہرے اُتر گئے۔ حضورؐ نے (جب اُن کو افسردہ دیکھا تو) فرمایا کہ اس نے خیانت کر رکھی ہے۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس مرحوم کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہود کے موتیوں میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے موتی (جن کو پوتھ کہتے ہیں) ملے۔ جو دو درہم (یعنی تقریباً سات آنے) کے بھی نہ ہوں گے۔ (درمنثور)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود طیب ہیں۔ اس لئے طیب ہی مال قبول فرماتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو اُسی چیز کا حکم فرمایا، جس کا رسولوں کو حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے یَاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط (مومنون۔ ع ۴) "اے رسولو! کھاؤ اچھی چیزیں (یعنی حلال مال) اور نیک عمل کرو"۔ اور مومنوں کو فرمایا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (بقرہ۔ ع ۲۱) "اے مومنو! کھاؤ طیب چیزیں ان میں سے جو ہم نے تم کو دیں"۔ پھر حضورؐ نے ذکر فرمایا۔ ایک آدمی کا کہ لمبے سفر میں جا رہا ہے (جو دعا قبول ہونے کا خاص محل ہے) پریشان بال، غبار میں بھرا ہوا (جس سے اس کی مسکنت بھی معلوم ہوتی ہے) پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر اے اللہ، اے اللہ (کرکے دعائیں) کرتا ہے، لیکن اس کا کھانا حرام (مال سے) ہے۔ پینا حرام ہے، لباس حرام ہے، اور حرام مال ہی سے پرورش ہوئی ہے بھلا اس کی دُعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی کو یہ بھی پرواہ نہ ہوگی کہ حلال مال سے ملا یا حرام مال سے۔ (مشکوٰۃ)

ان کے علاوہ بہت سے مختلف مضامین کی روایات کتبِ احادیث میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، جن میں بہت زیادہ تنبیہ اس پر کی گئی ہے کہ آدمی کو آمدنی کے ذرائع پر کڑی نگاہ کرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ پیسے کے لالچ میں ناجائز آمدنی سے چشم پوشی کرلے۔ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی ذمہ داری عام لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے کہ وہ جائز ناجائز کو خود سمجھتے ہیں۔ بالخصوص اہلِ مدارس اور دوسرے ایسے حضرات جن کا تعلق چندہ کے مال سے ہے۔ اُن کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے حضرت بقیۃ السلف فخر الاماثل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ان مدارس کے روپے سے جتنا ڈرتا ہوں، لوگوں کے مملوک روپے سے اتنا نہیں ڈرتا۔ اگر کسی کے ذاتی مال میں کچھ بے احتیاطی ہو جائے اُس سے آخر میں معاف کرائے تو وہ معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن مدارس کا روپیہ دنیا بھر کا چندہ

ہے اور منتظمین مدارس امین ہیں۔ اگر اس میں کوئی خیانت ہو یا ناحق تصرف ہو تو وہ منتظمین کے معاف کرنے سے معاف تو ہوتا نہیں، البتہ وہ خود معاف کرکے اس جرم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے حقوق العباد کے معاملہ سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں قیامت کے دن تین کچہریاں ہیں۔ ایک کچہری میں تو معافی کا ذکر ہی نہیں، یہ تو شرک و توحید کی کچہری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرما دیا، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الآیۃ (نساء۔ ع ۱۸) "حق تعالیٰ شانہٗ شرک کو تو معاف نہیں فرمائیں گے اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے"۔ دوسری کچہری میں (بغیر محاسبہ کے) اللہ تعالیٰ نہ چھوڑیگا یہاں تک کہ اس کا بدلہ نہ لے لے، اور یہ لوگوں کے ایک دوسرے پر ظلم کی ہے (چاہے جانی ہو جیسا کہ بُرا بھلا کہنا، آبروریزی کرنا، عیب لگانا وغیرہ وغیرہ۔ یا مالی ہو کہ کسی کا مال ناحق طریقہ سے لے لیا ہو) اور تیسری کچہری اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے۔ اس میں چاہے عذاب دیدے چاہے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث کے ذکر کرنے سے یہی مقصد ہے کہ آدمی کو اپنی آمدنی کے ذرائع پر بہت گہری نگاہ رکھنا چاہیئے کہ آمدنی اگر حرام ہو تو نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ ابھی گذرا، نہ اس کے صدقات قبول ہوں جیسا کہ زکوٰۃ کے بیان میں متعدد روایات اس کی گذر چکی ہیں، بلکہ بعض روایات میں یہ مضمون بھی گذر چکا ہے کہ جو گوشت حرام مال سے پیدا ہوا جہنم کی آگ اس کے لئے زیادہ موزوں ہے، اور آئندہ حدیث کے ذیل میں بھی اس قسم کے مضامین آرہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی یُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ	حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے دونوں قدم اس وقت تک (محاسبہ کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکتے جبتک پانچ چیزوں کا مطالبہ نہ ہو جائے (اور

عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔

ان کا معقول جواب نہ ملے) اپنی عمر کس کام میں خرچ کی اپنی جوانی کس چیز میں خرچ کی مال کہاں سے کمایا؛ اور کہاں خرچ کیا، اپنے علم پر کیا عمل کیا۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث غریب کذا فی المشکوٰۃ ص۴۳۵ وقد روی ھذا الحدیث عن معاذ بن جبل وابی برزۃ الاسلمی فی الترغیب)

ف: یہ حدیث پاک کئی صحابہؓ سے نقل کی گئی ہے۔ اس میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مختصر طریقہ سے قیامت کے محاسبوں کی فہرست شمار کردی اور ان میں سے ہر ہر چیز کے متعلق دوسری احادیث میں مختلف عنوانات سے اُن پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

سب سے اوّل مطالبہ اور جواب طلب چیز یہ ہے کہ اپنی عمر جس کا ہر سانس انتہائی قیمتی سرمایہ ہے، کس چیز میں خرچ کی؟ ہم لوگ کیوں پیدا کئے گئے۔ ہماری زندگی کس مصلحت کے لئے ہے۔ کسی کام کے لئے ہے یا ایک بیکار پیدا کی گئی؟ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ط (مؤمنون۔ ع ۶)

"ہاں تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی بیکار (فضول) پیدا کیا ہے اور تم (نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ تم) ہماری طرف نہیں لائے جاؤ گے (اور تمہیں اپنی زندگی کا حساب دینا نہیں ہوگا)۔

اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مقصدِ زندگی بھی خود ہی ارشاد فرما دیا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات۔ ع ۳) ؎ میں نے جِنّ و اِنس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ایسی حالت میں

؎ اس آیت شریفہ کے متعلق ایک عجیب چیز حدیث میں آئی ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم کو حضور ؐ نے ایک لڑائی پر بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا کہ صبح شام اس آیت شریفہ کو پڑھتے رہا کرو۔ ہم پڑھتے رہے۔ ہم کو اس لڑائی میں غنیمت بھی ملی اور ہم صحیح سالم بھی رہے۔ (درِّ منثور)

ہر شخص کو اپنی زندگی کے پورے اوقات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات کا کس قدر حصہ تو اس مقصد میں خرچ کرتا ہے جس کام کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اور کتنا حصہ اپنی ضروریات، تفریحات اور غیر متعلق مشاغل میں خرچ کرتا ہے۔

آپ ایک معمار کو تعمیر کے کام کے واسطے نوکر رکھتے ہیں، وہ آپ کے اوقات میں کتنا وقت تعمیر میں خرچ کرتا ہے اور کتنا حقہ بازی اور اپنے کھانے میں۔ اس کا آپ خود اندازہ کرلیں کہ کتنا وقت آپ اس کی اپنی ضروریات میں برداشت کرسکتے ہیں، اور جتنا آپ اپنے ماتحتوں سے تسامح کرسکتے ہیں اتنا ہی تسامح اپنی ذات کیلئے بھی برداشت کریں۔

آپ ایک شخص کو دکان پر رہنے کے لئے ملازم رکھتے ہیں۔ اسی کی اس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ وہ دن بھر اپنی خانگی ضروریات میں لگا رہتا ہے۔ چند منٹ کو ایک پھیرا دکان پر بھی لگا جاتا ہے۔ کیا آپ گوارا کرلیں گے کہ اس کو پوری تنخواہ دیتے رہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر اپنے متعلق آپ کا کیا عذر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے محض عبادت کے لئے پیدا کیا، اور وہ مالک وخالق ہر وقت آپ کو اپنی عطاؤں سے نوازتا ہے، اور آپ اپنے فضول کاموں میں عمر گذار دیں، اور اپنے آپ کو تسلی دیتے رہیں کہ پانچ وقت نماز میں حاضری تو دے دیتے ہیں، اور کیا ہوسکتا ہے۔ غور کرلیجئے کہ یہ جواب آپ اپنے نوکروں سے بھی برداشت کرلیں گے؟

حق تعالیٰ شانہٗ کا محض انعام و احسان ہے کہ اُس نے تمام اوقات کی عبادت فرض نہیں فرمائی بلکہ اس کا بہت تھوڑا سا حصہ فرض کیا ہے، اسمیں بھی اگر کوتاہی ہو تو کتنا ظلم ہے۔

مُطالبہ کی دوسری چیز حدیث بالا میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جوانی کی قوت کس چیز میں خرچ کی گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے کاموں میں؟ اس کی عبادت میں؟ مظلوموں کی حمایت میں؟ ضعیفوں اور اپاہجوں کی اعانت میں؟ یا فسق و فجور میں، عیاشی اور آوارگی میں؟ بے بسوں پر ظلم کرنے میں؟ ناحق کی مدد کرنے میں؟ ناپاک دنیا کے کمانے میں اور دین و دُنیا دونوں جگہ کام نہ آنے والے فضول مشغلوں میں؟

اس کا جواب ایسی عدالت میں دینا ہے جہاں نہ تو کوئی وکالت چل سکتی ہے،

نہ جھوٹ، فریب اور لسانی کام آسکتی ہے۔ جہاں کی خفیہ پولیس ہر وقت ہر آن آدمی کے ساتھ رہتی ہے، اور یہی نہیں بلکہ خود آدمی کے وہ اعضاء جن سے یہ حرکات کی ہیں، وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور جرائم کا اقرار کریں گے۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (یٰس-ع ۴) "آج (یعنی قیامت کے دن) ہم اُن کے مونہوں پر مُہر لگا دیں گے (تاکہ لغو اعذار نہ گھڑیں) اور اُن کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے اس چیز کی جو کچھ یہ کیا کرتے تھے۔"

یعنی ہاتھ خود بول اُٹھے گا کہ مجھ سے کس کس پر ظلم کیا گیا۔ کیا کیا ناجائز حرکات مجھ سے صادر کرائی گئیں۔ پاؤں خود گواہی دے گا کہ مجھے کیسی کیسی ناجائز مجلسوں میں لے جایا گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ الآیۃ (حٰم سجدہ ع ۳) "اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے پھر اُن کو (ایک جگہ چلتے چلتے) روک دیا جائے گا (تاکہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں) یہاں تک کہ جب سب دوزخ کے قریب آجائیں گے (اور حساب شروع ہوگا) تو اُنکے کان اور آنکھیں اور کھال اُن کے اوپر اُن کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ لوگ اپنے ان اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ اعضاء کہیں گے ہم کو اُس (قادر) نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی۔ اور اُسی نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا اور اُسی کے پاس اب (دوبارہ زندہ کر کے) لائے گئے ہو (آگے حق تعالیٰ شانہٗ تنبیہ فرماتے ہیں) اور تم اس بات سے تو اپنے کو چھپا ہی نہ سکتے تھے، کہ تم پر تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گے (اور ظاہر ہے کہ آدمی جو جو حرکتیں کرتا ہے اُس کے آنکھ کان وغیرہ تو اس کو دیکھتے ہی ہیں، ان سے کیسے چھپا کر کوئی شخص کوئی کام کر سکتا ہے) لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں (جو چاہو کر گذرو، کون پوچھ سکتا ہے) اور تمہارے اس گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کر رکھا تھا (کہ اس کو خبر بھی نہیں ہے) تم کو برباد کر دیا

پس تم خسارہ میں پڑگئے "

اَحادیث میں بہت سی روایات ان گواہیوں کے بارہ میں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھے حضورؐ نے تبسّم فرمایا جس سے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ صحابہؓ نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بندہ اپنے مولا سے قیامت کے دن یوں کہے گا کہ یا اللہ تُونے مجھ پر ظلم سے تو امان دے رکھی ہے۔ ارشاد ہوگا کہ بالکل۔ تو بندہ کہے گا یا اللہ میں اپنے خلاف کسی دوسرے کی گواہی معتبر نہیں مانتا۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا ہم تجھی کو تیرے نفس پر گواہ بناتے ہیں۔ اس کے مُنہ پر مُہر لگا دی جائے گی اور اُس کے بدن کے اعضاء سے پوچھا جائے گا، اور جب وہ اپنے سب اعمال گنوا دیں گے، تو مُنہ کی مُہر ہٹا دی جائے گی۔ تو وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کمبختو تمہارا ناس ہو، تمہارے ہی لئے تو مَیں یہ چیزیں کرتا تھا۔ (یعنی ان حرکتوں کی لذتیں تم کو ہی تو ملتی تھیں، تم ہی اپنے خلاف گواہی دینے لگے۔ مگر اعضاء بھی مجبور ہیں کہ اُس دن کوئی چیز خلاف حق بات نہ کہہ سکے گی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آدمی کے اعضاء میں سب سے پہلے بائیں ران بولے گی کہ اس سے کیا کیا حرکتیں ہوئیں، اور اس کے بعد دوسرے اعضاء بولیں گے۔ غرض ہر عضو اپنے کئے ہوئے نیک اور بد اعمال گنوا دے گا۔ اِسی وجہ سے ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وغیرہ کو انگلیوں پر گنا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن اِن اعضاء کو گویائی عطا ہوگی اور اُن سے باز پُرس ہوگی۔

یعنی جہاں یہ اعضاء اپنے گناہ گنوائیں گے وہاں بہت سے نیک کام بھی تو گنوائیں گے۔ جہاں ہاتھ بُری حرکات ظلم وستم اور ناجائز افعال بتائے گا وہاں اللہ کا پاک نام اس سے گِننا، صدقات کا دینا، نیک اعمال میں ہاتھوں کا مشغول رکھنا بھی تو بتائیں گے۔

غرض یہ مضمون اپنی تفصیل کے اعتبار سے بہت طویل ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ اِن اعضاء کو جوانی کے زور میں ظلم وستم اور ناجائز حرکات سے بچانے کی بہت ضرورت ہے حضورؐ کا ارشاد ہے اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ وَالنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّيْطَانِ۔ؔ

——— "جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے اور عورتیں شیطان کا جال ہیں"۔ یعنی آدمی اپنے جنون کی وجہ سے اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ ہر جمعہ کو خطبہ میں یہ الفاظ سُنے جاتے ہیں۔ اس وقت جوانی کے نشہ میں ذرا بھی اس کا خیال ہم لوگوں کو نہیں ہوتا کہ اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ ہم اس کی قوت کو گناہوں میں اور دُنیا کمانے میں ضائع کر رہے ہیں۔ حالانکہ جوانی اس لئے ہے کہ اس کی قوت کو ایسے کام میں خرچ کیا جائے جو مرنے کے بعد کام آئے۔ خوش قسمت ہیں وہ نوجوان جو اللہ کے کام میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں اور گناہوں سے دُور رہتے ہیں۔

تیسری چیز جو حدیث بالا میں ذکر کی گئی۔ جس کے جواب بغیر قیامت میں حساب کی جگہ سے ہلنا نہ ہو سکے گا۔ وہ یہ ہے کہ مال جو حاصل کیا، کس ذریعہ سے کیا، جائز تھا یا ناجائز تھا۔ اس سے پہلی حدیث میں کچھ ذکر اس کا آچکا ہے حضور کا ارشاد ہے کہ آدمی ناجائز طریقے جو مال حاصل کرتا ہے اگر اس میں سے صدقہ کرے تو قبول نہ ہوگا خرچ کرے تو برکت نہ ہوگی اور جو ترکہ چھوڑے گا وہ اس کے لئے جہنّم کا ذخیرہ ہوگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو گوشت (یعنی آدمی کے بدن کا ٹکڑا) حرام مال سے نشو و نما پائے، جہنّم اس کے لئے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی دس درم کا کپڑا خریدے اور اُن میں ایک درم ناجائز آمدنی کا ہو تو جب تک وہ کپڑا بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

حضور کا ارشاد متعدد احادیث میں آیا ہے کہ روزی کو دُور نہ سمجھو۔ کوئی آدمی اس وقت تک مر ہی نہیں سکتا جب تک کہ جو اُس کے مقدر میں روزی لکھ دی گئی ہے وہ اس کو نہ مل جائے۔ لہٰذا روزی کے حاصل کرنے میں بہتر طریقہ اختیار کرو۔ حلال روزی کماؤ۔ حرام کو چھوڑو۔

کئی حدیثوں میں ہے کہ رزق آدمی کو اسی طرح تلاش کرتا ہے جس طرح موت آدمی کو تلاش کرتی ہے۔ یعنی جس طرح آدمی کو اس کی موت آئے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح اس کو اس کی روزی جو اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے بغیر ملے چارۂ کار نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر آدمی اپنی روزی سے بھاگنا بھی چاہے، تو وہ اُس کو

پاکر رہے گی، جیسا کہ موت اس کو لامحالہ پاکر رہے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزی آدمی کے لئے متعین ہے، اگر ساری دنیا کے جنّ و انس مل کر اُس کو اس سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر تجھ میں چار چیزیں ہوں تو دنیا کی کسی چیز کے نہ ہونے کا قلق نہیں ہے۔ امانت کی حفاظت، بات میں سچائی، اچھی عادت، روزی میں پاکیزگی۔ ایک حدیث میں ہے، مبارک ہے وہ شخص جس کی کمائی اچھی ہو (یعنی پاکیزہ ہو) اس کا باطن نیک ہو، اس کا ظاہر شریفانہ ہو، لوگ اس کی برائی سے محفوظ ہوں، مبارک ہے وہ شخص جو اپنے علم پر عمل کرے اور ضرورت سے زائد مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کردے، اور ضرورت سے زائد بات کو روک لے یعنی بے ضرورت بات نہ کیا کرے۔

حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے اس بات کی دعاء کردیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے مُستَجَابُ الدَّعْوَات (جو دعاء کرے وہ قبول ہو جائے) بنا دے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنی روزی کو پاکیزہ بنالو (مُشتَبہ مال نہ کھاؤ) مُستَجَابُ الدُّعاء بن جاؤگے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی جان ہے کہ آدمی ایک حرام کا لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے جس سے اس کی چالیس دن کی عبادت نامقبول بن جاتی ہے، اور جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو جہنم اس کیلئے زیادہ مناسب ہے۔

اور بھی بہت سی روایات اسی مضمون کی احادیث میں آئی ہیں (ترغیب) اس لئے اپنی آمدنی کے ذرائع میں بڑی احتیاط کرنا چاہیئے۔ ظاہر کے اعتبار سے اگر اس احتیاط میں کوئی نقصان نظر میں آتا ہو تب بھی برکت اور مآل کے اعتبار سے وہ کمی بہت زیادہ فائدہ مند اور نقصان سے بچانے والی ہے۔

چوتھا مطالبہ حدیث بالا میں یہ ہے کہ مال کو کہاں خرچ کیا۔ یہ رسالہ سارا ہی اس مضمون میں ہے کہ آدمی کے مال میں اُس کے کام آنے والا صرف وہی ہے جس کو اللہ کے راستہ میں آدمی خرچ کردے۔ اس کے موجود رہنے میں اس کے علاوہ کہ وہ اپنے کام نہ آسکا۔ بے کار محض رہا۔ متعدد نقصانات بھی دوسری فصل کے ختم پر گذر چکے ہیں۔ اور جتنی زیادہ مال

کی کثرت ہوگی اتنا ہی زیادہ حساب میں دیر لگنا تو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ قیامت کا دن نہایت ترین ہوش رُبا دن جس میں گرمی کی شدت سے ہر شخص پسینہ پسینہ ہو رہا ہوگا، ہر شخص خوف کی شدت سے ایسا معلوم ہوگا جیسا کہ نشہ میں ہو مگر حقیقۃً نشہ نہ ہوگا۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ○ (حج-ع ۱)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ (جو عنقریب آنے والا ہے) بہت سخت چیز ہے جس دن تم اس کو دیکھو گے، تمام دودھ پلانے والی عورتیں (خوف کی وجہ سے) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور تمام حاملہ عورتیں (دہشت کی وجہ سے) اپنے حمل (وقت سے پہلے ہی ادھورے) گرا دیں گی اور تو لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا، اور حقیقۃً نشہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی سخت ہے (جس کے خوف سے اُن سب کی یہ حالت ہوگی)"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ○ (انبیاء-ع ۱)

"لوگوں کے حساب کا دن تو قریب آگیا (کہ قیامت تیزی سے قریب آ رہی ہے) اور یہ لوگ (ابھی تک) غفلت میں پڑے ہیں (اور اس کے لئے تیاری سے) روگرداں ہیں"۔

اس کے چند رکوع بعد ارشاد ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ○ (انبیاء-ع ۴)

"اور قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل (نیک یا بد) ہوگا تو ہم اس کو وہاں سامنے

لائیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے : لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ (رعد ع ۳)

"جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا (اور اس کے ارشادات کی تعمیل کی) اُن کے لئے اچھا بدلہ ہے (جو جنّت میں اُن کو ملے گا) اور جن لوگوں نے اُس کا کہنا نہ مانا اُن کے پاس (قیامت کے دن) اگر تمام دنیا کی ساری چیزیں موجود ہوں بلکہ اس کے ساتھ اسی کے برابر اور بھی ہوں (یعنی ساری دنیا کی تمام چیزوں سے دوگنی ہوں) تو وہ سب چیزیں اپنی (خلاصی کیلئے) فدیہ میں دیدیں، اُن لوگوں کا سخت حساب ہوگا"۔

اور بھی بہت سی آیات میں اس دن کے حساب پر اُس کی سختی اور اہمیت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قیامت میں جس شخص سے حساب کیا جائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا (اس لئے کہ حساب میں پورا اُترنا سخت مشکل ہوگا) حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، حق تعالیٰ شانہٗ نے تو (سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں) یہ ارشاد فرمایا کہ سہل حساب ہوگا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حساب (جس کا اس سورۃ میں ذکر ہے یہ) تو محض اعمال کا پیش ہونا ہے۔ جس کا محاسبہ شروع ہو جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ یہ دعا کیا کرتے تھے یا اللہ مجھ سے حساب یسیر (سہل حساب) کیجئے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ حساب یسیر کیا چیز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اُس کا اعمال نامہ دیکھ کر یہ فرما دیا جائے کہ اس کو معاف کر دیا لیکن جس سے محاسبہ ہونے لگے وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جس شخص میں یہ تینوں موجود ہوں، اس کا حساب سہل ہوگا، اور حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اپنی رحمت سے جنّت میں داخل کر دے گا۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں کہ جو شخص تجھے اپنی عنایت

سے محروم رکھے تو اس پر احسان کر۔ جو تجھ پر ظلم کرے اُس کو معاف کر۔ جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ (درمنثور)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس سے حق تعالیٰ شانہٗ ایسی طرح بات نہ کریں کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں نہ کوئی پردہ ہوگا نہ کوئی واسطہ ہوگا۔ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو وہ اعمال ہوں گے جو دنیا میں کئے۔ بائیں طرف دیکھے گا تو وہ اعمال ہوں گے جو کئے تھے (نیک اعمال ہوں یا برے، دہکتی ہوئی) جہنم آنکھ کے سامنے ہوگی۔ اس سے (بچنے کی بہترین چیز صدقہ ہے۔ پس صدقہ کے ذریعے اس سے) بچو، چاہے آدھی کھجور ہی صدقہ کیوں نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے جنّت دکھائی گئی۔ اس کے اعلیٰ درجوں میں فقراءِ مہاجرین تھے، اور غنی لوگ اور عورتیں بہت کم مقدار میں اُس جگہ تھیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ غنی لوگ تو ابھی جنّت کے دروازوں پر حساب میں مبتلا ہیں اور عورتوں کو سونے چاندی کی محبّت نے مشغول کر رکھا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں جنّت کے دروازوں پر کھڑا تھا، اکثر مساکین اس میں داخل ہو رہے تھے اور غنی لوگ (حساب میں) مقیّد تھے، اور میں نے دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ عورتیں اس میں کثرت سے داخل ہو رہی تھیں۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی دو چیزوں سے گھبراتا ہے اور دونوں اُس کیلئے خیر ہیں۔ ایک موت سے گھبراتا ہے حالانکہ موت فتنوں سے بچاؤ ہے۔ دوسرے مال کی کمی سے گھبراتا ہے حالانکہ جتنا مال کم ہوگا اتنا ہی حساب کم ہوگا۔ (ترغیب)

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج رات جنّت کو اور اس میں تم لوگوں کے مرتبوں کو دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنّت کے جس دروازہ پر بھی جاتا تھا وہاں سے مرحبا مرحبا (تشریف لایئے، تشریف لایئے) کی آوازیں آتی تھیں (ہر نیک عمل کے لئے جنّت میں ایک خاص

دروازہ ہے۔ ہر دروازہ سے درخواست کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیک عمل میں اس کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے) حضرت سلمانؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جس شخص کا یہ مرتبہ ہے، وہ تو کوئی بہت ہی بلند پایہ شخص ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یہ شخص ابوبکرؓ ہیں۔ پھر حضورؐ نے حضرت عمرؓ کی طرف توجّہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں نے جنّت میں سفید موتی کا ایک گھر دیکھا جس میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ مکان کس کا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ قریش کے ایک نوجوان کا ہے (اس مکان کی نہایت عمدگی، چمک، رونق اور اپنے سیّد المرسلین ہونے کی وجہ سے) مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مکان میرا ہی ہے میں اس میں داخل ہونے لگا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرؓ کا ہے۔ پھر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہ متعدد حضرات کے مراتب ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرف متوجّہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھیوں میں سے تم بہت دیر میں میرے پاس پہنچے۔ مجھے تو تمہارے متعلق یہ ڈر ہو گیا تھا کہ کہیں ہلاک تو نہیں ہو گئے اور تم پسینہ پسینہ ہو رہے تھے میں نے تم سے پوچھا کہ اتنی دیر آنے میں تمہیں کہاں لگ گئی تھی۔ تو تم نے جواب دیا کہ میں اپنے مال کی کثرت کی وجہ سے حساب میں مبتلا رہا۔ مجھ سے اس کا حساب ہوا، کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنے متعلق یہ سن کر رونے لگے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! رات ہی میرے پاس مصر کی تجارت سے سو اونٹ آئے ہیں یہ مدینہ منوّرہ کے فقراء اور یتامیٰ پر صدقہ ہیں۔ شاید اللہ جلّ شانہٗ اسی کی وجہ سے اس دن کے حساب میں مجھ پر تخفیف فرما دیں۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم میری امّت کے غنی لوگوں میں ہو اور جنّت میں گھسٹ کر جاؤ گے (پاؤں پر کھڑے ہو کر نہ جاؤ گے) تم اللہ تعالیٰ شانہٗ کو قرض دو تاکہ تمہارے پاؤں کھل جائیں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیا چیز قرض دوں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنا سارا مال۔ یہ سن کر فوراً اٹھے تاکہ اپنا سب مال لا کر حاضر کریں۔ حضورؐ نے ان کے پیچھے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ ابھی آئے اور یہ پیام دے گئے کہ عبدالرحمٰن سے کہہ دیجئے

کہ مہمان نوازی کیا کریں۔ غریبوں کو کھانا کھلایا کریں۔ سوال کرنے والوں کا سوال پورا کیا کریں۔ اور جو اُن کے عیال ہیں اُن سے صدقہ میں ابتدا کیا کریں۔ یہ چیزیں اُن کے تزکیہ (درست ہونے) کے لئے کافی ہیں۔ (حاکم)

یہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ بڑے جلیل القدر صحابی، بڑے فضائل اور مفاخر کے مالک ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں ان کا شمار ہے۔ یعنی اُن دس صحابہ کرامؓ میں جن کو دنیا ہی میں حضورؐ جنّت کی خوش خبری دے گئے۔ نیز اُن چھ حضرات میں ہیں جن پر حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت خلیفہ بنانے کا دار مدار رکھا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ ان حضرات سے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم راضی ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ اور پھر اُن چھ حضرات میں سے بقیہ پانچ حضرات نے بالآخر اُن ہی کی رائے پر خلیفہ کے چننے کا مدار رکھا تھا، اور اُن کی تجویز سے حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث مقرر ہوئے تھے۔ سابقین اوّلین میں اُن کا شمار ہے جن کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا: وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ الآیۃ (توبہ۔ ع ۱۳) "اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں اُمت سے سابق اور مقدم ہیں اور جو لوگ اخلاص سے اُن کے پیرو ہیں اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہوا اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے"۔

اس کے علاوہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے دونوں ہجرتیں کیں۔ غزوہ بدر اور سب غزوؤں کے شریک ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ ہی میں اہل علم اور اہل فتویٰ میں اُن کا شمار ہے۔ محض اُن کی رائے پر حضرت عمرؓ نے بعض اُمور کو اختیار کیا۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ سفر میں صبح کی نماز اُن کا مقتدی بن کر ادا فرمائی کہ حضورؐ ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے مل کر اُن کو امام چُنا تھا۔ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو نماز ہو رہی تھی۔ ایک رکعت ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے اُن کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو پہلے سال میں اپنا قائم مقام امیر الحج بنا کر اُن کو بھیجا۔ (اصابہ) غرض بے انتہا فضائل کے باوجود اس مال کی کثرت نے اُن کو اپنے مرتبہ کے لوگوں میں

پیچھے کر دیا۔ اور مال بھی محض حق تعالیٰ شانُہٗ کے فضل اور اس کی عطاء اور اس کے انعام ہی سے ملا تھا، ورنہ بہت غریب تھے۔ ہجرت کی اِبتداء میں حُضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مُہاجرین اور اَنصار کا آپس میں بھائی چارہ کیا تھا تاکہ فُقَراءِ مُہاجرین کی اِعانت اور مدد خُصُوصی تَعَلُّق پر اَنصار کرتے رہیں تو اُن کو حضرت سَعْد بْنُ الرَّبِیْعؓ انصاری کا بھائی بنایا تھا۔ حضرت سَعْدؓ نے اُن سے کہا تھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ مال اور دولت اللہ جَلَّ شانُہٗ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے۔ مَیں سب مال میں سے آدھا آدھا تمہیں دیتا ہوں اور میری دو بیبیاں ہیں، اُن میں سے جونسی تمہیں پسند ہو مَیں اس کو طلاق دے دونگا۔ عِدّت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔ اُن کی سیر چشمی کہ اُنہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت عطا فرمائے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو تم یہاں کے بازار کا راستہ بتادو۔ بازار گئے اور خرید و فروخت شروع کی۔ اور شام کو نفع میں تھوڑا سا گھی اور پنیر بچا کر لائے۔ اسی طرح روزانہ جاتے اور کچھ ہی دن گذرے تھے کہ بچت اتنی ہو گئی، کہ نکاح کر لیا۔ (بخاری)

پھر وہ وقت بھی آیا کہ حُضورؐ نے ایک مرتبہ صدقہ کی ترغیب دی تو اپنے سارے مال کا آدھا حصّہ صدقہ کیا۔ اور مال کی کثرت کا اندازہ اُس سے ہو سکتا ہے جو ابھی گذرا کہ صرف مصر کی تجارت سے سَو اونٹ سامان کے لدے ہوئے آئے تھے، جو صدقہ کر دیئے۔ اور اُس کے بعد ایک مرتبہ چالیس ہزار دینار (اشرفیاں) صدقہ کیں۔ ایک موقعہ پہ پانچ سو گھوڑے، پانچ سو اونٹ جہاد کے لئے دیئے۔ اور تیس ہزار غلام آزاد کئے، اور ایک روایت میں ہے کہ تیس ہزار گھرانے آزاد کئے (مستدرک)۔ ہر گھرانے میں نہ معلوم کتنے مرد عورت، بڑے اور بچے ہوں گے۔

ایک مرتبہ ایک زمین چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت کی۔ اور سب کی سب فُقَراءِ مُہاجرین اور اپنے رشتہ داروں اور اَزْواجِ مُطَہَّرات پر تقسیم کر دیں (مُستدرک) اور اپنے اِنتقال کے وقت جو وَصِیّت کی، اس میں ہر اُس شخص کو جو بدر کی لڑائی میں شریک تھا فی آدمی چار سو دینار (اشرفیاں) کی وصیت کی تھی۔ اُس وقت اہل بدر میں سَو آدمی

زندہ تھے (اِصابہ)۔ اور ایک باغ کی وَصیّت ازواجِ مُطہرات کے لئے کی جو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوا (مستدرک)۔ اور خود اپنا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ غسل کرکے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک پیالہ میں روٹی اور گوشت (ثرید) سامنے رکھا گیا۔ اُس کو دیکھ کر رونے لگے۔ کسی نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حضورؐ کا ایسی حالت میں وصال ہوا کہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔ ہمیں یہ حالات جو اپنے سامنے ہیں کچھ اپنے لئے خیر نہیں معلوم ہوتے (اصابہ)۔ یعنی اگر یہ وُسعت کچھ خیر کی چیز ہوتی تو حضورؐ کے لئے بھی ہوتی جب حضورؐ کے لئے یہ چیزیں نہ تھیں تو کچھ خیر کی چیزیں نہیں معلوم ہوتیں۔ ان کمالات پر وہ محاسبہ ہے جو اُوپر ذکر کیا گیا۔

پانچواں مطالبہ حدیث بالا میں جس کا قیامت کے میدان میں جواب دینا ہوگا یہ ہے کہ جو علم حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہیں عطا کیا تھا اس پر کس حد تک عمل کیا۔ کسی جُرم کا معلوم نہ ہونا کوئی عُذر نہیں، قانون سے ناواقفیت کسی عدالت میں بھی معتبر نہیں، کیونکہ اس کا معلوم کرنا اپنا فریضہ ہے۔ اور یہ بات کہ اللہ کا حکم معلوم نہیں تھا مُستقِل جُرم اور مُستقِل گناہ ہے۔ اس لئے حضور کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان پر (مذہبی) علم سیکھنا فرض ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ علم کے بعد کسی جُرم کا کرنا زیادہ سخت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اپنے علم سے ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہا کرو۔ علم میں خیانت مال میں خیانت سے زیادہ سخت ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں اس کا مُطالبہ ہوگا۔ اور یہ مضمون تو بہت سی احادیث میں ہے کہ جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چُھپائے تو قیامت کے دن اُس کے مُنہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وعظ فرمایا جس میں بعض قوموں کی تعریف فرمائی۔ اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنی پڑوسی قوموں کو تعلیم نہیں دیتیں، نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں، نہ اُن کو سمجھدار بناتی ہیں، نہ اُن کو اچھی باتوں کا حکم کرتی ہیں نہ بُری باتوں سے روکتی ہیں۔ اور یہ کیا بات ہے کہ بعض قومیں اپنے پڑوسیوں سے نہ علم سیکھتی ہیں نہ سمجھ سیکھتی ہیں۔ نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ یا تو یہ لوگ

اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں، اور اُن کو نصیحت کریں اور اُن کو سمجھدار بنائیں اور دوسرے لوگ اِن علم والوں سے اُن چیزوں کو حاصل کریں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو خدا کی قسم میں اُن سب کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا (آخرت کا قصہ الگ ہے) اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ممبر سے اُتر آئے۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کہ اس سے کونسی قومیں مراد ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اَشعری قوم کے لوگ مراد ہیں کہ وہ اہلِ علم ہیں، اہلِ فقہ ہیں اور اُن کے آس پاس کی رہنے والی قومیں جاہل ہیں۔

یہ خبر اَشعری لوگوں کو پہنچی۔ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے بعض قوموں کی تو تعریف فرمائی، اور ہم لوگوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا حضور نے اپنا پاک ارشاد اُن کے سامنے فرمایا کہ یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور اُن کو نصیحت کریں، اُن کو سمجھدار بنائیں، اُن کو اچھی باتوں کا حکم کریں، بُری باتوں سے منع کریں اور دوسرے لوگ اُن سے ان چیزوں کو حاصل کریں۔ ورنہ میں دُنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم دوسروں کو کس طرح سمجھدار بنائیں حضور نے پھر اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا۔ انہوں نے تیسری دفعہ پھر یہی عرض کیا، اور حضور نے پھر بھی اپنا وہی حکم ارشاد فرمایا۔ تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اچھا ایک سال کی مُہلت ہم کو دے دیں۔ حضور نے اُن کو اُن کے پڑوسیوں کی تعلیم کے لئے ایک سال کی مہلت عطا فرمادی۔ (ترغیب و مجمع الزوائد)

اس حدیث پاک اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سخت عتاب سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو لوگ خود اہلِ علم ہیں، سمجھدار ہیں۔ اُن کی یہ بھی ذمہ داری ہے، کہ وہ اپنے آس پاس کے رہنے والے جاہلوں کی تعلیم کی کوشش کریں۔ اُن کا یہ خیال کہ جس کو غرض ہوگی خود سیکھے گا، کافی نہیں۔ نہ سیکھنے کا مستقل مطالبہ اور مستقل گناہ اُن کے ذمہ ہے۔ لیکن اُن کو سکھانے کی ذمہ داری ان عالموں کی بھی ہے کہ یہ خود اس کی کوشش کریں، اس کی تدبیریں کریں کہ وہ علم سیکھیں۔ یہ بھی اپنے علم پر عمل کرنے میں داخل ہے کہ علم کے عمل میں اس کا سکھانا بھی داخل ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں کثرت سے نقل کی گئی ہیں اُن میں یہ دُعا بھی بکثرت وارد ہے کہ "اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے"
حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص (یعنی ایک نوع آدمیوں کی چاہے اُس نوع کے کتنے ہی آدمی ہوں) لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جس سے اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی، اور وہ ان کے گرد اس طرح گھومے گا جیسا کہ چکّی کا گدھا چکّی کے گرد پھرتا ہے (یعنی جیسا کہ جانور گدھا، بیل وغیرہ آٹا پیسنے کی چکّی کے چاروں طرف گھومتا ہے) جہنم کے لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گے۔ اور اس سے دریافت کریں گے، تجھے کیا ہوا، تُو تو ہم کو بھی اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا، بُری باتوں سے روکتا تھا؟ وہ جواب دیگا کہ میں تم کو اس کا حکم کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا"۔
ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "میں نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ جہنم کی آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ میں نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی اُمت کے وہ واعظ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے"۔
ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "زبانیہ" ایسے پڑھے لکھوں کو جو فسق میں مُبتلا ہوں، کافروں سے بھی پہلے پکڑیں گے۔ وہ کہیں گے یہ کیا ہوا کہ ہماری پکڑ کافروں سے بھی پہلے ہو رہی ہے۔ اُن کو جواب دیا جائے گا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔ (ترغیب)۔ (یعنی تم نے باوجود جاننے کے یہ حرکتیں کیں) "زبانیہ" فرشتوں کی وہ متعین جماعت ہے جو لوگوں کو جہنم میں پھینکنے پر مامور ہے۔ سورۂ اِقرأ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ بعض جنّتی بعض جہنمی لوگوں کے پاس جا کر کہیں گے کہ تمہیں کیا ہوا، تم یہاں پڑے ہو، ہم تو تمہاری ہی وجہ سے جنت میں گئے ہیں کہ تم ہی سے ہم نے علم سیکھا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم دوسروں کو تو بتاتے تھے خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔
حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت حسن بصریؒ کے ذریعے حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی وعظ کہتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس سے قیامت کے دن مطالبہ فرمائیں گے

کہ اس کا کیا مقصد تھا (یعنی اُس سے کوئی دُنیوی غرض تھی، مال و مَنفعت یا جاہ و شہرت یا خالص اللہ کے واسطے کہا تھا) حضرت مالکؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ مالکؒ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اتنا روتے کہ آواز نہ نکلتی۔ پھر یوں فرماتے کہ تم یوں سمجھتے ہو کہ وعظ سے میری آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے (یعنی میرا دل خوش ہوتا ہے) حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے قیامت کے دن اس کا سُوال ہوگا کہ اس وعظ کا کیا مقصد تھا۔ (ترغیب)

اس کے باوجود جو کہنے کی مجبوری ہے وہ ابھی گذر چکی ہے۔ یعنی لوگوں کو علم سے روشناس کرنے کی ذمہ داری بھی ہے جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوا، اور اَشعری لوگوں کا قصہ ابھی گذرا۔

حضرت اَبُو الدَّرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس کا خوف اور ڈر ہے کہ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے مجھے آواز دی جائے۔ میں عرض کروں، لَبَّیکَ رَبِّیْ۔ میرے رَبّ میں حاضر ہوں۔ وہاں سے مطالبہ ہو کہ اپنے علم میں کیا عمل کیا تھا؟

ایک اور حدیث میں حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب والا وہ عالِم ہے جس کے علم سے اس کو نفع نہ ہو۔

حضرت عَمّار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبیلہ قَیس کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ میں نے جا کر دیکھا کہ وہ وحشی اونٹوں کی طرح سے ہیں۔ اُن کا ہر وقت دھیان اپنے اُونٹ اور بکری میں لگا رہتا ہے۔ اُن کے سوا کوئی دوسرا فکر ہی اُن کو نہیں (ہر وقت بس دنیا کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں)۔ میں وہاں سے واپس آگیا۔ حُضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا کر کے آئے۔ میں نے حُضورؐ سے اُن کا حال بیان کر دیا۔ اور (دین سے) اُن کی غفلت کی خبر سنائی۔ حُضور نے ارشاد فرمایا۔ عَمّار! اس سے زیادہ تعجب کی بات اس قوم کی حالت ہے جو عالم ہونے کے باوجود (دین سے) ایسے ہی غافل ہو جیسا کہ یہ غافل ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بعض آدمی جہنّم میں ڈالے جائیں گے جن کی بدبُو اور تعفُّن سے جہنّمی لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔ وہ لوگ اُن سے کہیں گے تمہارا کیا عمل

ایسا تھا جس کی یہ نحوست ہے۔ ہمیں اپنی ہی مصیبت جس میں ہم مبتلا تھے کیا کم تھی تمہاری اس بدبُو نے اور بھی پریشان کر دیا۔ یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے علم سے نفع نہیں اُٹھاتے تھے۔ (ترغیب)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس اُمّت پر زیادہ خوف منافق عالم کا ہے۔ کسی نے پوچھا۔ منافق عالم کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان کا عالم، دل اور عمل کا جاہل۔ یعنی تقریر تو بڑی تچھے دار کرے مگر عمل کے نام صِفر۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تُو ایسا نہ بن کہ علماء کے علم کا جمع کرنے والا ہو، حکیموں کے نادر کلام کا حامل ہو مگر عمل میں احمق بے وقوفوں کی طرح ہو۔

حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کیلئے آواز دیتا ہے۔ جو کوئی شخص اُس پر عمل کرے تو وہ علم باقی رہتا ہے ورنہ وہ بھی چلا جاتاہے یعنی علم ضائع ہو جاتا ہے۔

حضرت فُضیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے تین[۳] شخصوں پر بڑا رحم آتا ہے۔ ایک قوم کا سردار جو ذلیل ہو گیا ہو۔ دوسرا[۲] وہ غنی جو غنا کے بعد فقیر ہو گیا ہو تیسرا[۳] وہ عالم جس سے دنیا کھیلتی ہو (یعنی دنیا کا طالب ہو اور جو اُس کا طالب ہو گا یہ اس سے کھیلے گی)۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا عذاب دل کی موت ہے۔ اور دل کی موت آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرنا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

عَجِبْتُ لِمُبْتَاعِ الضَّلَالَةِ بِالْهُدٰى ۔۔۔ وَمَنْ يَّشْتَرِىْ دُنْيَاهُ بِالدِّيْنِ اَعْجَبُ

وَاَعْجَبُ مِنْ هٰذَيْنِ مَنْ بَاعَ دِيْنَهٗ ۔۔۔ بِدُنْيَا سِوَاهُ فَهُوَ مِنْ ذَيْنِ اَعْجَبُ

ترجمہ: "مجھے اس شخص پر تعجّب آتا ہے جو ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدے اور اس سے زیادہ تعجّب اس شخص پر ہے جو دین کے بدلے دنیا خریدے، اور ان دونوں سے زیادہ تعجّب اس شخص پر ہے جو اپنے دین کو دوسروں کی دنیا کے بدلے فروخت کر دے یعنی دنیا کا فائدہ تو دوسرے کو ہو اور دین اس کا ضائع اور برباد ہو"۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو عالم دنیا دار ہو وہ احوال کے اعتبار سے جاہل۔ سے زیادہ کمینہ ہے۔ اور عذاب کے اعتبار سے زیادہ سختی میں مُبتلا ہو گا۔ اور کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں

مُتَقَرِّب علمائے آخرت ہیں، جن کی چند علامتیں ہیں :۔

(۱) اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو۔ عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت کا، اس کے کمینہ پن کا، اس کے مُکَدَّر ہونے کا، اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو، آخرت کی عظمت، اس کا ہمیشہ رہنا، اس کی نعمتوں کی عُمدگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دنیا اور آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضِدّ ہیں۔ دو سوکنوں کی طرح ہیں۔ جونسی ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا ہو جائے گی۔ یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح سے ہیں۔ جونسا ایک پلڑا جُھکے گا، دوسرا ہلکا ہو جائے گا۔ دونوں میں مشرق مغرب کا فرق ہے۔ جونسے ایک سے تُو قریب ہو گا دوسرے سے دُور ہو جائے گا جو شخص دُنیا کی حقارت کا، اس کے گدلے پن کا اور اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ دُنیا کی لذّتیں دونوں جہان کی تکلیفوں کے ساتھ مُنْضَم ہیں، وہ فَاسِدُ الْعَقْل ہے مُشاہدہ اور تجربہ ان باتوں کا شاہد ہے کہ دنیا کی لذّتوں میں دنیا کی تکلیف بھی ہے اور آخرت کی تکلیف تو ہے ہی۔ پس جس شخص کو عقل ہی نہیں وہ عالم کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص آخرت کی بڑائی اور اُس کے ہمیشہ رہنے کو بھی نہیں جانتا ہے وہ تو کافر ہے۔ ایسا شخص کیسے عالم ہو سکتا ہے جس کو ایمان بھی نصیب نہ ہو۔ اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ایک دوسرے کی ضِدّ ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کے درمیان جمع کرنے کی طمع میں ہے، وہ ایسی چیز میں طمع کر رہا ہے جو طمع کرنے کی چیز نہیں ہے۔ وہ شخص تمام انبیاءؑ کی شریعت سے ناواقف ہے۔ اور جو شخص ان سب چیزوں کے جاننے کے باوجود دُنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ شیطان کا قیدی ہے۔ جس کو شہوتوں نے ہلاک کر رکھا ہے اور بدبختی اس پر غالب ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں کیسے شمار ہو گا۔

حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو عالم دُنیا کی خواہش کو میری محبّت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذّت سے اس کو محروم کر دیتا ہوں (کہ میری یاد میں میری دعاء میں اس کو لذّت نہیں آتی) اے داؤد ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دنیا کا نشہ سوار ہو

کہ میری محبت سے تجھ کو دور کر دے۔ ایسے لوگ ڈاکو ہیں۔ اے داؤد جب تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔ اے داؤد جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے، میں اس کو جہبذ (حاذق سمجھدار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جہبذ لکھ دیتا ہوں اس کو عذاب نہیں کرتا۔

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے، تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے یہاں پڑا رہتا ہے تو اس کو چور سمجھو۔

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اپنے دین کے بارہ میں اس کو متہم سمجھو۔ اس لئے کہ جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذت آتی ہو۔ وہ اللہ کا عارف ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں ذرا تردد نہیں کہ جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہو سکتا، اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ صرف مال کی محبت نہ ہونے سے آخرت کا عالم نہیں ہوتا۔ جاہ کا درجہ اور اس کا نقصان مال سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

یعنی جتنی وعیدیں اوپر دنیا کے ترجیح دینے کی اور اس کی طلب کی گذری ہیں، ان میں صرف مال کمانا ہی داخل نہیں، بلکہ جاہ کی طلب مال کی طلب کی بہ نسبت زیادہ داخل ہے، اس لئے کہ جاہ طلبی کا نقصان اور اس کی مضرت مال طلبی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں تعارض نہ ہو۔ دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط

(بقرہ۔ع ۵) "کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (صف۔ع ۱) "اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناخوشی

کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حاتم اصمؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت والا کوئی نہ ہوگا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا، وہ تو کامیاب ہوگئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا۔ ابن سماکؒ کہتے ہیں۔ کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں خود اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتے ہیں خود اللہ تعالیٰ سے دور ہیں۔ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابہ کرامؓ نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کر رہے تھے حضورؐ تشریف لائے اور فرمایا کہ جتنا چاہے علم حاصل کر لو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اجر بغیر عمل کے نہیں ملتا۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنیوالے ہوں۔ نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں۔ ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے۔ ہم لوگ اپنی نادانی سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو، حالانکہ وہ جہل مرکب ہے کہ ایسا شخص اپنے کو پڑھا لکھا سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس کو دین کے علوم سیکھنے کا اہتمام بھی نہیں رہتا۔ جو شخص کچھ بھی پڑھا ہوا نہ ہو، وہ کم سے کم اپنے آپ کو جاہل تو سمجھتا ہے۔ دین کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جو اپنی جہالت کے باوجود اپنے کو عالم سمجھنے لگے وہ بڑے نقصان میں ہے۔

حاتم اصمؒ جو مشہور بزرگ اور حضرت شقیق بلخیؒ کے خاص شاگرد ہیں اُن سے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ حاتم کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟ اُنہوں نے عرض کیا تینتیس ۳۳ برس سے۔ فرمانے لگے کہ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم نے عرض کیا۔ آٹھ مسئلے سیکھے ہیں۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے۔ میری تو عمر ہی تمہارے

ساتھ ضائع ہو گئی۔ حاتمؒ نے عرض کیا۔ حضور صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں، جھوٹ تو بول نہیں سکتا حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ حاتم نے عرض کیا:

الف: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے (بیوی سے اولاد سے، مال سے، احباب سے وغیرہ وغیرہ) لیکن میں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اُس کا محبوب اس سے جُدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے نیکیوں سے محبت کرلی تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ ہی جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جُدا نہ ہو۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا، بہت اچھا کیا۔

ب: میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن پاک میں دیکھا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الاٰیۃ (والنازعات۔ ع ۲) اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرتا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا، تو جنت اُس کا ٹھکانا ہوگا"۔ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے۔ میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اِطاعت پر جم گیا۔

ج: میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے، بہت محبوب ہوتی ہے وہ اس کو اُٹھا کر بڑی اِحتیاط سے رکھتا ہے۔ اس کی حفاظت کرتا ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد دیکھا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (نحل ع ۱۳) "جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہو گیا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جس کی مجھے وقعت زیادہ ہوئی وہ پسند زیادہ آئی وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔

د: میں نے ساری دنیا کو دیکھا۔ کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف۔ یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد دیکھا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (حجرات ع ۲) اللہ تعالیٰ

کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔ اس بنا پر میں نے تقویٰ اختیار کر لیا تاکہ اللہ جَلّ شانُہٗ کے نزدیک شریف بن جاؤں۔

۷: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اور یہ سب کا سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر حسد آتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد دیکھا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ الآية (زخرف۔ ع ۳) "دُنیوی زندگی میں اُن کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے، کیوں نوکری کرے اور اس سے دنیا کا نظام خراب ہو ہی جائے گا)۔ میں نے اِس آیتِ شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ ساری مخلوق سے بے تعلق ہو گیا۔ اور میں نے جان لیا کہ روزی کا بانٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جس کے حصّہ میں جتنا چاہے لگائے۔ اس لئے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال کے زیادہ یا کم ہونے میں اُن کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے، یہ تو مالکُ المُلک کی طرف سے ہے۔ اس لئے اب کسی پر غصہ ہی نہیں آتا۔

۸: میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے کسی نہ کسی سے دشمنی ہے۔ میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے فرمایا۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط (فاطر۔ ع ۱) "شیطان بے شبہ تمہارا دشمن ہے۔ پس اس کے ساتھ دشمنی ہی رکھو (اس کو دوست نہ بناؤ)"۔ پس میں نے اپنی دشمنی کے لئے اُسی کو چُن لیا۔ اور اس سے دُور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ نے اس کے دشمن ہونے کو فرما دیا تو میں نے اس کے علاوہ سے اپنی دشمنی ہٹالی۔

۹: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے۔ اسی کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے، اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے۔ پھر میں نے دیکھا تو اللہ جَلّ شانُہٗ کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود - ع ۱) "اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے، جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو"۔ میں نے دیکھا کہ میں بھی انہی زمین پر چلنے والوں میں سے ایک ہوں۔ جن کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کرلئے جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم ہیں، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھی۔ اس سے اپنے اوقات کو فارغ کرلیا۔

ح: میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے۔ کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دستکاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کمالوں گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو اُن کی طرح خود مخلوق ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (طلاق - ع ۱) "جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے"۔ اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرلیا۔

حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ حاتم، تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائے میں نے توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا۔ میں نے سارے خیر کے کام انہی آٹھ مسائل کے اندر پائے۔ پس جو ان آٹھوں پر عمل کرلے اُس نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کرلیا۔ اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی پاسکتے ہیں۔ اور دنیادار عالم تو مال اور جاہ کے ہی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

(۴) چوتھی علامت آخرت کے علماء کی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں اور بہترائیوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ بلکہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے۔ اور بزرگوں کے طرز کو اختیار کرے۔ ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اس کا میلان بڑھے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ سے اتنا ہی اس کا قرب بڑھتا جائے گا۔ اور علمائے آخرت میں اُتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔

اِنہی شیخ ابو حاتمؒ کا ایک عجیب قصہ جس کو شیخ ابُو عبداللہ خواصؒ جو شیخ ابو حاتمؒ کے شاگردوں میں ہیں نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت شیخ حاتمؒ کے ساتھ موضع رَے میں جو ایک جگہ کا نام ہے، گیا۔ تین سو بیس آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ ہم حج کے ارادہ سے جا رہے تھے۔ سب مُتوکّلین کی جماعت تھی۔ ان لوگوں کے پاس توشہ سامان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ رَے میں ایک معمولی خشک مزاج تاجر پر ہمارا گذر ہوا۔ اُس نے سارے قافلہ کی دعوت کر دی اور ہماری ایک رات کی مہمانی کی۔ دوسرے دن صبح کو وہ میزبان، حضرت حاتمؒ سے کہنے لگا کہ یہاں ایک عالم بیمار ہیں مجھے اُن کی عیادت کو اِس وقت جانا ہے۔ اگر آپ کی رغبت ہو تو آپ بھی چلیں۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت تو ثواب ہے اور عالِم کی تو زیارت بھی عبادت ہے میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ یہ بیمار عالِم اُس موضع کے قاضی شیخ محمد بن مُقاتل تھے۔ جب اُن کے مکان پر پہنچے تو حضرت حاتمؒ سوچ میں پڑ گئے کہ اللہ اکبر، ایک عالِم کا مکان اور ایسا اُونچا محل۔ غرض ہم نے حاضری کی اجازت منگائی۔ اور جب اندر داخل ہوئے تو وہ اندر سے بھی نہایت خوش نما، نہایت وسیع، پاکیزہ، جگہ جگہ پردے لٹک رہے ہیں۔ حضرت حاتمؒ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے، اور سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ہم قاضی صاحب کے قریب پہنچے تو وہ ایک نہایت نرم بستر پر آرام کر رہے تھے۔ ایک غلام اُن کے سرہانے پنکھا جھل رہے تھے۔ وہ تاجر تو سلام کر کے اُن کے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پُرسی کی۔ حاتمؒ کھڑے رہے۔ قاضی صاحب نے اُن کو بھی بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔ انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نے پوچھا، آپ کو کچھ کہنا ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا، کہو۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں (غلاموں نے قاضی صاحب کو سہارا دے کر اُٹھایا کہ خود اُٹھنا مشکل تھا) وہ بیٹھ گئے۔

حضرت حاتمؒ: آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ قاضی صاحب: مُعتبر عُلماء سے۔

حضرت حاتمؒ: ان عُلماء نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے۔ حضرت حاتمؒ: صحابۂ کرامؓ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضورِ

اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے۔ حضرت حاتمؒ: حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: حضرت جبرئیلؑ سے۔ حضرت حاتمؒ: حضرت جبرئیلؑ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب: اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے۔

حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ جو علم حضرت جبرئیلؑ نے حق تعالیٰ شانُہٗ سے لے کر حضورؐ تک پہنچایا۔ اور حضورؐ نے صحابہؓ کو عطا فرمایا۔ اور صحابہؓ نے مُعتبر علماء کو اور اُن کے ذریعے آپ تک پہنچا۔ اس میں کہیں یہ بھی وارد ہے کہ جس شخص کا جس قدر مکان اُونچا اور بڑا ہوگا، اس کا اتنا ہی درجہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے یہاں بھی زیادہ ہوگا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ نہیں، یہ اُس علم میں نہیں آیا۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا۔ اگر یہ نہیں آیا تو پھر اس علم میں کیا آیا ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو آخرت میں رغبت رکھتا ہو، فُقَراء کو محبوب رکھتا ہو، اپنی آخرت کے لئے اللہ کے یہاں ذخیرہ بھیجتا رہتا ہو، وہ شخص حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں صاحبِ مرتبہ ہے۔ حضرت حاتمؒ نے فرمایا کہ پھر آپ نے کس کا اِتّباع اور پیروی کی؟ حضورؐ کی؟ حضورؐ کے صحابہؓ کی؟ مُتّقی علماء کی؟ یا فرعون اور نمرود کی؟ اے بُرے عالمو! تم جیسوں کو جاہل دنیا دار جو دنیا کے اُوپر اوندھے گرنے والے ہیں، دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ جب عالموں کا یہ حال ہے تو ہم تو اُن سے زیادہ بُرے ہوں گے ہی۔

یہ کہہ کر حضرت حاتمؒ تو واپس چلے گئے۔ اور قاضی صاحب کے مرض میں اس گفتگو اور نصیحت کی وجہ سے اور بھی زیادہ اِضافہ ہوگیا۔ تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو کسی نے حضرت حاتمؒ سے کہا کہ طنافسی جو قزوین میں رہتے ہیں (قزوین رَیّ سے ستائیس فرسخ یعنی اکیاسی ۸۱ میل ہے) وہ ان سے بھی زیادہ رئیسانہ شان سے رہتے ہیں۔ حضرت حاتمؒ (ان کو نصیحت کرنے کے ارادہ سے چل دیئے) جب اُن کے پاس پہنچے تو کہا کہ ایک عجمی آدمی ہے (جو عرب کا رہنے والا نہیں ہے) آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کو دین کی بالکل اِبتداء سے یعنی نماز کی کنجی وضو سے تعلیم دیں۔ طنافسی نے کہا، بڑے شوق سے۔ یہ کہہ کر طنافسی نے وضو کا پانی منگایا، اور طنافسی نے وضو کر کے بتایا کہ اس طرح وضو کی جاتی ہے۔ حضرت

حاتمؒ نے ان کی وضو کے بعد کہا کہ میں آپ کے سامنے وضو کر لوں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ طنافسی وضو کی جگہ سے اُٹھ گئے اور حضرت حاتمؒ نے بیٹھ کر وضو کرنا شروع کیا، اور دونوں ہاتھوں کو چار چار مرتبہ دھویا۔ طنافسی نے کہا۔ یہ اسراف ہے۔ تین تین مرتبہ دھونا چاہیئے۔ حضرت حاتمؒ نے کہا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم۔ میرے ایک چلّو پانی میں تو اسراف ہو گیا، اور یہ سب کچھ جو ساز و سامان میں تمہارے پاس دیکھ رہا ہوں اس میں اسراف نہ ہوا۔ جب طنافسی کو خیال ہوا کہ اُن کا مقصد سیکھنا نہیں تھا۔ بلکہ یہ غرض تھی۔ اس کے بعد جب بغداد پہنچے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو اُن کے احوال کا علم ہوا تو وہ اُن سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اور اُن سے دریافت فرمایا کہ دنیا سے سلامتی کی کیا تدبیر ہے؟ حاتمؒ نے فرمایا کہ دنیا سے اس وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتے، جب تک تم میں چار چیزیں نہ ہوں:۔

لوگوں[۱] کی جہالت سے درگذر کرتے رہو۔ خود[۲] اُن کے ساتھ کوئی حرکت جہالت کی نہ کرو۔ تمہارے[۳] پاس جو چیز ہو اُن پر خرچ کر دو۔ اُن[۴] کے پاس جو چیز ہو اس کی اُمید نہ رکھو۔

اس کے بعد جب حضرت حاتمؒ مدینہ مُنوّرہ پہنچے تو وہاں کے لوگ خبر سُن کر اُن کے پاس ملنے کے لئے جمع ہو گئے۔ اُنہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا شہر ہے۔ کہنے لگے کہ اس میں حضورؐ کا محل کونسا ہے۔ میں وہاں جا کر دوگانہ ادا کر دوں؟ لوگوں نے کہا کہ حضورؐ کا تو محل نہیں تھا۔ بہت مختصر مکان تھا جو بہت نیچا تھا۔ کہنے لگے کہ صحابہ کرامؓ کے محل کہاں کہاں ہیں؟ مجھے وہی دکھا دو؟ لوگوں نے کہا کہ صحابہؓ کے بھی محل نہیں تھے۔ اُن کے بھی چھوٹے چھوٹے مکانات زمین سے لگے ہوئے تھے حاتمؒ نے کہا۔ پھر یہ شہر تو فرعون کا شہر ہے۔ لوگوں نے اُن کو پکڑ لیا (کہ یہ شخص مدینہ مُنوّرہ کی توہین کرتا ہے اور حضورؐ کے شہر کو فرعون کا شہر بتاتا ہے) اور پکڑ کر امیرِ مدینہ کے پاس لے گئے کہ یہ عجمی شخص مدینہ طیبہ کو فرعون کا شہر بتاتا ہے۔ امیر نے اُن سے مطالبہ کیا، کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں، پوری بات سُن لیں۔ میں ایک عجمی آدمی ہوں۔ میں جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کس کا شہر ہے؟ پھر

پورا قصہ اپنے سُوال و جواب کا سُنا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں یہ فرمایا:
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ الآية ۔ (احزاب ۔ ع ۳) تم لوگوں کے واسطے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو (یعنی کامل مؤمن ہو ۔ غرض ایسے شخص کے لئے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک عُمدہ نمونہ موجود ہے (یعنی ہر بات میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضور کا کیا معمول تھا اور اس کا اِتّباع کرنا چاہیئے)۔

پس اب تم ہی بتاؤ کہ تم نے یہ حضور کا اِتّباع کر رکھا ہے یا فرعون کا؟ اس پر لوگوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔

یہاں ایک بات یہ قابلِ لحاظ ہے کہ مُباح چیزوں کے ساتھ لذّت حاصل کرنا، یا اُن کی وُسعت، حرام یا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اُن کی کثرت سے اُن چیزوں کے ساتھ اُنس پیدا ہوتا ہے، ان چیزوں کی مَحبّت دل میں بیٹھ جاتی ہے اور پھر اس کا چھوٹنا مُشکل ہو جاتا ہے۔ اور اُن کے فراہم کرنے کے لئے اسباب تلاش کرنا پڑتے ہیں، پیداوار اور آمدنی کے بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔ اور جو شخص روپیہ بڑھانے کی فکر میں لگ جاتا ہے، اس کو دین کے بارہ میں مُداہنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ اس میں بسا اوقات گُناہوں کے مرتکب ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اگر دنیا میں گُھسنے کے بعد اس سے محفوظ رہنا آسان ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے اہتمام سے دُنیا سے بے رغبتی پر تنبیہ نہ فرماتے اور اتنی شِدّت سے اس سے خود نہ بچتے کہ نقشین کُرتہ بھی بدنِ مبارک پر سے اُتار دیا۔

یحییٰ بن یزید نوفلیؒ نے حضرت امام مالکؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا کہ "مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور پتلی روٹی استعمال کرتے ہیں اور نرم بستر پر آرام کرتے ہیں۔ دربان بھی آپ نے مُقرّر کر رکھا ہے۔ حالانکہ آپ اُونچے عُلماء میں ہیں۔ دُور دُور سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس علم سیکھنے کے لئے آتے ہیں آپ امام ہیں، مُقتدا ہیں، لوگ آپ کا اِتّباع کرتے ہیں۔ آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے محض مُخلصانہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس خط کی خبر نہیں۔ فقط والسلام۔"

حضرت امام مالکؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ "تمہارا خط پہنچا جو میرے لئے نصیحت نامہ، شفقت نامہ اور تنبیہ تھی۔ حق تعالیٰ شانہٗ تقویٰ کے ساتھ تمہیں منتفع فرمائے اور اس نصیحت کی جزائے خیر عطا فرمائے، اور مجھے حق تعالیٰ شانہٗ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ خوبیوں پر عمل اور برائیوں سے بچنا اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہو سکتا ہے جو اُمور تم نے ذکر کئے یہ صحیح ہیں۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے (لیکن یہ سب چیزیں جائز ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ۔الآیة (اعراف۔ ع ۴) آپ یہ کہہ دیجئے کہ (یہ بتلاؤ) کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں وغیرہ) کو جن کو اُس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا"۔ اس کے بعد تحریر فرمایا کہ "یہ میں خوب جانتا ہوں کہ ان اُمور کا اختیار نہ کرنا، اختیار کرنے سے اَولیٰ اور بہتر ہے۔ آئندہ بھی اپنے گرامی ناموں سے مجھے مشرف کرتے رہیں۔ میں بھی خط لکھتا رہوں گا۔ فقط والسلام۔

کتنی لطیف بات امام مالکؒ نے اختیار فرمائی کہ جواز کا فتویٰ بھی تحریر فرما دیا اور اس کا اقرار بھی فرما لیا کہ واقعی زیادہ بہتر ان اُمور کا ترک ہی تھا۔

(۵) پانچویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ سلاطین اور حکام سے دور رہیں (بلا ضرورت کے) اُن کے پاس ہرگز نہ جائیں۔ بلکہ وہ خود بھی آئیں تو ملاقات کم رکھیں اس لئے کہ اُن کے ساتھ میل جول، اُن کی خوشنودی اور رضاجوئی میں تکلف برتنے سے خالی نہ ہوگا۔ وہ لوگ اکثر ظالم اور ناجائز اُمور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں۔ جس پر انکار کرنا ضروری ہے۔ اُن کے ظلم کا اظہار، اُن کے ناجائز فعل پر تنبیہ کرنا ضروری ہے، اور اس پر سکوت دین میں مداہنت ہے۔ اور اگر اُن کی خوشنودی کے لئے ان کی تعریف کرنا پڑے تو یہ صریح جھوٹ ہے۔ اور اُن کے مال کی طرف اگر طبیعت کو میلان ہوا اور طمع ہوئی تو ناجائز ہے۔ بہرحال ان کا اختلاط بہت سے مفاسد کی کنجی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص جنگل میں رہتا ہے وہ سخت مزاج ہو جاتا ہے۔ اور جو شکار کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ (سب چیزوں سے) غافل ہو جاتا ہے، اور جو بادشاہ کے

پاس آمدورفت شروع کردے وہ فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔

حضرت حُذَیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ فتنوں کی جگہ کونسی ہے؟ فرمایا، اُمَرا۔ کے دروازے کہ اُن کے پاس جا کر اُن کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ اور (اُن کی تعریف میں) ایسی باتیں کہنی پڑتی ہیں جو اُن میں نہیں ہیں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بدترین عُلما۔ وہ ہیں جو حُکام کے یہاں حاضری دیں، اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علما۔ کے یہاں حاضر ہوں۔

حضرت سمنون (جو حضرت سَرِی سَقَطیؒ کے اصحاب میں ہیں) کہتے ہیں کہ میں نے یہ سُنا تھا کہ جب تم کسی عالم کو یہ سُنو کہ وہ دُنیا کی محبت رکھتا ہے تو اُس شخص کو اپنے دین کے بارہ میں مُتَّہَم سمجھو۔ میں نے اس کا خود تجربہ کیا۔ جب بھی میں بادشاہ کے یہاں گیا۔ تو واپسی پر میں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو اس پر میں نے ایک وبال پایا۔ حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ میں وہاں سخت گفتگو کرتا ہوں، اور اُن کی رائے کا سختی سے خلاف کرتا ہوں وہاں کی کسی چیز سے مُنتفع نہیں ہوتا حتّٰی کہ وہاں کا پانی بھی نہیں پیتا۔ ہمارے علما۔ بنواسرائیل کے عُلما۔ سے بھی بُرے ہیں کہ وہ حُکام کے پاس جا کر اُن کو گنجائشیں بتاتے ہیں۔ اُن کی خوشنودی کی فکر کرتے ہیں۔ اگر وہ ان سے اُن کی ذمہ داریاں صاف صاف بتائیں تو وہ لوگ ان کا جانا بھی گراں سمجھنے لگیں۔ اور یہ صاف صاف کہنا ان عُلما۔ کے لئے حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں نجات کا سبب بن جائے۔ علما۔ کا سلاطین کے یہاں جانا ایک بہت بڑا فتنہ ہے، اور شیطان کے اِغوا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بالخصوص جس کو بولنا اچھا آتا ہو، اُس کو شیطان یہ سمجھاتا ہے کہ تیرے جانے سے اُن کی اِصلاح ہوگی۔ وہ اس کی وجہ سے ظلم سے بچیں گے، اور دین کے شعائر کی حفاظت ہوگی۔ حتّٰی کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اُن کے پاس جانا بھی کوئی دینی چیز ہے۔ حالانکہ اُن کے پاس جانے سے اُن کی دلداری میں مُداہنت کی باتیں کرنا اور اُن کی بے جا تعریفیں کرنا پڑتی ہیں جس میں دین کی ہلاکت ہے۔

حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت حَسن بصریؒ کو لکھا کہ مجھے ایسے مناسب لوگوں

کا پتہ بتاؤ جن سے میں اپنی اس (خلافت کے) کام میں مدد لوں۔ حضرت حسنؒ نے (جواب میں) لکھا کہ اہلِ دین تو تم تک نہ آئیں گے اور دنیا داروں کو تم اختیار نہ کرو گے۔ (اور نہ کرنا چاہئے یعنی حریص طمّاع لوگوں کو کہ وہ اپنے لالچ میں کام خراب کر دیں گے) اس لئے شَرِیۡفُ النَّسَب لوگوں سے کام لو۔ اس لئے کہ ان کی قومی شرافت ان کو اس بات سے روکے گی کہ وہ اپنی نسبی شرافت کو خیانت سے گندہ کریں۔

یہ جواب حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا۔ جن کا زہد و تقویٰ عدل و انصاف ضربُ المَثَل ہے۔ حتّٰی کہ وہ عُمرِ ثانی کہلاتے ہیں۔ یہ امام غزالی کا ارشاد ہے۔ لیکن اس ناکارہ کے خیال میں اگر کوئی دینی مجبوری ہو تو اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ بسا اوقات دینی مَصالح اور ضرورتوں کا تقاضا جانا ہی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنی ذاتی غرض، ذاتی نفع، مال و جاہ کمانا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف مسلمانوں کی ضرورت ہو۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ (بقرہ ع ۲۷) "اور اللہ تعالیٰ مَصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مَصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں۔"

(۶) چھٹی علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ فتویٰ صادر کر دینے میں جلدی نہ کرے۔ مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے۔ حتّی الوُسع اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اُس کے حوالہ کر دے۔

اَبُوحفص نیساپوریؒ کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے کہ جو مسئلہ کے وقت اس سے خوف کرتا ہو کہ کل کو قیامت میں یہ جواب دہی کرنا پڑے گی کہ کہاں سے بتایا تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے:۔

امامت کرنے سے۔ وصی بننے سے (یعنی کسی کی وصیت میں مال وغیرہ تقسیم کرنے سے) امانت رکھنے سے۔ فتویٰ دینے سے۔

اور اُن کا خُصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں:۔

قرآن پاک کی تلاوت، مساجد کا آباد کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ اچھی باتوں کی نصیحت کرنا۔ بُری باتوں سے روکنا۔

ابو حصینؒ کہتے ہیں کہ بعض آدمی ایسے جلدی فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ وہ مسئلہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو سارے بدر والوں کو اکٹھا کرکے مشورہ کرتے۔

حضرت انسؓ اتنے جلیل القدر صحابی ہیں کہ دس برس حضورؐ کی خدمت کی۔ جب اُن سے مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ مولانا الحسنؒ سے دریافت کرو (یہ حضرت حسن بصریؒ مشہور فقہاء اور مشہور صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ باوجود صحابی ہونے کے ان تابعی کا نام بتاتے ہیں)۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جب مسئلہ دریافت کیا جاتا (حالانکہ وہ مشہور صحابی اور رئیس المفسرین ہیں) تو فرماتے کہ جابر بن زیدؒ (جو اہلِ فتویٰ تابعی ہیں) سے دریافت کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود بڑے مشہور فقیہ صحابی ہیں، حضرت سعید بن المسیبؒ (تابعی) پر حوالہ فرمادیتے۔

(۷) ساتویں علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام بہت زیادہ ہو۔ اپنی اصلاحِ باطن اور اصلاحِ قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو کہ یہ علومِ ظاہریہ میں بھی ترقی کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں، جو اُس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل تم یہ مت کہو کہ علوم آسمان پر ہیں اُن کو کون اُتارے، یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں اُن کو کون اُوپر لائے یا وہ سمندروں کے پار ہیں، کون اُن پر گذرے تاکہ اُن کو لائے۔ علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں۔ تم میرے سامنے روحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو۔ صدیقین کے اخلاق اختیار کرو۔ میں تمہارے دلوں میں سے علوم کو ظاہر کردوں گا یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیرلیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے۔ اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ شانہٗ وہ علوم اور معارف عطا فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ سے نقل فرماتے ہیں کہ میرا بندہ کسی ایسی چیز کے ساتھ مجھ سے تقرب حاصل نہیں کرسکتا، جو مجھے زیادہ محبوب ہو، اُن چیزوں سے جو میں نے اُس پر فرض کیں (جیسا کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ

یعنی جتنا تقرُّب فرائض کے اچھی طرح ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسا تقرُّب دوسری چیزوں سے نہیں ہوتا) - اور بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرے ساتھ تقرُّب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں - اور جب میں اُس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اور اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے - اگر وہ مجھ سے سُوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں - اور وہ کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں - (بخاری شریف)

یعنی اس کا چلنا پھرنا دیکھنا سُننا، سب کام میری رضا کے مطابق ہو جاتے ہیں اور بعض حدیثوں میں اس کے ساتھ یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھ سے اِعلانِ جنگ کرتا ہے - اور چونکہ اَولیَاءُ اللہ کا غور و فکر سب ہی حق تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک کے دقیق عُلوم اُن کے قُلوب پر مُنکَشِف ہو جاتے ہیں - اُس کے اَسرار اُن پر واضح ہو جاتے ہیں بِالخُصُوص ایسے لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کے ساتھ ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور ہر شخص کو اس میں سے حسبِ توفیق اتنا حصہ ملتا ہے جتنا کہ عمل میں اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ہوتی ہے -

حضرت علیؓ نے ایک بڑی طویل حدیث میں علمائے آخرت کا حال بیان فرمایا ہے جس کو اِبنِ قَیِّم نے "مِفتَاحُ دَارِ السَّعَادَۃ" میں اور اَبُو نُعَیم نے "حِلیَہ" میں ذکر فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ قُلوب بمنزلہ برتن کے ہیں - اور بہترین قُلوب وہ ہیں جو خیر کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہیں - علم کا جمع کرنا مال کے جمع کرنے سے بہتر ہے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے، اور مال کی تجھ کو حفاظت کرنی پڑتی ہے - علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے - اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے - مال کا نفع اس کے زائل ہونے (خرچ کرنے) سے ختم ہو جاتا ہے، لیکن علم کا نفع ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے (عالِم کے اِنتقال سے بھی ختم

نہیں ہوتا کہ اُس کے اِرشادات باقی رہتے ہیں)۔ پھر حضرت علیؓ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا، اور فرمایا کہ میرے سینے میں عُلوم ہیں، کاش اس کے اہل ملتے۔ مگر میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو دین کے اَسباب کو دنیا طلبی میں خرچ کرتے ہیں۔ یا ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو لذّتوں میں مُنہمک ہیں، شہوتوں کی طلب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا مال کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں"۔ غرض یہ طویل مضمون ہے جس کے چند فقرے یہاں نقل کئے ہیں۔

(۸) آٹھویں علامت یہ ہے کہ اس کا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ شانُہٗ کیساتھ بڑھا ہوا ہو، اور اس کا بہت زیادہ اِہتمام اس کو ہو۔ یقین ہی اصل رَاْسُ المال ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔ حضورؐ کا اِرشاد ہے، کہ یقین کو سیکھو۔ اور اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس اہتمام سے بیٹھو۔ اُن کا اِتّباع کرو تاکہ اس کی برکت سے تم میں یقین کی پختگی پیدا ہو۔ اس کو حق تعالیٰ شانُہٗ کی قدرتِ کاملہ اور صِفات کا ایسا ہی یقین ہو جیسا کہ چاند سورج کے وُجود کا۔ وہ اس کا کامل یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز کا کرنے والا صرف وہی ایک پاک ذات ہے، اور یہ دنیا کے سارے اَسباب اُس کے ارادہ کے ساتھ مُسخّر ہیں جیسا کہ مارنے والے کے ہاتھ میں لکڑی کہ اس میں لکڑی کو کوئی شخص بھی دخیل نہیں سمجھتا، اور جب یہ پختہ ہو جائیگا تو اُس کو توکّل، رضا اور تسلیم سہل ہو جائے گی۔ نیز اُس کو اس کا پختہ یقین ہو کہ رزق کا ذمہ صرف اللہ جَلّ شانُہٗ کا ہے، اور اُس نے ہر شخص کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے جو اُس کے مُقدّر میں ہے وہ اُس کو بہر حال مل کر رہے گا۔ اور جو مُقدّر میں نہیں ہے وہ کسی حال بھی نہ مل سکے گا۔ اور جب اس کا یقین پختہ ہو جائے گا تو روزی کی طلب میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ حرص اور طمع جاتی رہے گی۔ جو چیز مُیسّر نہ ہوگی اُس پر رنج نہ ہوگا۔ نیز اس کو اس کا یقین ہو کہ اللہ جَلّ شانُہٗ ہر بھلائی اور بُرائی کا ہر وقت دیکھنے والا ہے۔ ایک ذرّہ کے برابر کوئی نیکی یا بُرائی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کا بدلہ نیک یا بد ضرور ملے گا۔ وہ نیک کام کے کرنے پر ثواب کا ایسا ہی یقین رکھتا ہو، جیسا کہ روٹی

کھانے سے پیٹ بھرنا۔ اور بُرے کام پر عذاب کو ایسا ہی یقینی سمجھتا ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے زہر کا چڑھنا (وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ کھانے پینے کی طرف، اور گناہ سے ایسا ہی ڈرتا ہو جیسا کہ سانپ بچھّو سے) اور جب یہ پختہ ہو جائے گا تو ہر نیکی کے کمانے کی اس کو پوری رغبت ہوگی، اور ہر بُرائی سے بچنے کا پورا اہتمام ہوگا۔

(۹) نویں علامت یہ ہے کہ اُس کی ہر حرکت و سُکون سے اللہ جلّ شانہٗ کا خوف ٹپکتا ہو۔ اس کی عظمت و جلال اور ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو۔ اُس کے لباس سے، اُس کی عادات سے، اُس کے بولنے سے، اُس کے چُپ رہنے سے، حتّٰی کہ ہر حرکت اور سُکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو، اُس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ سکون، وقار، مسکنت، تواضُع اس کی طبیعت بن گیا ہو۔ بیہودہ گوئی، لغو کلامی، تکلّف سے باتیں کرنے سے گُریز کرتا ہو کہ یہ چیزیں فخر اور اکڑ کی علامات ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ "علم سیکھو اور علم کے لئے سُکون اور وقار سیکھو۔ جس سے علم حاصل کرو، اُس کے سامنے نہایت تواضُع سے رہو۔ جابر علماء میں سے نہ بنو"۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "میری اُمّت کے بہترین افراد وہ ہیں جو مجمع میں اللہ تعالیٰ کی وُسعتِ رحمت سے خوش رہتے ہوں، اور تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے روتے ہوں۔ اُن کے بدن زمین پر رہتے ہوں اور اُن کے دل آسمان کی طرف لگے رہتے ہوں"۔

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ "ناجائز اُمور سے بچنا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذکر سے تیری زبان تر و تازہ رہے"۔ کسی نے پوچھا کہ بہترین ساتھی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ اگر تُو نیک کام سے غفلت کرے تو وہ تجھے مُتنبّہ کرے۔ اور اگر تجھے خود یاد ہو تو اس میں تیری اِعانت کرے۔

کسی نے پوچھا کہ بُرا ساتھی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ شخص ہے کہ اگر تجھے نیک

کام سے غفلت ہو تو وہ مُتنبّہ نہ کرے، اور تو خود کرنا چاہے تو اس میں تیری اعانت نہ کرے۔ کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالِم کون ہے؟ حُضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرنے والا ہو۔ کسی نے پوچھا کہ ہم کن لوگوں کے پاس زیادہ تر اپنی نشِست رکھیں؟ حُضورؐ نے فرمایا جن کی صورت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔

حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ آخرت میں زیادہ بے فکر وہ شخص ہوگا جو دنیا میں فکرمند رہا ہو۔ اور آخرت میں زیادہ ہنسنے والا وہ ہوگا جو دنیا میں زیادہ رونے والا ہو۔

(۱۰) دسویں علامت یہ ہے کہ اُس کا زیادہ اِہتمام اُن مسائل سے ہو جو اَعمال سے تعلُّق رکھتے ہیں، جائز ناجائز سے تعلّق رکھتے ہیں۔ فلاں عمل کرنا ضروری۔ فلاں عمل سے بچنا ضروری ہے۔ اس چیز سے فلاں عمل ضائع ہو جاتا ہے (مثلاً فلاں چیز سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مسواک کرنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ) ایسے عُلوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات اور تفریعات ہوں۔ تاکہ لوگ اس کو محقق سمجھیں حکیم اور فلاسفر سمجھیں۔

(۱۱) گیارھویں علامت یہ ہے کہ اپنے عُلوم میں بصیرت کے ساتھ نظر کرنے والا ہو۔ محض لوگوں کی تقلید میں اور اِتباع میں اُن کا قائل نہ بن جائے۔ اصل اِتباع حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاک اِرشادات کا ہے، اور اسی وجہ سے صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم اَجْمَعِیْن کا اِتباع ہے کہ وہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اَفعال کو دیکھنے والے ہیں اور جب اصل اِتباع حُضورؐ ہی کا ہے تو حُضورؐ کے اقوال و اَفعال کے جمع کرنے میں اُن پر غور و فکر میں بہت زیادہ اِہتمام کرے۔

(۱۲) بارھویں علامت بدعات سے بہت شدّت اور اِہتمام سے بچنا ہے۔ کسی کام پر آدمیوں کی کثرت کا جمع ہو جانا کوئی معتبر چیز نہیں ہے بلکہ اصل اِتباع حُضورؐ کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کا کیا معمول رہا ہے اور اس کے لئے ان حضرات کے معمولات اور احوال کا تتبُّع اور تلاش کرنا اور اس میں مُنہمک رہنا ضروری ہے۔

حضرت حَسن بصریؒ کا اِرشاد ہے کہ دو شخص بدعتی ہیں۔ جنہوں نے اسلام میں

دو بدعتیں جاری کیں۔ ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین وہ ہے جو اس نے سمجھا ہے۔ اور جو اس کی رائے کی موافقت کرتا ہے وہی ناجی ہے۔ دوسرا وہ شخص جو دنیا کی پرستش کرتا ہے، اسی کا طالب ہے، دنیا کمانے والوں سے خوش ہوتا ہے اور جو دنیا نہ کمائے اُس سے خفا ہوتا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو جہنم کے لئے چھوڑ دو۔ اور جس شخص کو حق تعالےٰ شانہٗ نے ان دونوں سے محفوظ رکھا ہو، وہ پہلے اکابر کا اتباع کرنے والا ہے۔ ان کے احوال اور طریقہ کی پیروی کرنے والا ہے۔ اس کیلئے انشاء اللہ بہت بڑا اجر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اس وقت خواہشات علم کے تابع ہیں۔ لیکن عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ علم خواہشات کے تابع ہوگا۔ یعنی جن چیزوں کو اپنا دل چاہے گا وہی علوم سے ثابت کی جائیں گی۔

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے زمانہ میں شیطان نے اپنے لشکروں کو چاروں طرف بھیجا۔ وہ سب کے سب پھر پھرا کر نہایت پریشان حال تھکے ہوئے واپس ہوئے۔ اُس نے پوچھا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہم کو پریشان کر دیا۔ ہمارا کچھ بھی اثر اُن پر نہیں ہوتا۔ ہم اُن کی وجہ سے بڑی مشقت میں پڑ گئے۔ اُس نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحبت یافتہ ہیں، ان پر تمہارا اثر مشکل ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارے مقاصد پورے ہوں گے۔ اس کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں اُس نے اپنے لشکروں کو سب طرف پھیلایا۔ وہ سب کے سب اُس وقت بھی پریشان حال واپس ہوئے۔ اُس نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہمیں دِق کر دیا۔ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ ہماری اغراض اُن سے کچھ پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر جب شام ہوتی ہے تو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ہمارا سارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا کہ گھبراؤ نہیں، عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ وہ اپنی خواہشات میں دین سمجھ کر ایسے گرفتار ہوں گے کہ اُن کو توبہ کی بھی توفیق نہ ہوگی۔ وہ بددینی کو دین سمجھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں شیطان نے ان لوگوں کے لئے ایسی بدعات نکال دیں،

جن کو وہ دین سمجھنے لگے، اس سے ان کو توبہ کیسے نصیب ہو۔

یہ بارہ علامات مختصر طریقہ سے ذکر کی گئی ہیں جن کو علامہ غزالیؒ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے علماء کو اپنے محاسبہ کے دن سے خاص طور سے ڈرنے کی ضرورت ہے کہ ان کا محاسبہ بھی سخت ہے۔ اُن کی ذمہ داری بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اور قیامت کا دن جس میں یہ محاسبہ ہوگا، بڑا سخت دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ محض اپنے فضل وکرم سے اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ ابْنَ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِیْ اَمْلَاْ صَدْرَکَ غِنًی وَاَسُدَّ فَقْرَکَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَاْتُ یَدَکَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَکَ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ عم نوالہ کا فرمان ہے کہ اے آدم کی اولاد تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا۔ میں تیرے سینہ کو غنا سے پُر کر دوں گا اور تیرے فقر کو زائل کردونگا اور اگر تُو ایسا نہیں کریگا تو میں تجھے مشاغل میں پھانس دونگا اور تیرا فقر زائل نہیں کرونگا۔

(رواه احمد وابن ماجة كذا فى المشكوٰة - وزاد فى الترغيب الترمذى وابن حبان والحاكم وصححه وفى الباب عن عمران وغيره فى الترغيب)

ف: متعدد احادیث میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون وارد ہوا ہے حضرت عمرانؓ بن حصینؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ہمہ تن اللہ جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جائے، اُسی کا بن جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ اُس کی ہر ضرورت کو خود پورا فرماتے ہیں، اور ایسی جگہ سے اُس کو روزی عطا فرماتے ہیں کہ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اُسی کے فکر میں ہر وقت رہتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو دنیا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ تُو دنیا سے نبٹ لے۔

حضرت انسؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی پوری توجہ اور آخری مقصد دنیا کمانا ہو، اسی کے لئے سفر کرتا ہے، اُسی کا خیال دل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ

شانہٗ فقر و فاقہ (کا خوف) اُس کی آنکھ کے سامنے کر دیتے ہیں (ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے کہ آمدنی تو بہت کم ہے کیا ہوگا، کیونکر گذر چلے گا) اور اس کے اوقات کو (اسی فکر و تردُّد میں) پریشان کر دیتے ہیں۔ اور ملتا اتنا ہی ہے جتنا کہ مُقدَّر ہوتا ہے۔ اور جس شخص کی توجہ اور حقیقی مقصد آخرت ہوتی ہے، اُسی کے کاموں کے لئے سفر کرتا ہے اسی کا خیال دل میں رہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ (دنیا سے بے نیازی اور بے فکری اور) اِستغنا اُس کے سامنے کر دیتے ہیں، اور اس کے اَحوال کو مُجتمع کر دیتے ہیں۔ اور دنیا خود بخود ذلیل ہو کر اُس کے پاس آتی ہے۔ (ترغیب)

خود بخود ذلیل ہو کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مُقدَّر ہے وہ تو آکر رہے گی اس لئے کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ روزی خود آدمی کو ایسا تلاش کرتی ہے جیسا کہ موت آدمی کو تلاش کرتی ہے۔ جب وہ خود اس کی تلاش میں ہے، اس کے پاس آنے پر مجبور ہے، اور اس کی طرف سے اِستغنا ہے تو وہ بہر حال اس کے پاس آ کر رہے گی۔ اس سے زیادہ ذلت کیا ہوگی کہ وہ خود اس کے پاس آئے اور یہ لاپروائی برتے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص اُس چیز کی طلب میں لگ جائے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے پاس ہے، آسمان اس کا سایہ ہو، زمین اس کا بستر ہو، دنیا کی کسی چیز کا اس کو فکر نہ ہو۔ تو ایسا شخص بغیر کھیتی کئے روٹی کھائے گا، بغیر باغ لگائے پھل کھائے گا۔ اللہ پر اس کا توکل ہو اور اس کی رضا کی جستجو میں لگا رہتا ہو، اللہ جلَّ شانہٗ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو اس کی روزی کا ذمہ دار بنا دیتے ہیں۔ وہ سب کے سب اُس کو روزی پہنچانے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کو حلال روزی پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے، اور وہ بغیر حساب کے اپنی روزی پوری کر لیتا ہے۔ (درمنثور)

ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسجدِ خَیف (منیٰ کی مسجد) میں وعظ فرمایا۔ اس میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا مقصد دنیا بن جائے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اَحوال کو پریشان اور مُنتشر کر دیتے ہیں، اور فقر (کا خوف) ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا ہے

اور دنیا تو جتنی مُقدّر ہے اس سے زیادہ ملتی نہیں۔

حضرت ابُوذرؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جائے اُس کا حق تعالیٰ شانہٗ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور جس کو مسلمانوں کا (ان کی بھلائی کا، خیر خواہی کا) فکر نہ ہو، اس کو مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور جو (دُنیوی اَغراض کے لئے) اپنے آپ کو خوشی سے ذلیل کرے اُس کا ہم سے کوئی تعلّق نہیں (محض چار پیسے کے واسطے یا کسی اور دُنیوی غرض کے لئے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنا، یقیناً اپنی قدر و قیمت کا نہ پہچاننا ہے۔ اور اپنے اُن بزرگوں کے نام کو دھبّہ لگانا ہے جن کی طرف اپنی نسبت ہے اور سب سے اُونچی نسبت فخرُ الرُّسُل کی اُمّت میں ہونا ہے)۔

حضرت انسؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں:۔

آنکھوں[۱] کا خشک ہونا (کہ اللہ کے خوف سے کسی وقت بھی آنسو نہ ٹپکے) دِل[۲] کا سخت ہونا (کہ اپنی آخرت کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے کسی وقت بھی نرم نہ پڑے)۔ آرزوؤں[۳] کا لمبا ہونا اور دُنیا[۴] کی حرص۔ (ترغیب)

حضرت ابُودرداءؓ نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی۔ لوگو! تمہیں کیا ہو رہا ہے میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے عُلما، دن بدن (موت کی وجہ سے) کم ہوتے جارہے ہیں، اور تمہارے جاہل لوگ علم سیکھتے نہیں۔ اس سے پہلے پہلے علم سیکھ لو کہ عُلماء انتقال کر جائیں اور اُن کے اِنتقال سے علم جاتا رہے (پھر کوئی پڑھانے والا بھی صحیح نہ ملے گا) میں تم کو دیکھتا ہوں، کہ اس چیز کے جمع کرنے پر تو بڑا لالچ کرتے ہو جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے (یعنی روزی) اور اس چیز کو ضائع کر رہے ہو جس کے تم خود ذمہ دار ہو (یعنی علم و عمل) میں تمہارے بدترین آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کو تاوان سمجھتے ہیں اور نماز کو ٹال کر پڑھتے ہیں اور قرآن پاک کے پڑھنے میں بھی بے اِلتفاتی کرتے ہیں (تنبیہ الغافلین)۔

(۸) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ — حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَ مَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ)

کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے، اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ (صورت کے اعتبار سے) دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس (جب یہ ضابطہ ہے تو) جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی آخرت) اس کو ترجیح دو اس چیز پر جو بہر حال فنا ہو جانے والی ہے۔

ف: دنیا کی زندگی چاہے کتنی ہی زیادہ ہو جائے، بہر حال ختم ہونے والی ہے، اور اس کا مال و متاع چاہے کتنا ہی زیادہ سے زیادہ ہو جائے ایک دن چھوٹنے والا ہے۔ موت سے چھوٹ جائے چاہے ضائع ہو جانے سے چھوٹ جائے۔ اور آخرت کی زندگی کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اس کی نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ایسی حالت میں کھلی ہوئی بات ہے کہ آدمی میں اگر ذرا سی بھی عقل ہو تو ایسی چیز کو اختیار کرنا چاہیئے جو ہمیشہ اپنے پاس رہے گی۔ ایسی چیز کے پیچھے پڑنا جو کسی طرح بھی اپنے پاس ہمیشہ نہیں رہ سکتی، بے وقوفی کی انتہا ہے۔ مگر ہم لوگوں کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس اسٹیشن کے ویٹنگ روم کی زیب و زینت پر دل لگائے بیٹھے ہیں، اور قیام صرف اتنا ہے کہ جب ریل گاڑی آجائے، اس پر سوار ہو جانا ہے۔ اتنے ذرا سے وقت میں اگر آدمی اپنے سفر کی تیاری میں مصروف رہے، اپنے سامانِ سفر کو تیار کرلے، جو چیزیں وطن میں پہنچ کر کام آنے والی ہیں اُن کو فراہم کرلے تو یقیناً اس کے لئے کارآمد ہیں اور اگر وہ اپنا یہ قیمتی وقت اور تھوڑی سی فرصت وہاں کے سیر سپاٹے میں خرچ کردے، اپنا سامان بکھرا پڑا رہنے دے اور خود ویٹنگ روم کی صفائی اور اس کے فرنیچر کو قرینہ سے رکھنے میں لگ جاوے یا اس سے بڑھ کر حماقت یہ کرے کہ اس میں لٹکانے کے واسطے آئینے اور نقشے خریدنے میں لگ جائے تو اپنا سامان بھی کھوئے گا اور اپنی متاع بھی ضائع کرے گا۔

اس حدیث پاک میں دنیا سے محبت نہ کرنے پر تنبیہ ہے کہ محبت ایسی سخت چیز ہے

کہ جس کے ساتھ بھی لگ جائے، رفتہ رفتہ آدمی کو اُسی کا بنا دیتی ہے۔ اسی لئے آخرت کے ساتھ محبّت پیدا کرنے کی ترغیب فرمائی ہے، اور دنیا سے ترکِ محبّت پر تنبیہ ہے کہ دنیا سے محبّت رکھنے والا اگرچہ آخرت کے اعمال اس وقت کرتا ہو لیکن اس ناپاک دنیا کی محبّت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی، اور آہستہ آہستہ آخرت کے کاموں میں تساہُل اور حرج اور نقصان پیدا کر دے گی۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا کو محبوب رکھتا ہے، سارے پیر و مُرشد مل کر بھی اس کو ہدایت نہیں کر سکتے۔ اور جو شخص دنیا کو ترک کر دیتا ہے (اُس سے نفرت کرتا ہے) اُس کو سارے مُفسِد مل کر بھی گمراہ نہیں کر سکتے۔ (مظاہر حق)

حضرت بَرَاءؓ، حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے محروم ہوتا ہے۔ اور جو شخص دنیا میں ناز پروردہ (رئیس) لوگوں کی زیب و زینت کی طرف للچائی ہوئی) آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ آسمانوں کی بادشاہت میں ذلیل سمجھا جاتا ہے اور جو شخص کم سے کم روزی پر صبر و تحمّل کرتا ہے وہ جنّت میں فردوسِ اعلیٰ میں ٹھکانا پکڑتا ہے (درمنثور)۔

حضرت لقمان ؑ مشہور حکیم ہیں۔ قرآن پاک میں بھی اُن کی نصائح کا ذکر فرمایا گیا۔ یہ ایک حبشی غلام سیاہ فام تھے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے نوازا کہ حکیم لقمان بن گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کو اختیار دیا تھا کہ حکمت اور بادشاہت میں سے جس کو چاہیں پسند کر لیں۔ تو انہوں نے حکمت کو پسند فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ تم کو بادشاہ بنا دیا جائے اور تم حق کے موافق حکومت کرو۔ انہوں نے عرض کیا، کہ اگر میرے ربّ کی طرف سے یہ حکم ہے تو مجھے عذر نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے میری اعانت ہو گی۔ اور اگر مجھے اس کا اختیار ہے کہ مَیں قبول کروں یا نہ کروں تو میں معافی کا خواستگار ہوں، مَیں اپنے ذمّہ مصیبت رکھنا نہیں چاہتا، فرشتوں نے پوچھا کہ لقمان یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حاکم بڑی سخت جگہ میں ہوتا ہے ناگوار چیزیں اور ظلم ہر طرف سے اس کو گھیر لیتا ہے۔ اس میں اس کی مدد ہو سکے یا نہ ہو سکے

اگر حق کے موافق فیصلہ کرے تب تو نجات ہو سکتی ہے، ورنہ جنت کے راستے سے بھٹک جائے گا۔ اور کوئی شخص دنیا میں ذلیل بن کر دن گذار دے یہ اس سے بہتر ہے کہ دنیا میں شریفانہ زندگی گذار کر (آخرت کے اعتبار سے) ضائع ہو جائے۔ اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، دنیا تو اس سے چھوٹ جاتی ہے اور آخرت کے کام کا رہتا نہیں فرشتوں کو اُن کے جواب سے بڑی حیرت ہوئی۔ اس کے بعد وُہ سو گئے۔ تو حق تعالیٰ شانُہٗ نے اُن پر حکمت کو ڈھانک دیا۔ (درمنثور)

ان سے جو حکمتیں اور اپنے صاحبزادہ کو نصیحتیں نقل کی گئیں، بڑی عجیب ہیں۔ وہ بہت کثرت سے روایات میں آئی ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ بیٹا عُلماء کی مجلس میں کثرت سے بیٹھا کرو اور حکماء کی بات اہتمام سے سُنا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ حکمت کے نُور سے مُردہ دل کو ایسا زندہ فرماتے ہیں جیسا کہ مُردہ زمین، زوردار بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ ایک شخص اُن کے پاس کو گذرا۔ اُن کے پاس اس وقت مجمع بیٹھا ہوا تھا وہ کہنے لگا کیا تُو فلاں قوم کا غُلام نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں اُن کا غُلام تھا۔ اُس نے پوچھا، کیا تُو وہی نہیں ہے جو فلاں پہاڑ کے قریب بکریاں چرایا کرتا تھا؟ اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ پھر تُو اس مرتبہ تک کیسے پہنچ گیا؟ انہوں نے فرمایا کہ چند چیزوں کی پابندی اور اہتمام کرنے سے۔ وہ چیزیں یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا خوف، اور بات میں سچائی، اور امانت کا پورا پورا ادا کرنا، اور بیکار گفتگو سے احتراز۔ ان کا ارشاد ہے کہ بیٹا اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ایسی طرح اُمید رکھو کہ اُس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ۔ اور ایسی طرح اُس کے عذاب سے خوف کرو کہ اُس کی رحمت سے نااُمید نہ ہو جاؤ۔ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ دل تو ایک ہی ہے اس میں خوف اور اُمید دونوں کس طرح جمع ہوں؟ اُنہوں نے فرمایا کہ مؤمن ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کیلئے گویا دو دل ہوتے ہیں ایک میں پوری اُمید اور ایک میں پورا خوف۔

اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بیٹا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ بہت کثرت سے پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے اَلطاف میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں جو کچھ آدمی مانگتا ہے وُہ مل جاتا ہے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین ضعیف ہوگا، اس کا عمل بھی سُست ہوگا۔ بیٹا جب شیطان تجھے کسی شک میں مُبتلا کرے تو اس کو یقین کے ساتھ مغلوب کر۔ اور جب تجھے عمل میں سُستی کرنے کی طرف لے جائے تو قبر اور قیامت کی یاد سے اُس پر غلبہ حاصل کر۔ اور جب دُنیا میں رغبت یا (یہاں کی تکلیف کے) خوف کے راستے سے وہ تیرے پاس آئے تو اُس سے کہہ دے کہ دنیا ہر حال میں چھوٹنے والی چیز ہے (نہ یہاں کی راحت کو دوام ہے نہ یہاں کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی ہے)۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا جو شخص جھوٹ بولتا ہے اُس کے منہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور جس شخص کی عادتیں خراب ہوں گی اُس پر غم سوار ہوگا۔ اور پہاڑ کی چٹانوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ مُنتقل کرنا احمقوں کے سمجھانے سے زیادہ آسان ہے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا جھُوٹ سے اپنے کو بہت محفوظ رکھو۔ جھوٹ بولنا چڑیا (پرند) کے گوشت کی طرح سے لذیذ تو معلوم ہوتا ہے لیکن بہت جلد جھُوٹ بولنے والے شخص کے ساتھ دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بیٹا جنازہ میں اہتمام سے شرکت کیا کرو اور تقریبات میں شرکت سے گریز کیا کرو، اس لئے کہ جنازہ آخرت کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور شادیاں تقریبات دنیا کی طرف مشغول کرتی ہیں۔

بیٹا جب پیٹ بھرا ہوا ہو، اس وقت نہ کھاؤ۔ پیٹ بھرے پر کھانے سے کُتے کو ڈال دینا بہتر ہے۔ بیٹا نہ تو تم اتنا میٹھا بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں، نہ اتنا کڑوا بنو کہ لوگ تھوک دیں۔ بیٹا تم مرغے سے زیادہ عاجز نہ بنو کہ وہ تو سحر کے وقت جاگ کر چلّانا شروع کردے اور تم اپنے بستر پر پڑے سوتے رہو۔ بیٹا توبہ میں دیر نہ کرو کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں، وہ دفعۃً آجاتی ہے۔

بیٹا جاہل سے دوستی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی جہالت کی باتیں تمہیں اچھی معلوم ہونے لگیں، اور حکیم سے دشمنی مول نہ لو ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اعراض کرنے لگے (اور پھر اُس کی حکمتوں سے تم محروم ہو جاؤ) بیٹا اپنا کھانا متّقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ۔

اور اپنے کاموں میں علماء سے مشورہ لیا کرو کسی نے اُن سے پوچھا کہ بدترین شخص کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو کہ کوئی شخص اس کو بُرائی کرتے ہوئے دیکھ لے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا نیک لوگوں کے پاس اپنی نشست کثرت سے رکھا کرو کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے نیکی حاصل کر سکو گے۔ اور اگر ان پر کسی وقت اللہ کی رحمتِ خاصہ نازل ہوئی تو اس میں سے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا (کہ جب بارش اُترتی ہے، تو اُس مکان کے سب حصوں میں پہنچتی ہے) اور اپنے آپ کو بُرے لوگوں کی صحبت سے دُور رکھو کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے کسی خیر کی تو اُمید نہیں۔ اور اُن پر کسی وقت عذاب ہوا تو اُس کا اثر تم تک پہنچ جائے گا۔

اُن کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لئے ایسی مفید ہے جیسا کہ پانی کھیتی کیلئے۔

اُن کا ارشاد ہے کہ بیٹا تم جس دن سے دنیا میں آئے ہو، ہر دن آخرت کے قریب ہوتے جا رہے ہو (اور دنیا سے ہر دن پشت پھیرتے جا رہے ہو۔ پس وہ گھر جس کی طرف تم رواں چل رہے ہو وہ بہت قریب ہے اس گھر سے جس سے ہر دن دُور ہوتے جا رہے ہو)۔

بیٹا قرض سے اپنے کو محفوظ رکھو کہ یہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے (یعنی قرضخواہ کے تقاضے سے دن میں ذلت اُٹھانا پڑتی ہے، اور رات بھر قرض کے فکر میں گذرتی ہے) بیٹا اللہ کی رحمت کی ایسی اُمید رکھو جس سے گناہوں پر جرأت نہ ہونے پائے۔ اور اس کے خوف سے ایسا ڈرو کہ اس کی رحمت سے ناُامیدی نہ ہو جائے۔ بیٹا جب تم سے کوئی شخص آکر کسی کی شکایت کرے کہ فلاں نے میری دونوں آنکھیں نکال دیں اور واقعہ میں بھی اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی ہوں، تو اس وقت تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو، جب تک دوسرے کی بات نہ سُن لو۔ کیا خبر ہے کہ اُس نے خود پہل کی ہو، اور اس نے اُس سے پہلے چار آنکھیں نکال دی ہوں۔ (درمنثور)

فقیہ ابواللیثؒ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت لقمانؑ کا انتقال ہونے لگا، تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ بیٹا میں نے تم کو اس مدتِ زندگی میں بہت سی نصیحتیں کیں۔ اس وقت (آخری وقت ہے) چھ نصیحتیں تم کو کرتا ہوں:۔

۱: دنیا میں اپنے آپ کو فقط اتنا ہی مشغول رکھنا جتنی زندگی باقی ہے (اور وہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں)۔ ۲: حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف جتنی تمہیں احتیاج ہے اُتنی ہی اس کی عبادت کرنا (اور ظاہر ہے کہ آدمی ہر چیز میں اس کا محتاج ہے) ۳: آخرت کے لئے اس مقدار کے موافق تیاری کرنا جتنی مقدار وہاں قیام کا ارادہ ہو (اور ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد تو وہاں کے علاوہ کوئی مقام ہی نہیں)۔ ۴: جب تک تمہیں جہنّم سے خلاصی کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے خلاصی کی کوشش کرتے رہنا (ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہو تو جب تک اُس کو مقدمہ سے خارج ہو جانے کا یقین نہ ہو، ہر وقت کوشش میں لگا رہتا ہے)۔ ۵: گناہوں پر اتنی جرأت کرنا جتنا جہنّم کی آگ میں جلنے کا حوصلہ اور ہمّت ہو (کہ گناہوں کی سزا ضابطہ کی چیز ہے اور مراحمِ خسروانہ کی خبر نہیں)۔ ۶: جب کوئی گناہ کرنا چاہو، ایسی جگہ تلاش کر لینا جہاں حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کے فرشتے نہ دیکھیں (کہ خود حاکم کے سامنے، سی آئی ڈی کے عملہ کے سامنے بغاوت کا انجام معلوم ہے) (تنبیہ الغافلین)

یہ چند نصائح حضرت لقمانؑ کی تبعاً ذکر کر دی گئیں مقصود ان کی نصائح میں سے بھی وہی مضمون ہے جو پہلے سے میں لکھ رہا تھا۔ کہ جو شخص دنیا سے محبّت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔

عرفجہ ثقفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سَبِّحِ اسْمَ پڑھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اور جب بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی پر پہنچے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے"۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے تلاوت کو بند کر کے فرمایا کہ بیشک ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی۔ سب حاضرین خاموش تھے پھر دوبارہ فرمایا کہ ہم نے دنیا کو ترجیح دے دی۔ اس لئے کہ ہم نے اُس کی زیب و زینت کو دیکھا، اُس کی عورتوں کو دیکھا، اس کے کھانے پینے کو دیکھا اور آخرت کی یہ سب چیزیں ہم سے مخفی تھیں، اس لئے دنیا کو ترجیح دے بیٹھے اور آخرت کو چھوڑ دیا۔

حضرت انسؓ، حضورِ اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کلمہ اللہ کی ناراضی سے بندوں کو محفوظ رکھتا ہے جبتک کہ دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح نہ دیں۔ اور جب دنیا کی تجارت کو آخرت کی تجارت پر ترجیح دینے لگیں۔ پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں تو وہ کلمہ اُن پر یہ کہہ کر لوٹا دیا جاتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو (یعنی تمہارا اقرار جھوٹا ہے، محض زبانی جمع خرچ ہے)۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ کی گواہی کے ساتھ اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے ملتا ہے وہ (سیدھا) جنت میں داخل ہوتا ہے جبتک کہ اس کے ساتھ دوسری چیز کو خلط نہ کردے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے اپنا یہ ارشاد فرمایا۔ مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان دوسری چیز خلط کرنے کا کیا مطلب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، دنیا کی محبت، اور اس کی ترجیح اور اس کے لئے مال کا جمع کرنا، اور دنیا کی چیزوں سے خوش ہونا اور متکبر لوگوں کا سا عمل۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہیں۔ اور دنیا اُس شخص کا مال ہے جس کا (آخرت میں) مال نہیں۔ اور دنیا کے لئے وہ شخص مال جمع کرتا ہے جس کو بالکل عقل نہیں ہے۔ (درمنثور)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا خود مَلْعُوْن ہے، اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب مَلْعُوْن ہے بجز اس کے کہ جو حق تعالیٰ شانُہٗ کے لئے ہو۔ (جامع الصغیر)

امام غزالیؒ مذمّتِ دنیا کی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اور حمد اُسی پاک ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے دوستوں کو دنیا کے مُہلکات اور اُس کی آفات سے واقف کردیا اور دُنیا کے عُیُوب اور اُسکے رازوں کو اپنے دوستوں پر روشن کردیا۔ یہاں تک کہ ان حضرات نے دنیا کے احوال کو پہچان لیا، اور اس کی بھلائی اور بُرائی کا موازنہ کرکے یہ جان لیا کہ اس کی بُرائیاں اس کی بھلائی پر غالب ہیں اور جو اُمیدیں دُنیا سے وابستہ ہیں وہ اُن اندیشہ ناک چیزوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اُس پر مُرَتَّب ہیں۔ دنیا ایک چٹ پٹی عورت کی طرح سے لوگوں کو اپنے حُسن و جمال سے گرفتار کرتی ہے

اور اپنی بدکرداری سے اپنے وصال کے خواہشمندوں کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں سے بھاگتی ہے۔ اُن کی طرف توجہ کرنے میں بڑی بخیل ہے۔ اور اگر متوجہ بھی ہوتی ہے تو اس کی توجہ میں بھی آفت اور مصیبت میں امن نہیں ہے۔ اگر ایک دفعہ احسان کرتی ہے تو ایک سال تک برائیاں کرتی رہتی ہے۔ جو اس کے دھوکہ میں آجاتا ہے اس کا انجام ذلت ہے۔ اور جو اس کی وجہ سے تکبر کرتا ہے وہ آخر کار حسرت و افسوس کی طرف چلتا ہے۔ اس کی عادت اپنے عشاق سے بھاگنا ہے اور جو اُس سے بھاگے، اُس کے پیچھے پڑنا ہے۔ جو اس کی خدمت کرے اس سے علیحدہ رہتی ہے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اس کی ملاقات کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی صفائی میں بھی تکدر ہے، اس کی خوشی میں بھی رنج وغم لازم ہیں۔ اس کی نعمتوں کا پھل حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بڑی دھوکہ دینے والی مکار عورت ہے۔ بڑی بھگوڑی اور ایک دم اُڑ جانے والی ہے۔ یہ اپنے چاہنے والوں کے لئے نہایت زیب و زینت اختیار کرتی ہے اور جب وہ اچھی طرح اس میں پھنس جاتے ہیں تو دانت دکھانے لگتی ہے، اور اُن کے منتظم احوال کو پریشان کر دیتی ہے اور اپنی نیرنگیاں اُن کو دکھاتی ہے، پھر اپنا زہرِ قاتل اُن کو چکھاتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے، اس کے دوستوں کی دشمن ہے۔ اُس کے دشمنوں کی دشمن ہے اللہ تعالیٰ کی دشمنی اس طرح سے کہ اس کی طرف چلنے والوں کی رہزنی کرتی ہے۔ اس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اُن کے دل لبھانے کے لئے طرح طرح کی زینتیں اپنے اوپر لادتی ہے جس سے وہ اس طرف ملتفت ہو کر اس سے قطع تعلق پر صبر کا کڑوا گھونٹ پیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ اپنے مکر و فریب سے اُن کو شکار کرتی ہے۔ اور جب وہ اس کی دوستی پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں تو یہ ایسے وقت اُن کو ایک دم ادھر میں چھوڑ دیتی ہے جس وقت کہ وہ اس کے سخت محتاج ہوں جس سے وہ دائمی حسرت اور دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ میں کثرت سے اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ بلکہ تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی پر تنبیہ

کے لئے ہوتی ہے کہ اس سے دل نہ لگایا جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک مُردہ بکری کے پاس سے گذرے۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے خطاب فرماکر ارشاد فرمایا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس مری ہوئی بکری کی کوئی وقعت اس کے مالک کے یہاں ہوگی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کی بے وقعتی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کو پھینک دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہے جتنی یہ مُردہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک دُنیا کی وقعت ایک مچھّر کے پَر کی برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ ملتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی محبّت ہر خطا کی اساس اور بُنیاد ہے۔

حضرت زَید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے کچھ پینے کو مانگا تو شہد کا شربت خدمت میں پیش کیا گیا اس کو منہ کے قریب فرماکر حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ رونے لگے۔ اور اتنا روئے کہ پاس بیٹھنے والے بھی مُتاَثّر ہوکر رونے لگے اور خوب روئے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ مُنہ کے قریب کیا پھر رونے لگے۔ اس کے بعد اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھے، اور ارشاد فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دفع فرمارہے ہیں اور کوئی چیز حضورؐ کے سامنے مجھے نظر نہ آئی۔ تو میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ حضور کس چیز کو اپنے سے ہٹارہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے حاضر ہوئی تھی، میں نے اس کو اپنے سے ہٹادیا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ دنیا میرے (یعنی حضورؐ کے) پاس آئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو (کچھ قلق نہیں، اس لئے کہ) آپ کے بعد آنے والے مجھ سے نہیں بچ سکتے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ بہت زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ آخرت دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کے بعد بھی وہ اس دھوکہ کے گھر دنیا کے لئے کوشش کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک کوڑے پر کو گذرے۔ جہاں کچھ بوسیدہ

ہڈیاں، پاخانہ اور پُرانے پھٹے ہوئے چیتھڑے پڑے ہوئے تھے۔ حضورؐ وہاں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ آؤ دیکھو، یہ ہے دنیا کا مُنتہیٰ، اور اس کی ساری زیب و زینت۔

ایک اور حدیث میں اس مجمل ارشاد کی تفصیل بھی آئی ہے۔ لیکن علامہ عراقیؒ وغیرہ حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ ہمیں وہ روایت نہیں ملی کہ کہاں ہے۔ تاہم امام غزالیؒ نے اس کو نقل کیا ہے اور صاحبِ قُوت نے اس کو حضرت حَسَن بصریؒ سے مُرسلاً نقل کیا ہے، وہ یہ ہے: حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں دنیا کی حقیقت دکھاؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضورؐ نے مجھے ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ سے باہر ایک کوڑی پر تشریف لے گئے جہاں آدمیوں کی کھوپڑیاں پاخانے اور پھٹے ہوئے چیتھڑے اور ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ابُوہُریرہ یہ آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں۔ یہ دماغ اسی طرح دنیا کی حرص کرتے تھے جس طرح تم سب زندہ آج کل کر رہے ہو۔ یہ بھی اسی طرح اُمیدیں باندھا کرتے تھے جس طرح تم لوگ اُمیدیں لگائے ہوتے ہو۔ آج یہ بغیر کھال کے پڑی ہوئی ہیں اور چند روز اور گذر جانے کے بعد مٹی ہو جائیں گی۔ یہ پاخانے وہ رنگ برنگ کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے کمایا، حاصل کیا۔ پھر اُن کو تیار کیا اور کھایا۔ اب یہ اس حال میں پڑے ہیں کہ لوگ اس سے (نفرت کر کے) بھاگتے ہیں (وہ لذیذ کھانا جس کی خوشبو دُور سے لوگوں کو اپنی طرف متوجّہ کرتی تھی، آج اس کا مُنتہیٰ یہ ہے کہ اس کی بدبُو دُور سے لوگوں کو اپنے سے متنفّر کرتی ہے)۔ یہ چیتھڑے وہ زینت کا لباس (تھا جس کو پہن کر آدمی اکڑتا تھا۔ آج یہ اس حال میں) ہے کہ ہوائیں اس کو اِدھر سے اُدھر پھینکتی ہیں۔ یہ ہڈیاں اُن جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پہ لوگ سواریاں کیا کرتے تھے (گھوڑوں پر بیٹھ کر مٹکتے تھے) اور دنیا میں گھومتے تھے۔ بس جسے ان احوال پہ (اور اُن کے عبرت ناک انجام پہ) رونا ہو، وہ ان کو دیکھ کر روئے۔ حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب بہت روئے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا (ظاہر کے اعتبار سے میٹھی اور سرسبز ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ نے تم کو اس میں اپنے اَسلاف کا جانشین اس لئے بنایا ہے تاکہ

وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو۔ بنی اسرائیل پر جب دنیا کی فتوحات ہونے لگیں تو وہ اس کی زیب و زینت اور عورتوں اور زیوروں کے چکر میں پڑ گئے۔

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ وہ تمہیں اپنا غلام بنالے گی۔ اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کردو، جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ دُنیا کے خزانوں میں اِضاعت کا اندیشہ ہر وقت ہے اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے خزانہ پر کوئی آفت نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کا اِرشاد ہے کہ دنیا کی خباثت کے آثار میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اور اس کی خباثت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ آخرت اس کو چھوڑے بغیر نہیں ملتی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ دنیا کی مَحبّت ہر خطا کی جڑ ہے۔ اور تھوڑی دیر کی خواہش بہت طویل زمانہ کے رنج و عذاب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

ان کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ دنیا بعضوں کی طالب ہوتی ہے، بعضوں کی مطلوب ہوتی ہے۔ جو آخرت کے طالب ہیں اُن کی تو یہ خود طالب ہوتی ہے کہ جھک مار کر اُن کی روزی اُن کو پہنچاتی ہے۔ اور جو اس کی طلب میں لگ جاتے ہیں آخرت اُن کو خود طلب نہیں کرتی حتّٰی کہ موت آکر اُن کی گردن دبالیتی ہے۔

حضرت سُلَیْمان علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام ایک مرتبہ اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے۔ پرند اُن پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اور جنّ و اِنس دائیں بائیں تھے۔ ایک عابد پر گذرے۔ اُس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے بہت بڑی سلطنت آپ کو عطا فرما رکھی ہے (کہ جنّ و اِنس، چرند و پرند سب پر آپ کی حکومت ہے) حضرت سُلَیْمان علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام نے فرمایا کہ مسلمان کے اعمال نامہ میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللہِ سلیمان کے سارے مُلک سے زیادہ افضل ہے۔ اسلئے کہ یہ ساری سلطنت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ اور سُبْحَانَ اللہِ کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا مُنتہائے مقصد دُنیا

ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور اس کو حق تعالیٰ شانُہٗ چار چیزوں میں مُبتلا فرما دیتے ہیں۔ ایک ایسا غم جو کبھی بھی ختم نہ ہو (کہ ہر وقت آمدنی کے بڑھانے کی فکر میں لگا رہے گا)۔ ایک ایسا شُغل جس سے کسی وقت بھی فراغت نہ ہو ایک ایسا فقر جو کبھی بھی مُستغنی نہ بنائے (کہ جتنی آمدنی بڑھتی جائے اتنا ہی خرچ زیادہ ہو کہ آمدنی کم ہی معلوم ہو)۔ اور ایسی لمبی لمبی امیدیں جو کبھی بھی پوری نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے صحیفے میں ہے کہ "اے دنیا تو کس قدر ذلیل ہے ان نیک بندوں کی نگاہ میں جن کے لئے تو اپنے کو آراستہ کرتی ہے میں نے ان کے دلوں میں تیری عداوت ڈال دی ہے، اور تیرے سے اِعراض ان میں پیدا کر دیا ہے۔ میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ ذلیل پیدا نہیں کی۔ تیری ساری رِفعت نہایت ناچیز ہے اور ختم ہو جانے والی ہے۔ میں نے تیرے مُتعلق تیری پیدائش کے دن یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو ہمیشہ کسی کے پاس رہے گی اور نہ تیرے ساتھ ہمیشہ کوئی رہے گا۔ چاہے تیرا مالک کتنا ہی تیرے ساتھ بُخل کرے۔ مبارک ہیں وہ نیک بندے جو دل سے راضی برضا رہنے کی مجھے اطلاع دیتے ہیں اور اپنے ضمیر سے سچائی اور پختگی کی مجھے خبر دیتے ہیں۔ اُن کے لئے سرسبزی ہے۔ جب وہ اپنی قبروں سے اُٹھ کر میرے پاس آئیں گے تو میرے پاس اُن کے لئے ایک نُور ہے جو اس وقت اُن کے سامنے ہوگا۔ اور فرشتے دائیں بائیں جانب ہوں گے۔ حتّٰی کہ میں اُن کی ان سب امیدوں کو پُورا کر دوں　جو اُنہوں نے میرے ساتھ باندھ رکھی ہیں"۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بعض لوگ قیامت کے دن اتنے زیادہ اعمال لے کر آئیں گے جیسا کہ ملکِ عرب کے پہاڑ، لیکن وہ جہنّم میں ڈال دیئے جائیں گے کسی نے پوچھا یا رسُولَ اللہؐ! کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ نمازی بھی ہوں گے، روزہ دار بھی ہوں گے بلکہ تہجّد گذار ہوں گے لیکن جب دُنیا کی کوئی چیز (دولت عزّت وغیرہ) اُن کے سامنے آجائے تو ایک دم اس پر کُود پڑتے ہیں (جائز ناجائز کی بھی پروا نہیں کرتے)۔

حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کی

محبّت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی جیسا کہ آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو۔ یہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادو کرنے والی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کے (دل کے) اندھے پن کو دُور کر دے۔ اور اس کی (عبرت کی) آنکھیں کھول دے (جو یہ چاہتا ہو وہ غور سے سُن لے کہ) جو شخص دنیا میں جتنی رغبت کرتا ہے اور جیسی لمبی لمبی اُمیدیں باندھتا ہے اُسی کے بقدر حق تعالیٰ شانہٗ اس کے دل کو اندھا کر دیتے ہیں۔ اور جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو مختصر کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں۔ اور بغیر کسی کے دکھائے راستہ بتاتے ہیں۔ عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے لئے سلطنت، قتل اور جبر سے قائم ہو گی۔ بخل و فخر سے اُن کو غنا حاصل ہو گا۔ خواہشات کے اتباع سے لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبّت ہو گی۔ تم میں سے جو شخص ایسے زمانہ کو پائے اور اس وقت فقر پر صبر کرے حالانکہ وہ غنی ہو سکتا ہے، وہ لوگوں کی دشمنی کو برداشت کرے، حالانکہ وہ (اُن کی خواہشات کے تابع ہو کر) اُن کے دلوں میں محبّت پیدا کر سکتا ہے۔ وہ ذلّت پر قناعت کرے حالانکہ وہ (لوگوں کی موافقت کر کے) عزّت پا سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص ان چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ شانہٗ کے لئے برداشت کرتا ہے تو اس کو پچاس صدیقین کا ثواب ہو گا۔

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین کا بہت سا مال آیا (اہلِ ضرورت) انصاری صحابہؓ نے جب یہ خبر سُنی تو کثرت سے صبح کی نماز میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے نماز کے بعد مجمع کو دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں اس مال کی خبر سُن کر تم آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ بے شک یا رسول اللہ اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میں تمہیں (کثرتِ مال کی) خوشخبری دیتا ہوں کہ عنقریب مال بہت زیادہ ہونے والا ہے، اور جس چیز سے تم خوش ہوتے ہو (یعنی مال) اُس کی اُمید رکھو کہ وہ تمہارے پاس بہت زیادہ آنے والا ہے۔ میں

تمہارے فقر و فاقہ سے خائف نہیں ہوں۔ لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ تمہارے اُوپر دنیا پھیل پڑے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر وہ پھیل چکی ہے اور پھر تم اسمیں دل لگا بیٹھو جس کیوجہ سے وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے تم لوگوں پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر زمین کی برکات نکال دے کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ زمین کی برکات کیا چیزیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دنیا کی رونق۔

حضرت ابُوالدَّرداءؓ نے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو ہنسنا کم کر دو اور بہت کثرت سے رونے لگو۔ اور دنیا تمہارے نزدیک بہت ذلیل بن جائے، اور آخرت کو اس پر ترجیح دینے لگو۔ اس کے بعد ابُوالدرداءؓ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم جنگلوں کو روتے ہوئے اور چلاتے ہوئے نکل جاؤ۔ اور اپنے مالوں کو بغیر محافظ کے چھوڑ جاؤ لیکن تمہارے دلوں سے آخرت کا ذکر غائب ہے اور دنیا کی امیدیں تمہارے سامنے ہیں۔ اس لئے دنیا تمہارے اعمال کی مالک بن رہی ہے اور تم ایسے بن گئے گویا کچھ جانتے ہی نہیں۔ اس لئے تم میں سے بعض تو ان جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے، جو انجام کے خوف سے اپنی شہوتوں کو نہیں چھوڑتے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم آپس میں محبتیں نہیں رکھتے۔ ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم آپس میں دینی بھائی ہو۔ تمہاری خواہشات میں صرف تمہارے باطنی خبث نے تفرّق کر رکھی ہے۔ اگر تم سب دین پر اور دینی اُمور پر مجتمع ہو جاؤ، تو آپس میں تعلقات بھی زیادہ ہو جائیں۔ آخر تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دنیا کے کاموں میں تو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو۔ لیکن آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کرتے۔ تم جس سے محبت کرتے ہو، اس کو آخرت کے اُمور پر نصیحت کی قدرت تمہیں نہیں ہے۔ آخرت کے اُمور پر اس کو نصیحت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی کمی ہے۔ اگر تم آخرت کی بھلائی اور بُرائی پر ایسا یقین رکھتے جیسا کہ دُنیا کی بھلائی اور بُرائی پر یقین رکھتے ہو تو ضرور

آخرت کو دُنیا پر ترجیح دیتے ۔ اس لئے کہ آخرت تمہارے کاموں کی دنیا سے زیادہ مالک ہے ۔ اگر تم یہ کہو کہ دنیا کی ضرورت فوری ہے ۔ اِس وقت در پیش ہے ۔ آخرت کی ضرورت بعد میں ہوگی ۔ تو تم خود سوچو کہ دنیا میں بعد میں آنے والے اور حاصل ہونے والے کاموں کے لئے تم کتنی مشقت اُٹھاتے ہو (کھیتی کی مشقت برداشت کرتے ہو کہ بعد میں پیداوار ہوگی، باغ لگانے میں کتنی جاں فشانی کرتے ہو کہ کئی سال بعد پھل آئے گا ۔ وغیرہ وغیرہ) تم کس قدر بُری قوم ہو کہ اپنے ایمان کی جانچ ان چیزوں کے ساتھ نہیں کرتے جس سے تمہارے ایمان کی مقدار تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایمان کس درجہ تک تم میں موجود ہے ۔ اگر تم لوگوں کو اس چیز میں شک ہے جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لے کر آئے تو آؤ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں واضح طریق سے بتائیں اور وہ نُور دکھائیں جس سے تمہیں اطمینان ہو جائے کہ حضورؐ نے جو فرمایا وہ حق ہے ۔ تم کم عقل بے وقوف نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تم کو معذور سمجھ لیں ۔ دنیا کے کاموں میں تو تم بڑی اچھی رائے رکھتے ہو اور اس میں بڑی اِحتیاط پر عمل کرتے ہو (پھر کیا مصیبت ہے کہ آخرت کے کاموں میں نہ تم سمجھ سے کام لیتے ہو، نہ اِحتیاط پر عمل کرتے ہو) آخر یہ کیا بات ہے، تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ دنیا کے ذرا سے فائدہ سے بڑے خوش ہوتے ہو، ذرا سے نقصان سے رَنجیدہ ہو جاتے ہو جس کا اثر تمہارے چہروں تک پر معلوم ہونے لگتا ہے (کہ خوشی میں پھُول جاتا ہے، رنج میں ذرا سا مُنہ نکل آتا ہے) مصیبتیں زبان پر آنے لگتی ہیں ۔ ذرا سی بات کو مُصائب کہنے لگتے ہو ۔ ماتم کی مجلسیں قائم کرتے ہو ۔ لیکن دین کی بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹ جائے تو نہ اُس کا رنج و غم ہے، نہ چہرہ پر کوئی تغیّر ہے ۔ میں تمہاری بددینی کی حالت دیکھ کر یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی تم سے بیزار ہو گئے ہیں ۔ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے خوشی خوشی ملتے ہو، اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے سامنے کوئی ایسی (حق) بات نہ کہے جو اُس کو ناگوار ہو، تاکہ وہ بھی اس کے متعلق کوئی ناپسند بات نہ کہہ دے ۔ پس دلوں کے اندر ہی اندر ایسی باتیں رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہو، اور باطن کی گندگیوں پر تمہارے ظاہر کے چمن کھل رہے ہیں، اور موت کی یاد

کے چھوڑ دینے پر سب جمع ہو گئے ہو۔ کاش حق تعالیٰ شانہٗ مجھے موت دے کر تم لوگوں سے راحت عطا کرتا اور مجھے ان حضرات (یعنی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرامؓ) کے ساتھ ملا دیتا۔ جن کے دیکھنے کا میں مُشتاق ہوں۔ اگر یہ حضرات زندہ ہوتے تو تمہارے ساتھ رہنا ذرا بھی پسند نہ کرتے۔ پس اگر تم میں کوئی شمّہ خیر کا باقی ہے تو میں تمہیں صاف صاف کہہ چکا ہوں اور حق کی بات سُنا چکا ہوں، اگر تم اُس چیز کو (یعنی آخرت کو) جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، طلب کرنا چاہو تو وہ بہت آسان ہے۔ اور میں صرف اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں، تمہارے حق میں بھی اور اپنے حق میں بھی"۔ فقط حضرت اَبُوالدَّرداءؓ کا ارشاد ختم ہو گیا)۔

حضرت اَبُوالدَّرْدَاءؓ کی یہ ڈانٹ بڑے غور سے پڑھنے کی ہے۔ یہ اُن حضرات پر خفا ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن جیسے دین دار بن بھی نہیں سکتے۔ اُن کے اَحوال، اُن کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ اگر یہ حضرت اَبُوالدَّرْدَاءؓ ہم لوگوں کو دیکھتے تو یقیناً رنج سے ہلاک ہو جاتے۔ یقیناً یہ حضرات ہمارے احوال کو دیکھ بھی نہ سکتے، ان کا کسی طرح تحمّل نہ کر سکتے۔

حضرت حَسَن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان لوگوں پر رحم کرے جن کے پاس دُنیا امانت تھی۔ وہ اس امانت کو دوسروں کے حوالے کر گئے، اور خود بے فکر چل دیئے۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص دین کے بارہ میں تیری مُزاحمت کرے، اس سے مُزاحمت کر۔ اور جو دنیا کے بارے میں تیری مُزاحمت کرے، اس دُنیا کو اس کے مُنہ پر مار، اور بے فکر ہو جا۔

حضرت اَبُوحازمؒ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو۔ قیامت کے دن آدمی کو میدانِ حشر میں کھڑا کر کے کہا جائے گا، یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کو بڑا سمجھا، جس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حقیر بتایا تھا۔

حضرت عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْعُودؓ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے گھر میں چند روزہ مہمان ہے اور اس کا مال و متاع مانگی ہوئی چیز ہے۔ مہمان کو بہرحال چند دن میں اپنے گھر

(یعنی آخرت کو) چلا جاتا ہے، اور مانگی ہوئی چیز بہرحال واپس ہونے والی ہے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ ایک مجمع میں تشریف رکھتی تھیں۔ لوگ کچھ دنیا کی برائی کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگیں، کہ اس کا ذکر برائی سے بھی نہ کرو۔ اس کے ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمہارے دلوں میں وقعت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو اس کا بار بار ذکر بھی زبان پر نہ آتا (پاخانہ کی گندگی اور برائی کا بار بار کون ذکر کرتا ہے)۔

حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو وصیت ہے کہ اپنی دنیا کو دین کے بدلے میں بیچ دو، دونوں جہان میں نفع ملے گا۔ اور دین کو دنیا کے بدلے میں نہ بیچو۔ دونوں جہان میں خسارہ رہے گا۔

حضرت مطرف بن شخیرؒ کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کے عیش و عشرت اور اُن کے عمدہ لباس پر نظر نہ کرو بلکہ یہ سوچو کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیطان نے اپنے لشکروں کو حالات کی تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک نبی کی بعثت ہوئی ہے، اور اُن کی بہت بڑی اُمت ہے۔ تو اُس نے تحقیق کیا کہ ان لوگوں میں دنیا کی محبت بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں ہے۔ شیطان نے کہا کہ پھر مجھے اس کا رنج نہیں ہے کہ وہ بُت پرستی نہ کریں۔ میں تین چیزیں اُن پر مسلط کردونگا۔ ناجائز طریقہ سے کمانا، ناجائز طریقہ پر خرچ کرنا، اور جہاں خرچ کا واقعی محل ہو اسمیں خرچ نہ کرنا۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ دنیا کے حلال مال کا حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے۔ حضرت مالک بن دینارؒ کا ارشاد ہے کہ اس جادوگر سے بچتے رہو۔ یہ علماء کے دلوں پر بھی جادو کر دیتی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جس دل میں آخرت ہوتی ہے، دنیا اس سے جھگڑا کرتی رہتی ہے، اور اس دل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور جس دل میں دنیا ہوتی ہے، آخرت اس سے مزاحمت نہیں کرتی۔ اس لئے کہ آخرت کریم ہے۔ وہ دوسرے کے گھر پر قبضہ کرنا نہیں چاہتی۔ اور دنیا کمینہ ہے وہ ہر ایک کے

گھر پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتی ہے۔

مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ تُو جسقدر دنیا کا غم کریگا اتنا ہی آخرت کا غم تیرے دل سے نکل جائے گا۔ اور جتنا تُو آخرت کا غم کریگا اتنا ہی دنیا کا غم تیرے دل سے نکل جائے گا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے آدمیوں کو پایا ہے جن کے نزدیک دنیا اس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی جس پر تم چلتے ہو۔ ان کو اس کی پروا نہ تھی کہ دنیا ہے یا جاتی رہی۔ اِس کے پاس چلی گئی یا اُس کے پاس چلی گئی۔ ایک آدمی نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا۔ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مال و دولت عطا کیا ہو، وہ اس میں سے صدقات بھی کرتا ہے، صلۂ رحمی بھی کرتا ہے۔ کیا اس کیلئے یہ موزوں اور مناسب ہے کہ خود بھی اچھے اچھے کھانے کھائے اور نعمتوں میں زندگی گذارے انہوں نے فرمایا، نہیں۔ اگر ساری دنیا بھی اس کو مل جائے تو اس کو اپنے اُوپر بقدرِ ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیئے اور اس سے زیادہ کو اُس دن (یعنی آخرت کے دن) کیلئے بھیج دینا چاہیئے، جو دن اس کی سخت احتیاج کا ہوگا۔

حضرت فضیلؒ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے تب بھی میں اس سے ایسی گھن اور کراہت کروں جیسی کہ تم لوگ مُردار جانور سے کرتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ بنُو اسرائیل کو حق تعالیٰ شانہٗ کی بندگی کرنے کے باوجود صرف دنیا کی محبت نے بُت پرستی تک پہنچا دیا تھا۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے مال کو تو ہمیشہ کم سمجھتا ہے مگر اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا۔ دین میں کوئی مصیبت آجائے تو خوش رہتا ہے، دُنیا میں کوئی مُصیبت پیش آجائے تو گھبرا جاتا ہے۔

حضرت فضیلؒ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین ہو کہ وہ بہرحال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آجائے، پھر بھی کسی بات سے کیونکر خوش ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو اس کا یقین ہو کہ جہنم حق ہے اور اپنا

حشر معلوم نہیں) پھر کس طرح وہ کسی بات پر ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کے ہر وقت کے انقلابات دیکھتا ہے، پھر کیسے دنیا کی کسی بات پر مطمئن ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جس کو یقین ہے کہ تقدیر برحق ہے (جو کچھ مقدر میں ہے، وہ مل کر رہے گا) پھر کیوں مصیبتیں اٹھاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے پاس شہر نجران کے ایک بزرگ آئے جن کی عمر دو سو برس تھی۔ امیر معاویہؓ نے اُن سے پوچھا۔ دنیا کو تم نے بہت دیکھا۔ کیسا پایا؟ کہنے لگے چند ایک سال راحت کے چند ایک سال تکلیف کے۔ ہر دن رات میں کوئی نہ کوئی پیدا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی مر جاتا ہے۔ اگر پیدا ہونا بند ہو جائے تو دنیا ایک دن ختم ہو جائے (کہ مرنے کا سلسلہ بھی ہے) اگر مرنا بند ہو جائے تو دنیا میں رہنے کو جگہ بھی نہ ملے (اس لئے معتدل نظام یہی ہے کہ پیدا بھی ہوتے رہیں، مرتے بھی رہیں)۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا مجھ سے کوئی چیز مطلوب ہو، میرے قابل کوئی خدمت ہو تو بتاؤ، میں اس کو پورا کر دوں۔ وہ کہنے لگے کہ جو عمر میری ختم ہو چکی ہے وہ مجھے واپس مل جائے یا آئندہ کو موت نہ آئے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کر سکتا۔ کہنے لگے پھر مجھے آپ سے کچھ مانگنا بھی نہیں ہے۔

ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی شہوتوں سے وہی شخص صبر کر سکتا ہے، جس کے دل میں آخرت کی چیزوں کے ساتھ کوئی مشغولی ہو۔

مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ ہم سب نے دنیا کے ساتھ محبت کر لینے پر صلح کر لی ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کو نہ اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے نہ بری باتوں سے روکتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس حال پر ہمیں ہمیشہ چھوڑے رکھیں، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، نہ معلوم کس وقت کیا عذاب ہم پر نازل ہو جائے۔ حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اس کو تھوڑی سی دنیا مرحمت فرما کر روک لیتے ہیں۔ جب وہ مال اس کے پاس ختم ہو جاتا ہے تو پھر تھوڑا سا اور دیدیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں۔

ایک بزرگ کی دعا کے الفاظ ہیں: اے وہ پاک ذات جو اس پر قادر ہے کہ

آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دے، دُنیا کو میرے پاس آنے سے روک دے۔

محمد بن مُنکَدِرؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھے، کبھی افطار نہ کرے، رات بھر تہجّد پڑھے بالکل نہ سوئے، اپنے مال کو خوب خیرات کرتا ہو، اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہو اور گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن قیامت کے دن اس کو کھڑا کرکے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اس کی نگاہ میں وہ چیز وقیع تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل بتایا (یعنی دنیا) اور وہ چیز غیر وَقیع تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے وَقیع بتایا (یعنی آخرت) تم ہی بتاؤ کہ اس پر کیا گذرے گی۔ پھر ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس مرض میں یعنی دنیا کی وُقعت میں مُبتلا ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی مُبتلا ہیں۔

عبداللہ بن مُبارَکؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت نے اور گناہوں نے دلوں کو وحشی بنا رکھا ہے اس لئے خیر کی بات دلوں تک پہنچتی نہیں، یعنی اثر نہیں کرتی۔

وُہب بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت کے خلاف کرتا ہے۔ اور جو شخص شہوتوں کو اپنے قدم کے نیچے دبا لیتا ہے کہ اُن کو سر بھی نہیں اُٹھانے دیتا، شیطان ایسے شخص کے سایہ سے ڈرتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے اپنے ایک دینی بھائی کو نصیحت فرمائی کہ دنیا ایسا کیچڑ ہے جس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں (لہٰذا بچ بچ کر قدم رکھنا چاہیئے اور پاؤں کی لغزش سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے) دنیا ذِلّت کا گھر ہے اس کی آبادی کا منتہا بربادی ہے۔ اس میں رہنے والوں کو تنہا قبروں تک جانا ہے۔ اس کا اِجتماع، اِفتراق پر موقوف ہے۔ اس کی وُسعت فقر کی طرف لوٹا دی گئی۔ اس کی کثرت مَشقّت میں پڑنا اور اس کی تنگی سہولت میں پہنچنا ہے۔ پس ہمہ تن اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف مُتوجّہ رہو۔ اور اللہ جلّ شانہٗ نے جتنا رزق عطا فرما دیا، اس پر راضی رہو۔ اپنی آخرت میں سے دنیا کے لئے قرض نہ لو۔ (یعنی ایسی چیزیں اختیار نہ کرو جن کا بدلہ آخرت میں ادا کرنا پڑ جائے۔ اور وہاں ضرورت کے موقع پر کمی پڑ جائے) اس لئے کہ یہاں کی زندگی بمنزلہ ایک سایہ کے ہے جو عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ اور بمنزلہ ایک دیوار

کے ہے جو جھک گئی، عنقریب گرنے والی ہے۔ نیک عمل کثرت سے کرتے رہو، اور اُمیدیں بہت کم باندھو۔

حضرت ابراہیم بن اَدہمؒ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تمہیں اگر خواب میں کوئی شخص ایک درہم (ساڑھے تین آنے عـہ) دے، وہ زیادہ پسند ہے یا کوئی شخص تمہیں جاگنے کی حالت میں ایک دینار (اَشرفی) دے وہ زیادہ پسند ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ (یہ تو کُھلی بات ہے) جاگتے ہوئے دینار زیادہ محبوب ہے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا، کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس لئے کہ جس چیز کو تم دنیا میں محبوب رکھتے ہو، اس کو تم گویا خواب میں پسند کر رہے ہو۔ اور آخرت کی جس چیز کو پسند نہیں کر رہے ہو، اس سے گویا جاگنے میں اِعراض کر رہے ہو۔

یحییٰ بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ تین آدمی عقل مند ہیں۔ ایک وہ شخص جو دنیا کو اس سے پہلے خود چھوڑ دے کہ دنیا اس کو چھوڑ دے۔ دوسرا وہ شخص جو اپنی قبر کی تیاری اس سے پہلے کرلے کہ اُس میں داخل ہونے کا وقت آجائے۔ تیسرے وہ شخص جو اپنے مولیٰ کو اس سے پہلے پہلے راضی کرلے کہ اُس سے ملاقات کرے۔

اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا کی بدبختی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اس کی تمنّا تجھے حق تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت سے اپنے اندر مشغول کر دیتی ہے۔ جب اُس کی تمنّا کا یہ حال ہے تو اگر تُو دنیا میں پھنس جائے گا تو کیا حال ہوگا۔

بکرؒ بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا کو حاصل کرکے اس سے بے فکر ہونا چاہتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کوئی شخص آگ کو بجھانے کے لئے اُس پر خشک گھاس ڈالے۔

بُندارؒ کہتے ہیں کہ جب دنیادار زُہد کی باتیں کرتے ہیں تو سمجھ لے کہ شیطان اُن کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ ایک بُزرگ کا ارشاد ہے کہ لوگو فرصت کے ان ایّام میں نیک عمل کرلو، اور حق تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتے رہو۔ اور اپنی لمبی لمبی امیدوں سے اور موت کو

عـہ تصنیف کے وقت درہم کی یہی قیمت تھی۔ اب زیادہ ہے۔ درہم دراصل چاندی کے ایک سکّہ کا نام ہے۔ جس کا وزن ساڑھے تین ماشہ ہے۔

بھول جانے سے دھوکہ میں نہ پڑو اور دنیا کی طرف ذرا بھی مُتوجہ نہ ہو۔ یہ کمبخت بڑی بے وفا، بڑی دھوکہ باز ہے۔ اپنے دھوکہ سے تمہارے لئے بنتی اور سنورتی ہے اور اپنی آرزوؤں کے ساتھ تم کو فتنہ میں ڈالتی ہے۔ وہ اپنے خاوندوں کے لئے زینت اختیار کرتی ہے اور بالکل نئی دُلہن کی طرح سے بن جاتی ہے جیسا کہ وہ شادی کے دن ہوتی ہے، کہ آنکھیں اس کی طرف لگ جاتی ہیں، اور دل اس پر جم جاتے ہیں اور آدمی اس کے عاشق بن جاتے ہیں۔ لیکن اس کمبخت نے اپنے کتنے عاشقوں کو قتل کر ڈالا۔ اور کتنے آدمیوں کو جو اس پر اطمینان کئے ہوئے بیٹھے تھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس کو حقیقت کی نگاہ سے غور سے دیکھو۔ یہ ایسا گھر ہے جس میں مُہلکات بہت زیادہ ہیں اور خود اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی بُرائی بتائی ہے (ایک حکیم کوئی دوائی تیار کرتا ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ اس میں زہر ہے، صرف ایک رتی اس کی اِحتیاج کے وقت استعمال کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی بیوقوف ایک تولہ دو تولہ اس میں سے کھالے گا تو لامحالہ مرے گا۔ اور بنانے والے حکیم کے خبر کر دینے کے بعد ایسا کرنا حماقت کی اِنتہا ہے)۔ اس کی ہر نئی چیز پرانی ہو جائیگی اس کا ملک خود ہی فنا ہو جائے گا۔ اس کا عزیز آخر کار ذلیل ہوگا۔ اس کی کثرت بالآخر قلّت کی طرف پہنچتی ہے۔ اس کی دوستی فنا ہونے والی ہے۔ اس کی بھلائی ختم ہو جانے والی ہے۔ تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ رحم کرے۔ اپنی غفلت سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنی نیند سے جاگ جاؤ، اس سے پہلے پہلے کہ یہ شور ہو جائے، فلاں شخص بیمار ہو گیا ہے، مایوسی کی حالت ہے، کوئی اچھا حکیم بتاؤ، کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤ۔ پھر تمہارے لئے حکیم اور ڈاکٹر بار بار بلائے جائیں، اور زندگی کی کوئی بھی اُمید نہ دلائے۔ پھر یہ آواز آنے لگے کہ اس نے وصیتیں شروع کر دیں۔ اے لو، اس کی تو زبان بھی بھاری ہو گئی۔ اب تو آواز بھی اچھی طرح نہیں نکلتی۔ اب تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں۔ لمبے لمبے سانس بھی آنے لگے، کراہ بھی بڑھ گئی۔ پلکیں بھی جھکنے لگیں۔ اس وقت تجھے آخرت کے احوال محسوس ہونے لگیں گے لیکن زبان تُتلا گئی۔ اب کوئی بات کہہ بھی نہیں سکتا۔ بھائی بند، رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں۔ کہیں بیٹا سامنے آتا ہے۔ بھائی سامنے آتا ہے، بیوی سامنے آتی ہے مگر

زبان کچھ نہیں بولتی۔ اتنے میں بدن کے اجزاء سے رُوح نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور آخر وہ نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے۔ عزیز و اقارب جلدی جلدی دفنانے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ عیادت کرنے والے رو دھو کر چُپ ہو جاتے ہیں۔ دشمن خوشیاں مناتے ہیں۔ عزیز، رشتہ دار مال بانٹنے میں لگ جاتے ہیں، اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے۔ (یہ حقیقت ہے اس زندگی کی)۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت امیرالمؤمنین عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا کہ دنیا کوچ کا گھر ہے۔ یہ رہنے کا گھر نہیں ہے حضرت آدم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس میں سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا، کہ جنت میں اُن سے ایک لغزش ہو گئی تھی (تو بطور جیل خانہ کے یہاں بھیجا گیا تھا) اس لئے اس سے ڈرتے رہیں۔ اس کا توشہ اس کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کا غنٰی اس کا فقر ہے (یعنی اس میں غنی وہی شخص ہے جو ظاہر میں فقیر ہے) یہ ہر وقت کسی نہ کسی کو ہلاک کرتی رہتی ہے جو اس کو عزیز سمجھے اس کو یہ ذلیل کرتی ہے۔ جو اس کو جمع کرنے کا ارادہ کرے، اس کو یہ (دوسروں کا) محتاج بناتی ہے۔ یہ ایک زہر ہے جس کو انجان لوگ کھاتے ہیں۔ پھر وہ مرجاتے ہیں۔ اسمیں ایسی طرح زندگی گذار دیں جیسا کہ زخمی بیمار ہر چیز سے احتیاط کرتا ہے تاکہ صحت نصیب ہو جائے۔ اور کڑوی دوا اس لئے استعمال کرتا ہے تاکہ مرض طُول نہ پکڑے۔ آپ اس مکّار، دغاباز، فریبی سے احتیاط رکھیں جو محض دھوکہ دینے کی وجہ سے بنتی سنورتی ہے، اور دھوکہ سے لوگوں کو مصیبت میں پھنساتی ہے اور اپنی امیدوں کے ساتھ لوگوں کے یہاں آتی ہے، اور اپنے منگنی کرنے والوں کو، آج، کل پر ٹالتی رہتی ہے۔ پس یہ اُن کے لئے ایسی بنی ٹھنی نئی دُلہن بن جاتی ہے کہ آنکھیں اس پر ٹکٹکی لگا لیتی ہیں، اور دل اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں اور آدمی اس کے جان نثار بن جاتے ہیں، لیکن یہ کمبخت سب کے ساتھ دشمنی کرتی ہے۔ حیرت

عہ راجح یہ ہے کہ لغزش تو توبہ سے معاف ہو گئی تھی۔ لیکن پھر خلافت کے لئے دنیا میں بھیجا گیا۔ مصحح

ہے کہ نہ تو رہنے والے، جلنے والوں سے عبرت پکڑتے ہیں، نہ بعد کے آنے والے پہلوں کا حال سُن کر اس سے اِحتراز کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو جاننے والے اُس کے ارشادات سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ اس کے عاشق اپنی حاجت پوری ہوتی دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں، اور سرکشی میں مُبتلا ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا دل اس میں مشغول ہو جاتا ہے، اور قدم آخرت کے راستہ سے پھسل جاتا ہے، پھر ندامت اور حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ کہ موت کی اور نزع کی کرب اور بے چینی اُن کو گھیر لیتی ہے، اور اس سب کے چھوٹ جانے کی حسرتیں اس پر مُسلّط ہو جاتی ہیں۔ اس میں رغبت کرنے والا اپنے مقاصد کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکتا۔ اور مَشَقّت سے کبھی بھی راحت نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ بغیر توشہ لئے اس عالم سے چلا جاتا ہے، اور بغیر تیاری کے آخرت میں پہنچ جاتا ہے۔ امیرُ المؤمنین اس سے بہت بچتے رہیں اور اس کی نہایت خوشی کے اوقات میں بھی بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔ اس پر اعتماد کرنے والا جب بھی کچھ خوش ہوتا ہے تو یہ کسی نہ کسی مصیبت میں اس کو مُبتلا کر دیتی ہے۔ اس میں خوش رہنے والا دھوکہ میں پڑا ہوا ہے اور اسمیں (ضرورت سے زیادہ) نفع اُٹھانے والا نقصان میں پڑا ہوا ہے۔

اس کی راحت، تکلیفوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں رہنے کا مُنتہا فنا ہے اس کی خوشی رنج کے ساتھ مخلوط ہے۔ جو کچھ گذر چکا ہے وہ واپس آنے والا نہیں ہے اور جو آنے والا ہے اس کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہو۔ اس کی آرزوئیں جھوٹی، اس کی اُمیدیں سب باطل، اس کی صفائی میں گدلا پن ہے۔ اس کی عیش میں مشقّت ہے۔ اور آدمی اس میں ہر وقت خطرہ کی حالت میں ہے۔ اگر اس کو عقل ہو اور وہ غور کرے تو اسکی نعمتیں خطرناک ہیں، اور اس کی بلاؤں کا ہر وقت خوف ہے۔

اگر حق تعالیٰ شانُہٗ جو اس کے خالق ہیں، وہ اس کی برائیوں کی اطلاع نہ فرماتے تب بھی اس مکّار کی اپنی حالت ہی سوتوں کو جگانے کے واسطے اور غافلوں کو ہوشیار کرنے کے واسطے کافی تھی۔ چہ جائے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے خود اس پر

تنبیہیں فرمائیں اور اس کے بارے میں نصیحتیں فرمائیں، کہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں اس کی کوئی قدر نہیں اور اس کو پیدا فرما کر کبھی بھی اس کی طرف نظرِ التفات نہیں فرمائی۔

یہ اپنے سارے خزانوں کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضورؐ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، منہ نہیں لگایا۔ اسلئے کہ حضورؐ نے حق تعالیٰ شانہٗ کی منشا کے خلاف کو پسند نہیں کیا۔ اور جس چیز سے اسکے خالق نے بغض رکھا، اس سے آپ نے محبت نہیں کی۔ اور جس چیز کی اللہ نے قیمت گرادی آپ نے اس کو پسند کر کے اس کا درجہ بلند نہیں کیا۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے نیک بندوں سے اس کو قصداً ہٹا دیا۔ اور اپنے دشمنوں پر اس کی وسعت کر دی۔ بعض دھوکہ میں پڑے ہوئے لوگ جو اس کو وقعت سے دیکھتے ہیں وہ اس کی وسعت کو دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان پر اکرام کیا۔ اور وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ (سیدُ الرُّسل فخرُ الاَوّلین وَالآخِرین) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس بارہ میں کیا معاملہ رکھا کہ پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد حضرت موسیٰؑ سے ہے کہ جب تُم وسعت کو آتے دیکھو تو سمجھو کہ کسی گناہ کی سزا میں یہ آرہی ہے۔ اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین کا شعار آرہا ہے۔ اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرنا چاہتا ہے، تو ان کا ارشاد یہ ہے کہ میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں فقط روٹی بھی ایسی لذیذ معلوم ہوتی ہے جیسی سالن سے) اور میرا شعار اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور میرا لباس صُوف ہے (بھیڑ بکری کے بال) اور میرا سردی میں سینکنا دھوپ ہے، اور میرا چراغ چاند کی روشنی ہے اور میری سواری میرے پاؤں ہیں اور میرا کھانا اور میوے زمین کا گھاس ہے۔ میں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ شام اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ غنی (ایسا بڑا جو کسی کا محتاج نہ ہو) کوئی بھی نہیں ہے۔

اس قسم کے ارشادات ان حضرات کرام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ

اور اولیاءِ عظام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کے بہت کثرت سے کتابوں میں موجود ہیں یہاں غور سے ایک بات سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ اصل زندگی اور محمُود و مرغُوب زندگی یہی ہے جو ان حضرات کے اِرشادات اور حالات سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے اَعضاء۔ اور اپنے قُویٰ کے تحمّل کی رعایت بھی ضروری ہے۔ جہاں تک اپنے قُویٰ تحمّل کریں وہاں تک اِتباع کی سَعی ہونا چاہیئے اور جہاں اپنا ضُعف مُتحمّل نہ ہو وہاں مجبوراً اپنے ضعف کی رعایت ضروری ہے۔ ان اَحْوال کے نقل سے مقصود یہ ہے کہ کم از کم اتنا ذہن نشین ہو جائے کہ دنیا کی اصل زندگی یہ ہے اور اس سے زائد جہاں تک ہم اپنے اَمراض اور اَعذار سے مجبور ہیں وہاں مجبوری کے درجہ میں اپنے ضعف اور عذروں کی رعایت کرنی ضروری ہے۔ اس کی مثال بیمار کا روزہ کھولنا ہے۔ کہ اصل تو یہی ہے کہ ماہِ مبارک میں روزہ رکھا جائے، لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ یا طبیب روزہ کو صحت کے لئے مُضِر بتاتا ہے تو مجبوراً روزہ کھولنا پڑے گا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اصل ماہ مبارک میں روزہ ہی تھا۔ وہی اصل مقصود ہے۔ وہی مرغوب ہے مگر بیمار غریب مجبور ہے کہ نہیں رکھ سکتا۔ البتہ اس کی رغبت۔ اس کی سَعی ہر سچا مسلمان کرتا ہے۔ اسی طرح ہم لوگ اپنی ہمتوں اور قُویٰ کے ضعف کی وجہ سے اس طرز زندگی کے مُتحمّل نہیں ہیں۔ اس لئے بدرجۂ مجبوری جس قدر حاجت ہے اُس قدر دنیا سے تلبُّس ضروری ہے۔ مگر اپنے ضُعف کی مجبوری کا احساس بھی رہے۔ اور اصل زندگی دل سے اسی کو سمجھتا ہے جو حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور دیگر انبیائے کرامؑ اور ان اَولیائے عظامؒ کی تھی جن میں سے چند کے اقوال گذرے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ دنیا کا بے حقیقت ہونا، اس کا دل نہ لگانے کے قابل ہونا، اس کا فانی اور محض دھوکہ ہونا، یہ اُمور ایسے ضروری ہیں کہ اپنے ضُعف اور مجبوری کی حالت میں بھی دل میں جتنے زیادہ سے زیادہ جمائے جا سکتے ہوں، ان کو جمائے۔ زبان سے نہیں دل سے دنیا کو حقیقۃً ایسا ہی سمجھے۔ اس کے سمجھنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ ہمارے پاس کوئی عذر ایسا نہیں جو کسی درجہ میں بھی اس بدبخت کو دلوں میں وقیع بنادے۔

اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا بہت جلد فنا ہو جانے والی ہے۔ جلد ہی ختم ہونے والی ہے۔ یہ اپنے باقی رہنے کے وعدے تو کرتی ہے، مگر ان وعدوں کو پورا نہیں کرتی۔ تُو جب اس کو دیکھے تو یہ تجھے ایک جگہ ٹھہری ہوئی معلوم ہوگی، لیکن واقعہ میں یہ بہت سُرعت سے چل رہی ہے۔ مگر دیکھنے والے کو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کو جب ہی پتہ چلتا ہے جب یہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال سایہ کی سی ہے کہ وہ ہر وقت چلتا رہتا ہے لیکن اس کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت حَسن بَصریؒ کے سامنے ایک مرتبہ دنیا کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا ؎

اَحْلَامُ نَوْمٍ اَوْ کَظِلٍّ زَائِلٍ اِنَّ اللَّبِیْبَ بِمِثْلِھَا لَایُخْدَعُ

"اس کی مثال سونے والوں کے خواب کی ہے۔ یا چلنے والے سایہ کی ہے۔ عقل مند آدمی کو اس جیسی چیز کے ساتھ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا"۔

حضرت امام حسنؓ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یَا اَھْلَ لَذَّاتِ دُنْیَا لَابَقَاءَ لَھَا اِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمُقٌ

"اے دنیا کی لذت والو! اس کو دوام بالکل نہیں ہے۔ ایسے سایہ کے ساتھ دھوکہ کھانا جو چل رہا ہو، حماقت ہے۔

یُونُس بن عُبَیدؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے دل کو دنیا کی یہ مثال سمجھائی کہ ایک آدمی مثلاً سو رہا ہے۔ وہ خواب میں بہت سی اچھی اور بُری باتیں دیکھتا ہے۔ ایک دم اس کی آنکھ کُھل گئی اور وہ سارا خواب ختم ہوگیا۔ اسی طرح آدمی سب سو رہے ہیں، اور یہ سب کچھ خواب میں دیکھ رہے ہیں۔ جب موت سے ایک دم آنکھ کُھل جائے گی تو یہاں کی نہ خوشی رہے گی، نہ غم رہے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو دُنیا کی حقیقت کا کشف ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایک نہایت بوڑھی عورت ہے جس کے بڑھاپے کی وجہ سے دانت بھی ٹوٹ گئے۔ اور نہایت زرق برق کا فاخرہ لباس پہن رہی ہے ہر قسم کی زینت کا سامان اُس پر ہے۔ بالکل دُلہن بن رہی ہے حضرت عیسیٰؑ نے اس سے

پوچھا کہ تو اب تک کتنے نکاح کر چکی ہے (کہ اب پھر نکاح کے شوق میں دُلہن بن رہی ہے) اس نے جواب دیا کہ ان کی کوئی شمار نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے دریافت فرمایا کہ وہ سب مر گئے یا انہوں نے تجھ کو طلاق دے دی؟ اُس نے جواب دیا کہ میں نے سب کو قتل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام فرماتے ہیں، تیرے باقی خاوندوں کا ناس ہو، وُہ تیرے گذشتہ خاوندوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تُو نے کس طرح ایک ایک کرکے سب کو ہلاک کر دیا۔

حقیقی بات یہی ہے کہ یہ بالکل ایک بڑی عمر کی بڑھیا ہے جس نے اپنے اُوپر زینت کا لباس پہن رکھا ہے۔ لوگ اس کی ظاہری زینت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ جب اس کی حقیقت پر مُطّلع ہوتے ہیں، اور اس کے چہرہ سے پردہ ہٹاتے ہیں، تو اس کی اصلی صورت نظر آتی ہے۔

عَلاء بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے خواب میں ایک بڑھیا کو دیکھا، جو بہت بوڑھی تھی، اور بہت عمدہ لباس، زیور وغیرہ پہن رہی تھی۔ دنیا کی ہر قسم کی زیب و زینت اس پر موجود تھی۔ اور لوگ بہت کثرت سے اُس کے گرد جمع ہیں۔ بڑے شوق سے اُس کو دیکھ رہے ہیں۔ میں اس کے قریب گیا، اور اُس کو دیکھ کر مجھے ان سب دیکھنے والوں پر بڑا تعجّب ہوا۔ میں نے خواب میں اس سے پوچھا کہ تُو کون ہے؟ کہنے لگی تُو مجھے نہیں جانتا؟ مَیں نے کہا نہیں، مَیں تو نہیں جانتا۔ اُس نے کہا۔ مَیں دنیا ہوں، میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ تجھ سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے۔ کہنے لگی۔ اگر تُو مجھ سے پناہ میں رہنا پسند کرتا ہے تو دِرْہم (روپیہ) سے بُغض پیدا کرلے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت میں دنیا ایسی حالت میں لائی جائے گی کہ بہت بوڑھی عورت، بدصورت، کیری آنکھیں، دانت آگے کو نکلے ہوئے، لوگوں کے سامنے لاکر کھڑی کی جائے گی۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ اس کو پہچانتے ہو۔ وہ کہیں گے خدا کی پناہ، یہ کیا بلا ہے۔ اُن سے کہا جائے گا یہ وہی دنیا ہے جس کی بدولت ایک نے دوسرے کو قتل کیا، آپس میں قطع رحمی کی، اسی کی وجہ سے تم آپس میں ایک دوسرے

سے حسد رکھتے تھے۔ بُغض رکھتے تھے اور اس کے دھوکہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد اس بُڑھیا کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ وہ چِلّائے گی کہ میرے ساتھ ان کو بھی تو لاؤ میرے پیچھے لگنے والوں کو بھی تو میرے ساتھ کرو۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہو گا کہ اس کے پیچھے چلنے والوں کو بھی اس کے ساتھ کرو۔

درحقیقت آدمی کے غور کرنے کی بات ہے کہ اس کے تین زمانے ہیں۔ ایک عالم کی اِبتداء سے اس کی پیدائش تک کا زمانہ ہے۔ دوسرا آدمی کے مرنے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کا زمانہ۔ ان دونوں کے درمیان میں تیسرا زمانہ یہ ہے جو اس کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کا وقت ہے۔ اس مُدّت کو اگر اِبتداء اور اِنتہا دونوں کے مجموعہ کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ کتنا قلیل وقت ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا پاک ارشاد ہے کہ مجھے دنیا سے کیا لینا ہے۔ میری مثال تو اس سوار کی سی ہے جو سخت گرمی میں سفر کر رہا ہو، گرمی کی شدّت میں کوئی سایہ دار درخت نظر پڑ جائے تو اس کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے دوپہر میں ٹھہر جائے۔ پھر اس درخت کو وہیں چھوڑ کر آگے چلا جائے۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا کو اس نگاہ سے دیکھے جو حضورؐ نے فرمایا تو کبھی بھی اس کی طرف نہ جھکے، اور ذرا بھی اس کی پرواہ نہ کرے کہ یہ تھوڑا سا وقت راحت اور خوشی میں گذر گیا یا رنج و تکلیف میں۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ چونے سے مکان کی تعمیر کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ موت اس سے زیادہ قریب ہے۔

ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ دنیا دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پانی میں چل رہا ہو۔ کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے کہ پانی میں چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں۔ حضورؐ کے اس ارشاد سے تمہیں ان لوگوں کی جہالت کا اندازہ ہو گیا ہو گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بدن تو دنیا کی لذّتوں سے منتفع ہو رہے ہیں لیکن ہمارے دل دنیا سے پاک ہیں اور ہمارے قلبی تعلّقات دنیا سے ٹوٹے ہوئے ہیں یہ تخیّل شیطان کا ان لوگوں کے ساتھ ایک مکر ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے پاس سے اگر

دنیا کو چھین لیا جائے تو اس کے فراق میں ایک دم بے چین ہو جائیں پس جس طرح پانی میں چلنے سے پاؤں لامُحالہ بھیگتے ہیں، اسی طرح دنیا کے ساتھ تعلق اور اختلاط دل میں ظلمت ضرور پیدا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کا ارشاد ہے کہ ایک حقیقی بات تم سے کہتا ہوں کہ جیسے بیمار آدمی کو تکلیف کی شدت کی وجہ سے کھانے میں لذت نہیں آتی، اسی طرح دنیادار کو عبادت میں لذت نہیں آتی۔ اور جس طرح جانور پر اگر سواری کرنا چھوڑ دیا جائے تو اس سے اس کا مزاج سخت ہو جاتا ہے اور سواری کی عادت اس کو نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر موت کے ذکر اور عبادت کی مشقت کے ساتھ دلوں کو نرم نہ کیا جائے تو وہ سخت ہو جاتے ہیں، ان میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک حق بات کہتا ہوں کہ مشکیزہ جب تک پھٹے نہیں، وہ شہد (پانی وغیرہ) کا برتن بنتا ہے۔ لیکن جب وہ پھٹ جاتا ہے تو پھر شہد اس میں نہیں رکھا جاتا۔ اسی طرح دل کو جبتک شہوتوں سے پھاڑا نہ جائے یا طمع سے اس کو خراب نہ کیا جائے یا نعمتوں سے اس کو سخت نہ کیا جائے تو وہ حکمت کا برتن بنتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دنیا کی شہوتیں اس وقت بڑی لذیذ معلوم ہوتی ہیں لیکن مُنْتَہا کے اعتبار سے موت کے وقت اتنی ہی مکروہ اور ناگوار ہوں گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ ان لذات سے دنیا کی زندگی میں جتنا زیادہ شغف اور محبت ہوگی، موت کے وقت اتنی ہی زیادہ کراہت اُن سے ہوگی۔ اس کی مثال کھانے کے ساتھ دی جاتی ہے کہ جو کھانا جتنا زیادہ لذیذ اور زیادہ چکنائی اور گھی والا ہوتا ہے اس کا پاخانہ اتنا ہی زیادہ گندہ اور بدبودار ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ سادہ کھانا ہوتا ہے اتنی ہی اس کے پاخانہ میں بدبو بھی کم ہوتی ہے۔

اس سب کے بعد یہ بات ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ دنیا کیا چیز ہے جس کی اتنی مذمتیں قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں آئی ہیں۔ اس کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ آدمی کی موت سے پہلے پہلے (یعنی زندگی میں) جو کچھ اَحوال پیش آتے ہیں، جو اُمور اس کو لاحق

ہوتے ہیں وہ سب دنیا کہلاتے ہیں۔ اور موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ سب آخرت کہلاتا ہے۔ موت سے پہلے اُمور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ چیزیں ہیں جو آدمی کے ساتھ اُس عالَم میں چلی جاتی ہیں۔ وہ علم دین اور نیک عمل ہے جو خالص حق تعالیٰ شانہٗ کے واسطے کیا گیا ہو۔ یہ دونوں چیزیں خالص آخرت اور دین ہیں، دنیا نہیں ہیں اگرچہ آدمی کو ان میں لذت آتی ہو۔ اور جن لوگوں کو ان میں لذتیں آجاتی ہیں۔ وہ ان کی وجہ سے کھانا پینا، سونا، شادی وغیرہ تک چھوڑ دیتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود یہ دونوں چیزیں آخرت ہی کی چیزیں ہیں۔

دُوسری قسم ان کے بالمقابل گناہوں کی لذتیں اور جائز چیزوں کی وہ مقداریں جو محض فضول اور زائد ہیں جیسا کہ سونے چاندی کے ڈھیر اور فاخرہ لباس، خوشنما جانوروں کا شوق، اُونچے اُونچے محل، لذیذ لذیذ کھانے، یہ سب دنیا ہے۔ جن کی مذمّت پہلے گذری ہے۔

تیسری قسم ان دونوں کے درمیان وہ ضروری چیزیں جو آخرت کے کاموں کیلئے مُعین اور مددگار ہوں۔ جیسا کہ بقدرِ ضرورت کھانا، سونا، اور ضرورت کے موافق معمولی لباس، گرمی کا سردی کا، اور ہر وہ چیز جس کی آدمی کو اپنی صحت اور بقا کے لئے ضرورت ہے۔ اور ان کی وجہ سے پہلی قسم میں اِعانت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بھی دنیا نہیں ہیں، یہ آخرت ہی ہیں، دین ہی ہیں، بشرطیکہ واقعی ضرورت کے درجہ میں ہوں۔ ان سے مقصد دینی اُمور پر تقوِیَت ہو۔ اور اگر ان کا مقصد محض حظِّ نفس اور دل کی خواہش کا پورا کرنا ہوگا تو یہی چیزیں دنیا ہو جائیں گی۔

مَیں نے اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے ایک قصہ اکثر سُنا۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کو پانی پت ایک ضرورت سے جانا تھا۔ راستہ میں جمنا پڑتی تھی۔ جس میں اتفاق سے طُغیانی کی صورت تھی کہ کشتی بھی اس وقت نہ چل سکتی تھی۔ یہ شخص بہت پریشان تھا لوگوں نے اُس سے کہا کہ فلاں جنگل میں ایک بُزرگ رہتے ہیں ان سے جاکر اپنی ضرورت کا اظہار کرو۔ اگر وہ کوئی صورت تجویز کر دیں تو شاید کام چل جائے۔ ویسے کوئی صورت نہیں ہے۔

لیکن وہ بزرگ اوّل اوّل بہت خفا ہوں گے، انکار کریں گے، اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے چنانچہ یہ شخص وہاں گیا۔ اس جنگل میں ایک جھونپڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس میں اُن کے اہل و عیال بھی رہتے تھے۔ اس شخص نے بہت رو کر اپنی ضرورت کا اظہار کیا کہ مقدمہ کی کل کو تاریخ ہے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اوّل تو انہوں نے حسبِ عادت خوب ڈانٹا، کہ میں کیا کر سکتا ہوں، میرے قبضہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد جب اس نے بہت زیادہ عاجزی کی تو انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے جا کر کہہ دو کہ ایسے شخص نے مجھے بھیجا ہے جس نے عمر بھر نہ کبھی کچھ کھایا، نہ بیوی سے صحبت کی۔ یہ شخص واپس ہوا اور ان کے کہنے کے موافق عمل کیا۔ جمنا کا پانی ایک دم رُک گیا، اور یہ شخص پار ہو گیا۔ جمنا پھر حسبِ معمول چلنے لگی۔ لیکن اس شخص کے واپس ہونے کے بعد ان بزرگ کی بیوی نے رونا شروع کر دیا کہ تُو نے مجھے ذلیل اور رسوا کیا بغیر کھائے تو خود پھول کر ہاتھی بن گیا۔ اس کا تجھے اختیار ہے اپنے متعلق جو چاہے جھوٹ بول دے۔ لیکن یہ بات کہ تُو کبھی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ اس بات نے مجھے رسوا کر دیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ اولاد جو پھر رہی ہے یہ سب حرام کی اولاد ہوئی۔ ان بزرگ نے اوّل تو عورت سے یہ کہا کہ تجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جب میں اولاد کو اپنی اولاد بتا تا ہوں پھر کیا اعتراض ہے۔ مگر وہ بے تحاشا روتی رہی۔ کہ تُو نے مجھے زنا کرنے والی بتا دیا۔ اس پر اُن بزرگ نے کہا کہ غور سے سُن۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے کبھی اپنی خواہشِ نفس کیلئے کوئی چیز نہیں کھائی۔ ہمیشہ جو کھایا، محض اس ارادہ اور نیت سے کھایا کہ اس سے اللہ کی اطاعت کے لئے بدن کو قوت پہنچے، اور جب بھی تیرے پاس گیا ہمیشہ تیرا حق ادا کرنے کا ارادہ رہا۔ کبھی اپنی خواہش کے تقاضہ سے صحبت نہیں کی۔

قصہ تو ختم ہوا۔ اب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پاک ارشاد میں غور کرنے سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے حضور کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اندر تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑ ہیں۔ اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے (اس کی سلامتی کے شکرانہ میں) روزانہ ایک صدقہ ادا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اتنے صدقات (یعنی تین سو ساٹھ) روزانہ ادا کرنے کی کس کو طاقت ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں

تھوک وغیرہ پڑا ہو اس پر مٹی ڈال دینا صدقہ (کا ثواب رکھتا) ہے راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اور چاشت کی نماز ان سب صدقوں کے برابر ہو سکتی ہے (مشکوٰۃ)۔ چونکہ نماز میں بدن کا ہر جوڑ عبادت میں مشغول رہتا ہے اس لئے ہر جوڑ کی طرف سے گویا صدقہ ہو گیا۔

دوسری حدیث میں ان چیزوں کی اور بھی مثالیں ذکر فرمائی ہیں جس میں ارشاد ہے کہ کسی کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے۔ اچھے کام کا حکم کرنا۔ بُرے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور بیوی سے صحبت کرنا بھی صدقہ ہے۔ اور ان سب کے قائم مقام دو رکعت چاشت کی نماز ہے کہ وہ سارے جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے۔ صَحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے یہ بھی صدقہ ہو جائے گا؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ اس کو ناجائز جگہ پوری کرتا تو کیا گناہ نہ ہوتا (ابوداؤد)۔ یعنی جب حرام کاری گناہ ہے تو اس سے بچنے کی نیت سے بیوی سے صحبت یقیناً ثواب کی چیز ہے۔ اسی طرح کھانا پینا سونا پہننا سب چیزیں عبادتیں ہیں بشرطیکہ واقعی اللہ کی اطاعت کے ارادہ سے ہوں۔ امام غزالیؒ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ دنیا فِیْ نَفْسِہٖ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ممنوع ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے میں مانِع بنتی ہے۔ اسی طرح فقر فِیْ نَفْسِہٖ مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس لئے مطلوب ہے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہٗ سے ہٹانے والی کوئی چیز نہیں (بلکہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچانے میں مُعِیْن ہے) لیکن بہت سے غنی ایسے بھی ہیں کہ غنا ان کو حق تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے میں مانع نہیں ہوا جیسا کہ حضرت سُلَیمان عَلَیْہِ السَّلَام، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ حضرات۔ اور بعض فقیر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا فقر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ تک پہنچنے سے مانع بن جاتا ہے کہ ناداری کے ساتھ مال کی محبّت اس کو راستہ سے ہٹا دیتی ہے۔ لہذا اصل ممنوع اور ناجائز مال کی مَحبّت ہے، چاہے اس کے وِصال سے ہو جیسا غَنِیؔ، یا فِراق سے ہو جیسا کہ دنیا دار فقیر۔ دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل لوگوں

کی معشوقہ ہے جو اس کا عاشق یعنی دنیا دار فقیر اس سے محروم ہے وہ اس کی طلب میں مر رہا ہے۔ اور جس عاشق کو اس کا وصال حاصل ہے جیسا کہ غنی وہ اس کی حفاظت اور اس سے لذتیں حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غافل ہے لیکن اکثر قاعدہ یہ ہے کہ جو اس سے محروم ہے وہ اس کے فتنوں سے بہت زیادہ محفوظ ہے اور جو اس میں پھنسا ہوا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہے۔

اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ارشاد ہے کہ ہم ناداری کے فتنہ (امتحان) میں مبتلا کئے گئے تو ہم نے صبر کیا (یعنی کامیاب رہے) پھر ہم ثروت اور دولت کے فتنہ (اور امتحان) میں مبتلا ہوئے تو ہم صبر نہ کر سکے (یعنی اس حال میں بھی اس مال سے بالکل علیحدہ رہتے، یہ نہ ہو سکا) اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ مال کے ہونے کی صورت میں اس کی مضرتوں سے کوئی برسہا برس میں ہی ایسا نکلتا ہے جو اس سے محفوظ رہ سکے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس سے بچنے کی ترغیب اور اس میں پھنس جانے کی مضرتوں پر تنبیہ کی ہے۔ اس لئے کہ اس سے بچنا تو ہر شخص کے لئے مفید ہی ہے۔ اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ (ہاتھ سے روپیہ پیسہ وغیرہ) مال کا الٹنا پلٹنا بھی ایمان کی حلاوت کو چوس لیتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر امت کے لئے کوئی بچھڑا (گئو ماتا وغیرہ) ہے جس کی وہ پرستش کرتے ہیں، میری امت کا بچھڑا روپیہ اور اشرفی ہے (کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ پرستش کا ہوتا ہے) اور حضرت موسیٰؑ کی قوم کا بچھڑا بھی تو سونے چاندی کا زیور ہی تھا۔ (احیاء)

اور یہ بات انبیاء کرامؑ اور اولیاء عظامؒ ہی کے لئے ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں سونا چاندی پانی پتھر ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد مجاہدات کی کثرت ان حضرات کے لئے اور بھی زیادہ اس چیز کو پورا کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے جب دنیا اپنی زیب و زینت کے ساتھ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ تو حضورؐ نے اس سے فرما دیا کہ مجھ سے دور ہی رہ۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ اے زرد و سفید (سونے چاندی) میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ میں ڈال (میں تیرے دھوکہ میں نہیں آؤں گا) اور یہی اصل غنا ہے کہ دل کو اس کے ساتھ تعلّق نہ رہے۔ اسی وجہ سے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غنا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا بلکہ اصل غنا دل کا غنیٰ ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہر شخص کو نصیب ہونا مشکل ہے۔ اس لئے اَسلم طریقہ اس سے دُور ہی رہنا ہے۔ اس لئے کہ مال پر قدرت اور قبضہ کی صورت میں چاہے صدقہ خیرات بھی کرتا ہو لیکن دل میں اس کے ساتھ اُنس پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اور یہی مُہلک چیز ہے کہ جس درجہ میں اس سے اُنس ہوگا، اتنا ہی حق تعالیٰ شانُہٗ سے بُعد ہوگا، اور وحشت ہوگی۔ اور جب تنگ دستی کی وجہ سے اس سے اُنس کم ہوگا تو مسلمان ہونے کی صورت میں لَا مُحالہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ وابستہ ہوگا۔ اس لئے کہ دل فارغ نہیں رہتا، کسی نہ کسی سے اس کو لگاؤ ضرور ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر سے مُنقطع ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے ساتھ ہی لگے گا۔

مال دار آدمی کو اکثر یہ دھوکہ لگتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے مال سے محبّت نہیں ہے۔ لیکن یہ بڑی لغزش اور محض دھوکہ ہے۔ درحقیقت اس کے دل میں محبّت مرکوز ہوتی ہے جو اس کو محسوس نہیں ہوتی۔ اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے، جب وہ مال ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے۔ اور جو شخص اس کا تجربہ کرنا چاہے وہ اپنے مال کو تقسیم کرکے تجربہ کرلے۔ اگر دل کو اس کے بُعد سے اس کی طرف اِلتفات ہو تو معلوم ہوگا کہ محبّت تھی۔ اور دل کو اس کا خیال بھی نہ آئے تو معلوم ہوگا کہ محبّت نہ تھی اور جتنی بھی دنیا سے محبّت کم ہوگی اُتنا ہی اس شخص کی عبادت میں ثواب زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ عبادات اور تسبیحات میں زبان کی محض حرکت اصل مقصود نہیں، بلکہ ان کا مقصود دل پر اثر ہے اور دل جتنا فارغ ہوگا، اتنا ہی اس پر اثر قوی ہوگا۔

ضحاکؒ کہتے ہیں کہ جو شخص بازار جائے اور کسی چیز کو دیکھ کر اس کے خریدنے کی رغبت ہو، اور ناداری کی وجہ سے اس پر صبر کرے، وہ ایک ہزار اشرفیاں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

ایک شخص نے حضرت بشر بن حارثؒ سے کہا۔ میرے لئے دعا کیجئے۔ کنبہ زیادہ ہے جس کی وجہ سے خرچ میں تنگی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب گھر والے کہیں کہ آٹا نہیں ہے (اور تو اس سے پریشان ہو)۔ اس وقت تو اللہ سے دعا کر۔ تیری اس وقت کی دعا میری دعا سے زیادہ افضل ہوگی۔

اس کے علاوہ مال کی کثرت میں قیامت کے دن کے حساب کا طویل ہونا تو بہر حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کے داخلہ میں دیر ہوئی جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد پہلے گذر چکا۔

اسی وجہ سے حضرت ابوالدرداءؓ کا ارشاد ہے کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری کوئی دوکان مسجد کے دروازہ پر ہو جس کی وجہ سے ہر وقت کی جماعت مجھے ملتی رہے اور ذکر و شغل میں مشغول رہوں۔ اور دوکان سے پچاس اشرفیاں روزانہ میں کماتا رہوں اور صدقہ کرتا رہوں۔ کسی نے پوچھا، اس میں کیا برائی ہوگئی؟ فرمانے لگے کہ حساب تو لمبا ہو ہی جائے گا۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ فقراء نے تین چیزیں پسند کیں اور مالداروں نے تین چیزیں پسند کیں۔ فقراء نے تو نفس کی راحت، دل کا فارغ ہونا اور حساب کی تخفیف پسند کی اور مالداروں نے نفس کی مشقت، دل کی مشغولی اور حساب کا لمبا ہونا پسند کیا۔ (احیاء)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ (قیامت میں) ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اسلام کے بعد کسی دوسری چیز کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس حدیث کی ہوئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان حضرات کی محبت ضرب المثل اور آفتاب سے زیادہ روشن تھی۔ پھر ان کو خوشی کیوں نہ ہوتی۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ شانہ اپنی محبت کا ذرا سا ذائقہ بھی چکھا دیتے ہیں وہ دنیا کی طلب سے فارغ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے اس کو دحشت ہونے لگتی ہے۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ایسی بھی مخلوق ہے جن کو جنت اپنی ساری نعمتوں اور دائمی راحتوں کے باوجود اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ وُہ صرف حق سُبحانہٗ وتقدس ہی سے وابستہ ہیں ایسے لوگوں کو دنیا اپنی طرف کیا کھینچ سکتی ہے۔

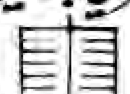
حضرت عیسیٰؑ ایک جماعت پر گذرے جن کے بدن دُبلے تھے، چہرے زرد تھے۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے پوچھا تمہیں یہ کیا ہوگیا؟ انہوں نے کہا جہنم کے خوف نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے (فضل سے اس کے) ذمہ ہے کہ جس شخص کو جہنم کا خوف ہو، اس کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ آگے چلے تو چند آدمی اور ملے۔ اُن کا حال اُن پہلے لوگوں سے بھی زیادہ سخت تھا۔ بہت دُبلے، چہروں پر بہت زیادہ پریشانی۔ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے اُن سے پوچھا۔ یہ تمہیں کیا ہوگیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ جنت کے شوق (وعشق) نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذمہ ہے کہ تم جس چیز کی اُمید اُس سے لگائے ہوتے ہو وہ تم کو عطا کرے۔ آگے چلے تو ایک اور جماعت ملی جو ان دوسروں سے بھی زیادہ ضعیف و مُنحنی۔ مگر اُن کے چہرے نُور سے آئینہ کی طرح چمک رہے تھے۔ ان سے بھی حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے یہی سُوال کیا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے عشق نے یہ حال کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ تم ہی لوگ اصل مُقرب ہو تم ہی مُقرب ہو، تم ہی مُقرب ہو۔ تین مرتبہ فرمایا۔

یحییٰ بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبت مجھے بغیر محبت کی ستر برس کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔ (احیاء)

(۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ قَلْبُ الْکَبِیْرِ شَابًّا فِیْ اثْنَتَیْنِ فِیْ حُبِّ الدُّنْیَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ۔ (متفق علیه کذا فی المشکوٰة)

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ بوڑھے آدمی کا دل ہمیشہ دو چیزوں میں جوان رہتا ہے۔ ایک دنیا کی محبت میں، دوسرے آرزوؤں اور اُمیدوں کے طویل ہونے میں۔

ف: پہلی حدیث شریف کے ذیل میں یہ مضمون تفصیل سے گذر چکا ہے کہ اصل دُنیا جس کی بُرائی قرآن پاک اور احادیث وغیرہ میں بہت کثرت سے آئی ہے، وہ مال کی محبّت ہے۔ اس حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلسلہ کی ایک خاص چیز پر تنبیہ فرمائی ہے۔ جو تجربہ میں بھی بہت صحیح ثابت ہوئی کہ بڑھاپے میں دنیا کی محبت اور لمبی لمبی اُمیدیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ اور جتنا بھی مرنے کا زمانہ بڑھاپے کے لحاظ سے قریب آتا جاتا ہے اتنی ہی اولاد کی شادیوں کی اُمنگیں اچھے اچھے مکانات تعمیر کرنے کا ولولہ، جائداد کے بڑھانے کا جذبہ وغیرہ وغیرہ زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں آدمی کو اپنے نفس کی خاص طور سے نگہداشت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی حرص، دوسری زیادہ عمر ہونے کی حرص (مشکوٰۃ) زیادہ عمر ہونے کی حرص بھی وہی امیدوں کا طویل ہونا ہے کہ وہ مرنے کے قریب ہوتا جا رہا ہے لیکن مرنے کی تیاری کے بجائے دنیا میں ہمیشہ رہنے کی تیاری میں مشغول رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر سمجھانے کے طور پر ایک مُربّع (چار لکیروں والی) شکل کھینچی اور اس کے درمیان میں ایک دوسری لکیر کھینچی۔ جو اس مُربّع شکل سے آگے نکلی چلی گئی۔ پھر اس مُربّع شکل کے اندر چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں، جس کی صورت علماء نے مختلف لکھی ہے منجملہ ان کے یہ صورت  واضح ہے۔

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ درمیانی لکیر تو آدمی ہے اور جو لکیر (مُربّع) اس کو چاروں طرف سے گھیر رہی ہے وہ اس کی موت ہے کہ آدمی اس سے نکل ہی نہیں سکتا اور جو لکیر باہر نکل رہی ہے وہ اس کی اُمیدیں ہیں کہ اپنی زندگی سے بھی آگے کی لگائے بیٹھا ہے۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو اس کے دونوں طرف ہیں وہ اس کی بیماریاں حوادث وغیرہ ہیں جو اس کی طرف متوجہ ہیں۔ ہر ایک چھوٹی لکیر ایک

آفت ہے۔ اگر ایک سے بچ جائے تو دوسری مُسَلّط ہے۔ اور موت کے اندر تو گھرا ہوا ہے کہ وہ تو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اُمید کی لکیر موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے سر مبارک کے پچھلے حصہ پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا کہ یہ تو آدمی کی موت ہے جو اس کے سر پر ہر وقت سوار ہے۔ اور دوسرے ہاتھ کو دُور تک پھیلا کر ارشاد فرمایا، کہ یہ دُور تک اس کی اُمیدیں جا رہی ہیں۔

ایک حدیث میں حُضُورؐ کا پاک ارشاد ہے کہ اس اُمّت کی بھلائی کی ابتداء آخرت کے یقین اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ ہوئی ہے۔ اور اس کے فساد کی ابتداء مال کے بخل اور امیدوں کی لمبائی سے ہوگی (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں حُضُورؐ کا ارشاد ہے کہ اس اُمّت کے ابتدائی حصہ نے اللہ کے ساتھ یقین اور دنیا سے بے رغبتی کیساتھ نجات پائی۔ اور اس کے آخری حصہ کی ہلاکت بخل اور امیدوں کی وجہ سے ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں حُضُورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) کھا جانے کے واسطے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جیسا کہ دستر خوان پر بیٹھنے والا دوسرے کی تواضع کرتا ہے (کہ ہر قوم دوسروں کو اس کی ترغیب اور دعوت دے گی کہ ان مسلمانوں کو کسی طرح پہلے ہلاک کردو) صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسولَ اللہ! کیا اس وقت ہماری تعداد بہت ہی کم ہوگی (جس کی وجہ سے کافروں کے یہ حوصلے ہوں گے) حُضُورؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ تمہاری تعداد اس زمانہ میں بہت زیادہ ہوگی لیکن تم لوگ اس زمانہ میں سیلاب کے جھاگ کی طرح سے (بالکل بے جان) ہوگے اور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا خوف جاتا رہے گا، اور تمہارے اپنے دلوں میں وَھَن پیدا ہو جائے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسولَ اللہ! وَھَن کیا چیز ہے۔ حُضُورؐ نے فرمایا کہ دنیا کی محبّت اور موت سے ڈرنا۔ (مشکوٰۃ)

اُمِّ وَلیدؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ

علیہ وسلم شام کے وقت اندر سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا بات ہوئی؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اتنی مقدار جمع کرتے ہو جتنا کھاتے نہیں ہو، اور اتنے مکانات بنالیتے ہو، جن میں رہتے بھی نہیں ہو۔ اور ایسی اُمیدیں باندھ لیتے ہو جن کو پوری بھی نہیں کر سکتے کیا ان باتوں سے تم شرماتے نہیں ہو۔ (ترغیب)

یعنی ضرورت سے زائد مکان بنالیتے ہو۔ مکان اتنا ہی بنانا چاہیے جتنے کی ضرورت ہو۔ اسی طرح خزانہ جمع کرتے جاتے ہو جو اپنی حاجت سے زائد ہے وہ جمع کرنے کے لئے نہیں ہے، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر تشریف رکھتے تھے اور مجمع سامنے حلقہ بنائے ہوئے تھا حضورؐ نے فرمایا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی شرم کرو جیسا کہ اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حق تعالیٰ شانہٗ سے تو ہم حیا کرتے ہی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے حق تعالیٰ شانہٗ سے حیا کرے، اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی رات اس پر ایسی نہ گذرے کہ اس کی موت اس کی آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ حفاظت کرے پیٹ کی اور اس چیز کی جس کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے اور حفاظت کرے سر کی اور اس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ موت کو یاد رکھے اور اپنی بوسیدگی کو (کہ مرنے کے بعد یہ بدن سارا کا سارا شکستہ ہو کر خاک ہو جائے گا) اور ضروری ہے کہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔ (ترغیب)

علماء نے لکھا ہے کہ سر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے۔ نہ عبادت کیلئے نہ تعظیم کیلئے۔ حتیٰ کہ جھک کر سلام بھی نہ کرے۔ اور "جن چیزوں کو سر نے گھیر رکھا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ، کان، زبان یہ سب چیزیں سر کے تحت میں داخل ہیں ان سب کی حفاظت کرے اسی طرح پیٹ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ مال سے حفاظت کرے اور "جس چیز کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے" سے مراد وہ چیزیں

ہیں جو پیٹ کے قریب ہیں جیسے شرمگاہ ہاتھ پاؤں اور دل کہ ان سب چیزوں کی حفاظت کرے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کثرت سے پڑھنا مستحب ہے (مظاہر حق)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ شانہٗ سے ایسی حیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم لوگ حق تعالیٰ شانہٗ سے سب کے سب حیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں، یہ معمولی حیا نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ سے حیا کا حق یہ ہے کہ آدمی سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے گھیر رکھا ہے۔ اور پیٹ کی حفاظت کرے اور اُن چیزوں کی حفاظت کرے جن پر پیٹ حاوی ہو رہا ہے (شرمگاہ وغیرہ)۔ اور ضروری ہے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھا کرے، اور شکستگی (مرنے کے بعد سب ٹوٹ پھوٹ کر خاک ہو جانے) کو یاد رکھا کرے۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دُنیا کی زینت کو چھوڑ دیتا ہے۔ (ترغیب)

چونکہ موت کو کثرت سے یاد کرنے کو دنیا سے بے رغبتی میں اور امیدوں کے اختصار میں بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے بڑا زاہد کون شخص ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ جو موت کو اور اپنے مر گل کر پُرانا ہو جانے کو نہ بھولے۔ اور دنیا کی زینتوں کو چھوڑ دے اور آخرت کو دُنیا پر ترجیح دے اور آنیوالی کل کو اپنی زندگی یقینی نہ سمجھے اور اپنے آپ کو مُردوں میں سمجھتا رہے (ترغیب) کہ عنقریب مر کر اُن میں شامل ہو جاؤں گا۔

حضرت ابُو ہُریرہؓ۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ان لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔ جو شخص تنگی کی حالت میں اس کو یاد کرتا ہے تو یہ اُس پر وُسعت اور سہولت کا سبب ہوتی ہے (یہ اطمینان ہوتا ہے کہ موت بہرحال آنے والی ہے اس سے ساری تکلیفوں کا خاتمہ ہے) اور جو

شخص فراخ دستی میں اس کو یاد کرتا ہے اس کے لئے اخراجات میں تنگی کا سبب ہوتا ہے (کہ موت کے فکر سے زیادہ عیش و عشرت کو دل نہیں چاہتا)۔

حضرت ابن عمرؓ بھی حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لذتوں کے توڑنے والی چیز یعنی موت کا تذکرہ کثرت سے رکھا کرو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ تشریف لائے تو صحابۂ کرامؓ ہنس رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کے توڑ دینے والی چیز کو کثرت سے یاد رکھا کرو۔ اس کو جو شخص فراخی میں یاد کرتا ہے اس پر یہ تنگی کرتی ہے، اور جو تنگی میں اس کو یاد کرتا ہے اُس پر فراخی کرتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے، تو بعض لوگوں کے ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لذتوں کے توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کرتے تو وہ ان چیزوں میں مشغول ہونے سے روک دیتی جن سے ہنسی آتی۔ ہر شخص کی قبر روزانہ اعلان کرتی ہے کہ میں بالکل تنہائی کا گھر ہوں، میں سب سے علیحدہ رہنے کا گھر ہوں۔ میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب نیک مؤمن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا بڑا مبارک ہے تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے۔ اُن میں تو مجھے بہت پسند تھا آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے تو میں اپنا طرزِ عمل تجھے دکھاؤں گی۔ اس کے بعد وہ اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مُردہ کی نظر جائے وہاں تک زمین کھل جاتی ہے۔ اور ایک کھڑکی جنت میں کھل جاتی ہے۔ (جس سے وہاں کی خوشبوئیں ہوائیں وغیرہ آتی رہتی ہیں)۔

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن ہوتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے۔ کہ تیرا آنا بڑا نامبارک ہے۔ تیرے آنے سے بہت ہی بُرا ہوا۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے، تو ان میں مجھے بہت ہی بُرا لگتا تھا۔ آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے۔ تو میں اپنا طرزِ عمل تجھے دکھاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ ایسی ملتی ہے (یعنی اس کو بھینچتی ہے) کہ مُردہ کی ہڈیاں پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر بتایا کہ اس طرح ہڈیاں پسلیاں ایک جانب کی دوسری جانب میں گھس جاتی ہیں۔ اور ستّر اژدھا اس کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین کے اُوپر پھونک مار دے، تو قیامت تک زمین پر گھاس اُگنا بند ہو جائے۔ یہ سب کے سب قیامت تک اس کو کاٹتے رہیں گے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ قبر یا تو جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھتا ہو اور موت کیلئے ہر وقت تیاری میں مشغول رہتا ہو۔ یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اکرام حاصل کرنے والے ہیں۔ (ترغیب)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان میں پہنچ کر علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے۔ کسی نے عرض کیا امیر المومنین! آپ اس جنازہ کے ولی تھے، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے۔ فرمایا۔ ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبد العزیز! تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ ضرور بتا۔ اس نے کہا۔ ان کے کفن پھاڑ دیتی ہوں۔ بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں۔ خون سارا چُوس لیتی ہوں گوشت کھا لیتی ہوں۔ اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کر دیتی ہوں، اور بانہوں کو پہنچوں سے جدا کر دیتی ہوں اور سُرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں اور سُرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں، اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا جدا کر دیتی ہوں۔ یہ فرما کر عمر بن عبد العزیزؒ رونے لگے۔ اور فرمایا کہ دنیا کا قیام بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکا بہت زیادہ ہے۔ اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے۔ اس میں جو دولت والا ہے وہ آخرت میں فقیر ہے۔ اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا۔

اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا۔ اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا، تم کو دھوکا میں نہ ڈال دے۔ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی جلدی منہ پھیر لیتی ہے۔ اور بیوقوف وہ ہے جو اس کے دھوکہ میں پھنس جائے۔ کہاں گئے اس کے وہ دلدادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے، بڑی بڑی نہریں نکالیں۔ بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب کو چھوڑ کر چل دیئے۔ وہ اپنی صحت اور تندرستی سے دھوکہ میں پڑے کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں نشاط پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے۔ وہ لوگ خدا کی قسم دنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابلِ رشک تھے۔ باوجودیکہ مال کے کمانے میں اُن کو رکاوٹیں پیش آتی تھیں مگر پھر بھی خوب کماتے تھے۔ ان پر لوگ حسد کرتے تھے لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ لیکن اب دیکھ لو کہ مٹی نے ان کے بدنوں کا کیا حال کر دیا۔ اور خاک نے ان کے بدنوں کو کیا بنا دیا۔ کیڑوں نے ان کے جوڑوں اور ان کی ہڈیوں کا کیا حال بنایا۔ وہ لوگ دنیا میں اونچی اونچی مسہریوں پر، اونچے اونچے فرش اور نرم نرم گدوں پر، نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے۔ عزیز واقارب، رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری کو تیار رہتے تھے۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے۔ آواز دے کر ان سے پوچھ کہ کیا گذر رہی ہے، غریب امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے مالداروں سے پوچھ کہ اس کے مال نے کیا کام دیا۔ اُن کے فقیر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا۔ ان کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی۔ ان کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر طرف دیکھتی تھیں۔ ان کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر۔ ان کے خوبصورت اور دل ربا چہروں کا حال پوچھ۔ کیا ہوا ان کے نازک بدن کو، معلوم کر کہاں گیا۔ اور کیڑوں نے ان سب کا کیا حشر بنایا۔ ان کے رنگ کالے کر دیئے، ان کا گوشت کھالیا۔ اُن کے منہ پر مٹی ڈال دی۔ اعضاء کو الگ الگ کر دیا۔ جوڑوں کو توڑ دیا۔

آہ! کہاں ہیں اُن کے وہ خدام جو ہر وقت حاضر ہوں جی کہتے تھے۔ کہاں ہیں

ان کے وہ خیمے اور کمرے جن میں آرام کرتے تھے۔ کہاں ہیں ان کے وہ مال اور خزانے، جن کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ ان حَشَم و خَدَم نے اس کو قبر میں کھانے کے لئے کوئی توشہ بھی نہ دیا اور اس کی قبر میں کوئی بستر بھی نہ بچھا دیا۔ کوئی تکیہ بھی نہ رکھ دیا۔ زمین ہی پر ڈال دیا۔ کوئی درخت پھول پھلواری بھی نہ لگا دی۔

آہ! اب وہ بالکل اکیلے پڑے ہیں۔ اندھیرے میں پڑے ہیں۔ ان کے لئے اب رات دن برابر ہے۔ دوستوں سے مل نہیں سکتے۔ کسی کو اپنے پاس بُلا نہیں سکتے۔ کتنے نازک بدن مرد، نازک بدن عورتیں، آج اُن کے بدن بوسیدہ ہیں۔ ان کے اَعضاء ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ آنکھیں نکل کر منہ پر گر گئیں۔ گردن جُدا ہوئی پڑی ہے مُنہ میں پانی، پیپ وغیرہ بھرا ہوا ہے اور سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں۔ وُہ اس حال میں پڑے ہیں اور اُن کی جوروؤں نے دوسرے نکاح کر لئے۔ وہ مزے اُڑا رہی ہیں۔ بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ وارثوں نے مال تقسیم کر لیا۔ مگر بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں بھی لذّتیں اُڑا رہے ہیں۔ تر و تازہ چہروں کے ساتھ راحت و آرام میں ہیں (لیکن یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس دھوکہ کے گھر میں اُس گھر کو یاد رکھا۔ اِس کی امیدوں سے اُس کی امیدوں کو مقدّم کیا اور اپنے لئے توشہ جمع کر دیا۔ اور اپنے پہنچنے سے پہلے اپنے جانے کا سامان کر دیا)۔

اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائے گا، تجھے اس دنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟ کیا تجھے یہ امید ہے کہ یہ کم بخت دنیا تیرے ساتھ رہے گی؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ تُو اس کوچ کے گھر میں ہمیشہ رہے گا؟ تیرے یہ وسیع مکان، تیرے باغوں کے پکے ہوئے پھل، تیرے نرم بستر، تیرے گرمی سردی کے جوڑے، یہ سب کے سب ایک دم رکھے رہ جائیں گے جب مَلَکُ الْمَوْت آکر مُسلّط ہو جائے گا، کوئی چیز اس کو نہ ہٹا سکے گی۔ پسینوں پر پسینے آنے لگیں گے۔ پیاس کی شدّت بڑھ جائے گی اور جان کنی کی سختی میں کروٹیں بدلتا رہ جائے گا۔ افسوس صد افسوس اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے

بیٹے کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے باپ کی آنکھ بند کر رہا ہے ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازہ کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے، کل کو تجھے بھی یہ سب کچھ پیش آنا ہے۔

اور بھی اس قسم کی باتیں فرمائیں۔ پھر دو شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"آدمی ایسی چیز کے ساتھ خوش ہوتا ہے جو عنقریب فنا ہونے والی ہے اور لمبی لمبی آرزوؤں اور دنیا کی امیدوں میں مشغول رہتا ہے اے بیوقوف! خواب کی لذتوں سے دھوکہ میں نہیں پڑا کرتے۔ تیرا دن سارا غفلت میں گذرتا ہے اور تیری رات سونے میں گذرتی ہے، اور موت تیرے اوپر سوار ہے۔ آج تو وہ کام کر رہا ہے کہ کل کو ان پر رنج کرے گا۔ دنیا میں چوپائے اسی طرح زندگی گذارتے ہیں جس طرح تو گذار رہا ہے"

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا وصال ہو گیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ۔ (مسامرات)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں۔ آنکھ کا خشک ہونا (کہ اپنے گناہ اور آخرت کی کسی بات پر رونا ہی نہ آئے)۔ دل کا سخت ہونا، اور امیدوں کا طویل ہونا، اور دنیا کی حرص۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے ایک باندی قرض خریدی اور ایک مہینہ کا وعدہ قیمت ادا کرنے کا کر لیا۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جب اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسامہ نے ایک مہینہ کے وعدے پر قرض خریدا۔ اسامہ کو بھی (اپنی زندگی کی) بڑی لمبی امید ہے (گویا اس کو یہ یقین ہو گیا کہ ایک مہینہ تو وہ زندہ ہی رہے گا)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے آنکھ کے پل جھپکنے تک بھی اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا۔ اور پانی پینے کا پیالہ جب میں اٹھاتا ہوں تو اس کے رکھنے تک بھی مجھے اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوتا۔ اور جب کوئی لقمہ کھاتا ہوں تو اس کے نگلنے کا بھی موت سے پہلے پہلے یقین

نہیں ہوتا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (موت، قیامت، حساب وغیرہ) سب چیزیں ضرور آنے والی ہیں۔ اور تم لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کو عاجز نہیں کر سکتے (کہ وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے اور کوئی اس میں رکاوٹ ڈال دے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے میرا مونڈھا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی گذار دو جیسا کہ کوئی مسافر، کوئی راستہ چلنے والا ہے، اور ہر وقت اپنے آپ کو قبرستان والوں میں سمجھا کرو۔ اس کے بعد حضورؐ نے مجھ سے فرمایا۔ اے ابن عمرؓ (اور بعض روایات میں ہے کہ یہ مقولہ ابن عمرؓ کا ہے) جب صبح ہو جائے تو شام تک کی زندگی کا یقین نہ کرو، اور جب شام ہو جائے، تو صبح تک کی زندگی کی امید نہ باندھو۔ اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے زمانہ کے لئے نیک عمل کر رکھو (کہ بیماری کے زمانہ میں جو کوتاہی ہو اس کا جبر پہلے سے ہو جائے یا صحت میں جن اعمال کا عادی ہوگا، بیماری کی وجہ سے اُن کے نہ ہو سکنے پر بھی ان کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی موت کے لئے اپنی زندگی ہی میں تیاری کر لو، کل کو معلوم نہیں کہ تمہارا نام کیا ہو جائے (یعنی کن لوگوں میں شمار ہو جائے۔ نیک لوگوں میں، یا بد لوگوں میں فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ)

حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عبادت اس طرح کیا کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، وہ تمہارے سامنے ہے۔ اور اپنے آپ کو ہر وقت مُردوں کی فہرست میں شمار کیا کرو، اور ہر پتھر اور درخت کے قریب اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کیا کرو (تاکہ قیامت میں اس کی گواہی دینے والے بہت کثرت سے ہو جائیں) اور جب کوئی بُری حرکت ہو جائے تو اس کی تلافی کے لئے کوئی نیک عمل کرو۔ اگر بُرائی چھپ کر کی ہے، تو اس کی تلافی میں نیک عمل بھی چھُپ کر کرو، اور بُرائی علانیہ ہوئی ہے تو اس کی توبہ اور تلافی بھی علانیہ کی جائے۔

حضرت ابنِ مسعودؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت تو قریب آتی جا رہی ہے اور لوگ دنیا کی حرص میں اور حق تعالیٰ شانہٗ سے بعید ہونے میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ (ترغیب)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لائے، اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرمائیں اور بغیر کسی کے راستہ بتائے ہدایت عطا فرمائیں۔ کوئی تم میں سے ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اندھے پن کو دُور فرما کر اُس کی (دل کی) نگاہ کو کھول دیں اگر ایسا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرے اور اپنی اُمیدوں کو مختصر رکھے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو بغیر سیکھے علم عطا فرماتے ہیں اور بغیر کسی کے راستہ دکھائے خود ہدایت فرماتے ہیں (درمنثور)۔ پہلے بھی یہ روایت مفصّل گذر چکی ہے۔

حضرت جابرؓ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف، خواہشات کی کثرت اور اُمیدوں کے بڑھ جانے کا ہے۔ خواہشات حق سے ہٹا دیتی ہیں، اور اُمیدوں کا طویل ہونا آخرت کو بُھلا دیتا ہے۔ یہ دنیا بھی چل رہی ہے اور ہر دن دُور ہوتی جا رہی ہے۔ اور آخرت بھی چل رہی ہے اور ہر دن قریب ہوتی جا رہی ہے (یعنی ہر وقت ہر آن زندگی کم ہوتی جا رہی ہے اور موت قریب آتی جا رہی ہے) ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

اگر گھنٹہ کی آواز کو غور سے سُنا جائے تو واقعی گھٹا دی کا نعرہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت ہر ایک کے اس دنیا میں کچھ سپوت ہیں۔ اگر تم سے ہو سکے تو اس کی کوشش کرو کہ دنیا کے سپوت نہ بنو۔ (آخرت کے سپوت بنو) آج عمل کا (اور کھیتی بونے کا) دن ہے۔ حساب آج نہیں ہے۔ کل کو تم آخرت کے گھر میں ہوگے۔ جہاں عمل نہیں (بلکہ کھیتی کاٹنے کا اور

بدلہ کا دن ہے)۔ (مشکوٰۃ)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں: تین آدمی ایسے ہیں کہ جب مجھے اُن کا خیال آتا ہے تو اس قدر تعجب ہوتا ہے کہ مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔ ایک وہ شخص جو دنیا میں اُمیدیں لگائے بیٹھا ہے اور موت اس کی فکر میں ہے۔ دوسرا وہ شخص جو (اللہ تعالیٰ سے) غافل ہے اور (اللہ تعالیٰ شانہٗ) اس سے غافل نہیں۔ تیسرے وہ شخص جو مُنہ بھر کر (کھلکھلا کر) ہنستا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس سے خوش ہیں یا ناراض ہیں (حالانکہ یہ فکر ایسی چیز ہے کہ کسی وقت بھی ہنسی نہ آنا چاہیئے) اور تین چیزیں ایسی ہیں جو مجھے ہر وقت غمگین رکھتی ہیں: یہاں تک کہ میں رونے لگتا ہوں۔ ایک دوستوں کا فراق، یعنی حضورؐ کا اور صحابۂ کرامؓ کا۔ دوسرے موت کا فکر۔ تیسرے حشر میں حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ میرے لئے جنّت کا حکم ہو یا دوزخ کا۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں نے زُرارۃ بن اَوفیؒ کو انکے اِنتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ تو میں نے اُن سے پوچھا کہ سب سے بڑھا ہوا عمل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ توکّل، اور اُمیدوں کا مختصر رکھنا۔

حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ زُہد اُمیدوں کے مختصر کرنے کا نام ہے موٹا کھانے اور جُبّہ پہننے کا نام نہیں ہے۔

حضرت داؤد طائیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ اُمید رکھوں کہ میں ایک مہینہ زندہ رہوں گا تو میں اپنے کو بڑا مجرم سمجھوں۔ اور اس کی کس طرح اُمید کر سکتا ہوں ایسی حالت میں کہ میں دیکھتا ہوں کہ آئے دن لوگوں کو حوادث کبھی رات میں پکڑ لیتے ہیں، کبھی دن میں پکڑ لیتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخیؒ اپنے ایک استاد ابو ہاشم رُمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن کی چادر کے کونے میں کچھ بندھ رہا تھا۔ ابو ہاشم نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے چند لوز دیئے تھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آج شام کو آپ

ان سے افطار کرلیں۔ ابو ہاشم نے کہا شقیق! تمہیں یہ اُمید ہے کہ تم رات تک زندہ رہو گے؟ (میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا اب) میں تم سے کبھی نہ بولوں گا۔ یہ کہہ کر اندر چلے گئے اور کواڑ بند کرلئے۔

قعقاع بن حکیمؒ کہتے ہیں کہ میں تیس برس سے ہر وقت موت کے لئے تیار ہوں اگر وہ آجائے تو مجھے ذرا بھی اس کی تاخیر کی خواہش نہ ہو۔

سُفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں تیس برس سے اس مسجد میں ہر وقت موت کا انتظار کرتا ہوں اگر وہ آجائے تو مجھے نہ کسی سے کچھ کہنا ہے نہ سُننا۔ نہ میرا کسی کے پاس کچھ چاہیئے نہ کسی کا میرے پاس۔

اُبو محمد زاہدؒ کہتے ہیں۔ میں ایک جنازہ کے ساتھ چلا۔ حضرت داؤد طائیؒ بھی ساتھ تھے۔ قبرستان پہنچ کر وہ ایک جگہ علیحدہ کو بیٹھ گئے۔ میں بھی اُن کے پاس بیٹھ گیا وہ فرمانے لگے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہو، اس کے لئے دُور کا سفر (یعنی آخرت کا) آسان ہے۔ اور جس شخص کی اُمیدیں لمبی ہوتی ہیں اُس کا عمل سُست ہو جاتا ہے اور جو چیز آنے والی ہے (یعنی موت) وہ قریب ہے۔ بھائی ایک بات سمجھ لے کہ جو چیز بھی تجھے تیرے ربّ سے اپنی طرف مشغول کرلے وہ منحوس ہے۔ ایک بات سُنو جتنے آدمی دنیا میں ہیں سب ہی کو قبر میں جانا ہے۔ اس وقت ان کو اس چیز کی ندامت ہوگی جو یہاں چھوڑ دی اور اس چیز کی خوشی ہوگی جو آگے بھیج دی۔ اور جس چیز پر مرنے والے کو ندامت ہے اس پر یہ رہنے والے (وارث) لڑتے جھگڑتے ہیں، مقدمہ بازی کرتے ہیں (احیاء)۔

فقیہ اُبو اللیث سمرقندیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اُمیدوں کو مختصر رکھے حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے اکرام اس پر کرتے ہیں۔ ۱: اپنی طاعت پر اس کو قوت عطا فرماتے ہیں اور جب اس کو عنقریب موت کا یقین ہوتا ہے تو عمل میں خوب کوشش کرتا ہے اور ناگوار چیزوں سے مُتاثر نہیں ہوتا۔ ۲: اس کو غم کم ہو جاتا ہے۔ ۳: روزی کی تھوڑی مقدار پر راضی ہو جاتا ہے۔ ۴: اس کے دل کو مُنوّر کر دیتے ہیں۔

علماء نے کہا ہے کہ دل کا نُور چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ ۱: خالی پیٹ رہنے

سے۔ ۲: نیک آدمی کے پاس رہنے سے۔ ۳: گذرے ہوئے گناہوں کو یاد کرنے (اور ان پر ندامت) سے۔ ۴: اور اُمیدوں کے مختصر کرنے سے۔

اور جس شخص کی اُمیدیں لمبی لمبی ہوتی ہیں، اس کو حق تعالیٰ شانہٗ چار قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ۱: عبادت میں کاہلی پیدا ہوجاتی ہے۔ ۲: دنیا کا غم زیادہ سوار ہوجاتا ہے۔ ۳: مال کے جمع کرنے اور بڑھانے کا فکر ہر وقت مسلط رہتا ہے۔ ۴: دل سخت ہوجاتا ہے۔

اور علماء نے لکھا ہے کہ دل کی سختی چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱: زیادہ شکم سیری سے۔ ۲: بُری صحبت سے۔ ۳: گناہوں کو یاد نہ کرنے سے۔ ۴: اُمیدوں کے لمبی ہونے سے۔

اس لئے ضروری ہے کہ آدمی لمبی لمبی اُمیدیں ہرگز نہ باندھے۔ ہر وقت یہ فکر رہنا چاہیئے کہ نہ معلوم کونسا سانس زندگی کا آخری سانس ہو (کس وقت قلب کی حرکت بند ہوجائے)۔

حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر تُو (قیامت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو دنیا میں ایسے گذار دینا، جیسا کہ مسافر سواری پر جاتا جاتا کہیں ذرا ٹھہر جائے۔ اور مالداروں کے پاس بیٹھنے سے احتراز کرنا۔ اور کپڑے کو اس وقت تک بیکار کرکے نہ چھوڑنا جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگ جائیں۔

اَبُو عُثمان نَہدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اور اُن کے کُرتے میں بارہ ۱۲ پیوند لگ رہے تھے۔ (تنبیہ الغافلین)

(۱۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهٗ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے اللہ جل شانہٗ بھی مجھ سے محبت فرماویں اور آدمی بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کر تو حق تعالیٰ شانہٗ تم کو محبوب رکھیں گے اور لوگوں کے پاس

عِنْدَ النَّاسِ یُحِبُّكَ النَّاسُ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ کذا فی المشکوٰۃ)

جو چیزیں ہیں (مال وغیرہ) اُن سے بے رغبتی پیدا کر لو، وہ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

ف: دنیا سے بے رغبتی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّت، آخرت کا اعزاز و اکرام وغیرہ اُمور۔ تو پہلی روایات میں بہت کثرت سے گذر ہی چکے ہیں۔ دوسرا مضمون کہ لوگوں کے اموال پر نگاہ نہ رکھی جائے، اسی سے اُن کے دلوں میں بھی محبت پیدا ہوتی ہے۔ بڑے تجربہ کی بات ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ جتنے بھی آپس میں بہترین تعلّقات ہوں، لیکن جہاں کسی چیز کے سوال کا ذکر آجاتا ہے سارے ہی تعلقات اور عقیدتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

حضرت جبرئیلؑ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے محمّد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آپ جتنے دن بھی زندہ رہیں موت بہرحال ایک دن آنے والی چیز ہے، اور جو عمل بھی آپ کریں گے (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ملے گا اور جس سے بھی آپ (دنیا میں) تعلّقات پیدا کریں، اُس سے ایک دن جُدا ہونا پڑے گا (اس کی موت سے ہو یا اپنی موت سے ہو) یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آدمی کا شرف (بزرگی) تہجد کی نماز ہے، اور آدمی کی عزت لوگوں سے اِستغنا ہے (ترغیب) یعنی آدمی کی عزت اُسی وقت تک ہے جب تک لوگوں کی اَشیاء پر نگاہ نہ ہو۔ اور جہاں کہیں دوسروں کے مال پر نگاہ پڑی، ساری عزت خاک میں مل جاتی ہے۔

حضرت عُروہؓ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص دنیا کی زینت اور اس کی رونق کو دیکھے (اور وہ اچھی لگے) تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر جا کر گھر والوں کو نماز میں مشغول کر دے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الآیۃ (طٰہٰ۔ ع ۸)

"اور ہرگز اپنی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں، ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان دنیا داروں کو دے رکھی ہیں تاکہ ان چیزوں سے ان کا امتحان لیں یہ محض

دنیوی زندگی کی رونق ہے۔ اور آپ کے رب کا عطیہ جو آخرت میں ملے گا اس سے بدرجہا بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہیئے۔" (درمنثور)

دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ الآية (حجر۔ ع ۶)
"آپ آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس (زیب وزینت) کو جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھا ہے۔"

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں حضرت سُفیان بن عُیَیْنہؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک کی دولت سے نوازا ہو، پھر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف بھی نگاہ اُٹھا کر دیکھے، اُس نے قرآن پاک کو بہت کم سمجھا (یعنی اُس کی قدر نہ کی)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ فقر بہت محمود چیز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ شخص قناعت کرنے والا ہو۔ لوگوں کے پاس جو اموال ہیں اُن میں طمع نہ رکھتا ہو ان کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرتا ہو، اور نہ مال کے کمانے کی اس میں حرص ہو۔ اور یہ سب چیزیں جب ہی ہو سکتی ہیں جب کہ آدمی اپنے اخراجات میں نہایت کمی کرنے والا ہو کھانے میں، لباس میں، مکان میں کم سے کم۔ اور مجبوری کے درجہ پر کفایت کرنے والا ہو، اور گھٹیا سے گھٹیا چیز پر قناعت کرنے والا ہو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو ایک مہینہ کے اندر اندر کی ضرورت کا تو خیال ہو اس سے آگے کی کسی چیز کی طرف اپنے خیال اور دھیان کو نہ لگائے۔ اگر اس سے آگے کی سوچ میں پڑ جائے گا تو قناعت کی عزت سے محروم ہو کر حرص وطمع کی ذلت میں پھنس جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے بُری عادتیں پیدا ہو جائیں گی، مکروہ چیزیں اختیار کرنا پڑ جائیں گی اس لئے کہ آدمی بالطبع حریص ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر آدمی کے لئے دو جنگل سونے کے ہو جائیں تب بھی وہ تیسرے کی فکر میں لگ جائے گا۔

حضرت ابُو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک سورت اتنی بڑی جتنی کہ سورۃ

براءۃ نازل ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہوگئی۔ اس میں سے یہ مضمون یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس دین کی مدد ایسے (فاسق اور کافر) لوگوں سے بھی کر دیتے ہیں جن کا کوئی حصہ دین میں نہ ہو۔ اور اگر آدمی کے لئے دو جنگل مال کے ہو جائیں تو وہ تیسرے کی تمنا کرتا ہے۔ آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص توبہ کرلے تو حق تعالیٰ شانہٗ توبہ کو قبول کرتے ہیں۔

اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دو حریص آدمیوں کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک وہ شخص جو علم کا حریص ہو (اس کو علمی چسکہ لگ گیا ہو، کسی وقت اس کا دل نہیں بھرتا) دوسرا وہ شخص جو مال کا حریص ہو۔ اور چونکہ آدمی کی جبلّت میں یہ مُہلک چیز ہے، اسی بناء پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اور حضورِ اقدس صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قناعت کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کی دولت سے نوازا ہو، اور صرف ضرورت کے بقدر اس کی روزی ہو اور وہ اس پر قانع ہو۔ حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص غریب ہو یا امیر، ایسا نہ ہوگا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ کاش دنیا میں اس کو صرف ضرورت کے درجہ کی روزی ملتی، اس سے زیادہ نہ ملتی۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے طمع سے اور مال کمانے میں زیادہ کوشش کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگو! مال کے حاصل کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کیا کرو (بُرے طریقوں سے نہ کماؤ) اس لئے کہ آدمی کو مُقدّر سے زیادہ تو ملتا نہیں اور جو مُقدّر ہے وہ بہرحال مل کر رہے گا۔ آدمی اُس وقت تک مر ہی نہیں سکتا، جب تک اس کا جو مقدر حصہ ہے وہ ذلیل اور مجبور ہو کر اس تک نہ پہنچ جائے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تُو متقی بن جا، سب سے بڑا عبادت کرنے والا ہو جائے گا اور (کم سے کم مقدار پر) قناعت کرنے والا بن جا، تو سب سے زیادہ شکر گذار ہو جائے گا۔ اور اپنے بھائی کے لئے بھی اس چیز کو پسند کر جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو کامل مؤمن بن جائے گا۔

حضرت ابو ایوبؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے مختصر سی نصیحت کر دیجئے (تاکہ میں اس کو مضبوط پکڑ لوں)۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جب نماز پڑھو تو ایسی پڑھو جیسا کہ عمر کی آخری نماز ہی ہو (جب آدمی کو یہ خیال ہو جائے کہ یہ بالکل آخری نماز ہے تو پھر جس قدر زیادہ اہتمام اور خشوع و خضوع سے پڑھے گا وہ ظاہر ہے) اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو، جس کی معذرت کرنا (اور معافی چاہنا) پڑے۔ اور اپنے دل کو پکے طور سے اس چیز سے مایوس کر لو جو دوسرے کے پاس ہو (کہ اسکی طرف ذرا سا بھی تمہیں التفات نہ ہو)۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ طمع کرنا فقر (اور محتاجگی) ہے اور نا امیدی غنا ہے جو شخص ایسی چیزوں سے نا امید ہو جائے جو دوسروں کے قبضہ میں ہیں وہ ان سے مستغنی رہتا ہے۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تمناؤں کا کم کرنا اور جو اپنے لئے کافی ہو جائے اس پر خوش رہنا۔

محمد بن واسعؒ سوکھی روٹی کو پانی میں بھگو کر کھایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے، کہ جو اس پر قناعت کرلے وہ کسی کا بھی محتاج نہ ہو۔

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا۔ تمہاری مالیت کیا ہے؟ فرمانے لگے: ظاہر میں خوشحال رہنا، باطن میں اختصار اور میانہ روی اختیار کرنا اور دوسروں کے پاس جو چیزیں ہیں، اُن سے اُمید نہ رکھنا۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا (حدیث میں) ارشاد ہے کہ آدم کے بیٹے! اگر ساری دنیا تجھ کو مل جائے تب بھی تو تو اس میں سے اپنی حاجت کے بقدر ہی کھائے گا۔ اگر میں اتنی مقدار تجھے دیدوں اور اس سے زائد نہ دوں جس کا تجھے حساب دینا پڑے تو یہ تو میں نے تجھ پر احسان کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کوئی حاجت طلب کرے تو معمولی طریقہ سے طلب کرے۔ ایسا نہ کہے کہ آپ تو ایسے ہیں آپ تو ایسے ہیں چناں ہیں چنیں ہیں کہ اس سے اس کی تو کمر توڑ دوگے (کہ وہ عُجب اور تکبر میں ہلاک ہو جائے گا) اور تمہیں مقدر سے زیادہ نہ ملے گا۔

کہتے ہیں کہ بنو اُمیہ کے ایک بادشاہ (سُلیمان بن عبد الملک) نے حضرت ابُو حازمؒ کو بڑے اِصرار سے لکھا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہوا کرے تو مجھ سے منگا لیا کریں۔ اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے اپنی ضرورتیں اپنے آقا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اُس نے اُن پر جو کچھ مجھے عطا فرما دیا، میں نے اُس پر قناعت کر لی۔

ایک حکیم کا اِرشاد ہے کہ میں نے سب سے زیادہ غم میں مُبتلا رہنے والا، حسد کرنے والے کو پایا۔ اور سب سے بہترین زندگی گذارنے والا قناعت کرنے والے کو پایا۔ اور سب سے زیادہ صبر کرنے والا حریص کو پایا (کہ ہر چیز کی حرص کرتا ہے پھر وہ ملتی نہیں تو صبر کرتا ہے)۔ اور سب سے زیادہ لطیف زندگی گذارنے والا دُنیا کے چھوڑ دینے والے کو پایا۔ اور سب سے زیادہ ندامت والا اس عالم کو پایا جو حد سے بڑھنے والا ہو۔

حضرت عبدُاللہ بن سلامؓ نے حضرت کعب احبارؓ سے دریافت کیا کہ علماء کے قُلوب سے علم کو کیا چیز ضائع کر دیتی ہے، حالانکہ پڑھتے وقت اُنہوں نے سمجھ کر پڑھا تھا، اُس کو یاد رکھا تھا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا۔ طمع اور حرص، اور لوگوں سے اپنی حاجتوں کا مانگنا۔

کسی شخص نے حضرت فُضیل بن عیاضؒ سے حضرت کعبؓ کے کلام کی شرح پوچھی۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ جب عالم کسی چیز کی طمع کرنے لگتا ہے تو اس کی طلب میں لگ جاتا ہے جس سے اس کا دین برباد ہو جاتا ہے (کہ اس کی طلب کی مشغولی، دین کی مشغولی کو کھو دیتی ہے) اور حرص اُس کو ہر ہر چیز کی طرف کھینچتی ہے حتّٰی کہ اس کا ہر چیز کو یہ دل چاہتا ہے کہ یہ بھی مجھے مل جائے یہ بھی مل جائے، پھر لوگوں سے اس کے پورا کرنے کا طالب ہوتا ہے۔ جو شخص اس کی طلب کو پورا کر دیتا ہے اس کے سامنے جُھکنا پڑتا ہے اس کا مُطیع ہونا پڑتا ہے، وہ جدھر چاہے کھینچ کر لے جائے تمہیں جھک مار کر اُس کا کہنا ماننا پڑتا ہے۔ جب وہ گذرے تو اس کو سلام کرنا پڑتا ہے۔ بیمار ہو جائے تو عیادت کرنا پڑتا ہے، اور یہ سلام اور عیادت اللہ کے واسطے نہیں ہوتی بلکہ دُنیا کی محبت

کی وجہ سے ہوتی ہے (اور جب دنیا کی وجہ سے ہوئی تو اس کا ثواب معلوم ہے) اس کے بعد حضرت فضیلؒ نے فرمایا۔ یہ حدیث (عمل کے لئے اور کار آمد ہونے کیلئے) سو حدیثوں سے بڑھ کر ہے۔ (احیاء)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے مختصر سی نصیحت فرما دیجئے (تاکہ میں اس کو مضبوط پکڑلوں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز دوسروں کے پاس ہے اس سے اپنے کو بالکل مایوس بنا لو۔ (ذرا بھی اس کی طرف التفات نہ کرو) اور طمع سے اپنے کو بالکل محفوظ رکھو۔ اسلئے کہ طمع فوری فقر ہے (یعنی اس چیز کی ضرورت تو جب ہوگی، جب ہوگی، اس کی طرف تو احتیاج ابھی سے ہوگئی) اور اپنے آپ کو ایسی چیز سے بچاؤ جس کی معذرت کرنا پڑے (ترغیب)۔

حضرت ابو ایوبؓ کی روایت سے اس قسم کا ایک سوال و جواب ادھر بھی قریب ہی گذر چکا ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں اور نصیحتیں مشترک ہیں۔ ایک ایک نصیحت ہر شخص کے مناسب حال علیحدہ ہے۔ اور بعض روایات میں حضرت سعدؓ کی حدیث میں چار باتیں مذکور ہیں۔ تین وہ جو حضرت ابو ایوبؓ کی روایت میں گذریں اور چوتھی طمع کی اس میں زائد ہے (ترغیب) اور یہ بات کہ دوسروں کے پاس جو چیز ہو اس سے اپنے آپ کو بالکل مایوس رکھو، دونوں میں مشترک اور بڑی اہم چیز ہے کہ اس کی وجہ سے نہ آدمی کو پریشان ہونا پڑتا ہے نہ دوسرے کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے جو شخص اپنے گھر میں امن سے ہو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بدن کی صحت عطا فرما رکھی ہو، اور ایک دن کا کھانا اس کے پاس موجود ہو تو گویا دنیا ساری کی ساری اس کے پاس موجود ہے (ترغیب)۔ پھر اس کو کسی دوسرے کی کسی چیز کی طرف کیا نگاہ لگانا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اس قسم کا واقعہ نقل کیا گیا کہ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نماز ایسی پڑھو گویا یہ آخری نماز ہے (اور تم حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے حاضر ہو) اس لئے کہ اگر تم اس کو

نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں بہر حال دیکھ رہا ہے۔ اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہے اس سے مایوس بنے رہو، تم سب سے زیادہ غنی ہو گے۔ اور اپنے آپ کو ایسی چیز سے (قول ہو یا فعل) بچاؤ جس کی پھر معذرت کرنا پڑے۔ (ترغیب)۔

حضرت سعدؓ سے بھی ایک شخص نے یہ درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں اُنہوں نے فرمایا، جب نماز پڑھو تو بہت اچھی طرح وضو کرو۔ اس لئے کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اور بغیر نماز کے ایمان نہیں۔ پھر جب نماز شروع کرو تو ایسی پڑھو، جیسا کہ آخری نماز ہو۔ اور بہت سی حاجتیں طلب نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ یہ بھی فوری فقر ہے اور جو چیز دوسروں کے قبضہ میں ہو اس سے اپنے آپ کو بالکل مایوس رکھو۔ یہی اصل استغناء ہے۔ اور کوئی کلام یا کوئی فعل ایسا نہ کرو جس سے پھر معذرت کرنا اور معافی چاہنا پڑے۔ (اتحاف الصلوٰۃ)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بعض آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ مال کا چھوڑ دینے والا زاہد ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ مال کا چھوڑ دینا اور موٹے کپڑے پہن لینا ہر ایسے شخص کے لئے آسان ہے جو لوگوں میں اپنی وقعت چاہتا ہو، ان کے یہاں اپنی تعریف کا طالب ہو۔ کتنے ہی دنیا سے بے تعلقی کا اظہار کرنے والے جو تھوڑے سے کھانے پر قناعت کرتے ہیں اور اپنا دروازہ ہر وقت بند رکھتے ہیں بلکہ ایسے بند مکان میں رہتے ہیں جس کے دروازہ ہی نہ ہو۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کے یہاں ان کی شہرت ہو۔ اور کتنے ہی عمدہ لباس پہننے والے زہد کا دعوٰی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ اچھا لباس اتباعِ سنّت میں پہنتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ خود ان کپڑوں وغیرہ کی طرف اپنی خواہش سے متوجہ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کے اصرار اور خواہش سے پہنتے ہیں۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس قسم کے کپڑے ہدایا میں پیش کیا کریں۔ یہ دونوں فریق دنیا کو دین کے ذریعے سے حاصل کرنے والے ہیں کہ دنیا صرف مال ہی کا نام نہیں جاہ کی طلب بھی دنیا ہے۔ زاہد کی تین علامتیں ہیں جن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

۱: جو اُس کے پاس موجود ہے اُس سے خوش نہ ہو۔ اور جو چیز نہیں ہے،

اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ بلکہ اَولیٰ تو یہ ہے کہ موجود سے رنجیدہ ہو، اور جو نہیں ہے اس سے خوش ہو۔

۲: اس کی نگاہ میں اس کی تعریف کرنے والا، مذمت کرنے والا برابر ہو، کہ یہ جاہ کے زُہد کی علامت ہے، اور پہلی چیز مال کے زُہد کی علامت ہے۔

۳: حق تعالیٰ شانہٗ سے اُنس اور محبت ہو اور طاعات میں حلاوت ہو (احیاء)۔

اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے، نمونہ کے لئے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوبِ گرامی جو شَیخُ المشائخ قُطبُ الاِرشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے مُرشد شَیخُ العَرب والعَجم حضرت حاجی اِمداد اللہ صاحب اَعلَی اللہُ مَراتِبَہٗ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیبِ رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے۔ میرے مَاوائے دارَین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے۔ جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں۔ بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں، مگر جو ارشادِ حضرت ہے تو کیا کروں۔ بناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے حضرت مُرشدِمن! علمِ ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ اس سال تک دو سو سے (۲۰۰) چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے۔ اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سُنّت کے اِحیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعتِ دین اُن سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہو جائے۔ اور حضرت کے اَقدامِ نَعلَین کی حاضری کے ثمرہ کا یہ خلاصہ ہے کہ جَذرِ قلب میں غیرِ حق تعالیٰ سے نفع و ضرر کا اِلتفات نہیں۔ واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کسی کے مدح و ذم کی پروا نہیں رہی، اور ذامّ و مادح کو دور جانتا ہوں۔ اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہو گئی ہے، اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت

بے رنگ کا ہے جو مشکوۃِ انوار حضرت سے پہنچی ہے۔ پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔ والسلام۔ ۱۳۰۶ھ

یہ گرامی قدر مکتوب وصال سے سترہ سال قبل کا ہے ان سترہ سال میں مدح و ذم کی برابری میں اور غیر حق سے نفع و ضرر کی طرف عدم التفات میں جو ترقیات ہوئی ہوں گی، ان کا ادراک بھی کون کر سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ جس کو امیر شاہ خان صاحب نے امیر الروایات میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور، میں نے بھی دیکھا ہے۔ بہت بڑا گاؤں ہے۔ یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحاق صاحب (دہلوی جو مشہور اساتذہ حدیث میں ہیں) اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب (کاندھلوی) فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول رہتے تھے۔ لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں، اور خوشی میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے ہیں۔ اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آگئی (دونوں حضرات مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے) جس سے اس قدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں۔ مگر بڑے میاں سے تو پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ آج بہت خوش نظر آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے تعجب کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہا

نہیں۔ فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا۔ یہ خوشی اس کی ہے کیونکہ جبتک وہ تھا ہم کو خدا پر پورا توکل نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ اس واقعہ پر لکھتے ہیں کہ مجھے حضرت غوث پاکؒ کی خوشی یاد آگئی، کہ جس وقت خادم نے ایک قیمتی آئینہ کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع دی کہ ؎

از قضا آئینۂ چینی شکست

آپ نے فِی الْبَدِیْہہ فرمایا ؎

خوب شد اسباب خود بینی شکست (امیر الروایات)

پہلے مصرعہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "تقدیر سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا"۔ دوسرے کا ترجمہ ہے "بہت اچھا ہوا کہ خود بینی کے اسباب جاتے رہے"۔ فقط۔

(۱۱) عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِیْرٍ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ (رواہ الترمذی فی الشمائل)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تمام عمر میں اپنی وفات تک کبھی جَو کی روٹی بھی دو دن لگاتار پیٹ بھر کر نوش نہیں فرمائی۔

ف: یہی حضورؐ کی زندگی تھی۔ دو چار حدیثوں میں نہیں سینکڑوں احادیث میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی کا یہی نقشہ موجود ہے۔ آج مسلمانوں کے فقر و فاقہ کا اس قدر شور ہے کہ حد نہیں۔ مگر کتنے آدمی ایسے ہوں گے جن کو عمر بھر میں دو دن بھی پیٹ بھر کر معمولی روٹی نہ ملی ہو۔ شمائل ہی کی ایک اور حدیث میں، حضرت عائشہؓ حضورؐ کے سارے گھرانے کا یہی عمل نقل کرتی ہیں کہ حضورؐ کے گھر والوں نے حضورؐ کی وفات تک کبھی بھی دو دن لگاتار جَو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر کئی کئی راتیں مسلسل ایسی گذر جاتی تھیں کہ حضورؐ کو اور حضورؐ کے گھر والوں کو شام کو کھانا میسّر نہیں ہوتا تھا۔ رات بھر سب کے سب

فاقے گذار دیتے تھے اور جَو کی روٹی پر حضورؐ کا گذارہ تھا۔

حضرت سہلؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کا معمول چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانے کا تھا؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے وصال تک چھنے ہوتے آٹے کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ کیا حضورؐ کے زمانہ میں آپ حضرات کے یہاں چھلنیاں نہیں تھیں؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ چھلنیوں کا دستور نہیں تھا۔ انھوں نے (تعجب سے) پوچھا کہ بغیر چھنے جَو کے آٹے کو کیونکر کھاتے تھے؟ حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ آٹے (کو حرکت دے کر اس) میں پھونک مار دیا کرتے تھے جس سے (موٹے موٹے) تنکے اُڑ جاتے تھے، باقی کو پکا لیا کرتے تھے (شمائل ترمذی)۔

فائدہ: آج گیہوں کی روٹی بغیر چھنے آٹے کی کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ یہ حضرات جَو کے آٹے کی روٹی بغیر چھنے نوش فرماتے تھے۔ وہ بھی پیٹ بھر کر نہ ملتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں تو میرا رونے کو (بے اختیار) دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگتی ہوں۔ کسی نے عرض کیا۔ یہ کیا بات ہے؟ فرمانے لگیں، مجھے حضورؐ کا زمانہ یاد آجاتا ہے، کہ گوشت سے یا روٹی سے کبھی بھی حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو وصال تک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر تناول فرمانے کی نوبت نہیں آئی۔ (شمائل)

سعید مقبریؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک جماعت پر گذر ہوا۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے، اور مرغی بھنی ہوئی اُن کے سامنے رکھی تھی۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تواضع کی حضرت ابو ہریرہؓ نے انکار فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ حضورؐ اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ جَو کی روٹی سے پیٹ بھرنے کی بھی نوبت نہیں آئی (مشکوٰۃ) میرا کس طرح دل چاہے کہ مرغ کھاؤں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ ارشاد عام حالت کے اعتبار سے ہے، ورنہ مرغی کا کھانا حضورؐ سے بھی ثابت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اکثر بھوکے رہتے تھے بغیر ناداری کے۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھانا موجود ہو پھر بھی حضورؐ کم تناول فرماتے تھے۔

اس لئے کہ بھوکے رہنے سے اَنوار کی کثرت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں کھانے پینے کی مقدار کم رکھتا ہے حق تعالیٰ شانُہٗ اس پر فرشتوں کے سامنے تفاخُر کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں، کہ دیکھو، میں نے اس کو کھانے پینے کی کمی میں مُبتلا کیا، اس نے صبر کیا۔ تم گواہ رہو کہ جو لقمہ اس نے کم کیا ہے اس کے بدلہ میں جنّت کے درجے اس کیلئے تجویز کرتا ہوں (احیاء)

یہ بات ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اپنے اختیار سے اتنی کمی ہرگز نہ کرے جو صحت کو مُضِر ہو کر دوسرے دینی کاموں میں نقصان کا سبب ہو۔ اسی وجہ سے روزہ میں سَحَری کو سُنّت قرار دیا گیا کہ روزہ میں ضُعف نہ پیدا ہو۔ اسی وجہ سے دوپہر کا سونا سُنّت قرار دیا گیا کہ رات کے جاگنے میں مُعِین ہو۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی برتن بھرنے کے اعتبار سے پیٹ سے بُرا نہیں ہے (یعنی جتنا پیٹ کا بھرنا بُرا ہے اتنا کسی برتن کا بھرنا بُرا نہیں ہے) اور چونکہ مجبوری ہے، کھانا پڑتا ہی ہے، اس لئے ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے رکھنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ ایک روٹی کا ٹکڑا حضورؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں حضورؐ نے فرمایا۔ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے آج روٹی پکائی تھی۔ میرے دل نے بغیر آپ کے نوش فرمائے، کھانا گوارا نہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تین دن کے اندر یہ پہلی چیز ہے جو تمہارے باپ کے مُنہ میں جا رہی ہے۔ (یعنی تین دن سے کوئی چیز کھانے کی نوبت نہیں آئی)۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں جو لوگ بھوکے رہنے والے ہیں آخرت میں وہی لوگ پیٹ بھرنے والے ہیں۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ کو وہ شخص بہت ناپسند ہے جو اتنا کھائے کہ بدہضمی ہو جائے۔ جو شخص کسی ایسی چیز کے کھانے کو ترک کرے جس کو دل چاہتا ہے اس کے لئے جنّت میں درجے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے احتیاط رکھو، یہ زندگی میں

بھاری پن کا سبب ہے اور مرنے کے وقت گندگی اور عفونت ہے۔

حضرت شقیق بلخیؒ کا ارشاد ہے کہ عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دکان تنہائی ہے اور اس کا آلہ (جس سے پیشہ کیا جائے) بھوکا رہنا ہے۔

حضرت فضیلؒ اپنے دل سے فرمایا کرتے تھے کہ تو بھوکا رہنے سے ڈرتا ہے۔ یہ ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ تیری کیا حقیقت ہے جب حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام بھوکے رہ چکے ہیں۔ حضرت فضیلؒ یہ بھی کہا کرتے، یا اللہ تُو نے مجھے اور میرے اہل وعیال کو بھوکا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر روشنی کے رکھا، یہ تو تُو اپنے نیک بندوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یا اللہ تُو نے مجھے یہ دولت کس عمل پر عطا فرمائی۔ یعنی اس پر تعجب کیا کرتے تھے کہ میں (اپنے خیال کے موافق) نیک تو ہوں نہیں پھر یہ نیک لوگوں کا سا برتاؤ میرے ساتھ کس عمل کے صلہ میں ہے۔ حضرت کہمسؒ فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ تُو نے مجھے بھوکا رکھا، ننگا رکھا، اندھیری راتوں میں بغیر چراغ کے رکھا (میں تو ان احسانات کے قابل نہ تھا یہ درجے) کن چیزوں کی وجہ سے مجھے ملے۔ حضرت فتح موصلی کو جب کوئی سخت بیماری لاحق ہوتی یا بھوک کی شدت ہوتی تو کہتے۔ یا اللہ تُو نے مجھے بھوک اور مرض میں مبتلا کیا۔ اور تُو یہ ابتلاء اپنے نیک بندوں کو دیا کرتا ہے۔ میں کس نیک عمل سے تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں۔

مالک بن دینارؒ نے محمد بن واسعؒ سے کہا۔ بڑا مبارک ہے وہ شخص جس کے لئے معمولی سی پیداوار ایسی ہو جس سے وہ زندہ رہ سکے، اور لوگوں سے مانگنے کا محتاج نہ ہو۔ محمد بن واسعؒ نے فرمایا۔ مبارک وہ شخص ہے جو صبح کو بھی بھوکا رہے، شام کو بھی بھوکا رہے اور اس پر بھی اپنے ربّ سے راضی رہے۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ جب تُو پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرے، تو بھوکے آدمیوں کا بھی دل میں خیال لے آیا کر۔ ابو سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں رات کے کھانے میں سے ایک لقمہ کم کھاؤں، یہ مجھے ساری رات کے جاگنے سے زیادہ پسند ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بھوک اللہ کا ایسا خزانہ ہے جو اپنے دوستوں ہی کو دیتا ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ مسلسل بیس بیس دن سے زیادہ بھوکے گذار دیتے تھے، اور اُن کی سال بھر کی غذا کی میزان ایک درم یعنی ۳۰ر ہوتی تھی۔ یہ بھوکے رہنے کی بڑی ترغیب دیا کرتے۔ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ ضرورت سے زائد کھانا چھوڑنے کے برابر کوئی بھی نیک عمل نہیں۔ اس لئے کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہی اتباع ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ حکمت اور علم بھوکے رہنے میں ہے۔ اور جہل اور گناہ پیٹ بھر کر کھانے میں مرکوز ہے۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اَبدال میں سے نہیں ہو سکتا جبتک بھوکا رہنے اور چپ رہنے اور راتوں کو جاگنے کا عادی نہ ہو، اور تنہائی کو پسند نہ کرتا ہو۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص بھوکا رہتا ہے اُس کو وسوسے کم آیا کرتے ہیں۔

عبدُ الواحد بن زیدؒ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی شخص کی صفائی بغیر بھوکا رہنے کے نہیں کرتے۔ اور اسی کی وجہ سے بزرگ پانی پر چلا کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے اُن کو طَیُّ الْاَرض حاصل ہوتا ہے (احیاء)۔ طَیُّ الْاَرض بزرگوں کی ایک خاص رفتار کا نام ہے جس کی وجہ سے چند قدم میں ہزاروں میل طے کر لیتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بھوکے رہنے میں دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) دل کی صفائی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ طبیعت تیز ہوتی ہے۔ بصیرت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے طبیعت میں بلادت آتی ہے اور دل کا نور جاتا رہتا ہے۔ معدے کے بخارات دماغ کو گھیر لیتے ہیں جس کا اثر دل پر بھی پڑتا ہے، کہ وہ فکر میں دوڑنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ بلکہ کم عمر بچہ اگر زیادہ کھانے لگے تو اس کا حافظہ بھی خراب ہو جاتا ہے، ذہن بھی کُند ہو جاتا ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ بھوکا رہنے کی عادت پیدا کرو، یہ نفس کو مُطیع کرتا ہے، دل کو نرم کرتا ہے، اور آسمانی علوم اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے جس دن بھوکا رہا، میں نے اپنے اندر عبرت اور حکمت کا ایک دروازہ کھلا ہوا پایا۔ اسی وجہ سے حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے کہ بیٹا جب معدہ بھر جاتا ہے تو فکر سو جاتا ہے اور حکمت

گونگی ہو جاتی ہے، اور اعضاء عبادت سے سُست پڑ جاتے ہیں۔ ابُو یزید بُسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بھُوک ایک اَبر ہے، جب آدمی بھُوکا ہوتا ہے تو وہ اَبر دل پر حکمت کی بارش کرتا ہے۔

(۲) دوسرا فائدہ دل کا نرم ہونا ہے جس سے ذکر وغیرہ کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ بسا اوقات آدمی بڑی توجّہ سے ذکر کرتا ہے لیکن دل اُس سے لذّت حاصل نہیں کرتا، اور نہ اس سے مُتأثّر ہوتا ہے۔ اور جس وقت دل نرم ہوتا ہے تو ذکر میں بھی لذّت آتی ہے۔ دعا۔ اور مُناجات میں بھی مزہ آتا ہے۔

اَبُو سُلَیمان دارانی کہتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ عبادت میں مزہ جب آتا ہے جب میرا پیٹ بھُوک کی وجہ سے کمر کو لگ جائے۔

حضرت جُنَیدؒ بغدادی فرماتے ہیں کہ آدمی حق تعالیٰ شانہٗ کے اور اپنے سینے کے درمیان ایک جھولی کھانے کی کر لیتا ہے، پھر یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مُناجات کی حلاوت بھی نصیب ہو۔ (پیٹ بھرنے کو فقیر کی جھولی بھرنے سے تشبیہ دی ہے)

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی میں عاجزی، مَسکَنت پیدا ہوتی ہے اور اکڑ مکڑ جاتی رہتی ہے، جو سرکشی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے غفلت کا سرچشمہ ہے نفس کسی چیز سے بھی اتنا زیر نہیں ہوتا جتنا بھُوکا رہنے سے ہوتا ہے۔ اور آدمی جب تک اپنے نفس کی ذلّت اور عاجزی نہیں دیکھتا اُس وقت تک اپنے مولیٰ کی عزّت اور اس کا غلبہ نہیں دیکھ سکتا۔ آدمی کو چاہیئے کہ کثرت سے بھُوکا رہے تاکہ ذوق سے اپنے مولیٰ کی طرف مُتوجّہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے حُضُورؐ پر یہ پیش فرمایا کہ مکّہ مکرّمہ کی ساری زمین سونے کی کر دی جائے تو حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے عرض کیا یا اللہ یہ نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھُوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ تاکہ جس دن بھُوکا رہوں تو صبر کروں اور تیری طرف عاجزی کروں (تجھ سے مانگوں) اور جس دن کھاؤں، اُس دن تیرا شکر ادا کروں۔

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اہلِ مصیبت اور فاقہ زدوں سے غفلت پیدا نہیں ہوتی۔

پیٹ بھرے آدمی کو بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ بھوکوں اور محتاجوں پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت یُوسُف عَلیٰ نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ السَّلام سے کسی نے عرض کیا کہ زمین کے خزانے تو آپ کے قبضہ میں ہیں پھر بھی آپ بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ خود پیٹ بھر لینے سے کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں۔ اور بھوکے پیاسے رہنے سے قیامت کے دن کی بھوک اور پیاس کی یاد بھی تازہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے عذاب کا خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد آجاتا ہے کہ بھوک اور پیاس کی شدت میں جہنم میں کھانا کیا ملیگا۔ وہ جو حلق میں اٹک جائے۔ اور پینے کو کیا ملے گا، جہنمیوں کے زخموں کا لہو اور پیپ۔

⑤ پانچواں فائدہ جو اصل اور اہم ہے، گناہوں سے بچنا ہے۔ کہ پیٹ بھرنا ہی ساری شہوتوں کی جڑ ہے۔ اور بھوکا رہنا ہر قسم کی شہوت کو توڑتا ہے۔ اور آدمی کیلئے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر قابو رکھے۔ اور بڑی بدبختی یہ ہے کہ اُس کا نفس اُس پر قابو پا جائے، اور جیسا کہ سرکش گھوڑے کو بھوکا رکھ کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے اور جب وہ خُوب کھاتا پیتا رہتا ہے تو سرکش ہوجاتا ہے' اسی طرح نفس کا بھی حال ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑھاپے میں بھی اپنے بدن کی خبر گیری نہیں کرتے (کچھ طاقت اور قوّت کی چیزیں کھانے کی ضرورت ہے) وہ فرمانے لگے کہ نفس نشاط کی طرف بڑی تیزی سے چلنے والا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں مجھے کسی گناہ کی مصیبت میں نہ پھانس دے۔ اس لئے میں اُس کو مشقت میں ڈالے رکھوں' یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ وہ مجھے کسی گناہ کی ہلاکت میں ڈال دے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلی بدعت جو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد پیدا ہوئی' وہ پیٹ بھر کر کھانے کی ہے۔ جب آدمیوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو اُن کے نفوس دنیا کی طرف جھکنے لگتے ہیں۔ اور یہ فائدہ جو ذکر کیا جا رہا ہے ایک ہی فائدہ نہیں بلکہ فوائد کا خزانہ ہے۔ اور اس میں کم سے کم جو فائدہ ہے وہ شرمگاہ کی شہوت اور فضول بات کی خواہش کا چھوڑنا ہے۔ اس لئے کہ بھوکے آدمی کا دل فضول باتیں کرنے کو نہیں چاہا کرتا۔ اور اسی ایک بات کی وجہ سے آدمی غیبت سے، جھوٹ سے،

فحش بات کرنے سے، چغلی وغیرہ بہت سی چیزوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور پیٹ بھرنے پر آدمی کا دل تفریحی باتوں کو چاہا کرتا ہے، اور عام طور سے ہم لوگوں کی تفریحیں آدمیوں کی آبروؤں سے ہی ہوتی ہیں۔ اور حضور کا پاک ارشاد ہے کہ زبان کی کھیتیاں ہی آدمی کو (اکثر) جہنم میں ڈالتی ہیں۔ اور شرمگاہ کی شہوت کی ہلاکت تو کسی سے بھی مخفی نہیں ہے۔ اور آدمی کا جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو پھر شرمگاہ پر قدرت دشوار ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ کے خوف سے آدمی اس پر قدرت پا بھی لے تب بھی آنکھ کا گناہ (ناجائز طریقہ سے کسی عورت یا امرد کو دیکھنا) تو ہو ہی جاتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے جیسا کہ شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ اور اگر آدمی آنکھ بند کر کے اس پر بھی قدرت پالے تب بھی جس کو دیکھا جا چکا ہے اُس کا خیال تو دل میں آتا ہی رہے گا۔ اور شہوت کے خیالات حق تعالیٰ شانہٗ سے مُناجات کی لذت کو کھو دیتے ہیں، اور بسا اوقات یہ فاسد خیالات نماز میں بھی آجاتے ہیں۔ زبان اور شرمگاہ مثال کے طور پر ذکر کر دیئے۔ ورنہ ساتوں اعضا کے سارے گناہ اسی قوت سے پیدا ہوتے ہیں جو پیٹ بھرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

(٦) چھٹا فائدہ یہ ہے کہ کم کھانے سے نیند کم آتی ہے۔ کثرت سے جاگنے کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے پیاس خوب لگتی ہے، اور پانی پینے سے نیند خوب آتی ہے۔ مشائخ کا مقولہ ہے کہ زیادہ نہ کھاؤ ورنہ زیادہ پانی پیوگے۔ پھر زیادہ سوؤگے جس کی وجہ سے زیادہ خسارہ میں رہوگے۔

کہتے ہیں کہ ستر حکیموں کا اس پر اتفاق ہے کہ زیادہ پانی پینے سے زیادہ نیند آتی ہے، اور زیادہ سونے میں عمر کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور تہجد کا فوت ہو جانا علیحدہ رہا۔ نیز زیادہ سونے سے طبیعت کی بلادت اور دل کی قساوت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور بیوی پاس نہ ہو تو احتلام کا سبب بھی ہوتا ہے۔ پھر غسل کے اسباب مُہیا نہ ہونے میں اکثر تہجد بھی فوت ہو جاتا ہے۔

(٧) ساتواں فائدہ عبادت پر سہولت سے قادر ہونا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے

سے اکثر کاہلی پیدا ہوتی ہے جو عبادت کو مانع ہوتی ہے۔ اور خود کھانے ہی میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو تیار بھی کرنا پڑے تو اور بھی زیادہ اضاعت وقت ہے۔ پھر کھانے کے بعد ہاتھ دھونا، خلال کرنا، پھر بار بار اُٹھ کر پانی پینا، ان سب اوقات کا حساب لگایا جائے تو کتنا وقت ہوا۔ اگر یہ سارا وقت اللہ کی یاد میں اور دوسری عبادتوں میں خرچ ہوتا تو کتنا نفع کماتا۔

حضرت سِرّی سَقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے علی جُرجانیؒ کے ساتھ ستّو دیکھا جس کو وہ پھانک رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ستّو کی عادت کیسے پڑگئی۔ فرمانے لگے کہ میں نے جو حساب لگایا تو لقمہ مُنہ میں رکھنے سے اس کے نگلنے تک ستّر مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے کا وقت ملتا ہے اس وجہ سے میں نے چالیس سال سے روٹی نہیں کھائی کہ اس کے چبانے میں بہت دیر لگتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ آدمی کا ہر سانس بہت بڑا قیمتی جوہر ہے۔ جس کو آخرت کے خزانہ میں محفوظ کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ کبھی ضائع نہ ہو۔ اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ اس سانس کو اللہ کے ذکر یا کسی اور عبادت میں صرف کر دے۔ اس کے علاوہ کھانا زیادہ کھانے سے وضو کم ٹھیرتی ہے۔ اِستنجے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اور ان اُمور کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ ان میں وقت ضائع ہوتا ہے مسجد میں زیادہ اوقات نہیں گذار سکتا کہ بار بار ان ضروریات کی وجہ سے نکلنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ روزہ بھی اس کو بہت سہل ہوتا ہے جو بھوکا رہنے کا عادی ہو جائے۔ غرض روزہ، اِعتکاف اور کثرت سے باوضو رہنا اور کھانے پینے کے اوقات کو عبادت میں خرچ کرنا، اتنے کثیر فائدے ہیں جن کا شمار نہیں ہے۔ اس کی قدر وہ غافل لوگ کیا جانیں جن کو دین کی قدر ہی نہیں ہے۔ وہ دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہو کر مُطمئن ہوگئے۔ بس دنیا ہی کے حالات کو جانتے ہیں۔ ان کو آخرت کی خبر ہی نہیں کیا چیز ہے۔

(۸) آٹھواں فائدہ کم کھانے میں بدن کی صحت ہے کہ بہت سے اَمراض زیادہ کھانے ہی سے پیدا ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مِعدہ میں، اور رگوں میں

اَخلاطِ رَدِیَّہ جمع ہو جاتے ہیں، جن سے طرح طرح کے اَمراض پیدا ہوتے ہیں، اور اَمراض قطع نظر اس کے کہ صحت کے مُنافی ہیں، عبادات سے بھی مانع ہوتے ہیں۔ دل کو تشویش میں ڈالتے ہیں۔ ذکر و فکر سے مانع ہونے کے علاوہ دوا، پرہیز، حکیم، ڈاکٹر، فصد کھولنے والا، جونکیں لگانے والا، غرض ایک لمبا چوڑا جھگڑا آدمی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ان سب چیزوں میں مشقت علیحدہ ہے، خرچ علیحدہ ہے اور بھوکے رہنے میں ان سب آفات سے امن ہے۔

کہتے ہیں ہارون رشیدؒ نے ایک مرتبہ چار ماہر حکیموں کو جمع کیا۔ ایک ہندی ماہر دوسرا رومی (انگریزی) تیسرا عراقی، چوتھا سوادی (سواد کا رہنے والا) اور چاروں سے دریافت کیا۔ کوئی ایسی دوا بتاؤ جو کسی چیز کو نقصان نہ کرتی ہو۔ ہندی نے کہا۔ میرے خیال میں ایسی دوا جو کسی چیز کو نقصان نہیں کرتی اِہْلِیْلَج اَسْوَد (ہلیلہ سیاہ) ہے۔ عراقی نے کہا میرے خیال میں حبُّ الرّشادِ الْاَبْیض (جس کو فارسی میں تخم سپندان اور ہندی میں ہالون کہتے ہیں) رومی نے کہا کہ میرے نزدیک گرم پانی ہے یعنی وہ کسی چیز کو مُضِر نہیں ہے۔ سوادی نے کہا کہ یہ سب غلط ہے۔ ہلیلہ معدہ کو رَوندتا ہے (پاؤں سے کسی چیز کو مسلنا) اور یہ بیماری ہے (اس کے علاوہ جگر کے لئے بھی مُضِر ہے۔ زکریا) اور حبُّ الرّشاد معدہ میں پھسلن پیدا کرتا ہے۔ اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کرتا ہے۔ ان سب طبیبوں نے کہا پھر تم بتاؤ ایسی کیا دوا ہے جو کسی کو نقصان نہیں کرتی۔ سوادی نے کہا کہ کھانا اس وقت تک نہ کھایا جائے جب تک خوب رغبت پیدا نہ ہو، اور ایسی حالت میں ختم کیا جائے کہ زیادہ کی رغبت باقی ہو۔ بقیہ تینوں طبیبوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا۔

ایک فلسفی حکیم کے سامنے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ تہائی پیٹ کھانے کے لئے، تہائی پانی کے لئے اور تہائی سانس لینے کے لئے۔ اس نے سُن کر بڑا ہی تعجب کیا، اور کہا کہ کھانا کم کھانے میں اس سے بہتر اور مضبوط بات میں نے آج تک نہیں سُنی۔ بیشک یہ حکیم کا کلام ہے۔

(۹) نواں فائدہ اخراجات کی کمی ہے۔ جو شخص کم کھانے کا عادی ہو گا اس کا

خرچ بھی کم ہوگا۔ اور زیادہ کھانے میں اخراجات بھی بڑھیں گے۔ جن کے حاصل کرنے کے لئے یا تو ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوگا یا لوگوں سے مانگنے کی ذلت اختیار کرے گا۔ (حضرت سہل تستریؒ کا حال قریب ہی گذر چکا ہے کہ ان کے کھانے کی میزان سال بھر کی ۳ ۰ ر ہوتی تھی)۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ میں اپنی اکثر ضرورتیں ترک کر دینے سے پوری کرتا ہوں۔ جس سے مجھے بڑی یکسوئی اور راحت رہتی ہے۔

ایک اور حکیم کا قول ہے کہ جب مجھے اپنی کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے کسی سے قرض کی ضرورت ہوتی ہے تو میں اپنے نفس ہی سے قرض مانگ لیتا ہوں۔ اس کو سمجھا دیتا ہوں کہ اس کو پھر کسی وقت ادا کر دوں گا۔ یعنی تیری خواہش اس وقت میرے ذمہ قرض ہے اس کو کسی دوسرے وقت پوری کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ جب کسی چیز کا نرخ معلوم کرتے کہ وہ بہت گراں ہے تو اپنے دوستوں سے فرماتے کہ اس کو چھوڑ کر ارزاں کر دو (جس چیز کا خریدنا آدمی چھوڑ دے اپنی طرف سے تو وہ ٹکہ سیر ہو ہی گئی۔ اپنی بلا سے جتنے میں چاہے بکے) آدمی کی ہلاکت کا بڑا سبب دنیا کی حرص ہے، اور یہ حرص پیٹ اور شرمگاہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور شرمگاہ کی قوت بھی پیٹ کی قوت سے ہوتی ہے، اور کھانا کم کھانے میں ان سب آفتوں سے امن ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ جس کو بھی نصیب فرمادے۔

(۱۰) دسواں فائدہ ایثار، ہمدردی اور صدقات کی کثرت کا سبب ہے۔ کم کھانے کی وجہ سے جتنا کھانا بچے گا وہ یتامیٰ، مساکین، غربا، پر صدقہ ہو کر قیامت میں اس کے لئے سایہ بنے گا کہ حضورؐ کا پاک ارشاد پہلے گذر چکا ہے کہ آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایہ کے نیچے ہوگا۔ اور جتنا زیادہ کھائے گا وہ پاخانہ بن کر کوڑی پر جمع ہوتا رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جو جمع ہو گیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کام آتا رہے گا اور جو پاخانہ ہو گیا وہ ضائع گیا۔ اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے جو پہلے بھی گذر چکا کہ آدمی کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ اس کے لئے اس کے مال میں سے بجز تین چیز کے کچھ نہیں ہے۔

ایک وہ جو صدقہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے اس کو محفوظ کر لیا۔ دوسرا وہ جو کھا لیا اور کھا کر ختم کر دیا۔ تیسرا وہ جو پہن کر پرانا کر دیا۔ اس کے علاوہ جو ہے دوسروں کا مال ہے، وارثوں کا حصہ ہے۔ اس کا اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ صدقات کے فضائل کثرت سے گذر ہی چکے ہیں۔ یہ دس فوائد کم کھانے کے نہایت اختصار سے ذکر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ اپنے اندر بے شمار فائدے رکھتا ہے۔ (احیاء)

یہ بات قابل لحاظ ہے جو پہلے بھی متعدد بار لکھی جا چکی ہے کہ ان فضائل کے حق ہونے میں تردد نہیں۔ یقیناً یہ وہ کمالات ہیں کہ جس خوش نصیب کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے عطا فرما دے، اس کے لئے دین اور دنیا دونوں کی راحت ہے اور آخرت کے بے شمار درجات اور ترقیات کا زینہ یہی چیزیں ہیں۔ لیکن اپنے تحمل کی رعایت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوا چلا تھا ہنس کی چال وہ اپنی بھی بھول گیا۔ زیادہ کے شوق میں آدمی تھوڑے سے بھی جاتا رہے۔ اس لئے ان سب چیزوں کی طرف دل کو رغبت دیتے رہنے کے ساتھ ان چیزوں کے اور اس طرز زندگی کے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے ساتھ اور ان امور کو نہایت وقعت سے دیکھنے کے ساتھ عمل اتنا ہی کرنا چاہیئے جتنا اپنے اندر تحمل ہو۔ بیمار آدمی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھائے گا تو جلدی مرے گا۔ ہم لوگ نفس کی بیماریوں کے بیمار ہیں۔ اعضاء اور قویٰ کے ضعف کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لئے صحت کی تمنا اور کوشش، سعی اور رغبت کے ساتھ ایسی کوئی چیز عملی طور سے اختیار نہ کرنا چاہئے جو اس حالت سے بھی گرا دے جس پر اب موجود ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کم کھانے کی عادت آہستہ آہستہ پیدا کرنی چاہیئے۔ جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو وہ دفعتاً کم کرے گا تو اس کا تحمل بھی نہ ہو گا، ضعف بھی ہو جائے گا، مشقت بھی بڑھ جائے گی۔ اس لئے بہت آہستگی اور سہولت کے ساتھ اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص دو نان کھاتا ہو تو اس کو ایک نان کا اٹھائیسواں حصہ روزانہ کم کرنا چاہیئے۔ اس سے ایک مہینہ کے اندر آدھی خوراک رہ جائے گی (اور اگر

اس کا بھی تحمل دشوار ہو تو چالیسواں حصہ کم کرنا چاہیئے)۔

حضرت سہل تستریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مجاہدوں کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا سالانہ خرچ ابتداء میں تین درم تھا (یعنی ۱۰؍) ابتداء میں اس کی صورت یہ تھی کہ میں ایک درم کا تودبس (انگور یا کھجور کا شیرہ یا رس) لے لیتا تھا۔ اور ایک درم کا چانول کا آٹا، اور ایک درم کا گھی۔ اور ان تینوں کو ملا کر تین سو ساٹھ لڈو بنا لیتا تھا۔ ایک روزانہ روزہ افطار کرنے کے وقت کھا لیتا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ اب کیا معمول ہے؟ فرمایا۔ اب تو کوئی متعین چیز نہیں، جب موقع ہو، کچھ کھا لیتا ہوں۔ (یہ قریب ہی گذر چکا کہ یہ حضرت بیس[20] بیس[20] دن بغیر کھائے گذار دیتے تھے)

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میرا گذران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع جو (تقریباً ساڑھے تین سیر) فی ہفتہ تھا۔ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ مرنے تک کبھی بھی نہ بڑھاؤں گا۔ اس لئے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مرنے تک اسی حال پر رہے جس پر اب ہے۔

اسی وجہ سے یہ، بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ تم نے وہ طرز چھوڑ دیا جو حضورؐ کے زمانہ میں تھا۔ تم نے جَو کا آٹا چھاننا شروع کر دیا، حالانکہ اس زمانہ میں نہیں چھانا جاتا تھا۔ تم نے پتلی روٹیاں کھانا شروع کر دیں کئی کئی سالن دسترخوان پر آنے لگے۔ تم حضورؐ کے زمانہ میں ایسے نہیں تھے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی مثال بکری کے بچہ سی ہے جیسے ایک مٹھی پرانی کھجور، ایک مٹھی ستو، ایک گھونٹ پانی کافی ہے۔ اور منافق کی مثال درندہ کی سی ہے۔ ہپ ہپ غٹ غٹ جو ہو سب کھا پی لے۔ نہ اپنے پڑوسی کا خیال کرے نہ دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ ضرورت سے زائد چیزیں (خیرات کر کے) آگے بھیج دو (تمہارے کام آئیں گی)۔

حضرت ابُوبکر صدّیقؓ چھ یوم کا مُسلسل فاقہ کر لیتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ سات دن کا فاقہ کر لیتے تھے۔

کہتے ہیں ایک بُزرگ کی ایک راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس سے باتیں کرتے رہے، اسی میں اس کو اسلام کی دعوت بھی دے دی۔ اُس نے گفتگو کے دوران میں کہا کہ حضرت مسیح (عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام) چالیس دن فاقہ کر لیا کرتے تھے یہ بات مُعجزہ ہی کے طور پر ہوسکتی ہے۔ نبی کے علاوہ کسی سے نہیں ہوسکتی۔ اُن بُزرگ نے فرمایا کہ اگر میں پچاس دن کا فاقہ کر دوں تب بھی تم مسلمان ہو جاؤ گے؟ اُس راہب نے کہا ضرور۔ یہ وہیں اس کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ اسی کے پاس رہتے۔ جب پچاس دن پورے ہو گئے تو کہنے لگے کہ یہ تو وعدے کے تھے۔ دس دن اور زائد لو۔ یہ کہہ کر دس دن کا فاقہ اَور بھی کر دیا۔ پورے ساٹھ دن بعد کھایا۔ وہ راہب بڑی ہی حیرت میں رہ گیا اور مسلمان ہو گیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ جب صبح کو کھانا تناوُل فرما لیتے تھے تو شام کو تناوُل نہ فرماتے تھے اور جب شام کو تناوُل فرما لیتے تھے تو صبح کو تناوُل نہ فرماتے تھے۔ (جامع الصغیر)۔ (یعنی کبھی ایسا بھی معمول تھا)۔ اور بھی پہلے بزرگوں سے ایک وقت کھانے کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک وقت کھانے کا عادی ہو اُس کے لئے بہتر یہ ہے کہ سحری کے وقت کھائے تاکہ دن میں روزہ کی فضیلت حاصل ہو اور رات کو نوافل اور ذکر وغیرہ معدہ کے خالی ہونے کی حالت میں ہوں۔ حضرت مالک بن دینارؒ کا چالیس سال تک دودھ کو دل چاہتا رہا مگر استعمال نہیں کیا۔ ایک مرتبہ کہیں سے اُن کی خدمت میں تر و تازہ کھجوریں آئیں۔ اپنے دوستوں سے فرمایا کہ ان کو کھا لو۔ میں نے تو ان کو چالیس سال سے نہیں چکھا۔ (احیاء)

امام غزالیؒ نے بہت کثرت سے اس قسم کے واقعات ان حضرات کے ذکر فرمائے ہیں انہیں مُجاہدوں کی برکات سے ان حضرات سے کرامتوں کا ظہور ہوتا تھا۔ اب ان حضرات کی سی کرامتوں کا تو ہر شخص خواہشمند ہے مگر اس کے لئے ان جیسے مجاہدے

بھی تو کئے جائیں۔ ہم لوگوں کو غذائیں تو عمدہ سے عمدہ اور بہتر سے بہتر چاہئیں پھر مُجاہدے کیسے ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنے کسی ملنے والے کی دعوت کی، اور ان کے لئے دسترخوان پر روٹیاں رکھیں۔ وہ ان میں سے اُلٹ پلٹ کر اچھی روٹی تلاش کرنے لگے میزبان بزرگ نے فرمایا۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ جس روٹی کو تم بُری سمجھ کر چھوڑ رہے ہو اس میں اتنے اتنے تو فوائد ہیں اور اتنی اتنی مشقّت اُٹھانے والوں کی اس میں محنت ہوئی ہے کہ بہت سے کام کرنے والوں کے عمل کے بعد ابر میں پانی آیا۔ پھر وہ برسا۔ پھر ہواؤں کی، زمین کی، چوپایوں کی، آدمیوں کی محنت اس میں لگی۔ جب تو یہ روٹی تمہارے سامنے آئی، اس کے بعد تم اس میں اچھی بُری چھانٹنے لگے۔

کہتے ہیں کہ ایک روٹی پک کر تمہارے سامنے اس وقت تک نہیں آتی جب تک اس میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ کام کرنے والوں کا عمل نہیں ہوتا۔ سب سے اوّل حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانہ سے ناپ کر چیز نکالتے ہیں پھر وہ فرشتے جو ابر پر مامُور ہیں اور بادلوں کو چلاتے ہیں۔ پھر چاند، سورج، آسمان، پھر وہ فرشتے جو ہواؤں پر مامُور ہیں، پھر چوپائے۔ سب سے آخر میں روٹی پکانے والے۔ سچ ہے پاک ارشاد میرے ربّ سُبحانہٗ وتقدّس کا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم۔ ع ۵) "اگر تم اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت (اور اس کی تفصیلات) کو شمار کرنے لگو تو کبھی بھی پوری نہیں گن سکتے"۔

اس کے بعد نہایت اہم اور قابلِ لحاظ چیز یہ بھی ہے کہ کم کھانے کی اگر صورت اختیار کرے تو اس میں ریا اور حُبِّ جاہ سے بچنے کا بھی بہت اہتمام رکھے۔ ایسا نہ ہو کر بھوکا بھی مرے اور نفس بجائے صالح بننے کے اور زیادہ فاسد بن جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کھانے کی خواہش سے بھاگ کر ریا کی خواہش میں پھنس جائے وہ ایسا ہے جیسا کہ بچھّو سے بھاگ کر سانپ کے منہ میں چلا جائے۔ (احیاء)

الغرض کم کھانا محمُود ہے۔ دین اور دنیا دونوں کے کثیر فائدے اس میں ہیں۔ بشرطیکہ ضُعف یا ریاء وغیرہ کسی دوسرے خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو، حضورؐ کی معیشت اور معاشرت حضورؐ کے فقر اور فاقہ کو ذہن میں رکھے۔ دل سے اس کو پسند کرتا ہے کہ اصل چیز وہ ہے حضورؐ نے جو طرز اختیار فرمایا تھا وہ ناداری اور مجبوری سے نہیں تھا۔ اس وجہ سے نہیں تھا کہ میسر نہیں آسکتا تھا بلکہ خوشی اور رغبت سے اسی طرز کو پسند فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ حق تعالیٰ شانہٗ سے روزی کی وسعت نہیں مانگ لیتے؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں یہ کہہ کر اور حضورؐ کی بھوک کی شدت کو دیکھ کر رو پڑی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اپنے رب سے یہ مانگوں کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کریں تو حق تعالیٰ شانہٗ ان کو بھی میرے ساتھ چلا دیں۔ لیکن میں نے دنیا میں بھوکا رہنے کو پیٹ بھرنے پر ترجیح دے رکھی ہے۔ میں نے دنیا کے فقر کو اس کی ثروت پر ترجیح دی ہے، میں نے دنیا کے غم کو اس کی خوشی پر ترجیح دی ہے۔ عائشہ! دنیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی آل کیلئے مناسب نہیں ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اُولُو الْعَزْم (یعنی ہمت والے اور اونچے درجہ کے) رسولوں کے لئے اسی کو پسند فرمایا ہے کہ دنیا کی تکلیفوں پر صبر کریں دنیا کی راحتوں سے بچے رہیں۔ اور جو چیز ان کے لئے پسند فرمائی تھی اسی کا مجھے حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف ع ۴) آپ بھی اسی طرح صبر کیجئے جس طرح اُولُو الْعَزْم رسولوں نے صبر کیا۔ میرے لئے اللہ کے حکم کی تکمیل کے سوا چارہ نہیں ہے۔ میں خدا کی قسم جہاں تک میری طاقت ہے ایسا ہی صبر کروں گا جیسا کہ انہوں نے کیا۔ اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی کے دینے سے آتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات کی کثرت بہت ہوگئی تو ان کی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب تو آپ بھی جب دوسرے ملکوں کے قاصد آئیں تو باریک کپڑا پہن لیا کریں۔ اور کسی کو کھانا پکانے کا حکم فرما دیا کریں تاکہ آپ ان لوگوں کو کھلائیں اور آپ بھی ان کے ساتھ

کھا لیا کریں۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے کہ آدمی کے حالات سے اس کے گھر والے ہی اچھی طرح واقف ہوا کرتے ہیں۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا، بیشک۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد اتنے سال زندہ رہے۔ اس زمانہ میں حضورؐ اور حضورؐ کے گھر والے اگر رات کو کھانا نوش فرمالیتے تھے تو دن میں بھوکے رہتے تھے۔ اور دن میں کھالیتے تھے تو رات کو بھوکے رہتے تھے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبوت کے بعد اتنے سال تک حضورؐ زندہ رہے لیکن حضورؐ نے اور اُن کے گھر والوں نے خیبر کے فتح ہونے تک کبھی پیٹ بھر کر کھجوریں بھی نہیں کھائیں۔ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے اُونچے خوان پر (میز کی طرح) کھانا رکھ دیا تھا تو حضورؐ کے چہرۂ انور پر تغیّر آ گیا تھا، یہاں تک کہ اس کو ہٹا کر زمین پر کھانا رکھا گیا (جب حضورؐ نے نوش فرمایا) میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اپنی عبا کو (چادر کی ایک قسم) دوہرا کر کے اُس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ تم نے ایک مرتبہ اُس کو چوہرا (چار تہہ) کر کے بچھا دیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھے رات کے اُٹھنے سے روکا (کہ چار تہہ ہو جانے سے بستر نرم ہو گیا جس سے نیند اچھی طرح آگئی) اس کو دوہرا ہی کر دو جیسا کہ روزانہ ہوا کرتا تھا۔ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضورؐ اپنا کپڑا دھونے کے لئے بدنِ مبارک سے اُتار دیتے اور اس کو دھوتے۔ ایسی حالت میں اگر بلالؓ نماز کے لئے بلانے آجاتے تھے تو حضورؐ کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر نماز پڑھا دیں۔ حضور اسی کو خشک کر کے پہن کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنوظفر کی ایک عورت نے حضورؐ کے لئے دو کپڑے تیار کئے۔ ایک لُنگی ایک چادر۔ ان میں سے اُس نے ایک پہلے بھیج دیا، دوسرے کے بھیجنے میں دیر لگی۔ تو حضورؐ اسی کو بدن پر اس طرح لپیٹ کر کہ دونوں کونوں میں گردن پر گرہ لگالی تھی (کہ بدن کھل نہ جائے) پہن کر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے پاس دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن

کو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اسی طرح اور واقعات گِنواتے رہے یہاں تک کہ ان واقعات کو یاد دلا کر حضرت حفصہؓ کو بھی رُلایا، اور خود بھی اتنے روئے کہ چیخیں مارنے لگے۔ ہمیں یہ اندیشہ ہُوا کہ اس غم میں کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میرے دو رفیق تھے (حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت ابُوبکرؓ) وہ دونوں ایک ہی راستہ پر چلے۔ اگر میں اُن کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کروں تو میرے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو اُن کے ساتھ کیا گیا۔ میں خدائے پاک کی قسم ان کی (دنیا کی) سخت زندگی پر اپنے آپ کو مجبور کروں گا تاکہ (آخرت کی) ان کی شاداب زندگی کو پا سکوں۔ (احیاء)

فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ کھانے کے چند مراتب ہیں۔ پہلا درجہ فرض ہے اور وہ اتنی مقدار ہے جس سے آدمی ہلاکت سے بچے۔ اگر کوئی شخص اتنا کم کھائے یا کھانا پینا چھوڑ دے جس سے ہلاک ہو جائے تو گناہ گار ہو گا۔

اور دوسرا درجہ ثواب کا ہے کہ اتنی مقدار کھائے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جا سکے اور روزہ سہولت سے رکھ سکے۔

تیسرا درجہ جائز کا ہے۔ اور وہ ۲ کی مقدار پر پیٹ بھرنے کی مقدار تک اضافہ ہے تاکہ بدن میں قوت پیدا ہو۔ اس درجہ میں نہ تو ثواب ہے نہ گناہ ہے معمولی حساب اس میں ہے بشرطیکہ مال حلال طریقہ سے حاصل ہُوا ہو۔

چوتھا درجہ حرام ہے۔ وہ پیٹ بھرنے سے زائد مقدار ہے۔ البتہ اس درجہ میں اگر مقصود روزہ پر قوت ہو کہ کل کو روزہ رکھنا ہے، یا یہ غرض ہو کہ مہمان بھُوکا نہ رہے تو اس مقدار میں بھی مضائقہ نہیں۔ اور کم کھانے کا ایسا مُجاہدہ جس سے فرائض میں نقصان آوے جائز نہیں۔ البتہ اگر اس میں نقصان نہ آوے تو کم کھانے کا مُجاہدہ کرنے میں مضائقہ نہیں کہ اس میں نفس کی اصلاح بھی ہے۔ اور کھانا بھی رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح سے کسی جوان کو کم کھانے کا مُجاہدہ

تاکہ اس کی شہوت کا زور ٹوٹ جائے جائز ہے (عالمگیریہ)

اس تقسیم میں ۲ پر صاحب دُرِّ مختار وغیرہ نے کلام کیا ہے اور اتنی مقدار کو فرض میں داخل کیا ہے جس سے کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاسکے۔ عالمگیری کی آخیر عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانہٗ سے تھوڑی روزی پر راضی ہے حق تعالیٰ شانہٗ بھی اس کی طرف سے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔

(رواہ البیھقی فی الشعب کذا فی المشکوۃ)

ف: اس حدیث پاک میں آمدنی کی کمی میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ایک خاص احسان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اس صورت میں آدمی کی طرف سے اگر نیکیوں میں کمی ہوتی ہے، تو وہ مالکُ المُلک بھی اس کمی کو بخوشی قبول فرمالیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل جب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے عطایا میں اِفراط ہو اور آدمی کسی چیز میں کمی کو بھی گوارا نہ کرے تو اس مالک کی طرف سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ پھر اُس کے حقوق کی ادائیگی میں تمہاری طرف سے بھی اِفراط ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ جس مُلازم کو تنخواہ منہ مانگی دی جائے پھر وہ اپنی منصبی خدمت میں کوتاہی کرے تو اس کی نمک حرامی میں کیا تردّد ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ غربا کو تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، ذکر اور نوافل کے لئے وقت بھی مل جاتا ہے، لیکن جہاں چار پیسے ہاتھ میں آئے یا اُن کے آنے کے اَسباب پیدا ہوئے پھر فرض نمازوں کے واسطے بھی وقت نہیں ملتا۔ اور قلیل روزی پر قناعت جب حاصل ہو سکتی ہے جب آدمی پانچ باتوں کا اہتمام کرے:۔

(۱) اپنے اخراجات میں کمی کرے۔ ضرورت کی مقدار سے زیادہ خرچ نہ کرے۔

علماء نے لکھا ہے کہ تنہا آدمی ہو تو اس کو ایک جوڑا کافی ہے۔ کئی کئی جوڑے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے ہی معمولی روٹی سالن پر گذر ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر نہیں ہوتا۔

(۲) اگر بقدر ضرورت میسر ہو تو آئندہ کی فکر میں نہ پڑے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ کے وعدہ پر اعتماد کرے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے روزی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ شیطان آدمی کو ہمیشہ آئندہ کی سوچ میں ڈالے رکھا کرتا ہے کہ کچھ ذخیرہ فنڈ کے طور پر جمع رکھنا چاہیے آدمی کے ساتھ حرج بھی لگا ہوا ہے، بیماری بھی لگی ہوئی ہے، وقتی اخراجات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ پھر تجھے دقت اور مشقت ہوگی اور ان خیالات کی وجہ سے اس کو مشقت اور آئندہ کے فکر اور سوچ میں پریشان رکھا کرتا ہے اور پھر آدمی کا مذاق اڑایا کرتا ہے کہ یہ بے وقوف آئندہ کی تکلیف کے ڈر سے جو موہوم ہے اس وقت کی یقینی مشقت اور تکلیف اٹھا رہا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر زیادہ غم سوار نہ کرو، جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا اور جتنی روزی تمہاری ہے وہ آ کر رہے گی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مؤمن بندہ کو روزی اس جگہ سے عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور قرآن پاک میں بھی یہ مضمون وارد ہے۔

(۳) اس امر کو غور کیا کرے کہ تھوڑے پر قناعت میں لوگوں سے استغناء کی کتنی بڑی عزت حاصل ہے اور حرص و طمع میں لوگوں کے سامنے کتنا ذلیل ہونا پڑتا ہے اس کو بہت اہتمام سے غور کیا کرے کہ اس کو ایک تکلیف ضرور برداشت کرنی ہے، یا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت کی یا اپنے نفس کو لذیذ چیزوں سے روکنے کی اور یہ دوسری تکلیف جو ہے اس پر اللہ کے یہاں ثواب کا وعدہ بھی ہے اور پہلی میں آخرت کا وبال ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں آدمی ان کو حق بات کہنے سے رُک جاتا ہے۔ اکثر دین کے بارہ میں مداہنت کرنی پڑتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آدمی کی عزت اس کا لوگوں سے استغنا ہے۔ اسی وجہ سے مشہور مقولہ ہے کہ جس سے

تو اِستغنا کرے تو اس کا ہمسر ہے (یعنی اس سے دبنے پر مجبور نہیں ہے) اور جس کی طرف اِحتیاج پیش کرے اس کا قیدی ہے۔ اور جس پر اِحسان کرے اس کا حاکم ہے۔

(۴) دنیادار مالداروں کے انجام کو سوچا کرے۔ یہود، نصاریٰ اور بے دین ثروت والوں کا اَنجام سوچے، اور اَنبیاءؑ اور اَولیاءؒ کا انجام سوچے۔ ان کے حالات کو غور سے پڑھے اور تحقیق کرے۔ پھر اپنے نفس سے پوچھے کہ اللہ کے مُقرّب لوگوں کی جماعت میں شریک ہونا پسند کرتا ہے یا احمقوں اور بے دین لوگوں کی مُشابہت پسند کرتا ہے۔

(۵) مال کے زیادہ ہونے میں جو خطرات پہلے بیان ہو چکے ہیں ان کو غور کیا کرے کہ کتنے مصائب اس کے ساتھ ہیں۔ جب آدمی ان پانچوں چیزوں کو غور کرتا رہے گا، تو تھوڑے پر قناعت آسان ہو جائے گی۔ (احیاء)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ شخص فلاح کو پہنچ گیا جو مسلمان ہو اور تھوڑی روزی دیا گیا ہو اور حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو اسی پر قناعت عطا فرما رکھی ہو۔ حضرت فضالہ بن عُبیدؓ حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مبارک ہے وہ شخص جس کو اسلام لانے کی توفیق ہو گئی ہو اور اس کی آمدنی بقدرِ ضرورت ہو، اور اس پر وہ قانع ہو۔ (ترغیب)

حضرت ابو الدرداءؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی سورج نکلتا ہے اس کے دونوں جانب دو فرشتے روزانہ یہ اعلان کرتے ہیں۔ اے لوگو! اپنے رب کی طرف مُتوجہ ہو جاؤ۔ جو مال تھوڑا ہو اور وہ کفایت کر جائے وہ بہتر ہے اس کثیر مال سے جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علاوہ دوسری طرف مشغول کرے۔

(۱۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ

حضرت مُعاذ بن جَبلؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو ناز و نعمت میں

عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ (رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ)

پرورش کرنے سے بچاتے رہنا اسلئے کہ اللہ کے نیک بندے ناز و نعمت میں لگنے والے نہیں ہوتے

ف: حاکم اور گورنر ہو جانے کے بعد راحت و آرام کے اسباب کثرت سے مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ ہر قسم کی نعمتیں بھی آسانی سے میسّر ہو جاتی ہیں۔ اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ یہ حاکم بنا کر بھیجے جا رہے تھے، اس چیز سے بچنے کی خصوصی تنبیہ فرمائی۔ حضورؐ کی وصایا میں اسی طرح حضرات خلفائے راشدین رضؓ کی وصایا اور احکام میں اس چیز پر خاص طور سے تنبیہیں بہت کثرت سے کی گئی ہیں۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں ایک صحابی کسی حدیث کی تحقیق کے لئے تشریف لے گئے انہوں نے جا کر دیکھا کہ قاضی صاحب کے بال بھی پریشان سے ہیں، اور پاؤں بھی ننگے ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم اس زمین کے حاکم ہو میں تمہارے بالوں کو بکھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ حضرت فضالہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے ہمیں زیب و زینت کی کثرت سے منع فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ میں تمہیں ننگے پاؤں دیکھ رہا ہوں حضرت فضالہؓ نے فرمایا کہ ہمیں حضورؐ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ عبد اللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے بالوں میں روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۴) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وحی نہیں بھیجی کہ میں تاجر بنوں اور مال جمع کروں بلکہ یہ وحی بھیجی ہے کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہو اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہو، اور اپنے رب کی

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ (اسی حالت میں) تم کو موت آجائے۔

(رواہ فی شرح السنۃ وابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی مسلم کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یہ وحی جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے سورۂ حِجر کی آخری آیت ہے، اور حدیث پاک کا یہ مضمون مُتعدِّد صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ سے نقل کیا گیا۔ چنانچہ سُیُوطی نے دُرِّ مَنْثُور میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابُو مُسلم خولانی، ابُوالدَّرداء رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن سے حُضُورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا۔

ایک اور حدیث میں حُضُورؐ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ بہترین آدمی دو۲ شخص ہیں ایک وہ جو اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے اللہ کے راستہ میں جان دے دینے کو تلاش کرتا پھرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس بکریاں ہوں اور کسی جنگل یا پہاڑی میں (یعنی غیر معروف جگہ جہاں یکسوئی ہو) نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ دیتا ہو، اور اپنے مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہے، یہاں تک کہ اُس کو اسی حالت میں موت آجائے، آدمیوں کو اُس سے خیر کے سوا کوئی (شر) نہ پہنچے۔ (دُرِّ منثور)

حق تعالیٰ شانُہٗ کے اس پاک ارشاد کی تعمیل جس طرح حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے وِصال تک کرکے دکھادی، وہ حُضُورؐ کی سیرت پر نظر رکھنے والوں سے مخفی نہیں۔ اور پھر جتنے جتنے حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے اِنعامات زیادہ ہوتے تھے اتنا ہی حُضُورؐ کی طرف سے عبادت میں اِنہماک زیادہ ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو حُضُورؐ نے عبادت میں اور بھی زیادہ کوشش شروع کردی۔ کسی نے پوچھا۔ یارسول اللہ اس آیت شریفہ میں تو آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں سب ہی مُعاف کردی گئیں، پھر اتنی مَشقَّت حضور برداشت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

حضرت ابُوہُریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو حضورؐ نے اتنی طویل نماز کردی کہ پاؤں پر وَرم آگیا، اور عبادت میں اتنی کثرت کردی کہ سوکھ کر پرانی مشک

کی طرح سے ہوگئے۔ اور جب وہ عرض کیا گیا جو اوپر گذرا تو حضورؐ نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ عبادت میں اتنی زیادہ کوشش فرماتے تھے، کہ پرانی مشک کی طرح سے بالکل سوکھ گئے تھے۔ اسکے بعد پھر وہی سوال وجواب ذکر فرمایا حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں مبارک پھٹ گئے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آگیا تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث میں کثرت سے اس قسم کے مضمون نقل کئے گئے۔ اور ان میں سے اکثر میں لوگوں کی طرف سے یہی درخواست کہ حضورؐ کے لئے تو معافی کا قطعی ارشاد قرآن پاک میں آچکا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ (دُرِّ منثور)

کیا ہم لوگ بھی کبھی اس چیز کو سوچ لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا فلاں خصوصی انعام ہوا ہے، اس کے شکرانہ میں دو رکعت مختصر ہی پڑھ لیں۔ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ جب حضورؐ کے پاس کہیں سے فتح کی خبر آتی، یا کوئی خوشی کی بات سننے میں آتی حضورؐ شکر کے لئے سجدہ میں گر جاتے۔ اور ان سب احوال کے باوجود اللہ تعالیٰ شانہٗ سے خوف کا یہ حال تھا کہ بخاری شریف میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا۔ خدا کی قسم خدا کی قسم! مجھے معلوم نہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ قیامت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا (مشکوٰۃ) معلوم نہیں کا مطلب یہ ہے کہ تفصیلی احوال کا علم نہیں۔ بااختیار بادشاہ کو حق ہے کہ جو چاہے کرے۔

حضرت امّ دردؓاء نے اپنے خاوند حضرت ابو دردؓاء سے عرض کیا کہ آپ اس طرح مال کی تلاش اور جستجو کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں شخص کرتے ہیں (آخر وہ بھی تو مال کماتے ہیں تم کو اس کی فکر ہی نہیں) حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی (میدانِ حشر) آنے والی ہے۔

اس میں سے بھاری بوجھ والے (جن کے ذمہ حساب کتاب کا بوجھ ہو سہولت سے) نہیں گذر سکتے۔ اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھاٹی میں ہلکا رہوں (مشکوٰۃ)۔ یعنی میرے ذمہ حساب کا زیادہ بوجھ نہ ہو تاکہ میں ہلکا پھلکا اس میں سے گذر جاؤں۔

ان حضرات کو بہت ہی خوف اس کا رہتا تھا کہ قیامت میں کیا گذرے گی۔ اس لئے ہر وقت وہاں کی فکر اور تیاری میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہم کو ہر وقت دنیا کا فکر سوار رہتا ہے۔ اور اُس گھاٹی کا خیال بھی نہیں آتا۔ حسّان بن سنانؒ ایک جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جگہ مکان نظر پڑ گیا جو پہلے وہاں نہ تھا کہنے لگے یہ مکان کب بنا ہے۔ پھر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا۔ تُو نے فضول بات کیوں پوچھی۔ تجھے اس سے کیا غرض تھی کہ یہ کب بنا۔ تجھے ایک سال روزے رکھنے کی سزا دوں گا۔ ایک سال تک روزے رکھے کہ فضول بات کیوں کی۔

مالک بن ضَیغمؒ کہتے ہیں کہ حضرت رباح قیسی ہمارے گھر عصر کے بعد آئے۔ اور میرے والد کو پوچھنے لگے کہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا۔ سو رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ وقت کیا سونے کا ہے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ میں نے اُن کے پیچھے آدمی بھیجا۔ کہ اگر آپ فرماویں تو جگا دیں۔ وہ آدمی اُن کے پیچھے گیا، تو وہ اتنے ایک قبرستان میں داخل ہو چکے تھے اور وہاں اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔ ہاں یہ کیا وقت سونے کا ہے۔ تجھے اس سے کیا مطلب تھا۔ آدمی جس وقت چاہے سووے، تجھے کیا خبر تھی کہ یہ سونے کا وقت ہے یا نہیں ہے۔ مجھے بھی اللہ کی قسم، کہ تجھے سال بھر تک زمین پر سونے کے لئے نہیں لٹاؤں گا۔ مگر یہ کہ تُو بیمار ہو جائے، یا تیری عقل جاتی رہے تو مجبوری ہے۔ تیرا ناس ہو تُو کب تک لوگوں پر طعن کرتا رہے گا تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔ یہ کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ وہ قاصد یہ دیکھ کر واپس آ گیا۔ اور اس کی ہمت نہ پڑی کہ اُن سے کوئی بات کرے۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی ایک دن اپنے کپڑے اُتار کر سخت گرم ریت میں لوٹ رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے کہ مزہ چکھ لے اور جہنم کی گرمی اس سے

بہت زیادہ سخت ہوگی۔ رات کو مُردار بنا (سوتا) رہتا ہے، دن کو بے کار پھرتا ہے۔ وہ اسی حال میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ عرض کرنے لگے، حضور میری طبیعت پر ایسا غلبہ اس کا ہوا، کیا عرض کروں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے لئے آسمان کے سب دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ جل شانہٗ تمہارے ساتھ اپنے فرشتوں سے فخر کر رہے ہیں۔ پھر حضورؐ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے لئے ان سے توشہ لو۔ سب نے ان سے دُعاء کی درخواست کی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ سب کے لئے دعا کرو۔

حضرت حُذیفہ بن قتادہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا، کہ جب تمہارا نفس کسی چیز کو چاہے تو تم اس کی کیا صورت اختیار کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے، کہ مجھے اپنے نفس سے جتنا بُغض ہے اتنا ساری دنیا میں کسی سے بھی نہیں۔ بھلا میں اس کی خواہش کو کیسے پورا کر سکتا ہوں جس سے مجھے اس قدر نفرت ہو۔

حضرت مُجمعؒ نے ایک مرتبہ کوٹھے کی طرف منہ اٹھایا تو ایک نامحرم عورت پر نگاہ پڑ گئی۔ انہوں نے عہد کر لیا کہ اتنے زندہ رہوں گا کبھی سر اوپر نہیں اُٹھاؤں گا۔

اس کے علاوہ بہت سے واقعات ان حضرات کے امام غزالیؒ نے نقل کئے ہیں۔ جن میں ذرا سی معمولی بات بھی اگر ان سے صادر ہو جاتی تھی تو اپنے نفس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اور یہ سب کیوں تھا، صرف اسی گھاٹی کے ڈر کی وجہ سے جس کا ابوالدرداءؓ نے اپنی بیوی سے ذکر کیا۔ اور ہم سب اس سے ایسے مُطمئن ہیں جیسا کہ وہ گھاٹی ان حضرات صحابہ کرامؓ ہی کے راستہ میں آئے گی، ہم تو ہوائی جہاز میں سوار ہو کر اُس پر سے گذر جائیں گے۔ ہم لوگ کس قدر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں کہ بھول کر بھی اس گھاٹی کا خیال نہیں آتا۔

اس کے بعد امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلام کو (اپنے نوکر کو) اپنی اولاد کو، جب ان سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے، سزا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر تنبیہ نہ کی گئی تو وہ بے قابو ہو جائیں گے، سرکش ہو جائیں گے لیکن

اپنے نفس کی کبھی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ سرکش ہوتا جا رہا ہے۔ دوسروں کی سرکشی سے تجھے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا تیرے نفس کی سرکشی سے تجھے نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ دوسروں کی سرکشی سے اگر نقصان پہنچتا ہے تو وہ تیری دنیا کا نقصان ہے۔ اور تیرے نفس کی سرکشی سے تیری آخرت کو نقصان پہنچ رہا ہے، جو کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے اس کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں، اُن کا نقصان کتنا سخت نقصان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَسلاف میں سے اگر کسی سے آخرت کے کاموں میں کچھ کوتاہی ہو جاتی تھی تو وہ اُس کی تلافی کا انتہائی فکر کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی ایک مرتبہ عصر کی نماز جماعت سے فوت ہو گئی تو انہوں نے اس کی تلافی میں ایک باغ جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی، صدقہ کر دیا۔

حضرت ابن عمرؓ کی جس دن کسی نماز کی جماعت فوت ہو جاتی تو اس دن شام کو ساری رات جاگا کرتے تھے۔ ایک دن مغرب کی نماز کو دیر ہو گئی تھی تو دو غلام اس کی تلافی میں آزاد کئے۔ جب کسی شخص کو عبادات میں سُستی پیدا ہو تو مناسب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے کسی ایسے بندے کی صحبت میں رہے جو عبادت میں زیادہ انہماک سے مشغول ہو۔ اور اگر کسی ایسے کی صحبت میسّر نہ آوے تو پھر ایسے لوگوں کے اَحوال کو عبرت اور غور کی نگاہ سے پڑھا کرے (جنہیں بہت سے واقعات رَوْضُ الرَّیَاحِیْن میں لکھے ہیں جس کا مختصر اردو ترجمہ نُزْہَۃُ الْبَسَاتِیْن بھی ہے)۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب مجھے عبادات میں سُستی ہونے لگتی ہے تو میں حضرت محمد بن واسعؒ کے حالات دیکھتا ہوں، اور ایک ہفتہ مسلسل اس عمل کو جاری رکھتا ہوں (اسی طرح دوسرے اَولیاء اللہ کی سوانح عمریاں ہیں بشرطیکہ معتبر حضرات کی لکھی ہوئی ہوں) کہ ان لوگوں کے اَحوال کا دیکھنا اس شوق کے پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

اور یہ چیز بھی سوچنے کی ہے کہ اُن کی ساری مشقّتیں اور محنتیں آخر ختم ہو گئیں۔ لیکن اب ہمیشہ کے لئے اُن کی نعمتیں اُن کی راحتیں باقی رہ گئیں، جو کبھی بھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ کس قدر حسرت ہے ہم جیسوں پر جو اُن احوال کو جانتے اور دیکھتے

ہونے بھی دنیا کمانے میں اور دنیا کی لذتوں میں مشغول رہتے ہیں، اور اُن ہمیشہ کے مزے اُڑانے والوں کے حالات سے بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے اور بعض لوگوں نے اس کو حضورؐ کا ارشاد بتایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایسے لوگوں پر رحم فرمائے جن کو لوگ بیمار سمجھیں، اور وُہ واقع میں بیمار نہ ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ان کو عبادت کی کثرت نے مشقت میں ڈال رکھا ہے جس سے لوگ ان کو بیمار سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے اور ان کی صحبتوں میں رہا ہوں جن کو دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوشی نہ ہوتی تھی، جانے سے رنج نہ ہوتا تھا۔ ان کی نگاہ میں دنیا کے مال و متاع کی حقیقت اُس مٹی سے زیادہ ذلیل تھی جو جُوتوں میں لگی رہتی ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ عمر بھر میں کبھی نہ اُن کا کوئی کپڑا تہہ ہو کر رکھا گیا، نہ کبھی کسی کھانے کی چیز کے پکانے کی فرمائش کی نہ کبھی سونے کے لئے ان کو بستر ے کی ضرورت ہوئی۔ زمین پر لیٹے، سوگئے۔ زمین کے اور اُن کے درمیان میں کوئی چیز بھی آڑ نہ ہوتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے والے تھے۔ اس کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنّت کا اتباع کرنے والے تھے۔ جب رات ہو جاتی تو ساری رات پاؤں پر (نماز میں) کھڑے رہتے، یا زمین پر اپنے منہ کو (سجدہ میں) بچھا دیتے، اور اُن کی آنکھوں سے اُن کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی بندھی رہتی تھی۔ رات بھر اپنے رب سے باتیں کرتے رہتے (صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نمازی آدمی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے) عذاب سے نجات کو اپنے مولیٰ سے مانگتے رہتے۔ جب کوئی نیک کام اُن سے ہو جاتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ادا کرتے۔ اس سے خوش ہوتے اور اس کے قبول کی دُعا کرتے۔ جب کوئی بُری بات ہو جاتی، اس سے بہت رنجیدہ ہوتے۔ اللہ سے توبہ کرتے، معافی کی دُعا اور استغفار کرتے۔ اسی حال میں انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔

حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ جب بیمار ہوئے تو ایک مجمع اُن کی عیادت کے لئے گیا۔ اُن میں ایک نوجوان نہایت کمزور، زرد رنگ دُبلا پتلا بھی تھا۔ حضرت عُمر بن عبدالعزیزؒ

نے دریافت فرمایا۔ تمہارا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اُعذار اور بیماریاں لاحق ہیں حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ نہیں صحیح بات بتاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے دنیا کا مزہ چکھا وہ بہت ہی کڑوا نکلا۔ اس کی رونق، اس کی حلاوت، اس کا لُطف، اس کی راحت میری نگاہ میں بہت ہی ذلیل بن گئی۔ اُس کا سونا اور اس کا پتھر میری نگاہ میں بالکل برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا عرش گویا ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے، اور میدانِ حشر میں ایک جماعت کا جنّت کی طرف جانا، دوسری جماعت کا جہنّم میں پھینکا جانا، میری نگاہ کے گویا سامنے رہتا ہے، جس کی وجہ سے میں سارے دن اپنے کو (روزہ میں) پیاسا رکھتا ہوں اور ساری رات (اللہ کی یاد میں) جاگتا رہتا ہوں۔ اور یہ دونوں چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کے مُقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔

حضرت داؤد طائیؒ روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھیگے ہوئے پی لیا کرتے تھے، روٹی نہ کھاتے تھے۔ کسی نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس کے پینے میں اور روٹی چبا کر کھانے میں قرآن پاک کی پچاس ۵۰ آیتوں کا حرج ہوتا ہے۔ ایک دن اُن کے گھر میں کوئی شخص آیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کے حُجرہ کی کڑی ٹوٹ گئی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں نے بیس ۲۰ برس سے اس کی چھت نہیں دیکھی۔

یہ حضرات جیسے فُضول بات کرنے سے احتراز کرتے تھے، ایسے ہی اِدھر اُدھر فضول دیکھنے سے بھی بچتے تھے۔ محمد بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں کہ میں احمد بن رَزِینؒ کے پاس صبح سے عصر تک رہا۔ میں نے اُن کو اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کسی نے اُن سے اس کے مُتعلّق پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ اُن سے اس کی عظمت اور بڑائی کی چیزوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔ جب یہ نہ ہو تو وہ دیکھنا خطا ہے۔

حضرت مَسرُوقؒ کی بیوی کہتی ہیں کہ مَسرُوقؒ کی پنڈلیوں پر رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے وَرم آجاتا تھا۔ جب وہ نماز میں مُنہمِک ہوتے تو میں اُن کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کی حالت پر ترس کھا کر روتی رہتی تھی۔

حضرت اَبُو الدَّرداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں تین لذّت کی چیزیں نہ ہوتیں تو

میرے لئے اس دنیا میں ایک دن جینا بھی گوارا نہ تھا۔ ایک سخت گرمی کے دن دوپہر کے وقت (روزہ میں) پیاسا رہنے کی لذت، دوسری آخری شب میں سجدہ کرنے میں جو لطف آتا ہے اس کی لذت۔ تیسری ایسے بزرگوں کی صحبت جن کی باتوں میں سے عمدہ میوے ایسے چُنے جاتے ہیں جیسے باغ میں سے عمدہ عمدہ پھل چھانٹ کر چُنے جاتے ہیں۔

اَسوَدُ بِنْ یزیدؒ عبادت میں اتنی مشقت اُٹھاتے اور گرمیوں کی شدت میں روزے رکھتے کہ اُن کا بدن کالا پڑگیا تھا۔ عَلقمہ بن قیس نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے بدن کو اسقدر عذاب کیوں دیتے ہیں؟ فرمانے لگے (قیامت میں) اس کے اِعزاز کے لئے یعنی یہ مشقت اس لئے اُٹھاتا ہوں کہ قیامت کے دن اس بدن کو اعزاز نصیب ہو جائے۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز کھڑے ہو کر پڑھتے جب پاؤں رہ جاتے یعنی کھڑے ہونے سے عاجز ہو جاتے تو ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اور عصر کے بعد عاجزی سے بیٹھ کر کہتے۔ یا اللہ! اس مخلوق پر بڑی حیرت ہے کہ کس طرح انہوں نے تیرا بدل دوسری چیزوں کو بنا لیا کیسی تعجب کی بات ہے ان کا دل تیرے سوا کسی چیز سے کس طرح مانوس ہوتا ہے بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تیرے ذکر کے سوا کوئی دوسری چیز اُن کے دل میں کس طرح چمکتی ہے۔

حضرت جُنیدِ بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ سے زیادہ عبادت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اٹھانوے ۹۸ برس تک کسی نے اُن کو مرض الموت کے علاوہ لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت ابو محمد جریریؒ نے مکہ مکرمہ میں ایک سال کا اعتکاف کیا جس میں نہ تو بالکل سوئے، نہ بات کی، نہ کسی لکڑی یا دیوار پر سہارا لیا یا ٹیک لگائی حضرت ابوبکر کتانیؒ نے اُن سے پوچھا کہ اس مجاہدہ پر تمہیں کس چیز سے قدرت حاصل ہوئی؟ وہ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے میرے باطن کی پختگی کو دیکھا۔ اُس نے میرے ظاہر کو اس پر قدرت عطا فرمادی۔ حضرت ابوبکر کتانی نے یہ سن کر سوچ اور فکر میں گردن جُھکا لی، اور تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہے۔ پھر اسی سوچ و فکر میں چلے گئے۔

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن سعید مُوصلی کے پاس سے گذرا وہ دونوں ہاتھ پھیلائے رو رہے تھے اور اُن کے آنسو انگلیوں کے بیچ میں کو نیچے گر رہے تھے اور وہ زرد تھے (یعنی آنسوؤں میں خون کی آمیزش تھی)۔ میں نے اُن کو قسم دے کر پوچھا کہ یہ خون کے آنسو کس صدمہ سے گرا رہے ہو (خیر تو ہے کیا آفت آگئی) وہ فرمانے لگے، کہ اگر تم قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ ہاں میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے حق تعالیٰ شانُہٗ کا جو حق مجھ پر تھا اس کو ادا نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ خون کیوں آگیا؟ کہنے لگے، اس خوف سے کہ میرا یہ رونا کہیں غیر مُعتبر اور جھوٹا (نفاق سے) نہ ہو۔ وہ شخص کہتے ہیں کہ جب اُن کا اِنتقال ہو گیا تو میں نے اُن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ میری مغفرت ہو گئی۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے آنسوؤں کا کیا حشر ہوا؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ نے مجھے اپنے قریب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ آنسو کیسے تھے؟ میں نے عرض کیا۔ اس پر رنج تھا کہ آپ کا جو حق مجھ پر واجب ہے وہ میں ادا نہ کر سکا۔ اِرشاد ہوا کہ خون کیوں تھا؟ میں نے عرض کیا اس خوف سے کہ یہ رونا جھوٹا نہ ہو، غیر مُعتبر نہ ہو جائے۔ اِرشاد ہوا کہ آخر تو اس سب سے کیا چاہتا تھا؟ میری عزّت کی قسم! تیرے کِراماً کاتبین چالیس[۴۰] سال سے تیرے اَعمال کا صحیفہ ایسا لا رہے ہیں کہ ان میں کوئی خطا لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔

عبدُالواحِد بن زَید کہتے ہیں کہ میرا گذر ایک گرجا پر ہوا۔ وہاں ایک راہب (دُنیا سے مُنقطع) رہتا تھا۔ میں نے اس کو راہب کہہ کر آواز دی۔ وہ نہ بولا۔ پھر دوسری دفعہ پُکارا۔ پھر بھی نہ بولا۔ پھر تیسری دفعہ جب میں نے پُکارا تو وہ میری طرف مُتوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے ڈرتا ہو، اس کی کِبریائی میں اس کی تعظیم کرتا ہو، اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو، پھر اُس کے تقدیری فیصلوں پر راضی ہو، اس کی نعمتوں پر شُکر کرتا ہو، اس کی عظمت کے سامنے تواضُع سے رہتا ہو، اس کی عزّت کے مقابلہ میں اپنے کو ذلیل رکھتا ہو، اس کی قُدرتِ کاملہ کا اطاعت کرنے والا ہو، اس کی ہیبت سے عاجزی کرتا ہو، اس کے

حساب اور اس کے عذاب کی ہر وقت فکر میں رہتا ہو، دن میں روزہ رکھتا ہو، رات کو بیدار رہتا ہو، جہنّم کے خوف نے اور میدانِ حشر کے سُوال نے اس کی نیند اُڑا دی ہو۔ جس میں یہ باتیں ہوں وہ راہب ہے۔ میں تو ایک کُتّا کاٹنے والا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں بیٹھ گیا ہوں کہ کہیں کسی کو کاٹ نہ کھاؤں۔ میں نے اس سے پوچھا کیا بات ہے کہ لوگ حق تعالیٰ شانُہٗ کی بڑائی کو جانتے ہیں پھر بھی اس سے ان کا رشتہ ٹُوٹا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ صرف دُنیا کی مَحبّت نے اور اس کی زیب و زینت نے اُن کا رشتہ توڑ رکھا ہے۔ دنیا گناہوں کا گھر ہے۔ سمجھ دار اور عاقل وہ شخص ہے جو اس کو اپنے دل سے پھینک دے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی طرف مُتوَجّہ ہو جائے اور ایسے کام اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے قریب کر دیں۔

حضرت اُوَیس قَرنیؒ جو مشہور بزرگ ہیں۔ کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے۔ پس تمام رات رکوع میں گذار دیتے۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے۔

جب عُتبہ غلام تائب ہوئے تو کھانے پینے کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ اُن کی ماں نے ایک مرتبہ اُن سے کہا۔ اپنے نفس پر رحم کھا، کچھ راحت بھی لے لیا کر۔ کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ تھوڑے دن کی مَشقّت ہے۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی لینا ہے۔

عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ یہ (بزرگ حضرات) جب کوئی ان میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو وہ بستر اٹھا کر لپیٹ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت کُہمَس بن حَسَن ہر رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر بُرائی کی جڑ (نماز کے لئے) کھڑا ہو جا۔ جب ضُعف بہت زیادہ ہو گیا تو روزانہ پانچ سو رکعتیں کر دی تھیں۔ اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا۔

حضرت رَبیعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت اُوَیس قَرنیؒ کے پاس آیا۔ وہ صبح کی نماز

پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہو گا، مَیں فراغت کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ وہ ظہر کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اسی جگہ مغرب تک بیٹھے رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی، عشاء کی نماز پڑھی، پھر صبح تک وہیں جمے رہے۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے۔ اسی حال میں کچھ غنودگی سی آگئی۔ چونک کر کہنے لگے۔ یا اللہ ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو بار بار سوتی ہو، اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو بھرتا ہی نہ ہو۔ مَیں یہ سب حالت دیکھ کر وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو مَیں نے دیکھ لیا۔

احمد بن حربؒ کہتے ہیں تعجب تو اُس شخص پر ہے جس کو یہ معلوم ہے کہ آسمانوں پر اُس کے لئے جنت کو آراستہ کیا جا رہا ہے اور اُس کے نیچے جہنم بھڑکائی جارہی ہے، ان دونوں کے درمیان اُس کو کیسے نیند آتی ہے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ مَیں حضرت ابراہیم بن اَدہمؒ کے پاس گیا۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی عبا میں لپٹ کر ایک کروٹ لیٹے اور صبح تک اسی طرح لیٹے رہے۔ نہ تو حرکت کی نہ کروٹ بدلی۔ صبح کو اُٹھ کر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی۔ مَیں نے اُن سے کہا، اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحم کرے، ساری رات لیٹے سوتے رہے اور بغیر وضو ہی نماز پڑھ لی۔ فرمانے لگے کہ مَیں ساری رات کبھی جنت کے باغوں میں دوڑتا تھا، کبھی جہنم کی گھاٹیوں میں۔ ایسی حالت میں نیند کہاں آسکتی تھی۔

کہتے ہیں کہ ابُوبکر بن عیاشؒ چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کھڑکی (کوٹھی) میں گناہ نہ کرنا۔ مَیں نے اس میں بارہ ہزار قرآن پاک ختم کئے ہیں۔ جب اُن کا انتقال ہونے لگا، تو مکان کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کونہ میں مَیں نے چوبیس ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔

حضرت سمنونؒ پانچ سو رکعت نفل روزانہ پڑھتے تھے۔ انہی کا ایک قصہ علامہ زبیدیؒ نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درم فقراء پر تقسیم کئے۔ سمنون

فرمانے لگے کہ درم تو ہمارے پاس ہیں نہیں، چلو ہم ہر درم کے بدلہ ایک رکعت نماز پڑھ لیں۔ یہ کہہ کر مدائن گئے، اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں۔

ابو بکر مطوعیؒ کہتے ہیں کہ میرا معمول اپنی جوانی میں اکتیس ہزار یا چالیس ہزار مرتبہ (راوی کو شک ہے)، روزانہ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ شریف پڑھنے کا تھا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبد القیسؒ کے ساتھ چار مہینے رہا میں نے اُن کو دن میں یا رات میں سوتے نہیں دیکھا۔

حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہ کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ صبح کی نماز پڑھا کر دائیں جانب منہ کرکے بیٹھے، آپ پر رنج کا اثر بہت تھا طلوعِ آفتاب تک آپ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ہاتھ کو (افسوس کے ساتھ) پلٹ کر فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے حضورؐ کے صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم اجمعین کو دیکھا۔ آج کوئی بات بھی اُن کی مشابہت کی نہیں دیکھتا۔ وہ حضرات اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ اُن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے، چہرے غبار آلود اور زرد ہوتے تھے۔ وہ ساری رات اللّٰہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں پڑے رہتے تھے یا اس کے سامنے کھڑے قرآن پاک پڑھتے رہتے تھے۔ کھڑے کھڑے کبھی ایک پاؤں پر سہارا دے لیتے تھے کبھی دوسرے پاؤں پر۔ جب وہ اللّٰہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کرتے تھے تو ایسے (مزے میں) جھومتے تھے، جیسے کہ ہواؤں میں درخت حرکت کرتے ہیں۔ اور (اللّٰہ تعالیٰ شانہٗ کے شوق اور خوف سے) اُن کی آنکھوں سے اتنے آنسو بہتے کہ اُن کے کپڑے تر ہو جاتے تھے۔ اب لوگ بالکل ہی غفلت میں رات گذار دیتے ہیں۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے ایک کوڑا اپنے گھر کی مسجد میں لٹکا رکھا تھا۔ اور اپنے نفس کو خطاب کرکے کہا کرتے کہ اُٹھ کھڑا ہو میں تجھے (عبادت میں) اچھی طرح گھسیٹوں گا، یہانتک کہ تُو تھک جائے گا، میں نہیں تھکوں گا۔ اور جب اُن پر کچھ سستی ہوتی تو اس کوڑے کو اپنی پنڈلیوں پہ مارتے اور فرماتے کہ یہ پنڈلیاں پٹنے کے لئے میرے گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ یہ بھی کہا کرتے کہ صحابہ کرامؓ یوں سمجھتے ہیں (کہ جنت کے سارے درجے) وہی اُڑا کر لے جائیں گے۔ نہیں ہم اُن سے

(ان درجوں میں) اچھی طرح مُزاحمت کریں گے تاکہ اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بھی اپنے پیچھے مَردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن صبح کو اپنی پھوپھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں، اور یہ آیت شریفہ پڑھ رہی تھیں فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (طور۔ ع ۱) "پس احسان کیا حق تعالیٰ شانہٗ نے ہم پر، پس ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیا"۔ حضرت عائشہؓ اس آیت شریفہ کو بار بار پڑھتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ قاسم کہتے ہیں کہ میں بہت دیر تک تو انتظار کرتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بازار ہو آؤں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر واپسی میں سلام کرتا جاؤں گا۔ میں بازار چلا گیا۔ اور وہاں سے فراغت کے بعد جب میں واپس آیا تو وہ اسی طرح کھڑی ہوئی اسی آیت کو پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن الاسود حج کے لئے جب آئے تو ان کے ایک پاؤں میں تکلیف تھی۔ وہ عشاء کے بعد صرف ایک پاؤں کے سہارے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک ہی پاؤں پر کھڑے نفل پڑھتے رہے، حتّٰی کہ اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھ لی۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے موت سے صرف اس لئے ڈر لگتا ہے کہ پھر تہجّد کی نماز جاتی رہے گی (اور وہ لطف جو اس نماز میں آتا ہے وہ ختم ہو جائے گا)

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ صُلحاء کی علامت رات کے جاگنے سے چہروں کا زرد ہو جانا، اور راتوں کو رونے کی وجہ سے آنکھوں کا چُوندھا ہو جانا، اور روزوں کی کثرت سے ہونٹوں کا خشک ہو جانا ہے، اُن کے چہرے خوفزدہ رہتے ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ عبادت کی کثرت کرنے والوں کے چہرے ایسے خوبصورت کس طرح ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جب وہ تنہائی میں رحمٰن کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو وہ رحمت والا اپنے نُور کا سایہ اُن پر ڈال دیتا ہے۔

حضرت قاسم بن راشد کہتے ہیں کہ زمعہ ہمارے قریب مُحَصَّب میں (جو مکۂ مکرمہ کے قریب ایک جگہ ہے) ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بیٹیاں بھی تھیں وہ رات کو بہت لمبی نماز پڑھتے رہتے۔ جب پچھلا پہر ہو جاتا تو وہ زور سے آواز دیتے ارے مسافرو! کیا رات بھر سوتے ہی رہو گے۔ اٹھو، چلو۔ اس آواز پر سب کے سب جاگ جاتے۔ کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کونے میں بیٹھا رو رہا ہے، کوئی قرآن پاک پڑھ رہا ہے۔ جب صبح ہو جاتی تو وہ فرماتے کہ رات کے چلنے والے صبح کو ٹھہر جایا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں بَیْتُ الْمُقَدَّس کے پہاڑوں میں جا رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر میں نے ایک آواز سنی۔ میں اس آواز کی طرف چل دیا۔ دیکھا کہ ایک سبزہ ہے وہاں ایک درخت ہے۔ اس کے نیچے ایک شخص کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ آیت بار بار پڑھتے ہیں یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط (آل عمران۔ع ۳) "جس دن ہر شخص اپنے اچھے کاموں کو (جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے) سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے بُرے کاموں کو (بھی سامنے لایا ہوا پائے گا) اور اس بات کی تمنا کرتا ہو گا۔ کاش اس دن کے درمیان اور اس آدمی کے (یعنی میرے) درمیان بہت بڑی دُور دراز کی مسافت حائل ہو جاتی (کہ یہ بُرے اعمال اس کے سامنے نہ آتے) اور تم کو اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے سے ڈراتا ہے" (اس کے مطالبہ اور حساب اور عذاب سے بہت اہتمام سے ڈرتے رہو) یہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں چپکے سے اُن کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اسی آیت شریفہ کو پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ اتنے میں انہوں نے زور سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئے۔ مجھے بہت قلق ہوا کہ یہ میری نحوست سے بے ہوش ہو کر گر گئے۔ بہت دیر میں اُن کو ہوش آیا تو وہ کہنے لگے۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جھوٹے طور پر کھڑے ہو کر رونے والوں سے (گویا انہوں نے اپنے اس پڑھنے اور رونے کو نفاق کا

رونا قرار دیا) اور اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بیہودہ لوگوں کے اعمال سے (کہ میرا یہ پڑھنا اور رونا لغو آدمیوں کا پڑھنا ہے کہ میرے برابر دوسرا کون بیہودہ ہوگا) اے اللہ میں تجھ سے غافل لوگوں کے اعراض سے پناہ مانگتا ہوں (کہ یہ میرا فعل بھی غفلت کے ساتھ ہو رہا ہے) پھر کہنے لگے، یا اللہ ڈرنے والوں کے دل تیری ہی طرف عاجزی کرتے ہیں، اور نیک عمل میں کوتاہی کرنے والے تیری ہی (رحمت کی) طرف امیدیں لگاتے ہیں۔ عارف لوگوں کے دل تیری ہی بڑائی کے سامنے ذلیل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے (جیسا کہ مٹی وغیرہ ہاتھ کو لگ جانے سے جھاڑے جاتے ہیں) اور فرمایا۔ مجھے دنیا سے کیا کام اور دنیا کو مجھ سے کیا کام۔ اے دنیا تو اپنے بیٹوں کے پاس چلی جا، تو اپنی نعمتوں کے قدر دانوں کے پاس چلی جا، تو اپنے عاشقوں کے پاس چلی جا، انہیں کو دھوکہ میں ڈال (مجھے دق نہ کر)۔ پھر کہنے لگے۔ پہلے زمانوں والے کہاں چلے گئے، سب کے سب مٹی میں مل گئے، بوسیدہ ہو کر خاک میں رل گئے، اور جو جو زمانہ گذر رہا ہے لوگ فنا ہوتے جا رہے ہیں۔ میں نے ان بزرگ سے کہا کہ میں بڑی دیر سے آپ کے فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ فرمانے لگے۔ ایسے شخص کو فراغت کہاں ہو سکتی ہے جس کو وقت ختم ہونے کا فکر ہو رہا ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے کہ وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے کچھ کر لوں، اور وقت جلدی کر رہا ہے کہ میں کسی طرح جلد ختم ہو جاؤں۔ وہ کیسے فارغ ہو سکتا ہے جس کو وقت گذر جانے سے موت کے جلدی آجانے کا فکر سوار ہو۔ وہ کیسے فارغ ہو سکتا ہے جس کے اوقات تو گذرتے جا رہے ہوں، اور ان گذرے ہوئے اوقات میں جو گناہ کئے ہیں وہ اس کے حساب میں جمع ہوں۔ پھر وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ تو ہی میری اس مصیبت کے لئے (یعنی جو گناہ میرے حساب میں جمع ہو گئے) اور ہر آنے والی مصیبت کے لئے پناہ کی جگہ ہے (تیری ہی رحمت سے بیڑا پار ہو سکے گا) پھر تھوڑی دیر اس میں مشغول رہے۔ پھر قرآن پاک کی دوسری آیت پڑھی وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (زمر۔ ع ۵) اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش

آئے گا جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا"۔ یہ ایک آیت شریفہ کا ٹکڑا ہے۔ پوری آیت شریفہ یہ ہے۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝ اور اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "جن لوگوں نے (دنیا میں) ظلم کیا تھا (یعنی کفر و شرک وغیرہ کیا تھا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شرک کرنا ظلم عظیم ہے) اگر ان کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان سب کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تردد) ان سب کو فدیہ میں دے دیں (لیکن فدیہ اس دن قبول نہیں ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں کئی جگہ اور سورۂ مائدہ میں گذرا) اور (ان لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو (وہم اور) گمان بھی نہ تھا (کہ اتنی سختی ہو بھی سکتی ہے۔ اس جگہ کئی آیتیں اس مضمون کے مناسب ہیں)۔

غرض ان بزرگ نے یہ آیت شریفہ پڑھی اور پہلے سے بہت زیادہ زور سے چلائے اور بے ہوش ہو کر اس طرح گرے کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ جان نکل گئی۔ میں ان کے قریب پہنچا تو وہ تڑپ رہے تھے۔ بہت دیر کے بعد افاقہ ہوا تو وہ یہ کہہ رہے تھے۔ یا اللہ میں جب (قیامت میں) آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو محض اپنے فضل سے میری برائیاں معاف کر دیجیو۔ اور اپنی ستاری کے پردہ میں مجھے چھپا لیجیو۔ اور صرف اپنے کرم سے میرے گناہ معاف کر دیجیو۔ میں نے اُن سے کہا کہ جس (پاک ذات) کی رحمت کی تم اُمید کر رہے ہو، اسی کے واسطے سے میری یہ درخواست ہے کہ ذرا مجھ سے بات کر لیجئے۔ وہ فرمانے لگے کہ تجھے ایسے شخص سے بات کرنا چاہیئے جس کے کلام سے تجھے نفع پہنچے۔ اور جس شخص کو اس کے گناہوں نے ہلاک کر رکھا ہو (یعنی میں) ایسے شخص سے بات کرنا چھوڑ دے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں اس جگہ اللہ جانے کتنے عرصہ سے شیطان سے لڑ رہا ہوں، میں اس سے لڑائی میں مشغول ہوں اور وہ مجھ سے لڑنے میں مشغول ہے (کہ وہ مجھ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف توجہ سے ہٹانے کی ہر وقت

کوشش میں لگا رہتا ہے) اس کو اب تک تیرے سوا کوئی صورت ایسی نہ ملی جس سے وہ مجھے اس چیز سے ہٹا دیتا جس میں مَیں مشغول ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجُّہ سے)۔ پس تُو مجھ سے دُور ہو جا۔ تُو (شیطان کے) دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ تُو نے میری زبان کو مناجات سے مُعطّل کر دیا۔ اور میرے دل کو (حق تعالیٰ شانُہٗ سے ہٹا کر) اپنی بات کی طرف مُتوجّہ کر لیا۔ مَیں اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے تیرے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس پاک ذات سے اس کی بھی اُمید رکھتا ہوں، کہ وہ اپنے غصہ سے مجھے پناہ عطا فرمائے گا۔ یہ صاحب جو بات کرنا چاہتے تھے کہتے ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ مَیں نے اُن کی حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے توجہ کو ہٹا دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر اس بات کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہو جائے' اس لئے مَیں اُن کو اسی جگہ چھوڑ کر چلا آیا۔

حضرت کرز بن وبرہؒ ہر روز تین قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ عبادات میں ہر وقت مُنہمک رہتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے نفس کو بڑی محنت میں ڈال دیا۔ فرمانے لگے کہ ساری دنیا کی عمر کتنی ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ سات ہزار برس۔ فرمایا، قیامت کا دن کتنا ہے۔ عرض کیا پچاس ہزار برس۔ فرمانے لگے کیونکر تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز رہ سکتا ہے کہ دن کے ساتویں حصہ میں محنت کر لے تاکہ سارے دن راحت سے رہے (یعنی اگر کسی شخص کو صرف ۳½ گھنٹہ محنت کر کے سارا دن راحت کا ملے تو کون چھوڑ سکتا ہے) پس اگر قیامت کے دن کی راحت کے لئے کوئی دنیا کی پوری زندگی سات ہزار برس محنت کرے تب بھی بڑے نفع کا سودا ہے چہ جائیکہ آدمی کی عمر دنیا کی تمام عمر میں سے بھی بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور آخرت کی زندگی قیامت کے دن کے بعد بھی بے انتہا ہے۔

یہ چند قصّے نمونے کے طور پر ذکر کیے گئے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تھی پہلے زمانہ کے بزرگوں کی عادت اور خصلت۔ اگر تیرا مُتمرّد نفس عبادت خود نہیں کر سکتا تو ان مر مٹنے والوں کے اَحوال میں غور کر اور یہ غور کر کہ ان اکابر کا

اِقتدا۔ اور ان بزرگوں کی جماعت میں شامل ہونا بہتر ہے جو دین کے حکیم، اور آخرت میں بصیرت رکھنے والے عقل مند تھے، یا اپنے زمانہ کے ان جاہل بیوقوفوں کا اِقتدا۔ بہتر ہے جو دین سے غافل ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کر کہ عقل مندوں کا اِتّباع چھوڑ کر احمقوں کا اِتباع کرے۔ اگر تجھے یہ وہم ہو کہ یہ قوِی لوگ تھے ان کا اِقتدا۔ مشکل ہے تو پھر چند عورتوں کے حالات بھی سُن لے۔ اور تُو مرد ہو کر اس سے تو عاجز نہ بن کہ عورتوں جیسا بھی نہ ہو۔ تُو ہی غور کر۔ وہ مرد کتنا خسیس ہے جو دین میں عورتوں کا بھی ساتھ نہ دے سکے۔ اب غور سے سُن۔

حضرت حَبِیْبَہ عَدَوِیَّہؒ جب عِشا کی نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے کپڑوں کو اپنے اوپر اچھی طرح لپیٹ کر چھت پر کھڑی ہو جاتیں۔ اور دعا میں مشغول ہو جاتیں۔ اور کہتیں کہ یا اللہ ستارے چھٹک گئے اور لوگ سو گئے۔ بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیئے اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ تَخْلِیَہ میں چلا گیا اور مَیں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ یہ کہہ کر نماز شروع کر دیتیں اور ساری رات نماز پڑھتیں۔ جب صبح صادق ہو جاتی تو کہتیں۔ یا اللہ! رات چلی گئی اور دن کا چاندنا ہو گیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری یہ رات تُو نے قبول فرما لی، تاکہ مَیں اپنے کو مبارکباد دوں یا تُو نے رَد فرما دی تاکہ مَیں اپنی تعزیت کروں۔ تیری عزت کی قسم! مَیں تو ہمیشہ اسی طرح کرتی رہوں گی۔ تیری عزت کی قسم! اگر تُو نے مجھے اپنے دروازہ سے دھکیل دیا تب بھی تیرے کرم اور تیری بخشش کا جو حال مجھے معلوم ہے اس کی وجہ سے مَیں تیرے در سے ہٹوں گی نہیں۔

حضرت عُجْرَہؒ نابینا تھیں، ساری رات جاگتیں۔ اور جب سَحَر کا وقت ہوتا تو بہت غمگین آواز سے کہتیں۔ یا اللہ! عابدوں کی جماعت نے تیری طرف چل کر رات کے اندھیرے کو قطع کیا۔ وہ تیری رحمت اور تیری مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ یا اللہ! مَیں صرف تجھ ہی سے سُوال کرتی ہوں تیرے سوا کسی دوسرے سے میرا سُوال نہیں، کہ تُو مجھے سابقین کے گروہ میں شامل کر لے

اور اَعلیٰ عِلّیّین تک پہنچا دے اور مُقرّب لوگوں کے درجہ میں داخل کر دے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے

تُو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، ہر اُونچے درجہ والے سے بلند ہے، سارے کریموں سے زیادہ کریم ہے۔ اے کریم (مجھ پر کرم کر) یہ کہہ کر سجدہ میں گر جاتیں، کہ اُن کے رونے کی آواز سُنائی دیتی، اور صبح تک روتی رہتیں اور دعائیں کرتی رہتیں۔

یحییٰ بن بسطامؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت شعوانہؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان کے رونے چلّانے کو سُنتے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی وقت تنہائی میں ان کے پاس جا کر سمجھائیں کہ اس رونے میں کچھ کمی کر دیں۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اچھا جیسے تمہاری رائے ہو۔ ہم اُن کے پاس تنہائی میں گئے، اور اُن سے جا کر کہا۔ اگر تم اس رونے کو کچھ کم کر دو اور اپنی جان پر ترس کھاؤ تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ کہ بدن میں کچھ طاقت رہے گی، دیر تک اس سے کام لے سکو گی۔ وہ یہ سُن کر رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میری تو یہ تمنّا ہے کہ میں اتنا روؤں کہ آنکھ میں آنسو نہ رہے۔ پھر خون کے آنسوؤں سے رونا شروع کر دوں۔ یہاں تک کہ میرے بدن کا سارا خون آنکھوں سے نکلے۔ ایک بھی قطرہ خون کا نہ رہے۔ اور کہنے لگیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے، مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ بار بار اسی لفظ کو کہتی رہیں کہ مجھے رونا کہاں آتا ہے۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئیں۔

محمد بن مُعاذؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عبادت گذار عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنّت میں داخل ہونے کو جا رہی ہوں۔ وہاں دیکھا کہ سارے آدمی جنّت کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کیا بات ہے۔ یہ سب کے سب دروازہ پر کیوں جمع ہو گئے۔ کسی نے بتایا کہ ایک عورت آرہی ہیں جن کے آنے کی وجہ سے جنّت کو سجایا گیا ہے۔ یہ سب ان کے استقبال کے واسطے باہر آگئے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ عورت کون ہے؟ کہنے لگے کہ ایکہ کی رہنے والی ایک سیاہ باندی ہیں۔ جن کا نام شعوانہ ہے۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم وہ تو میری بہن ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ شعوانہ

ایک نہایت عمدہ خوشنما اصیل اونٹنی پر بیٹھی ہوا میں اُڑی آرہی ہیں۔ مَیں نے اُن کو آواز دی کہ میری بہن تمہیں اپنا اور میرا تعلق معلوم ہے۔ اپنے رب سے دعا کردو کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کردے۔ وہ یہ سُن کر ہنسیں اور کہنے لگیں ابھی تمہارے آنے کا وقت نہیں آیا۔ لیکن میری دو باتیں یاد رکھنا۔ (آخرت کے) غم کو اپنے ساتھ چمٹالو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی ہر خواہش پر غالب کردو۔ اور اس کی پروا نہ کرو کہ موت کب آئے گی۔ یعنی ہر وقت اس کے لیے تیار رہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مَیں ایک دن بازار جا رہا تھا۔ میرے ساتھ میری حبشی باندی تھی۔ مَیں اُس کو ایک جگہ بٹھا کر آگے چلا گیا، اور اس سے کہہ گیا کہ یہیں بیٹھی رہنا مَیں ابھی آتا ہوں۔ جب مَیں واپس آیا تو وہ اس جگہ نہ ملی۔ مجھے بہت غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں گھر واپس آگیا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو میرے چہرے سے غصہ کو محسوس کیا۔ کہنے لگی۔ میرے آقا عتاب میں جلدی نہ کرو، ذرا میری بات سُن لو۔ آپ مجھے ایسی جگہ بٹھا کر گئے جہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں یہ جگہ زمین میں نہ دھنس جائے (جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اس جگہ جتنی جلدی عذاب آجائے قرینِ قیاس ہے)۔ اُس کی اس بات سے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ تُو آزاد ہے۔ کہنے لگی آقا تم نے میرے ساتھ اچھا سُلوک نہ کیا۔ مَیں نے کہا کیوں؟ کہنے لگی کہ پہلے جب مَیں باندی تھی تو مجھے دوہرا ثواب ملتا تھا (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، کہ جو غلام اللہ کی اطاعت کرے اور اپنے مولےٰ کی خدمت کرے، اس کو دوہرا اجر ہے) اب آپ نے آزاد کرکے میرا ایک اجر ضائع کر دیا۔

حضرت خواصؒ جو مشہور بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ ہم حضرت رحلہ عابدہ کے پاس گئے۔ وہ روزے رکھتے رکھتے کالی پڑگئی تھیں، اور نماز پڑھتے پڑھتے (پاؤں شل ہوگئے تھے جس کی وجہ سے) اپاہج ہوگئی تھیں۔ بیٹھ کر نماز پڑھتی تھیں۔ اور روتے روتے نابینا ہوگئی تھیں۔ ہم نے جا کر حق تعالیٰ شانُہٗ کی رحمت اور معافی کا ذکر کیا کہ شاید اس سے اُن کے مجاہدہ کی شدت میں کچھ کمی آئے۔ اُنہوں نے میری بات سن کر بے تحاشا

ایک چیخ ماری۔ پھر کہنے لگیں کہ مجھے جو اپنی حالت معلوم ہے اُس نے میرے دل کو زخمی کر رکھا ہے اور میرے جگر کو چھیل دیا ہے۔ کاش! میں تو پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی نماز کی نیت باندھ لی۔

نمونہ کے طور پر دو ایک واقعات ذکر کیے ہیں۔ امام غزالیؒ نے اور بھی اس قسم کے واقعات عورتوں کے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ اگر تُو اپنے نفس کی نگہداشت کرنے والا ہے تو تیرے لئے ضروری ہے کہ ان محنت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے احوال کو غور و فکر کی نگاہ سے دیکھے۔ تاکہ تیری طبیعت میں نشاط بڑھے، اور محنت کی تجھے حرص پیدا ہو۔ اور اپنے زمانہ کے آدمیوں کے احوال دیکھنے سے احتراز کر کہ ان میں سے اکثر ایسے ملیں گے کہ اگر تُو ان کا اتباع کرے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ اُن محنت کرنے والوں کے واقعات کی کوئی تعداد نہیں ہے۔ ہم نے نمونہ کے طور پر چند لکھے ہیں جو عبرت کے لئے کافی ہیں۔ اگر تُو زیادہ حالات دیکھنا چاہے، تو "حِلیَۃُ الْاَوْلِیَاء" کا مطالعہ کیا کر کہ اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ اور ان کے بعد والوں کے احوال تفصیل سے لکھے ہیں (اور کچھ واقعات شارحِ اِحیاءؒ نے بھی ذکر کیے ہیں) اور ان کے احوال کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تُو اور تیرے زمانہ کے لوگ دین سے کتنے دور ہیں اور اگر تیرے دل میں اپنے زمانہ کے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آئے کہ پہلے زمانہ میں چونکہ خیر کی کثرت تھی، اس لئے اس زمانہ میں یہ سہل تھا۔ اب اگر ان حالات پر عمل کیا جائے گا تو لوگ پاگل کہیں گے، اس لئے جو حشر اس زمانہ کے سب آدمیوں کا ہوگا، وہ میرا بھی ہو جائے گا۔ مصیبت جب عام آتی ہے تو اس میں سب ہی کو شامل ہونا پڑتا ہے۔ تو یہ تیرے نفس کا دھوکہ ہے۔ تو ہی بتا کہ اگر کہیں سے پانی کا سیلاب آگیا ہو جس میں سب ہی بہتے جا رہے ہوں، تو اگر کوئی شخص تیرنا جانتا ہے یا کسی اور ذریعہ سے بچ سکتا ہے تو کیا وہ یہ سمجھ کر چُپ ہو جائے کہ اس مصیبت میں تو سب ہی گرفتار ہیں۔ حالانکہ سیلاب کی مصیبت بہت تھوڑی دیر کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ موت آجائے گی۔ اس سے زیادہ تو کچھ نہ ہوگا۔ اور آخرت کا عذاب نہایت سخت ہے کبھی ختم ہونے والا نہیں

ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور ہمیشہ غور کرتے رہنا چاہیے (احیاء)۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی وقت تشریف رکھا کریں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں کہ کچھ ارشادات سُنیں۔ انہوں نے فرمایا مجھے چار کام اس وقت درپیش ہیں ان میں مشغول ہوں ان سے فراغت پر یہ ہو سکتا ہے۔

(۱) جب ازل میں عہد لیا گیا تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہیں، اور دوسروں کو فرمایا تھا کہ یہ دوزخی ہیں۔ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میں کن میں ہوں۔

(۲) جب بچہ ماں کے پیٹ میں شروع ہوتا ہے تو اس وقت ایک فرشتہ جو اس نطفہ پر مقرر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے پوچھتا ہے کہ اس کو سعید لکھوں، یا بد بخت۔ مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم مجھے کیا لکھا گیا۔

(۳) جب فرشتہ آدمی کی روح قبض کرتا ہے تو یہ پوچھتا ہے کہ اس روح کو مسلمانوں کی روحوں میں رکھوں یا کافروں کی۔ نہ معلوم میرے متعلق اس فرشتہ کو کیا جواب ملے گا۔

(۴) قیامت میں حکم ہوگا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰس ع ۴) "آج مجرم لوگ فرمانبرداروں سے علیحدہ ہو جائیں" مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میرا شمار کس فریق میں ہوگا (تنبیہ الغافلین)۔ یعنی جب ان چاروں فکروں سے امن نصیب ہو جائے اس وقت دوستوں سے بے فکری سے باتیں کرنے کا وقت مل سکتا ہے۔ اب تو میں ہر وقت ان فکروں میں رہتا ہوں کہاں اطمینان سے بیٹھ سکتا ہوں۔

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کا غنی ہونا مال کی کثرت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقی غنا تو دل کا غنی ہونا ہے۔

ف: مطلب حدیث پاک کا بالکل ظاہر ہے کہ اگر آدمی کا دل غنی نہیں ہے تو

جتنا مال بھی اس کے پاس زیادہ ہو، وہ مال کے خرچ کرنے میں فقیروں سے زیادہ کم خرچ ہوگا اور جتنا بھی مال اس کے پاس ہو وہ ہر وقت اس کے بڑھانے کے فکر میں مبتلا ہونے سے زیادہ پریشان ہوگا۔ اور اگر اس کا دل غنی ہے تو تھوڑا سا مال بھی اس کو بے فکر رکھے گا۔ اور جتنا ہوگا اُس کے ہر وقت بڑھانے کے فکر سے آزاد ہوگا۔

امام راغبؒ کہتے ہیں کہ غنا کئی معنے میں بولا جاتا ہے۔ ایک تو غنا کے معنی کسی قسم کی حاجت نہ ہونے کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے تو صرف حق تعالیٰ شانہٗ غنی ہے کہ اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (تم سب کے سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے محتاج ہو، وہ پاک ذات بے احتیاج ہے، ہر قسم کی تعریف والا ہے) دوسرے معنی حاجات کی کمی کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۂ والضحیٰ میں ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (اور حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو فقیر پایا پھر آپ کو غنی بنا دیا) اور اسی معنی کے اعتبار سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد حدیث بالا میں ہے کہ اصل غنا دل کا غنی ہونا ہے۔ تیسرے معنی مال کی کثرت اور سامان کی فراوانی کے ہیں جس کو قرآن پاک میں يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔ (بقرہ۔ ع ۳۷) میں ذکر فرمایا۔ اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ صدقات اصل حق ایسے لوگوں کا ہے جو اللہ کے راستہ میں گھر گئے ہوں اور ناواقف آدمی اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو مالدار سمجھتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ ابوذر! کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی کثرت غنا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ بیشک۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا بیشک۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ غنا صرف دل کا غنا ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے (ترغیب)

حقیقت یہی ہے کہ اصل غنا دل کا غنا ہے۔ جس خوش قسمت کو حق تعالیٰ شانہٗ

نصیب فرمادے اور یہی حقیقی زہد ہے۔ جس دل کے اندر مال کی محبّت بالکل نہ ہو وہی غنی ہے، وہی زاہد ہے چاہے ظاہر میں اس کے پاس مال نہ ہو۔ اور جس دل میں دنیا کی محبّت ہو وہ فقیر ہے وہ دنیا دار ہے چاہے کتنا ہی مال اس کے پاس ہو۔

فقیہ ابُواللَّیثؒ ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں، اور اُن کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا۔ ہم نے غِنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا بلکہ قناعت میں تھا۔ (ہم اس کو مال میں تلاش کرتے رہے۔ وُہ جب وہاں تھا ہی نہیں تو کیسے ملتا)۔ ہم نے راحت کو (جان و مال کی) کثرت میں تلاش کیا حالانکہ راحت ان کی کمی میں تھی۔ ہم نے اِعزاز کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ اُن کی خوشی کے اسباب اختیار کریں تاکہ اُن کے یہاں اِعزاز ہو) مگر وہ تقویٰ میں ملا (اور بالکل صحیح ہے جس قدر آدمی میں تقویٰ زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ یہ اللہ کے بڑے اِنعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا بڑا اِنعام اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستاری ہے (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اُس پر اللہ کا بڑا انعام ہے)۔

حُضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ جس شخص کا دنیا مقصد بن جائے حق تعالیٰ شانُہٗ اس کے دل پر تین چیزیں مُسلّط کر دیتے ہیں۔ ایک ایسا غم جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو۔ دوسرا ایسا مشغلہ جس سے فراغت نصیب نہ ہو، اور ایسا فقر جس کا کبھی خاتمہ نہ ہو۔ (تنبیہ الغافلین)

حُضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنا عطا فرمایا ہو تو اس کے پاس رہا کرو۔ اس کو حکمت دی گئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(١٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد ہے کہ جب آدمی کسی ایسے شخص کی طرف دیکھے جو مال میں یا صورت میں اپنے

فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْہُ۔ — اعلیٰ ہو تو ایسے شخص کی طرف بھی غور کرلے جو اُن چیزوں میں اپنے سے کم ہو۔

(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

ف: یعنی آدمی جب کسی لکھ پتی کو دیکھے اور اس کو دیکھ کر للچائے اور افسوس کرے کہ یہ تو ایسا مال دار ہے، مَیں نہیں ہوں۔ تو کسی ایسے آدمی کو بھی غور کرے جس کو ناداری کی وجہ سے فاقے کرنے پڑ رہے ہوں تاکہ پہلے افسوس کے ساتھ حق تعالیٰ شانُہٗ کا اُس پر شُکر ادا ہو سکے کہ اُس نے ایسا نہیں کر رکھا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اپنے سے زیادہ مالداروں کی طرف نگاہیں نہ لے جایا کرو، اپنے سے کم درجہ والوں کو سوچا کرو۔ اس سے اُس نعمت کی حقارت تمہارے دلوں میں نہیں ہوگی، جو اللہ جَلَّ شانُہٗ نے تمہیں عطا کر رکھی ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت اَبُوذَر غِفاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے سات نصیحتیں کی ہیں:۔

① مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ مسکینوں سے مُحبّت کیا کروں اور ان کے قریب رہا کروں۔ ② مجھے اس کا حکم فرمایا ہے کہ مَیں اپنے سے اُونچے لوگوں (زیادہ مالداروں پر) نگاہ نہ رکھا کروں، اپنے سے کم درجہ والوں پر نگاہ رکھوں (اُن پر غور کیا کروں)۔ ③ مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں صِلہ رحمی کیا کروں اگرچہ وہ مجھ سے مُنہ پھیرے (یعنی جس کے ساتھ صِلہ رحمی کروں وہ مجھ سے غائب ہو، دُور ہو، یا یہ کہ وہ میرے ساتھ توجّہ سے پیش نہ آئے، بلکہ مجھ سے روگردانی کرے۔ ترغیب ترہیب کے الفاظ یہ ہیں کہ اگرچہ وُہ مجھ پر ظلم کرے۔ اس سے دوسرے معنیٰ کی تائید ہوتی ہے) ④ مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں کسی شخص سے کوئی چیز نہ مانگوں۔ ⑤ مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں حق بات کہوں چاہے کسی کو کڑوی ہی لگے۔ ⑥ مجھے حکم فرمایا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی رضا کے مقابلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کروں (یعنی جس چیز سے حق تعالیٰ شانُہٗ راضی ہوں اس کو اختیار کر دوں، اس کے کرنے پر احمق لوگ ملامت کریں، تو کیا کریں)

(۷) مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کثرت سے پڑھا کروں اس لئے کہ یہ کلمات ایسے خزانہ سے اُترے ہیں جو خاص عرش کے نیچے ہے۔ (مشکوٰۃ)

لَا حَوْل کو کثرت سے پڑھنے کی ترغیب بہت کثرت سے روایات میں آئی ہیں۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں، کہ جس شخص میں یہ ہوں حق تعالےٰ شانُہٗ اس کو صابرین اور شاکرین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ جو شخص دین کے بارے میں اپنے سے اُونچے لوگوں کے احوال کو دیکھے اور انکے اتباع کی کوشش کرے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور اس پر اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے (محض اپنے فضل سے) اُس کو اس سے بہتر حالت میں کر رکھا ہے، حق تعالیٰ شانُہٗ اس کو صابر اور شکر کرنے والوں میں شمار فرمائیں گے۔ اور جو شخص دین کے بارے میں اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھے (کہ فلاں تو اتنا بھی نہیں کرتا جتنا میں کرتا ہوں) اور دنیا کے بارے میں اپنے سے اُونچے لوگوں کو دیکھے اور اس پر افسوس کرے کہ میرے پاس اتنا نہیں ہے جتنا فلاں کے پاس ہے وُہ نہ صبر کرنے والوں میں شمار ہے نہ شکر گذاروں میں۔ (مشکوٰۃ)

عونؒ بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں اکثر مالداروں کے پاس بیٹھا کرتا تھا، تو میری طبیعت غمگین رہتی۔ کسی کا کپڑا اپنے کپڑے سے بہتر دیکھتا (تو اپنے کپڑے کے ادنیٰ ہونے پر اپنی ذلت محسوس کرتا جس سے رنج ہوتا) کسی کا گھوڑا اپنے گھوڑے سے اعلیٰ دیکھتا۔ پھر میں نے فقراء کے پاس اپنی نشست شروع کر دی تو مجھے اس رنج سے راحت مل گئی (کہ ان لوگوں سے اپنی چیزوں کو افضل دیکھتا ہوں)۔ (احیاء)

علماء نے لکھا ہے کہ نکاح بھی کسی غریب سے کرے، مالدار عورت سے نہ کرے۔ اس لیے کہ جو شخص مالدار عورت سے نکاح کرتا ہے، پانچ آفتوں میں گرفتار ہوگا۔

۱: مہر زیادہ دینا پڑے گا۔ ۲: رخصتی میں دیر اور ٹال مٹول ہوگی (کہ اس کے جہیز کی تیاری ہی نہ ختم ہوگی)۔ ۳: اس سے خدمت لینا مشکل ہوگا۔ ۴: خرچ زیادہ مانگے گی۔ ۵: طلاق دینا چاہے گا تو اس کے مال کا لالچ طلاق نہیں دینے دے گا۔

کہتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں خاوند سے کم تر ہونی چاہیئے - ورنہ خاوند اس کی نگاہ میں ذلیل ہوگا - عمر میں، قد کی لمبائی میں، مال میں، شرافت میں - اور چار چیزوں میں خاوند سے بڑھی ہوئی ہونی چاہیئے - خوب صورتی میں، ادب میں، تقویٰ میں، عادتوں میں (احیاء) - اور مال سے زیادہ اہم خلقت اور صحت کے اعتبار سے اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھنا ہے -

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی شخص نے حاضر ہو کر اپنے فقر کی شکایت کی اور بڑی سخت پریشانی کا اظہار کیا کہ اس کے غم میں مرنے کی تمنا ظاہر کی - ان بزرگ نے دریافت کیا کہ تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لیئے لے لی جائیں، اور تمہیں دس ہزار درم مل جائیں؟ وہ اس پر راضی نہ ہوا - پھر فرمایا - اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں دس ہزار درم دے کر تمہاری زبان لے لی جائے؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا - پھر انہوں نے فرمایا کہ اس پر راضی ہو کہ تمہارے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور تم کو بیس ہزار درہم دے دیئے جائیں؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا - پھر فرمایا کہ اچھا اس پر راضی ہو کہ تمہیں مجنون بنا دیا جائے اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں؟ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا - وہ فرمانے لگے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تمہارے اقرار کے موافق پچاس ہزار سے زیادہ مالیت کا سامان تو حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہیں عطا فرما رکھا ہے (اور یہ مثال کے طور پر چند چیزیں گنوائی ہیں) پھر بھی تم شکوہ کر رہے ہو -

ابن سماکؒ ایک بادشاہ کے پاس گئے - بادشاہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا - بادشاہ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے - ابن سماکؒ نے کہا کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ گلاس پانی کا اسی ساری سلطنت کے بدلہ میں مل سکتا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور نہ خریدا جائے تو پانی ملنے کی کوئی صورت نہیں، پیاسے ہی رہنا ہوگا کیا تم راضی ہو جاؤ گے کہ ساری سلطنت دے کر پانی خرید و، ورنہ پیاسے مر جاؤ - بادشاہ نے کہا - یقیناً راضی ہو جاؤں گا - ابن سماکؒ نے کہا کہ ایسی بادشاہت پر کیا خوش ہونا جس کی ساری کی قیمت ایک گلاس پانی ہو - ان مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے

کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ایک ایک نعمت ہر شخص کے پاس ایسی ہے کہ لاکھوں کروڑوں اس کی قیمت نہیں ہوسکتی۔

یہ تو عام نعمتیں ہیں جن میں ہر شخص کی شرکت ہے۔ اگر گہری نگاہ سے غور کیا جائے تو ہر شخص کے ساتھ خصوصی نعمتیں حق تعالیٰ شانہٗ کی ایسی ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور تین چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کو اعتراف ہے کہ وہ اس نعمت میں ممتاز ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ ان میں سے ایک تو عقل ہے کہ ہر شخص چاہے کتنا ہی بے وقوف ہو، وہ یہ سمجھا کرتا ہے کہ میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں۔ دوسرے اس بات کو نہیں سمجھتے جس کو میں سمجھتا ہوں۔ ایسی حالت میں چاہے واقعہ کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط، لیکن اُس کے اپنے اعتقاد اور اقرار کے اعتبار سے اُس پر حق تعالیٰ شانہٗ کا ایک ایسا انعام ہے کہ یہ انعام کسی دوسرے پر نہیں ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اس نعمت میں سب سے زیادہ شکر گذار بنے (اور اگر کسی معمولی چیز روپیہ پیسہ وغیرہ میں کسی دوسرے سے کم ہو تو یہ سوچے کہ سب سے اشرف چیز عقل میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہوں)۔

دوسری چیز عادات ہیں کہ ہر شخص اپنے سوا دوسرے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ایسی عادت سمجھا اور پایا کرتا ہے جو اس کے نزدیک عیب ہوتی ہے۔ اور گویا اس کے نزدیک اس کے سوا ہر شخص کے اندر کوئی نہ کوئی اخلاقی عیب ضرور ہے اور اپنی کسی عادت کو بھی (لفظوں میں چاہے مان لے مگر دل میں) عیب دار نہیں سمجھا کرتا نہ اس کے چھوٹنے کے درپے ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ ضروری نہیں کہ آدمی یہ سوچے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اگر کسی ایک آدھ چیز میں دوسرے سے کم دے رکھا ہے تو عادات کی نعمتوں میں اس کو خاص طور سے سب سے بڑھا رکھا ہے۔

تیسری چیز علم ہے کہ ہر شخص اپنے ذاتی حالات اور اندرونی احوال سے اتنا زیادہ واقف اور ان کا جاننے والا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کے احوال سے اتنا واقف نہیں ہوتا، اور ان میں ایسی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں کہ آدمی ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا

کہ اس کے ان عیُوب پر کوئی دوسرا مُطّلع ہو۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ احسان کہ اس کو اپنے احوال کا علم عطا فرمانے کے باوجود دوسروں سے اس کی ستاری فرما رکھی ہے۔ اور اس کی یہ تمنا کہ میرے اس علم کی کسی کو خبر نہ ہو، پوری کر رکھی ہے۔ کہ ان میں دوسرا کوئی بھی اس کا شریک نہیں، کیا ایسی چیز نہیں ہے جس میں یہ سب سے مُمتاز ہے اور اس کا شُکر اس کے ذمّہ ضروری ہے۔ ان کے علاوہ ہزاروں چیزیں ہر شخص میں ایسی ہیں، جن کے مُتعلّق وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ چیز اس سے لے کر اس کے بدلہ میں اس کی ضد یا کوئی دوسری چیز دے دی جائے۔ مثلاً انسان ہونا ہے، کوئی نہیں گوارا کرتا کہ اس کو آدمی سے بندر بنا دیا جائے۔ مَرد ہونا ہے، کوئی نہیں پسند کرتا کہ اس کو مرد سے عورت بنا دیا جائے۔ اسی طرح مؤمن ہونا ہے، حافظِ قرآن ہونا ہے، عالم ہونا ہے، خُوب صورت ہونا ہے، صاحبِ اولاد ہونا ہے۔ غرض اَخلاق میں، صورت میں، سیرت میں، عزیز و اقارب میں اہل و عیال میں، عزّت مرتبہ میں ہر شخص کے پاس ایسے خُصوصی اُمور ملیں گے جن کے تبادلہ پر وہ کبھی بھی راضی نہ ہوگا۔ تو کیا پھر یہ بات صحیح نہیں کہ ہر شخص پر حق تعالیٰ شانہٗ کے ہزاروں ایسے خُصُوصی اِنعامات ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں۔ ایسی حالت میں ان سب سے آنکھ بند کر کے، اگر کوئی ایک دو چیزیں دوسرے کے پاس ہیں جو اُس کے پاس نہیں ہیں، اُن میں للچائے اور ناشکری کرے، یہ اِنتہائی کمینہ پن نہیں ہے؟ اور اگر کسی کے پاس مال ہی زیادہ دیکھتا ہے تو اُن اُمور میں جو اُوپر ذکر کیے گئے غور کرے کہ انمیں سے کتنی چیزیں ایسی ہیں جن میں یہ اُس شخص سے بڑھا ہوا ہے، جس پر رشک یا حسد کر رہا ہے۔ دراں حالیکہ مجمُوعۂ اِحسانات میں یہ خود اس سے بڑھا ہوا ہے۔ (اِحیاء)

اور اس سب کے بعد جو مال اس کے پاس ہے اُس کا حشر معلوم نہیں، کیا ہونے والا ہے۔ وہ اُس کے لیے راحت کا سبب ہے یا وبالِ جان ہے۔ اسی لیے حضورؐ کا پاک اِرشاد ہے کہ کسی فاجر شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کرو

تمہیں خبر نہیں کہ مرنے کے بعد وہ کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ فاجر شخص کے لئے اللہ کے یہاں ایسی ہلاکت ہے یعنی جہنّم جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے (مشکوٰۃ) آئندہ حدیث میں یہ مضمون تفصیل سے آرہا ہے۔

(۱۷) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ ○ (رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تو یہ دیکھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کسی گناہ گار پر اس کے گناہوں کے باوجود دنیا کی وسعت فرمارہے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ڈھیل ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت شریفہ فَلَمَّا نَسُوْا سے مُبْلِسُوْنَ تک تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر (راحت کے) ہر قسم کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو اُن کو ملی تھیں اترانے لگے تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا، پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے۔

ف: یہ آیت شریفہ سورۂ انعام کے پانچویں رکوع کی ہے۔ اوپر سے حق تعالیٰ شانہٗ نے جو معاملہ پہلی اُمتوں کے ساتھ فرمایا ہے اس کا اجمالی بیان ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ:

"اور ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے (زمانہ میں) تھیں، پیغمبر بھیجے تھے (مگر انہوں نے اُن پیغمبروں کو نہ مانا) سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری (وغیرہ مصائب میں مبتلا کیا۔ اور ان سختیوں) کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ لوگ ڈھیلے پڑ جائیں (کہ آفتیں آنے پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کو یاد کیا جاتا ہے۔ مگر وہ اس پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے) پس جب اُن کو

ہماری طرف سے سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی (تاکہ ان کی آہ و زاری اور عاجزی اور توبہ سے اُن کا قصور معاف کر دیا جاتا) لیکن ان کے دل تو ویسے ہی سخت رہے اور شیطان ان کے اعمالِ (بد کو جن میں وُہ مُبتلا تھے اور ان کی حرکتوں) کو ان کی نگاہ میں آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔ پس جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو (پیغمبروں کی طرف سے) نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر (راحت و آرام اور عیش و عشرت کی) ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (جس سے وہ عیش پرستی میں خُوب مست ہو گئے) یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ جو اُن کو دی گئی تھیں خُوب اِترانے (اور اکڑنے) لگے تو ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا (اور ایسا فوری عذاب ایک دم اُن پر مُسَلَّط کر دیا کہ اُن کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا) پھر تو وہ حیرت میں رہ گئے (کہ یہ کیا ہو گیا۔ یہ مصیبت کہاں سے نازل ہو گئی) پھر (تو ہمارے فوری عذاب سے) ظالموں کی بالکل جڑ کٹ گئی۔ اور اللہ کا شکر ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے (کہ ایسے ظالموں کی جڑ کٹ گئی)۔

حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس آیتِ شریفہ کی تِلاوت سے حق تعالیٰ شانُہٗ کی عادتِ شریفہ کی طرف اشارہ کر کے تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں کے باوجود عیش و عشرت اور راحت کے اسباب کا ہونا بسا اوقات حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے جس کو اِستِدراج کہتے ہیں۔ جس کا قرآن پاک کی اس آیت میں ذکر ہے، اور اس کے عِلاوہ بھی مُتعَدِّد آیات میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے یہ بڑی خطرہ کی چیز ہے۔ اس لئے کہ اس میں اکثر فوری عذاب آدمی پر ایسا مُسَلَّط ہو جاتا ہے کہ وہ حیران کھڑا رہ جاتا ہے۔ اور کوئی راستہ اُس کو اس آفت سے بچنے کا نہیں ملتا۔ اس لئے اس سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔

حضرت عُبادہؓ حُضُورؐ کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ شانُہٗ کسی قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں تو ان میں میانہ روی اور عِفّت پیدا فرماتے ہیں، اور جب کسی قوم

کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس میں خیانت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی اس حرکت پر خوب خوش ہونے لگتے ہیں تو ایک دم اُن پر عذاب مُسلّط ہو جاتا ہے، اور یہ آیت پڑھی۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جس پر وسعت کی جائے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میری ہلاکت کا پیش خیمہ ہے وہ سمجھ دار نہیں ہے۔ اور جس پر تنگی ہو اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میرے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رُجوع کرنے کے لئے مہلت ہے وہ سمجھ دار نہیں ہے (درمنثور)۔

ایک حدیث میں ہے کہ خود حضورؐ نے بھی یہ دُعا کی۔ یا اللہ! جو مجھ پر ایمان لائے اور اُن احکامات کو سچا جانے جو میں لایا ہوں تو اس کو مال کم عطا کر، اولاد کم عطا کر۔ اور اپنی ملاقات کا شوق اس کو زیادہ دے۔ اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اور ان احکامات کو سچا نہ جانے، اس کو مال بھی زیادہ دے، اولاد بھی زیادہ دے اور اسکی عمر بھی زیادہ کر۔ (کنز)

بہر حال معاصی کی کثرت کے ساتھ نعمتوں کا ہونا زیادہ خطرناک ہے اور ایسے وقت میں بہت زیادہ توبہ، اِستغفار اور حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف رُجوع کرنے کی ضرورت ہے اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اِرشاد ہے جو قریب ہی ایس سے پہلی حدیث کے آخر میں گذرا کہ کسی فاجر کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر رشک نہ کر وہ نہیں خبر نہیں کہ وہ مرنے کے بعد کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔

(۱۸) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (رواه الترمذی وابن ماجة كذا فی المشكوٰة وزاد السیوطی فی الجامع الصغیر احمد والحاكم ورقم له بالصحة)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو (اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں کا) مطیع بنائے اور مرنے کے بعد کام آنے والے اعمال کرے اور عاجز (بے وقوف) ہے وہ شخص جو نفس کی خواہشوں کا اِتباع کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھے۔

ف: یعنی حالت تو یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کے مقابلہ میں حرام حلال کی بھی پروا نہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے بڑی بڑی اُمیدیں لگائے رکھتا ہے کہ وہ رحیم ہے، کریم ہے اور ان اُمیدوں پر گناہ کی پروا نہ کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے سمجھ دار وہ ہے جو موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور ننگا وہ ہے جو دین سے خالی ہو۔ یا اللہ زندگی صرف آخرت ہی کی زندگی ہے (جامع الصغیر) یعنی وہی پائیدار زندگی ہے جو اس میں خالی ہاتھ گیا تو اس نے عمر بھی کھو دی یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور مغفرت کا اُمیدوار ہونا اور اس کی تمنا کرنا اور اس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مانگنا دوسری چیز ہے اور اس کی رحمت اور مغفرت کے گھمنڈ پر غرور اور یہ گمان کہ میں جو چاہے کرتا رہوں، میری مغفرت تو ہو ہی جائے گی، دوسری چیز ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔ اور دوسرا ارشاد وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ۔ یہ دونوں آیتیں غرور کی مذمت کے لیے بہت کافی ہیں (احیاء) پہلی آیتِ شریفہ سورۂ لقمان کے آخر میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم لوگوں کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اس میں لگ کر آخرت کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ باز (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے" اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ میں ڈال دینے کا مطلب یہ ہے کہ تو گناہ کرتا رہے اور مغفرت کی تمنائیں کرتا رہے۔

دوسری آیتِ شریفہ سورۂ حدید کے دوسرے رکوع کی ہے۔ جس میں اوپر سے قیامت کے دن کے ایک منظر کا ذکر ہے کہ اس دن مسلمانوں کے سامنے ایک نور دوڑتا ہوا ہوگا جو اُن کے آگے آگے چل رہا ہوگا (یہ پُل صراط پر سے گذرنے کے لیے ہوگا) اس کے بعد ارشاد ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ — اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○

مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں تو اُن کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، وہاں روشنی تلاش کرو۔ پھر قائم کر دی جائے گی ان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا، کہ اُس کے اندرونی جانب رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب (پھر وہ منافق) آواز دیں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ (مسلمان) کہیں گے کہ ہاں ساتھ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصائب کے کے متمنی اور) منتظر رہا کرتے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری (بیہودہ) تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ خدا کا حکم (موت کے متعلق) آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے (شیطان) نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔

ابو سفیانؒ سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم نے گناہوں کے ساتھ اپنے آپ کو گمراہی میں ڈال رکھا تھا اور تم کو تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ کہ تم یہ کہتے تھے کہ ہماری مغفرت ہوجائے گی (درمنثور)

صاحب مظاہر لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عبّاد شاذلیؒ نے شرح حکم کے کہتے ہیں کہ علماء باللہ نے کہا ہے کہ رجاء کاذب کہ مغرور ہو صاحب اس کا اس پر، اور باز رہے عمل سے اور دلیر کرے اس کو گناہوں پر حقیقت میں رجاء نہیں ہے بلکہ وہ آرزو اور فریب شیطان کا ہے

اور حضرت معروف کرخیؒ فرماتے کہ طلب کرنا بہشت کا بے عمل کے ایک گناہ ہے گناہوں سے، اور اُمید شفاعت بے سبب و بے علاقہ ایک قسم ہے فریب سے اور اُمید رکھنا رحمت کا اُس سے کہ فرمانبرداری نہ کرے اس کی، حُمق اور جہالت ہے۔

اور حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک قوم کو باز رکھا بخشش کی آرزوؤں نے یہاں تک کہ باہر نکلی دنیا سے اور حال یہ ہے کہ نہیں ہے اُن کے لئے نیکی۔ کہتا ہے ایک اُن میں سے کہ اچھا رکھتا ہوں میں گمان اپنے پروردگار سے کہ بخشنے والا ہے، جھوٹ کہتا ہے اگر اچھا ہوتا گمان اس کا ساتھ پروردگار کے، تو اچھے عمل کرتا۔ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دُور رہو اے بندگانِ خدا ان آرزوؤں باطل سے کہ یہ وادی احمقوں کی ہیں کہ پڑے ہیں لوگ اُن میں، قسم ہے خدا تعالیٰ کی نہ دی خدا تعالیٰ نے کسی بندے کو اس کی آرزوؤں سے خیر دنیا میں اور نہ آخرت میں (مظاہر حق)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر سعادت کی کنجی چوکنا رہنا اور سمجھ سے کام کرنا ہے۔ اور ہر قسم کی بدبختی کا چشمہ غرور اور غفلت ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا کوئی احسان ایمان اور معرفت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور اُن کے لئے کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بصیرت کے نُور کے ساتھ دل میں انشراح پیدا کر دے۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ کا کوئی عذاب کفر اور معصیت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور اس کا مُحرِّک صرف یہ ہے کہ جہالت کی ظلمت سے دل کی آنکھ اندھی ہو جائے۔ پس سمجھ دار اور بصیرت والے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ کسی طاق میں نہایت روشن چراغ (بجلی کا قمقمہ) رکھا ہوا ہو جس کی مثال قرآن پاک کی آیت کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ الآیہ (نور۔ ع ۵) ہے اور غرور میں پڑے ہوئے لوگوں کے دل ایسے ہیں جیسا کہ بہت سی تاریکیوں میں کوئی شخص ہو کہ کوئی چیز اس کو نظر نہ آتی ہو کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ الآیہ (نور۔ ع ۵) اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ غرور ہی اصل سرچشمہ ہلاکت کا ہے تو اس کی تھوڑی سی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے تاکہ اس سے اہتمام سے بچا جا سکے۔ غرور کی مذمت قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص

وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد کے لئے عمل کرتا رہے۔ اور احمق شخص وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ جلّ شانہٗ پر تمنّائیں کرے۔ اور احادیث میں جہل کے متعلق جتنی مذمّتیں اور وعیدیں آئی ہیں وہ ساری غرور پر بھی صادق آتی ہیں۔ اس لئے کہ غرور جہل سے پیدا ہوتا ہے بلکہ جہل ہی کا جزو ہے۔ اگرچہ ہر جہل غرور نہیں لیکن ہر غرور جہل ضرور ہے، اور ان میں سب سے بڑھا ہوا جہل و غرور کفّار اور فاسق فاجر لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ دُنیا نقد ہے اس وقت موجود ہے، اور آخرت اُدھار ہے بعد کو آنے والی ہے اور "نقد را بنسیہ گذاشتن کار خرد منداں نیست" نقد کو اُدھار پر چھوڑنا سمجھ داروں کا کام نہیں ہے۔ یہ خیال انتہائی بے وقوفی اور جہالت ہے۔ یہ قاعدہ وہاں ہے جہاں نقد اور اُدھار برابر ہوں۔ لیکن جہاں کوئی چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت ہوتی ہو اور اُدھار سَو روپے میں جاتی ہو، وہاں کوئی احمق بھی یہ نہ کہے گا کہ نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیئے حالانکہ دنیا کی نقد لذّتوں کو آخرت کے مُقابلہ میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ دنیا کی زندگی کسی شخص کی اگر ہو سکتی ہے تو سو ڈیڑھ سو برس۔ اس مدّت کو آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی مُدّت کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کوئی طبیب کسی بیمار کو ایک پھل کو منع کرتا ہے اور مُہلک بتاتا ہے لیکن بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس پھل کے کھانے کی لذت نقد ہے اور صحت اُدھار ہے۔ لہٰذا نقد کو اُدھار پر نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اسی طرح بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ دنیا کی مضرت اور تکلیف یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے۔ یقین کو شک پر نہیں چھوڑنا چاہیئے یہ بھی جہالت کی بات ہے۔ آدمی تجارت میں مشقتیں برداشت کرتا ہے جو یقینی ہیں، محض نفع کی اُمّید پر جس میں شک ہے کہ تجارت میں نفع ہو گا یا نہیں۔ بیمار کڑوی سے کڑوی دوا پیتا ہے، فصد کراتا ہے، جونکیں لگواتا ہے، شگاف دلواتا ہے جن کی تکلیف یقینی ہے، اور یہ سب کچھ صحت کی اُمید پر ہے جس کا ہونا یقینی نہیں۔ اسی طرح سے یہ خیال بھی دھوکا ہے کہ آخرت کو ہم نے دیکھا نہیں

ہے۔ تجربہ نہیں کیا معلوم نہیں کیا حقیقت ہے۔ یہ خیال بھی انتہائی جہالت ہے۔ ناواقف آدمی کے لیے اگر ذاتی علم نہ ہو تو تجربہ کار، واقف لوگوں کا قول ہی معتبر ہوتا ہے۔ کوئی بیمار کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں دوا میں یہ تاثیر مجھے معلوم نہیں کہ ہے یا نہیں۔ وہ ہمیشہ علاج میں واقف طبیب اور ڈاکٹروں کے قول پر اعتماد کرتا ہے۔ کبھی کسی ڈاکٹر سے یہ نہیں پوچھتا کہ اس دوا کا فلاں اثر ہونا مجھے دلیل سے سمجھا دے۔ اور اگر کوئی ایسا کہے گا تو وہ بے وقوف سمجھا جائے گا۔ اسی طرح آخرت کے بارے میں انبیاء، اولیاء، حکماء اور علماء کے اقوال جن پر ساری دنیا نے ہمیشہ اعتماد کیا ہے معتبر ہوں گے۔ اور چند جہلاء کے یہ کہہ دینے سے کہ ہمیں معلوم نہیں، یا ہمیں یقین نہیں، کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کے اوہام آخرت کے بارے میں کافروں کو پیش آتے ہیں۔ اور مسلمان اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرنے کی وجہ سے زبان سے تو ایسی باتیں نہیں کہتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اس کے گناہوں کا ارتکاب کرکے، شہوتوں اور دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر عملی طور پر اور زبان حال سے گویا وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں۔ یہ لوگ زبانی طور پر دوسرے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کریم ہیں، غفور ہیں، رحیم ہیں، اس کی معافی کے ہم امیدوار ہیں۔ ہم کو اس کی مغفرت پر اعتماد ہے اور اس کا امیدوار رہنا مطلوب ہے۔ محمود ہے۔ پسندیدہ ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس کی مغفرت کے دریاؤں کے مقابلہ میں ہمارے گناہ کیا چیز ہیں۔ خود حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ اس کو چاہیئے کہ میرے ساتھ نیک گمان کرے۔ یہ ارشاد یقیناً صحیح ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا ہی پاک ارشاد ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ شیطان آدمی کو کسی صحیح کلام کے غلط معنی سے گمراہ کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شیطان کو دھوکہ دینے میں مشکل پیش آتی۔ اسی چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح فرمایا ہے کہ

سمجھ دار وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور مرنے کے بعد کے لئے اعمال کرے۔ اور احمق وہ شخص ہے جو نفس کی خواہشات کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں باندھے۔ یہی وہ امیدیں ہیں حق تعالیٰ شانہٗ پر جس کو شیطان نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ نیک امید کا غلاف پہنایا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے سے امیدیں رکھنے کی خود شرح فرمادی۔ چنانچہ ارشاد ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط (بقرہ۔ ع ۲۷)	"حقیقت میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہے (جس میں دین کے لئے ہر کوشش داخل ہے) یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے امیدوار ہیں"

قرآن پاک میں جگہ جگہ جنت کو اور اس کی نعمتوں کو اعمال کا بدلہ بتایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں غور کرنے کی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو برتن بنانے پر مزدور رکھے اور بہت بڑی اُجرت اس کی مقرر کر دے جس کی کوئی حد نہیں۔ اور وہ شخص نہایت کریم ہو، مزدوری دینے میں بہت سخی اور اُجرت مقررہ پر بہت زیادہ اِنعام دینے والا ہو، جو برتن خراب بن جائیں ان پر بھی اُجرت دے دیتا ہو، جن میں معمولی نقص رہ جائے ان پر بھی تسامح کر لیتا ہو۔ اور مزدور بجائے برتن بنانے کے ان اوزاروں کو بھی توڑ دے جن سے برتن بنایا جاتا ہے اور یہ کہے کہ برتن بنوانے والا بڑا کریم ہے، اُجرت بہت زیادہ دیتا ہے، اس لئے ان سب کو توڑ چھوڑ کر بہت زیادہ اُجرت ملنے کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ کیا کوئی احمق بھی اس کو عقل والا کہے گا اور یہ حماقت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ امید اور تمنا میں فرق نہیں سمجھا جاتا۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ بعض لوگ نیک عمل تو کرتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ شانہٗ سے نیک امید رکھتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے (امید تم سے) بہت دور ہے، بہت دور ہے۔ یہ اُن کی آرزوئیں ہیں جن میں وہ جھکے جا رہے ہیں۔ جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا

ہے وہ اس کو طلب کیا کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی چیز سے (مثلاً عذاب الٰہی سے) ڈرا کرتا ہے وہ اس سے بھاگا کرتا ہے (اُس سے بچنے کی کوشش کیا کرتا ہے) مُسلم بن یسارؒ نے ایک دن اتنا لمبا سجدہ کیا کہ (دانتوں میں خون اُتر آیا اور) دو دانت گر گئے۔ ایک شخص کہنے لگے (کہ مجھ سے عمل تو ہوتا نہیں لیکن) اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید ضرور رکھتا ہوں۔ مُسلم کہنے لگے۔ بہت بعید ہے اور بہت ہی بعید ہے۔ جو شخص کسی چیز کی امّید کیا کرتا ہے اس کو طلب کیا کرتا ہے۔ اور جو شخص کسی چیز سے ڈرا کرتا ہے اس سے بھاگا کرتا ہے۔ پس جب کوئی شخص لڑکا ہونے کی امّید کرے اور نکاح نہ کرے، یا نکاح کرے اور صحبت نہ کرے اور لڑکا ہونے کی اُمید باندھے رہے، وہ بے وقوف کہلائے گا۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے اور ایمان بھی نہ لائے، یا ایمان لائے اور نیک عمل ہی نہ کرے اور گناہوں کو نہ چھوڑے وہ بے وقوف ہے۔ البتہ جو شخص نکاح کرے اور صحبت کرے، پھر وہ مُتَرَدِّد رہے کہ بچہ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اور اللہ کے فضل سے اُمید رکھے کہ بچہ ہوگا، اور اس سے ڈرتا رہے کہ رحم پر کوئی آفت نہ آئے، بچہ ضائع نہ ہو جائے، اس کی حفاظت کرتا رہے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے تو وہ عقل مند ہے۔ اسی طرح جو شخص ایمان لائے، نیک عمل کرے بُرے اعمال سے بچتا رہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کرے کہ وہ قبول فرما لے گا، اور قبول نہ ہونے سے ڈرتا رہے، حتّٰی کہ اسی حال پر اس کی موت آجائے، تو وہ سمجھ دار ہے، اس کے علاوہ سب بے وقوف ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے مُتعلّق قرآن پاک میں ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط الآیۃ (سجدہ ع ۲)

"اور اگر آپ ان لوگوں کا حال دیکھیں تو عجب حال دیکھیں۔ جب کہ یہ مُجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور کہتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار! بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے۔ پس ہم کو دنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ ہم اب نیک کام کریں۔ اب ہم کو

پورا یقین آگیا۔

یعنی اب ہم کو اس کا پورا یقین آگیا کہ جیسا بغیر نکاح کے اور صحبت کے بچہ پیدا نہیں ہوتا، اور بغیر زمین کو درست کرنے اور بیج ڈالنے کے کھیتی نہیں ہوتی۔ اسی طرح بغیر نیک عمل کے آخرت کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مغفرت کی امید بہت پسندیدہ ہے جب کہ کوئی شخص گناہوں میں منہمک ہو اور توبہ کرنا چاہتا ہو، اور شیطان اس کو دھوکہ میں ڈالے کہ تجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کہاں قبول ہو سکتی ہے تُو نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ ان کی بخشش تو ممکن ہی نہیں، تو اس کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝	آپ کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں (اور کفر و شرک اور گناہوں کے ظلم) کیے ہیں تم خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ شانہٗ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ واقعی وہ بڑا بخشنے والا ہے بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اسکی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب ہونے لگے۔ پھر اس وقت تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو (اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (زمر۔ ع ۶)

حکم اس لیے دیا جاتا ہے کہ کل کو قیامت کے دن) کبھی کوئی شخص کہنے لگے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں کی (یعنی اس کی اطاعت میں مجھ سے کوتاہی ہوئی) اور میں خدا تعالیٰ کے احکام پر) ہنستا ہی رہا۔ یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو ہدایت کرتا، تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔ یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو جائے تو میں نیک بندوں میں سے ہو جاؤں"

ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے سارے گناہوں کی بخشش کے وعدے کے ساتھ اس کی طرف رُجوع کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ اور دوسری جگہ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ۔ ع ۴) ارشاد فرمایا ہے کہ میں بڑی مغفرت کرنے والا ہوں اس شخص کے لیے جو توبہ کرے، اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، پھر اسی راہ پر قائم رہے"۔ اس آیتِ شریفہ میں مغفرت کو ان چیزوں پر مُرتّب فرمایا ہے۔ پس جو شخص توبہ کے ساتھ مغفرت کا اُمید وار ہے وہ تو حقیقت میں اُمیدوار ہے۔ اور جو گناہوں پر اِصرار کے ساتھ مغفرت کی اُمید باندھے ہوئے ہے وہ احمق ہے، دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ پہلے لوگ عبادات پر مرمٹتے تھے، گناہوں سے نہایت اہتمام سے بچتے تھے، تقویٰ میں مُبالغہ کرتے تھے، شبہ کی چیزوں سے بھی دُور رہتے تھے، رات دن عبادت میں مشغول رہ کر ہر وقت اللہ کے خوف سے روتے تھے۔ اور اِس زمانہ میں ہر شخص خوش ہے، اللہ کے عذاب سے ہر وقت مطمئن ہے، اس کو کسی وقت بھی عذاب کا ڈر نہیں، دن رات شہوتوں اور دنیا کی لذتوں میں منہمک ہے، دنیا کے کمانے کا ہر وقت فکر ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں ہے، اور گمان یہ ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کے کرم پر بھروسہ ہے، اس کی مغفرت کی اُمید ہے، اس کی معافی کا یقین ہے۔ گویا انبیاء کرامؑ، صحابۂ عظامؓ اور اَولیاء مخلصینؒ میں سے تو کسی کو

اس کی رحمت کی اُمید ہی نہ تھی جو اس قدر مشقتیں برداشت کرتے رہتے۔

(۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ۔ (رواه ابن ابی الدنیا والطبرانی فی الصغير باسناد حسن ورواه ابن ماجة مختصرًا باسناد جيد۔ كذا فی الترغيب وذكر له الزبيدی طرقا عديدة)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جن میں ایک میں بھی تھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک انصاری نے حضورؐ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھ دار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے ہوں اور موت کے لیے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اعزاز لے اُڑے۔

ف: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے موت کو کثرت سے یاد کرنے اور یاد رکھنے کے بارے میں بہت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض روایات اس رسالہ میں قریب ہی امیدوں کے مختصر کرنے کی حدیث کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔ ان میں حضورؐ کا حکم بھی مختلف روایات میں گذر چکا ہے کہ لذتوں کے توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ حضورؐ کے اس اہتمام ہی کی وجہ سے اس مضمون کو مستقل بھی ذکر کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا امیدوں کے مختصر ہونے کا بھی ذریعہ ہے، موت کی تیاری کا بھی سبب ہے، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہونے کا بھی سبب ہے جو اصل مقصود ہے مال کو جمع کر کے بے کار چھوڑ جانے سے بھی روکنے والا ہے، آخرت کے لیے ذخیرہ جمع

کر لینے میں بھی مُعین ہے اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنے پر بھی اُبھارنے والا ہے۔ دوسروں پر ظلم و ستم اور دوسرے کے حقوق کو ضائع کرنے سے بھی روکنے والا ہے۔ غرض یہ عمل بہت سے فوائد اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے مشائخ سلوک کا بھی معمول ہے کہ اپنے مریدین میں سے اکثروں کو جن کے مناسب حال ہو اس کا مراقبہ خاص طور سے تلقین کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک جوان مجلس میں کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مؤمنین میں سب سے زیادہ سمجھدار کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنے والا اور اس کے آنے سے پہلے پہلے اس کے لئے بہترین تیاری کرنے والا (اتحاف)۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قرآن پاک کی آیت فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ۔ الآیۃ (انعام ع ۱۵) تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:-

"حق تعالیٰ شانہٗ جس کو ہدایت فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں اسلام کیلئے اس کے سینے کو کھول دیتے ہیں" (کہ اسلام کے متعلق اس کو شرح صدر ہو جاتا ہے)

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ (اسلام کا) نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! اس کی (کہ اسلام کا نور سینہ میں داخل ہو گیا) کوئی علامت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دھوکے کے گھر (دُنیا سے) بُعد پیدا ہونا۔ ہمیشہ رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف رجوع اور موت آنے سے پہلے اس کیلئے تیاری (مشکوٰۃ) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ مجھے اس کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ تم لوگ قبرستان جایا کرو اسلئے کہ یہ چیز موت کو یاد دلاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس سے عبرت ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قبرستان جانے سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قبرستان جایا کرو، اس سے تم کو آخرت یاد آئے گی، اور مُردوں کو غسل دیا کرو کہ یہ (نیکیوں سے) خالی بدن کا علاج ہے، اور اس سے بہت بڑی نصیحت حاصل ہوتی ہے، اور

جنازہ کی نماز میں شرکت کیا کرو شاید اس سے کچھ رنج وغم تم میں پیدا ہو جائے، کہ غمگین آدمی (جس کو آخرت کا غم ہو) اللہ تعالیٰ کے سایہ میں رہتا ہے اور ہر خیر کا طالب رہتا ہے (ترغیب)۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ بیماروں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں کے ساتھ جایا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک حکیم کسی جنازہ کے ساتھ جارہے تھے۔ راستہ میں لوگ اس میت پر افسوس اور رنج کر رہے تھے۔ وہ صاحب فرمانے لگے کہ تم اپنے اُوپر رنج اور افسوس کرو تو زیادہ مفید ہے۔ یہ تو چلا گیا۔ اور تین آفتوں سے نجات پا گیا۔ آئندہ مَلَکُ المَوت کے دیکھنے کا خوف اس کو نہیں رہا۔ موت کی سختی جھیلنے کی اب اس کو نوبت نہیں آئے گی بُرے خاتمہ کا خوف ختم ہو گیا (اپنی فکر کرو کہ یہ تینوں مرحلے تمہارے لئے باقی ہیں) حضرت اَبُو الدَّردا رضی اللہ عنہ ایک جنازہ کے ساتھ جارہے تھے۔ کسی راستہ چلنے والے نے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ فرمانے لگے کہ یہ تیرا جنازہ ہے۔ اور اگر تجھے یہ بات گراں گذرے تو میرا جنازہ ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ وقت اپنی موت کے یاد کرنے کا ہے۔ اس وقت فضول بات کی طرف مُتوجّہ ہونا بالکل نامناسب ہے)۔ حضرت حَسَن بصریؒ کا اِرشاد ہے کہ تعجب اور بہت زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جن کو (آخرت کے) سفر کے لئے توشہ تیار کرلینے کا حکم ملا ہوا ہے اور روانگی عنقریب ہونے کا اعلان ہو چکا ہے۔ پھر بھی یہ لوگ (دنیا کے) کھیل میں مشغول ہیں۔ ان کے مُتعلق مشہور ہے کہ جب یہ کسی جنازہ کو دیکھتے تو ان کا ایسا حال رنج وغم سے ہوتا جیسا کہ ابھی اپنی ماں کو دفن کر کے آئے ہوں (تنبیہ الغافلین)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت اُن کے پاس آئی اور (کسی احسان کے بدلہ میں) کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ حُضورؐ نے فرمایا۔ بیشک قبروں میں بھی عذاب ہوتا ہے اور اس کے بعد سے (لوگوں کی تعلیم کے لئے) ہمیشہ حضورؐ ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں حُضورؐ کا اِرشاد ہے کہ مُردوں پر قبر میں

40

ایسا سخت عذاب ہوتا ہے کہ اس کی آواز چوپائے تک سُنتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم (خوف کی وجہ سے) مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے۔ ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی دُعا کرتا کہ تمہیں قبر کے عذاب کی آواز سُنا دے۔ حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا زیادہ جنّت اور جہنّم کے ذکر سے بھی نہیں روتے جتنا قبر کے تذکرہ سے روتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے سہولت سے چھوٹ گیا اُس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں سب آسان ہیں۔ اور جو اس میں (عذاب میں) پھنس گیا، اس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت ہیں۔ اور میں نے حضورؐ سے یہ بھی سُنا ہے کہ میں نے کوئی منظر ایسا نہیں دیکھا کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ سخت نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ قبر میں روزانہ صبح اور شام دو وقت میّت کو اس کا وہ گھر دکھایا جاتا ہے جس میں وہ قیامت کے بعد جائے گا۔ اگر وہ جنّت والوں میں ہے تو جنّت کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اس کو قبر ہی میں فرحت اور سُرور حاصل رہتا ہے) اور اگر وہ جہنّم والوں میں ہوتا ہے تو جہنّم کا مکان دکھایا جاتا ہے (جس سے اس کے رنج و غم فکر و خوف میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عورت میرے دروازہ پر آئی۔ اور بھیک مانگنے لگی کہ مجھے کچھ کھانے کو دے دو اللہ تعالیٰ تمہیں دجّال کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو ٹھہرا لیا۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے۔ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس یہودی عورت نے یہ دو باتیں کہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دجّال کا فتنہ ایسا ہے کہ کوئی نبی پہلے انبیاءؑ میں سے ایسے نہیں گذرے جنہوں نے اپنی اُمّت کو اس کے فتنہ سے نہ ڈرایا ہو۔ لیکن میں اس کے متعلق ایک بات کہتا ہوں جو اب تک کسی نبیؑ نے نہیں کہی۔ وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہے اور اس کی پیشانی پر

کافر کا لفظ لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر مؤمن پڑھ لے گا۔ اور قبر کے فتنہ کی بات یہ ہے کہ جب کوئی نیک بندہ مرتا ہے تو فرشتے اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں۔ وہ ایسی حالت میں بیٹھتا ہے کہ نہ اس کو کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے، نہ اس پر کوئی غم مُسلّط ہوتا ہے۔ پھر اس سے اوّل تو اسلام کے مُتعلق سُوال کیا جاتا ہے کہ تُو اسلام کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اس کے بعد پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تُو اُس شخص (یعنی حُضورِ اقدس صلّی اللہُ علیہِ وسلّم) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلّی اللہُ علیہِ وسلّم ہیں جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے پاس سے ہمارے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے۔ ہم نے ان سب کو سچّا مانا جو حُضورؐ لے کر آئے تھے۔ اس کے بعد اس کو اوّل دوزخ کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے جہاں وہ دیکھتا ہے کہ آدمی ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کو دیکھ۔ حق تعالیٰ شانُہٗ نے تجھے اس آفت سے نجات عطا فرمادی۔ اس کے بعد اس کو جنّت کا ایک مقام دکھایا جاتا ہے جہاں وہ نہایت زیب و زینت دیکھتا ہے اور اس کے لُطف کے مناظر دیکھتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اس میں یہ جگہ تیرے رہنے کی ہے (قیامت کے بعد تُو یہاں لایا جائے گا) تُو دنیا میں آخرت کا یقین کرنے والا تھا اور اسی پر تیری موت ہوئی۔

اور اسی پر قیامت میں تُو قبر سے اُٹھایا جائے گا۔ اور جب کوئی بُرا آدمی مرتا ہے تو اس کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ نہایت گھبراہٹ اور خوف زدہ ہو کر بیٹھتا ہے اور اس سے بھی وہی سُوال ہوتا ہے (جو پہلے گذرا) وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو کچھ خبر نہیں، لوگوں کو میں نے جو کہتے سُنا تھا وہی میں بھی کہہ دیتا تھا۔ اس کے لئے اوّل جنّت کا دروازہ کھول کر اس کو وہاں کی زیب و زینت اور جو نعمتیں وہاں ہیں دکھائی جاتی ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہاں تیرا اصل مقام تھا۔ مگر تجھے یہاں سے ہٹا دیا گیا۔ پھر اس کو جہنّم دکھائی جاتی ہے۔ جہاں ایک پر دوسرا ٹوٹا پڑتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے۔ تُو دنیا میں شک ہی میں رہا اسی پر مرا، اسی پر قیامت میں اُٹھایا جائے گا (ترغیب)۔ حضرت ابُوقتادہؓ فرماتے

ہیں کہ حضورؐ کے پاس کو ایک جنازہ گذرا۔ حضورؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص یا تو راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت ہو گئی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ تو مر کر دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے راحت پا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کے اندر چلا جاتا ہے (یہ تو راحت پانے والا ہوا) اور فاجر آدمی جب مرتا ہے تو دوسرے آدمی اور آبادیاں اور درخت اور جانور سب کے سب اس کی موت سے راحت پاتے ہیں (مشکوٰۃ) اس لئے کہ اس کے گناہوں کی نحوست سے دنیا میں آفات نازل ہوتی ہیں بارش بند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے شہروں میں فساد ہوتا ہے اور درخت خشک ہونے لگتے ہیں، جانوروں کو چارہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی موت سے سب کو راحت ملتی ہے کہ اس کی نحوست سے سب کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسا کوئی اجنبی بلکہ راستہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، اور جب شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر۔ اور اپنی صحت کے زمانہ میں مرض کے زمانہ کے لئے توشہ لے لے۔ (کہ جو اعمال صحت میں کرتا ہوگا مرض میں اُن کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی زندگی میں موت کے لئے توشہ لے لے (مشکوٰۃ) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک جنازہ کے ساتھ چلے۔ قبرستان میں پہنچ کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کے پاس تشریف رکھی اور ارشاد فرمایا کہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان نہیں کرتی کہ اے آدم کے بیٹے تو مجھے بھول گیا۔ میں تنہائی کا گھر ہوں، اجنبیت کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، میں نہایت تنگی کا گھر ہوں، مگر اس شخص کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ مجھے وسیع بنا دے۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہٗ کا انتقال ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اُن کی

تعریف کرنے لگے۔ اور ان کی کثرت سے عبادت کا حال بیان کرنے لگے۔ حضورؐ سکوت کے ساتھ سنتے رہے۔ جب وہ حضرات چُپ ہوئے تو حضورؐ نے دریافت کیا کہ یہ موت کو کبھی یاد کیا کرتے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اس کا ذکر تو نہیں کرتے تھے۔ پھر حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اپنے جی چاہنے کی چیزوں کو چھوڑ دیتے تھے (کہ کسی چیز کے کھانے کو مثلاً دل چاہتا ہو اور نہ کھاتے ہوں) صحابہؓ نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں ہوتا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ صحابی اُن درجوں کو نہ پہنچیں گے جن کو تم لوگ (جو اُن دونوں چیزوں کو کرتے ہوں) پہنچ جاؤ گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی مجلس میں ایک صحابی کی عبادت اور مجاہدہ کی کثرت کا ذکر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ موت کو کتنا یاد کرتے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کا تذکرہ تو ہم نے نہیں سُنا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو پھر وہ اس درجہ کے نہیں ہیں (جیسا تم سمجھ رہے ہو)۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک جنازہ کے دفن میں شریک ہوئے۔ حضورؐ نے وہاں جا کر ایک قبر کے قریب تشریف رکھی۔ اور اتنا روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ اور ارشاد فرمایا کہ بھائیو! اس چیز کے لئے (یعنی قبر میں جانے کے لئے) تیاری کر لو۔ (ترغیب)۔

حضرت شقیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ آدمی چار چیزوں میں زبان سے تو میری موافقت کرتے ہیں اور عمل سے مخالفت کرتے ہیں۔ ۱: وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے بندے (اور غلام) ہیں۔ اور کام آزاد لوگوں کے سے کرتے ہیں۔ ۲: یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ شانہٗ ہماری روزی کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اُن کے دلوں کو (اس کی ذمہ داری پر) اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا جب تک دنیا کی کوئی چیز اُن کے پاس نہ ہو۔ ۳: یہ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے افضل ہے۔ لیکن دنیا کے لئے مال جمع کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں (آخرت کا کچھ بھی فکر نہیں)۔ ۴: کہتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے آ کر رہے گی لیکن اعمال ایسے لوگوں سے کرتے ہیں جن کو کبھی مرنا ہی نہ ہو۔ ابُو حامد لفافؒ کہتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے اس کے اوپر تین چیزوں کا اِکرام ہوتا ہے۔ ۱: توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے۔ ۲: مال میں قناعت میسّر ہوتی ہے۔ ۳: اور عبادت میں

نشاط اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے، اس پر تین عذاب مُسَلّط کئے جاتے ہیں۔ ۱: گناہ سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے۔ ۲: آمدنی پر راضی نہیں ہوتا (اس کو کم ہی سمجھتا رہتا ہے چاہے کتنی ہی ہو جائے)۔ ۳: اور عبادات میں سُستی پیدا ہوتی ہے (تنبیہ الغافلین)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں صرف اسی پاک ذات کے لئے ہیں جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت سے مروڑ دیں۔ اور اُونچے اُونچے بادشاہوں کی کمریں موت سے توڑ دیں۔ اور بڑے بڑے خزانوں کے مالکوں کی اُمیدیں موت سے ختم کر دیں۔ یہ سب لوگ ایسے تھے جو موت کے ذکر سے بھی نفرت کرتے تھے لیکن اللہ کا جب وعدہ (موت کا وقت) آیا تو ان کو گڑھے میں ڈال دیا۔ اور اُونچے محلوں سے زمین کے نیچے پہنچا دیا۔ اور بجلی اور قمقموں کی روشنی میں نرم بستروں سے قبر کے اندھیرے میں پہنچا دیا۔ غلاموں اور باندیوں سے کھیلنے کے بجائے زمین کے کیڑوں میں پھنس گئے۔ اور اچھے اچھے کھانے اور پینے میں لُطف اُڑانے کے بجائے خاک میں لوٹنے لگے۔ اور دوستوں کی مجلسوں کے بجائے تنہائی کی وحشت میں گرفتار ہو گئے۔ پس کیا ان لوگوں نے کسی مضبوط قلعہ کے ذریعہ موت سے اپنی حفاظت کر لی؟ یا اس سے بچنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کر لیا؟ پس وہ ذات پاک ہے جس کے قہر اور غلبہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور ہمیشہ رہنے کے لئے صرف اسی کی تنہا ذات ہے، کوئی اس کا مِثل نہیں۔ پس جب موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے اور مٹی میں جا کر ملنا ہے اور قبر کے کیڑوں کا ساتھی بننا ہے، اور مُنکر نکیر سے سابقہ پڑنا ہے، اور زمین کے نیچے مدّتوں رہنا ہے، اور وہی بہت طویل زمانہ تک ٹھکانا ہے، اور پھر قیامت کا سخت مَنظَر دیکھنا ہے، اور اس کے بعد معلوم نہیں کہ جنّت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانا ہے، تو نہایت ضروری ہے کہ موت کا فکر ہر وقت آدمی پر مُسَلّط رہے۔ اُسی کے ذکر مذکرہ کا مَشغَلہ رہے۔ اُسی کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہے۔ اُسی کا اہتمام ہر چیز پر غالب رہے اور اس کی آمد کا ہر وقت انتظار رہے کہ اُس کے آنے کا کوئی وقت مُقرر نہیں، نہ معلوم کب آجائے۔

اسی لئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سمجھ دار شخص وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے، اور موت کے بعد کام آنے والی چیزوں میں مشغول رہے۔ اور کسی کام کے لئے تیاری اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ ہر وقت اس کا اہتمام رہے اس کا ذکر تذکرہ رہے۔ اس لئے کہ جو شخص دنیا میں منہمک ہے اور اس کے دھوکہ کی چیزوں میں پھنسا ہوا ہے، اس کی شہوتوں پر فریفتہ ہے۔ اس کا دل موت سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ اور اگر موت کا ذکر بھی کیا جائے تو اس کی طبیعت کو اس سے تکدر اور کراہیت ہوتی ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ	آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس موت سے
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ	تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی۔ پھر
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ	تم اس پاک ذات کی طرف لے جائے
الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ	جاؤ گے جو ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کو
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جمعہ ع ۱)	جاننے والی ہے۔ پھر وہ تم کو تمہارے

سب کئے ہوئے کام جتا دے گی (اور ان کا بدلہ دے گی)۔

علماء نے لکھا ہے کہ موت کے بارے میں آدمی چار طریقے کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو دنیا میں منہمک ہیں۔ جن کو موت کا ذکر بھی اس وجہ سے اچھا نہیں لگتا کہ اس سے دنیا کی لذتیں چھوٹ جائیں گی۔ ایسا شخص موت کو کبھی یاد نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی کرتا بھی ہے تو برائی کے ساتھ۔ اس لئے کہ دنیا کے چھوٹنے کا اس کو قلق اور افسوس ہوتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا توبہ مگر ابتدائی حالت میں ہے۔ موت کے ذکر سے اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوتا ہے اور اس سے توبہ میں پختگی بھی ہوتی ہے۔ یہ شخص بھی موت سے ڈرتا ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ دنیا چھوٹ جائے گی بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی توبہ تام نہیں ہے۔ یہ بھی ابھی مرنا نہیں چاہتا تاکہ اپنے حال کی اصلاح کرلے۔ اور اس کے فکر میں لگا ہوا ہے۔ تو یہ شخص موت کے ناپسند کرنے میں معذور ہے۔ اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں

داخل ہوگا جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ بھی اس کے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ شخص حقیقت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی مُلاقات سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور کوتاہی سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو محبوب کی مُلاقات کے لئے اس سے پہلے کچھ تیاری کرنا چاہتا ہو تاکہ محبوب کا دل خوش ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ شخص اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہتا ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ اس کو نہ ہو۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ بھی پہلے ہی جیسا ہے۔ یہ بھی دنیا میں مُنہمک ہی ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو عارف ہے۔ اُس کی توبہ کامل ہے۔ یہ لوگ موت کو محبوب رکھتے ہیں اس کی تمنائیں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ عاشق کے لئے محبوب کی ملاقات سے زیادہ بہتر وقت کونسا ہوگا۔ موت کا وقت ملاقات کا وقت ہے۔ عاشق کو وصل کے وعدہ کا وقت ہر وقت خود ہی یاد رہا کرتا ہے، وہ کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولتا۔ یہی لوگ ہیں جن کو موت کے جلدی آنے کی تمنائیں رہتی ہیں۔ وہ اسی قلق میں رہتے ہیں کہ موت آہی نہیں چکتی کہ اس معاصی کے گھر سے جلد خلاصی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حُذیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو فرمانے لگے کہ محبوب (موت) احتیاج کے وقت آیا۔ جو نادم ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ ہمیشہ مجھے فقر، غنا سے زیادہ محبوب رہا۔ اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ رہی۔ اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب رہی۔ مجھے جلدی سے موت عطا کر دے کہ تجھ سے ملوں۔ چوتھی قسم جو سب سے اونچا درجہ ہے اُن لوگوں کا ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے مقابلہ میں تمنا بھی نہیں رکھتے۔ وہ اپنی خواہش سے اپنے لئے نہ موت کو پسند کرتے ہیں نہ زندگی کو۔ یہ عشق کی اِنتہا میں رضا اور تسلیم کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں بہرحال موت کا ذکر ہر حالت میں مُوجِب اجر و ثواب ہے کہ جو شخص دنیا میں مُنہمک ہے اس کو بھی موت کے ذکر سے اُس کی لذتوں میں کمی آئے گی اور کچھ نہ کچھ تو دنیا سے بُعد پیدا ہوہی گا۔ اسی لئے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے

کہ لذتوں کی توڑنے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ یعنی اس کے ذکر سے اپنی لذتوں میں کمی کیا کرو۔ تاکہ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع ہو سکے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر جانوروں کو موت کے متعلق اتنی معلومات ہوں جتنی تم لوگوں کو ہیں تو کبھی کوئی موٹا جانور تم کو کھانے کو نہ ملے (موت کے خوف سے سب دبلے ہو جائیں)۔ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص (بغیر شہادت کے بھی) شہیدوں کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بیس۲۰ مرتبہ موت کو یاد کرے، وہ ہو سکتا ہے۔ (ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص پچیس مرتبہ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ پڑھے وہ شہیدوں کے درجہ میں ہو سکتا ہے) اور ان سب فضیلتوں کا سبب یہی ہے کہ موت کا کثرت سے ذکر کرنا اس دھوکہ کے گھر سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے اور موت سے غفلت، دنیا کی شہوتوں اور لذتوں میں انہماک پیدا کرتی ہے۔ عطاء خراسانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مجلس پر گذر ہوا۔ جہاں زور سے ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی مجالس میں لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز کا تذکرہ شامل کر لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ لذتوں کو مکدر کرنے والی چیز کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ موت۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد آیا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ یہ گناہوں کو زائل کرتی ہے۔ اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے (احیاء)۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے کے بعد تم پر کیا کیا گذرے گی تو کبھی رغبت سے کھانا نہ کھاؤ، کبھی لذت سے پانی نہ پیو۔ ایک صحابی کو حضورؐ نے وصیت فرمائی کہ موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ یہ تمہیں دوسری چیزوں میں رغبت سے ہٹا دے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ جو شخص موت کا کثرت سے ذکر کرتا ہے اس کا دل زندہ ہو جاتا ہے اور موت اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مجھے موت سے محبت نہیں ہے، کیا علاج کروں۔ حضورؐ نے فرمایا۔

تمہارے پاس کچھ مال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اس کو آگے چلتا کردو۔ آدمی کا دل مال سے لگا رہتا ہے۔ جب اس کو آگے بھیج دیتا ہے تو خود بھی اس کے پاس جانے کو دل چاہتا ہے۔ اور جب پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو خود بھی اس کے پاس رہنے کو دل چاہتا ہے (اتحاف)۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فرماتے۔ لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، عنقریب قیامت کا زلزلہ پھر صور پھونکنے کا وقت آ رہا ہے اور (ہر شخص کی) موت اپنی ساری سختیوں سمیت آ رہی ہے (مشکوٰۃ) حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو علماء کے مجمع کو بلاتے جو موت کا اور قیامت کا اور آخرت کا ذکر کرتے اور ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔ ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی ہر لذت کو منقطع کر دیا۔ ایک موت نے دوسرے قیامت میں حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر نے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو پہچان لے اُس پر دنیا کی ساری مصیبتیں آسان ہیں۔ اشعثؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے پاس جب بھی حاضر ہوتے، جہنم کا اور آخرت کا ذکر ہوتا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے اپنے دل کی قساوت کی شکایت کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ موت کا تذکرہ کثرت سے کیا کرو، دل نرم ہو جائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کیا (احیاء)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ موت کا معاملہ نہایت خطرناک ہے اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں۔ اول تو اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے اس لئے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں ہے ـــــ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل کو سب طرف سے بالکل فارغ کر کے اس کو اس طرح سوچے کہ گویا وہ سامنے ہی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور جانے والے احباب کا حال سوچے کہ کیونکر ان کو چارپائی پر لے جا کر مٹی کے نیچے داب دیا۔ اُن کی صورتوں کا، اُن کے اعلیٰ منصوبوں کا خیال کرے، اور یہ غور کرے کہ

اب مٹی نے کس طرح ان کی اچھی صورتوں کو پلٹ دیا ہوگا۔ ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے ہوں گے۔ کس طرح بچوں کو یتیم، بیوی کو بیوہ اور عزیز و اقارب کو روتا چھوڑ کر چل دیئے۔ اُن کے سامان، اُن کے مال، اُن کے کپڑے پڑے رہ گئے۔ یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا۔ کس طرح وہ مجلسوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ آج خاموش پڑے ہیں۔ کس طرح دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے، آج مٹی میں ملے پڑے ہیں۔ کیسا موت کو بھلا رکھا تھا۔ آج اس کے شکار ہوگئے۔ کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے، آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ کیسے دنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، آج ہاتھ الگ پڑا ہے، پاؤں الگ ہے، زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے۔ کیسا کھلکھلا کر ہنستے تھے۔ آج دانت گرے پڑے ہونگے کیسی کیسی تدبیریں سوچتے تھے، برسوں کے انتظام سوچتے تھے۔ حالانکہ موت سر پر تھی، مرنے کا دن قریب تھا، مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ آج رات کو میں نہیں ہوں گا۔ یہی حال میرا ہے۔ آج میں اتنے انتظامات کر رہا ہوں، کل کی خبر نہیں کیا ہوگا۔ (احیاء) ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں   سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

آسمانوں پر جو فرشتے مختلف کاموں پر متعین ہیں اُن کو سال بھر کے احکامات ایک رات میں مل جاتے ہیں کہ اس سال فلاں فلاں کام کرنے ہیں۔ اور فلاں فلاں شخص کے متعلق یہ عمل درآمد ہوگا اس میں روایات مختلف ہیں کہ یہ احکام لیلۃ القدر میں ملتے ہیں یا شب برأت میں۔ جونسی بھی رات ہو۔ کثرت سے روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اس رات میں ان سب کی فہرست فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہے جو اس سال میں مرنے والے ہیں۔ دنیا میں آدمی نہایت غفلت سے اپنے لہو و لعب میں مشغول ہوتا ہے۔ اور آسمانوں پر اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا ہے۔ اس کی موت کا حکم صادر ہوچکا ہے جس میں نہ کسی سفارش کی گنجائش ہے۔ نہ اس حکم کا اپیل ہے، نہ جو وقت اس کی موت کا تجویز ہوا ہے اس میں ایک منٹ

کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سورۂ دخان کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لَیْلَۃُ الْقَدْر میں لوحِ محفوظ سے ان سب چیزوں کو نقل کیا جاتا ہے جو اس سال میں ہونے والی ہیں کہ اتنا اتنا رزق دیا جائے گا۔ فلاں فلاں مرے گا۔ فلاں فلاں پیدا ہوگا۔ اتنی بارش ہوگی۔ حتیٰ کہ یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ اس سال فلاں فلاں شخص حج کو جائے گا۔ ایک حدیث میں ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ تو آدمی کو دیکھے گا کہ وہ بازار میں چل پھر رہا ہے لیکن اس کا نام اس سال کے مُردوں میں لکھا جا چکا ہے۔ ابُو نضرۃؒ کہتے ہیں کہ اس رات میں سال بھر کے سارے کام (فرشتوں پر) منقسم کر دیئے جاتے ہیں۔ تمام سال کی بھلائی، بُرائی، روزی اور موت، تکلیفیں اور نرخوں کی ارزانی اور گرانی تمام سال کی دے دی جاتی ہے۔ حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ شبِ برأت میں سال بھر کے احکام طے کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس سال کے مُردوں کی فہرست اور حج کرنے والوں کی فہرست دے دی جاتی ہے۔ نہ اُن میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک جتنے مرنے والے ہیں اُن سب کے اوقات لکھ کر دے دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آدمی دنیا میں نکاح کرتا ہے، اس کے بچہ پیدا ہوتا ہے، لیکن آسمان میں اُس کا نام مُردوں کی فہرست میں آچکا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شعبان میں بہت کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اس لیے کہ اس میں تمام سال میں مرنے والوں کی فہرست مرتب ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرنے میں مشغول ہے اور وہاں اُس کا نام مُردوں میں لکھا گیا۔ ایک آدمی حج کو جا رہا ہے اور اُس کا نام مُردوں میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے اس کی وجہ دریافت کی کہ حضورؐ شعبان میں روزے بہت کثرت سے رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس میں سال بھر کے مُردوں کی فہرست بنتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا نام جب مُردوں کی فہرست میں آئے تو میں روزہ دار ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نصف شعبان کی رات کو حق تعالیٰ شانُہٗ مَلَکُ الْمَوْت کو اس سال میں مرنے والوں کی اطلاع

فرمادیتے ہیں۔ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ روزانہ ہمیشہ جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ جو نیک کام کرنا ہے کرلے، آج کا دن تیری عمر میں پھر کبھی نہیں آئے گا (اس لئے اس دن میں تیری جو نیکیاں لکھی جا سکتی ہوں لکھوالے) اور دو فرشتے آسمان سے اعلان کرتے ہیں۔ایک اُن میں سے کہتا ہے۔اے نیکی کے طلب کرنے والے خوشخبری لے (اور آگے بڑھ)۔اور دوسرا کہتا ہے۔اے بُرائی کرنے والے بس کر اور رُک جا (اپنی ہلاکت کا سامان اکٹھا نہ کر)۔اور دو فرشتے اعلان کرتے ہیں، جن میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ، خرچ کرنے والے کو اس کا بدل دے۔اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ مال کو روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو ملکُ الموت کو ایک فہرست دیدی جاتی ہے کہ اس میں جن کے نام ہیں اُن سب کی اس سال میں رُوح قبض کر لی جائے۔ یہاں ایک آدمی فرش فروش میں لگا ہوا ہے، نکاح کرنے میں مشغول ہے، مکان کی تعمیر کرا رہا ہے، اور وہاں مُردوں کی فہرست میں آگیا (درمنثور)۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی مسکین پر اگر کوئی آفت، کوئی مصیبت، کوئی حادثہ، کوئی رنج، کوئی تکلیف، کوئی مشقّت، کوئی خوف کبھی بھی نہ آئے، تب بھی موت کی سختی، نزع کی حالت اور اس کا اندیشہ ایسی چیز ہے جو اس کی ساری لذتوں کو مکدّر کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس کے سارے راحت و آرام کو کھو دینے والی چیز ہے۔اسکی غفلت کو زائل کر دینے کیلئے اسی کا فکر بہت کافی ہے۔یہی چیز خود اتنی سخت ہے کہ اس کے فکر اور اسکی تیاری میں آدمی کو ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے۔بالخصوص ایسی حالت میں کہ اس کا وقت معلوم نہیں کہ کب آکر مسلّط ہو جائے۔ایک حکیم کا قول ہے کہ رسّی دوسرے کے ہاتھ میں ہے نہ معلوم کب کھینچ لے۔حضرت لقمان علیہ السلام کا ارشاد اپنے بیٹے سے ہے کہ موت ایسی چیز ہے جس کا حال معلوم نہیں کہ کب آپہنچے۔اس کے لئے اس سے پہلے پہلے تیاری کرلے کہ وہ دفعۃً آجائے۔اور واقعی بڑے تعجّب کی بات ہے کہ اگر آدمی انتہائی لذتوں میں مشغول ہو، لہو و لعب کی اونچی مجلس میں شریک ہو اور اس کو یہ معلوم ہو جائے،

کہ ایک سپاہی اس کی تلاش میں ہے جو (کسی جرم کی سزا میں) اس کے پانچ کوڑے مارے گا تو ساری لذّت، سارا عیش و آرام مکدّر ہو جائے گا (بلکہ اگر صرف اتنا ہی معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس اس کی گرفتاری کا وارنٹ ہے وہ آج کل میں اس کو گرفتار کرے گا تب بھی ساری لذّتیں ختم ہو جائیں گی، رات کو نیند اُڑ جائے گی) حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ مَلَکُ الْمَوْت ہر وقت اس پر مُسَلّط ہے، اور موت کی سختیاں (جو ہزاروں کوڑوں سے بڑھ کر ہیں) اس پر مُسَلَّط کرنے والا ہے، پھر بھی ہر وقت اس سے غافل رہتا ہے۔ یہ جہالت اور غُرور کی اِنتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت کی سختی کا حال وہی جانتا ہے جس پر گذر چکی ہے، دوسرے کو اس کی سختی کا حال معلوم نہیں ہوتا، وہ صرف قیاس کر سکتا ہے یا مرنے والوں کی حالت دیکھ کر کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور قیاس اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ یہ تو ظاہر چیز ہے کہ بدن کے جس حصّہ میں روح نہیں ہوتی، اُس کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی (بدن کی جو کھال مُردہ ہو جاتی ہے اس کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی) لیکن جس عُضو میں اور جس حصّہ میں جان ہوتی ہے اس میں سوئی چبھونے سے یا اُس کے کاٹنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ پس بدن کے جس عُضو پر کوئی زخم ہوتا ہے یا اس کو کاٹا جاتا ہے یا وہ جل جاتا ہے تو اس سے تکلیف اس وجہ سے پہنچتی ہے کہ رُوح کو اور زندگی کو اس حصّہ بدن سے تعلّق ہے۔ اُس تعلّق کی وجہ سے اس عُضو کے ذریعہ سے رُوح پر اثر پہنچتا ہے۔ اور رُوح سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے تو ہر ہر عُضو میں اس کا بہت تھوڑا سا حصّہ اثر کئے ہوئے ہے اور جتنا حصّہ اُس عضو میں ہے اُسی کے بقدر رُوح کو تکلیف پہنچتی ہے جو بہت تھوڑا سا حصّہ ہے۔ لیکن جو تکلیف اَعضاء کی بجائے براہِ راست ساری رُوح کو پہنچے جو موت کے وقت ہوتی ہے اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ کتنی ہو گی۔ اس لئے کہ موت براہِ راست ساری رُوح کو کھینچتی ہے جو بدن کے سارے اَعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسی لئے بدن کا کوئی حصّہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں آتنی ہی تکلیف نہ ہو جتنی کہ اس کے کاٹنے

میں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کسی عُضو کے کاٹنے سے اس وجہ سے تکلیف ہوتی ہے کہ رُوح اس سے جُدا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ مُردہ ہو اس میں رُوح نہ ہو تو اس کے کاٹنے سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ پس جب رُوح کے ذرا سے حصہ کے جُدا ہونے سے اتنی تکلیف ہوتی ہے تو جب ساری رُوح کو بدن کے تمام حصوں سے کھینچا جائیگا تو ظاہر ہے کہ کتنی تکلیف ہوگی۔ لیکن بدن کا اگر ایک حصہ کاٹا جاتا ہے تو رُوح کا بقیہ حصہ سارے بدن میں موجود ہوتا ہے، وہ اس وقت قوی ہوتا ہے اس لیے آدمی چلاتا ہے تڑپتا ہے۔ مگر جب ساری رُوح کھینچی جاتی ہے تو اس میں ضُعف کی وجہ سے اتنی قوت نہیں رہتی کہ وہ کراہنے سے کچھ آرام پالے۔ البتہ اگر بدن قوی ہوتا ہے تو اس کے بقدر سانس کے اُکھڑنے کے وقت اس میں آواز پیدا ہوتی ہے جو سُنائی دی جاتی ہے۔ قوت نہیں ہوتی تو یہ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے نکلنے کے بعد ہر عُضو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں، اس لیے کہ رُوح پاؤں کی طرف سے سب سے پہلے کھنچتی ہے اور وہاں سے نکل کر مُنہ کے ذریعہ سے جاتی ہے۔ پھر پنڈلیاں ٹھنڈی ہوتی ہیں پھر رانیں۔ اسی طرح ہر ہر عُضو ٹھنڈا ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر ایک عُضو کو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی اس کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب رُوح حلق تک پہنچتی ہے تو آنکھوں سے نُور جاتا رہتا ہے۔ اسی وجہ حُضُورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی دعاؤں میں یہ بھی دعا ہے کہ یا اللہ مجھ پر موت کی اور نزع کی سختی آسان فرما۔ لوگ بھی حُضُور کے اتباع میں اس دعا کو مانگتے ہیں۔ مگر اس کی تکلیف سے ناواقف ہونے کی وجہ سے سرسری طور پر مانگ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرامؑ اور اولیاء عظامؒ موت سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اپنے حواریّین سے ہے کہ میرے لیے حق تعالیٰ شانُہٗ سے اس کی دعاء کرو کہ نزع کی تکلیف مجھ پر آسان ہو جائے کہ موت کے ڈر نے مجھے موت کے قریب پہنچا دیا کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے عابد لوگوں کی ایک جماعت ایک قبرستان میں پہنچی۔ اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حق تعالیٰ

شانہٗ سے اس کی دعا کی جائے کہ ان میں سے کوئی مُردہ ظاہر ہو جس سے ہم پوچھیں کہ کیا گذری۔ ان لوگوں نے دُعا کی۔ ایک مُردہ اُن پر ظاہر ہوا جس کی پیشانی پر کثرت سے سجدہ کرنے کا نشان بھی پڑا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو مجھے مرے ہوئے پچاس سال ہو گئے لیکن موت کے وقت کی تکلیف اب تک میرے بدن سے نہیں گئی۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یا اللہ تُو رُوح کو پٹھوں سے، ہڈیوں سے اور انگلیوں میں سے نکالتا ہے۔ مجھ پر موت کی سختی آسان کر دے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ موت کی سختی کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ تین سو جگہ تلوار کی کاٹ سے ہوتی ہے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ جہاد پر جب ترغیب دیتے تو فرماتے کہ اگر تم قتل نہ کیے گئے تو بستروں پر مرو گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہزار جگہ تلوار کی کاٹ سے مرنے کی تکلیف زیادہ سخت ہے۔ اَوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ مُردوں کو قیامت میں اُٹھنے تک موت کی تکلیف کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے۔ حضرت شَدَّاد بن اَوسؓ کہتے ہیں کہ موت دنیا اور آخرت کی سب تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے۔ وہ آرہ چلا دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ قینچیوں سے کتر دینے سے زیادہ سخت ہے، وہ دیگ میں پکا دینے سے زیادہ سخت ہے۔ اگر مُردے قبر سے اُٹھ کر مرنے کی تکلیف بتائیں تو کوئی شخص بھی دنیا میں لذت سے وقت نہیں گذار سکتا۔ میٹھی نیند اس کو نہیں آسکتی۔ کہتے ہیں کہ حضرت مُوسیٰ عَلیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کا جب وصال ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے دریافت فرمایا کہ موت کو کیسا پایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی جان کو ایسا دیکھ رہا تھا جیسے زندہ چڑیا کو اس طرح آگ پر بھُونا جا رہا ہو کہ نہ اس کی جان نکلتی ہو نہ اڑنے کی کوئی صورت ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایسی حالت تھی جیسا کہ زندہ بکری کی کھال اُتاری جا رہی ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال ہو رہا تھا۔ تو پانی سے بھرا ہوا پیالہ حضورؐ کے قریب رکھا ہوا تھا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بار بار اپنے

مبارک ہاتھ کو پیالہ میں ڈالتے اور پھر منہ پر ملتے تھے۔ اور فرماتے تھے یا اللہ نزع کی سختی پر میری مدد فرما۔ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؒ سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو آدمی کے اندر داخل کر دیا جائے جس کے ساتھ بدن کا ہر جزو لپٹ جائے۔ پھر ایک دم اس کو کھینچ لیا جائے، اسی طرح جان کھینچی جاتی ہے۔ یہ سب تو نزع کی مختصر کیفیت تھی۔ ان سب کے علاوہ ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتوں کی صورت کا خوف ایک مستقل مرحلہ ہے۔ جس صورت پر وہ گناہ گاروں کی جان نکالتے ہیں وہ ایسی ڈراؤنی صورت ہوتی ہے کہ قوی سے قوی آدمی بھی اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملک الموت سے فرمایا کہ تم جس صورت پر فاجر لوگوں کی جان نکالتے ہو وہ مجھے دکھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اس کا تحمل نہ فرما سکیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں میں تحمل کر لونگا۔ حضرت عزرائیلؑ نے عرض کیا کہ اچھا دوسری طرف منہ کر لیجئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے منہ پھیر لیا اس کے بعد حضرت عزرائیلؑ نے عرض کیا کہ اب دیکھ لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اوپر دیکھا تو ایک نہایت کالا آدمی (دیو کی شکل) بال بہت بڑے بڑے کھڑے ہوئے، نہایت سخت بدبو، کالے کپڑے، اس کے منہ سے، ناک سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ حالت دیکھ کر غش آگیا۔ بڑی دیر میں افاقہ ہوا تو ملک الموت اپنی پہلی صورت پر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر فاجر شخص کے لئے کوئی دوسری آفت نہ ہو تب بھی یہ صورت ہی اس کی آفت کے لئے کافی ہے۔ یہ فاجروں کا حال ہے لیکن اللہ کے مطیع بندوں کی روح نکالنے کے وقت وہ نہایت ہی بہترین صورت میں ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے یہ نقل کیا گیا کہ انہوں نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے اس ہیئت کو بھی دکھاؤ تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان نہایت نفیس لباس پہنے ہوئے خوشبوئیں مہکتی ہوئی سامنے ہے۔ حضرت

ابراہیمؒ نے فرمایا کہ مؤمن کے لئے اگر مرتے وقت اس صورت کے علاوہ کوئی بھی فرحت کی چیز نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جب کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں تو مَلَکُ الْمَوت سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے کی رُوح لے آؤ۔ مَیں اس کو راحت پہنچاؤں۔ اس کا امتحان ہو چکا ہے۔ مَیں جیسا چاہتا تھا۔ وہ ویسا ہی کامیاب نکلا۔ مَلَکُ الْمَوت اُس کے پاس آتے ہیں اور پانچ سو فرشتے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتہ اس شخص کو ایک ایسی خوش خبری اور بشارت دیتا ہے جو دوسروں نے نہ دی ہو۔ اُن کے پاس رَیحان کی ٹہنیاں اور زَعفران کی جڑیں ہوتی ہیں۔ وہ سب فرشتے دو قطاروں میں لائن لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب اِبلیس یہ مَنظر دیکھتا ہے تو اپنا سر پکڑ کر چلانا شروع کر دیتا ہے اس کے حَشَم و خَدَم دوڑے ہوئے آکر پوچھتے ہیں۔ آقا کیا بات ہو گئی؟ وہ کہتا ہے کم بختو! دیکھتے نہیں ہو یہ کیا ہو رہا ہے، تم کہاں مر گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں ہمارے سردار ہم نے تو بہت کوشش کی مگر یہ گناہوں سے محفوظ رہا۔ حضرت جابر بن زیدؓ کے جب اِنتقال کا وقت قریب تھا۔ کسی نے پوچھا۔ کسی چیز کی رغبت ہے؟ فرمایا کہ حَسَنؒ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت حَسَن بَصریؒ تشریف لائے تو لوگوں نے کہا کہ حَسَنؒ آگئے ہیں۔ تو حضرت جابر فرمانے لگے، بھائی یہ رُخصت کا وقت ہے اب جا رہے ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ جنّت کی طرف یا جہنّم کی طرف (احیاء)۔ حضرت تَمیم داریؓ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ مَلَکُ الْمَوت سے فرماتے ہیں کہ میرے فلاں ولی کے پاس جاؤ اور اس کی رُوح لے آؤ۔ مَیں نے اُس کا خوشی میں اور غم میں دونوں میں اِمتحان لے لیا۔ وہ ایسا ہی نکلا جیسا کہ مَیں چاہتا تھا۔ اس کو لے آؤ تاکہ دنیا کی مَشقّتوں سے اُس کو راحت مل جائے۔ مَلَکُ الْمَوت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اُس کے پاس آتے ہیں۔ اُن سب کے پاس جنّت کے کفن ہوتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں میں رَیحان کے گلدستے ہوتے ہیں جن میں ہر ایک میں بیس رنگ ہوتے ہیں اور ہر رنگ میں نئی خوشبو ہوتی ہے۔ اور ایک سفید ریشمی

رومال میں مہکتا ہوا مشک ہوتا ہے۔ مَلَکُ الْمَوت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں۔ اور فرشتے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اس کے ہر عُضو پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ مُشک والا رومال اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں۔ اور جنّت کا دروازہ اس کی نگاہ کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ اس کے دل کو جنت کی نئی نئی چیزوں سے بہلایا جاتا ہے جیسا کہ بچّے کے رونے کے وقت اس کے گھر والے مختلف چیزوں سے اس کا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی اس کی حوریں سامنے کر دی جاتی ہیں، کبھی وہاں کے پھل، کبھی عمدہ عمدہ لباس۔ غرض مختلف چیزیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں اس کی حوریں (بیویاں) خوشی میں کودنے لگتی ہیں۔ ان سب منظروں کو دیکھ کر اس کی رُوح بدن میں پھڑکنے لگتی ہے۔ (جیسا کہ پنجرہ میں جانور نکلنے کو پھڑکتا ہے) اور مَلَکُ الْمَوت اس سے کہتا ہے اے مبارک رُوح چل۔ ایسی بیریوں کی طرف جن میں کانٹا نہیں ہے۔ اور ایسے کیلوں کی طرف جو تُوبتو لگے ہوئے ہیں اور ایسے سایہ کی طرف جو نہایت گہرا اور وسیع ہے، اور پانی بہہ رہے ہیں (یہ چند منظروں کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پاک میں سورۂ واقعہ کی اس آیت شریفہ میں ذکر کیے گئے فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ الآیہ ع ۱) اور مَلَکُ الْمَوت ایسی نرمی سے بات کرتا ہے جیسا کہ ماں اپنے بچّے سے کرتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اسکو یہ بات معلوم ہے کہ یہ رُوح حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں مُقرّب ہے۔ وہ اس روح کے ساتھ لُطف سے پیش آتا ہے تاکہ حق تعالیٰ شانُہٗ اس فرشتے سے خوش ہوں وہ رُوح بدن میں سے ایسی طرح سُہولت سے نکلتی ہے جیسا کہ آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے جب رُوح نکلتی ہے تو سب فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور جنّت میں داخل ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کو قرآن پاک اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ الآیہ (نحل۔ ع ۴) میں ذکر فرمایا ہے۔ اور اگر وہ مُقرّب بندوں میں ہوتا ہے تو سورۂ واقعہ میں اس کے مُتعلق ارشاد ہے فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ (ع ۳)۔ پس جس وقت روح بدن سے جُدا ہوتی ہے تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ

تجھ کو جزائے خیر دے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں جلدی کرنے والا تھا۔ اُس کی نافرمانی میں سُستی کرنے والا تھا۔ تجھے آج کا دن مبارک ہو۔ تُو نے خود بھی عذاب سے نجات پائی اور مجھے بھی نجات دی۔ اور یہی مضمون بدن رخصت کے وقت رُوح سے کہتا ہے۔ اس کی جُدائی پر زمین کے وہ حصّے روتے ہیں جن پر وہ اکثر عبادت کیا کرتا تھا۔ آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جن سے اس کے اعمال اُوپر جایا کرتے تھے اور جن سے اس کا رزق اُترا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ پانچ سو فرشتے میّت کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور جب نہلانے والے اس کو کروٹ دیتے ہیں تو وہ فرشتے فوراً اس کو کروٹ دینے لگتے ہیں۔ اور جب وہ کفن پہناتے ہیں تو اُس سے پہلے وہ فوراً اپنا لایا ہوا کفن پہنا دیتے ہیں۔ جب وہ خوشبو ملتے ہیں تو وہ فرشتے اس سے پہلے اپنی لائی ہوئی خوشبو مَل دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس کے دروازہ سے قبر تک دونوں جانب قطار لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے جنازہ کا دعا اور اِستغفار کے ساتھ اِستقبال کرتے ہیں۔ یہ سارے منظر شیطان دیکھ کر اس قدر زور سے روتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں اور اپنے لشکروں سے کہتا ہے تمہارا ناس ہو جائے یہ تم سے کس طرح چھُوٹ گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم تھا۔ اس کے بعد جب حضرت مَلَکُ الْمَوْت اُس کی رُوح لے کر اُوپر جاتے ہیں تو حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلام ستّر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس کا اِستقبال کرتے ہیں۔ یہ فرشتے اس کو حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے بشارتیں دیتے ہیں۔ اس کے بعد جب مَلَکُ الْمَوْت عَلَیْہِ السَّلام اس کو عرش تک لے جاتے ہیں تو وہاں پہنچ کر وہ رُوح سجدہ میں گر جاتی ہے۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کا اِرشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کی رُوح کو سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ الآیۃ (واقعہ۔ ع ۱) میں پہنچا دو۔ جب اس کی نعش قبر میں رکھی جاتی ہے تو اُس کی نماز اس کے دائیں طرف آ کر کھڑی ہو جاتی ہے، روزہ بائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت اور اللہ کا ذکر سر کی طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جماعت کی نماز کو جو قدم چلے ہیں وہ پاؤں کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور

(مَصائب پر اور گناہوں سے) صبر، قبر کے ایک جانب کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عذاب اس قبر میں اپنی گردن نکالتا ہے اور مُردہ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن وہ اگر دائیں جانب سے آتا ہے تو نماز اس کو کہتی ہے کہ پرے ہٹ یہ شخص خدا کی قسم دنیا میں ہمیشہ مَشَقّت اُٹھاتا رہا، ابھی ذرا راحت سے سویا ہے۔ پھر وہ بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ اسی طرح اس کو ہٹا دیتا ہے۔ پھر وہ سر کی طرف سے آتا ہے تو تلاوت اور ذکر اس کو روک دیتے ہیں کہ ادھر کو تیرا راستہ نہیں ہے۔ غرض وہ جس جانب سے جانا چاہتا ہے اس کو راستہ نہیں ملتا اس لئے کہ اللہ کے ولی کو ہر جانب سے عبادتوں نے گھیر رکھا ہے۔ وہ عذاب عاجز ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد صبر جو ایک کونہ میں کھڑا تھا، ان عبادتوں سے کہتا ہے کہ میں اس اِنتظار میں تھا کہ اگر کسی جانب (عبادت کی کسی قسم کی کمزوری سے) کچھ ضُعف ہو تو میں اس جانب مُزاحمت کروں گا۔ مگر اَلحَمدُللہ کہ تم نے مِل کر اس کو دفع کر دیا۔ اب میں (اعمال تُلنے کی) ترازو کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اس کے بعد دو فرشتے اُس مُردہ کے پاس آتے ہیں جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔ اور آواز بادلوں کی زوردار گرج کی طرح ہوتی ہے۔ ان کے دانتوں کی کچلیاں گائے کے سینگوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اُن کے مُنہ سے سانس کے ساتھ آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں۔ بال اتنے بڑے کہ پاؤں تک لٹکتے ہوئے۔ ان کے ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک اتنا فاصلہ کہ کئی دن میں چل کر پورا ہو۔ مہربانی اور نرمی گویا ان کے پاس کو بھی نہیں گذری (البتہ سختی کا مُعاملہ مومنوں کے ساتھ نہیں کرتے۔ لیکن ہَیئت ہی کیا کم ہے) ان کو مُنکَر نَکِیر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک اتنا بڑا اور بھاری ہتھوڑا کہ اگر ساری دنیا کے انسان اور جنّات مل کر اُٹھائیں تو اُن سے اُٹھ نہ سکے۔ وہ آ کر مُردے سے کہتے ہیں بیٹھ جا۔ مُردہ ایک دم بیٹھ جاتا ہے، اور کفن اس کے سر سے نیچے سُرین تک آجاتا ہے۔ وہ سُوال کرتے ہیں تیرا رَبّ کون ہے؟ تیرا مذہب کیا ہے؟ تیرے نبی کا کیا نام ہے؟ مُردہ کہتا ہے کہ میرا

رَبّ اللہ جَلّ شَانُہٗ ہے جو وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے (وہ تن تنہا مالک ہے کوئی اس کا شریک نہیں) میرا دین اسلام ہے۔ میرے نبی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں جو خَاتَمُ النَّبِیِّیْن ہیں وہ دونوں کہتے ہیں تُونے صحیح کہا ہے۔ اس کے بعد وہ قبر کی دیواروں کو سب طرف سے ہٹا دیتے ہیں جس سے وہ اُوپر سے اور چاروں جانب دائیں بائیں سرہانے پائنتی سے بہت زیادہ وسیع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اُوپر سر اُٹھاؤ۔ مُردہ جب سر اُٹھاتا ہے تو اس کو ایک دروازہ نظر آتا ہے جس میں سے جنّت نظر آتی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی وہ جگہ تمہارے رہنے کی ہے۔ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت کی ہے۔ حُضُورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں۔ قسم ہے اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کو اس وقت ایسی خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ ٹوٹے گی۔ اس کے بعد وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھو وہ دیکھتا ہے تو جہنّم کا ایک دروازہ نظر آتا ہے (جس سے اس کی حالت نظر آتی ہے) وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی تُونے اس دروازہ سے نجات پالی۔ اس وقت بھی مُردے کو اس قدر خوشی ہوتی ہے جو کبھی نہ ٹوٹے گی۔ اس کے بعد اس قبر میں ستّتر دروازے جنّت کی طرف کُھل جاتے ہیں جن سے وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور قیامت تک یہی منظر رہے گا (اس کے بعد دوسرے کی حالت سُنو کہ) حق تعالیٰ شانُہٗ مَلَکُ الْمَوْت سے فرماتے ہیں کہ میرے دشمن کے پاس جاؤ اور اس کی جان نکال لاؤ۔ میں نے اُس پر ہر قسم کی فراخی رکھی۔ اپنی نعمتیں (دنیا میں چاروں طرف سے) اُس پر لادیں مگر وہ میری نافرمانی سے باز نہیں آیا۔ لاؤ آج اس کو سزا دوں۔ مَلَکُ الْمَوْت نہایت تکلیف دہ صورت میں اُس کے پاس آتے ہیں۔ اس صورت سے کہ بارہ ۱۲ آنکھیں ان میں ہوتی ہیں۔ اُن کے پاس ایک گُرز (لوہے کا موٹا سا ڈنڈا) جہنّم کی آگ کا بنا ہُوا ہوتا ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ پانچ سو فرشتے جن کے ساتھ تانبہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور ہاتھوں میں جہنّم کی آگ کے بڑے بڑے انگارے اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جو دہکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ مَلَکُ الْمَوْت آتے ہی وہ گُرز اُس پر

مارتے ہیں۔ جس کے کانٹے اس کے ہر رگ و پے میں گھس جاتے ہیں۔ پھر وہ اس کو کھینچتے ہیں اور باقی فرشتے ان کوڑوں سے اُس کے مُنہ کو اور سُرین کو مارنا شروع کر دیتے ہیں جس سے وہ مُردہ غش کھانے لگتا ہے۔ وہ اس کی رُوح کو پاؤں کی اُنگلیوں سے نکال کر ایڑی میں روک دیتے ہیں اور پٹائی کرتے رہتے ہیں۔ پھر ایڑی سے نکال کر گھٹنوں میں روک دیتے ہیں۔ پھر وہاں سے نکال کر (اور جگہ جگہ اس لئے روکتے ہیں تاکہ دیر تک تکلیف پہنچائی جائے) پیٹ میں روک دیتے ہیں۔ پھر وہاں سے کھینچ کر سینے میں روک دیتے ہیں۔ پھر فرشتے اس تانبے کو اور جہنّم کے انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ اور مَلَکُ الْمَوْت عَلَیہِ السَّلام کہتے ہیں کہ اے ملعون رُوح نکل اور اس جہنّم کی طرف چل جس کی صفت (قرآن پاک سورۂ واقعہ رع ۲ میں) فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ الاٰیۃ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ہوگا (بلکہ نہایت تکلیف دینے والا ہوگا) پھر جب اس کی رُوح بدن سے رخصت ہوتی ہے تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ تجھے بُرا بدلہ دے تُو مجھے اللہ کی نافرمانی میں جلدی سے لے جاتا تھا اور اُس کی اطاعت میں سُستی کرتا تھا۔ تُو خود بھی ہلاک ہُوا اور مجھے بھی ہلاک کیا۔ اور یہی مضمون بدن رُوح سے کہتا ہے۔ اور زمین کے وہ حصّے جن پر وہ اللہ کے گناہ کیا کرتا تھا اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور شیطان کے لشکر دوڑے ہوئے اپنے سردار ابلیس کے پاس جاکر خوش خبری سُناتے ہیں کہ ایک آدمی کو جہنّم تک پہنچا دیا۔ پھر جب وہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو زمین اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ پھر اُس پر کالے سانپ مُسَلّط ہو جاتے ہیں جو اُس کی ناک اور پاؤں کے انگوٹھے سے کاٹنا شروع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ درمیان میں دونوں جانب کے سانپ آکر مل جاتے ہیں۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے (مُنکر نکیر جن کی ہیئت ابھی گذر چکی ہے) آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ تیرے نبی کون ہیں۔ وہ ہر سوال کے جواب میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے اور اس کے جواب پر

اُس کو گُرز سے اس قدر زور سے مارتے ہیں کہ اس گُرز کی چنگاریاں قبر میں پھیل جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کو کہتے ہیں کہ اُوپر دیکھ۔ وہ اُوپر کی جانب جنّت کا دروازہ کھلا ہوا دیکھتا ہے (اس کی باغ و بہار وہاں سے نظر آتی ہے) وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن اگر تُو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی اطاعت کرتا تو یہ تیرا ٹھکانا ہوتا۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کو اس وقت ایسی حسرت ہوتی ہے کہ ایسی حسرت کبھی نہ ہوگی۔ پھر دوزخ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن اب تیرا یہ ٹھکانا ہے اس لیے کہ تُونے حق تعالیٰ شانُہٗ کی نافرمانی کی۔ اس کے بعد ستّر دروازے جہنّم کے اس کی قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں جن میں سے قیامت تک گرم ہوائیں اور دھواں وغیرہ آتا رہتا ہے۔ مُحدِّثین رَحِمَہُمُ اللہُ اس حدیث پر سند کے اعتبار سے کچھ کلام کرتے ہیں لیکن اس کے مضامین کی تائید بہت سی روایات سے ہوتی ہے (اتحاف) بالخصوص حضرت بَرَاء بِنْ عَازِبؓ اور حضرت اَبُوہُرَیْرَہؓ کی روایتیں جو مشکوٰۃ شریف کی کِتَابُ الْجَنَائِز میں اور بَابُ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْر میں ہیں۔ اگر کوئی اُنکا ترجمہ دیکھنا چاہے تو مَظاہرِ حق میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ مَنظر بہت زیادہ نگاہ میں رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سخت مَنظر ہے۔ بہت کثرت سے احادیث میں اس کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، اِختصار کی وجہ سے ایک ہی حدیث کا ترجمہ لکھا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گناہ گاروں کے لیے اہلِ قبُور سے بلاکت ہے کہ ان کے اُوپر کالے سانپ مُسلّط کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک پاؤں کی جانب سے، دوسرا سر کی جانب سے، اور وہ کاٹتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ درمیان میں آکر دونوں مل جاتے ہیں۔ یہی وہ بَرزخ کا عذاب ہے جس کو قرآن پاک میں وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ (مؤمنون۔ ع ٦) سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ قبر کا ذکر کرتے تو اتنا روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے۔ اسی وجہ سے حُضورؐ کی دعاؤں میں بہت کثرت سے عذابِ قبر سے پناہ

مانگی گئی تاکہ لوگ کثرت سے اس کی دعا مانگیں۔ ورنہ حضورؐ خود تو معصوم ہیں، اور اسی بناء پر حضورؐ کا وہ ارشاد ہے جو پہلے گذرا کہ تم خوف کی وجہ سے مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے ورنہ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ تمہیں عذابِ قبر سُنا دے اور یہ جو کچھ ہے مُقتضائے عدل ہے۔ اس لئے کہ آدمی اس عالم میں صرف اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی عبادت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ نے اپنے تمام جانی اور مالی احسانات کے ساتھ قرآن پاک میں یہ بات جتا بھی دی تھی کہ تمہیں اس عالم میں صرف عبادت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّاریات۔ ع ۳) اور اس پر بھی مُتنبّہ کر دیا تھا کہ زندگی صرف اِمتحان کے لئے دی گئی ہے کہ ہمارے ان احسانات میں کیا کارگزاری ہے، اور موت اُس اِمتحان کا نتیجہ سُنانے کے لئے ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (ع ۱) "وہ خدا عَزَّ وَجَلَّ بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے"۔ اور جب کہ یہ دنیا اِمتحان کی جگہ ہے اور جنّ و انس کی پیدائش کی حکمت صرف عبادت ہے اور دنیا کی جتنی لذّتیں، راحتیں اور سامان دیئے گئے ہیں وہ صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ اپنی ضرورت کے بقدر ان سے نفع اُٹھائیں اور کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے بعد جو کچھ بچے، وہ اپنے ہی نفع کے لئے اپنے ہی کام آنے کے لئے اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے خزانہ میں جمع کر دیں۔ پھر کتنی غفلت اور حسرت اور خسارہ کی بات ہے کہ ہم ان میں لگ کر حق تعالیٰ شانُہٗ کے احکامات کو بھی بھول جائیں اور اس سے بھی آنکھ بند کرلیں کہ ہم کیوں آئے تھے اور یہ سب ہمیں کیوں دیا گیا تھا، ہم کس چیز میں لگ گئے۔ اور اصل حسرت اس وقت ہوتی ہے جب یہ ہزاروں کی مقدار بڑی محنت اور جانفشانی سے کمائی ہوئی اپنے اوپر خرچ کی تنگی

کر کے جمع کی ہوئی دوسروں کے لئے چھوڑ کر خود خالی ہاتھ دفعۃً اس عالم سے چلا جانا پڑے۔ اگر ہم میں کچھ بھی عقل کا حصہ ہے تو تھوڑی دیر بالکل تنہا مکان میں بیٹھ کر یہ منظر سوچنے اور غور کرنے کا ہے کہ اگر اسی وقت مَلَکُ الموت آجائیں تو میرا کیا بنے اور اس سارے ساز و سامان کا کیا بنے جو برسوں کی محنت ہے، برسوں کی کمائی ہے، برسوں کا جوڑا ہوا ہے۔ حضرت وَہب بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جس کا ارادہ اپنی مملکت کی زمین کی سیر کا اور حال دیکھنے کا ہوا۔ اس کیلئے شاہانہ جوڑا منگایا۔ ایک جوڑا لایا گیا، وہ پسند نہ آیا دوسرا منگایا گیا۔ غرض بار بار ردّ کے بعد نہایت پسندیدہ جوڑا پہن کر سواری منگائی گئی۔ ایک عمدہ گھوڑا لایا گیا۔ وہ پسند نہ آیا۔ اس کو واپس کر کے دوسرا تیسرا منگایا۔ جب وہ بھی پسند نہ آیا تو سب گھوڑے سامنے لائے گئے۔ ان میں سے بہترین گھوڑا پسند کر کے سوار ہوا۔ شیطان مردود نے اس وقت اور بھی نخوت ناک میں پھونک دی۔ نہایت تکبر سے سوار ہوا۔ حشم خدم فوج پیادہ ساتھ چلے۔ مگر بڑائی اور تکبر سے بادشاہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ راستہ میں چلتے چلتے ایک شخص نہایت خستہ حال پرانے کپڑوں میں ملا۔ اس نے سلام کیا۔ بادشاہ نے التفات بھی نہ کیا۔ اُس خستہ حال نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ بادشاہ نے اس کو ڈانٹا کہ لگام چھوڑ۔ اتنی بڑی جرأت کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا صبر کر۔ جب میں سواری سے اُتروں گا اُس وقت کہہ لینا۔ اس نے کہا۔ نہیں ابھی کہنا ہے اور یہ کہہ کر زبردستی لگام چھین لی۔ بادشاہ نے کہا کہہ۔ اُس نے کہا۔ بہت راز کی بات ہے کان میں کہنی ہے۔ بادشاہ نے کان اُس کے قریب کر دیا۔ اُس نے کہا۔ میں مَلَکُ الموت ہوں تیری جان لینا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ کا چہرہ فق ہو گیا اور زبان لڑکھڑا گئی۔ پھر کہنے لگا کہ اچھا مجھے اتنی مہلت دیدے کہ میں گھر جا کر کچھ اپنے سامان کا نظم کر دوں، گھر والوں سے مل لوں۔ فرشتہ نے کہا۔ بالکل مہلت نہیں ہے۔ اب تو اپنے گھر کو اور سامان کو کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ یہ کہہ کر اس کی رُوح قبض کر لی۔ وہ گھوڑے پر سے لکڑی کی طرح نیچے گر گیا۔ اس کے بعد وہ

فرشتہ مَلَکُ الْمَوْت ایک نیک مسلمان کے پاس گیا کہ وہ (نیک بندہ) بھی کہیں سفر میں جارہا تھا۔ اس کو جاکر سلام کیا۔ اُس نے وَعَلَیْکُمُ السَّلام کہا۔ اُس نے کہا مجھے تیرے کان میں ایک بات کہنی ہے۔ اُس نے کہا کہو۔ اُس نے کان میں کہا کہ میں مَلَکُ الْمَوْت ہوں۔ اُس نے کہا۔ بہت اچھا کیا، آئے۔ بڑا مبارک ہے ایسے شخص کا آنا جس کا فراق بہت طویل ہوگیا تھا۔ مجھ سے تو جتنے آدمی دُور ہیں اُن میں کسی سے بھی ملاقات کا اتنا اِشتیاق نہ تھا جتنا تمہاری ملاقات کا تھا۔ فرشتے نے کہا کہ تم جس کام کیلئے گھر سے نکلے ہو اس کو جلدی پورا کرلو۔ اُس نے کہا۔ مجھے حق تعالیٰ شانُہٗ سے ملنے سے زیادہ محبوب کوئی بھی کام نہیں ہے۔ فرشتے نے کہا کہ تم جس حالت پر مرنا اپنے لئے پسند کرتے ہو، میں اُسی حالت میں جان قبض کروں گا۔ اُس شخص نے کہا کہ تمہیں اس کا اختیار ہے۔ فرشتہ نے کہا مجھے یہی حکم دیا گیا (کہ تمہاری خوشی کا اتباع کروں) اُس شخص نے کہا اچھا تو مجھے وضو کر کے نماز پڑھنے دو اور جب میں سجدہ میں جاؤں تو میری رُوح قبض کرلینا۔ چنانچہ اُس نے نماز شروع کی اور سجدہ میں اُس کی رُوح قبض کی گئی (احیاء)۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کے بے نہایت اِحسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس ناکارہ کی سب سے بڑی لڑکی عزیزہ محترم مولوی محمد یوسف صاحبؒ[1] زادَ فضلُہٗ کی اہلیہ جو عرصہ سے بیمار تھی اور اشارہ سے نماز پڑھتی تھی، اسی سال ۲۹ رشوال ۱۳۶۶ھ شب دوشنبہ میں جبکہ وہ مغرب کی نماز میں اشارہ کر کے سجدہ میں گئی تو وہیں رُوح کو اُس کے پیدا کرنے والے کے سپرد کردیا۔ اور اسی حالت سُجود میں دنیا کو رخصت کردیا۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کے کس کس اِحسان کا شکر ادا ہوسکتا ہے۔ اَبُوبکر بن عبداللہ مُزنی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے بہت زیادہ مال جمع کیا تھا۔ جب مرنے کے قریب ہوگیا تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرا سارا مال میرے سامنے تو کردو۔ وہ سب جلدی جلدی جمع کیا گیا بہت سے گھوڑے، اونٹ، غلام وغیرہ سب چیزیں سامنے لائی گئیں وہ ان کو دیکھ کر (حسرت) سے رو رہا تھا

[1] حضرت مولینا محمد یوسف قدس سرہٗ بھی وفات پاچکے ہیں۔ آپ کا وصال ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ کو لاہور میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

کہ یہ سب چھوٹ رہا ہے۔ اتنے میں مَلَکُ المَوْت سامنے آگئے اور کہنے لگے رونے سے کیا فائدہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے یہ سب نعمتیں تجھ کو عطا کیں، اب تیری جان لے کر جاؤں گا۔ اُس نے درخواست کی کہ تھوڑی سی مہلت اگر دے دی جائے تو میں ان چیزوں کو تقسیم کر دوں۔ فرشتے نے کہا۔ اب مُہلت کا وقت افسوس ہے کہ جاتا رہا، کاش اس وقت سے پہلے تو تقسیم کر دیتا۔ یہ کہہ کر اُس کی جان نکال لی۔ ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے بہت سا مال جمع کیا تھا اور کوئی چیز بھی ایسی نہ چھوڑی جو اپنے یہاں نہ منگالی ہو۔ اور ایک بہت بڑا عالیشان محل تیار کیا۔ جس کے دو دروازے تھے، اُن پر غلام مُحافِظ مقرر کئے اور مکان کی تیاری کی بہت بڑی دعوت کی جس میں اپنے سب عزیز و اَحباب کو جمع کیا، اور ایک بڑے عالیشان تخت پر ایک ٹانگ کھڑی کر کے دوسری ٹانگ اس پر رکھے بیٹھا تھا۔ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ اتنا جمع ہو گیا ہے کہ کئی سال تک تو اب خریدنا نہ پڑے گا۔ یہ خیال دل میں گذر ہی رہا تھا کہ ایک فقیر پھٹے کپڑے گردن میں (فقیروں جیسا) جھولا پڑا ہوا دروازہ پر آیا اور اس زور سے کواڑوں کو پیٹنا شروع کیا کہ اس کے تخت تک آواز پہنچی۔ غلام دوڑے ہوئے باہر آئے کہ یہ کون نامعقول ہے۔ اُس سے جا کر پوچھا یہ کیا بات ہے۔ اس فقیر نے کہا کہ اپنے سردار کو میرے پاس بھیج دو۔ غلاموں نے کہا کہ ہمارے آقا تجھ جیسے فقیر کے پاس آئیں گے؟ اُس نے کہا، ضرور آئیں گے۔ اُس سے جا کر کہہ دو۔ وہ آقا کے پاس گئے اور اُس سے قصہ سُنایا۔ اُس نے کہا تم نے اُس کو اس کہنے کا مزا نہ چکھایا۔ اتنے میں اُس فقیر نے دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے کواڑوں کو پیٹا جس پر دربان دوڑے ہوئے پھر دروازے پر آئے۔ تو اس فقیر نے کہا کہ اُس اپنے آقا سے کہہ دو کہ میں مَلَکُ المَوْت ہوں۔ یہ سُن کر ان کے ہوش اُڑ گئے اور آقا سے جا کر کہا۔ اس پر بھی مٹی چھٹ گئی اور بہت عاجزی سے کہنے لگا کہ اس سے یہ کہہ دو کہ میرے فدیہ میں کسی دوسرے کو قبول کر لے۔ اتنے میں یہ فقیر اندر پہنچ گیا اور اُس سے کہا کہ تجھے جو کچھ کرنا ہے کر لے، میں تیری رُوح قبض کئے بغیر

واپس نہیں جا سکتا۔ اُس نے اپنا سب مال جمع کرایا اور مال سے کہنے لگا کہ اللہ کی تجھ پر لعنت ہو کہ تُونے اور تیری مشغولی نے مجھے اپنے مولیٰ کی عبادت سے روک دیا۔ اور اتنا وقت نہ دیا کہ مَیں کسی وقت یکسوئی سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کو یاد کر لیتا حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت سے مال کو گویائی عطا کی۔ اُس نے کہا۔ مجھے لعنت کیوں کرتا ہے۔ میری ہی وجہ سے تُو بڑے بڑے بادشاہوں تک ایسے وقت پہنچ جاتا تھا، جبکہ نیک لوگ ان کے دروازوں سے ہٹا دیئے جاتے تھے۔ میری ہی وجہ سے تو نازک نازک عورتوں کی لذّتیں حاصل کرتا تھا۔ میری ہی وجہ سے تو بادشاہوں کی طرح رہتا تھا۔ تُو مجھے بُرائی کے مَوقعوں میں خرچ کرتا تھا اور مَیں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اگر تُو مجھے خیر کے مَواقع میں خرچ کرتا تو مَیں تیرے کام آتا۔ اس کے بعد مَلَکُ المَوت نے ایک دم اُس کی رُوح قبض کر لی۔ وَہب بن مُنَبِّہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَلَکُ المَوت ایک بہت بڑے ظالم جابر کی رُوح قبض کر کے لے گئے کہ دنیا میں اُس سے بڑا ظالم کوئی نہ تھا۔ وہ جا رہے تھے۔ فرشتوں نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ہمیشہ جانیں قبض کیں تمہیں کبھی کسی پر رحم بھی آیا انہوں نے کہا کہ سب سے زیادہ ترس مجھے ایک عورت پر آیا جو تنہا جنگل میں تھی۔ جب ہی اُس کے بچّہ پیدا ہُوا تھا مجھے حکم ہُوا کہ اس عورت کی جان قبض کر لوں۔ مجھے اس عورت کی اور اُس کے بچّہ کی تنہائی پر بڑا ترس آیا کہ اس بچّہ کا اس جنگل میں جہاں کوئی دوسرا نہیں ہے، کیا بنے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ یہ ظالم جس کی رُوح تم لے جا رہے ہو، وہی بچّہ ہے مَلَکُ المَوت حیرت میں رہ گئے۔ کہنے لگے مولیٰ تُو پاک ہے، بڑا مہربان ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کرتے ہیں تو مَلَکُ المَوت اُس مکان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ مَیں نے اس کی روزی نہیں کھالی (یہ اپنی روزی ختم کر چکا تھا) مَیں نے اس کی عمر کم نہیں کر دی، مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے اور بار بار آنا ہے اتنے سب ختم نہ ہو جائیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر گھر والے

اس وقت اس فرشتہ کو دیکھیں اور اُس کی بات سُن لیں تو مُردہ کو بھول جائیں اور اپنے فکر میں پڑ جائیں۔ یزید رقاشیؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ظالموں میں سے ایک ظالم اپنے گھر میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی سے تخلیہ کر رہا تھا۔ اتنے میں دیکھا کہ گھر میں ایک اجنبی آدمی دروازہ سے چلا آرہا ہے۔ یہ شخص نہایت غصہ میں اس کی طرف لپکا۔ اس سے پوچھا کہ تُو کون ہے اور گھر میں آنے کی تجھے کس نے اجازت دی۔ اُس نے کہا مجھے اس گھر کے مالک نے اندر آنے کو کہا ہے اور میں وہ شخص ہوں جس کو نہ کوئی پردہ روک سکتا ہے اور نہ بادشاہوں کے پاس جانے کے لئے مجھے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی ظالم کے دبدبے سے ڈرتا ہوں، نہ کسی مغرور متکبر کے پاس جانے سے مجھے کوئی چیز مانع ہوتی ہے۔ اُس کی یہ گفتگو سُن کر وہ ظالم خوف زدہ ہوگیا۔ بدن میں کپکپی آگئی اور اوندھے منہ گر گیا۔ اس کے بعد نہایت عاجزی سے کہنے لگا۔ پھر تو آپ ملک الموت ہیں۔ اُس نے کہا ہاں میں وہی ہوں۔ صاحب مکان نے کہا کہ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں۔ فرشتہ نے کہا کہ اب اس کا وقت دُور چلا گیا۔ افسوس کہ تیری مدت ختم ہو چکی ہے۔ سانس پورے ہوگئے اور تیرا وقت ختم ہوگیا۔ اب تیرے لئے ذرا سی تاخیر کی بھی گنجائش نہیں۔ صاحب مکان نے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔ فرشتہ نے کہا تیرے اَعمال جو آگے گئے ہوئے ہیں، ان کے پاس ہی لے جاؤں گا (جیسے عمل کئے ہوں گے ویسا ہی ٹھکانا ملے گا) اور جس قسم کا گھر تو نے اس جہان میں بنا رکھا ہوگا وہی تجھے ملے گا۔ اُس نے کہا۔ میں نے تو نیک اعمال کچھ بھی نہیں کئے اور نہ کوئی عمدہ گھر اپنے لئے اب تک بنا رکھا ہے۔ فرشتہ نے کہا پھر تو لَظٰی ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی کی طرف لے جاؤں گا یہ سورہ (معارج ع ۱) کی آیت کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "بیشک وہ آگ ایسی دہکتی ہوئی ہے جو کھال تک کھینچ لے گی اور اُس شخص کو جس نے (دنیا میں حق سے) منہ پھیرا اور بے توجہی کی وہ آگ خود ہی بلا لے گی (اپنی طرف کھینچ لے گی) اس کے بعد اُس فرشتہ نے اُس کی جان نکال لی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی رو رہا تھا کوئی چلا

رہا تھا۔ یزید رقاشیؒ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مُردہ پر اس وقت کیا گزر رہی ہے تو اُس کے مرنے سے زیادہ آہ و بُکا اس حالت پر ہونے لگے جو اس پہ گزر رہی ہے (احیاء) حضرت سُفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت مَلَکُ المَوت دل کی رگ کو چھوتے ہیں اس وقت آدمی کا لوگوں کو پہچاننا موقوف ہو جاتا ہے، زبان بند ہو جاتی ہے اور دنیا کی سب چیزیں دل کو بھول جاتا ہے۔ اگر اس وقت آدمی پر موت کا نشہ سوار نہ ہو تو تکلیف کی شدت سے پاس والوں پر تلوار چلانے لگے بعض روایات میں آیا ہے کہ جس وقت سانس حلق میں ہوتا ہے اُس وقت شیطان اس کے گمراہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مَلَکُ المَوت نمازوں کے اوقات میں آدمیوں کی جستجو کرتے ہیں، خبر رکھتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو نماز کے اوقات کا اہتمام رکھنے والا پاتے ہیں تو مرتے وقت اس کو خود ہی کلمۂ طیبہ تلقین کرتے ہیں اور شیطان کو اُس کے پاس سے ہٹا دیتے ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب آدمی مرنے کے قریب ہوتا ہے اُس وقت اس کے ہم مجلسوں کی صورتیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں۔ اگر اس کا بیٹھنا اُٹھنا نیک لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو یہ مجمع سامنے لایا جاتا ہے۔ اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو وہ لوگ سامنے لائے جاتے ہیں۔ حضرت یزید بن شجرہ صحابیؓ سے بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔ رَبیع بن بُزہؒ ایک عبادت گزار آدمی بصرہ میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مرنے لگا۔ لوگ اُس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کر رہے تھے اور اس کی زبان سے نکل رہا تھا کہ (شراب کا گلاس) تو بھی پی، مجھے بھی پلا۔ تو بھی پی مجھے بھی پلا۔ اسی طرح اَہواز میں ایک شخص کا انتقال ہو رہا تھا۔ لوگ اُس کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے تھے، اور وہ کہہ رہا تھا۔ دس دس روپیہ، گیارہ گیارہ، بارہ بارہ (اتحاف) اس کے بالمقابل جن لوگوں نے مرنے کی تیاریاں کر رکھی تھیں وہ دنیا میں موت کو یاد رکھتے تھے۔ اس کے لیے کچھ کارنامے کر رکھے تھے۔ اُن کے لیے موت ایسی ہی تھی جس کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مومن کا تحفہ بتایا ہے۔ حضرت بلال رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی جب وفات کا وقت قریب تھا۔ ان کی بیوی کہہ رہی تھیں وَاحُزْنَاہ۔ ہائے افسوس تم جاتے ہو

اور وہ کہہ رہے تھے وَاطَرَبَاہ غَدًا نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَہٗ۔ کیسے مزے کی بات ہے۔ کیسے لطف کی بات ہے۔ کل کو دوستوں سے ملیں گے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملیں گے۔ ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔ حضرت معاذؓ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا، تو فرمایا۔ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں دنیا میں زیادہ دن رہنا چاہتا تھا۔ مگر نہ اس وجہ سے کہ مجھے دنیا سے محبت تھی، نہ اس وجہ سے کہ یہاں نہریں اور باغ لگاؤں، بلکہ اس وجہ سے چاہتا تھا کہ گرمیوں کے دوپہر میں روزہ کی پیاس کا لطف اٹھاؤں، اور (دین کے لئے) مشقت میں اوقات گزاروں اور تیرے ذکر کے حلقوں میں شریک ہوا کروں۔ حضرت سلمانؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے، تم جا کر حضورؐ سے ملو گے۔ حضورؐ کا وصال اس حال میں ہوا کہ تم سے راضی تھے۔ فرمانے لگے کہ میں نہ موت کے ڈر سے رو رہا ہوں، نہ دنیا کے چھوٹنے سے۔ بلکہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ حضورؐ نے ہم سے ایک عہد لیا تھا کہ دنیا سے انتفاع ہمارا صرف اتنا ہو جتنا مسافر کا توشہ۔ میں اس عہد کو پورا نہ کر سکا لیکن جب وصال پر ان کے گھر کا سامان دیکھا گیا تو وہ دس درم سے کچھ زائد تھا اور ایک درم ۴۰ کا ہوتا ہے۔ یہ تھی وہ کل کائنات جس کی زیادتی پر رو رہے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے تھوڑا سا مشک منگوایا اور بیوی سے فرمایا کہ اس کو بھگو کر میرے بستر پر چھڑک دو۔ میرے پاس ایسی جماعت آ رہی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن (اتحاف)۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی جب وفات کا وقت ہوا تو وہ ہنسے اور فرمایا۔ لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔ اسی جیسی چیزوں کے واسطے لوگوں کو کام کرنا چاہیئے (وہاں کی کچھ لذتیں، فرحتیں سامنے آئی ہوں گی) نیز جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے غلام سے جن کا نام نصر تھا، فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ وہ رونے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ نصر نے کہا۔ آپ ایسی اچھی میں زندگی گزارتے تھے، اب اس طرح فقیروں کی طرح زمین پر سر رکھ کر مرتے ہیں

فرمانے لگے۔ چپ رہ۔ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کی تھی کہ میری زندگی مالداروں کی سی ہو اور میری موت فقیروں کی۔ عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں۔ ایک شخص کے انتقال کا وقت قریب تھا۔ شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا تو مجھ سے چھوٹ ہی گیا (میرے بس میں نہ آیا) وہ فرمانے لگے مجھے تجھ سے اب تک بھی اطمینان نہیں ہے۔ جریریؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت جُنیدؒ کے پاس ان کے انتقال کے وقت موجود تھا۔ وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ وقت (ضعف کا ہے) یہ تلاوت کا کیا وقت ہے۔ فرمانے لگے کہ اس سے زیادہ اچھا وقت تلاوت کا کونسا ہوگا میرا اعمالنامہ اس وقت بند ہو رہا ہے۔ حضرت جُنیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوسعید خرازؒ انتقال کے وقت بہت ہی مزے پر آ رہے تھے، کیا بات تھی۔ فرمانے لگے کہ اگر اس وقت ان کی روح اشتیاق میں اُڑ جاتی تب بھی بعید نہ تھا حضرت ذُوالنُّون مصریؒ سے کسی نے انتقال کے قریب پوچھا کہ کچھ فرماتے، کوئی خواہش ہو تو بتا دیں فرمایا۔ صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اس کی معرفت حاصل ہو جائے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں حضرت ممشاد دینوریؒ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک فقیر آیا اور کہنے لگا۔ یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی مر جاتے۔ انہوں نے ایک جگہ اشارہ کیا جہاں پانی کا چشمہ بھی تھا۔ وہ اس کے قریب گیا، وضو کی اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور مر گیا۔ ابوعلی رُوذباریؒ کی ہمشیرہ فاطمہؒ کہتی ہیں کہ جب میرے بھائی کا انتقال ہونے لگا تو ان کا سر میری گود میں تھا۔ انہوں نے آنکھ کھولی اور فرمانے لگے کہ آسمان کے دروازے کُھل گئے اور جنت مُزیّن کر دی گئی اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ابوعلیؒ اگرچہ تم اتنے اونچے درجہ کی خواہش نہیں کر رہے تھے مگر ہم نے تمہیں اونچے درجہ پر پہنچا دیا۔ پھر انہوں نے دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ تیرے حق کی قسم میں نے کبھی تیرے سوا کسی کی طرف (محبت کی نگاہ سے) آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا میں دیکھ رہا ہوں کہ تو مجھے اپنی بیمار آنکھوں سے بے چین کر رہا ہے اور ان رخساروں سے جو حیا کی وجہ سے سرخ ہو گئے۔ حضرت جُنیدؒ کے انتقال کے وقت کسی نے

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا تو فرمانے لگے کہ میں اس لفظ کو کبھی بھولا ہی نہیں جو اب یاد کروں۔ حضرت شبلیؒ کے خادم بکران دینوریؒ سے جعفر بن نصیرؒ نے پوچھا کہ تم نے حضرت شبلیؒ کے انتقال کے وقت کیا منظر دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک درم (۳۰ر) کا ظلم ایک شخص پر ہو گیا تھا میں اس کی طرف سے کئی ہزار درم صدقہ کر چکا ہوں مگر میرے دل پر اب تک اُس درم کا بوجھ ہے کہ کیوں رہ گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے وضو کرا دو۔ میں نے وضو کرائی اور داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا۔ وہ خود ضعف کی وجہ سے کر نہ سکتے تھے، زبان بند ہو چکی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کے اندر کر دیا اور انتقال ہو گیا۔ یہ سُن کر جعفرؒ رونے لگے کہ جس شخص کا ایسی حالت میں بھی شریعت کا ادب اور ایک مستحب نہ چھوٹے اُس کا کیا کہنا۔ ایک بزرگ کا انتقال ہونے لگا۔ ان کی بیوی رونے لگیں۔ وہ فرمانے لگے کیوں روتی ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ تمہاری جدائی سے رو رہی ہوں۔ وہ فرمانے لگے کہ اپنے لئے رو۔ میں تو آج کے دن کے لئے (یعنی اس کے اشتیاق اور انتظار میں) چالیس برس سے رو رہا ہوں۔ حضرت کتانیؒ سے کسی نے انتقال کے وقت پوچھا کہ آپ کے معمولات کیا ہیں۔ فرمانے لگے کہ اگر میرے انتقال کا وقت قریب نہ ہوتا تو نہ بتاتا۔ میں چالیس برس سے اپنے دل کے دروازہ کی حفاظت کر رہا ہوں۔ جب اس میں غیر اللہ گھسنے کا ارادہ کرتا ہے میں دروازہ بند کر دیتا ہوں۔ حضرت معتمرؒ کہتے ہیں کہ میں حکمؒ (ایک رئیس) کے انتقال کے وقت اُن کے پاس تھا۔ اور دعا کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس پر موت کی سختی کو آسان فرما دے کہ اس شخص میں فلاں فلاں خوبیاں تھیں، میں اس کی اچھی عادتیں گن گن کر دعا کر رہا تھا۔ حکمؒ کو غفلت ہو رہی تھی۔ جب ان کو اپنی غفلت سے ہوش آیا تو کہنے لگے کہ فلاں فلاں بات کون شخص کہہ رہا تھا۔ معتمرؒ فرمانے لگے کہ میں کہہ رہا تھا۔ حکم نے کہا کہ مَلَکُ الْمَوْت عَلَيْهِ السَّلَام فرماتے ہیں کہ میں ہر سخی شخص کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حکمؒ کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ممشاد دینوریؒ کے انتقال کے وقت ایک بزرگ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ ان کے لئے جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگے۔ حضرت ممشادؒ ہنسے،

اور فرمایا کہ تیس برس سے جنت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی۔ مَیں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا (مَیں تو جنت کے مالک کا مُشتاق ہوں) (احیاء)۔ جب حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ کی وفات کا وقت قریب تھا تو ایک طبیب خدمت میں حاضر تھے۔ وہ کہنے لگے کہ امیر المؤمنین کو زہر دیا گیا ہے اس لیے مجھے ان کی زندگی کا اطمینان نہیں ہے۔ حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ تم کو اس شخص کی زندگی کا بھی اعتبار نہ چاہیئے جس کو زہر نہ دیا گیا ہو۔ طبیب نے پوچھا کیا آپ کو خود بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ مجھ کو زہر دیا گیا۔ حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ مجھے اسی وقت علم ہوگیا تھا جب یہ زہر میرے پیٹ میں گیا۔ طبیب نے کہا کہ آپ اس کا علاج کر لیجیئے ورنہ آپ کی جان چلی جائے گی۔ فرمانے لگے جس کے پاس جائے گی یعنی میرا رب وہ ان سب میں بہترین ہے جن کے پاس کوئی جائے۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے کان کے پاس کوئی چیز ایسی رکھی ہے، جس میں میری شفا ہے تو مَیں وہاں تک بھی ہاتھ نہ بڑھاؤں۔ پھر فرمایا۔ یا اللہ! عُمر کو اپنے ملنے کے لیے پسند کرلے۔ اس کے چند ہی روز بعد انتقال ہوگیا۔ میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ اس زمانہ میں کثرت سے موت کی دعا کیا کرتے تھے کسی نے عرض کیا۔ ایسا نہ کیجئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی وجہ سے بہت سی سنتیں (حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی) زندہ کر رکھی ہیں، بہت سی بدعتیں (جو شرع ہوگئی تھیں) دبا رکھی ہیں۔ فرمانے لگے کیا مَیں صالح بندہ (حضرت یُوسُف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ السَّلَام) کی طرح نہ بنوں جنہوں نے یہ دُعا کی تھی رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (سورۂ یوسف۔ ع ۱۱) اے اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرما دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ انتقال کے قریب مسلمہؒ نے کہا کہ آپ نے جو کفن کے لیے دام دیئے ہیں ان کا بہت معمولی کپڑا آیا ہے اس پر کچھ اضافہ کی اجازت فرما دیں۔ ارشاد فرمایا کہ وہ میرے پاس لاؤ۔ تھوڑی دیر اس کپڑے کو دیکھا۔ پھر فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ سے راضی ہے تب تو اس سے بہتر کفن مجھے فوراً

مل جائے گا۔ اور اگر میرا رب مجھ سے ناراض ہے تو جو کفن بھی ہوگا وہ زور سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کے بدلے جہنم کی آگ کا کفن ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا۔ مجھے بٹھاؤ۔ بیٹھ کر فرمایا یا اللہ! تُو نے مجھے (جن چیزوں کے کرنے کا) حکم دیا، مجھ سے تعمیل نہ ہوسکی تُو نے (جن چیزوں کو) منع فرمایا، مجھ سے ان میں نافرمانی ہوتی لیکن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس کے بعد اِنتقال فرمالیا۔ اسی دوران میں یہ بھی فرمایا کہ میں ایک جماعت کو دیکھ رہا ہوں نہ تو وہ آدمی ہیں نہ جن ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اِنتقال کے قریب سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا اور فرمایا۔ یہاں کوئی نہ رہے۔ سب باہر چلے گئے اور درزوں میں سے دیکھنے لگے۔ تو وہ فرما رہے تھے بہت مبارک ہے ایسے لوگوں کی آمد جو نہ انسان ہیں نہ جن۔ اس کے بعد سورہ قصص کے آخری رکوع کی یہ آیت شریفہ پڑھی۔ تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ (اَلْاٰیَۃ) جس میں حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو نہ تو دنیا میں بڑائی چاہتے ہیں نہ فساد (اتحاف)۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ سے دعا کی کہ مجھے قبرستان والوں کا حال دکھا دے۔ میں نے ایک رات کو دیکھا گویا قیامت ہوگئی اور لوگ اپنی قبروں سے نکلنے لگے۔ ان کو میں نے دیکھا کہ کوئی تو سُندُس پر (جو ایک خاص اعلیٰ قسم کا ریشم ہے) سو رہا ہے کوئی ریشم پر ہے کوئی اُونچے اُونچے تخت پر ہے، کوئی پھولوں پر ہے، کوئی ہنس رہا ہے، کوئی رو رہا ہے۔ میں نے کہا۔ یا اللہ! اگر یہ سب ایک ہی حال میں ہوتے تو کیا اچھا تھا۔ ایک شخص نے اُن مُردوں میں سے کہا کہ یہ اعمال کے تفاوت کی وجہ سے ہے۔ سُندُس والے تو اچھی عادتوں والے ہیں، اور ریشم والے شُہداء ہیں اور پھولوں والے کثرت سے روزہ رکھنے والے ہیں، اور ہنسنے والے توبہ کرنے والے ہیں اور رونے والے گنہ گار ہیں۔ اور اعلیٰ مَراتِب والے (یہ غالباً اُونچے تخت والے ہیں) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے تھے (روض)۔ ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چُرایا کرتا تھا۔ اُس نے ایک قبر کھودی تو اُس میں ایک شخص اُونچے تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھے۔ قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا۔ وہ قرآن شریف پڑھ

رہے ہیں اور اُن کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے۔ اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے اس کو قبر سے نکالا۔ تین دن بعد ہوش آیا۔ لوگوں نے قصہ پوچھا، اُس نے سارا حال سُنایا۔ بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنا کی۔ اس سے پوچھا کہ قبر بتا دے۔ اُس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا، کہہ رہے ہیں۔ اگر تُو نے میری قبر بتائی، تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا۔ اُس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا (روض) شیخ ابُو یعقوب سُنوسیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا۔ میں نے اُس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اُس کو قبر میں رکھا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے (روض)۔ ایک بُزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مُرید کو غسل دیا۔ اُس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تُو مرا نہیں ہے۔ یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے۔ اُس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا۔ شیخ ابنُ الجلاؒ مشہور بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور اُن کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے۔ نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے۔ کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی تھی۔ ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے انہوں نے غسل دیا (روض) غرض صاحب روض نے بہت سے واقعات ان مرشدوں کے مرنے کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کا مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا، مذاق کرنا، لطف اُڑانا، معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے بعض واقعات حافظ ابنُ عبد البرؒ نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زیدؓ بن خارجہؓ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اسمیں اختلاف نہیں ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ غزوۂ مُوتہ میں جب صحابۂ کرام جانے لگے تو لوگوں نے

ان جانیوالوں کو خیر و سلامتی کے ساتھ واپسی کی دعائیں دینی شروع کیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اس وقت تین شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ میں تو واپسی کے بجائے یہ تمنا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری مغفرت فرمادے اور اس کے ساتھ ہی ایک تلوار سر پر ایسی لگے جو سر کے دو ٹکڑے کردے یا کوئی برچھا ایسا مجھ میں گھسے جو انتڑیاں اور جگر چیرتا چلا جائے۔ جب میدانِ جنگ پر یہ حضرات پہنچے، تو ان حضرات کی جمعیت تین ہزار کی تھی۔ اور وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمنوں کی جماعت دو لاکھ ہے۔ اس بنا پر صحابہ میں یہ مشورہ ہوا کہ اوّل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کی اطلاع دی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر حضورؐ کا ارشاد ہو تو لڑائی شروع کی جائے۔ جب عبداللہ بن رواحہؓ کو معلوم ہوا کہ یہ مشورہ ہو رہا ہے تو وہ آئے اور کہنے لگے، تم لوگ بھی عجیب ہو۔ جس چیز کی تمنا میں نکلے تھے۔ اس کے بارے میں مشورہ کر رہے ہو۔ تم تو محض شہادت کی طلب میں نکلے ہو۔ ہم نے کبھی بھی سامان اور قوّت اور تعداد کے بھروسہ پر جنگ نہیں کی۔ ہم نے ہمیشہ صرف مذہب اسلام کی قوت پر جنگ کی ہے۔ اٹھو اور میدان میں چلو۔ دو حال سے خالی نہیں، یا غلبہ اور فتح یا شہادت، اور ہمارے لئے دونوں چیزیں اعزاز ہی ہیں ان کی یہ بات سن کر سب کے سب جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور جنگ شروع ہوگئی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت حضرت زید بن حارثہؓ کو امیر مقرر فرمایا تھا، اور ارشاد فرمادیا تھا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر ہوں گے اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو اس وقت مسلمان مشورہ سے جس کو چاہیں امیر بنالیں۔ چنانچہ میدان میں جب حضرت زیدؓ اور ان کے بعد حضرت جعفرؓ شہید ہوگئے تو لوگوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو آواز دی۔ یہ لشکر کے کنارہ پر تھے۔ گوشت کا ایک ٹکڑا ان کے ہاتھ میں تھا۔ تین دن سے کچھ بھی چکھنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ کسی نے آکر کہا، کہ حضرت جعفرؓ شہید ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے نفس کو ملامت کی کہ

تو دنیا ہی میں مشغول ہو رہا ہے (کھانے میں لگ گیا) - یہ کہہ کر اُس ٹکڑے کو پھینک کر جھنڈا ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے - کسی نے وار کیا تو ہاتھ کی اُنگلی کٹ گئی - اس پر انہوں نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ تو محض اُنگلی تھی جو خون آلود ہو گئی اس کے سوا اور کیا ہوا اور یہ بھی اللہ ہی کے راستہ میں ہوا جو خود بہت اُونچی دولت ہے۔ اے نفس اس بات کو سمجھ لے کہ اگر تو شہید نہ ہوگا تو ویسے مرے گا، مرنا تو بہر حال ہے ہی دیکھ جس چیز کی تو تمنا کر رہا تھا یعنی شہادت کی۔ وہ سامنے آگئی - اگر تو اپنے پہلے دو ساتھی زید و جعفر کا سا کارنامہ کرے گا تو ہدایت یافتہ ہوگا، اور اگر تو نے اپنا قدم ان سے پیچھے ہٹایا تو بدبخت ہوگا - اس کے بعد اپنے دل سے کہا کہ تجھے اس وقت کیا خیال ہو سکتا ہے - اگر بیوی کا خیال آسکتا ہے تو اس کو تین طلاق - اگر غلاموں کا خیال آسکتا ہے تو وہ سب آزاد - اگر اپنا باغ یاد آسکتا ہے تو وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے - اے نفس کیا تو جنت کو پسند نہیں کرتا - خدا کی قسم تو اُس کی طرف چل کر رہے گا خوشی سے چل یا زبردستی - تو نے بہت زمانہ اطمینان کا گذار لیا ہے، اب کیا سوچتا ہے، اپنی حقیقت کو تو سوچ، تو نطفہ کا ایک قطرہ تھا - غرض اس سوچ کے بعد حضرت ابن رواحہؓ بڑھے اور شہید ہو گئے - حکایات صحابہؓ میں یہ قصہ تفصیل سے گذر چکا ہے اور اس نوع کے اور بھی قصے گذرے ہیں - حضرت ابو سفیان بن الحارثؓ حضورؐ کے چچازاد بھائی کا جب اِنتقال ہونے لگا تو گھر والوں نے رونا شروع کیا - تو فرمانے لگے، ایسے شخص کو مت رو جس نے اسلام لانے کے بعد سے نہ زبان سے کبھی کوئی خطا کا لفظ نکالا نہ بدن سے کبھی کوئی خطا کی حرکت کی - (یعنی ایسے شخص کی موت تو اُس کے لیے مسرت ہی مسرت ہے) - صُنابحیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عُبادہؓ کا وصال ہونے لگا تو میں پاس تھا، مجھے رونا آگیا - فرمانے لگے، تو کیوں روتا ہے - خدا کی قسم! اگر قیامت میں مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں تیرے لئے بہتر گواہی دوں گا، اور مجھے سفارش کی اجازت ملی تو تیرے لئے سفارش کروں گا، اور جہاں تک مجھے قدرت ہوگی تجھے نفع پہنچاؤں گا - اس کے بعد فرمایا کہ میں نے جتنی حدیثیں حضورؐ سے سُنی

تمہیں اور تمہارے نفع کی بخیں وہ سب تمہیں پہنچا چکا ہوں۔ ایک حدیث کے علاوہ جو اس وقت سناتا ہوں جب کہ میں اس جہان سے جا رہا ہوں۔ میں نے حضورؐ سے سنا جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا جب اِنتقال ہونے لگا تو ان کی صاحبزادی رونے لگیں۔ فرمایا بیٹی رو نہیں۔ بیٹی نے کہا۔ اگر آپ کے انتقال پر بھی رونا نہ آئے تو کس کے انتقال پر آئے گا۔ فرمایا کہ اس وقت مجھے اپنی جان کے نکلنے سے زیادہ محبوب کسی کی جان نکلنا بھی نہیں ہے، حتّٰی کہ اس مکھی کی جان نکلنا بھی اپنی جان نکلنے سے زیادہ محبوب نہیں (تو جب موت مجھے اتنی محبوب ہو رہی ہے اس پر تو روتی ہے)۔ اس کے بعد حمران سے کہا البتہ اس کا ڈر ضرور ہے کہ کہیں مرتے وقت اسلام نہ میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا کہ میرا اونی جُبّہ لاؤ۔ وہ لایا گیا جو بہت پرانا بوسیدہ تھا۔ فرمایا۔ مجھے اس میں کفن دینا، بدر کی لڑائی میں یہی جُبّہ میرے اوپر تھا۔ عبداللہ بن عامر بن کریزؒ کا جب انتقال ہونے لگا نزع کی حالت تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے پاس گئے ہوئے تھے اپنے آدمیوں سے کہا کہ دیکھو میرے یہ دونوں بھائی روزہ سے ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے کھانے میں میری موت کی وجہ سے دیر لگے اور روزہ افطار کرنے میں تاخیر ہو جائے۔ عبداللہ بن زبیرؓ فرمانے لگے۔ اگر تجھے اکرام اور سخاوت سے کوئی چیز روک سکتی تھی تو نزع کی تکلیف روک سکتی تھی مگر یہ بھی تیرے لیے مانع نہ ہوئی۔ اس حال میں ان کا انتقال ہوا کہ مہمانوں کے سامنے کھانا رکھا تھا۔ عمرو بن اوسؓ کہتے ہیں کہ جب عُتبہ بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہو رہا تھا۔ میں اُن کے پاس گیا۔ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ فرمانے لگے کہ میں تمہیں چلتے چلتے ایک حدیث سناتا جاؤں جو مجھے میری بہن ام حبیبہؓ نے سنائی تھی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے واسطے (یعنی اخلاص سے) بارہ رکعت چاشت کی نماز روزانہ پڑھتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے جنت میں ایک محل بناتے ہیں (یہ حضورؐ کی احادیث اور دین کی اشاعت کا جذبہ تھا کہ موت بھی مانع نہ ہوئی)۔ محمد بن منکدرؒ کا جب انتقال ہونے لگا

تو وہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ فرمایا کہ میں اس پر نہیں روتا کہ مجھ سے کبھی کوئی گناہ ہوا ہو۔ میرے علم کے موافق تو میں نے عمر بھر میں کوئی گناہ کیا ہی نہیں البتہ اس پہ رو رہا ہوں کہ کوئی بات مجھ سے ایسی سرزد ہوگئی ہو جس کو میں اپنے خیال میں سرسری سمجھا ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہو۔ اس کے بعد قرآن پاک کی آیت وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ط (زمر۔ ع ۵) پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (ان کے لیے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ایسی بات ظاہر ہوئی جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا) یہ پڑھ کر فرمایا کہ مجھے بس اس کا ڈر ہے کہ کوئی بات ایسی ہو جائے، جس کا گمان بھی نہ ہو۔ عامر بن عبد قیسؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے کہا۔ کہ آپ نے تو ایسے ایسے مجاہدے کیے ہیں آپ بھی روتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نہ تو موت کے خوف سے رو رہا ہوں نہ دنیا کے لالچ سے مجھے اس کا رنج ہے کہ آج گرمیوں کے دوپہر کا روزہ اور سردیوں کی آخرات کا تہجد چھوٹ رہا ہے۔ حضرت حسنؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو کچھ لوگ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ کوئی آخری نصیحت فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ تین باتیں تم سے کہتا ہوں۔ ان کو سن کر میرے پاس سے چلے جانا اور میں جہاں جا رہا ہوں مجھے تنہائی میں وہاں جانے دیجو۔ اس کے بعد فرمایا۔ ۱: جس کام کا دوسرے کو حکم کرو پہلے خود اس پر عمل شروع کر دو۔ ۲: جس بات سے دوسرے کو منع کرو پہلے خود اس سے رک جاؤ۔ ۳: تمہارا ہر قدم یا تمہارے لئے نافع ہے (کہ جنت کی طرف پڑتا ہے) یا مضر ہے (کہ جہنم کی طرف چلتا ہے) اس لیے ہر قدم کو اٹھاتے وقت یہ سوچ لو کہ کدھر جا رہا ہے۔ حضرت ربیعؒ کا جب انتقال ہو رہا تھا تو ان کی بیٹی رونے لگیں۔ فرمایا بیٹی رونے کی بات نہیں ہے۔ یوں کہو کہ آج کا دن کس قدر خوشی کا ہے کہ میرے باپ کو آج بہت کچھ ملا۔ حضرت مکحول شامیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو وہ ہنس رہے تھے کسی نے پوچھا کہ یہ ہنسی کا وقت ہے۔ فرمانے لگے کیوں نہ ہنسوں جبکہ وہ وقت آگیا کہ جس سے میں گھبراتا تھا ان سے ہمیشہ کو جدا ہوتا ہوں، اور جس ذات سے امیدیں وابستہ تھیں اس کے پاس جلدی جلدی جا رہا ہوں۔ حضرت حسان بن سنانؒ

کی جب نزع کی حالت تھی تو کسی نے کہا کہ آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ فرمانے لگے، تکلیف تو ضرور ہے مگر مؤمن کی تکلیف کا ایسے وقت کیا ذکر ہے جب اسکو حق تعالیٰ شانہٗ سے ملنے کی اُمید ہو رہی ہو اور اس پر اسکی خوشی غالب ہو رہی ہو۔ جب ابنِ اُدریسؒ کے اِنتقال کا وقت آیا تو ان کی بیٹی رونے لگیں۔ فرمایا رونے کی بات نہیں ہے میں نے اس گھر میں چار ہزار قرآن پاک ختم کئے ہیں۔ حسن بن حیؒ کہتے ہیں کہ میرے بھائی علیؒ کا جس رات میں اِنتقال ہوا، انہوں نے مجھے آواز دے کر پانی مانگا میری نماز کی نیت بندھ رہی تھی۔ میں سلام پھیر کر پانی لے کر گیا۔ وہ فرمانے لگے کہ میں تو پی چکا۔ میں نے کہا آپ نے کہاں سے پی لیا۔ گھر میں تو میرے اور آپ کے سوا کوئی اور ہے نہیں۔ کہنے لگے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ابھی پانی لائے تھے وہ مجھے پانی پلاگئے اور یہ فرما گئے کہ تُو اور تیرا بھائی ان لوگوں میں ہیں جن پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اِنعام فرما رکھا ہے (یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ نساء کے نویں رکوع میں ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (اَلْاٰيَة) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (جو لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اِنعام فرما رکھا ہے نبیین، صدیقین، شُہداء اور صالحین سے) حضرت عبداللہ بن مُوسیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن صالحؒ کا اِنتقال ہوا۔ میں سفر میں گیا ہوا تھا۔ جب میں سفر سے واپس آیا تو ان کے بھائی حسن بن صالح کے پاس تعزیت کے لئے گیا۔ مجھے وہاں جا کر رونا آگیا۔ وہ کہنے لگے کہ رونے سے پہلے انکے اِنتقال کی کیفیت سُنو کیسے لُطف کی ہے۔ جب ان پر نزع کی تکلیف شروع ہوئی تو مجھ سے پانی مانگا۔ میں پانی لے کر گیا۔ کہنے لگے میں نے تو پی لیا۔ میں نے پوچھا، کس نے پلایا۔ کہنے لگے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی بہت سی صفوں کے ساتھ تشریف لائے تھے اور مجھے پانی پلا دیا۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں غفلت میں نہ کہہ رہے ہوں۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ فرشتوں کی صفیں کس طرح تھیں۔ کہنے لگے، اُوپر نیچے اس طرح تھیں۔ ایک ہاتھ کو دوسرے کے اُوپر کر کے بتایا۔ جب ابُوبکر بن عیاشؒ کا اِنتقال ہونے لگا، تو اُن کی

ہمشیرہ رونے لگیں۔ کہنے لگے بہن رونے کی بات نہیں، تیرے بھائی نے مکان کے اس کونہ میں بارہ ہزار قرآن پاک ختم کیے ہیں۔ عُمرو بن عُبَیدؒ کہتے ہیں کہ ابُو شُعَیب صالح بن زیادؒ بیمار تھے۔ میں ان کی عیادت کو گیا تو ان کی نزع کی حالت تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں تجھے خوش خبری سُناؤں۔ میں اس جگہ ایک اجنبی سے آدمی کو جو اوپری سی صورت ہے دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ وہ کہنے لگے کہ میں مَلکُ المَوت ہوں۔ میں نے کہا، میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ وہ کہنے لگے مجھے یہی حکم ملا ہے کہ نرمی کروں۔ حضرت امام اَحمد بن حَنبلؒ کے صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا جب اِنتقال ہونے لگا تو میں اُن کے پاس بیٹھا تھا۔ کپڑا میرے ہاتھ میں تھا تاکہ اِنتقال کے بعد جبڑا باندھ دوں۔ ان کو غشی ہو جاتی تھی جس سے ہمیں یہ خیال ہوتا تھا کہ اِنتقال ہو گیا۔ پھر افاقہ ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ کہتے کہ ابھی نہیں ابھی نہیں۔ جب تیسری مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ کہنے لگے، کہ بیٹا تمہیں خبر نہیں، شیطان ملعون میرے پاس کھڑا ہے اور رنج اور غصّہ سے اپنی انگلی مُنہ سے دبا رہا ہے اور کہتا ہے کہ احمد تُو میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ جب وہ کہتا ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ ابھی نہیں چھوٹا (اتنے جان نہ نکل جائے اتنے تجھ سے اطمینان نہیں ہے)۔ حضرت آدم بن اَبی ایاسؒ کا جب آخری وقت تھا تو وہ چادر میں لپٹے پڑے تھے اور قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب قرآن پاک ختم کیا۔ تو کہنے لگے کہ مجھے جو آپ سے محبت ہے اُس کا واسطہ دے کر عرض ہے کہ میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ آج ہی کے دن کے لئے آپ سے اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا اور رُوح پرواز کر گئی۔ جب مَسلَمَۃ بن عبدالملکؒ کا اِنتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ میں موت کے ڈر سے نہیں رو رہا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل وُثوق ہے۔ میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں تیس مرتبہ جہاد میں شریک ہوا مگر شہادت نصیب نہ ہوئی اور آج عورتوں کی طرح بستر پر جان دے رہا ہوں۔ اِیاس بن قتادہ عَبشمیؒ نے ایک دن آئینہ دیکھا تو

سر پر سفید بال نظر آئے۔ کہنے لگے کہ سفید بال آجانے کے بعد پھر آخرت کے سوا کوئی مشغلہ نہ رہنا چاہیئے کہ اب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔ اس کے بعد بہت زیادہ مجاہدے شروع کر دیئے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر آرہے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ تیرا آنا مبارک ہے میں تو تیرا بہت ہی سخت انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بعد اپنے ساتھ والوں سے کہنے لگے، جب میں مر جاؤں تو مُلحُوب (کسی جگہ کا نام ہے) میں لے جا کر مجھے دفن کر دینا۔ اس کے بعد رُوح نکل گئی اور گر گئے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد ابراہیم بن ہانیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو اپنے لڑکے اسحٰق سے دریافت کیا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ انہوں نے کہا۔ ابھی تو نہیں ہوا۔ لیکن ابا جان ایسی سخت بیماری میں تو فرض روزہ کھولنے کی بھی اجازت ہے آپ کا تو نفل روزہ ہے اس کو کھول دیجئے۔ فرمانے لگے ارے ٹھہر جا اس کے بعد (نہ معلوم کیا دیکھا) فرمانے لگے۔ اسی جیسی چیزوں کے لیے آدمی کو چاہیئے کہ نیک عمل کرتا رہے (یہ قرآن پاک کی آیت وَالصّٰفّٰت ع ۲ کی طرف اشارہ ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ بیشک یہی بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی حاصل کرنے کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے)۔ اس کے بعد رُوح پرواز کر گئی۔ ابو حکیم رحیریؒ بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے۔ لکھتے لکھتے قلم ہاتھ میں سے رکھ کر کہنے لگے۔ اگر اسی کا نام موت ہے تو خدا کی قسم بڑی اچھی موت ہے۔ یہ کہہ کر مر گئے۔ ابُو الوفا بن عقیلؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو گھر والوں نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے کہ پچاس ۵۰ سال سے تو اس کو ہٹا رہا ہوں اب کہاں تک ہٹائے جاؤں۔ اب تم مجھے چھوڑ دو۔ اب میں اس کی آمد پر اس کو مبارک باد دیتا ہوں۔ امام غزالیؒ نے جن کی کتاب احیاءُ العُلوم مشہور ہے دوشنبہ کی صبح کی نماز وضو کر کے پڑھی۔ پھر اپنا کفن منگایا۔ اس کو چوما، آنکھوں پر رکھا اور کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لیے بڑی خوشی سے حاضر ہوں۔ یہ کہہ کر قبلہ رُخ پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور فوراً انتقال کر گئے۔ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں کہ جب میرے اُستاذ ابُو بکر بن حبیبؒ کا انتقال ہونے لگا، تو

شاگردوں نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرما دیجئے۔ فرمایا تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ کا خوف اور تنہائی میں اس کا مراقبہ اور جو چیز مجھے پیش آرہی ہے (یعنی موت) اس کا خوف رکھا جائے۔ مجھے اکسٹھ برس گذر گئے ہیں لیکن گویا میں نے دنیا کو دیکھا بھی نہیں (ایسے جلدی گذر گئے)۔ اس کے بعد ایک پاس بیٹھنے والے سے پوچھا، دیکھو میری پیشانی پر پسینہ آگیا یا نہیں۔ اُس نے عرض کیا، آگیا۔ فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ یہ ایمان پر موت کی علامت ہے (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے)۔ امام بخاریؒ کے شاگرد ابوالوقت عبدالاوّلؒ کے انتقال کا جب وقت آیا تو آخر کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا یہ تھا یَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (یہ سورۂ یٰسین شریف کے دوسرے رکوع کی آیت ہے) جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز اور مکرم لوگوں میں شامل کر دیا۔ محمد بن حامدؒ کہتے ہیں کہ میں احمد بن خضرویہؒ کے انتقال کے وقت ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کو نزع شروع ہو گیا تھا۔ پچانوے سال کی عمر تھی۔ ایک شخص نے اُن سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے کہ بیٹا پچانوے سال سے ایک دروازہ کے کھولنے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ اس وقت وہ کُھلنے کو ہے۔ اس کا فکر سوار ہے کہ سعادت کے ساتھ کُھلتا ہے یا بدبختی کے ساتھ۔ اس وقت جواب کی مُہلت کہاں۔ اسی میں ان کے قرضخواہ اُن کے مرنے کی خبر سُن کر جمع ہو گئے۔ سات سو دینار (اشرفیاں) ان کے ذمہ قرض تھے کہنے لگے یا اللہ تُو نے رہن اس لئے مشروع کیا ہے کہ قرضخواہوں کو اطمینان رہے۔ اس وقت تو ان لوگوں کے اطمینان کو بُلا رہا ہے یعنی ان کو میرے وجود سے اطمینان تھا۔ اب میں جا رہا ہوں، ان کا قرض ادا کر۔ اُسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہنے لگا کہ احمد کے قرضخواہ کہاں ہیں اور سب قرضہ گن کر ادا کر گیا اور ان کی رُوح نکل گئی۔ ایک بزرگ کا انتقال ہونے لگا تو اپنے خادم سے کہا کہ میرے دونوں ہاتھ باندھ دے اور میرا منہ زمین پر رکھ دے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ کوچ کا وقت آگیا نہ تو میں

گناہوں سے بری ہوں۔ نہ میرے پاس کوئی عذر ہے جو معذرت میں پیش کر دوں نہ کوئی طاقت ہے جس سے مدد چاہوں۔ بس میرے لئے تو تو ہی ہے، میرے لئے تو تو ہی ہے، یہی کہتے کہتے ایک چیخ ماری اور انتقال ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ اس بندہ نے اپنے مولیٰ کے سامنے عاجزی کی، اس نے قبول کر لیا۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ایک فقیر نزع کی حالت میں سسک رہا تھا۔ مکھیاں اس کے منہ پر کثرت سے بیٹھ رہی تھیں۔ مجھے ترس آیا۔ میں اُس کے پاس بیٹھ کر مکھیاں اُڑانے لگا۔ اس نے آنکھ کھول دی اور کہنے لگا کہ برسوں سے خاص وقت کی کوشش میں لگا ہوا تھا، ساری عمر میں کوشش پر بھی نصیب نہ ہوا اب ملا تھا تو تو آکر بیچ میں گھس گیا۔ جا اپنا کام کر، اللہ تیرا بھلا کرے۔ ابو بکر رقیؒ کہتے ہیں کہ میں ابو بکر زقاقؒ کے پاس صبح کے بعد موجود تھا۔ وہ کہہ رہے تھے یا اللہ تو مجھے اس دنیا میں کب تک ڈالے رکھے گا۔ ظہر کا وقت بھی نہ آنے پایا تھا کہ ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت مکحول شامیؒ بیمار تھے۔ ایک شخص ان کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ کہنے لگے ہرگز نہیں، ایسی ذات کے پاس جانا جس سے خیر ہی کی اُمید ہے ایسے لوگوں کے پاس رہنے سے بہتر ہے جن کی بُرائی سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہے۔ ابُو علی رُوذباریؒ کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا بہت خستہ حال پُرانے کپڑے۔ کہنے لگا۔ یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی غریب فقیر مر جائے۔ میں نے لاپرواہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آجا اور جہاں چاہے پڑ کے مر جا۔ وہ اندر آیا، وضو کی، چند رکعات نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔ میں نے اسکی تجہیز و تکفین کی، اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ پر سے کفن ہٹا کہ اس کا منہ زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی غربت پر رحم فرمائے۔ میں نے اس کا منہ کھولا اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔ میں کل قیامت میں اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔ علی بن سہل اصبہانیؒ کہا کرتے تھے۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بھی اسی طرح مروں گا جس طرح لوگ مرتے ہیں۔ بیماری، عیادت،

(سو دھندے ہو جاتے ہیں) - میں تو اس طرح مروں گا کہ مجھے کہا جائے گا اے علی!
اور میں چل دوں گا - چنانچہ ایسا ہی ہوا - ایک دن کہیں چلے جا رہے تھے - چلتے چلتے
کہنے لگے لبّیک (حاضر ہوں) اور مر گئے - اُبو الحسن مُزنیؒ کہتے ہیں کہ اُبو یعقوب
نہرجوریؒ کا جب انتقال ہونے لگا - نزع کے وقت میں نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی تلقین
کیا تو میری طرف دیکھ کر ہنسے اور کہنے لگے - مجھے تلقین کرتے ہو اُس ذات کی عزت کی قسم
جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، میرے اور اس کے درمیان صرف اس کی بڑائی اور
عزت کا پردہ ہے - اور بس یہ کہتے ہی رُوح پرواز کر گئی - مُزنیؒ اپنی داڑھی پکڑ کر کہتے
تھے کہ مجھ جیسا حجام بھلا اَولیاء کو تلقین کرے کیسی غیرت کی بات ہے اور جب اس
واقعہ کو ذکر کرتے تو رو دیا کرتے - اَبُو الحُسَین مالکیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت خیر نور بافؒ
کے ساتھ کئی سال رہا - انہوں نے اپنے انتقال سے آٹھ یوم پہلے کہا کہ میں جمعرات
کی شام کو مغرب کے وقت مروں گا اور جمعہ کی نماز کے بعد دفن کیا جاؤں گا بھول
نہ جانا - لیکن میں بالکل بھول گیا - جمعہ کی صبح کو ایک شخص نے مجھے ان کے انتقال کی
خبر سنائی - میں فوراً گیا کہ جنازہ میں شرکت کروں - راستہ میں لوگ ملے جو ان کے گھر
سے واپس آرہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جمعہ کے بعد دفن ہوں گے مگر میں اُن کے
گھر پہنچ گیا - میں نے وہاں جا کر ان کے انتقال کی کیفیت پوچھی تو مجھ سے ایک شخص
نے جو انتقال کے وقت ان کے پاس موجود تھے بتایا کہ رات مغرب کی نماز کے قریب
ان کو غشی سی ہوئی - اس کے بعد ذرا افاقہ سا ہوا تو گھر کے ایک کونہ کی طرف منہ کر کے
کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ تمہیں بھی ایک کام کا حکم ہے اور مجھے بھی ایک کام کا
حکم ہے لیکن تمہیں جس کام کا حکم ہے وہ تو فوت نہیں ہو گا اور مجھے جس کام کا حکم
ہے وہ رہ جائے گا - اس لئے تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ میں اس کو پورا کر لوں جس کا مجھے
حکم ہے - اس کے بعد انہوں نے پانی منگایا، تازہ وضو کیا، نماز پڑھی اور اس کے بعد
آنکھیں بند کر کے پاؤں پسار کر لیٹ گئے اور چل دیئے - کسی نے ان کو خواب میں دیکھا
پوچھا کیا حال ہے - کہنے لگے یہ نہ پوچھو، تمہاری سڑی ہوئی مُردار دنیا سے خلاصی مل گئی -

ابو سعید خرّازؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ باب بنی شیبہ سے نکل رہا تھا۔ دروازہ سے باہر میں نے ایک نہایت خوبصورت آدمی کو مرے ہوئے پڑا دیکھا۔ میں جو اس کو غور سے دیکھنے لگا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہنے لگا۔ ابو سعید تمہیں معلوم نہیں کہ (محبت والے) دوست مرا نہیں کرتے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا جب وصال ہونے لگا تو کسی نے ان سے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرما دیجئے۔ فرمانے لگے کہ میں اس کی مہربانی کے کرشموں میں متعجب ہو رہا ہوں اس وقت مجھے مشغول نہ کرو۔ ابو عثمان حیریؒ کہتے ہیں کہ جب ابو حفصؒ کا انتقال ہونے لگا تو کسی نے پوچھا کہ کوئی وصیت فرما دیجئے فرمانے لگے کہ مجھ میں بولنے کی طاقت نہیں۔ اس کے بعد ذرا سی قوت معلوم ہوئی تو میں نے کہا۔ اب فرما دیجئے میں لوگوں تک پہنچا دوں گا۔ فرمانے لگے اپنی کوتاہی پر پورے دل سے انکسار اور عاجزی ہو (بس یہ میری آخری وصیت ہے)۔ حضرت جُنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سری سقطیؒ کا وصال ہونے لگا۔ نزع کی حالت تھی۔ میں سرہانے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنا منہ ان کے منہ پر رکھ دیا۔ میری آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ میرا آنسو ان کے رخسار پر گرا۔ فرمانے لگے کون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ کا خادم جنید ہے۔ فرمانے لگے مرحبا (بہت اچھا کیا، آئے) میں نے عرض کیا۔ کوئی آخری وصیت فرما دیجئے۔ فرمانے لگے کہ بُروں کی صحبت سے اپنے کو بچانا۔ اور ایسا نہ ہو کہ غیروں کی صحبت اللہ تعالیٰ شانہٗ سے تجھے جدا کر دے حضرت حبیب عجمیؒ (جو مشہور اکابر صوفیا میں ہیں) انتقال کے وقت بہت ہی گھبرا رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ جیسے بزرگ سے یہ گھبراہٹ بعید ہے اس سے پہلے تو ایسا حال آپ کا نہ ہوتا تھا (یعنی اتنی گھبراہٹ کسی بات سے بھی محسوس نہ ہوتی تھی) فرمانے لگے سفر بہت لمبا ہے توشہ پاس نہیں ہے۔ کبھی اس سے پہلے اس کا راستہ دیکھا نہیں آقا اور سردار کی زیارت کرنی ہے کبھی اس سے پہلے زیارت نہیں کی۔ ایسے خوفناک منظر دیکھنے ہیں جو پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ مٹی کے نیچے تنہا قیامت تک پڑے رہنا ہے کوئی مونس

پاس نہ ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے، کہ اگر وہاں یہ سوال ہو گیا کہ حبیب ساٹھ برس میں ایک تسبیح ایسی پیش کر دے جس میں شیطان کا کوئی دخل نہ ہو تو کیا جواب دوں گا۔ اور یہ حال اس پہ تھا کہ ساٹھ برس کی زندگی میں دنیا سے ذرا سا بھی لگاؤ نہ تھا۔ پھر ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا جو کسی وقت بھی دنیا تو درکنار گناہوں سے بھی خالی نہیں ہوتے، ہر وقت شیطان ہی کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں۔ عبدالجبار کہتے ہیں کہ میں حضرت فتح بن شخرفؒ کی خدمت میں تیس برس رہا۔ انہوں نے کبھی آسمان کی طرف منہ نہیں اُٹھایا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے، اب تو آپ کا اشتیاق بہت ہی بڑھ گیا۔ اب جلدی ہی بُلا لیجئے۔ اس کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا کہ انتقال فرما گئے۔ ابُو سعید مُوصلیؒ کہتے ہیں کہ فتح بن سعید عیدُالاضحیٰ کی نماز پڑھ کر عیدگاہ سے دیر میں واپس ہوئے واپسی میں دیکھا کہ مکانوں کے اندر سے قربانی کے گوشت پکنے کا دھواں ہر طرف سے نکل رہا ہے تو رونے لگے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے قربانیوں سے آپ کا تقرُّب حاصل کیا میرے محبوب کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں قربانی کس چیز کی کروں۔ یہ کہہ کر بے ہوش ہو کر گر گئے۔ میں نے پانی چھڑکا، دیر میں ہوش آیا، پھر اُٹھ کر چلے۔ جب شہر کی گلیوں میں پہنچے تو پھر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر کہنے لگے کہ میرے محبوب تجھے میرے رنج و غم کا طویل ہونا بھی معلوم ہے اور میرا یہ گلی گلی پھرنا بھی تجھے معلوم ہے۔ میرے محبوب تو مجھے یہاں کب تک قید رکھے گا۔ یہ کہہ کر پھر بیہوش ہو کر گر گئے۔ میں نے پھر پانی چھڑکا پھر افاقہ ہو گیا اور چند روز بعد انتقال ہو گیا۔ محمد بن قاسمؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیخ محمد بن اسلم طوسیؒ نے انتقال سے چار دن پہلے فرمایا کہ آؤ تمہیں خوشخبری سناؤں کہ تمہارے ساتھی کے (یعنی میرے) ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ نے کس قدر احسان کیا کہ میری موت کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کا مجھ پہ یہ احسان ہے کہ میرے پاس ایک درم بھی نہیں ہے جس کا حساب دینا پڑے۔ اب مکان کے کواڑ بند کر دو اور میرے مرنے تک کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا۔ اور یہ سُن لو کہ میرے پاس کوئی چیز

نہیں ہے جس میں میراث تقسیم ہو، بجز اس چادر کے اور اس ٹاٹ کے اور اس وضو کے لوٹے کے اور میری کتابوں کے۔ اور اس تھیلی میں تیس درم ہیں۔ یہ میرے نہیں ہیں بلکہ میرے بیٹے کے ہیں۔ اُس کے ایک رشتہ دار نے اس کو دیئے ہیں۔ اور اس سے زیادہ حلال چیز میرے لئے کیا ہوگی جب کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے (لہٰذا یہ بیٹے کا مال ہونے کی وجہ سے اس حدیث شریف کی بنا پر مجھے حلال ہے)۔ اس میں سے میرے کفن کی اتنی مقدار خرید لینا جس سے میرا ستر ڈھک جائے اس سے زیادہ اس میں سے نہ لینا۔ یعنی صرف لنگی اس سے خرید لینا، اور یہ ٹاٹ اور یہ چادر کفن میں شامل کر لینا۔ کفن کے تین کپڑے پورے ہو جائیں گے۔ لنگی چادر اور میرا ٹاٹ ہو جائے گا۔ ان تینوں میں مجھے لپیٹ دینا۔ اور یہ وضو کا لوٹا کسی نمازی فقیر کو صدقہ کر دینا کہ وہ وضو کر لیا کرے گا۔ یہ سب فرما کر چوتھے دن انتقال ہو گیا۔ ابو عبدالخالق کہتے ہیں کہ میں یوسف بن حسینؒ کے پاس نزع کی حالت میں تھا وہ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ میں ظاہر میں لوگوں کو نصیحت کرتا رہا اور باطن میں اپنے نفس کے ساتھ کھوٹا پن کرتا رہا۔ میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کھوٹ کیا اُس کو اس کے بدلہ میں کہ تیری مخلوق کو نصیحت کرتا رہا، مُعاف کر دے۔ یہی کہتے کہتے جان نکل گئی۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَحْمَةً وَّاسِعَةً (اتحاف) کس قدر خوش قسمت تھے یہ مرنے والے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی برکات سے اس ناپاک کو بھی کوئی حصّہ عطا فرمادے کہ وہ بڑا کریم ہے اس کے کرم سے کوئی چیز بھی بعید نہیں۔

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يَكْذِبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے کئی غلام ہیں، جو مجھ سے جھوٹ بھی بولتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، کہنا بھی نہیں مانتے ہیں

فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ ذٰلِكَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَجِدُ لِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِّنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ (رواه الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)

ان کو بُرا بھلا بھی کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں، میرا ان کا (قیامت میں) کیا معاملہ رہے گا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جتنی مقدار کی انہوں نے خیانت کی ہوگی اور تیری نافرمانی کی ہوگی، اور جھوٹ بولا ہوگا۔ اس ساری مقدار کا وزن کیا جائے گا (کہ وہاں ہر چیز کا وزن ہوتا ہے چاہے وہ چیز جسم والی جوہر ہو یا بے جسم کی عرض ہو) اور تونے جو سزا ان چیزوں پر دی ہے وہ بھی سب تولی جائے گی۔ پس اگر تیری سزا اور ان کا جرم برابر رہا تب تو نہ لینا نہ دینا اور اگر تیری سزا ان کے جُرم سے وزن میں کم ہوگی تو جتنی کم ہوگی وہ تجھے دی جائے گی اور اگر سزا ان کے جرم سے بڑھی ہوئی ہوگی تو اس زیادتی پر تجھ سے بدلہ لیا جائے گا وہ شخص افسوس کرتے ہوئے روتے ہوئے مجلس سے ہٹ گئے حضورؐ نے فرمایا تم نے قرآن شریف کی آیت (سورۂ انبیاء ع) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ، الآیۃ نہیں پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ قیامت کے دن ہم میزانِ عدل قائم کریں گے (جس میں اعمال کا وزن کریں گے) اور کسی پر

ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا
تو ہم اس کو وہاں حاضر کریں گے (اور اس کا وزن کریں گے) اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

ف : قیامت کے دن حساب کا معاملہ بھی بڑا سخت معاملہ ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں بہت کثرت سے اس پر تنبیہیں اور اس کی تفصیلیں ذکر فرمائی گئی ہیں مثال اور نمونہ کے طور پر چند آیات اور چند احادیث اس جگہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ قف ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (بقرہ۔ ع ۳۸) "اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تم حق تعالیٰ شانہٗ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا عمل (یعنی اس کا بدلہ) پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔" (۲) يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ﺍﺻﻠﮯ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ج تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ○ (آل عمران۔ ع ۳) "جس دن پائے گا ہر شخص اپنے سامنے اس چیز کو جو اس نے کسی قسم کی خیر کی کی ہو یا کسی قسم کی برائی کی کی ہو اور تمنا کرے گا کہ کاش اس دن کے اور اس کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی اور اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے تم کو اپنے آپ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا شفیق ہے بندوں پر (اس شفقت ہی کی وجہ سے ڈراتا ہے کہ تم اس کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ)۔" (۳) وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (آل عمران۔ ع ۱۷) "اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (حشر کے میدان میں) لائے گا پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔" (۴) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط (آل عمران۔ ع ۱۹) "ہر شخص کو موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور تمہارے (نیک اور بد) اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت ہی کے دن ملے گا۔" (۵) اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ط (یہ کلمہ بہت جگہ قرآن

پاک میں وارد ہوا ہے کہ) "حق تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب کرنے والے ہیں" (کہ ہر شخص کا حساب کتاب بہت جلد ہی پورا کر دیا جائے گا اور اس کے موافق بدلہ دیا جائے گا)۔ (٦) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ج فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ (اعراف ع ١) "اور اُس دن (قیامت کے دن اعمال کا) وزن ضروری ہے پس جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلّہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا (نیک اعمال کا) پلّہ ہلکا ہوگا یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اس وجہ سے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے"۔ (٧) اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ط (یونس۔ ع ٣) "بے شک ہمارے قاصد (فرشتے) تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں" (اور ان سب کا بدلہ تم کو قیامت میں ملے گا جب یہ لکھا ہوا سامنے لایا جائے گا)۔ (٨) وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا لا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ط (یونس۔ ع ٣) "اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے، اُن کی بُرائی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلّت چھا لے گی اور ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا (اور ان کے منہ ایسے کالے ہوں گے) گویا اُن کے چہروں پہ اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے۔ (٩) هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ط (یونس ع ٣) "اُس مقام پر ہر شخص اپنے پہلے کیے کاموں کو (جو دنیا میں کیے تھے) جانچ لے گا، (کہ وہ کس قسم کے نیک یا بد کیے تھے پھر اس کا حساب ہو جائے گا) (١٠) لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ط وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ○ (رعد۔ ع ٢) جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے، اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر دنیا کی تمام چیزیں بھی

(بلکہ) اور اس کے ساتھ اُسی کی برابر اور چیزیں ہوں تو سب کی سب اپنے فدیہ میں
دے ڈالیں (اور) اُن کا سخت حساب ہوگا۔ (۱۱) فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿ط﴾ (رعد۔ ع ۶) "پس آپ کے ذمّہ تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
صرف پہنچا دینا ہے (اور اس پر عمل کرنے نہ کرنے کا) حساب ہمارے ذمہ ہے۔ (۱۲) رَبَّنَا
اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم ع ۶)
"اے ہمارے رب میری اور میرے والدین کی اور سب مومنین کی حساب قائم ہونے
کے دن مغفرت کر دیجئے" (یہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے)۔ (۱۳) وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿ج﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ○ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴿ط﴾ اِنَّ اللّٰهَ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (ابراہیم۔ ع ۷) "اور تو اس دن مجرموں کو زنجیروں میں
جکڑا ہوا دیکھے گا اور ان کے کرتے قطران (چیڑ کے درخت کے تیل) کے ہوں گے (کہ
اس تیل میں پٹرول کی طرح سے آگ جلدی لگتی ہے) اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوتی
ہوگی (اور یہ ساری تکلیفیں کیوں ہیں) تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کی
سزا دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۴) وَكُلَّ اِنْسَانٍ
اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ﴿ط﴾ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿ط﴾
اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ﴿ط﴾ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ (بنی اسرائیل ع ۲)
"اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نیک ہو یا بد ہو) اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے اور قیامت
کے دن ہم اس کا اعمال نامہ اس کے سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھے گا (اور
اس سے کہا جائے گا) کہ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا محاسب کافی
ہے" (یعنی خود ہی حساب کر لے، کسی دوسرے کی بھی ضرورت نہیں)۔ (۱۵) كَلَّا ﴿ؕ﴾
سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ الْاٰيَة (مریم۔ ع ۵) (جو بات کافر سمجھ رہے ہیں وہ) ہرگز نہیں
ہے ہم ہر وہ بات لکھ لیتے ہیں جو کوئی زبان سے کہتا ہے" (اس کے بعد قیامت کے دن
وہ لکھا ہوا اعمالنامہ اُس کے سامنے کر دیا جائے گا)۔ (۱۶) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (انبیاء ۔ ع ۱) لوگوں کے حساب کا وقت تو قریب آگیا اور یہ ابھی تک غفلت ہی میں پڑے ہیں (اور اس کی تیاری سے) اعراض کیے ہوئے ہیں۔ (۱۷) فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ○ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ○ (مومنون ع ۶) "پھر جب (قیامت کے دن) صور پھونکا جائے گا تو (اس قدر خوف ہوگا کہ) باہمی رشتے بھی اس دن نہ رہیں گے (یعنی سب اجنبی سے بن جائیں گے، باپ بیٹے سے بھاگے گا وغیرہ وغیرہ، جیسا سورۂ عبس میں ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ الآیۃ) اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (اور اعمال کی ترازو کھڑی کر دی جائے گی) پس جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (یعنی اس کی نیکیاں جھک جائیں گی) پس ایسے لوگ تو کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا پس یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں اُن کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے"۔ (۱۸) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○ (نور ۔ ع ۵) "اور جو لوگ کافر ہیں (اور نورِ ہدایت سے دُور ہیں) ان کے اعمال ایسے ہیں جیسا کہ ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اس کو (دُور سے) پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا، اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ شانہٗ کو پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب وہیں کر دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلدی حساب کر دینے والے ہیں"۔ (۱۹) اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ○ (ص ۔ ع ۲) "جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ روزِ حساب کو بھولے

ہوئے ہیں۔ (۲۰) اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ (مومن۔ ع ۲) ''آج (قیامت) کے دن ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا آج ظلم نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ شانہٗ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' (۲۱) وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (جاثیہ۔ ع ۴) ''اور آپ (قیامت کے دن) ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ (وہ لوگ خوف کی وجہ سے) گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنی کتاب (نامۂ اعمال) کی طرف بُلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) کہ آج تم کو تمہارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا (اور یہ کہا جائے گا) کہ یہ ہماری کتاب (جس میں تمہارے اعمال لکھے ہوئے ہیں) تمہارے اعمال کو ٹھیک ٹھیک بتا رہی ہے ہم (دنیا میں فرشتوں سے) تمہارے اعمال کو لکھواتے رہتے تھے (جو اس وقت یہ تمہارے سامنے ہے)۔ (۲۲) اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (ق۔ ع ۲) ''جب دو اَخذ کرنے والے (بات کو جلدی سے لے کر لکھنے والے فرشتے) لیتے رہتے ہیں اور دائیں جانب اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں وہ (یعنی آدمی) کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر ایک تاک لگانے والا تیار رہتا ہے'' (اور وہ فوراً اس کو لکھ لیتا ہے یہی اعمال نامہ ہے)۔ (۲۳) يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ○ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ○ۚ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ○ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ۚ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ○ هَلَكَ عَنِّيْ

سُلْطٰنِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ (الحاقہ-ع ۱) جس دن تم (خداتعالیٰ کے سامنے حساب کے لیے) پیش کیے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی پھر (نامۂ اعمال ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے پس) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو (خوشی کے مارے آپس میں) کہے گا، کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو میرا تو (پہلے ہی سے) اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے (میں تو دنیا ہی میں اس کے لیے تیاری کر رہا تھا) پس یہ شخص تو پسندیدہ زندگی یعنی بہشتِ بریں میں ہوگا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گذرے ہوئے زمانہ میں کیے ہیں اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ (نہایت حسرت اور غم سے) کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کاش موت (جو آچکی تھی وہی سب کام کا) خاتمہ کر دیتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری وجاہت بھی میرے سے جاتی رہی (اس شخص کے لیے حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں طوق پہنا دو، پھر جہنم میں اس کو داخل کر دو پھر ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہو اس کو جکڑ دو (اس آیت شریفہ کا کچھ حصہ بخل کے بیان میں ع۱۳ پر گزر چکا ہے) (۲۴) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (انفطار) اور تم پر (ایسے فرشتے جو تمہارے کاموں کو) یاد رکھنے والے ہیں جو معزز ہیں (اور ہر کام کو) لکھنے والے ہیں مقرر ہیں جو تمہارے سارے افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں، قیامت کے دن یہ سب مجموعہ پیش ہوگا)۔ (۲۵) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۚ (انشقاق) پس جس شخص کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا اُس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور وہ (اُس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا، اور جس شخص کا نامۂ اعمال (اُس کے بائیں ہاتھ میں) پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا سو وہ موت کو پکاریگا (جیسا کہ مصیبت کے وقت پکارا جاتا ہے) اور جہنّم میں داخل ہوگا یہ شخص (دنیا میں) اپنے گھر بہت خوش خوش رہتا تھا اُس نے گمان کر رکھا تھا کہ اس کو خدا کے یہاں جانا ہی نہیں ہے۔ (۳۶) اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (غاشیہ) بیشک ہمارے ہی پاس ان سب کو لوٹ کر آنا ہے پھر ہمارا ہی کام ہے ان سے حساب لینا۔ (۳۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۗ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۗ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ جب زمین (زلزلہ کی وجہ سے) اپنی پوری حرکت سے ہلا دی جائے گی (اور جب ساری دنیا میں زلزلہ آئے تو ظاہر ہے کہ کتنا بڑا زلزلہ ہوگا) اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ (خواہ دفینے ہوں یا مُردے) باہر نکال کر پھینک دے گی اور آدمی (ہکّا بکّا ہو کر) کہے گا، اس کو کیا ہو گیا، اور اُس دن زمین (جو کچھ اس کے اوپر اچھے یا بُرے کام کیے گئے ہیں) سب کی خبریں دے گی اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (جیسا کہ آئندہ روایات کے ذیل میں آرہا ہے) اُس دن لوگ مختلف جماعتیں (کوئی مقربین کی، کوئی نیک لوگوں کی، کوئی جہنمیوں کی جماعت ہوگی اور پھر ہر جماعت میں مختلف گروہ ہوں گے۔ اسی طرح سے کوئی جماعت سواروں کی کوئی پیدل چلنے والوں کی، کوئی ان لوگوں کی جن کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، غرض ہر قسم کی مختلف جماعتیں) ہو کر لوٹیں گے تاکہ اپنے اعمال کو (جو دنیا میں کیے تھے) دیکھ لیں، پس جو شخص

(دنیا میں) ذرّہ کے برابر نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ کے برابر بُرائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

یہ نمونہ کے طور پر ستائیس۲۷ آیات حساب کتاب اور اعمال کے بدلہ کی ذکر کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں آیات میں مختلف عُنوانات سے یہ اور اسی قسم کے مضامین وارد ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی ہزاروں روایات میں اس حساب کے دن کے سخت حالات ذکر کئے گئے ہیں جن کا احاطہ بھی دُشوار ہے لیکن ضروری ہے کہ اپنے ان اوقات کو جو محض دنیا کمانے میں ضائع کئے جاتے ہیں تھوڑا بہت ان کام آنے والی چیزوں میں بھی خرچ کیا جائے۔ ابھی وقت ہے، کچھ کیا جا سکتا ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ افسوس کے سوا کچھ بھی نہ بنے گا نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ترجمہ بھی اس جگہ لکھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ ایک مرتبہ جہنّم کو یاد کرکے رونے لگیں۔ حُضورؐ نے فرمایا۔ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہی ہو حضرت عائشہ نے فرمایا۔ مجھے جہنّم یاد آگئی اس پر رو رہی ہوں۔ آپ حضرات اُس دن اپنے اہل وعیال کو بھی یاد کرلیں گے یا نہیں؟ حُضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین وقت تو ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ ایک تو ترازو کے وقت (جب اعمال کے تولنے کا وقت ہوگا) یہاں تک کہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا (نیکیوں کا) پلڑا جُھک رہا ہے یا نہیں۔ دوسرے جب یہ اعلان ہوگا کہ آؤ اپنے اپنے حساب کی کتاب لے لو۔ اُس وقت کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا پُشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملتا ہے۔ تیسرے پُل صراط کے وقت جبکہ وہ جہنّم پر بچھائی جائے گی (اور اُس پر کو چلنا پڑے گا)۔ جب تک کہ آدمی اُس پر کو خیریت سے نہ گزر جائے (مشکوٰۃ)۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حساب کیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا۔ وُہ جنّت میں چلا جائے گا۔ اور جس کی بُرائیوں میں ایک کا بھی اضافہ ہو جائے گا وُہ

جہنم میں جائے گا۔ اس کے بعد اُنہوں نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ والی آیت پڑھی جو عنقریب گزری اور فرمایا کہ ترازو کا پلّہ ایک دانہ سے بھی جھک جائے گا۔ اور جس کی نیکیاں اور بُرائیاں برابر ہوں گی وہ اَعراف میں ہوں گے (جو جنّت اور دوزخ کے درمیان میں ہے) حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ فرماتے ہیں کہ جس کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ اچھا ہوگا اُس کا وزن ہلکا ہوگا اور جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہوگا اُس کا وزن بھاری ہوگا۔ حضرت اَنس حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک فرشتہ ترازو کے قریب مُقرّر ہوگا پس جس کا پلّہ بھاری ہوجائے گا وہ ایسے زور سے اِعلان کرے گا جس کو ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا سعید ہوگیا اور ایسی سعادت ملی کہ اس کے بعد بدبختی نہیں ہے، اور اگر اس کا پلڑا ہلکا ہوگیا تو وہ اسی طرح اُس کے بدبخت ہونے کا اِعلان کرے گا جس کو ساری مخلوق سُنے گی۔ مُتعدّد روایات میں آیا ہے کہ وہ ترازو اتنی بڑی ہوگی کہ آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس کے ایک پلڑے میں آجائے گا۔ حضرت جابرؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ترازو میں سب سے اوّل وہ نفقہ رکھا جاتا ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔ حُضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت اَبُوذرؓ سے ارشاد فرمایا کہ دو خصلتیں تمہیں ایسی بتاؤں جو عمل میں بہت ہلکی، وزن میں بہت بھاری۔ ایک تو اچھی عادت دوسرے چُپ رہنا (یعنی بیکار باتوں سے احتراز کرنا)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ شانُہٗ کو بہت محبوب ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی وہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ہیں۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد وارد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے میں اُس کی ترازو کے پاس کھڑا ہوں گا۔ اگر اُس کی نیکیاں بڑھ گئیں تو بہت ہی اچھا، نہیں تو میں اس کی سفارش کروں گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن علماء کے لکھنے کی سیاہی اور شہیدوں کا خون بھی

تولا جائے گا اور علماء کے لکھنے کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ وزنی ہوگا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اعمال نامہ کا وزن اور اُمتوں سے بہت بڑھ جائے گا اس لیے کہ ان کی زبانیں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ بہت مانوس ہوں گی۔ حضرت ابُو دردا رضؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ہر وقت پیٹ اور شرم گاہ ہی کا فکر رہے، اُس کا وزن ہلکا ہوگا (درمنثور)۔ ایک حدیث میں حضُور کا ارشاد ہے کہ جو فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیوں کا لکھنے والا ہوتا ہے وہ بائیں جانب والے پر امیر ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں جانب والا دس گنا اُس کا ثواب لکھ لیتا ہے، اور جب کوئی برائی کرتا ہے اور بائیں جانب والا اُس کو لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ماتحت ہونے کی وجہ سے امیر سے لکھنے کی اجازت لیتا ہے تو امیر یعنی دائیں جانب کا فرشتہ کہتا ہے کہ ابھی چھ سات گھنٹے انتظار کر لے، اگر بندہ اس درمیان میں اُس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ لکھنے کی اجازت نہیں دیتا اور اگر توبہ نہیں کرتا تو وہ لکھ لیتا ہے (درمنثور)۔ حضُورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد متعدد احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی۔ پہلی دو پیشیوں میں تو مطالبات، سُوال جواب، عُذر معذرت وغیرہ سب کچھ ہوگا، اور تیسری پیشی میں اعمال نامے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے۔ کسی کے داہنے ہاتھ میں کسی کے بائیں ہاتھ میں (درمنثور)۔ ایک حدیث میں حضُورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں حق تعالیٰ شانُہٗ اس کا بہت آسان حساب لیتے ہیں اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو تجھے اپنے احسان سے محروم رکھے تُو اس پر احسان کرے دوسرے جو شخص تجھ سے قطع رحمی کرے تُو اُس کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ تیسرے جو تجھ پر ظلم کرے تُو اُس کو معاف کر دے (درمنثور)۔ حضُورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر (آخرت کے احوال سے) جو کچھ مجھے معلوم ہے تم لوگوں کو معلوم ہو جائے تو (خوف کی وجہ سے) ہنسنا کم کر دو اور رونا بہت زیادہ کر دو، اور

بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذّت حاصل کرنا چھوڑ دو اور چلاتے ہوئے جنگل کو نکل جاؤ۔ حضرت ابوذرؓ حضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر فرمانے لگے۔ کاش میں تو ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا (آدمی ہوتا ہی نہیں جو اتنے مصائب برداشت کرنا پڑیں)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا اِرشاد ہے کہ آدمی جس حالت میں مرتا ہے، اُسی حالت میں قیامت کو اُٹھایا جائے گا (یعنی جس نیکی یا بدی میں مشغول ہے اور اسی حالت میں موت آگئی، اسی حالت پر حشر بھی ہوگا) (مشکوٰۃ)۔ ایک مرتبہ حُضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وعظ فرمایا جس میں اِرشاد فرمایا۔ غور سے سُن لو کہ دنیا ایک وقتی منفعت ہے جس سے ہر شخص نفع اُٹھاتا ہے چاہے نیک ہو یا فاجر (لہٰذا اس سے زیادہ نفع اُٹھانا کوئی نیکی کی علامت نہیں ہے) اور آخرت ایک مقررہ چیز ہے جو بہرحال وقت مُقرّر پر آنے والی ہے اور اس میں ایک ایسا بادشاہ فیصلہ فرمائے گا جو ہر چیز پر قادر ہے (اس کے اختیارات بہت زیادہ وسیع ہیں) خیر ساری کی ساری جنّت میں ہے (لہٰذا جو خیر بھی آدمی کر سکے اس میں کوتاہی نہ کرے کہ وہ جنّت کی طرف لے جانے والی ہے) اور شر ساری کی ساری جہنّم میں ہے (اس لئے ذرا سی شر سے بھی بچنے کی کوشش کرنا چاہئیے اس کو معمولی نہ سمجھنا چاہئیے کہ ذرا سی شر بھی جہنّم کی طرف لے جانے والی ہے)۔ اہتمام سے نیک عمل کرتے رہو، تم اللہ تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے نہایت خطرہ کی حالت میں ہو (اُس سے بے خوف اور بے فکر کسی وقت نہ ہونا چاہئیے) اور اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کئے جاؤ گے (اور ان کا حساب ہوگا) جو شخص ایک ذرّہ کے برابر بھی نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرّہ کے برابر بھی بُرائی کرے گا وہ اُس کو بھی دیکھے گا (مشکوٰۃ)۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا اِرشاد ہے کہ دنیا دن بدن مُنہ پھیرتی جارہی ہے یعنی دُور ہوتی جارہی ہے اور آخرت روز بروز قریب آتی جارہی ہے اور (دنیا اور آخرت میں سے) ہر ایک کی مُستقل اولاد ہے پس تم دنیا کی اولاد نہ بنو، آخرت کی اولاد بنو۔ آج عمل کا دن ہے حساب نہیں ہے اور کل کو حساب کا دن ہے عمل نہ ہوگا (مشکوٰۃ)۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تین کچہریاں ہوں گی۔ ایک کچہری میں تو معافی بت ہی نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کی ہے (یعنی اس عدالت میں تو صرف ایمان اور کفر کا مقدمہ پیش ہوگا اور جرم کی معافی کا اس عدالت میں ذکر ہی نہیں)۔ دوسری کچہری میں حق تعالیٰ شانہٗ صاحب حق کو اُس کا حق ضرور دلائیں گے (خواہ اپنے پاس سے عطا فرمائیں، یا جس کے ذمہ حق ہے اُس سے وصول کرکے مرحمت فرمائیں) اور یہ کچہری بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کی ہے کہ اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا تیسری کچہری حق تعالیٰ شانہٗ کے اپنے حقوق کی ہے (فرائض وغیرہ میں کوتاہی کی ہے) اس میں حق تعالیٰ شانہٗ زیادہ پروا نہیں فرمائیں گے یہ اُس کریم کے اپنے حقوق ہیں وہ چاہے مطالبہ فرمائیں یا معاف کر دیں (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے ذمہ اس کے بھائی کا کوئی حق ہو کہ اُس پر آبرو کی یا مال کی کوئی زیادتی اور ظلم کر رکھا ہو، اُس کو آج معاف کرا لو۔ اُس وقت سے پہلے پہلے نبٹ لو جس دن نہ دینار ہوگا نہ درم (نہ روپیہ نہ اشرفی، اُس دن سارا حساب نیک اعمال اور گناہوں سے ہوگا)۔ پس اگر اس ظلم کرنے والے کے پاس کچھ نیک عمل ہیں تو اُس کے ظلم کے بقدر نیکیاں لیکر مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے اتنے ہی گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے (کہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے کے گناہوں کی سزا میں جہنم میں کچھ زیادہ زمانہ پڑے رہنا ہوگا) (مشکوٰۃ)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن حق داروں کو ان کا حق ضرور دلوایا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کیلئے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا (مشکوٰۃ) یعنی اگر دنیا میں ایک بکری کے سینگ تھے اُس نے دوسری بکری کے مارا جس کے سینگ نہ تھے جس کی وجہ سے وہ بدلہ نہ لے سکی تو اُس بکری کا بدلہ بھی وہاں دلوایا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے۔ صحابہؓ نے

عرض کیا۔ ہمارے نزدیک تو مفلس وہ شخص سمجھا جاتا ہے جس کے پاس نہ درہم (نقد) ہو نہ مال۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میری اُمّت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز روزہ زکوٰۃ لے کر آئے لیکن کسی کو گالی دی تھی، کسی کو تہمت لگائی تھی، کسی کا مال کھالیا تھا، کسی کو مارا تھا۔ پس کچھ نیکیاں اُس نے لے لیں کچھ اس نے لے لیں۔ اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور دوسروں کے مطالبے باقی رہ گئے تو ان کے مطالبوں کی بقدر ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کے بعد اُس (ظالم اور کثرت سے عبادتوں کے مالک) کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا (مشکوٰۃ)۔ فقیہ ابو اللّیثؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اُس وقت ستّر برس تو ایسی حالت میں کھڑے رہیں گے کہ ان کی طرف اِلتفات بھی نہ ہوگا، وہ اس پریشانی میں اتنا روئیں گے کہ آنسو ختم ہو جائیں گے اور آنسوؤں کی جگہ خون نکلنے لگے گا۔ اس کے بعد میدانِ حشر کی طرف بُلائے جائیں گے اور فرشتے آسمانوں سے اُترنا شروع ہوں گے ہر آسمان کے فرشتے ایک ایک حلقہ بنا کر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں کے پیچھے کھڑے ہوں گے جس کو قرآن پاک میں وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ (فرقان ع ۳) میں ذکر کیا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "جس دن آسمان بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے کثرت سے اُتارے جائیں گے اُس دن حکومت رحمان ہی کی ہوگی۔ (یعنی حساب کتاب جزا سزا میں کسی کا دخل نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ جس دن ظالم آدمی اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا،

کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول (علیہ السّلام) کے ساتھ راستہ پر لگ لیتا۔ ہائے میری شامت (کہ میں نے ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو (جس نے نیک کام سے روکا) دوست نہ بناتا۔ اُس نے مجھ کو نصیحت آنے کے باوجود اُس سے بہکا دیا اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر سب کو کُلّی طور پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے" (جس کا مُفصّل قصہ سُورۂ ابراہیم میں ہے)۔ ایک اور حدیث میں حُضورؐ کا ارشاد ہے کہ اُس وقت حق تعالیٰ شانُہٗ کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ اے جِنّ و انس میں نے دنیا میں تمہیں نصیحت کر دی تھی۔ آج تمہارے یہ اعمال تمہارے سامنے ہیں۔ جو شخص اپنے اعمالنامہ میں بھلائی پائے وہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ کا شُکر ادا کرے، اور جو نیکی نہ پائے وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے (کہ نصیحت کی بات نہ مانی)۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانُہٗ جہنّم کو حکم فرمادیں گے۔ اُس کا عذاب سامنے آجائے گا جس کو دیکھ کر ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا، جس کو سُورۂ جاثیہ (ع ۴) میں ارشاد فرمایا ہے کہ تُو ہر جماعت کو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہے اور ہر جماعت اپنے اعمال نامہ کی طرف بُلائی جائے گی۔ اُس کے بعد لوگوں کے درمیان میں فیصلے شروع ہوجائیں گے حتّٰی کہ جانوروں تک کے درمیان میں بھی انصاف کیا جائے گا اور بے سینگ والی بکری کے لیے سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ اُس کے بعد جانوروں کو حکم ہوجائے گا کہ تم مٹی بن جاؤ (تمہارا معاملہ ختم ہوگیا)۔ اُس وقت کافر لوگ یہ تمنّا کریں گے اور کافر کہے گا یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا ط (عم۔ ع ۲) کاش میں مٹی ہوجاتا۔ ایک حدیث میں حُضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگ جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی ننگے میدان حشر میں ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، سب کے سامنے ننگا ہونے سے کیسی شرم آئے گی ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ حُضورؐ نے فرمایا۔ اس وقت لوگ اپنی مصیبت میں اس قدر گرفتار ہوں گے کہ ایک کو دوسرے کے دیکھنے کی مہلت بھی نہ ہوگی۔ سب کی آنکھیں اُوپر کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ ہر شخص اپنے اَعمالِ بد کی

بقدر پسینے میں غرق ہوگا۔ کسی کا پسینہ پاؤں تک چڑھا ہوا ہوگا کسی کا پنڈلی تک، کسی کا پیٹ تک، کسی کا مُنہ تک آیا ہوا ہوگا۔ فرشتے عرش کے چاروں طرف حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے۔ اُس وقت ایک ایک شخص کا نام لے کر پکارا جائے گا وہ مجمع سے نکل کر وہاں حاضر ہوگا۔ جب وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، تو اعلان کیا جائے گا کہ اس کے ذمہ جس جس کا مطالبہ ہو، وہ آئے۔ اُس کے ذمہ جس جس کا کوئی حق ہوگا، یا اُس کی طرف سے اُس پر کسی قسم کا ظلم ہوگا وہ ایک ایک کرکے پکارا جائے گا اور اُس کی نیکیوں میں سے ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے اور اگر نیکیاں نہیں ہوں گی یا نہیں رہیں گی تو اُن لوگوں کے گناہ اُس پر ڈال دیئے جائیں گے اور جب وہ اپنے گناہوں کے ساتھ دوسرے گناہوں کو بھی سر لے لیگا تو اُس سے کہا جائے گا کہ جا اپنی ماں ہاویہ میں چلا جا (اَلْقَارِعَۃ میں اس کا بیان ہے یعنی دہکتے ہوئے جہنم میں) حساب اور عذاب کی اس شدت کو دیکھتے ہوئے کوئی مقرب فرشتہ یا نبیؑ ایسا نہ ہوگا جس کو اپنا خوف نہ ہو مگر وہ لوگ جن کو حق تعالیٰ شانہٗ محفوظ فرمادے اس وقت ہر شخص سے چار چیزوں کا سوال ہوگا (جیسا کہ پہلے مفصل حدیث میں اسی فصل کے ۲۶ پر گزر چکا) کہ عمر کس کام میں ختم کی، بدن کس کام میں لایا گیا، اپنے علم پر کیا عمل کیا اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ اُس دن باپ اپنے بیٹے سے کہے گا کہ میں تیرا باپ تھا، میں تیرا والد تھا۔ وہ بیٹا اس کے احسانات کا اقرار کرے گا۔ اس کے بعد باپ کہے گا کہ مجھ کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہے جو ایک ذرہ کے برابر ہو شاید اُس کی وجہ سے میرا پلّہ جھک جائے۔ بیٹا کہے گا کہ مجھے خود ہی مصیبت پیش آرہی ہے، مجھے اپنا حال معلوم نہیں ہے کہ مجھ پر کیا گزرے گی میں تو کوئی نیکی نہیں دے سکتا۔ اُس کے بعد وہ شخص اپنی بیوی سے اسی طرح اپنے احسان اور تعلقات جتا کر مانگے گا وہ بھی اسی طرح انکار کردے گی (غرض اسی طرح سے ہر شخص سے مانگتا پھرے گا) یہی وہ چیز ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ط (فاطر-ع ۳)

میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور (اُس دن) کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اُٹھاوے گا (اور خود تو کوئی کسی کی مدد کیا کرتا) اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کے لئے بُلاوے گا تب بھی اُس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ اُٹھایا جائے گا (یعنی کسی قسم کی اُس کی مدد نہ کرے گا) اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی کیوں نہ ہو (تنبیہ الغافلین)۔ عکرمہؓ کی یہ روایت دُرِّ منثور میں زیادہ واضح الفاظ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ باپ بیٹے سے اوّل پوچھے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کیسا برتاؤ کیا تھا۔ وہ بہت تعریف باپ کے برتاؤ کی کرے گا۔ اُس کے بعد باپ کہے گا کہ میں آج تجھ سے صرف ایک نیکی مانگتا ہوں شاید اُسی سے میرا کام چل جائے۔ بیٹا کہے گا کہ ابا جان تم نے بہت ہی مختصر چیز کہی ہے لیکن اس کے باوجود میں سخت مجبور ہوں کہ مجھے خود یہی خوف ہے جو تمہیں ہے۔ اُس کے بعد یہی سارا سُوال جواب بیوی سے ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ اور ارشاد ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ الآيۃ (دُرِّ منثور) ان میں سے پہلی آیت شریفہ سورۂ لقمان کے آخری رکوع کی ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے۔ "اے لوگو اپنے رَبّ سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ایسا ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا سا بھی مطالبہ ادا کر دے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے (کہ یہ دن ضرور آنے والا ہے) سو تم کو دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے (کہ تم اُس میں منہمک ہو کر اُس دن کو بھول جاؤ) اور نہ تم کو دھوکہ دینے والا (شیطان) دھوکہ میں ڈال دے (کہ اُس کے بہکانے میں آکر تم اُس دن سے غافل ہو جاؤ)۔ دوسری آیت شریفہ سورۂ عبس وتولّٰی میں ہے۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ الآیۃ۔ "پس جس دن کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا (یعنی قیامت کا دن آجائے گا وہ ایسا دن ہوگا) جس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے

بھاگے گا (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا) اُس دن ہر شخص کو اپنا ہی ایسا مشغلہ ہو گا جو اُس کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے گا"۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں قتادہ رح فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر شخص کو یہ بات بہت شاق ہوگی کہ کوئی اس کی جان پہچان والا قریبی رشتہ دار نظر پڑ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ اپنا کوئی مطالبہ پیش نہ کر دے (درمنثور)۔ قرآن پاک میں بہت کثرت سے یہ مضمون مختلف عنوانات سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے رکوع ۶ میں ہے وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ الآية۔ "اور ڈرو تم ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ (جانی) بدلہ دے سکے گا (مثلاً ایک کی نماز کے بدلہ میں دوسرے کی نماز قبول کر لی جائے) اور نہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے اور نہ کسی کی طرف سے کوئی فدیہ (مالی معاوضہ) لیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی" (کہ کوئی اپنے زور سے ان کے عذاب کو روک دے یہ ناممکن ہے)۔ اس آیت شریفہ میں اعانت کے جتنے ذریعے ہو سکتے تھے سب کی نفی فرما دی اس لئے کہ کسی کی مدد کے چار ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی زوردار شخص بیچ میں حائل ہو جائے اور اپنے زور سے روک دے، یہ نصرت ہے، اس کی بھی نفی فرما دی۔ دوسرے بغیر زور کے کوئی شخص عذاب کو روک دے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ بغیر کسی قسم کا معاوضہ دیئے روکے، یہ سفارش ہے۔ یا کوئی کسی قسم کا بدلہ دے کر روکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں کہ جانی بدلہ دے یا مالی بدلہ دے، ان کی بھی دونوں کی نفی فرما دی گئی۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مواقع میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہے۔ اس کے متعلق یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ایک تو کفار کا معاملہ ہے۔ ان میں تو بالاتفاق یہی سب چیزیں ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں، کہ کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو، کفار کے عذاب کو نہیں ہٹا سکتا۔ دوسرا معاملہ گنہ گار مسلمانوں کا ہے۔ ان کے بارہ میں بھی اس قسم کی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ یہ سب ایک خاص وقت کے اعتبار سے ہیں۔ اس کے بعد سفارش

کی اجازت ہو جائے گی۔ چنانچہ قرآن پاک میں مُتعدِد جگہ یہ مضمون وارد ہے جن میں سے ایک جگہ ارشاد ہے یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الْاٰیَة (طٰہٰ - ع ۶) "اُس دن کسی کو سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو، (انبیاء اور اولیاء کی سفارش نفع دے گی) جس کے واسطے اللہ تعالیٰ شانُہٗ نے سفارش کی اجازت دے دی ہو، اور اُس کے واسطے (کسی کا بولنا) پسند کر لیا ہو۔" اس قسم کے مضامین بھی کثرت سے وارد ہیں لیکن یہ بات کہ کس کے لئے سفارش کی اجازت ہوتی ہے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ گو حق تعالیٰ شانُہٗ کے فضل سے امّیدوار ہر شخص کو رہنا ہی چاہیئے لیکن یقین کسی کا بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ سخت ترین دن نہایت ہی خوف و خطر کا دن ہے۔ اس کی سختی کے واسطے جو کچھ بچاؤ کیا جا سکتا ہے وہ آج ہی کیا جا سکتا ہے۔ صدقہ کی کثرت کو اُس دن کی شدّت اور سختی سے بچانے میں خاص دخل ہے۔ پہلی فصل میں کثرت سے آیات اور روایات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ حضورؐ کا مشہور ارشاد ہے۔ "(جہنّم کی) آگ سے بچو، چاہے آدھی کھجور ہی سے کیوں نہ ہو۔" حضورؐ کا ارشاد ہے کہ صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھا دیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اتحاف)۔ حضورؐ کا ارشاد ہے، کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا (اتحاف)۔ یعنی جسقدر آدمی کے صدقہ کی مقدار بڑھی ہوئی ہوگی اتنا ہی گہرا سایہ اس سخت دن میں ہوگا جس میں گرمی کی شدّت سے مُنہ تک پسینہ آیا ہوا ہوگا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "صدقہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے غصّہ کو بھی روکتا ہے اور سُوءِ خاتمہ (بُری موت) سے بھی حفاظت کا سبب ہے" (مشکوٰۃ)۔ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو وصیّت ہے کہ جب تجھ سے کوئی خطا صادر ہو، صدقہ کیا کر (احیاء)۔ پہلی فصل کی حدیث ۱۰ میں یہ قصہ مُفصّل گزر چکا ہے کہ ایک بدکار فاحشہ عورت کی کُتّے کو پانی پلانے سے مغفرت ہو گئی۔ عُبَید بن عُمیرؓ کہتے ہیں کہ میدانِ حشر میں لوگ انتہائی بھوکے ہوں گے، انتہائی پیاسے اور بالکل ننگے ہوں گے۔ لیکن جس شخص نے اللہ کے واسطے کسی کو

کھانا کھلایا ہوگا، اُس کو حق تعالیٰ شانہٗ کھانا کھلائیں گے۔ اور جس نے اللہ کے واسطے کسی کو پانی پلایا ہوگا اُس کو سیراب کریں گے، اور جس نے اللہ تعالےٰ شانہٗ کے واسطے کسی کو کپڑا دیا ہوگا اُس کو لباس پہنائیں گے (احیاء)۔ پہلی فصل میں حدیث ۱۱ کے ذیل میں گذرا ہے کہ قیامت کے دن جہنمی ایک صف میں کھڑے کیے جائیں گے۔ ان پر ایک (کامل ولی) مسلمان کا گذر ہوگا۔ اُس صف میں سے ایک شخص کہے گا کہ تو میرے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سفارش کر دے۔ وہ پوچھے گا۔ تو کون ہے۔ وہ جہنمی کہے گا تو مجھے نہیں جانتا، مَیں نے فلاں وقت دنیا میں تجھے پانی پلایا تھا۔ دوسری حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن جب جنّتی اور جہنّمی لوگوں کی صفیں لگ جائیں گی تو جہنّمی صفوں میں سے ایک شخص کی نظر جنّتی صفوں میں سے ایک شخص پر پڑے گی، اور وہ یاد دلائے گا کہ مَیں نے دنیا میں تیرے ساتھ فلاں احسان کیا تھا۔ اس پر وہ شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں لے جائے گا اور عرض کرے گا کہ یا اللہ اس کا مجھ پر فلاں احسان ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے اس کو بخش دیا جائے گا۔ ایک اور حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن اعلان ہوگا کہ اُمّتِ محمّدیہ کے فقیر لوگ کہاں ہیں۔ اُٹھو اور لوگوں کو میدانِ قیامت میں سے تلاش کر لو۔ جس شخص نے میرے لئے تم میں سے کسی کو ایک لقمہ دیا ہو یا میرے لئے ایک گھونٹ بھی پانی پلایا ہو یا نیا پُرانا کپڑا دیا ہو، اُس کا ہاتھ پکڑ کر جنّت میں داخل کر دو۔ اس پر فقرائے اُمّت اُٹھیں گے اور ان کو چُن چُن کر جنّت میں داخل کر دیں گے۔ ایک اور حدیث میں گذرا کہ قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں کا اور مسکینوں کا اکرام کیا آج تم جنّت میں ایسی طرح داخل ہو جاؤ کہ نہ تم پر کسی قسم کا خوف ہے، اور نہ تم غمگین ہوگے۔ اس قسم کے مضامین کی کئی روایتیں اُس جگہ گذر چکی ہیں۔ اسی فصل کی حدیث ۱۳ کے ذیل میں گذرا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو زائل کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کی مصائب میں سے اُس کی کوئی مصیبت زائل

فرمادیں گے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمادیں گے۔ حدیث ۱۴ کے ذیل میں گزرا، کہ جو شخص اپنے مُضطَر بھائی کی مدد کرے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اُس دن ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں گے (یعنی قیامت کے دن)۔

پہلی فصل کی آیات میں ۳۴ پر قرآن پاک کی طویل آیت گزر چکی کہ وہ لوگ حق تعالیٰ شانہٗ کی مَحبّت میں کھانا کھِلاتے ہیں یتیم کو اور مسکین کو اور (کافر) قیدیوں کو، اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض اللہ کے واسطے کھلاتے ہیں۔ نہ تو ہم تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، بلکہ ہم کو اپنے رَبّ کی طرف سے ایک نہایت تلخ اور سخت (قیامت کے) دن کا خوف ہے۔ پس اللہ جَلَّ شانہٗ اُن کو اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور اُن کو سُرور اور تازگی عطا فرمائے گا۔ غرض اُس فصل میں کثرت سے اس قسم کے مضامین گزر چکے ہیں کہ قیامت کے دن کی سختی کے بچاؤ کے لئے صدقہ کی کثرت نہایت مفید ہے۔ اور اس آیتِ شریفہ میں تو گویا خود حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اس کا وعدہ بھی ہوگیا۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے۔

ساتویں فصل

میں زاہدوں اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے کچھ واقعات بھی نمونہ کے طور پر پیش کرنے ہیں کہ جن لوگوں نے دنیا اور آخرت کی حقیقت کو سمجھ لیا اُنہوں نے اس دھوکہ کے گھر سے کیسی بے رغبتی برتی اور آخرت کے لیے کیا کچھ جمع کر لیا۔ زُہد اور سخاوت، مفہوم اور صورتِ عمل کے لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ لیکن مآل کے اعتبار سے قریب قریب ہیں۔ اس لیے کہ زُہد یعنی دنیا سے بے رغبتی جس شخص میں ہوگی، سخاوت اُس کے لیے لازم ہے۔ جب اُس کو اُس کے رکھنے کی رغبت ہی نہیں تو موجود ہونے کی صورت میں لامحالہ سخاوت ہی کرے گا۔ اسی طرح سے سخاوت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو مال کی محبّت نہ ہو اور جتنی زیادہ محبّت مال کی ہوگی اُتنا ہی بخل اُس میں کرے گا۔ اس لیے اس فصل میں دونوں قسم کے واقعات کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا اور اسی لیے اس رسالہ میں جو فضائلِ صدقات میں تھا، زُہد کی روایات اور آیات بھی ذکر کی گئیں کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا زینہ ہے اور جب تک اس گندگی سے طبیعت کو محبّت اور اُنس رہے گا، کبھی بھی خرچ کرنے کو طبیعت نہ اُبھرے گی۔ اگر اپنا دل بھی کسی وقت چاہے گا تو طبیعت خرچ پر آمادہ نہ ہوگی۔ اسی کو حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک بہترین مثال سے ظاہر فرمایا۔

ارشادِ عالی ہے کہ بخیل کی اور صدقہ کرنے والے کی (جس کی عادت کثرت سے صدقہ کرنے کی ہو) ایسی مثال ہے جیساکہ دو آدمی ہوں۔ اُن کے اُوپر لوہے کی زرہیں اس طرح لپیٹی ہوئی ہوں کہ ان دونوں کے ہاتھ بھی زرہوں کے اندر ہی سینہ پر چپٹے

ہوئے ہوں، زرہ سے باہر نکلے ہوئے نہ ہوں۔ پس صدقہ والا یعنی سخی شخص جو صدقہ کرنے کا عادی ہے جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ خود بخود کھلتی چلی جاتی ہے (اور ہاتھ بے تکلف فوراً زرہ سے باہر آجاتا ہے)۔ اور بخیل جب ارادہ کسی صدقہ کا کرتا ہے تو وہ زرہ اور زیادہ سکڑ جاتی ہے جس سے ہاتھ اپنی جگہ سے جنبش ہی نہیں کرسکتا (مشکوٰۃ)۔ مطلب یہ ہے کہ سخی جب خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا دل اس کے لئے فراخ ہوجاتا ہے جس سے وہ بے تکلف خرچ کرتا ہے۔ اور بخیل اگر کہے سُنے سے یا کسی اور وجہ سے کسی وقت ارادہ بھی کرلیتا ہے تو اندر سے کوئی چیز اس طرح اُس کو پکڑ لیتی ہے جیسا کہ لوہے کی زرہ نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے ہوں کہ ہاتھوں کو زور سے زرہ کے اندر سے نکالنا بھی چاہتا ہے یعنی دل کو بار بار سمجھاتا ہے مگر وہ مانتا ہی نہیں، ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں۔ بہت ہی صحیح اور سچی مثال ہے۔ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ بخیل آدمی خرچ کرنا بھی چاہتا ہے تو ہاتھ نہیں اُٹھتا۔ کہیں دس روپیہ خرچ کرنے کا موقعہ ہوگا تو وہ دس پیسے بھی مشکل سے نکالے گا۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی کے واقعات اس کثرت سے اس چیز کی مثالیں ہیں کہ ان کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ غزوۂ تبوک کے وقت جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی تحریک فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس وقت جو کچھ گھر میں رکھا تھا، سب کچھ جمع کرکے حضور کی خدمت میں پیش کردینا مشہور واقعہ ہے۔ اور جب حضور نے دریافت فرمایا کہ ابوبکر گھر میں کیا چھوڑا تو آپ نے فرمایا۔ اللہ اور اُس کا رسول (یعنی ان کی خوشنودی کا ذخیرہ) گھر میں موجود ہے۔ حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ قصہ مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس نوع کے دوسرے حضرات کے متعدد واقعات حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی لکھ چکا ہوں۔ وہاں دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ایثار، ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا انہیں حضرات کا حصہ تھا کہ اس کا کچھ بھی شائبہ ہم لوگوں کو مل جائے تو نہ معلوم ہم اُس کو کیا سمجھیں لیکن ان حضرات کے یہاں یہ روزمرہ کے معمولی واقعات تھے۔ بالخصوص حضرت

اَبُوبکر صِدّیق کے متعلق اس سے بڑھ کر کیا وضاحت ہو سکتی ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں تعریف کے موقع پر فرمایا وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الآیۃ (واللیل) "اور اُس (آگ سے) وہ شخص دُور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو اپنا مال اس غرض سے (اللہ کے راستہ میں) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے (کوئی اور اس کی غرض نہیں ہے اور) کسی کا اُس کے ذمہ کوئی احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اُتارنا مقصود ہو"۔ (اس میں نہایت ہی مُبالغہ اِخلاص کا ہے کیونکہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی مطلوب اور مَنْدُوب ہے۔ مگر فضیلت میں احسانِ ابتدائی کے برابر نہیں۔ بیان القرآن)۔ ابنِ جوزیؒ کہتے ہیں کہ اس بات پر اتّفاق ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ حضرت اَبُوہُرَیرہؓ، حُضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا اَبُوبکر کے مال نے دیا۔ حُضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر حضرت اَبُوبکرؓ رونے لگے، اور عرض کیا۔ یارسولَ اللہ! کیا مَیں اور میرا مال آپ کے سوا کسی اور کا ہے۔ حُضورؐ کا یہ اِرشاد بہت سے صَحابۂ کرامؓ سے بہت سی روایات میں نقل کیا گیا۔ سَعِیدُ بْنُ الْمُسَیَّبؒ کی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ حُضورؐ حضرت اَبُوبکرؓ کے مال میں اسی طرح تَصَرُّف فرماتے تھے جس طرح اپنے مال میں فرماتے تھے۔ حضرت عُروہؒ کہتے ہیں کہ جس وقت حضرت اَبُوبکر صِدّیقؓ مسلمان ہوئے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درم تھے جو سب حُضورؐ کے اُوپر خرچ کردیئے (یعنی حُضورؐ کی خوشنودی میں)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درم تھے اور ہجرت کے وقت پانچ ہزار رہ گئے تھے۔ یہ ساری رقم غلاموں کے آزاد کرنے میں (جن کو اسلام لانے کے جرم میں عذاب دیا جاتا تھا) اور اسلام کے دوسرے کاموں میں خرچ کیے گئے (تاریخ الخلفاء)۔ حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ کہتے ہیں، کہ حضرت اِبُوبکر صِدّیقؓ ضعیف ضعیف غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ اُن کے والد اَبُوقُحافہؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں غلام ہی آزاد کرنے ہیں تو قوی قوی غلاموں کو

خرید کر آزاد کیا کرو کہ وہ تمہاری مدد بھی کر سکیں، وقت پہ کام بھی آسکیں حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا کہ (میں اپنے لیے آزاد نہیں کرتا) میں تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے آزاد کرتا ہوں (درمنثور)۔ اور حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں ضعیف کمزور کی مدد کا جتنا اجر ہے وہ قوی کی مدد سے بہت زیادہ ہے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر احسان ہو اور میں نے اس کے احسان کا بدلہ نہ دیا ہو، مگر ابُوبکرؓ کا احسان میرے ذِمّہ ہے (جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا) حق تعالیٰ شانُہٗ خود ہی قیامت کے دن اس کے احسان کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے نفع دیا (تاریخ الخلفاء)۔

(۲) حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور اپنی حاجت پیش کر کے کچھ مدد چاہی اور سُوال کیا۔ آپ نے فرمایا تیرے سُوال کی وجہ سے جو مجھ پر حق قائم ہو گیا ہے وہ میری نگاہ میں بہت اُونچا ہے اور تیری جو مدد مجھے کرنا چاہیئے وہ میرے نزدیک بہت زیادہ مقدار ہے اور میری مالی حالت اس مقدار کے پیش کرنے سے عاجز ہے جو تیری شان کے مناسب ہو، اور اللہ کے راستہ میں تو آدمی جتنا بھی زیادہ سے زیادہ خرچ کرے وہ کم ہی ہے لیکن میں کیا کروں۔ میرے پاس اتنی مقدار نہیں ہے جو تیرے سُوال کے شکر کے مناسب ہو۔ اگر تو اس کے لیے تیار ہو کہ جو میرے پاس موجود ہے اُس کو تُو خوشی سے قبول کر لے اور مجھے اس پر مجبور نہ کرے کہ میں اُس مقدار کو کہیں سے حاصل کروں جو تیرے مرتبہ کے مناسب ہو اور تیرا جو حق مجھ پر واجب ہو گیا ہے اُس کو پورا کر سکے تو میں بخوشی حاضر ہوں اُس سائل نے کہا۔ اے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بیٹے میں جو کچھ آپ دیں گے اُسی کو قبول کر لوں گا اور اس پر شکر گزار ہوں گا اور اس سے زیادہ نہ کرنے میں آپ کو معذور سمجھوں گا۔ اس پر حضرت حسنؓ نے اپنے خزانچی سے فرمایا کہ ان تین لاکھ درہموں میں سے (جو تمہارے پاس رکھوائے تھے) جو بچے ہوں، لے آؤ۔ وہ پچاس ہزار درم لائے (کہ اس کے علاوہ سب خرچ کر چکے تھے) حضرت حسنؓ

نے فرمایا کہ پانسو دینار (اشرفیاں) اور بھی تو کہیں تھے۔ خزانچی نے عرض کیا کہ وہ بھی موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بھی لے آؤ۔ جب یہ سب کچھ آگیا تو اس سائل سے کہا کہ کوئی مزدور لے آؤ جو ان کو تمہارے گھر تک پہنچا دے۔ وہ دو مزدور لے کر آئے۔ حضرت حسنؓ نے وہ سب کچھ ان کے حوالہ کر دیا اور اپنے بدن مبارک سے چادر اُتار کر مرحمت فرمائی کہ ان مزدوروں کی مزدوری بھی تمہارے گھر تک پہنچانے کی میرے ہی ذمّہ ہے لہٰذا یہ چادر فروخت کر کے ان کی مزدوری میں دے دینا۔ حضرت حسنؓ کے غلاموں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو اب کھانے کے لئے ایک درم بھی باقی نہیں رہا، آپ نے سب کا سب ہی دے دیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات سے اس کی قوی اُمید ہے کہ وہ اپنے فضل سے مجھے اس کا بہت ثواب دے گا (احیاء) سب کچھ دے دینے کے بعد جب کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہا اور مقدار بھی اتنی زیادہ تھی پھر اس کا قلق اور اس کی ندامت تھی کہ سائل کا حق ادا نہ ہو سکا۔

(۳) بصرہ کے چند قاری حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو بہت کثرت سے روزے رکھنے والا ہے، بہت زیادہ تہجّد پڑھنے والا ہے۔ اُس کی عبادت کو دیکھ کر ہم میں سے ہر شخص رشک کرتا ہے اور اِس کی تمنّا کرتا ہے کہ اُس کی سی عبادت ہم بھی کیا کریں اُس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن غریب کے پاس جہیز کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ ان حضرات کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھولا جس میں چھ توڑے (روپیہ یا اشرفی کی تھیلی توڑا کہلاتی ہے) نکالے اور ان حضرات کے حوالہ کر دیئے کہ اس کو دے دیں۔ یہ لے کر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اُن سے فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔ یہ مال اُس کے حوالہ اگر کر دیا جائے گا تو اُس غریب کو بڑی دِقّت ہوگی وہ اس جہیز کے انتظام کے جھگڑے میں لگ جائے گا جس سے اُسکی

مشغولی بڑھ جائے گی، اس کی عبادت میں حرج ہوگا۔ اس دنیا کم بخت کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک عبادت گزار مؤمن کا حرج کیا جائے ہماری اس میں کیا شان گھٹ جائے گی کہ ایک دین دار کی خدمت ہم ہی کر دیں۔ لہٰذا اس مال سے شادی کا سارا انتظام ہم سب مل کر کر دیں اور سامان تیار کر کے اس کے حوالہ کر دیں۔ وہ حضرات بھی اس پر راضی ہوگئے اور سارا سامان اس رقم سے مکمل تیار کر کے اس فقیر کے حوالہ کر دیا (احیاء)

(۴) اَبُو الحَسَن مَدَائِنیؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام حَسَنؓ، امام حُسَینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ راستہ میں اُن کے سامان کے اُونٹ اُن سے جُدا ہوگئے۔ یہ بُھوکے پیاسے چل رہے تھے۔ ایک خیمہ پر اُن کا گزر ہُوا۔ اس میں ایک بوڑھی عورت تھی۔ ان حضرات نے اُس سے پوچھا کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ لسّی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے۔ اُس نے کہا۔ ہے۔ یہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سے اُترے۔ اُس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی۔ اُس کی طرف اشارہ کر کے اُس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو۔ ان حضرات نے اُس کا دودھ نکالا اور پی لیا پھر اُنہوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے۔ اس کو تم میں سے کوئی ذبح کرے تو میں پکا دوں گی۔ اُنہوں نے اس کو ذبح کیا۔ اُس نے پکایا یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو اُنہوں نے اُس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں۔ اس وقت حج کے ارادہ سے جارہے ہیں۔ اگر ہم زندہ سلامت واپس مدینہ پہنچ جائیں تو تُو ہمارے پاس آنا۔ تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ یہ حضرات تو فرما کر چلے گئے۔ شام کو جب اُس کا خاوند (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اُس بڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سُنایا۔ وہ بہت خفا ہُوا کہ تُو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کر ڈالی۔ معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے، پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے۔ غرض وُہ خفا ہو کر چُپ ہوگیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب

بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منورہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چُگا کرتے اور اُن کو بیچ کر گزر کیا کرتے۔ ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چُگ رہی تھی۔ حضرت حسنؓ اپنے دروازہ کے آگے تشریف رکھتے تھے۔ جب یہ وہاں کو گزری، تو اس کو دیکھ کر حضرت حسنؓ نے اُس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اس کو اپنے پاس بُلوایا اور فرمایا کہ اللہ کی بندی تو مجھے بھی پہچانتی ہے۔ اُس نے کہا۔ میں نے تو نہیں پہچانا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا نے پھر بھی نہ پہچانا اور کہا۔ کیا خدا کی قسم تم وہی ہو۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ میں وہی ہوں اور یہ فرما کر آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک ہزار بکریاں خرید دی جائیں۔ چنانچہ فوراً خریدی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) نقد بھی عطا فرمائے، اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسینؓ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا۔ اُس نے کہا۔ ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ یہ سُن کر اتنی ہی مقدار دونوں چیزوں کی حضرت حسینؓ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا۔ اُنہوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا کیا مرحمت فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔ اور یہ فرمایا کہ اگر تو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا۔ یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہنچی، کہ یہ اُس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے (احیاء)۔

(۵) عبداللہ بن عامر بن کُریزؓ حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی ایک مرتبہ (غالباً رات کا وقت ہوگا) مسجد سے باہر آئے۔ اپنے مکان تنہا جا رہے تھے راستہ میں ایک نوجوان لڑکا نظر پڑا۔ وہ ان کے ساتھ ہولیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہیں کچھ کہنا ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ جناب کی صلاح و فلاح کا متمنّی ہوں، کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ میں نے جناب کو تنہا اس وقت جاتے دیکھا۔ مجھے

اندیشہ ہُوا کہ تنہائی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، اس لئے جناب کی حفاظت کے خیال سے ساتھ ہولیا۔ خدا نہ کرے کہ راستہ میں کوئی ناگوار بات پیش آجائے حضرت عبداللہ بن عامرؓ اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر تک ساتھ لے گئے اور وہاں پہنچ کر ایک ہزار دینار (اشرفیاں) اس کو مرحمت فرمائیں کہ اس کو اپنے کام میں لے آنا تمہارے بڑوں نے تمہیں بہت اچھی تربیت دی ہے (احیاء)۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے مکان میں ایک کھجور کا درخت کھڑا تھا جس کی شاخ پڑوسی کے مکان پر بھی لٹک رہی تھی۔ وہ پڑوسی غریب آدمی تھا۔ جب یہ شخص اپنے درخت پر کھجوریں توڑنے کے لئے چڑھتا تو حرکت سے کچھ کھجوریں پڑوسی کے مکان میں بھی گر جایا کرتیں۔ جن کو اس کے غریب بچے اُٹھا لیا کرتے۔ یہ شخص درخت پر سے اُترتا اور پڑوسی کے مکان پر جاکر ان بچوں کے ہاتھ میں سے کھجوریں چھین لیتا حتّٰی کہ اُن کے مُنہ میں سے بھی اُنگلی ڈال کر نکال لیا کرتا۔ اس فقیر نے حضورؐ سے اس کی شکایت کی۔ حضورؐ نے سُن کر فرمایا، کہ اچھا جاؤ۔ اس کے بعد کھجور کے مالک سے حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارا فلاں کھجور کا درخت جو فلاں شخص کے گھر میں جھک رہا ہے وہ تم مجھے اس وعدہ پر دیتے ہو کہ تمہیں اس کے بدلہ میں جنّت میں کھجور کا درخت مل جائے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضورؐ اس کے اور لوگ بھی خریدار ہوئے اور میرے پاس اور بھی درخت ہیں مگر اس کی کھجوریں مجھے بہت پسند ہیں، اس لئے میں نے فروخت نہیں کیا اور یہ کہہ کر اس کے دینے سے عذر کر دیا (مالک تو بہرحال وہی تھا حضورؐ نے یہ سُن کر سکوت فرمایا)۔ ایک تیسرے صاحب بھی اس گفتگو کو سُن رہے تھے۔ اُنہوں نے اس کے جانے کے بعد حضورؐ سے عرض کیا کہ اگر وہ درخت میں لے کر پیش کر دوں تو میرے لئے بھی وہی وعدہ جنّت میں کھجور کے درخت کا ہے جو حضورؐ نے اس سے فرمایا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم سے بھی وہی وعدہ ہے۔ یہ صاحب اُٹھے اور اُس مالکِ درخت کے پاس جاکر کہا کہ میرے پاس بھی کھجور کا باغ ہے۔ تم اپنے اس درخت کو کسی قیمت پر بیچ

سکتے ہو۔ اُس نے کہا کہ حضورؐ نے مجھ سے جنّت میں درخت کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے اُس پر بھی نہیں دیا۔ یہ درخت مجھے بہت پسند ہے میں اس کو بیچ تو سکتا ہوں مگر جتنی قیمت مَیں چاہتا ہوں اتنی کوئی دے گا نہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کتنی قیمت چاہیے اُس نے کہا کہ چالیس درختوں کے بدلہ میں بیچ سکتا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ ایک ٹیڑھے درخت کی قیمت چالیس درخت بہت زیادہ ہے۔ اچھا اگر مَیں چالیس درخت اُس کے بدلہ میں دوں تو تُو بیچ دے گا۔ صاحب درخت نے کہا کہ اگر تُو اپنی بات میں سچّا ہے تو قسم کھا کہ مَیں نے چالیس درخت ایک درخت کے بدلہ میں دے دیئے ان صاحب نے قسم کھالی کہ مَیں نے چالیس درخت اس ٹیڑھے درخت کے بدلہ میں دے دیئے۔ اس کے بعد وہ صاحب درخت پھر گیا کہ مَیں فروخت نہیں کرتا۔ ان صاحب نے کہا کہ اب تُو ہرگز انکار نہیں کر سکتا، تیرے کہنے پر مَیں نے قسم کھائی ہے۔ اُس نے کہا کہ اچھا اس شرط پر کہ سب کے سب ایک ہی جگہ ہوں۔ اُنہوں نے تھوڑی دیر سوچ کر اس کا بھی وعدہ کر لیا کہ سب ایک ہی جگہ ہوں گے۔ بات پختہ کر کے یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور وہ درخت میں نے خرید لیا، وہ حضور کی نذر ہے۔ حضورِ اَقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس فقیر کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہ درخت اُس فقیر کو مرحمت فرما دیا۔ اسکے بعد سورۂ وَالَّیْل نازل ہوئی (درمنثور)۔

(۷) ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ احسان اور حُسنِ سلوک اُس وقت احسان ہے جبکہ وہ اُس کے اہل اور قابل لوگوں پر کیا جائے۔ نالائقوں پر احسان کرنا نامناسب ہے، پس اگر تُو کسی پر احسان کیا کرے تو یا تو خالص اللہ کے واسطے صدقہ ہو (کہ اسمیں اہلیّت کی شرط نہیں ہے کافروں اور جانوروں پر بھی کیا جاتا ہے) یا پھر اہلِ قرابت پر کیا کر (کہ ان کا حقِ قرابت ان کی اہلیّت پر غالب ہے) اور اگر یہ دونوں باتیں کسی جگہ نہ ہوں تو نالائق پر احسان نہیں کرنا چاہیئے (ان شعروں میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ہی کی طرف اشارہ تھا کہ ان کی سخاوت اور بخشش ایسی عام تھی کہ ہر

کس وناکس پر بارش کی طرح برستی تھی)۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے یہ شعر سُن کر فرمایا کہ یہ شعر آدمی کو بخیل بناتے ہیں۔ میں تو اپنے احسان کو بارش کی طرح سے برساؤں گا۔ اگر وہ کریم اور قابل لوگوں تک پہنچ جائے تو وہ یقیناً اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر احسان کیا جائے۔ اور اگر نا اہلوں تک پہنچے تو میں اسی قابل ہوں کہ میرا مال نا اہلوں کے پاس ہی جائے (احیاء)۔ یہ تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں بھی نا اہل، اس لئے میرا مال بھی ناکارہ ہے اس لئے ناکاروں ہی کے پاس جانا چاہیئے۔

(۸) محمد بن مُنکدرؒ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی سخت حاجت کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت بالکل کچھ نہیں ہے۔ اگر میرے پاس دس ہزار بھی ہوتے تو سب کے سب تمہیں دے دیتی مگر اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خالد بن اَسید کے پاس سے دس ہزار کا ہدیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچا۔ فرمانے لگیں کہ میری بات کا بہت جلد امتحان لیا گیا، جب ہی ابنُ المُنکدر کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو بُلا کر وہ ساری رقم ان کے حوالہ کر دی۔ جس میں سے ایک ہزار میں انہوں نے ایک باندی خریدی جس کے پیٹ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ محمد، ابوبکر، عمر۔ تینوں کے تینوں مدینہ منوّرہ کے عابد لوگوں میں شمار ہوتے تھے (تہذیب التہذیب)۔ کیا ان تینوں کی عبادت میں حضرت عائشہؓ کا حصّہ نہ ہوگا کہ دہی ان کے وجود کا سبب ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ کی سخاوت کے واقعات اُنکے ابّاجان رضی اللہ عنہما کی طرح سے احاطہ سے باہر ہیں۔ ایک قصّہ "حکایاتِ صحابہؓ" میں بھی لکھ چکا ہوں کہ دو گونیں دراہم کی بانٹیں اور یہ بھی یاد نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور افطار کے لئے ایک درم کا گوشت ہی منگا لوں۔ ان دونوں گونوں میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ اور اسی قسم کا ایک اور قصہ بھی روایت میں ہے جس میں ایک لاکھ اسّی ہزار درم بتائے جاتے ہیں۔ عُرُوہ بن عُرْوَہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ (اپنے والد کی خالہ) حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے ستّر ہزار درم تقسیم کئے اور وہ خود پیوند لگا

ہوا کرتے پہن رہی تھیں (اتحاف)۔

(۹) اَبان بن عُثمانؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پریشان اور ذلیل کرنے کے لیے یہ حرکت کی کہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر یہ کہا کہ ابنِ عباسؓ نے کل صبح کو آپ کی کھانے کی دعوت کی ہے۔ سب جگہ یہ پیام پہنچاتا ہوا پھر گیا۔ جب صبح کو کھانے کا وقت ہوا تو حضرت ابنِ عباسؓ کے گھر اتنا مجمع اکٹھا ہو گیا کہ گھر بھر گیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ صورت پیش آئی حضرت ابنِ عباسؓ نے ان سب کو بٹھایا اور بازار سے پھلوں کے ٹوکرے منگا کر اُن کے سامنے رکھے کہ اس سے شغل کریں اور بات چیت شروع کر دی اور بہت سے باورچیوں کو حکم دے دیا کہ کھانا تیار کیا جائے۔ اتنے وہ حضرات پھلوں کے کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کھانا تیار ہو گیا۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عباسؓ نے اپنے خزانچیوں سے پوچھا۔ کیا اتنی گنجائش ہے کہ ہم اس دعوت کے سلسلہ کو روزانہ جاری رکھ سکیں۔ انہوں نے عرض کیا، کہ ہے۔ حضرت ابنِ عبّاسؓ نے فرما دیا کہ اس مجمع کی روزانہ صبح کو ہمارے یہاں دعوت ہے، روز آ جایا کریں (اتحاف)۔ یہ زمانہ حضرات صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کے اُوپر فتوحات کی کثرت کا تھا۔ مگر ان حضرات کے سخاوت کے زور سے مال اس طرح جلد ختم ہو جاتا تھا جیسا کہ پانی چھلنی میں بھرا اور ختم ہوا۔ اس لیے جب ہوتا تھا تو خوب ہوتا تھا اور جب وہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنے پاس کھانے کو ایک درہم بھی نہ رہتا تھا۔ نہ جمع کرنے کا اُن کا دستور تھا نہ اپنے لیے علیحدہ کر کے رکھنا یہ جانتے تھے کہ کس جانور کا نام ہے۔ لاکھوں کی مقدار آتی تھی اور منٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔

(۱۰) واقدیؒ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے۔ ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی۔ ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک جان تین قالب تھے میرے اُوپر سخت تنگی تھی۔ عید کا دن آ گیا۔ بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کر لیں گے مگر عید قریب آ گئی۔ بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے

یہ محلہ کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کے لئے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں۔ اگر کہیں سے تم کچھ لا سکتے ہو تو لا دو ان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس آتا ہے تا کہ میں ان کے بھی کپڑے بنا دوں۔ میں نے بیوی کی یہ بات سُن کر اپنے ہاشمی دوست کو پرچہ لکھا، اُس میں صورتِ حال ظاہر کی۔ اس کے جواب میں اُس نے سربمہر ایک تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار دِرَم ہیں تم ان کو خرچ کر لو۔ میرا دل اُس تھیلی سے ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی قسم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا آ گیا۔ میں نے وہ تھیلی سربمہر اس کے پاس بھیج دی اور بیوی کی شرم میں گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد ہی میں رہا، شرم کی وجہ سے گھر نہ جا سکا۔ تیسرے دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سُنا دیا۔ اُس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوا، نہ اُس نے کوئی حرف شکایت کا مجھ سے کہا۔ بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں بات ہی کر رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سربمہر تھیلی ہاتھ میں لئے ہوئے آیا، اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا۔ میں نے اسکو واقعہ سُنا دیا۔ اس کے بعد اُس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہنچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی۔ میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی۔ اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اُس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیجی۔ اس پر مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا۔ یہ اُس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہنچ گئی۔ اس لئے میں تحقیق کے واسطے آیا تھا۔ واقدیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اُس تھیلی میں سے سَو درم تو اس عورت کو دے دیئے اور نو سو درم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لئے۔ اس واقعہ کی کسی طرح مامون الرشید کو خبر ہو گئی۔ اس نے مجھے بُلایا اور مجھ سے سارا قصہ سُنا۔ اُس کے بعد مامون الرشید نے سات ہزار درم دیئے۔ دو دو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار عورت کو (اتحاف)۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے ایک باغ پر گذرے اُس باغ میں ایک حبشی غلام باغ کا رکھوالی تھا۔ وہ روٹی کھا رہا تھا اور ایک کتا اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ ایک لقمہ بنا کر اپنے مُنہ میں رکھتا تو ویسا ہی ایک لقمہ بنا کر اُس کُتے کے سامنے ڈالتا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اس منظر کو کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ غلام کھانے سے فارغ ہو چکا تو یہ اس کے پاس تشریف لے گئے اُس سے دریافت کیا کہ تم کس کے غلام ہو۔ اُس نے کہا کہ میں حضرت عثمانؓ کے وارثوں کا غلام ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہاری ایک عجیب بات دیکھی۔ اُس نے عرض کیا آقا تم نے کیا دیکھا۔ فرمانے لگے کہ تم جب ایک لقمہ کھاتے تھے ساتھ ہی ایک لقمہ اس کُتے کو دیتے تھے۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ کتا کئی سال سے میرا ساتھی ہے اسلئے ضروری ہے کہ میں کھانے میں بھی اس کو اپنا ساتھی رکھوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کُتے کے لئے تو اس سے کم درجہ کی چیز بھی بہت کافی تھی۔ غلام نے عرض کیا مجھے اللہ جلّ شانہٗ سے اس کی غیرت آتی ہے کہ میں کھاتا رہوں اور ایک جاندار آنکھ مجھے دیکھتی رہے۔ حضرت ابنِ جعفرؓ اُس سے بات کرکے واپس تشریف لائے اور حضرت عثمانؓ کے وارثوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنی ایک عرض لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا ارشاد ہے ضرور فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں باغ میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جناب کی خدمت میں وہ ہدیہ ہے اس کو بلا قیمت قبول فرمالیں۔ فرمانے لگے کہ میں بغیر قیمت لینا نہیں چاہتا۔ قیمت طے ہو کر معاملہ ہو گیا۔ پھر حضرت ابنِ جعفرؓ نے فرمایا کہ اُس میں جو غلام کام کرتا ہے اُس کو بھی لینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عُذر کیا کہ وہ بچپن سے ہمارے ہی پاس پلا ہے اُس کی جُدائی شاق ہے مگر عبداللہ بن جعفرؓ کے اصرار پر انہوں نے اس کو بھی ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ دونوں چیزیں خرید کر اُس باغ میں تشریف لے گئے اور اُس غلام سے فرمایا کہ میں نے اس باغ کو اور تم کو خرید لیا ہے۔ غلام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کو یہ خریداری مُبارک فرمائے اور برکت عطا فرمائے۔ البتہ مجھے اپنے

آقاؤں سے جُدائی کا رنج ہوا کہ انہوں نے بچپن سے مجھ کو پالا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے فرمایا کہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تمہاری نذر ہے۔ اُس غلام نے عرض کیا کہ پھر آپ گواہ رہیں کہ یہ باغ میں نے حضرت عُثمانؓ کے وارثوں پر وقف کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اس بات پر اور بھی تعجب ہوا اور اُس کو برکت کی دعائیں دے کر واپس آ گیا (مسامرات) یہ تو مسلمانوں کے اسلاف کے غلاموں کے کارنامے ہیں۔

(۱۲) نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ خُدّام ساتھ تھے، کھانے کا وقت ہو گیا۔ خُدّام نے دسترخوان بچھایا۔ سب کھانے کے لئے بیٹھے۔ ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا گزرا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کی کھانے کی تواضع کی۔ اُس نے کہا میرا روزہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس قدر سخت گرمی کے زمانہ میں کیسی لُو چل رہی ہے جنگل میں تُو روزہ رکھ رہا ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ میں اپنے ایامِ خالیہ کو وصول کر رہا ہوں (یہ قرآن پاک کی ایک آیت شریفہ کی طرف اشارہ تھا جو سورۂ الحاقّہ میں ہے کہ حق تعالیٰ شانُہٗ جنّتی لوگوں کو فرماویں گے كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گزرے ہوئے زمانہ میں (دنیا میں) کئے ہیں" ۔ اس کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ نے امتحان کے طور پر اُس سے کہا کہ ہم ایک بکری خریدنا چاہتے ہیں، اُس کی قیمت بتا دو اور لے لو۔ ہم اس کو کاٹیں گے اور تمہیں بھی گوشت دیں گے کہ افطار میں کام دے گا۔ اُس نے کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں میں تو غلام ہوں۔ یہ میرے سردار کی بکریاں ہیں۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا کہ سردار کو کیا خبر ہو گی۔ اُس سے کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ فَاَيْنَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے (یعنی وہ پاک پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ جب وہ مَالِكُ الْمُلْك دیکھ رہا ہے تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ بھیڑیا کھا گیا) حضرت ابنِ عمرؓ تعجب اور مزے سے بار بار فرماتے تھے۔ ایک چرواہا کہتا ہے۔ اَيْنَ اللّٰهُ۔

اَیْنَ اللّٰہُ - (اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کہاں چلے جائیں گے)۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ شہر میں واپس تشریف لائے تو اُس غلام کے آقا سے اس غلام کو اور بکریوں کو خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور وہ بکریاں اُسی کو ہبہ کر دیں (درمنثور)۔ یہ اُس وقت کے چرواہوں کا حال تھا کہ ان کو جنگل میں بھی یہ فکر تھا کہ اللہ تعالیٰ شانُہٗ دیکھ رہے ہیں۔

(۱۳) حضرت سُعید بن عامرؓ، حضرت عمرؓ کی جانب سے حِمص کے حاکم (گورنر) تھے۔ اہل حِمص نے حضرت عمرؓ سے ان کی مُتعدِّد شکایتیں کیں، اور ان کے معزول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ کو حق تعالیٰ شانُہٗ نے فِراست کا خاص حصّہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے مَردم شناسی میں خاص دخل تھا اور اس کا ہزاروں مرتبہ تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس پر تعجّب فرمایا کہ میں نے بہت بہتر سمجھ کر تجویز کیا تھا اور اس کی دعا کی کہ یا اللہ میری فِراست کو لوگوں کے بارہ میں زائل نہ فرما، کہ اس سے تو سارے ہی محکموں کے آدمیوں میں نااہلوں کے گُھس جانے کا اندیشہ ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعید کو طلب کیا اور شکایت کرنے والوں کو بھی بُلایا، اور اُن سے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کو ان سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔ انہوں نے تین شکایتیں کی تھیں۔ ایک یہ کہ دن میں بہت دیر سے گھر سے نکلتے ہیں (عدالت میں دیر سے پہنچتے ہیں)۔ دوسرے رات کو اگر کوئی ان کے پاس جائے تو اُس وقت اس کی شکایت نہیں سُنتے۔ تیسرے ہر مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دونوں فریق کو سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ نمبر وار مُطالبات کرو، تاکہ ہر شکایت کا علیحدہ علیحدہ جواب لیا جائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ صبح کو دیر میں گھر سے نکلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے جواب طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری بیوی تنہا کام کرنے والی ہے۔ میں آٹا گوندھتا ہوں۔ روٹی پکاتا ہوں۔ جب روٹی تیار ہو جاتی ہے تو کھانے سے فارغ ہو کر وضو کر کے باہر چلا آتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ دوسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ رات کو کام نہیں کرتے

کوئی جاتا ہے تو اس کی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب تمہارے پاس ہے۔ حضرت سعید نے عرض کیا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اظہار کروں۔ میں نے دن اور رات کو تقسیم کر رکھا ہے۔ دن مخلوق کا اور رات خالق کی۔ میں نے رات ساری کی ساری اپنے مولیٰ کو دے رکھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تیسرا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ مہینہ میں ایک دن تعطیل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اس کا کیا جواب ہے۔ حضرت سعید نے عرض کیا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ میں مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے خود ہی دھوتا ہوں۔ ان کو خشک کر کے پہننے میں شام ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیا کہ میری فراست غلط نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے امیر کی قدر کرو۔ ان سب کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعید کے پاس ایک ہزار دینار (اشرفیاں) بھیجیں کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ ان کی بیوی نے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے بہت سی ضروریات کا انتظام فرما دیا۔ اب تمہیں خود گھر کے کاروبار کرنے کی احتیاج نہ رہے گی، ایک خادم بھی اس میں سے خریدا جا سکتا ہے اور دوسری ضروریات بھی پوری کی جا سکتی ہیں۔ حضرت سعید نے فرمایا کہ یہاں ہم سے بھی زیادہ محتاج اور ضرورت مند لوگ موجود ہیں ان کو ان لوگوں پہ نہ خرچ کر دیں۔ بیوی نے اس کو خوشی سے قبول فرما لیا۔ انہوں نے اُس میں سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنا کر ایک فلاں مسکین کو ایک فلاں یتیم کو ایک فلاں کو۔ غرض بہت ساحصہ تو اُسی وقت تقسیم فرما دیا۔ کچھ بچا تھا، اُس کو بیوی کے حوالہ کر دیا کہ تھوڑا تھوڑا خرچ کرتی رہیں۔ بیوی نے کہا کہ اس بچی ہوئی رقم سے ایک غلام خرید لیں۔ گھر کے کاروبار میں تمہیں سہولت ہو جائے گی۔ فرمانے لگے کہ تمہیں عنقریب تجھ سے زیادہ حاجت والے تیرے پاس آئیں گے (اشہبا)۔

(۱۴) ایک مرتبہ مصر میں قحط پڑا۔ عبدالحمید بن سعد مصر کے حاکم تھے۔ کہنے لگے، میں شیطان کو بتاؤں گا کہ میں اُس کا دشمن ہوں (وہ ایسے وقت میں بہت

احتیاط سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے) ۔ مصر میں جتنے فقرا ، نادار تھے سب کا کھانا اپنے ذمّہ لے لیا کہ جب تک ارزانی ہو، ان کا کھانا میرے ذمّہ رہے گا ۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا ، یہاں تک کہ قحط دُور ہوگیا ۔ بازار کا نرخ ارزاں ہوگیا ۔ اُس کے بعد یہ معزول کر دیئے گئے ۔ جب یہ مصر سے رخصت ہونے لگے تو جن تاجروں سے قحط کے زمانہ میں قرض لے کر کھلاتے رہے ان کے دس لاکھ درم ان کے ذمّہ قرضہ تھا چونکہ وہاں سے رخصت ہو کر جا رہے تھے اس لئے اپنے اہل وعیال کے زیور وغیرہ مانگ کر ان تاجروں کے پاس رہن رکھ گئے ۔ جو چیزیں رہن رکھی تھیں ان کی قیمت پچاس کروڑ درم تھے ۔ یہ کچھ دن ارادہ کرتے رہے کہ ان کا قرضہ ادا ہو کر زیورات کے رہن کو خلاص کرلیں مگر اتنی رقم مہیا نہ ہو سکی ۔ ان تاجروں کو لکھ دیا کہ ان زیوروں کو فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کرلیں اور جتنی رقم باقی بچے وہ مصر کے ان اہل ضرورت پر تقسیم کر دیں جن کی اس وقت میں نے مدد نہیں کی (اتحاف) ۔ زیور والیاں بھی تو اُسی دَور کی پیداوار تھیں ان کو اس میں کیا تامّل ہو سکتا تھا کہ اُن کا زیور فروخت کر کے فقرا پر تقسیم ہو جائے ۔

(۱۵) اَبُو مَرثَد ایک مشہور سخی ہیں ۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کچھ اشعار ان کی تعریف میں پڑھے (کریم کی مدح ہمیشہ صورت سوال ہوتی ہی ہے) انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت تیرے دینے کے لئے بالکل کچھ نہیں ہے ۔ ایک صورت ہو سکتی ہے کہ تو قاضی کے یہاں جا کر مجھ پر دس ہزار کا دعویٰ کر دے میں قاضی کے سامنے اس کا اقرار کر لوں گا (اور آدمی کا کسی سے وعدہ کر لینا بھی قرض ہی جیسا ہے حضورؐ کا پاک ارشاد ہے اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ وعدہ قرض ہے) ۔ قاضی تیرے قرضہ میں مجھے قید کر دے گا تو پھر میرے گھر والے مجھے قید میں تو رہنے نہیں دیں گے اتنی مقدار جمع کر دیں گے ۔ اُس نے ایسا ہی کیا ۔ یہ قید ہوگئے اور شام تک دس ہزار قاضی صاحب کے حوالہ ہو کر یہ قید سے چھوٹ آئے اور وہ رقم اُس شخص کو مل گئی (اتحاف) ۔

(۱۶) عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی ۔ دُور کا سفر تھا ۔ رات کو وہاں ٹھہرے ۔ ان میں سے ایک شخص نے اُس قبر والے کو

خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تُو اپنے اُونٹ کو میرے بُختی اُونٹ کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے (بُختی اونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے، جو اس میّت نے ترکہ میں چھوڑا تھا) خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کرلیا۔ وہ صاحبِ قبر اُٹھا اور اس کے اُونٹ کو ذبح کردیا۔ جب یہ اونٹ والا نیند سے اُٹھا تو اُس کے اونٹ کے خون جاری تھا۔ اُس نے اُٹھ کر اس کو ذبح کردیا (کہ اس کی زندگی کی اُمید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کردیا۔ سب نے پکایا کھایا۔ یہ لوگ وہاں سے واپس ہوگئے۔ جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بُختی اونٹ پر سوار ملا جو یہ تحقیق کررہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے اس خواب والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اُس نے پوچھا کہ تُو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصّہ سنایا جو شخص بُختی اونٹ پر سوار تھا اُس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی۔ یہ اُس کا بُختی اُونٹ ہے۔ اُس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تُو میری اولاد ہے تو میرا بُختی اُونٹ فلاں شخص کو دیدے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بُختی اونٹ تیرے حوالے ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُونٹ دے کر چلا گیا (اتحاف)۔ یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی میں اپنے اَصیل اُونٹ کو فروخت کرکے آنے والوں کی مہمانی کی۔ باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیونکر ہوگیا اسمیں کوئی مُحال چیز نہیں ہے۔ عالمِ اَرواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔

(۱۷) ایک قریشی سفر میں جارہے تھے۔ راستہ میں ایک بیمار فقیر ملا جس کو مصائب نے بالکل ہی عاجز کررکھا تھا۔ اُس نے درخواست کی کہ کچھ مدد میری کرتے جاؤ۔ ان قریشی صاحب نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس خرچ ہے وہ سب لے آؤ۔ اُس غلام نے جو کچھ تھا جس کی مقدار چار ہزار درم تھی وہ اس فقیر کی گود میں ڈال دیا۔ وہ فقیر ان کو لے کر ضعف کی وجہ سے اُٹھ بھی نہ سکا۔ اس بڑی مقدار کے ملنے پر خوشی میں اُس کے آنسو نکل آئے۔ قریشی کو یہ خیال ہوا

کہ شاید اس نے اس مقدار کو کم سمجھا اس پر رو رہا ہے۔ اُس سے پوچھا گیا اس وجہ سے رو رہے ہو کہ یہ بہت کم مقدار ہے (مگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ اس وقت ہے نہیں)۔ فقیر نے کہا۔ نہیں اس پر نہیں رو رہا ہوں۔ اس پر رو رہا ہوں کہ تیرے کرم سے کتنی زمین کھا رہی ہے (اتحاف)۔ جب ایک ناواقف سائل کے سُوال پر تیرے کرم کا یہ حال ہے کہ سفر کی حالت میں بھی جو موجود تھا، سب دے دیا تو اس سے حضرت کے کرم کا اندازہ ہو گیا۔

(۱۸) عبداللہ بن عامر بن کُرَیزؓ نے حضرت خالد بن عُقبہؓ اُموی سے اُن کا مکان اپنی ضرورت سے نوّے ہزار دِرم میں خریدا۔ جب وہ فروخت ہو گیا، اور خالد کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کو رنج اور صدمہ بہت ہوا۔ رات کو کچھ رونے کی آواز ابنِ عامرؓ کے کان میں پڑی۔ اپنے گھر کی مستورات سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ خالد کے گھر والوں کو اپنے مکان کے فروخت ہونے کا صدمہ ہو رہا ہے۔ اُسی وقت ابنِ عامرؓ نے اپنے غلام کو ان کے پاس بھیجا، اور یہ کہلوایا کہ مکان تمہاری نَذر ہے اور قیمت جو میں دے چکا ہوں وہ بھی اب واپس نہ ہوگی۔ یہ مکان میری طرف سے تمہاری نَذر ہے۔ (اتحاف)۔

(۱۹) ہارون رشیدؒ نے پانسو دینار (اشرفیاں) ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ کی نَذر کیے۔ حضرت لَیث ابنِ سعدؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک ہزار دینار حضرت امام مالکؒ کے پاس نذرانہ میں بھیجے۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو وُہ ناراض ہوا کہ تم رعایا ہو کر بادشاہ سے بڑھنا چاہتے ہو (گویا میری توہین مقصود ہے) لَیثؒ نے کہا۔ اَمیرُ المُؤمنین یہ بات نہیں ہے بلکہ آج کل میری روزانہ کی آمدنی ایک ہزار دینار ہے۔ مجھے غیرت آئی کہ اتنے بڑے جلیلُ القدر امام کو میں نذرانہ پیش کروں اور اپنی ایک دن سے بھی کم کی آمدنی دوں۔ حضرت لیثؒ کا مستقل معمول بھی تھا کہ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں سَو اشرفی سالانہ نذر پیش کیا کرتے تھے۔

ان کے علاوہ بھی نذرانے آتے رہتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ کے فضل سے حضرت امام مالکؒ بسا اوقات مقروض رہتے تھے۔ اور خود یہ حضرت لیث ابن سعدؒ مشہور محدثین اور علماء میں ہیں جن کی روزانہ کی اس وقت آمدنی ایک ہزار دینار (اشرفیاں) تھی۔ مگر عمر بھر میں کبھی ان کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ مختلف زمانوں میں ان کی آمدنی مختلف رہی تھی، اور ایسا ہوا ہی کرتا ہے کہ آمدنی کم و بیش ہوتی رہا کرتی ہے لیکن زکوٰۃ کسی زمانہ میں بھی واجب نہ ہوئی، کہ زکوٰۃ تو جب واجب ہو جب کوئی جمع کر کے رکھے بھی۔ محمد بن رُمحؒ کہتے ہیں کہ حضرت لیثؒ کی سالانہ آمدنی ہر سال اسّی ہزار دینار تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کبھی اُن پر ایک درم کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں کی۔ خود ان کے بیٹے شعیب کہتے ہیں کہ میرے والد کی آمدنی بیس پچیس ہزار (اشرفیاں) سالانہ تھی مگر وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتے تھے (اتحاف)۔ ابتداء میں بیس پچیس ہزار ہوگی، جس پر قرضہ ہوتا رہتا تھا اس کے باوجود وہ سب کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتے تھے اس وجہ سے اُس کا بڑھنا ضروری تھا۔ اس لئے کسی وقت میں ایک ہزار روزانہ بھی ہوگیا۔ ایک عورت حضرت لیثؒ کے پاس ایک پیالی لے کر آئی کہ مجھے تھوڑے سے شہد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو مرحمت فرما دیجئے۔ انہوں نے ایک مشک شہد کی اُس کے حوالہ کر دی کسی نے کہا کہ وہ تو تھوڑا سا مانگتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اُس کا فعل تھا کہ اُس نے اپنی حاجت کے بقدر مانگا، مجھے اس کے موافق دینا چاہئے تھا جتنا میرے اللہ نے مجھ پر احسان فرما رکھا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ان کے ایک باغ کا پھل خریدا۔ اس میں خریداروں کو نقصان ہوا۔ ان کو اطلاع ہوئی انہوں نے باغ کی بیع کا معاملہ فسخ کر دیا۔ ان کی قیمت واپس کر دی، اور انکو اپنے پاس سے پچاس دینار (اشرفیاں) نذر کئے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا تاوان دیا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں نے میرے باغ سے نفع کی اُمید باندھی تھی۔ میرا دل چاہا کہ ان کی اُمید پوری کر دوں (اتحاف)۔

(۲۰) حضرت اعمش سُلیمان بن مہرانؒ مشہور محدّث ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

میرے پاس ایک بکری تھی وہ بیمار ہوگئی۔ حضرت خَیثمہ بن عبد الرحمٰنؒ روزانہ صبح کو اور شام کو دو وقت اُس بکری کی عیادت کرنے میرے پاس تشریف لاتے۔ بکری کا حال پوچھتے اور یہ بھی دریافت کرتے کہ بچوں کو دودھ تو ملتا نہیں ہوگا، وہ ضد تو نہیں کرتے بکری نے کچھ کھایا یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہمیشہ چلتے ہوئے جس ٹاٹ پر میں بیٹھا کرتا تھا اُس کے نیچے کچھ ڈال جاتے کہ یہ بچوں کے لیے اُٹھا لینا۔ بکری کی بیماری کے زمانہ میں تین سو دینار (اشرفیوں) سے زیادہ مجھے ان کے احسان سے ملا۔ مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ یہ بکری بیمار ہی رہے تو اچھا ہے (اتحاف)۔

(۲۱) عَبدُ المَلِک بن مروانؒ نے حضرت اَسما۔ بن خارِجہؒ سے پوچھا۔ کہ مجھے تمہاری بعض عادتیں بہت اچھی پہنچی ہیں۔ تم اپنے معمولات مجھے بتاؤ۔ انہوں نے عذر کر دیا کہ میری کیا عادت اچھّی ہو سکتی ہے، دوسروں کی عادتیں بہت بہت اچھّی ہیں ان سے دریافت کریں مگر جب انہوں نے اِصرار سے قسم دے کر پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ مجھے تین چیز کا ہمیشہ اہتمام رہا۔ ایک یہ کہ کبھی کسی بیٹھنے والے کی طرف میں نے پاؤں نہیں پھیلایا۔ دوسرے جب میں نے کھانا پکایا اور اُس پر لوگوں کو بُلایا تو اُن کھانے والوں کا میں نے اپنے اُوپر احسان اس سے بہت زیادہ سمجھا جتنا میرا اُن پر ہو۔ تیسرے جب مجھ سے کسی ضرورت مند نے کوئی سُوال کیا میں نے اُس کے دینے میں کسی مقدار کو بھی زائد نہیں سمجھا (جو کچھ دیا، اُس کو ہمیشہ کم ہی سمجھتا رہا)۔ (اتحاف)

(۲۲) حضرت سَعید بن خالدؒ اُموی بہت زیادہ مال دار تھے۔ عرب میں ان کی ثروت ضَربُ المَثَل تھی۔ ان کا دُستور تھا کہ جب کوئی حاجت مند انکے پاس آتا تو جو موجود ہوتا اس میں بخل نہ کرتے لیکن اگر کسی وقت کچھ نہ ہوتا تو اس کو ایک اقرار نامہ لکھ کر دے دیتے کہ جب میرے پاس کہیں سے کچھ آئے گا (یا میں مر جاؤں) تو اس رقعہ کے ذریعہ سے وصول کر لینا (اتحاف)۔

(۲۳) حضرت قَیس بن سعد خَزرَجیؓ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور احباب میں سے

کوئی عیادت کو نہ آیا۔ جس پر ان کو تعجب ہوا بالخصوص جن کی آمد و رفت زیادہ تھی۔ صحت کے زمانہ میں اکثر آیا کرتے تھے۔ گھر کے لوگوں سے پوچھا۔ یہ کیا بات ہے انہوں نے بتایا کہ ہر شخص تمہارا مقروض ہے ایسی حالت میں بغیر قرضہ لئے ہوئے آنے سے لوگوں کو شرم آتی ہے۔ فرمانے لگے کہ اس کم بخت مال کا ناس ہو یہ دوستوں کی ملاقات بھی چھڑا دیتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک شخص کو بلایا اور اس کے ذریعہ سے شہر میں منادی کرائی کہ قیس کا جس جس کے ذمہ قرضہ ہے وہ قیس نے سب کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جو عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہوا تو دروازہ کی دہلیز بھی ٹوٹ گئی (اتحاف)۔

(۲۴) مصر میں ایک صاحب خیر شخص تھے جو اہل ضرورت اور فقراء کے لئے چندہ کر دیا کرتے تھے۔ جب کسی کو کوئی حاجت پیش آتی وہ ان سے کہتا۔ وہ اہل ثروت لوگوں سے کچھ مانگ کر اس کو دے دیا کرتے۔ ایک فقیر ان کے پاس گیا اور کہا کہ میرے لڑکا پیدا ہوا ہے اور میرے پاس اس کی اصلاح کے انتظام کے لئے کوئی چیز نہیں ہے یہ صاحب اٹھے اور لوگوں سے اس کے لئے مانگا لیکن کہیں سے کچھ نہ ملا (کہ جو آدمی کثرت سے مانگتا رہتا ہو اس کو ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے) یہ سب سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور اس کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ بیان کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور واپس آ کر اپنے پاس سے ایک دینار نکالا اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا اور دوسرا اس فقیر کو دے دیا کہ یہ میں قرض دیتا ہوں اس وقت تم اس سے اپنا کام چلا لو۔ جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آ جائے تو میرا قرضہ ادا کر دینا۔ وہ لے کر چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ رات کو ان صاحب دینار نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہاری بات تو ساری سن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت نہ ہوئی۔ تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مکان کے فلاں حصہ میں جو چولہا بن رہا ہے اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑا رہا ہے۔ اس میں پانسو اشرفیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں۔ یہ صبح کو اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے

سارا قصہ اور اپنا خواب بیان کیا۔ اُنہوں نے اُس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانسو اشرفیوں کا نکال کر اس کے حوالہ کر دیا۔ اس شخص نے کہا کہ خواب کوئی شرعی چیز نہیں ہے تم لوگ اس مال کے وارث اور مالک ہو، اس لئے میں محض اپنے خواب کی وجہ سے اس کو نہیں لیتا۔ مگر ان وارثوں نے اِصرار کیا کہ جب وہ مرکر سخاوت کرتا ہے تو بڑی بے غیرتی ہے کہ ہم زندہ سخاوت نہ کریں۔ ان کے اِصرار پر اُس نے وہ اشرفیاں لے کر اُس فقیر کو دے دیں اور سارا قصہ سُنایا۔ اُس نے ان میں سے ایک دینار لے کر اُس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک ان صاحب کو اپنے قرضہ کی ادائیگی میں دیا اور اور دوسرا ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر کہا کہ میری ضرورت کو تو یہ کافی ہے۔ باقی یہ سب رقم میری ضرورت سے زائد ہے میں اس کو لے کر کیا کروں گا، وہ سب فقراء پر تقسیم کر دی۔ صاحب اتحاف کہتے ہیں کہ اس قصہ میں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ میّت یا اُس کے گھر والے یا یہ فقیر، اور ہمارے نزدیک تو یہ فقیر سب سے زیادہ سخی ہے کہ اپنی اس شدّتِ حاجت کے باوجود نصف دینار سے زیادہ لینا پسند نہ کیا (اتحاف)۔

(۲۵) اَبُو اِسحٰق ابراہیم بن اَبی ہلال میرمنشی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وزیر ابو محمد مُہلّبی کے پاس بیٹھا تھا۔ دربان نے آکر اِطلاع دی کہ سیّد شریف مرتضیٰ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر صاحب نے اجازت دے دی، اور جب شریف مرتضیٰ اندر آگئے تو وزیر صاحب کھڑے ہوئے اور بڑے اعزاز اکرام سے اُن کو اپنی مَسند پر بٹھایا۔ ان سے باتیں کیں اور جب وہ جانے لگے تو کھڑے ہو کر اُن کو رخصت کیا۔ وہ چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ دربان نے آکر اِطلاع دی کہ ان کے چھوٹے بھائی سیّد شریف رَضیؔ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ وزیر صاحب اُس وقت کچھ لکھنے میں مشغول ہوگئے تھے، اُس پرچہ کو جلدی سے ڈال کر اُٹھے اور دروازہ تک حیرت زدہ سے ہو کر گئے اور اُن کا ہاتھ بڑی تعظیم تکریم سے پکڑا اُن کو اپنے ساتھ لاکر اپنی مَسند پر بٹھایا اور خود تواضع سے اُن کے سامنے بیٹھے اور

بات چیت بڑی توجہ سے کرتے رہے۔ اور جب وہ اُٹھ کر جانے لگے تو دروازہ تک اُن کو پہنچانے گئے اور واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اُس وقت تو وزیر صاحب کے پاس مجمع تھا۔ میری کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب مجمع کم ہو گیا تو میں نے وزیر صاحب سے عرض کیا کہ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔ وزیر نے کہا ضرور، اجازت ہے اور غالباً تم یہ پوچھو گے کہ میں نے چھوٹے بھائی کا جتنا اکرام کیا اتنا بڑے کا نہیں کیا حالانکہ وہ علم اور عمر دونوں میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا یہی سوال ہے۔ وزیر نے کہا۔ سنو ہم نے ایک نہر کھودنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے قریب شریف مرتضیٰ کی زمین بھی تھی جس کی وجہ سے اُس نہر کے مصارف میں سے سولہ درم کے قریب حصّہ رسد ان کے ذمّہ بھی پڑتے تھے۔ انہوں نے مجھے کئی مرتبہ پرچہ لکھا کہ اس میں سے کچھ کم کر دوں۔ اتنی ذراسی رقم کے لئے بار بار وہ مجھ سے سوال کرتے رہے، اور سید رضی کے متعلق مجھے ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اُن کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے اُس کی خوشی میں اور اُن کی ضرورت کا خیال کر کے ایک خوانچی میں سو دینار (اشرفیاں) ان کی خدمت میں بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے اور یہ کہہ کر بھیجا کہ وزیر صاحب سے (شکریہ کے بعد) کہہ دیں کہ میں لوگوں کی عطائیں قبول نہیں کرتا (اللہ کا شکر ہے میری ضرورت کے بقدر میرے پاس موجود ہے)۔ میں نے پھر دوبارہ وہ خوان بھیجا کہ یہ دایہ وغیرہ کام کرنے والی عورتوں کیلئے بھیجا ہے۔ انہوں نے پھر واپس کر دیا اور یہ فرمایا کہ میرے گھر کی عورتیں بھی دوسروں سے کچھ لینے کی عادی نہیں ہیں۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر بھیجا اور یہ عرض کیا کہ جناب کے پاس جو طلبہ رہتے ہیں یہ اُن کے لئے ہے۔ فرمایا بڑی خوشی سے۔ اور وہ خوان طلبہ کے درمیان رکھوا دیا کہ جس کو جتنی ضرورت ہو لے لے۔ شریف رضیؒ کے یہاں طلبہ کا بڑا مجمع رہتا تھا۔ ایک مکان انہوں نے طلبہ کے رہنے کے لئے بنا رکھا تھا، جس کا نام دارُالعُلوم رکھا تھا۔ اُس میں یہ طلبہ رہتے تھے اور ان کی ضروریات کا شریف رضیؒ کی طرف سے اِنتظام تھا۔ یہ خوان دارُالعلوم میں رکھنے کے بعد طلبہ

میں سے کوئی بھی نہ اُٹھا بجز ایک طالب علم کے کہ اُس نے اُٹھ کر خوان میں سے ایک دینار نکالا اور اُس کو وہیں توڑ کر ذرا سا کونہ اُس کا اپنے پاس رکھ لیا اور باقی حصہ اُسی خوان میں ڈال دیا۔ شریف رضیؒ نے اُس طالب علم سے دریافت کیا کہ تمہیں یہ ذرا سی مقدار کس کام کے واسطے درکار تھی۔ اُس نے عرض کیا کہ ایک رات میرے پاس چراغ میں جلانے کو تیل نہیں تھا، خزانچی صاحب ملے نہیں۔ میں فلاں دکاندار سے تیل قرض لایا تھا یہ اُس کا قرض ادا کرنا ہے۔ شریف رضیؒ نے یہ خبر سُن کر طلبہ کی تعداد کے موافق اپنے خزانہ کی کنجیاں بنوائیں اور ہر طالب علم کو ایک ایک کنجی خزانہ کی دے دی کہ جس کو جب جتنی ضرورت ہو لے لے۔ خزانچی صاحب سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اور اُس خوان کو اسی حال میں کہ ایک دینار اُسمیں سے ذرا سا ٹوٹا ہوا تھا واپس کر دیا۔ یہ قصہ سُنا کر وزیر صاحب نے کہا کہ تم ہی بتاؤ کہ میں ایسے شخص کا اکرام کیوں نہ کروں (اتحاف)۔

(۲۶) حضرت امام شافعیؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپنے وصیت فرمائی کہ میرا غسلِ میّت محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ دیں گے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو محمد کو اطلاع دی گئی۔ وہ تشریف لائے اور فرمایا کہ انکے حساب کا رجسٹر پہلے مجھے دکھاؤ۔ رجسٹر لایا گیا۔ اُس میں حضرت امام کے ذمہ جو قرضہ لوگوں کا تھا وہ حساب کرکے جمع کیا۔ اُس کی مقدار ستر ہزار درم تھی۔ محمد نے فرمایا کہ یہ سب قرضہ میرے ذمہ ہے۔ اپنی ذمہ گی کا کاغذ لکھ دیا اور فرمایا کہ میرے غسل دینے سے یہی مُراد تھی۔ اور اُس کے بعد اُس سارے قرضہ کو ادا کر دیا (اتحاف)۔

(۲۷) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حمّاد بن ابی سُلیمانؒ سے (جو حضرت امام ابُو حنیفہؒ کے مشہور استاد ہیں) ہمیشہ بہت محبّت رہی۔ اس وجہ سے کہ مجھے اُن کا ایک واقعہ معلوم ہوا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ ایک دن گدھے پر سوار جا رہے تھے۔ اُس کے ایڑھ ماری وہ جو زور سے دوڑا تو اُس کے جھٹکے سے حضرت حمّادؒ کے کرتہ کی گھنڈی ٹوٹ گئی۔ راستہ میں ایک درزی کی دکان نظر پڑی۔ اُس کو

سلوانے کے لیے اُتارنے لگے۔ درزی نے کہا۔ اُتارنے کی ضرورت نہیں معمولی کام ہے میں ابھی لگائے دیتا ہوں۔ درزی نے کھڑے ہو کر وہ گھنڈی کرتہ میں سی دی حمادؒ نے اس کی اُجرت میں ایک تھیلی دی۔ جس میں دس اشرفیاں تھیں اور معاوضہ کی کمی کی معذرت کی (اتحاف)۔

(۲۸) رَبیع بن سُلیمانؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ ایک مرتبہ سواری پہ سوار ہو رہے تھے۔ ایک شخص نے جلدی سے رکاب پکڑلی (تاکہ چڑھنے میں سہولت ہو) حضرت امام نے مجھ سے فرمایا کہ میری طرف سے اس شخص کو چار اشرفیاں دے دو اور کمی کی معذرت بھی کر دینا۔ اور عبداللہ بن زبیر حمیدیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعیؒ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ دس ہزار اشرفیاں آپ کے پاس تھیں مکہ مکرمہ سے باہر آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد آپنے وہیں خیمہ میں ایک کپڑا بچھا کر وہ اشرفیاں اُس پہ ڈال دیں اور (اہلِ مکہ میں سے) جو جو ملنے کے لیے آتا رہا، ایک ایک مٹھی اُس کو دیتے رہے۔ ظہر کے وقت تک وہ سب ختم ہو گئیں (اتحاف)۔

(۲۹) محمد بن عَبّاد مُہلّبی کہتے ہیں کہ میرے والد ایک مرتبہ مامون الرشید کے پاس گئے۔ اُس نے ایک لاکھ درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہاں سے جب اُٹھ کر آئے تو وہ سب اُسی وقت فقرا پر تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد پھر جب مامون کے پاس جانے کی نوبت آئی تو اُس نے سب تقسیم کر دینے پر ناگواری کا اظہار کیا تو والد صاحب نے فرمایا کہ امیرالمؤمنین موجود کے ساتھ بخل کرنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے (کہ اس نے ایک مرتبہ تو دے دیا، پھر کہاں سے دے گا)۔ (اتحاف)۔

(۳۰) حضرت طلحہ بن عُبَیداللہ اَلفَیّاضؓ صحابی مشہور سخی لوگوں میں ہیں ان کے ذمہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے پچاس ہزار درم قرض ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں یہ ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دام اسوقت آ گئے ہیں آپ کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہوں حضرت عثمانؓ نے فرمادیا کہ بس وہ تمہاری ہی نذر میں۔ تمہارے ذمہ لوگوں کے بہت اخراجات

رہتے ہیں۔ جابر بن قبیصہؒ کہتے ہیں کہ میں بہت دن تک حضرت طلحہؓ کے ساتھ رہا۔ بلا طلب عطا کرنے والا میں نے ان سے زیادہ نہیں دیکھا۔ حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی ایک زمین سات لاکھ میں فروخت کی۔ قیمت جب وصول ہوئی تو شام کا وقت ہوگیا تھا وہ رقم رات کو ان کے پاس رہی۔ رات بھر سخت بے چینی میں جاگتے گزر گئی اس خوف سے کہ یہ مال میرے پاس ہے (کہیں موت نہ آجائے) صبح کو اُٹھ کر سب سے پہلے اُس کو تقسیم کیا۔ ان کی بیوی حضرت سُعدیٰ بنت عوفؓ کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو دیکھا کہ بہت گرانی سی ہو رہی ہے۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے کیسی طبیعت ہو رہی ہے کہنے لگے میرے پاس کچھ مال جمع ہوگیا۔ اُس کی وجہ سے بڑی گھٹن ہو رہی ہے۔ میں نے کہا یہ تو کچھ ایسی بات نہیں ہے۔ اپنے غلام کو بھیج کر اپنے رشتہ داروں کو بُلا لیجئے اور (صلہ رحمی میں) ان پر تقسیم کر دیجئے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُسی وقت غلام کو بھیج کر آدمیوں کو بُلایا اور اُس کو تقسیم کر دیا۔ راوی کہتے ہیں۔ میں نے اُن کے خادم سے پوچھا۔ یہ کتنا مال تھا۔ اُس نے بتایا۔ چار لاکھ تھا۔ ان کی بیوی ایک اور واقعہ یہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ وہ گھر میں آئے، چہرہ بہت ہی اُترا ہوا، رنج کی وجہ سے سیاہی چہرہ پر آرہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے، کچھ میری طرف سے کوئی ناگواری کی بات پیش آئی ہو تو میں مُعافی کی درخواست کروں گی۔ کہنے لگے، نہیں تُو تو مسلمان کے لیے بہت بہترین بیوی ہے (کہ نیک کام میں مدد کرتی ہے)۔ میں نے پوچھا پھر آخر کیا بات پیش آگئی۔ کہنے لگے، کچھ مال جمع ہوگیا، مجھے اس کی بڑی بے چینی ہو رہی ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں، اُسے اُٹھا کر بانٹ دو۔ اس میں کیا ہوگیا۔ بعض مرتبہ کوئی لینے والا نہیں آتا تھا تو وہ رہ جاتا تھا۔ ان کی بیوی سُعدیٰ یہ بھی کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک لاکھ تقسیم کیا اور اپنا یہ حال تھا کہ اس دن مسجد میں اس وجہ سے جانے میں دیر ہوگئی کہ اُن کے پاس جو کپڑا تھا (چادر) اس کے دونوں کنارے سینے میں مجھے دیر لگی (یعنی وہی ایک کپڑا تھا اس کے سِلنے کے

اِنتظار میں بیٹھے رہتے۔ دوسرا کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر مسجد میں چلے جاتے)۔ ایک گاؤں کے رہنے والے حضرت طلحہؓ کے پاس آئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر (صلہ رحمی کے طور پر) کچھ مانگا۔ فرمانے لگے کہ قرابت کا واسطہ دے کر آج تک مجھ سے کسی نے نہیں مانگا تھا۔ میرے پاس ایک زمین ہے۔ حضرت عثمانؓ اُس کو خریدنا چاہتے تھے اور وہ اُس کی قیمت تین لاکھ لگا چکے ہیں۔ تیرا دل چاہے وہ زمین لے لے اور اگر نقد چاہیئے تو میں اُس کو اُن کے ہاتھ فروخت کرکے اس کی قیمت دے دوں اُس نے قیمت لینا پسند کیا۔ اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اُس کو فروخت کرکے اُس کی قیمت اس کو دے دی (اتحاف)۔ ان حضرات کے پاس زمینوں کی بہت کثرت تھی۔ اس لیے کہ جہاں جہاں جہاد میں جاتے وہ مُلک فتح ہوتے تو اکثر غنیمت کے ساتھ زمینیں بھی ان مجاہدین پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

(۳۱) ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بیٹھے رو رہے تھے کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے (کسی بات سے ناراض ہو کر) میرے ذلیل کرنے کا تو ارادہ نہیں فرمالیا۔ (اتحاف)۔

(۳۲) ایک مرتبہ ایک شخص اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ اور جاکر کہا کہ میرے ذمہ چار سو درہم قرض ہوگیا، تجھ سے مدد چاہتے آیا ہوں۔ اُس نے فوراً چار سو درم وزن کرکے دے دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو اُس نے رونا شروع کر دیا۔ بیوی کو یہ خیال ہوا کہ شاید اس کو مال کے جانے کا صدمہ ہوا۔ وہ کہنے لگی۔ اگر اتنی گرانی تھی تو دینے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس پر رو رہا ہوں کہ میں نے اس کے ساتھ تعلقات کے باوجود اس کے حال کی خود خبر کیوں نہ رکھی۔ اس کو مجھ سے مانگنے کی نوبت کیوں آئی۔ (اتحاف)۔

(۳۳) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ایک باغ پر گذر ہوا۔ وہاں ایک حبشی غلام باغ میں کام کر رہا تھا۔ اُسکی

روٹی آئی، اور اس کے ساتھ ہی ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اُس غلام کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ اُس غلام نے کام کرتے کرتے ایک روٹی اُس کتے کے سامنے ڈال دی اُس کتے نے اس کو کھالیا اور پھر کھڑا رہا۔ اُس نے دوسری اور پھر تیسری روٹی بھی ڈال دی۔ کُل تین ہی روٹیاں تھیں وہ تینوں کتے کو کھلا دیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ غور سے کھڑے دیکھتے رہے۔ جب وہ تینوں ختم ہوگئیں تو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اُس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزانہ آتی ہیں۔ اُس نے عرض کیا۔ آپ نے تو ملاحظہ فرمالیا تین ہی آیا کرتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تینوں کا ایثار کیوں کردیا غلام نے کہا۔ حضرت یہاں کتے رہتے نہیں ہیں۔ یہ غریب بھوکا کہیں دُور سے مسافت طے کرکے آیا ہے۔ اس لئے مجھے اچھا نہ لگا کہ اس کو ویسے ہی واپس کردوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تم آج کیا کھاؤ گے۔ غلام نے کہا۔ ایک دن فاقہ کرلوں گا یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ تو بہت سخاوت کرتا ہے، یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے۔ یہ سوچ کر شہر میں واپس تشریف لے گئے اور اس باغ کو اور غلام کو اور جو کچھ سامان باغ میں تھا سب کو اُس کے مالک سے خریدا اور خرید کر غلام کو آزاد کیا، اور وہ باغ اُس غلام کی نذر کردیا۔ (اتحاف)۔

(۳۴) ابُوالحسن انطاکی خُراسان کے شہروں میں ایک جگہ رہتی ہے، وہاں رہتے تھے۔ ایک دن تیس آدمیوں سے زیادہ مہمان آگئے اور روٹی تھوڑی تھی تیاری کا موقع نہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں، سب کے ٹکڑے کئے اور دسترخوان پر ان کو پھیلا کر سب کو بٹھایا اور چراغ گُل کردیا اور سب کے سب نے کھانا شروع کردیا۔ سب کے منہ چلانے کی آواز آتی تھی۔ جب دیر ہوگئی، اور گویا سب بالکل فارغ ہوگئے تو چراغ جلایا گیا اور دسترخوان اُٹھایا گیا۔ اسمیں وہ سارے ٹکڑے بدستور رکھے تھے، سب ہی خالی مُنہ چلاتے رہے کسی نے بھی اس خیال سے نہ کھایا کہ اچھا ہے دوسرے ہی کا کام چل جائے گا۔ (اتحاف)۔

(۳۵) حضرت شُعبہ مشہور محدّث ہیں۔ اَمیرُ الْمُؤمِنِیْن فِی الْحَدِیْث (حدیث میں مؤمنوں کے بادشاہ) ان کا لقب ہے۔ بڑے عابد زاہد لوگوں میں تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل ان کے پاس حاضر ہوا۔ دینے کیلئے کوئی چیز مُیَسَّر نہ ہوئی۔ اپنے مکان کی چھت میں سے ایک کڑی نکال کر اُس کے حوالہ کر دی (کہ اس کو فروخت کر لینا) اور اُس سے بہت مَعْذِرت کی کہ اس وقت میرے پاس دینے کو کچھ ہے نہیں۔ (اتحاف)

(۳۶) حضرت اَبُوسَہل صُعلوکی ایک مرتبہ وضو کر رہے تھے۔ ایک شخص آیا، اور کچھ ضرورت کا اظہار کیا۔ دینے کے واسطے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ فرمانے لگے تھوڑی دیر اِنتظار کرلو، میں وضو سے فارغ ہو جاؤں۔ جب وضو کر چکے تو فرمایا کہ یہ لکڑی کا لوٹا جس سے وضو کر رہے تھے لے جاؤ اور تو کوئی چیز اس وقت ہے نہیں۔ (اتحاف)

(۳۷) یَرْمُوک کی لڑائی میں صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے پانی کے موجود ہوتے ہوئے اس وجہ سے پیاسے جان دی کہ جب ان کے قریب پانی پہنچا تو کسی دوسرے نے آہ کر دی اور اُس نے بجائے اپنے پینے کے دوسرے کی طرف پانی لے جانے کا اشارہ کر دیا۔ ایک واقعہ اس کا "حکایاتِ صحابہؓ" میں لکھا جا چکا ہے۔ مگر اَصحابِ مَغازی نے لکھا ہے کہ حضرت عکرِمہؓ بن اَبی جَہل، سُہَیل بن عمروؓ، سَہل بن اَبی حارثؓ، حارث بن ہشامؓ اور قبیلہ مُغیرہ کی ایک جماعت نے اسی طرح پیاسے دم توڑا کہ ان کے پاس پانی لایا جاتا تھا اور یہ دوسرے کا اشارہ کر دیتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کے پاس پانی لایا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سُہَیل بن عمروؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں انہوں نے فرما دیا کہ پہلے سُہَیلؓ کو پلا دو۔ جب ان کے پاس لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سَہل بن حارثؓ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرما دیا کہ پہلے سَہل کو پلا دو۔ غرض ان سب حضرات نے پیاسے ہی جان دی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جب ان کی نعشوں پر گزرے تو فرمانے لگے کہ تم پر میری جان قربان ہو جائے (تم نے اس وقت بھی ایثار نہ چھوڑا)۔ (اتحاف)۔

(۳۸) عباس بن دِہقانؒ کہتے ہیں کہ بِشر بن حارث حافیؒ کے عِلاوہ کوئی

شخص ایسا نہ ہوگا جو کہ جس حال میں دنیا میں آیا تھا یعنی خالی ہاتھ ننگا بدن ایسا ہی دنیا سے گیا ہو۔ بشر بن حافیؒ البتہ اسی طرح گئے کہ وہ بیمار تھے۔ وصال کا وقت قریب تھا۔ ایک سائل آگیا اور اپنی ضرورت کا حال ظاہر کیا۔ جو کرتہ بدن پر تھا وہ نکال کر اُس کو بخش دیا اور خود تھوڑی دیر کے لیئے دوسرے سے کرتہ مُستعار مانگا اور اسی میں وصال فرمایا۔ (اتحاف)۔

(۳۹) کون کہتا ہے کہ یہ واقعات پچھلے ہی بزرگوں کے ساتھ خاص تھے حضرتِ اَقدس مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قُدِّسَ سِرُّہٗ کے وصال کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ حضرت کا معمول تھا کہ جو کچھ کہیں سے آتا وہ فوراً ہی تقسیم فرمادیتے اور کبھی کبھی تکیہ کے نیچے کچھ رکھا ہوا دیکھ کر فرماتے کہ یہ اَور آگیا۔ اور وصال سے کچھ زمانہ پہلے اپنے سب کپڑے بھی خُدّام پر تقسیم فرمادیئے تھے۔ اور اپنے مُخلص خادم (خلیفہ خاص) حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب عہ دامَ مَجدُہُم و زادَ فَضلُہُم سے ارشاد فرمایا کہ بس اب زندگی کے جتنے دن باقی ہیں تم سے کپڑے مُستعار لے کر پہن لیا کریں گے چنانچہ حضرت مولانا ہی کے کپڑے آخر میں استعمال فرماتے تھے۔

(۴۰) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی طَرسُوس میں جو ملک شام کا ایک شہر ہے جمع ہو کر باہر جارہے تھے۔ چلتے ہوئے ایک کتا بھی ہمارے ساتھ ہوگیا جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ایک مرا ہوا جانور پڑا تھا۔ ہم لوگ اُس سے بچ کر ذرا فاصلے سے ایک اُونچی جگہ پر بیٹھ گئے۔ وہ کتا جو ہمارے ساتھ ہو گیا تھا، اُس نے جب اُس مُردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف واپس ہوگیا اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ اپنے ساتھ تقریباً بیس۲۰ کتے اور لایا اور اُس مُردار کے پاس آکر وہ خود تو علیحدہ کو بیٹھ گیا اور سب کُتّے اس کو کھاتے رہے۔ جب وہ سب کھا کر شہر کی طرف چلے گئے تو یہ کُتا جو بُلانے گیا تھا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے پاس آکر جو ہڈیاں وغیرہ وہ سب کھا کر چھوڑ گئے تھے

عہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ وفات پاگئے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ کو لاہور میں ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ان کو اس نے کھایا اور پھر شہر کی طرف چلا گیا۔ (اتحاف)

(۴۱) ابُو الحسن بوشنجیؒ ایک بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ پاخانہ میں جا چکے تھے وہیں سے اپنے ایک شاگرد کو آواز دی اور اپنا کرتہ نکال کر کہا کہ یہ فلاں فقیر کو دے آؤ۔ شاگرد نے کہا کہ آپ استنجے سے فراغت کا تو انتظار کر لیتے۔ کہنے لگے کہ مجھے اس کی ضرورت کا خیال آ کر یہ ارادہ ہوا کہ یہ کُرتہ اُس کو دے دوں اور اپنے نفس پر اس کا اعتماد نہیں تھا کہ وہ استنجے سے فراغت تک بدل نہ جائے (اتحاف)۔ پاخانہ میں بولنا گو وہ بے لیکن صدقہ کرنے کے جذبہ اور اپنے نفس پہ بدگمانی نے اس پہ مجبور کر دیا۔ یا اُس وقت تک کشفِ عورت ہی نہ ہوا ہو۔

(۴۲) امیرُ المُؤمنین مُہدیؒ نے موسیٰ بن جعفر کو بغاوت کے اندیشہ سے قید کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو وہ تہجّد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اُس میں سورۂ محمد کی آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ پر پہنچے اور یہاں پہنچ کر رونے لگے۔ اس آیت شریفہ کو بار بار پڑھتے تھے اور روتے تھے۔ سلام پھیر کر رَبیع سے کہا کہ موسیٰ کو بُلا کر لاؤ۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں ان کو بُلا کر لایا اور جب واپس آیا تب بھی وہ اسی آیت کو بار بار پڑھ رہے تھے، اور رو رہے تھے۔ جب موسیٰ آئے تو مہدی نے کہا۔ مَیں یہ آیت پڑھ رہا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ مَیں نے قطع رحمی کر رکھی ہے۔ اگر تُو اس کا وعدہ کرے کہ میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا تو میں چھوڑ دوں۔ موسیٰ نے کہا۔ حاشا وکلّا میری تو ایسی حیثیت بھی نہیں ہے اور نہ اس کا خیال ہے۔ مہدی نے ربیع سے کہا کہ اس کو اسی وقت تین ہزار اشرفیاں دے کر اسی وقت رات ہی کو چلتا کر دو ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں میری رائے بدل جائے (اتحاف)۔

(۴۳) حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا گیا کہ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نَذر (مَنّت) مانی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین تین روزے

دونوں حضرات رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے صاحبزادوں کو صحت ہو گئی۔ ان حضرات نے شکرانہ کے روزے رکھنے شروع فرما دیئے۔ مگر گھر میں نہ سحر کے لیے کچھ تھا نہ افطار کے لیے۔ فاقہ پر روزہ شروع کر دیا۔ صبح کو حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے۔ جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تو کچھ اُون دھاگہ بنانے کے لیے اُجرت پر دیدے تو محمد صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کی بیٹی اس کام کو کر دے گی۔ اُس نے اُون کا ایک گٹھڑ تین صاع جَو کی اُجرت طے کرکے دے دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے اُس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صاع جَو اُجرت کے لے کر ان کو پیسا اور پانچ نان اُس کے تیّار کیے۔ ایک ایک اپنا میاں بیوی کا، دو دونوں صاحبزادوں کے اور ایک باندی کا جس کا نام فِضّہ تھا۔ روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ حضورؐ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لَوٹے اور کھانا کھانے کے لیے دستر خوان بچھایا گیا، حضرت علیؓ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازہ سے آواز دی کہ اے محمد صلّی اللہُ علیہِ وسلّم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں، مجھے کھانا دو۔ اللہ جلّ شانہٗ تمہیں جنّت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے۔ حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت فاطمہؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ ضرور دے دیجئے وہ سب روٹیاں اُس کو دے دیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے۔

اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ دوسرے دن پھر حضرت فاطمہؓ نے دوسری تہائی اُون کی کاتی اور ایک صاع جَو کا اُجرت لے کر اُس کو پیسا، روٹیاں پکائیں، اور جب حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ حضورؐ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے کے لیے بیٹھے، تو ایک یتیم نے دروازہ سے سُوال کیا اور اپنی تنہائی اور فقر کا اظہار کیا۔ ان حضرات نے اُس دن کی روٹیاں اُس کے حوالہ کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا۔ اور صبح کو حضرت فاطمہؓ نے اُون کا باقی حصّہ کاتا اور ایک صاع جَو کا رہ گیا تھا وہ لے کر پیسا

روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آکر آواز دی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اظہار کیا۔ ان حضرات نے اُس دن کی روٹیاں اُس کو دے دیں اور خود فاقہ سے رہے۔ چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے، چلو فاطمہؓ کے پاس چلیں۔ حضورؐ حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کے پاس تشریف لائے۔ وہ نماز پڑھ رہی تھیں بھوک کی شدّت سے آنکھیں گڑ گئی تھیں، پیٹ کمر سے لگ رہا تھا۔ حضورؐ نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا اور حق تعالیٰ شانُہٗ سے فریاد کی۔ اس پر حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام سورۂ دہر کی آیات وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا لے کر آئے اور اس پروانۂ خوشنودی کی مبارکباد دی (مسامرات اوّل)۔ یہ آیات پہلی فصل کی آیات کے سلسلہ میں ۳۴ پر گزر چکی ہیں۔ علّامہ سیوطیؒ نے درِ منثور میں بروایۃ ابنِ مردویہ حضرت ابن عباسؓ سے مختصراً یہ مضمون نقل کیا ہے کہ یہ آیتیں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

(۴۴) ایک شرابی تھا۔ جس کے یہاں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کے یار احباب جمع تھے۔ شراب تیار تھی۔ اُس نے اپنے ایک غلام کو چار درم دیئے کہ شراب پینے سے پہلے دوستوں کو کھلانے کے لئے کچھ پھل خرید کر لائے۔ وہ غلام بازار جا رہا تھا۔ راستہ میں حضرت منصور بن عمار بصریؒ کی مجلس پر کو گزر ہوا۔ وہ کسی فقیر کے واسطے لوگوں سے کچھ مانگ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص اس فقیر کو چار درم دے دے میں اس کے لئے چار دُعائیں کروں گا۔ اس غلام نے وہ چاروں درم اُس فقیر کو دے دیئے۔ حضرت منصورؒ نے فرمایا۔ بتا کیا دُعائیں چاہتا ہے۔ غلام نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے میں اُس سے

خلاصی یعنی آزادی چاہتا ہوں۔ حضرت منصورؒ نے اس کی دُعا کی۔ پھر پوچھا دوسری دُعا کیا چاہتا ہے۔ غلام نے کہا کہ مجھے ان دراہم کا بدل مل جائے۔ منصورؒ نے اُس کی بھی دُعا کی۔ پھر پوچھا تیسری کیا دعا ہے۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے سردار (کو توبہ کی توفیق دے اور اُس) کی توبہ قبول کرلے۔ منصورؒ نے اس کی بھی دُعا کی۔ پھر پوچھا کہ چوتھی کیا ہے۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور میرے سردار کی اور تمہاری اور اس مجمع کی جو یہاں حاضر ہیں سب کی مغفرت فرمادے۔ حضرت منصورؒ نے اس کی بھی دُعا کی۔ اس کے بعد وہ غلام (خالی ہاتھ) اپنے سردار کے پاس واپس چلا گیا۔ (اور خیال کرلیا کہ بہت سے بہت اتنا ہی تو ہوگا کہ آقا مارے گا اور کیا ہوگا) سردار انتظار میں تھا ہی، دیکھ کر کہنے لگا کہ اتنی دیر لگا دی۔ غلام نے قصّہ سُنایا۔ سردار نے (ان کی دعاؤں کی برکت سے بجائے خفا ہونے اور مارنے کے) یہ پوچھا کہ کیا کیا دُعائیں کرائیں۔ غلام نے کہا۔ پہلی تو یہ کہ میں غلامی سے آزاد ہو جاؤں۔ سردار نے کہا، کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ دوسری کیا تھی۔ غلام نے کہا کہ مجھے ان درہموں کا بدلہ مل جائے سردار نے کہا کہ میری طرف سے تجھے چار ہزار درہم نذر ہیں۔ تیسری کیا تھی۔ غلام نے کہا۔ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں (شراب وغیرہ فسق و فجور سے) توبہ کی توفیق دے۔ سردار نے کہا کہ میں نے (اپنے سب گناہوں سے) توبہ کرلی۔ چوتھی کیا تھی۔ غلام نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ میری اور آپ کی اور اُن بزرگوں کی اور سارے مجمع کی مغفرت فرمادے۔ سردار نے کہا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ رات کو سردار نے خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ جب تُو نے وہ تینوں کام کر دیئے جو تیرے اختیار میں تھے تو کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں وہ کام نہیں کروں گا جو میرے اِختیار میں ہے۔ میں نے تیری اور اُس غلام کی اور منصور کی اور اُس سارے مجمع کی مغفرت کر دی (اتحاف)۔

(۴۵) عبدالوہاب بن عبدالحمید ثقفیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا۔ جس کو تین مرد اور ایک عورت لیے جا رہے ہیں اور کوئی آدمی جنازہ کے ساتھ نہیں تھا۔ میں ساتھ ہو لیا اور عورت کی جانب کا حصّہ میں نے لے لیا۔ قبرستان لے گئے

وہاں اُس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اُس کو دفن کر کے میں نے پوچھا۔ یہ کس کا جنازہ تھا۔ عورت نے کہا۔ یہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پوچھا۔ تیرے محلہ میں اور کوئی مرد نہ تھا جو تیری جگہ جنازہ کا جو تھا پایہ پکڑ لیتا۔ اُس نے کہا۔ آدمی تو بہت تھے لیکن اس کو ذلیل سمجھ کر کوئی ساتھ نہ آیا۔ میں نے پوچھا، کیا بات تھی جس سے ذلیل سمجھتے تھے۔ کہنے لگی یہ مُخَنَّث تھا (ہیجڑا یا عورتوں جیسی حرکات کرنے والا)۔ مجھے اس عورت پر ترس آیا۔ میں اس کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور اُس کو کچھ درہم اور کپڑے اور گیہوں دیئے۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس قدر حسین گویا چودھویں رات کا چاند نہایت سفید عمدہ لباس پہنے ہوئے آیا اور میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ کہنے لگا کہ میں وہی مُخَنَّث ہوں جس کو تم نے آج دفن کیا۔ مجھ پر حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وجہ سے رحمت فرما دی کہ لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے (اتحاف)۔

(۴۶) محمد بن سہل بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں مکّہ مکرمہ کے راستہ میں جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مغربی شخص ایک خچر پر سوار ہے اور اس کے آگے ایک شخص یہ اعلان کرتا جاتا ہے کہ (ایک ہمیانی کھوئی گئی) جو شخص ہمیانی کا پتہ بتادے اس کو سَو اشرفیاں میں اپنے پاس سے دوں گا۔ اس لئے کہ اس ہمیانی میں امانتیں تھیں (ہمیانی روپیہ اشرفیاں رکھنے کی لانبی تھیلی ہوتی ہے جو کمر سے باندھی جاتی ہے) اس اعلان پر ایک لنگڑا شخص جس کے اُوپر بہت پھٹے پُرانے کپڑے تھے، اُس مغربی کے پاس آیا اور اس سے اُس ہمیانی کی علامتیں پوچھیں کہ کیسی تھی۔ مغربی نے اُس کی علامتیں بتائیں اور کہا کہ اس میں بہت سے آدمیوں کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں۔ لنگڑے نے پوچھا کہ کوئی شخص یہاں ایسا ہے کہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ محمد بن سہلؒ نے کہا کہ میں جانتا ہوں۔ وہ لنگڑا ہمیں تینوں کو اپنے ساتھ الگ ایک طرف کو لے گیا اور ایک ہمیانی نکال کر دکھائی۔ وہ مغربی اس کے اندر کی چیزیں بتاتا رہا کہ دو دانہ فلاں عورت فلاں کی بیٹی کے پانسو اشرفی کے بدلہ میں رکھے ہیں اور ایک دانہ (عدد) فلاں شخص کا سَو اشرفی میں رکھا ہے۔ اسی طرح ایک ایک چیز وہ گنوا تا رہا۔

اور مَیں اُس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ کر بتاتا رہا کہ وہ یہ ہے، وہ یہ ہے۔ اُس مغربی نے اس ہمیانی کی سب چیزیں شمار کرادیں اور وہ سب کی سب اُس میں سے پوری نکلیں۔ جب سب صحیح صحیح نکل آیا تو اُس لنگڑے نے وہ ہمیانی مغربی کے حوالہ کردی۔ اُس نے اپنے وعدہ کے موافق اپنے پاس سے سَو دینار (اشرفیاں) نکال کر اُس لنگڑے کو دیئے۔ اُس نے لینے سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ اگر اس ہمیانی کی قدر میری نگاہ میں دو مینگنیوں کی برابر بھی ہوتی تو شاید تم اس کو نہ پاسکتے ایسی چیز پر کیا معاوضہ لوں جس کی قیمت میرے نزدیک دو مینگنیاں بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہہ کر وہ لنگڑا چل دیا اور ان سَو اشرفیوں کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ (مسامرات)۔

(۴۷) بخارا کا ایک حاکم بڑا سخت ظالم تھا۔ ایک دن وہ اپنی سواری پر چلا جارہا تھا۔ راستہ میں ایک کتا نظر پڑا جس کے خارش ہورہی تھی اور سردی نے اس کو بہت ستا رکھا تھا۔ اُس ظالم کی اس پر نگاہ پڑتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ایک نوکر سے کہا کہ اس کُتّے کو میرے گھر لے جا۔ میرے آنے تک اس کا خیال رکھیو۔ یہ کہہ کر وہ اپنے کام جہاں جارہا تھا، چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اُس کُتّے کو منگایا اور گھر کے ایک کونہ میں اُس کو بندھوادیا۔ اُس کے سامنے ٹکڑا ڈالا، پانی رکھوایا اور اُس کے بدن پر تیل ملوا کر ایک کپڑے کی جھول اُس کے اُوپر ڈلوائی۔ اُس کے قریب آگ رکھوائی تاکہ اُس کی گرمی سے اُس پر سے سردی کا اثر زائل ہوجائے۔ اور اس قصہ کو دو ہی دن گذرے تھے کہ اُس ظالم کا انتقال ہوگیا۔ ایک بزرگ نے جو اُس کے مظالم اور اُس کی حالت سے خوب واقف تھے، اُس کو خواب میں دیکھا۔ اُس سے پوچھا کہ کیا گذری۔ اُس نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور فرمایا کہ تُو کُتّا تھا (یعنی کُتّوں جیسے کام کرتا تھا، انسانوں جیسے کام نہیں کرتا تھا) اس لئے ہم نے بھی ایک کُتّے ہی کو تجھ کو دے دیا (یعنی اُس خارشی کُتّے کے طفیل تیری بخشش کردی) اور میرے ذمہ جو حقوق تھے

ان کا خود ادا فرمانے کا ارادہ فرمالیا (مسامرات)۔ حق تعالیٰ شانُہٗ کی ذات بڑی کریم ہے۔ وہ سارے کریموں کا مالک ہے بادشاہ ہے۔ اُسکے کرم تک کوئی کہاں پہنچ سکتا ہے۔ کسی شخص کی کوئی ادنیٰ سی چیز بھی اُس کو پسند آجائے تو اُس شخص کا بیڑا پار ہے۔ آدمی اُسکی خوشنودی کی تلاش میں رہے، نہ معلوم کس کی کیا بات آقا کو پسند آجائے۔

(۲۸) اَبُوْ عُمَرْ وِ دِمَشْقیؒ کہتے ہیں کہ ہم چند آدمی حضرت اَبُوْ عبداللہ بن جلاءؒ کے ساتھ مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ کئی دن ایسے گذر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز مُیَسَّر نہ ہوئی۔ جنگل میں ایک عورت ملی۔ ایک بکری اس کے ساتھ تھی۔ ہم نے (خیال کیا کہ اس کو خرید کر پکالیں گے اس لئے) اس عورت سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے۔ اُس نے کہا۔ پچاس درم قیمت ہے۔ ہم نے کہا۔ ہم پر احسان کر کچھ کم کردے۔ اُس نے کہا۔ پانچ درم قیمت ہے۔ ہم نے کہا کہ مذاق نہ کر، صحیح صحیح قیمت بتادے ابھی پچاس درم کہتی تھی ابھی پانچ درم کہہ دیئے۔ اُس عورت نے کہا۔ وَاللہِ مذاق نہیں کرتی۔ تم نے کہا احسان کر، کاش مجھے اس پر قدرت ہوتی کہ میں کچھ بھی قیمت اس کی نہ لیتی (لیکن میں بھی مجبور ہوں اس لئے پانچ بھی بہ مجبوری کہہ دیئے)۔ حضرت ابن جلاءؒ نے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم سب کے پاس کتنے درم ہیں۔ سب کا مجموعہ چھ سو درم ہوئے۔ ابن جلاءؒ نے فرمایا کہ یہ سب اس کو دے دو اور بکری بھی اسی کے پاس رہنے دو۔ ہم نے سب درم اس کو دے دیئے اور ہمارا سارا سفر اللہ کے فضل سے ایسی راحت سے گذرا کہ حد نہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ (مسامرات)۔

(۲۹) حضرت ابراہیم بن اَدْہَمؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے دریافت کیا کہ تُو اللہ کا ولی بننا چاہتا ہے۔ اُس نے کہا ضرور چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ دُنیا اور آخرت کی کسی چیز میں بھی رغبت نہ کر اور اپنے آپ کو صرف حق تعالیٰ شانُہٗ کے لئے خاص کرلے اور تُو ہمہ تن اس کی طرف مُتَوَجِّہ ہوجا تاکہ وہ بھی

ہمہ تن تیری طرف مُتوَجِّہ ہو جائے اور تجھے اپنا ولی بنالے (روض) حُضُورِ اَقْدَس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صحیح احادیث میں حق تعالیٰ شانُہٗ کا یہ اِرشاد وارِد ہوا ہے کہ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے مَیں اُس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں اور جو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے مَیں اُس کی طرف ایک باع (یعنی دو ہاتھ) قریب ہوتا ہوں۔

(۵۰) حضرت جُنَید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص نے پانسو دِرَم پیش کئے اور عرض کیا کہ یہ اپنے خُدّام پر تقسیم فرمادیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس ان کے علاوہ اور بھی کچھ ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس بہت سے دینار (اشرفیاں) ہیں۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ اُن میں اور اضافہ ہو جائے یا نہیں چاہتے۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ خواہش تو ضرور ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تو تم ہم سے زیادہ مُحتاج ہو (اس لئے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے ہم اُس پر اِضافہ نہیں چاہتے) اس لئے یہ تم اپنے ہی پاس رکھو۔ یہ کہہ کر وہ دَراہِم واپس کر دیئے، قبول نہ فرمائے (روض)۔

(۵۱) حضرت اَبُوالدَّرداءؓ ایک مرتبہ (شاگردوں کے مجمع میں) تشریف رکھتے تھے۔ ان کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں کہ تم تو اُنھے بیٹھے ہو اور گھر میں آٹے کی ایک چٹکی بھی نہیں ہے۔ وہ فرمانے لگے اری اللہ کی بندی ہمارے سامنے ایک نہایت سخت گھاٹی بڑی دشوار گزار آرہی ہے۔ اُس سے صرف وہی لوگ نجات پاسکیں گے جو بہت ہلکے پھلکے ہوں گے۔ بیوی یہ بات سُن کر راضی خوشی واپس چلی گئیں۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دنیادار بھی کھاتے ہیں اور ہم بھی کھاتے ہیں۔ وہ بھی کپڑا پہنتے ہیں اور ہم بھی پہنتے ہیں۔ اور ان کے پاس جو ضرورت سے زائد مال ہے وہ اُس کو کام میں تو لاتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں کہ ہاں یہ مال ہے۔ مال کو دیکھ ہم بھی لیتے ہیں (جو دوسروں کے پاس ہوتا ہے لہٰذا دیکھنے میں تو ہم اور وہ برابر ہیں۔ کام میں وہ بھی نہیں لاتے ہم بھی نہیں لاتے) لیکن ان کو اپنے مال کا حساب دینا پڑے گا، اور ہم

حساب سے بڑی ہیں کہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ اِنصاف کا برتاؤ نہیں کرتے، ہم سے محبت تو اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور دنیا میں ہم سے الگ الگ رہتے ہیں۔ عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ وہ تو اس کی تمنّا کریں گے کہ کاش وہ ہم جیسے ہوتے، اور ہم اس کی تمنّا نہیں کریں گے، کہ ہم ان جیسے ہوتے (روض)۔

(۵۲) ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میرے لئے دُعا کر دیجئے، مجھے اہل وعیال کی کثرت (اور آمدنی کی قِلّت) نے بہت مجبور کر رکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب تیرے گھر والے تجھ سے یہ کہیں کہ ہمارے پاس نہ آٹا ہے، نہ روٹی ہے، اُس وقت کی تیری دُعا حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں میرے اس وقت کی دُعا سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ (روض)۔ حضرت شیخ نے بالکل صحیح فرمایا۔ لوگوں کو آفات سے مانگنے کی قدر نہیں ہے، نہ اس کی وُقعت قُلوب میں ہے۔ اُس کریم کے یہاں تڑپ کے مانگنے کی بڑی قدر ہے، اور مُضطر کی دُعا خصوصیّت سے قبول ہوتی ہے حق تعالیٰ شانُہٗ کا اِرشاد ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ الاٰية (نمل ع ۵) "کیا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سُنتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اُس کی مصیبت کو دُور کرتا ہے" (بھی ایسی ذات ہے جس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے) ایک حدیث میں ہے، ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپ کس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اُس اللہ وَحْدَہٗ کی طرف کہ اگر تجھے کوئی مَضرّت پہنچے پھر تُو اُس کو پکارے تو وہ تیری مصیبت کو زائل کر دے، اور وہ اللہ وَحْدَہٗ کہ اگر تُو کہیں راستہ میں سواری کو گم کر دے پھر اُس کو پکارے تو وہ تیری سواری کو تجھ پر لوٹا دے، اور اگر تجھے قحط سے سابقہ پڑے پھر تُو اُس کو پکارے تو تیرے لئے روئیدگی اُگا دے۔ حُکَیْمؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لڑکی آئی اور اُس نے اپنے سردار سے کہا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں، آپ کے گھوڑے کو نظر نے کھا لیا۔ وہ گھوڑا حیران سرگرداں گھومتا پھر رہا ہے۔ کسی جھاڑ پھونک کرنے والے کو ڈھونڈ کر

لائیے۔ حضرت عبداللہ ؓ نے فرمایا کسی جھاڑنے والے کی ضرورت نہیں۔ اُس کے ناک کے داہنے سوراخ میں چار مرتبہ، بائیں میں تین مرتبہ یہ دُعا پڑھ کر پھونک مارو۔ لَا بَاْسَ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا یَكْشِفُ الضُّرَّ اِلَّا اَنْتَ (کوئی خوف کی بات نہیں ہے اے آدمیوں کے ربّ تو اس کی تکلیف کو زائل کر دے اور اس کو شفا عطا کر دے۔ تُو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی شخص نقصان کو ہٹانے والا نہیں ہے)۔ وہ شخص گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آگیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے کہنے کے مُوافق کیا۔ وہ بالکل اچھا ہوگیا۔ وہ کھانے بھی لگا اور پیشاب پاخانہ بھی کیا (درمنثور)۔ یہ بات خوب اچھی طرح دل میں جما لینا چاہیئے اور جتنی زیادہ دل میں یہ بات پختہ ہوجائے گی اتنی ہی دین اور دنیا میں کام آنے والی بات ہے کہ نفع اور نقصان صرف اسی پاک ذات وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ کے قبضہ میں ہے، اُسی سے اپنی حاجات طلب کرنا چاہیئے۔ اُسی کی طرف ہر مصیبت میں مُتوجّہ ہونا چاہیئے۔ ساری دنیا کے قُلوب اُسی کے تابع ہیں۔

(۵۳) حضرت ابراہیم بن اَدْہَمؒ کی خدمت میں ایک شخص نے دس ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ دس ہزار درہم کی وجہ سے میرا نام فقراء کے دفتر سے کٹ جائے۔ خدا کی قسم، میں اس کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ ان کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ دنیا دار دنیا میں راحت تلاش کرتے ہیں اس وجہ سے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں (بھلا دنیا میں راحت کہاں) اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ بادشاہت ہمارے پاس ہے تو یہ لوگ تلواروں سے ہم سے لڑنے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کون لوگ ہیں فرمایا۔ علماء۔ اُس نے پوچھا کہ بادشاہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا۔ زاہد لوگ (دنیا سے بے رغبتی کرنے والے)۔ اُس نے پوچھا۔ بے وقوف احمق کون لوگ ہیں۔ فرمایا۔ جو دین کے ذریعہ سے دنیا کماتے ہوں۔ حضرت ذُوالنُّون مصریؒ فرماتے ہیں کہ زاہد لوگ آخرت کے بادشاہ ہیں اور وہ فقراء عارفین ہیں۔ حضرت شیخ اَبُو مَدْیَنؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہت

دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک شہروں کی دوسری دلوں کی۔ حقیقی بادشاہ زاہد ہی ہوتے ہیں (جو دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں)۔ ایک جماعت کا مذہب جن میں حضرت امام شافعیؒ بھی ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر کے مرجائے کہ میرے مال سے اتنا مال ایسے لوگوں کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ سمجھ دار ہوں تو وہ مال وصیت کا زاہدوں کو دیا جائے گا (اس لئے کہ حقیقی سمجھدار وہی ہیں)۔ (روض)۔

(۵۴) امام کبیر عارف شہیر شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ نے ایک مرتبہ ان علماء کا جو دنیا کی طرف مائل رہتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس بھی تو بہت مال تھا۔ یہ بے وقوف صحابۂ کرامؓ کا ذکر اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ان کو مال جمع کرنے میں معذور سمجھنے لگیں۔ شیطان ان کے ساتھ مکر کرتا ہے اور ان کو ذرا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اے احمق تیرا ناس ہو جائے۔ تیرا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال سے استدلال کرنا یہ شیطان کا مکر ہے۔ وہ یہ الفاظ تیری زبان سے نکلواتا ہے تاکہ تو ہلاک اور برباد ہو جائے۔ جب تو نے یہ کہا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی مال شرافت اور زینت کے لئے جمع کیا تو تو نے ان سرداروں کی غیبت کی اور تو نے اُن کی طرف بڑی سخت چیز منسوب کر دی۔ اور جب تو نے یہ سمجھا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا اُس کے ترک سے افضل ہے تو تو نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تو نے سارے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی اور تو نے نعوذ باللہ ان کو انجان بتایا جب کہ انہوں نے تیری طرح سے مال جمع نہ کیا۔ اور جب تو نے یہ خیال کیا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا اُس کے ترک سے افضل ہے تو تو نے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے ساتھ خیر خواہی نہیں فرمائی جب کہ اُنہوں نے مال جمع کرنے کو منع فرمایا۔ آسمان کے رب کی قسم تو نے اپنے اس دعویٰ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے حال پر نہایت شفیق تھے، ان کے خیر خواہ تھے، ان پر بڑے مہربان

تھے، ان پر بہت رحم کرنے والے تھے۔ ارے احمق حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فضل و کمال کے باوجود، اپنے تقویٰ کے باوجود، اپنے احسانات کے باوجود، اللہ تعالیٰ شانہٗ کے راستہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرنے کے باوجود، اور حضورؐ کے صحابی ہونے کے باوجود اور ان حضرات میں ہونے کے باوجود جن کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی (اور عشرۂ مبشرہ کے نام سے مشہور ہیں، ان سب کمالات کے باوجود) صرف اپنے مال کی وجہ سے قیامت کے میدان میں رُکے رہے اور فقراء مہاجرین کے ساتھ جنت میں تشریف نہ لے جاسکے۔ پھر تیرا ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جو دنیا کے دھندوں میں پھنسے رہیں اور تعجب اور سخت تعجب اس فتنہ میں پڑے ہوتے سے ہے جو حرام اور مشتبہ مال کی گڑبڑ میں آلودہ ہو اور لوگوں کے میل (صدقات کا مال) کھاتا ہو، شہوتوں اور زینت اور تفاخر میں وقت گزارتا ہو پھر وہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے حال سے استدلال کرے۔ اس کے بعد علامہ محاسبیؒ نے صحابۂ کرامؓ کے بہترین حالات ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حضرات مسکنت کو پسند کرنے والے تھے، فقر کے خوف سے بے فکر تھے۔ اپنی روزی میں اللہ جل شانہٗ پر پورا اعتماد کرنے والے تھے اور تقدیر پر راضی رہنے والے تھے، مصائب پر خوش ہونے والے تھے، ثروت میں شکر گزار، عُسرت میں صبر کرنے والے تھے، اچھے حالات میں اللہ جل شانہٗ کی حمد کرنے والے تھے، تواضع کرنے والے تھے، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والے تھے۔ جب اُن کے پاس فقر آجاتا تو اُس کو مرحبا (بہت اچھا کیا آیا) کہنے والے تھے۔ اس کو صُلحاء کا شعار کہتے تھے۔ تو خدا کی قسم کھا کر بتا، کیا تیرا بھی یہی حال ہے۔ تو اُن کی مشابہت سے بہت دُور ہے۔ تیرا حال ان کے حال کی بالکل ضد ہے۔ تو غنا کے وقت سرکش ہو جاتا ہے، ثروت کے وقت اکڑنے لگتا ہے۔ تو مال کے وقت خوشی میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بھول جاتا ہے، تکلیف کے وقت اللہ کی مدد سے نا اُمید ہو جاتا ہے۔ مصیبت کے وقت ناک مُنہ چڑھانے لگتا ہے اور

تقدیر پر ذرا بھی راضی نہیں ہوتا، تُو فقیروں سے بُغض رکھتا ہے، مسکنت سے ناک چڑھاتا ہے۔ تُو مال اس لیے جمع کرتا ہے تاکہ دُنیا کا تنعُّم اختیار کرے، اس کی رونق سے دل بہلائے، اُس کی لذّتوں، شہوتوں میں مزے اُڑائے۔ وہ حضرات دُنیا کی حلال چیزوں سے اتنا الگ رہتے تھے جتنا تُو حرام چیزوں سے بھی علیحدہ نہیں رہتا۔ وہ معمولی لغزش کو اتنا سخت سمجھتے تھے جتنا تو حرام اور کبیرہ گناہ کو بھی سخت نہیں سمجھتا کاش تیرا عمدہ سے عمدہ اور حلال سے حلال مال بھی ان کے مُشتبہ مال کے برابر ہوتا اور کاش تُو اپنے گناہوں سے ایسا ڈرتا جیسا وہ اپنی نیکیوں کے قبول نہ ہونے سے ڈرتے تھے۔ کاش تیرا روزہ ان کے اِفطار کی برابر ہو جاتا (کہ ان کا افطار کرنا بھی اللہ کے واسطے تھا جس پر ثواب تھا)۔ اور کاش تیرا رات کو جاگنا بھی ان کے سونے کے برابر ہو جاتا، اور کاش تیری عمر بھر کی نیکیاں ان کی کسی ایک نیکی کے برابر ہو جائیں۔ ارے کم بخت تیرے لیے یہی مناسب تھا کہ تُو دُنیا سے صرف اتنا حاصل کرتا جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے۔ کاش تُو دنیاداروں کے حال سے عبرت پکڑتا کہ وہ میدانِ حشر میں حساب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔ اور تُو پہلے ہی زُمرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنّت میں چلا جاتا کہ نہ تو میدانِ حشر میں روکا جاتا نہ تجھ پر لمبا چوڑا حساب ہوتا اس لیے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری اُمّت کے فقراء ان کے مال داروں سے پانسو برس پہلے جنّت میں جائیں گے (روض)۔

(۵۵) حضرت عبدُالواحِد بن زیدؒ (جو مشائخ چشتیہ کے سلسلہ میں مشہور بُزرگ ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ کشتی میں سوار جا رہے تھے۔ ہوا کی گردش لے ہماری کشتی کو ایک جزیرہ میں پہنچا دیا۔ ہم نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا، کہ ایک بُت کو پُوج رہا ہے۔ ہم نے اُس سے پوچھا کہ تُو کس کی پرستش کرتا ہے۔ اُس نے اُس بُت کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے کہا۔ تیرا معبُود خود تیرا بنایا ہُوا ہے، اور ہمارا معبود ایسی چیزیں بنا دیتا ہے، جو اپنے ہاتھ سے بنایا ہُوا ہو وہ پوجنے کے لائق نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔ ہم نے کہا اُس پاک ذات کی جس کا عرش آسمان

ئے اُوپر ہے، اُس کی گرفت زمین پر ہے۔اُس کی عظمت اور بڑائی سب سے بالاتر ہے۔ کہنے لگا۔تمہیں اُس پاک ذات کا علم کس طرح ہوا۔ہم نے کہا کہ اُس نے ایک رسُولؐ (قاصد) ہمارے پاس بھیجا جو بہت کریم اور شریف تھا۔اُس رسُولؐ نے ہمیں یہ سب باتیں بتائیں۔اُس نے کہا۔وہ رسول کہاں ہیں۔ہم نے کہا کہ اُس نے جب پیام پہنچا دیا اور اپنا حق پورا کر دیا تو اُس مالک نے اُس کو اپنے پاس بُلالیا تاکہ اُس کے پیام پہنچانے اور اچھی طرح پورا کر دینے کا صلہ و اِنعام عطا فرمائے۔ اُس نے کہا کہ اُس رسول نے تمہارے پاس کوئی علامت چھوڑی ہے۔ہم نے کہا، اُس مالک کی پاک کلام ہمارے پاس چھوڑی ہے۔اُس نے کہا۔مجھے وہ کتاب دکھاؤ ہم نے قرآن پاک لاکر اُس کے سامنے رکھا۔اُس نے کہا۔مَیں تو پڑھا ہُوا نہیں ہوں تم اس میں سے مجھے کچھ سُناؤ۔ہم نے ایک سورت سُنائی، وہ سُنتے ہوئے روتا رہا یہاں تک کہ وہ سورت پوری ہوگئی۔اُس نے کہا کہ اس پاک کلام والے کا حق یہی ہے کہ اُس کی نافرمانی نہ کی جائے۔اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔ہم نے اس کو اسلام کے ارکان اور احکام بتائے اور چند سورتیں قرآن پاک کی سکھائیں۔جب رات ہوئی عشا کی نماز پڑھ کر ہم سونے لگے تو اُس نے پوچھا کہ تمہارا معبود بھی رات کو سوتا ہے۔ہم نے کہا۔وہ پاک ذات حَیٌّ قَیُّوْمٌ ہے وہ نہ سوتا ہے نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے۔ (آیت الکرسی)۔ وہ کہنے لگا۔تم کس قدر نالائق بندے ہو کہ آقا تو جاگتا رہے اور تم سو جاؤ۔ہمیں اُس کی بات سے بڑی حیرت ہوئی۔جب ہم اُس جزیرہ سے واپس ہونے لگے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے چلو تاکہ مَیں دین کی باتیں سیکھوں ہم نے اُس کو اپنے ساتھ لے لیا۔جب ہم شہر عبادان میں پہنچے، تو مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ شخص نو مسلم ہے اس کے لئے کچھ معاش کا فکر بھی چاہیئے۔ہم نے کچھ درہم چندہ کیا، اور اس کو دینے لگے۔اُس نے پوچھا یہ کیا ہے۔ہم نے کہا کچھ درہم ہیں ان کو تم اپنے خرچ میں لے آنا۔کہنے لگا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تم لوگوں نے مجھے ایسا راستہ دکھایا جس پر خود بھی نہیں چلتے۔مَیں ایک جزیرہ میں تھا۔ایک بُت کی پرستش کرتا

تھا۔ خدائے پاک کی پرستش بھی نہ کرتا تھا۔ اُس نے اس حالت میں بھی مجھے ضائع اور ہلاک نہیں کیا حالانکہ میں اُس کو جانتا بھی نہ تھا۔ پس وہ اس وقت مجھے کیونکر ضائع کر دے گا جب کہ میں اُس کو پہچانتا بھی ہوں (اُس کی عبادت بھی کرتا ہوں) تین دن کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ اُس کا آخری وقت ہے موت کے قریب ہے ہم اُس کے پاس گئے۔ اُس سے پوچھا کہ تیری کوئی حاجت ہو تو بتا۔ کہنے لگا میری تمام حاجتیں اُس پاک ذات نے پوری کر دیں، جس نے تم لوگوں کو جزیرہ میں (میری ہدایت کیلئے بھیجا تھا۔ شیخ عَبْدُالوَاحِد فرماتے ہیں کہ مجھ پر دَفعۃً نیند کا غلبہ ہوا۔ میں وہیں سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا۔ ایک نہایت سرسبز شاداب باغ ہے۔ اُس میں ایک نہایت نفیس قُبّہ بنا ہوا ہے۔ اُس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے۔ اُس تخت پر ایک نہایت حسین لڑکی کہ اُس جیسی خوبصورت عورت کبھی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ یہ کہہ رہی ہے خدا کے واسطے اُس کو جلدی بھیج دو، اُس کے اِشتیاق میں میری بیقراری حد سے بڑھ گئی۔ میری جو آنکھ کُھلی تو اُس نومسلم کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔ ہم نے اُس کی تجہیز تکفین کی اور دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے وہی باغ اور قُبّہ اور تخت پر وہ لڑکی اُس کے پاس دیکھی اور وہ یہ آیت شریفہ پڑھ رہا تھا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ الاٰية (رعد۔ ع ۳) جس کا ترجمہ یہ ہے۔" اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے آتے ہوں گے اور ان کو سلام کرتے ہوں گے (جو ہر قسم کی آفت سے سلامتی کا مُژدہ ہے اور یہ) اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا تھا (اور دین پر مضبوط جمے رہے) پس اس جہاں میں تمہارا انجام بہت بہتر ہے (روض) حق تعالیٰ شانہٗ کی عطا اور بخشش کے کرشمے ہیں کہ ساری عمر بت پرستی کی اور اُس نے اپنے لطف و کرم سے موت کے قریب ان لوگوں کو زبردستی کشتی کے بے قابو ہو جانے سے وہاں بھیجا اور اس کو آخرت کی دولت سے مالا مال کر دیا اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ " ۔ اے اللہ جس کو تو دینا چاہے اُسکو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو تو نہ چاہے اُس کو کوئی دینے والا نہیں ہے۔

(۵۶) حضرت مالک بن دینارؒ ایک مرتبہ بصرہ کی گلیوں میں جارہے تھے۔ راستہ میں ایک باندی ایسے جاہ وجلال خشم خدم کے ساتھ جارہی تھی جیسا کہ بادشاہوں کی باندیاں ہوتی ہیں۔ حضرت مالکؒ نے اس کو دیکھا تو آواز دے کر فرمایا کہ اے باندی تجھے تیرا مالک فروخت کرتا ہے یا نہیں۔ وہ باندی اس فقرہ کو سن کر (حیران رہ گئی) کہنے لگی کیا کہا پھر کہو۔ انہوں نے پھر ارشاد فرمایا۔ اس نے کہا اگر وہ فروخت بھی کرے تو کیا تجھ جیسا فقیر خرید سکتا ہے۔ فرمانے لگے ہاں اور تجھ سے بہتر کو خرید سکتا ہے۔ وہ باندی یہ سن کر ہنس پڑی اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ اس فقیر کو پکڑ کر ہمارے ساتھ لے چلو (ذرا مذاق ہی رہے گا)۔ خدام نے پکڑ کر ساتھ لے لیا۔ وہ جب گھر واپس پہنچی تو اس نے اپنے آقا سے یہ قصہ سنایا وہ بھی سن کر بہت ہنسا اور ان کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا۔ جب یہ سامنے پیش کیے گئے تو اس آقا کے دل پر ایک ہیبت سی ان کی چھا گئی۔ وہ کہنے لگا آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تو اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کردے۔ اس نے پوچھا کہ آپ اس کی قیمت دے سکتے ہیں۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی قیمت کھجور کی دو بھیگی ہوئی گٹھلیاں ہیں۔ یہ سن کر سب ہنسنے لگے۔ اس نے پوچھا کہ تم نے یہ قیمت کس مناسبت سے تجویز کی۔ انہوں نے فرمایا، کہ اس میں عیب بہت ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اس میں کیا کیا عیب ہیں۔ فرمانے لگے اگر عطر نہ لگائے تو بدن میں سے بو آنے لگے۔ اگر دانت صاف نہ کرے تو منہ میں سے سڑاہند آنے لگے۔ اگر بالوں میں تیل کنگھی نہ کرے تو وہ پریشان حال ہو جائیں، جوئیں ان میں پڑ جائیں (اور سر میں سے بو آنے لگے)۔ ذرا عمر زیادہ ہو جائے گی تو بوڑھی بن جائے گی (منہ لگانے کے بھی قابل نہ رہے گی) حیض اس کو آتا ہے، پیشاب پاخانہ یہ کرتی ہے۔ ہر قسم کی گندگیاں (تھوک، رینٹ، رال، ناک کے چوہے وغیرہ) اس میں سے نکلتے رہتے ہیں۔ غم رنج مصیبتیں اس کو پیش آتی رہتی ہیں۔ خود غرض اتنی ہے کہ محض اپنی غرض سے تجھ سے محبت ظاہر کرتی ہے۔

محض اپنی راحت و آرام کی وجہ سے تجھ سے اُلفت جتاتی ہے (آج کوئی تکلیف تجھ سے پہنچ جائے ساری محبّت ختم ہو جائے) - انتہائی بے وفا، کوئی قول قرار پورا نہ کرے اس کی ساری محبّت جھوٹی ہے۔ کل کو تیرے بعد کسی دوسرے کے پہلو میں بیٹھے گی تو اُس سے بھی ایسی ہی محبّت کے دعوے کرنے لگے گی۔ میرے پاس اس سے ہزار درجہ بہتر باندی ہے جو اس سے نہایت کم قیمت ہے۔ وہ کافور کے جوہر سے بنی ہوئی ہے مُشک اور زعفران کی ملاوٹ سے پیدا کی گئی ہے۔ اُس پر موتی اور نُور لپیٹا گیا ہے اگر کھارے پانی میں اس کا آب دہن ڈال دیا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے۔ اور مُردہ سے اگر وہ بات کرے تو وہ زندہ ہو جائے۔ اگر اُس کی کلائی آفتاب کے سامنے کر دی جائے تو آفتاب بے نُور ہو جائے گہن ہو جائے۔ اگر وہ اندھیرے میں آ جائے تو سارا گھر روشن ہو جائے چمک جائے۔ اگر وہ دنیا میں اپنی زیب و زینت کے ساتھ آ جائے تو سارا جہان مُعطّر ہو جائے چمک جائے۔ اُس باندی نے مُشک و زعفران کے باغوں میں پرورش پائی ہے، یاقوت اور مرجان کی ٹہنیوں میں کھیلی ہے۔ ہر طرح کی نعمتوں کے خیموں میں اُس کا محل سرائے ہے۔ تسنیم (جو جنّت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے) کا پانی پیتی ہے۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتی۔ اپنی محبّت کو نہیں بدلتی (ہرجائی نہیں ہے)۔ اب تم ہی بتاؤ کہ قیمت خرچ کرنے کے اعتبار سے کونسی باندی زیادہ موزوں ہے سب نے کہا کہ وہی باندی جس کی آپ نے خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اُس باندی کی قیمت ہر وقت، ہر زمانہ میں، ہر شخص کے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اتنی بڑی اہم اور عالی شان چیز کے خریدنے کے لیے بہت معمولی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ رات کا تھوڑا سا وقت فارغ کر کے صرف اللہ جلّ شانہٗ کے لیے کم از کم دو رکعت تہجّد کی پڑھ لی جائیں اور جب تم کھانا کھانے بیٹھو تو کسی غریب محتاج کو بھی یاد کر لو۔ اور اللہ جلّ شانہٗ کی رضا کو اپنی خواہشات پر غالب کر دو۔ راستہ میں کوئی تکلیف دینے والی چیز کانٹا اینٹ وغیرہ پڑی دیکھو اُس کو ہٹا دو۔ دنیا کی زندگی کو معمولی اخراجات کے ساتھ پورا کر دو۔ اور اپنا فکر وغم

اس دھوکہ کے گھر سے ہٹا کر ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف لگا دو۔ ان چیزوں پر اہتمام کرنے سے تم دنیا میں عزت کی زندگی گزارو گے، آخرت میں بے فکر اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پہنچو گے، اور جنت جو نعمتوں کا گھر ہے اُس میں اللہ جل شانہٗ رَبُّ الْعِزَّت کے پڑوس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ اس باندی کے آقا نے باندی سے خطاب کرکے پوچھا کہ تو نے شیخ کی باتیں سُن لیں یہ سچ ہیں یا نہیں۔ باندی نے کہا۔ بالکل سچ ہیں۔ شیخ نے بڑی نصیحت اور خیر خواہی اور بھلائی کی بات بتائی ہے۔ آقا نے کہا کہ اچھا تو تو اب آزاد ہے اور اتنا اتنا سامان تیری نذر ہے۔ اور اپنے سب غلاموں سے کہا کہ تم بھی سب آزاد ہو اور میرے مال میں سے اتنا اتنا مال تمہاری نذر ہے۔ اور میرا یہ گھر اور جو کچھ مال اسمیں ہے سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ اور گھر کے دروازہ پر ایک موٹے سے کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا، اُس کو اُتار کر اپنے بدن پر لپیٹ لیا، اور اپنا سارا لباسِ فاخرہ اُتار کر صدقہ کر دیا۔ اُس باندی نے کہا کہ میرے آقا تمہارے بعد میرے لئے بھی یہ زندگی اب خوش گوار نہیں ہے، اور اُس نے بھی ایک موٹا سا کپڑا پہن کر اپنا سارا زیب و زینت کا لباس اور اپنا سارا مال و متاع صدقہ کرکے، آقا کے ساتھ ہی ہولی۔ اور مالک بن دینارؒ ان کو دعائیں دیتے ہوئے اُن سے رخصت ہوگئے اور وہ دونوں اس سارے عیش و عشرت کو طلاق دے کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوگئے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔ غَفَرَ اللہُ لَنَا وَلَهُمْ۔ (روض)۔

(۸۷) جعفر بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینارؒ کے ساتھ ایک دفعہ بصرہ میں چل رہا تھا۔ ایک عالیشان محل پر گزر ہوا۔ جس کی تعمیر جاری تھی اور ایک نوجوان بیٹھا ہوا معماروں کو ہدایات دے رہا تھا کہ یہاں یہ بنے گا، وہاں اس طرح بنے گا۔ مالک بن دینارؒ اُس نوجوان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ شخص کیسا حسین نوجوان ہے اور کس چیز میں پھنس رہا ہے۔ اس کو اس تعمیر میں کیسا انہماک ہے میری طبیعت پر یہ تقاضا ہے کہ میں اللہ جل شانہٗ سے اس نوجوان کے لئے دعا کروں کہ وہ اس کو اس جھگڑے سے چھڑا کر اپنا مخلص بندہ بنالے۔ کیسا اچھا ہو اگر یہ جنت کے

نوجوانوں میں بن جائے۔ جعفر چل اس نوجوان کے پاس چلیں۔ جعفر کہتے ہیں کہ ہم دونوں اُس نوجوان کے پاس گئے۔ اُس کو سلام کیا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا (وہ مالکؒ سے واقف تھا) مگر مالکؒ کو پہچانا نہیں۔ تھوڑی دیر میں پہچانا تو کھڑا ہوگیا۔ اور کہنے لگا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ مالکؒ نے فرمایا۔ تم نے اپنے اس مکان میں کستقدر روپیہ لگانے کا ارادہ کیا ہے۔ اُس نے کہا۔ ایک لاکھ درہم۔ مالکؒ نے فرمایا کہ اگر تم یہ ایک لاکھ درہم مجھے دے دو تو میں تمہارے لئے جنّت میں ایک مکان کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو اس سے بدرجہا بہتر ہوگا اور اُس میں حَشَم خدم بہت سے ہوں گے۔ اُس میں خیمے اور قُبّے سرخ یاقوت کے ہوں گے جن پر موتی جڑے ہوئے ہوں گے۔ اُس کی مٹی زعفران کی ہوگی۔ اُس کا گارا مُشک سے بنا ہوگا جس کی خوشبو میں مہکتی ہوں گی۔ وہ کبھی نہ پُرانا ہوگا نہ ٹوٹے گا۔ اس کو مِعمار نہیں بنائیں گے بلکہ حق تعالیٰ شانُہٗ کے اَمرِ کُن سے تیار ہو جائے گا۔ اُس نوجوان نے کہا۔ مجھے سوچنے کے لئے آج رات کی مُہلت دیجئے۔ کل صبح آپ تشریف لادیں تو میں اس کے مُتعلّق اپنی رائے عرض کروں گا حضرت مالکؒ واپس چلے آئے اور رات بھر اُس نوجوان کے فکر اور سوچ میں رہے آخرِ شب میں اس کے لئے بہت عاجزی سے دُعا کی۔ جب صبح ہوئی تو ہم دونوں اُس کے مکان پر گئے۔ وہ نوجوان دروازہ سے باہر ہی اِنتظار میں بیٹھا تھا اور جب حضرت مالکؒ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا۔ تمہاری کل کی بات میں کیا رائے رہی۔ اُس نوجوان نے کہا کہ آپ اس چیز کو پورا کریں گے جس کا کل آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا ضرور۔ اُس نے دَراہم کے توڑے سامنے لاکر رکھ دیئے اور دوات قلم لاکر رکھ دیا۔ حضرت مالکؒ نے ایک پرچہ لکھا جس میں بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ کے بعد لکھا کہ یہ اقرار نامہ ہے کہ مالک بن دینارؒ نے فلاں شخص سے اس کا ذمہ لیا ہے کہ اُس کے اس محل کے بدلہ میں حق تعالیٰ شانُہٗ کے یہاں اُسکو ایسا ایسا محل جس کی صفت اُوپر بیان کی گئی (جو جو صفات اُس مکان کی اُوپر گزری ہیں وہ سب لکھنے کے بعد لکھا) ملے گا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر جو عمدہ سایہ میں

حق تعالیٰ شانہٗ کے قریب ہوگا۔ یہ پرچہ لکھ کر اُس کے حوالہ کر دیا اور ایک لاکھ درہم اُس سے لے کر چلے آئے۔ جعفرؒ کہتے ہیں کہ شام کو حضرت مالکؒ کے پاس اُس میں سے اتنا بھی باقی نہ تھا کہ ایک وقت کے کھانے ہی کا کام چل سکے۔ اس واقعہ کو چالیس دن بھی نہ گذرے تھے کہ ایک دن حضرت مالکؒ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کی محراب میں ایک پرچہ پڑا دیکھا۔ یہ وہی پرچہ تھا جو مالکؒ نے اس نوجوان کو لکھ کر دیا تھا اور اُس کی پُشت پر بغیر روشنائی کے لکھا ہوا تھا کہ یہ اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مالک بن دینارؒ کے ذمّہ کی براءت ہے جس مکان کا تم نے اُس جوان سے ذمّہ لیا تھا وہ ہم نے اُس کو پُورا پُورا دے دیا اور اُس سے ستّر گُنے زیادہ دے دیا۔ حضرت مالکؒ اُس پرچہ کو پڑھ کر مُتحیّر سے ہوئے۔ اس کے بعد ہم اُس نوجوان کے مکان پر گئے تو وہاں مکان پر سیاہی کا نشان تھا (جو سوگ کی علامت کے طور پر لگایا ہوگا) اور رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہم نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اُس نوجوان کا کل گذشتہ انتقال ہوگیا۔ ہم نے پوچھا کہ اُس کا غسلِ میّت کس نے دیا تھا۔ اُس کو بُلایا گیا۔ ہم نے اُس سے اُس کے نہلانے اور کفنانے کی کیفیّت پوچھی۔ اُس نے کہا کہ اُس نوجوان نے اپنے مرنے سے پہلے مجھے ایک پرچہ دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ جب تُو مجھے نہلا کر کفن پہنائے تو یہ پرچہ اُس میں رکھ دینا۔ میں نے اُس کو نہلایا، کفنایا اور وہ پرچہ اُس کے کفن کے اور بدن کے درمیان میں رکھ دیا۔

حضرت مالکؒ نے وہ پرچہ اپنے پاس سے نکال کر اُس کو دکھایا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ وہی پرچہ ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے اس کو موت دی، یہ پرچہ میں نے خود اُس کے کفن کے اندر رکھا تھا۔ یہ مَنظر دیکھ کر ایک دوسرا نوجوان اُٹھا اور کہنے لگا کہ مالکؒ! آپ مجھ سے دو لاکھ درہم لے لیجئے اور مجھے بھی پرچہ لکھ دیجئے۔ حضرت مالکؒ نے فرمایا کہ وہ بات دُور چلی گئی۔ اب نہیں ہوسکتا۔ اللہ جلّ شانہٗ جو چاہتا ہے وُہ کرتا ہے۔ اس کے بعد جب بھی مالکؒ اُس نوجوان کا ذکر فرماتے تو رونے لگتے، اور اُس کے لئے دُعا کرتے تھے۔ (روض)۔

بزرگوں کو اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے پیش آتے ہیں کہ جوش میں کوئی بات زبان سے نکل گئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اُسی طرح پورا فرماتے ہیں جس کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاک ارشاد میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا کہ بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے غبار آلودہ لوگ جن کو لوگ اپنے دروازہ سے ہٹا دیں اور ان کی پروا بھی نہ کریں۔ ایسے ہیں کہ اگر اللہ جَلَّ شَانُہٗ پر کسی بات کی قسم کھالیں تو وہ ان کی بات کو پورا کرے (مسلم شریف)۔

(۵۸) محمد بن سماکؒ فرماتے ہیں کہ بنو اُمیہ کے لوگوں میں موسیٰ بن محمد بن سلیمان الہاشمی بہت ہی ناز پروردہ رئیس تھا۔ دل کی خواہشات پوری کرنے میں ہر وقت منہمک رہتا۔ کھانے میں پینے میں، لباس میں، لہو و لعب میں خواہشات اور لذّات کی ہر نوع میں اعلیٰ درجہ پر تھا۔ لڑکے لڑکیوں میں ہر وقت منہمک رہتا نہ اُس کو کوئی غم تھا نہ فکر۔ خود بھی نہایت ہی حسین چاند کے ٹکڑے کی طرح سے تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ہر نوع کی دُنیوی نعمت اس پر پوری تھی۔ اُس کی آمدنی تین لاکھ تین ہزار دینار (اشرفیاں) سالانہ تھی، جو ساری کی ساری اسی لہو و لعب میں خرچ ہوتی تھی۔ ایک اُونچا بالاخانہ تھا جس میں کئی کھڑکیاں تو شارعِ عام کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن پر بیٹھ کر وہ راستہ چلنے والوں کے نظّارے کرتا۔ اور کئی کھڑکیاں دوسری جانب باغ کی طرف کھلی ہوئی تھیں جن میں بیٹھ کر وہ باغ کی ہوائیں کھاتا، خوشبوئیں سونگھتا۔ اُس بالاخانہ میں ایک ہاتھی دانت کا قبّہ تھا جو چاندی کی میخوں سے جڑا ہوا تھا اور سونے کا اُس پر جھول تھا۔ اس کے اندر ایک تخت تھا جس پر موتیوں کی چادر تھی اور اس ہاشمی کے سر پر موتیوں کا جڑاؤ عمامہ تھا۔ اس قبّہ میں اس کے یار احباب جمع رہتے۔ خدام ادب سے پیچھے کھڑے رہتے، سامنے ناچنے گانے والیاں قبّہ سے باہر مجتمع رہتیں۔ جب گانا سننے کو دل چاہتا۔ وہ ستار کی طرف ایک نظر اُٹھاتا اور سب حاضر ہو جاتیں اور جب بند کرنا چاہتا ہاتھ سے ستار کی طرف اشارہ کر دیتا، گانا بند ہو جاتا۔ رات کو ہمیشہ جب تک نیند نہ آتی یہی شغل رہتا اور جب شراب

کے نشہ سے) اُس کی عقل جاتی رہتی، یارانِ مجلس اُٹھ کر چلے جاتے، وہ جونسی لڑکی کو چاہتا
پکڑ لیتا اور رات بھر اُس کے ساتھ خلوت کرتا۔ صبح کو وہ شطرنج چوسر وغیرہ میں
مشغول ہو جاتا۔ اُس کے سامنے کوئی رنج و غم کی بات، کسی کی موت، کسی کی بیماری
کا تذکرہ بالکل نہ آتا۔ اُس کی مجلس میں ہر وقت ہنسی اور خوشی کی باتیں، ہنسانے
والے قصے اور اسی قسم کے تذکرے رہتے۔ ہر دن نئی نئی خوشبوئیں جو اس زمانہ میں
کہیں ملتیں وہ روزانہ اُس کی مجلس میں آتیں، عمدہ عمدہ خوشبوؤں کے گلدستے وغیرہ
حاضر کیے جاتے۔ اسی حالت میں اس کے ستائیس[۲] برس گذرے۔ ایک رات کو وہ
حسبِ معمول اپنے قبّہ میں تھا، دفعۃً اس کے کان میں ایک ایسی سُریلی آواز پڑی جو
اُس کے گانے والوں کی آواز سے بالکل جُدا تھی لیکن بڑی دلکش تھی۔ اُس کی آواز نے
کان میں پڑتے ہی اُس کو بے چین سا کر دیا۔ اپنے گانے والوں کو بند کر دیا اور قُبّہ کی
کھڑکی سے باہر سر نکال کر اُس آواز کو سُننے لگا۔ وہ آواز کبھی کان میں پڑ جاتی کبھی بند ہو
جاتی۔ اُس نے اپنے خدّام کو حکم دیا کہ یہ آواز جس شخص کی آ رہی ہے اُس کو پکڑ کے لاؤ
شراب کا دَور چل رہا تھا۔ خدّام جلدی سے اس آواز کی طرف دوڑے اور اُس آواز
کو تلاش کرتے کرتے ایک مسجد میں پہنچے، جہاں ایک جوان، نہایت ضعیف بدن،
زرد رنگ، گردن سوکھی ہوئی، ہونٹوں پر خشکی آئی ہوئی، بال پراگندہ، پیٹ کمر
سے لگا ہوا، دو[۲] ایسی چھوٹی چھوٹی لُنگیاں اس کے بدن پر کہ ان سے کم میں بدن
نہ ڈھک سکے، مسجد میں کھڑا ہوا اپنے رَبّ کے ساتھ مشغول، تلاوت کر رہا، یہ
لوگ اُس کو پکڑ کر لے گئے، نہ اُس سے کچھ کہا نہ بتایا۔ ایک دم اس کو مسجد سے نکال
کر وہاں بالا خانہ پر لے جا کر اُس کے سامنے پیش کر دیا کہ حضور یہ حاضر ہے۔ وہ
شراب کے نشہ میں کہنے لگا یہ کون شخص ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ وہی
شخص ہے جس کی آواز آپ نے سُنی تھی۔ اُس نے پوچھا کہ تم اس کو کہاں سے لائے
ہو۔ وہ کہنے لگے حضور مسجد میں تھا، کھڑا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اُس رئیس
نے اس فقیر سے پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ اُس نے اَعُوْذُ بِاللہِ پڑھ کر یہ آیتیں

بتائیں۔ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ۙ﴿۲۲﴾ عَلَی الۡاَرَآئِکِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾
تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ﴿۲۴﴾ یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ
مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ وَ فِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿۲۶﴾
وَ مِزَاجُہٗ مِنۡ تَسۡنِیۡمٍ ﴿۲۷﴾ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ (سورۂ تطفیف)
جن کا ترجمہ یہ ہے "بیشک نیک لوگ (جنّت کی) بڑی نعمتوں میں ہوں گے مسہریوں
پر بیٹھے ہوئے (جنّت کے عجائب) دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب تُو ان کے چہروں پر
نعمتوں کی شادابی سرسبزی محسوس کرے گا اور اُن کے پینے کے لئے خالص شراب
سربمُہر جس پر مُشک کی مہر ہوگی ملے گی (ایک دوسرے پر) حرص کرنے والوں کو
ایسی ہی چیزوں میں حرص کرنا چاہیئے (کہ یہ نعمتیں کس کو زیادہ ملتی ہیں اور ان کا ملنا
اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے ان اعمال میں حرص کرنا چاہیئے جن سے یہ نعمتیں
حاصل ہوں) اور اُس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی (شراب میں کوئی چیز
ملائی جاتی ہے تو اُس سے اُس کا جوش زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ تسنیم جنّت کا) ایک
ایسا چشمہ ہے جس سے مقرّب لوگ پانی پیتے ہیں (یعنی اُس چشمہ کا پانی مقرّب لوگوں
کو تو خالص ملے گا اور نیک لوگوں کی شراب میں اس میں سے تھوڑا سا ملا دیا جائے گا)
اس کے بعد اُس فقیر نے کہا۔ ارے دھوکہ میں پڑے ہوئے تیرے اِس محل کو، تیرے
اس بالاخانہ کو، تیرے اِن فرشوں کو اُن سے کیا مناسبت۔ وہ بڑی اونچی مسہریاں
ہیں جن پر فرش بچھے ہوئے ہیں ایسے فرش جو بہت بلند ہیں (الواقعہ ع ۱) ان کے
استر دبیز ریشم کے ہوں گے (الرحمٰن ع ۳)۔ وہ لوگ سبز مشجّر اور عجیب وغریب
خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں (الرحمٰن ع ۳)۔ اللہ کا ولی ان مسہریوں
پر سے ایسے دو چشموں کو دیکھ لے گا جو دو باغوں میں جاری ہوں گے (الرحمٰن ع ۲)
ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی (کہ ایک ہی قسم کے
میوے کے دو مزے ہوں گے) (الرحمٰن۔ ع ۳)۔ وہ میوے نہ تو ختم ہوں گے نہ اُن کی
کچھ روک ٹوک ہوگی (جیسا دنیا میں باغ والے توڑنے سے روکتے ہیں) (واقعہ ع ۱)

وہ لوگ پسندیدہ زندگی میں بہت بلند مقام پر جنّت میں ہوں گے (الحاقہ۔ع ۱)۔ ایسی عالی مقام جنّت میں ہوں گے جہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اسمیں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے اور اُس میں اُونچے اُونچے تخت بچھے ہوئے ہوں گے اور آبخورے رکھے ہوئے ہوں گے اور برابر گدّے لگے ہوئے ہوں گے اور سب طرف قالین ہی قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے (کہ جہاں چاہیں بیٹھیں ساری ہی جگہ صدر نشین ہے)۔ (غاشیہ)۔ وہ لوگ سایوں اور چشموں میں رہتے ہوں گے (والمرسلات ع ۲)۔ اُس جنّت کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (کبھی ختم نہ ہوں گے) اُس کا سایہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ یہ تو انجام ہے مُتّقی لوگوں کا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے (رعد ع ۵) وُہ کیسی سخت آگ ہوگی (اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے) بے شک مجرم لوگ جہنّم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے وہ عذاب کسی وقت بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ لوگ اُس میں مایوس پڑے رہیں گے (زخرف۔ع ۷)۔ بیشک مجرم لوگ بڑی گمراہی اور (حماقت کے) جنون میں پڑے ہوئے ہیں (اُن کو اپنی حماقت اُس دن معلوم ہوگی) جس دن منہ کے بل گھسیٹ کر جہنّم میں پھینک دیئے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) دوزخ کی آگ لگنے کا (اس میں جلنے کا) مزہ چکھو (قمر۔ع ۳)۔ وُہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے (واقعہ ع ۱)۔ مجرم آدمی اس بات کی تمنّا کرے گا کہ اُس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، بیوی کو، بھائی کو اور سارے کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام روئے زمین کے آدمیوں کو اپنے فدیہ میں دے دے پھر کسی طرح عذاب سے بچ جائے۔ لیکن یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ وہ آگ ایسی شعلہ والی ہے کہ بدن کی کھال تک اُتار دیگی، اور وہ آگ ایسے شخص کو خود بلا دے گی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی، اور (اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے) بے رُخی کی ہوگی اور (ناحق) مال جمع کیا ہوگا اور اُس کو اُٹھا کر حفاظت سے رکھا ہوگا (معارج۔ع ۱)۔ یہ شخص نہایت سخت مشقّت میں ہوگا اور نہایت سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ شانُہٗ کے غصّہ

میں ہوگا اور یہ لوگ اُس عذاب سے کبھی نکلنے والے نہیں ہوں گے (اس کلام میں اس فقیر نے جنت اور دوزخ کی بہت سی آیات کی طرف اشارہ کر دیا جن کی سورت اور رکوع کا حوالہ لکھ دیا گیا۔ پوری آیات مترجم قرآن شریف سے دیکھی جاسکتی ہیں)۔

وہ ہاشمی رئیس فقیر کا کلام سن کر اپنی جگہ سے اٹھا اور فقیر سے معانقہ کیا اور خوب چلّا کر رویا، اور اپنے سب اہل مجلس کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ اور فقیر کو ساتھ لے کر صحن میں گیا اور ایک بوریئے پر بیٹھ گیا اور اپنی جوانی پر نوحہ کرتا رہا اپنی حالت پر روتا رہا اور فقیر اُس کو نصیحت کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اُس نے اپنے سب گناہوں سے اوّل فقیر کے سامنے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے اس کا عہد کیا کہ آئندہ کبھی کوئی گناہ نہ کرے گا۔ پھر دوبارہ دن میں سارے مجمع کے سامنے توبہ کی اور مسجد کا کونہ سنبھال کر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں مشغول ہوگیا اور اپنا وہ سارا ساز و سامان، مال و متاع سب فروخت کرکے صدقہ کر دیا اور تمام نوکروں کو موقوف کر دیا۔ اور جتنی چیزیں ظلم و ستم سے لی تھیں سب اہلِ حقوق کو واپس کیں۔ غلام اور باندیوں میں سے بہت سے آزاد کیے اور بہت سے فروخت کرکے ان کی قیمت صدقہ کر دی، اور موٹا لباس اور جَو کی روٹی اختیار کی۔ تمام رات نماز پڑھتا، دن کو روزہ رکھتا۔ حتّٰی کہ بزرگ اور نیک لوگ اُس کے پاس اُس کی زیارت کو آنے لگے اور اتنا مجاہدہ اُس نے شروع کر دیا کہ لوگ اُس کو اپنے حال پر رحم کھانے کی اور مشقّت میں کمی کرنے کی فرمائش کرتے۔ اور اُس کو سمجھاتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نہایت کریم ہیں وہ تھوڑی محنت پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ مگر وہ کہتا کہ دوستو میرا حال مجھی کو معلوم ہے میں نے اپنے مولیٰ کی رات دن نافرمانیاں کی ہیں۔ بڑے سخت سخت گناہ کیے ہیں یہ کہہ کر وہ رونے لگتا اور خوب روتا۔ اسی حالت میں ننگے پاؤں پیدل حج کو گیا۔ ایک موٹا کپڑا بدن پر تھا۔ ایک پیالہ اور ایک تھیلا صرف ساتھ تھا۔ اسی حالت میں مکّہ مکرّمہ پہنچا اور حج کے بعد وہیں قیام کر لیا۔ وہیں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ

رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً۔ مکّہ کے قیام میں رات کو حطیم میں جاکر خوب روتا اور گڑگڑاتا، اور کہتا کہ میرے مولیٰ میری کتنی خلوتیں ایسی گذر گئیں جن میں میں نے تیرا خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کتنے بڑے بڑے گناہوں سے تیرا مقابلہ کیا۔ میرے مولیٰ میری نیکیاں ساری جاتی رہیں (کہ کچھ بھی نہ کیا یا) اور میرے گناہ میرے ساتھ رہ گئے۔ ہلاکت ہے میرے لئے اُس دن جس دن تجھ سے ملاقات ہوگی (یعنی مرنے کے بعد) میرے لئے ہلاکت پر ہلاکت ہے یعنی بہت زیادہ ہلاکت ہے اس دن جس دن میرے اعمال نامے کھولے جائیں گے، آہ وہ میری رسوائیوں سے بھرے ہوئے ہوں گے، وہ میرے گناہوں سے پُر ہوں گے بلکہ تیری ناراضی سے مجھ پر ہلاکت اُتر چکی ہے اور تیرا عتاب مجھ پر ہلاکت ہے جو تیرے ان احسانوں پر ہوگا، جو ہمیشہ تُونے مجھ پر کئے، اور تیری ان نعمتوں پر ہوگا جن کا ہمیشہ میں نے گناہوں سے مقابلہ کیا اور تُو میری ساری حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرے آقا تیرے سوا میرا کونسا ٹھکانا ہے جہاں بھاگ کر چلا جاؤں۔ تیرے سوا کون شخص ایسا ہے جس سے اِلتجا کروں۔ تیرے سوا کون ہے جس پر کسی قسم کا بھروسہ کروں۔ میرے آقا میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں کہ تجھ سے جنّت کا سُوال کروں البتہ محض تیرے کرم سے، تیری عطا سے، تیرے فضل سے اس کی تمنّا کرتا ہوں کہ تو مجھ پر رحم فرما دے اور میرے گناہ معاف کردے۔ فَاِنَّکَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ (روض)۔

(۵۹) ہارون رشیدؒ کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ وہ بہت کثرت سے زاہدوں اور بزرگوں کی مجلس میں رہا کرتا تھا اور اکثر قبرستان چلا جاتا۔ وہاں جاکر کہتا کہ تم لوگ ہم سے پہلے دنیا میں تھے، دنیا کے مالک تھے لیکن اُس دُنیا نے تمہیں نجات نہ دی حتّٰی کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ کاش مجھے کسی طرح خبر ہوتی کہ تم پر کیا گذر رہی ہے اور تم سے کیا کیا سُوال و جواب ہوئے ہیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ؎

تَرُوْعُنِیْ الْجَنَائِزُ کُلَّ یَوْمٍ وَیَحْزُنُنِیْ بُکَاءُ النَّائِحَاتِ

"مجھے جنازے ہر دن ڈراتے ہیں اور مرنے والوں پر رونے والیوں کی آوازیں مجھے غمگین رکھتی ہیں"۔ ایک دن وہ اپنے باپ (بادشاہ) کی مجلس میں آیا۔ اُس کے پاس وُزراء اُمراء سب جمع تھے اور لڑکے کے بدن پر ایک کپڑا معمولی اور سر پہ ایک لنگی بندھی ہوئی تھی۔ اراکینِ سلطنت آپس میں کہنے لگے کہ اس پاگل لڑکے کی حرکتوں نے امیرُالمؤمنین کو بھی دوسرے بادشاہوں کی نگاہ میں ذلیل کر دیا۔ اگر امیرُالمؤمنین اس کو تنبیہ کریں تو شاید یہ اپنی اس حالت سے باز آجائے امیرُالمؤمنین نے یہ بات سُن کر اُس سے کہا کہ بیٹا تُونے مجھے لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر رکھا ہے۔ اُس نے یہ بات سُن کر باپ کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن ایک پرند وہاں بیٹھا تھا اُس کو کہا کہ اُس ذات کا واسطہ جس نے تجھے پیدا کیا تو میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جا۔ وُہ پرند وہاں سے اُڑ کر اُس کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا۔ پھر کہا کہ اب اپنی جگہ چلا جا۔ وُہ ہاتھ پر سے اُڑ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اُس کے بعد اُس نے عرض کیا کہ ابّا جان اصل میں آپ دنیا سے جو محبّت کر رہے ہیں اس نے مجھے رسوا کر رکھا ہے۔ اب مَیں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ سے جُدائی اختیار کر لوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور ایک قرآن شریف صرف اپنے ساتھ لیا۔ چلتے ہوئے ماں نے ایک بہت قیمتی انگوٹھی بھی اُس کو دے دی (کہ احتیاج کے وقت اُس کو فروخت کر کے کام میں لائے) وہ یہاں سے چل کر بصرہ پہنچ گیا اور مزدوروں میں کام کرنے لگا۔ ہفتہ میں صرف ایک دن شنبہ کو مزدوری کرتا، اور آٹھ دن تک وہ مزدوری کے پیسے خرچ کرتا اور آٹھویں دن پھر شنبہ کو مزدوری کر لیتا، اور ایک دِرَم اور ایک دانق (یعنی دِرَم کا چھٹا حصہ) مزدوری لیتا۔ اس سے کم یا زیادہ نہ لیتا۔ ایک دانق روزانہ خرچ کرتا۔ ابُوعامر بصری کہتے ہیں کہ میری ایک دیوار گر گئی تھی۔ اُس کو بنوانے کے لئے مَیں کسی معمار کی تلاش میں نکلا (کسی نے بتایا ہوگا کہ یہ شخص بھی تعمیر کا کام کرتا ہے) مَیں نے دیکھا کہ نہایت خوبصورت لڑکا بیٹھا ہے ایک زنبیل پاس رکھی ہے اور قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہے۔ مَیں نے اُس سے

پوچھا کہ لڑکے مزدوری کروگے۔ کہنے لگا کیوں نہیں کریں گے۔ مزدوری کے لئے تو پیدا ہی ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کیا خدمت مجھ سے لینی ہے۔ میں نے کہا۔ گارے مٹی (تعمیر) کا کام لینا ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک دِرَم اور ایک دانَق مزدوری ہوگی اور نماز کے اوقات میں کام نہیں کروں گا مجھے نماز کے لئے جانا ہوگا۔ میں نے اُس کی دونوں شرطیں منظور کرلیں اور اُس کو لاکر کام پر لگا دیا۔ مغرب کے وقت جب میں نے دیکھا تو اُس نے دس آدمیوں کی بقدر کام کیا۔ میں نے اس کو مزدوری میں دو دِرَم دیئے۔ اُس نے شرط سے زائد لینے سے انکار کر دیا اور ایک دِرَم اور ایک دانَق لے کر چلا گیا۔ دوسرے دن میں پھر اُس کی تلاش میں نکلا۔ وہ مجھے کہیں نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا کہ ایسی ایسی صورت کا ایک لڑکا مزدوری کیا کرتا ہے، کسی کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ صرف شنبہ ہی کے دن مزدوری کرتا ہے۔ اس سے پہلے تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔ مجھے اُس کے کام کو دیکھ کر ایسی رغبت ہوئی کہ میں نے آٹھ دن کو اپنی تعمیر بند کردی اور شنبہ کے دن اُس کی تلاش کو نکلا۔ وُہ اسی طرح بیٹھا قرآن شریف پڑھتا ہوا ملا۔ میں نے سلام کیا اور مزدوری کرنے کو پوچھا۔ اُس نے وہی پہلی دو شرطیں بیان کیں۔ میں نے منظور کرلیں۔ وہ میرے ساتھ آکر کام میں لگ گیا۔ مجھے اس پر حیرت ہو رہی تھی کہ پچھلے شنبہ کو اس اکیلے نے دس آدمیوں کا کام کس طرح کر لیا۔ اس لئے اس مرتبہ میں نے ایسی طرح چھپ کر کہ وہ مجھے نہ دیکھے، اُس کے کام کرنے کا طریقہ دیکھا تو یہ منظر دیکھا کہ وہ ہاتھ میں گارا لے کر دیوار پر ڈالتا ہے اور پتھر اپنے آپ ہی ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی اللہ کا ولی ہے، اور اللہ کے اولیاء کے کاموں کی غیب سے مدد ہوتی ہی ہے۔ جب شام ہوئی تو میں نے اس کو تین دِرَم دینا چاہے۔ اُس نے لینے سے انکار کر دیا کہ میں اتنے درم کیا کروں گا اور ایک درم اور ایک دانَق لے کر چلا گیا۔ میں نے ایک ہفتہ پھر انتظار کیا اور تیسرے شنبہ کو پھر میں اُس کی تلاش میں نکلا مگر وہ مجھے نہ ملا۔ میں نے لوگوں سے تحقیق کیا۔ ایک شخص نے

بتایا کہ وہ تین دن سے بیمار ہے ، فلاں ویرانہ جنگل میں پڑا ہے ۔ میں نے ایک شخص کو اُجرت دے کر اس پر راضی کیا کہ وہ مجھے اُس جنگل میں پہنچا دے ۔ وہ مجھے ساتھ لے کر اُس جنگل ویران میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بے ہوش پڑا ہے ۔ آدھی اینٹ کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھا ہوا ہے ۔ میں نے اس کو سلام کیا ، اُس نے جواب نہ دیا ۔ میں نے دوسری مرتبہ سلام کیا تو اُس نے (آنکھ کھولی اور) مجھے پہچان لیا ۔ میں نے جلدی سے اُس کا سر اینٹ پر سے اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا ۔ اُس نے سر ہٹا لیا اور چند شعر پڑھے جن میں سے دو یہ ہیں ؎

يَا صَاحِبِيْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ ۔۔۔ فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ

وَإِذَا حَمَلْتَ إِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً ۔۔۔ فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

"میرے دوست دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ میں نہ پڑ ۔ عمر ختم ہوتی جارہی ہے ، اور یہ نعمتیں سب ختم ہو جائیں گی جب تو کوئی جنازہ لے کر قبرستان میں جائے ، تو یہ سوچتا رہا کر کہ تیرا بھی ایک دن اسی طرح جنازہ اُٹھایا جائے گا" ۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ اَبُوعامر جب میری روح نکل جائے تو مجھے نہلا کر میرے اسی کپڑے میں مجھے کفن دے دینا ۔ میں نے کہا ۔ میرے محبوب اس میں کیا حرج ہے کہ میں تیرے کفن کے لئے نئے کپڑے لے آؤں ۔ اُس نے جواب دیا کہ نئے کپڑوں کے لیے زندہ لوگ زیادہ مستحق ہیں (یہ جواب حضرت اَبُوبکر صدیقؓ کا جواب ہے ۔ انہوں نے بھی اپنے وصال کے وقت یہی فرمائش کی تھی کہ میری انہی چادروں میں کفن دے دینا ، اور جب اُن سے نئے کپڑے کی اجازت چاہی گئی تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا) ۔ لڑکے نے کہا کہ کفن تو (پرانا ہو یا نیا ، بہر حال) بوسیدہ ہو جائے گا ۔ آدمی کے ساتھ تو صرف اُس کا عمل ہی رہتا ہے اور یہ میری لُنگی اور لوٹا قبر کھودنے والے کو مزدوری میں دے دینا ، اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف ہارون رشید تک پہنچا دینا ۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ خود انہیں کے ہاتھ میں دینا ۔ اور یہ کہہ کر دینا کہ ایک پردیسی لڑکے کی یہ میرے پاس امانت ہے ، اور وہ آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ

ایسا نہ ہو کہ اسی غفلت اور دھوکہ کی حالت میں آپ کی موت آجائے۔ یہ کہہ کر اُس کی رُوح نکل گئی۔ اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا شہزادہ تھا۔ اُس کے انتقال کے بعد اُس کی وصیّت کے مُوافق میں نے اُس کو دفن کر دیا اور دونوں چیزیں گورکن کو دے دیں، اور قرآن پاک اور انگوٹھی لے کر بغداد پہنچا۔ اور قصرِ شاہی کے قریب پہنچا تو بادشاہ کی سواری نکل رہی تھی۔ میں ایک اُونچی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اوّل ایک بہت بڑا لشکر نکلا جس میں تقریباً ایک ہزار گھوڑے سوار تھے۔ اُس کے بعد اُسی طرح یکے بعد دیگرے دس لشکر نکلے۔ ہر ایک میں تقریباً ایک ہزار سوار تھے۔ دسویں جتھے میں خود اَمیرُ المُؤمنین بھی تھے۔ میں نے زور سے آواز دے کر کہا کہ اے اَمیرُ المُؤمنین آپ کو حضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قرابت، رشتہ داری کا واسطہ، ذرا سا توقّف کر لیجئے۔ میری آواز پر انہوں نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا کہ میرے پاس ایک پردیسی لڑکے کی یہ امانت ہے جس نے مجھے یہ وصیّت کی تھی کہ یہ دونوں چیزیں آپ تک پہنچا دوں۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر (پہچان لیا) تھوڑی دیر سر جُھکا یا۔ اُن کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور ایک دربان سے کہا کہ اس آدمی کو اپنے ساتھ رکھو، جب میں واپسی پر بُلاؤں تو میرے پاس پہنچا دینا۔ جب وہ باہر سے واپسی پر مکان پر پہنچے تو محل کے پردے گروا کر دربان سے فرمایا اُس شخص کو بُلا کر لاؤ اگرچہ وہ میرا غم تازہ ہی کرے گا۔ دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اَمیرُ المُؤمنین نے بلایا ہے اور اس کا خیال رکھنا کہ امیر پر صدمہ کا بہت اثر ہے، اگر تم دس باتیں کرنا چاہتے ہو تو پانچ ہی پر اکتفا کرنا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے امیر کے پاس لے گیا۔ اُس وقت امیر بالکل تنہا بیٹھے تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آجاؤ۔ میں قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے کہ تم میرے اس بیٹے کو جانتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں میں ان کو جانتا ہوں۔ کہنے لگے وہ کیا کام کرتا تھا میں نے کہا۔ گارے مٹی کی مزدوری کرتے تھے۔ کہنے لگے تم نے بھی مزدوری پر کوئی کام اُس سے کرایا ہے۔ میں نے کہا کرایا ہے۔ کہنے لگے تمہیں اس کا خیال نہ آیا کہ

اُس کی حُضورِ اَقدس صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے قرابت تھی (کہ یہ حضرات حُضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہیں) میں نے کہا۔ اَمیرُ المُؤمِنین پہلے اللہ جَلّ شَانُہٗ سے مُعذرت چاہتا ہوں، اُس کے بعد آپ سے عُذر خواہ ہوں مجھے اُس وقت اس کا علم ہی نہ تھا کہ یہ کون ہیں مجھے ان کے اِنتقال کے وقت ان کا حال معلوم ہوا۔ کہنے لگے کہ تم نے اپنے ہاتھ سے اُس کو غسل دیا۔ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ کہنے لگے اپنا ہاتھ لاؤ۔ میرا ہاتھ لے کر اپنے سینہ پر رکھ دیا اور چند شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے وہ مسافر جس پر میرا دل پگھل رہا ہے اور میری آنکھیں اُس پر آنسو بہا رہی ہیں۔ اے وہ شخص جس کا مکان (قبر) دُور ہے لیکن اُس کا غم میرے قریب ہے۔ بیشک موت ہر اچھے سے اچھے عَیش کو مُکدّر کر دیتی ہے۔ وہ مسافر ایک چاند کا ٹکڑا تھا (یعنی اُس کا چہرہ) جو خالص چاندی کی ٹہنی پر تھا (یعنی اُس کے بدن پر) پس چاند کا ٹکڑا بھی قبر میں پہنچ گیا اور چاندی کی ٹہنی بھی قبر میں پہنچ گئی۔

اُس کے بعد ہارون رشید نے بصرہ اُس کی قبر پر جانے کا ارادہ کیا۔ اَبُو عامرؒ ساتھ تھے۔ اُس کی قبر پر پہنچ کر ہارون رشید نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے اے وہ مسافر جو اپنے سفر سے کبھی بھی نہ لوٹے گا، موت نے کم عمری کے ہی زمانہ میں اُس کو جلدی سے اُچک لیا۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو میرے لئے اُنس اور دل کا چین تھا۔ لانبی راتوں میں بھی اور مختصر راتوں میں بھی تُو نے موت کا وہ پیالہ پیا ہے جس کو عنقریب تیرا بوڑھا باپ بڑھاپے کی حالت میں پئے گا۔ بلکہ دنیا کا ہر آدمی اُس کو پئے گا، چاہے وہ جنگل کا رہنے والا ہو یا شہر کا بسنے والا ہو۔ پس سب تعریفیں اُسی وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ کے لئے ہیں جس کی لکھی ہوئی تقدیر کے یہ کرشمے ہیں۔ اَبُو عامرؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو رات آئی تو جب میں اپنے وظائف پورے کر کے لیٹا ہی تھا کہ میں نے خواب میں ایک نُور کا قُبّہ دیکھا جس کے اُوپر ابر کی طرح نُور ہی نُور پھیل رہا ہے۔ اُس نُور کے ابر میں سے

اُس لڑکے نے مجھے آواز دے کر کہا۔ ابُو عامرؒ تمہیں حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے (تم نے میری تجہیز و تکفین کی اور میری وصیّت پوری کی)۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ میرے پیارے تیرا کیا حال گزرا۔ کہنے لگا کہ مَیں ایسے مولیٰ کی طرف پہنچا ہوں جو بہت کریم ہے اور مجھ سے بہت راضی ہے۔ مجھے اُس مالک نے وہ چیزیں عطا کیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سُنیں، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خیال گزرا (یہ ایک مشہور حدیث پاک کا مضمون ہے۔ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ مَیں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کان نے سُنیں، نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے ان لوگوں کے لئے جن کے پہلو رات کو خواب گاہوں سے دُور رہتے ہیں (یعنی تہجّد گزاروں کے لئے) وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خیال گزرا، نہ اُن کو کوئی مقرّب فرشتہ جانتا ہے نہ کوئی نبی رسول جانتا ہے۔ اور یہ مضمون قرآن پاک میں بھی ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ؕ (سورہ سجدہ۔ ع ۲) کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے (درمنثور)۔ اس کے بعد اُس لڑکے نے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو بھی دنیا سے اس طرح نکل آئے جیسا مَیں نکل آیا اُس کے لئے بھی اِعزاز اور اِکرام ہیں جو میرے لئے ہوئے۔

صاحبِ رَوض کہتے ہیں کہ یہ سارا قصّہ مجھے اور طریقہ سے بھی پہنچا ہے۔ اُس میں یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے ہارون رشید سے اُس لڑکے کے متعلق سُوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بادشاہ ہونے سے پہلے یہ لڑکا پیدا ہُوا تھا۔ بہت اچھی تربیت پائی تھی۔ قرآن پاک بھی پڑھا تھا اور عُلوم بھی پڑھے تھے۔ جب مَیں بادشاہ

بن گیا تو یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میری دنیا سے اس نے کوئی راحت نہ اُٹھائی چلتے وقت میں نے ہی اس کی ماں سے کہا تھا کہ اس کو یہ انگوٹھی دیدے۔ اس انگوٹھی کا یاقوت بہت زیادہ قیمتی تھا مگر یہ اس کو بھی کام میں نہ لایا۔ مرتے وقت واپس کر گیا۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا (روض)۔

جس باپ کی دنیا داری سے یہ صاحبزادہ رنجیدہ ہو کر گیا ہے یعنی ہارون رشیدؒ بہت نیک دل بادشاہوں میں ان کا شمار ہے۔ دولت اور ثروت کے ساتھ لغزشیں تو ہو ہی جاتی ہیں لیکن ان کے دینی کارنامے تاریخ کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں۔ بادشاہت کے زمانہ میں سو رکعت نفل روزانہ پڑھنے کا معمول مرتے وقت تک رہا اور اپنے ذاتی مال سے ایک ہزار درم روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے۔ ایک سال حج کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت کرتے جس سال خود حج کو جاتے اپنے ساتھ سو علماء کو مع ان کے بیٹوں کے حج کو لے کر جاتے اور جس سال خود حج نہ کرتے تین سو آدمیوں کو ان کے پورے خرچ اور سامان لباس وغیرہ کے ساتھ حج کو بھیجا کرتے۔ جن کو خرچ بھی بہت وُسعت سے دیا جاتا اور لباس بھی عمدہ دیا جاتا۔ ویسے بھی عطایا کی بہت کثرت ان کے یہاں تھی۔ سوال کرنے والوں کے لیے بھی اور بغیر سوال کے ابتداءً بھی، علماء کا ان کی مجلس میں بہت اعزاز تھا اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ابو معاویہؒ ضریر مشہور محدث نابینا نے ایک مرتبہ ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد خود ہارون رشید نے ان کے ہاتھ دُھلائے اور یہ کہا کہ علم کے اعزاز میں میں نے دُھلائے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو معاویہؒ نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حدیث جس میں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کے مناظرہ کا ذکر تھا بیان کی۔ ایک شخص نے کہہ دیا کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات کہاں ہوئی تو بادشاہ کو غصہ آگیا اور کہا میری تلوار لاؤ۔ زندیق بددین حضورؐ کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے نصیحت کی باتوں پر بہت کثرت سے رونے والے تھے (تاریخ بغداد للخطیب)۔

(۶۰) ایک مرتبہ ہارون رشیدؒ حج کو جا رہے تھے۔ راستہ میں کوفہ میں چند روز قیام کیا۔ جب وہاں سے روانگی کا وقت ہوا تو لوگ بادشاہ کی سواری کی سیر کے شوق میں شہر سے باہر بہت سے جمع ہو گئے۔ بُہلُول مجنون بھی پہنچ گئے اور راستہ میں ایک گوڑی پر بیٹھ گئے۔ بچے ان کو ہر وقت ستایا ہی کرتے تھے۔ ڈلے مارتے مذاق کرتے وہ حسبِ دستور ان کے گرد جمع ہو گئے۔ جب بادشاہ کی سواری قریب آئی تو بچے تو سب اِدھر اُدھر ہو گئے۔ انہوں نے زور سے آواز دے کر کہا۔ اے اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْن اے اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْن، ہارون رشید نے سواری کا پردہ اُٹھایا اور کہنے لگے لَبَّیْکَ یَا بُہْلُوْلُ لَبَّیْکَ یَا بُہْلُوْلُ۔ بُہلول میں حاضر ہوں، بُہلول میں حاضر ہوں، کہو کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ مجھ سے اَیْمَنؒ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت قُدامہؓ یہ کہتے ہیں، کہ جب حُضورِ اَقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حج کو تشریف لے جا رہے تھے تو میں نے منیٰ میں آپ کو ایک اُونٹ پر سوار دیکھا۔ جس پر معمولی کجاوا تھا۔ نہ لوگوں کو سامنے سے ہٹانا تھا، نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْن تیرا بھی اس سفر میں تواضع سے چلنا تکبّر سے چلنے سے بہتر ہے۔ ہارون رشید یہ سُن کر رونے لگے۔ پھر کہا بُہلول کچھ اور نصیحت کرو اللہ تعالیٰ شانہٗ تم پر رحم کرے۔ بہلول نے یہ سُن کر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ مان لے تسلیم کر لے کہ تو ساری دنیا کا بادشاہ بن گیا اور ساری دنیا کی مخلوق تیری مُطیع ہو گئی۔ پھر کیا ہوا، کل کو تو بہر حال تیرا ٹھکانا قبر کا گڑھا ہے۔ ایک اِدھر سے مٹی ڈال رہا ہو گا ایک اُدھر سے مٹی ڈالتا ہو گا۔ اس پر ہارون رشید پھر بہت روئے اور کہنے لگے۔ بہلول تم نے بہت اچھی بات کہی، کچھ اور کہو۔ بہلول نے کہا۔ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْن جس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ مال اور جمال عطا کرے اور وہ اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے اور اپنے جمال کو گناہوں سے محفوظ رکھے وہ اللہ تعالیٰ کے دیوان میں نیک لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔ ہارون رشید نے کہا تم نے بہت اچھی بات کہی۔ اس کا صِلہ (انعام) ملنا چاہیئے۔ بہلول نے کہا۔ انعام کا روپیہ ان لوگوں کو واپس کر جن سے (ٹیکس وغیرہ کے طور پر) لے رکھا ہے، مجھے تیرے انعام کی ضرورت نہیں

ہارون رشید نے کہا کہ اگر تمہارے ذِمّہ کسی کا قرض ہو تو میں اس کو ادا کردوں بُہلُول نے کہا کہ امیرُالمُؤمِنِین قرض سے قرض ادا نہیں کیا جاتا (یعنی یہ روپیہ جو تیرے پاس ہے یہ خود دوسروں کا حق ہے جو تیرے ذمہ ان کا قرض ہے) حق والوں کا حق واپس کرو۔ پہلے اپنا قرضہ ادا کرو، پھر دوسروں کے قرضہ کو پوچھنا۔ ہارون رشید نے کہا۔ تمہارے لئے کوئی وظیفہ مُقرّر کر دیں جس سے تمہارے کھانے کا انتظام ہو جائے بُہلُول نے کہا کہ میں اور تم دونوں اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بندے ہیں، یہ محال ہے کہ وہ تمہاری روزی کا تو فکر رکھے اور میری روزی کا فکر نہ فرمائے۔ اس کے بعد ہارون رشید نے سواری کا پردہ گرایا اور آگے چل دیئے (روض)

ہارون رشیدؒ کی مشہور بات ہے کہ نصیحت کے سُننے پر بہت کثرت سے رویا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے تو سعدون مجنون راستہ میں سامنے آگئے اور چند شعر پڑھے، جن کا مطلب یہی تھا کہ مان تو تم ساری دنیا کے بادشاہ بن گئے ہو، لیکن کیا آخر موت نہ آئے گی۔ دنیا کو اپنے دشمنوں کے لئے چھوڑ دو۔ جو دنیا آج تمہیں خوب ہنسا رہی ہے یہ کل کو تمہیں خوب رلائے گی۔ یہ اشعار سُن کر ہارون رشید نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور اتنے طویل وقت تک بیہوشی رہی کہ تین نمازیں قضا ہو گئیں (روض)۔ ان کی انگوٹھی کی مہر تھی "اَلْعَظْمَۃُ وَالْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ" ہر قسم کی بڑائی اور ہر نوع کی قدرت صرف اللہ جلّ شانہٗ کے لئے یہ مضمون گویا ہر وقت نگاہ کے سامنے رہتا تھا

(۶۱) حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کے جنگل میں جا رہا تھا۔ میں نے حضرت سعدون کو دیکھا جو سعدون مجنون کے نام سے مشہور تھے۔ میں نے ان سے پوچھا، کیا حال ہے۔ کہنے لگے ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو، جو صبح شام ہر وقت ایک طویل سفر کے لئے تیار بیٹھا ہو اور سفر کے لئے توشہ کسی قسم کا بھی ساتھ نہ ہو۔ نہ کوئی سفر کا سامان سواری وغیرہ اُس کے پاس ہو اور اُس کو ایسے مولیٰ کے پاس جانا ہو جو نہایت عادل بڑا کریم ہے اور وہ لوگوں کے درمیان

اُس وقت فیصلہ کر دے گا۔ یہ کہہ کر وہ بہت زیادہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ کہنے لگے کہ میں نہ تو دنیا کے چھوٹنے پر رو رہا ہوں، نہ موت سے گھبرا کر رو رہا ہوں بلکہ اپنی عمر کے اُس دن پر رو رہا ہوں جو کسی نیک عمل سے خالی رہ گیا ہو۔ خدا کی قسم مجھے اپنے سامانِ سفر کی کمی رُلا رہی ہے۔ سفر بہت طویل اور بڑی مشقّت کا ہے۔ بہت سی گھاٹیاں اس سفر میں پیش آتی ہیں اور میرے پاس سفر کا کوئی بھی سامان موجود نہیں ہے اور اس سفر کے سب مصائب برداشت کرنے کے بعد یہ بھی پتہ نہیں کہ جنّت میں جاؤں گا یا جہنّم میں ڈال دیا جاؤں گا۔ میں نے اُن سے حکمت کی باتیں سُن کر کہا کہ لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں آپ تو بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ تم بھی دنیا داروں کے کہنے سے دھوکہ میں پڑ گئے۔ مجھے جنون نہیں ہے، میرے آقا کی محبت میرے دل میں، میرے جگر میں، میرے گوشت پوست میں، میری ہڈیوں میں گھس گئی ہے۔ اُس کے عشق میں میں حیران و پریشان رہتا ہوں (اس کی وجہ سے دنیا کے پاگل مجھے مجنون کہتے ہیں)۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں سے بھاگتے ہیں (جنگل میں پڑے رہتے ہیں) اس پر انہوں نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمیوں سے ہمیشہ دُور رہ اور اللہ جلّ شانُہٗ کی ہمنشینی ہر وقت اختیار کر، تو آدمیوں کا جس حالت میں دل چاہے تجربہ کر لے تو ہر حالت میں ان کو بچھو پائے گا کہ تکلیف پہنچانے کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہوگا۔ (روض)۔

(۶۲) حضرت عبدُالواحد بن زیدؒ جو مشائخ چشتیہ میں مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ میں تین رات تک مسلسل یہ دُعا کرتا رہا کہ یا اللہ جنّت میں جو میرا رفیق ہو اُس کی مجھے دنیا میں ملاقات کرا دے۔ تین دن کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمُونہ سَوداءؔ (جو ایک حبشی عورت تھیں اتنی کالی کہ ان کا لقب ہی سوداء ہو گیا تھا) میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گی۔ مجھے بتایا گیا کہ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہیں۔ میں اُن سے ملنے چل دیا۔ کوفہ پہنچ کر میں نے ان کا حال دریافت کیا۔ مجھے

بتایا گیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتی ہیں فلاں جنگل میں ہیں۔ میں اس جنگل میں پہنچا وہ ایک گدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں ان کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیئے اکٹھے چر رہے تھے۔ جب میں پہنچا تو انہوں نے اپنی نماز کو مختصر کر کے سلام پھیرا اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگیں۔ عبدالواحد آج نہیں، آج تو چلے جاؤ، ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت میں) ہے۔ میں نے اُن سے کہا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں عبدالواحد ہوں۔ کہنے لگیں تمہیں معلوم نہیں کہ روحیں (ازل میں) سب ایک لشکر کی طرح مجتمع تھیں جن کا وہاں آپس میں تعارف ہو گیا ان کا یہاں بھی تعارف ہو جاتا ہے (یہ ایک حدیث پاک کا مضمون ہے جو مشہور حدیث ہے) میں نے اُن سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجئے۔ کہنے لگیں بڑی تعجب کی بات ہے جو خود واعظ ہو وہ دوسرے سے نصیحت کی درخواست کرے (تم تو خود ہی بڑے واعظ ہو)۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔ مجھے بزرگوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ جس بندہ کو حق تعالیٰ شانہٗ دنیا کی کوئی نعمت (مال دولت وغیرہ) عطا فرمائے اور وہ شخص پھر بھی اُسی کی طلب میں لگا رہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص سے اپنے ساتھ تنہائی کی محبت زائل کر دیتے ہیں اور اپنے سے قرب کی بجائے اپنے سے بُعد اُس پر مُسلّط کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھ اُنس کے بجائے اپنے سے وحشت اُس پر سوار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پانچ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے واعظ تُو لوگوں کو وعظ، نصیحت اور تنبیہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تُو لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے حالانکہ تُو خود ان گناہوں کا بیمار ہے، ان میں مُبتلا ہے۔ اگر تُو دوسروں کو نصیحت سے پہلے اپنی اصلاح کر لیتا، اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا تو تیرے کہنے کا ان کے دلوں پر اثر پڑتا لیکن جب تُو ایسی حالت میں دوسروں کو منع کرتا ہے کہ تُو خود ان میں مبتلا ہے تو تُو اپنے اس منع کرنے میں خود شک میں ہے (اور جس کو خود کسی بات میں تردّد ہو وہ دوسرے کو زور سے کیا کہہ سکتا ہے)۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ہی چر رہی ہیں، بھیڑیئے ان کو کچھ کہتے نہیں۔ کہنے لگیں کہ جا اپنا کام کر، میں نے اپنے سردار سے

صُلح کرلی۔ اُس نے میری بکریوں اور بھیڑیوں میں صلح کردی (روض)۔

یہ عجیب بات میں نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے یہاں ہمیشہ دیکھی کہ ان کے مکان میں کئی کئی بلّیاں اور مرغیاں تمام دن مکان میں اکٹھی پھرتی رہتیں، پڑی گری چیزیں کھاتی رہتیں۔ نہ وہ مرغیاں بلّیوں سے بھاگتیں، نہ وہ بلّیاں مرغیوں کو کچھ کہتیں۔

(۶۳) حضرت عُتبۃ غلامؒ کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے جنگل میں جارہا تھا، میں نے جنگلی لوگوں کے چند خیمے دیکھے جن کی کھیتی وہاں تھی۔ ان خیموں میں سے ایک خیمہ میں ایک مجنونہ لڑکی تھی۔ میں نے اس کو سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا (ممکن ہے کہ اُس نے سلام نہ سُنا ہو یا انہوں نے جواب نہ سُنا ہو یا کسی ایسی حالت میں ہو کہ اُس وقت سلام کا جواب ساقط ہو جاتا ہے کہ بہت سی جگہ سلام کا جواب ساقط ہو جاتا ہے) اور چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ زاہد اور عابد فلاح کو پہنچ گئے جنہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھا، انہوں نے راتوں کو اپنی آنکھوں کو جگایا، ان کی ساری رات ایسی حالت میں گزرتی ہے کہ وہ مُشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کی مَحبّت نے ایسا حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ دنیا دار ان کو مجنون سمجھتے ہیں حالانکہ زمانہ کے سب سے زیادہ عقل مند لوگ یہی حضرات ہیں لیکن ان کو ان کے اَحوال نے بے چین کر رکھا ہے۔ عُتبہ کہتے ہیں کہ میں اس مجنونہ کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ کھیتی کس کی ہے۔ کہنے لگی اگر صحیح سالم رہی تو ہماری ہے۔ میں اس کے بعد دوسرے خیموں کی سیر کرتا رہا۔ اتنے میں بڑے زور کی بارش شروع ہوگئی اور آسمان سے ایسا موسلا دھار پانی پڑا گویا مشکوں کا مُنہ کھل گیا۔ میں نے سوچا کہ اس مجنونہ کو دیکھوں وہ اس بارش کے متعلق کیا کہتی ہے (اسمیں تو ساری کھیتیاں برباد ہوگئیں) میں نے جاکر دیکھا کہ اس کی کھیتی بالکل پانی میں ڈوب گئی، اور وہ کھڑی ہوئی کہہ رہی ہے قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے اپنی خالص محبّت کا کچھ حصّہ میرے دل میں رکھ دیا ہے، میرا دل تجھ سے راضی رہنے میں بالکل پختہ ہے۔ پھر وہ

میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ دیکھو جی اُسی نے تو یہ کھیتی جمائی، اُسی نے اُگائی اُسی نے اس کو سیدھا کھڑا کیا، اُسی نے اس میں بالیں لگائیں، اُسی نے ان بالوں میں غلّہ پیدا کیا، اُسی نے بارش برسا کر اس کی پرورش کی، اُسی نے اس کی ضائع ہونے سے حفاظت کی اور جب اس کے کاٹنے کا وقت بالکل قریب آگیا تو اُسی نے اسکو ضائع کر دیا۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ ساری مخلوق تیرے ہی بندے ہیں اور ان سب کی روزی تیرے ہی ذمہ ہے، تُو جو چاہے کر تجھے اختیار ہے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ اس کھیتی کے برباد ہو جانے پر تجھے کس طرح صبر آگیا۔ کہنے لگی، عُتبہ چُپ رہو میرا مالک بڑا غنی ہے، بڑا قابلِ تعریف ہے۔ اُس کی طرف سے ہمیشہ نئی روزی ملتی رہی۔ تمام تعریفیں اُس پاک ذات کے لیے ہیں جو میرے ساتھ میری خواہش سے بہت زیادہ انعام فرماتا رہا۔ عُتبہ کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی اُس کی حالت اور اُس کی باتیں یاد آتی ہیں بے اختیار رونا آجاتا ہے (روض)۔

(۶۴) حضرت اَبُوالرَّبِیعؒ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک گاؤں میں ایک نیک عورت کی شہرت سُنی جس کا نام فِضّہ تھا۔ میری عادت کسی عورت سے ملنے کی نہ تھی۔ مگر اُس کے احوال مَیں نے ایسے سُنے کہ مجھے اُس کے پاس جانے کی خواہش پیدا ہوئی مَیں اُس گاؤں میں گیا اور اسکی تحقیق کی تو مجھے لوگوں نے بتایا کہ اُس کے یہاں ایک بکری ہے جس کے تھنوں سے دودھ اور شہد دونوں نکلتے ہیں۔ مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا مَیں نے ایک نیا پیالہ خریدا اور اُس کے گھر جا کر مَیں نے کہا کہ تمہاری بکری کے متعلق مَیں نے یہ شہرت سُنی ہے کہ وہ دودھ اور شہد دیتی ہے مَیں بھی اس کی برکت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے وہ بکری میرے حوالہ کر دی۔ مَیں نے اُس کا دُودھ نکالا، تو واقعی اُس میں سے دودھ اور شہد نکلا۔ ہم نے اس کو پیا۔ اس کے بعد مَیں نے پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے تمہارے پاس آئی۔ کہنے لگی اس کا قصہ یہ ہے کہ ہم غریب آدمی ہیں۔ ایک بکری کے سوا ہمارے پاس کچھ نہ تھا، اُسی پر ہمارا گزر تھا۔ اتّفاق سے بقرعید آگئی۔ میرے خاوند نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ اور تو ہے نہیں، یہ بکری

ہمارے پاس ہے لاؤ اسی کی قربانی کرلیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس گزر کیلئے اس کے سوا تو کوئی چیز ہے نہیں، ایسی حالت میں قربانی کا حکم تو ہے نہیں پھر کیا ضرور ہے کہ ہم قربانی کریں۔ خاوند نے یہ بات مان لی اور قربانی ملتوی کردی۔ اس کے بعد اتفاق سے اُسی دن ہمارے یہاں ایک مہمان آگیا تو میں نے خاوند سے کہا کہ مہمان کے اکرام کا تو حکم ہے اور کوئی چیز تو ہے نہیں، اس بکری ہی کو ذبح کرلو۔ وہ اُس بکری کو ذبح کرنے لگا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے اس بکری کو ذبح ہوتے دیکھ کر رونے لگیں گے۔ اس لئے میں نے کہا کہ باہر لے جاکر دیوار کی آڑ میں ذبح کرلو، بچے نہ دیکھیں۔ وہ باہر لے گئے اور جب اُس پر چھری چلائی تو یہ بکری ہماری دیوار کے اوپر کھڑی تھی اور وہاں سے خود اتر کر مکان کے صحن میں آگئی۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ بکری خاوند کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں اُس کو دیکھنے باہر گئی تو خاوند اُس بکری کی کھال کھینچ رہے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی ہی بکری گھر میں آگئی۔ اُس کا قصہ میں نے سنایا۔ خاوند کہنے لگے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا بدل ہمیں عطا فرمایا ہو۔ یہ وہ بکری ہے جو دودھ اور شہد دیتی ہے یہ سب کچھ محض مہمان کے اکرام کی وجہ سے ہے۔ پھر وہ عورت کہنے لگی کہ اے میرے بچو! یہ بکری دلوں میں چرتی ہے۔ اگر تمہارے دل نیک رہیں گے تو اس کا دودھ بھی اچھا رہے گا، اور اگر تمہارے دلوں میں کھوٹ آگیا تو اس کا دودھ بھی خراب ہو جائے گا۔ اپنے دلوں کو اچھا رکھو، ہر چیز تمہارے لئے اچھی ہو جائیگی (روض)

(۶۵) حضرت بہلولؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا۔ راستہ میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے پاس بادام اور اخروٹ نہیں ہیں، اس کی وجہ سے رو رہا ہے۔ میں نے اس کو کہا۔ بیٹا تجھے میں اخروٹ بادام خرید دوں گا تو بھی ان سے کھیلنا۔ اُس نے میری طرف نگاہ اُٹھا کر

کہا- ارے بے وقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر کس کام کے واسطے پیدا ہوئے ہو۔ کہنے لگا کہ علم حاصل کرنے کے واسطے اور عبادت کرنے کے واسطے۔ میں نے کہا۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ تیری عمر میں برکت کرے تونے یہ بات کہاں سے معلوم کی کہنے لگا حق تعالیٰ شانُہٗ کا ارشاد ہے أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا الآية (مؤمنون- ع ۶) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے" میں نے کہا بیٹا تُو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے، مجھے کچھ نصیحت کر۔ اس نے چار شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے (آج یہ گیا کل وہ گیا) ہر وقت چلنے کے لئے دامن اُٹھائے۔ قدم اور پنڈلی پر (دوڑنے کے لئے تیار رہتی ہے) پس نہ تو دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہتی ہے، نہ کوئی زندہ دنیا کے لئے باقی رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں پس او بیوقوف جو دنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے، ذرا غور کر اور دنیا سے اپنے لئے کوئی (آخرت میں کام آنے والی) اعتماد کی چیز لے لے۔ یہ شعر پڑھ کر اس لڑکے نے آسمان کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھائے اور آنسوؤں کی لڑی اس کے رخساروں پر جاری تھی اور یہ دو شعر پڑھے ؎

يَا مَنْ إِلَيْهِ الْمُبْتَهَلُ ۔۔۔ يَا مَنْ عَلَيْهِ الْمُتَّكَلُ
يَا مَنْ إِذَا مَا آمِلٌ ۔۔۔ يَرْجُوْهُ لَمْ يَخِبِ الْأَمَلُ

جن کا ترجمہ یہ ہے: "اے وہ پاک ذات کہ اسی کی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات کہ جب اس سے کوئی شخص اُمید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہو سکتا۔ اس کی اُمید ضرور پوری ہوتی ہے"

یہ شعر پڑھ کر وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ میں نے جلدی سے اس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اس کے منہ پر جو مٹی وغیرہ لگ گئی

تھی، پونچھنے لگا۔ جب اُس کو ہوش آیا تو مَیں نے کہا۔ بیٹا ابھی سے تمہیں اتنا خوف کیوں ہو گیا، ابھی تو تم بہت بچے ہو۔ ابھی تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائے گا۔ کہنے لگا۔ بُہلُول ہٹ جاؤ، مَیں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہیں تو پہلے چھوٹی چھوٹی چپٹیاں ہی چولہے میں رکھتی ہیں، اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنّم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ مَیں نہ رکھ دیا جاؤں۔ مَیں نے کہا۔ صاحبزادہ، تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو، مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اُس نے اس پر چودہ[۱۴] شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آرہا ہے۔ اگر مَیں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا۔ مَیں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا۔ حالانکہ میرے بدن کے لیے (قبر میں جاکر) گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کار نہیں وہ مَنظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب کہ مَیں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں گا۔ میرے اُوپر مٹی کا ڈھیر ہوگا اور نیچے قبر کا گڑھا ہوگا۔ اور میرا یہ حُسن و جمال سارا کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا حتّٰی کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے، اور آرزوئیں ہیں کہ پوری نہیں ہو چکتیں، اور بڑا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں، اور مَیں نے کھلم کھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان اور مُحافظ کا مقابلہ کیا، اور بڑی بُری حرکتیں کی ہیں جو اب واپس بھی نہیں ہو سکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں وہ بے کیا نہیں ہو سکتا) اور مَیں نے لوگوں سے چھپانے کے لیے پردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن میرے جتنے مخفی گناہ ہیں وہ کل کو اُس مالک کے سامنے ظاہر ہوں گے (اس کی پیشی میں پیش ہوں گے) اس میں شک نہیں کہ مجھے اُس کا خوف ضرور تھا لیکن مَیں اُس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا (جس کی وجہ سے جُرأت ہوتی رہی) اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ

بڑا غفور ہے، اس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے بے شک تمام تعریفیں اُسی پاک ذات کے لئے ہیں۔ اگر موت نہ ہوتی اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ بھی ہوتی، تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ موجود تھی کہ لہو و لعب سے احتراز کیا جاتا لیکن کیا کریں کہ ہماری عقل زائل ہو گئی (کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ بس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ) کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کر دے۔ جب کسی غلام سے کوئی لغزش ہوتی ہے، تو آقا ہی اُس کو معاف کرتا ہے۔ بے شک میں بدترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولیٰ کے عہد میں خیانت کی، اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی قول قرار معتبر نہیں ہوتا۔ میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا، جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اُس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میں موت کے وقت بھی تن تنہا رہ جاؤں گا، قبر میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا، قبر سے بھی اکیلا ہی اٹھوں گا (کسی جگہ بھی کوئی میرا معین مددگار نہ ہوگا)۔ پس اے وہ پاک ذات جو خود اکیلی ہے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے، ایسے شخص پر رحم کر جو بالکل تن تنہا رہ گیا"۔ بہلولؒ کہتے ہیں کہ اُس کے یہ اشعار سُن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا۔ بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا۔ میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون تھا۔ وہ کہنے لگے، تو اُس کو نہیں جانتا، یہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں ہے۔ میں نے کہا۔ مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کس درخت کا ہے؟ واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس خاندان کی برکتوں سے منتفع فرمائے آمین (روض)۔

(۶۶) حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ میرے دل نے کہا کہ تُو بخیل ہے مگر میرے نفس نے کہا کہ نہیں بخیل نہیں ہوں۔ میرے دل نے پھر کہا کہ نہیں تو بخیل ہے۔ میں نے اس کے جانچنے کے لئے یہ ارادہ کر لیا کہ سب سے پہلے میرے پاس

جو کچھ آئے گا (خواہ وہ کتنا ہی ہو) میں سب کا سب اُس فقیر کو دے دوں گا، جو مجھے سب سے پہلے ملے گا۔ میری یہ نیت پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے ایک شخص نے پچاس دینار (اشرفیاں) نذر کیے۔ میں نے وہ لے لیے اور اپنی نیت کے موافق کسی فقیر کی تلاش میں نکلا۔ سب سے پہلے مجھے ایک نابینا فقیر ملا جو ایک حجام سے حجامت بنوا رہا تھا۔ میں نے وہ سب کے سب اُس نابینا کو دے دیئے۔ اُس نے کہا کہ یہ (حجامت کی اُجرت میں) اس حجام کو دے دو۔ میں نے کہا کہ یہ پچاس ۵۰ اشرفیاں ہیں (اتنی اشرفیاں بھی کہیں حجامت کی اُجرت میں دی جاتی ہیں)۔ اُس نابینا نے اُوپر کو سر اُٹھا کر کہا۔ ہم نے کہا نہیں تھا کہ تو بخیل ہے۔ میں نے جلدی سے وہ حجام کو دے دیئے۔ اُس حجام نے کہا کہ جب یہ نابینا حجامت بنوانے بیٹھا تھا تو میں نے اس کی غربت کو دیکھ کر یہ نیت کر لی تھی کہ اس کی اُجرت نہ لوں گا۔ (مجھے ان دونوں کی گفتگو سن کر اس قدر غیرت آئی کہ) میں نے ان اشرفیوں کو دریا میں پھینک دیا کہ خدا تیرا ناس کرے۔ تجھ سے جو بھی ذرا دل لگائے حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو اسی طرح ذلیل کرتے ہیں (روض)۔

غیرت کی شدت میں اس قسم کے اُمور کا پیش آجانا مستبعد نہیں اگر حضرت سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (ص۔ ع ۳) کر سکتے ہیں اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ حضورؐ کی موجودگی میں دوسری سَوت کا پیالہ پھوڑ سکتی ہیں اور اُس کا کھانا پھینک سکتی ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ عُصفر کی رنگی ہوئی چادر کو صرف حضورؐ کے اس سوال پر کہ یہ کیا پہن لیا، تنور میں جلا سکتے ہیں، اور انصاریؓ حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اپنے سے بے التفاتی دیکھ کر بنے بنائے قبّہ کو گرا سکتے ہیں، تو حضرت شبلیؒ کے اشرفیاں پھینک دینے میں کوئی اشکال نہیں۔

(۶۷) حضرت ذوالنون مصریؒ (جو اکابر مشہور صوفیہ میں ہیں) فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں جا رہا تھا۔ مجھے ایک نوجوان نظر پڑا جس کے چہرہ پر

داڑھی کی دو لکیریں تھیں (یعنی نکلنی شروع ہی ہوئی تھی)۔ مجھے دیکھ کر اُس کے بدن میں کپکپی آگئی اور چہرہ زرد ہوگیا اور مجھ سے بھاگنے لگا۔ میں نے کہا۔ میں تو تیرے ہی جیسا انسان ہوں (جن تو نہیں ہوں پھر کیوں اتنا ڈرتا اور بھاگتا ہے) وہ کہنے لگا کہ تم (انسانوں ہی) سے تو بھاگتا ہوں۔ میں اُس کے پیچھے چلا اور میں نے اُس کو قسم دی کہ ذرا کھڑا ہو جائے، وہ کھڑا ہوگیا۔ میں نے پوچھا کہ تو اس جنگل بیابان میں بالکل تنہا رہتا ہے کوئی دوسرا رفاقت کے لئے بھی نہیں ہے۔ تجھے خوف نہیں معلوم ہوتا؟ کہنے لگا نہیں میرے پاس تو میرا دل لگانے والا ہے (میں نے سمجھا کہ اس کا کوئی رفیق کہیں گیا ہوا ہوگا) میں نے کہا۔ وہ کہاں ہے؟ کہنے لگا وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ وہ میرے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف ہے میں نے پوچھا کہ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی تیرے پاس نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا وُہ بھی موجود ہے۔ میں نے کہا۔ وہ کہاں ہے۔ کہنے لگا جس نے میری ماں کے پیٹ میں مجھے روزی دی، اُسی نے میری بڑی عمر میں بھی روزی کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ میں نے کہا کہ کھانے پینے کے لئے کچھ تو آخر چاہئے اُس سے رات کو تہجّد میں کھڑے ہونے کی قوّت پیدا ہوتی ہے، دن کے روزے رکھنے میں مدد ملتی ہے اور (بدن کی قوّت سے) مولیٰ کی خدمت (عبادت) بھی اچھی طرح ہوسکتی ہے، اور میں نے کھانے پینے کی ضرورت پر بہت ہی زور دیا تو وہ چند شعر پڑھ کر بھاگ گیا، جن کا ترجمہ یہ ہے۔ "اللہ کے ولی کے لئے کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے اور وُہ ہرگز اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اُس کی کوئی جائداد ہو۔ وہ جب جنگل سے پہاڑ کی طرف چل دیتا ہے تو وہ جنگل اُس کی جدائی سے روتا ہے جس میں وہ پہلے سے تھا وہ رات کے تہجّد پر اور دن کے روزہ پر بہت زیادہ صبر کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو سمجھا دیا کرتا ہے کہ جتنی محنت اور مشقّت ہوسکے کرلے اس لئے کہ رحمٰن کی خدمت میں کوئی عار نہیں ہوتی (وہ بڑی فخر کی چیز ہوتی ہے) وہ جب اپنے رَبّ سے باتیں کیا کرتا ہے تو اُس کی آنکھ سے آنسو بہا کرتے ہیں اور وُہ یہ

کہا کرتا ہے کہ یا اللہ! میرا دل اُڑا جا رہا ہے (اس کی تو خبر لے)۔ وہ یوں کہا کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے نہ تو (جنّت میں) یاقوت کا گھر چاہیئے جس میں حوریں رہتی ہوں اور نہ مجھے جنّتِ عدن کی خواہش ہے اور نہ جنّت کے پھلوں کی آرزو ہے۔ میری ساری تمنا صرف تیرا دیدار ہے۔ اس کا مجھ پر احسان کر دے یہی بڑی فخر کی چیز ہے"۔ (روض)۔

(۶۸) حضرت ابراہیم خواصؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا راستہ میں ایک نصرانی راہب مجھے ملا جس کی کمر میں زنّار (پٹکہ یا دھاگہ وغیرہ جو کفر کی علامت کے طور پر کافر باندھتے ہیں) بندھ رہا تھا۔ اُس نے میرے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی (کافر فقیر اکثر مسلمان فقراء کی خدمت میں رہتے چلے آئے ہیں)۔ میں نے ساتھ لے لیا۔ سات دن تک ہم چلتے رہے (نہ کھانا نہ پینا) ساتویں دن اُس نصرانی نے کہا۔ اے محمّدی کچھ اپنی فتوحات دکھاؤ (کئی دن ہو گئے کچھ کھایا نہیں)۔ میں نے اللہ تعالیٰ شانُہٗ سے دُعا کی کہ یا اللہ اس کافر کے سامنے مجھے ذلیل نہ فرما۔ میں نے دیکھا کہ فوراً ایک خوان سامنے رکھا گیا جس میں روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور تر و تازہ کھجوریں اور پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے کھایا، پانی پیا اور چل دیئے۔ سات دن تک چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے (اس خیال سے کہ وہ نصرانی پھر نہ کہہ دے) جلدی کر کے اُس نصرانی سے کہا کہ اس مرتبہ تم کچھ دکھاؤ۔ اب کے تمہارا نمبر ہے۔ وہ اپنی لکڑی پر سہارا لگا کر کھڑا ہو گیا اور دُعا کرنے لگا۔ جب ہی دو خوان جن میں ہر چیز اُس سے دو گنی تھی جو میرے خوان پر تھی سامنے آگئے۔ مجھے بڑی غیرت آئی۔ میرا چہرہ فق ہو گیا اور میں حیرت میں رہ گیا اور میں نے رنج کی وجہ سے کھانے سے انکار کر دیا۔ اُس نصرانی نے مجھ پر کھانے کا اصرار کیا مگر میں عذر ہی کرتا رہا۔ اُس نے کہا کہ تم کھاؤ، میں تم کو دو بشارتیں سُناؤں گا۔ جن میں سے پہلی یہ ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مَیں مسلمان ہوگیا ہوں اور یہ کہہ کر زُنّار توڑ کر پھینک دیا۔ اور دوسری بشارت، یہ ہے کہ میں نے جو کھانے کے لیے دُعا کی تھی وہ یہی کہہ کر کی تھی کہ یا اللہ اس محمدی کا اگر تیرے یہاں کوئی مرتبہ ہے تو اس کے طُفَیل تُو ہمیں کھانا دے۔ اس پر یہ کھانا مِلا ہے اور اسی وجہ سے مَیں مسلمان ہُوا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کھانا کھایا پھر آگے چل دیئے۔ آخر مکّہ مکرّمہ پہنچے، حج کیا اور وہ نومسلم مکّہ ہی میں ٹھہر گیا، وہیں اُس کا انتقال ہُوا۔ غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ (روض)۔

کافروں کے اس طرح مسلمان ہونے کے بہت سے واقعات تواریخ کی کُتب میں موجود ہیں۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ بسا اوقات دوسروں کے طُفَیل کسی کو روزی دیتے ہیں، جن کو وہ ملتی ہے وہ اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا کارنامہ ہے، ہماری کوشش کا نتیجہ ہے۔ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ تم کو تمہارے ضُعَفاء کے طُفَیل (اکثر) روزی دی جاتی ہے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ کافروں پر بھی بسا اوقات مسلمانوں کی وجہ سے فتوحات ہوتی ہے جس کو ظاہر میں اُن کی مدد سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ دوسروں کا طفیل ہوتا ہے۔

(۶۹) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ایک غلام خریدا۔ جب میں اُس کو لایا تو مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ کہنے لگا کہ جو نام آقا رکھیں۔ مَیں نے پوچھا کہ تم کیا کام کرو گے۔ کہنے لگا میرے آقا جو آپ حکم دیں گے۔ مَیں نے پوچھا کہ تم کیا کھانا چاہتے ہو (تاکہ میں تمہاری خاطر اُس کا فکر کروں)۔ کہنے لگا میرے آقا جو آپ کھلائیں گے۔ مَیں نے پوچھا کہ تمہارا بھی کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا ہے۔ کہنے لگا، آقا کے سامنے غلام کی خواہش کیا چیز ہے، جو آقا کی مرضی ہے وہی غلام کی خواہش ہے۔ اُس کا یہ جواب سُن کر مجھے رونا آگیا اور مجھے یہ خیال آیا کہ میرا بھی تو میرے مولیٰ (جلّ جلالُہٗ) کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیئے۔ مَیں نے اس سے کہا کہ تم نے تو مجھے اپنے آقا (تعالیٰ ذکرُہٗ) کے ساتھ ادب کرنا سکھا دیا۔ اُس نے اس پر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تیرے کسی بندے کی خدمت مجھ سے پوری پوری ادا ہو جاتے تو اس سے بڑھ کر میرے

لیے اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔ پس تو محض اپنے فضل سے میری کوتاہی اور غفلت کو معاف کر، اس لیے کہ میں تجھے بڑا محسن اور بڑا رحیم سمجھتا ہوں (روض)۔

(۷۰) حضرت مالک بن دینارؒ مشہور بزرگوں میں ہیں۔ اس رسالہ میں بھی ان کے کئی قصے ذکر ہو چکے ہیں۔ وہ ابتدا میں کچھ اچھے حال میں نہ تھے۔ ایک شخص نے اُن سے ان کی توبہ کا قصہ پوچھا کہ کیا بات پیش آئی، جس پر آپ نے اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کی۔ وہ کہنے لگے کہ میں ایک سپاہی تھا اور شراب کا بہت شوقین اور بہت عادی۔ ہر وقت شراب ہی میں منہمک رہتا تھا۔ میں نے ایک باندی خریدی جو بہت خوبصورت تھی اور مجھے اُس سے بہت تعلق تھا۔ اُس سے میرے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مجھے اس لڑکی سے بھی محبت تھی اور وہ لڑکی بھی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ یہاں تک کہ وہ پاؤں چلنے لگی تو اُس وقت مجھے اُس سے اور بھی زیادہ محبت ہو گئی کہ ہر وقت وہ میرے پاس ہی رہتی، لیکن اُس کی عادت یہ تھی کہ جب میں شراب کا گلاس پینے کے لیے لیتا وہ میرے ہاتھ میں سے چھین کر میرے کپڑوں پر پھینک دیتی (محبت کی زیادتی کی وجہ سے اُس کو ڈانٹنے کو دل نہ مانتا)۔ جب وہ دو برس کی ہو گئی تو اُس کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمے نے میرے دل میں زخم کر دیا۔ ایک دن ۱۵ شعبان کی رات تھی۔ میں شراب میں مست تھا، عشا کی نماز بھی نہ پڑھی، اسی حال میں سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حشر قائم ہو گیا، لوگ قبروں سے نکل رہے ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو میدانِ حشر کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے اپنے پیچھے کچھ آہٹ سی سُنی۔ میں نے جو مُڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا اژدہا میرے پیچھے دوڑا ہوا آ رہا ہے۔ اُس کی کیری آنکھیں ہیں، مُنہ کھلا ہوا ہے، اور بے تحاشا میری طرف کو دوڑا ہوا آ رہا ہے۔ میں اُس کے ڈر سے گھبرا کر خوف زدہ زور سے بھاگ رہا ہوں اور وہ میرے پیچھے بھاگا چلا آ رہا ہے۔ سامنے مجھے ایک بوڑھے میاں نہایت نفیس لباس، نہایت مہکتی ہوئی خوشبو ان میں سے آ رہی ہے، ملے۔ میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا۔ میں نے اُن سے کہا۔ خدا کے واسطے میری مدد کیجئے۔ وہ کہنے لگے کہ میں ضعیف آدمی ہوں، یہ بہت قوی ہے، یہ میرے قابو کا نہیں ہے

لیکن تُو بھاگا چلا جا، شاید آگے کوئی چیز ایسی مل جائے جو اس سے نجات کا سبب بن جائے۔ مَیں بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا۔ مجھے ایک ٹیلہ نظر پڑا۔ مَیں اس پر چڑھ گیا، مگر وہاں چڑھتے ہی مجھے جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ اُس ٹیلے کے پرے نظر پڑی۔ اسکی وحشتناک صورت اور اُس کے مَنظر نظر آئے۔ ان سب حالات کے دیکھنے کے باوجود اُس سانپ کی اتنی دہشت مجھ پر سوار تھی اور ایسی طرح بھاگا جا رہا تھا کہ مَیں قریب ہی تھا کہ جہنّم کے گڑھے میں جا پڑوں، اتنے میں ایک زور کی آواز مجھے سُنائی دی۔ کوئی کہہ رہا ہے۔ پیچھے ہٹ تو ان (جہنّمی) لوگوں میں سے نہیں ہے۔ مَیں وہاں سے پھر پیچھے کو دوڑا۔ وہ سانپ بھی میرے پیچھے کو لوٹ آیا۔ مجھے پھر وہ بڑے میاں سفید لباس نظر پڑے۔ مَیں نے اُن سے پھر کہا کہ مَیں نے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ اس اژدھے سے کسی طرح بچائیں، آپ نے قبول نہ کیا۔ وہ بڑے میاں رونے لگے اور کہنے لگے مَیں بہت ضعیف ہوں یہ بہت قوی ہے۔ مَیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ سامنے یہ ایک دوسری پہاڑی ہے، اس پر چڑھ جا، اس میں مسلمانوں کی کچھ امانتیں رکھی ہیں ممکن ہے تیری بھی کوئی ایسی چیز امانت رکھی ہو جس کی مدد سے اس اژدھے سے بچ سکے۔ مَیں بھاگا ہوا اُس پر گیا اور وہ اژدھا میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ وہاں مَیں نے دیکھا ایک گول پہاڑ ہے، اس میں بہت سے طاق (کھڑکیاں) کھلے ہوتے ہیں۔ ان پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ ہر کھڑکی کے دو کواڑ ہیں سونے کے، جن پر یاقوت جڑے ہوئے ہیں، اور موتیوں سے لَدے ہوئے ہیں اور ہر کواڑ پر ایک ریشمی پردہ پڑا ہوا ہے۔ مَیں جب اُس پر چڑھنے لگا تو فرشتوں نے آواز دی کہ کواڑ کھول دو اور پردے اُٹھا دو اور باہر نکل آؤ شاید اس پریشان حال کی کوئی امانت تم میں ایسی ہو جو اس وقت اس کو اس مصیبت سے نجات دے۔ اُس آواز کے ساتھ ہی ایک دم کواڑ کُھل گئے اور پردے اُٹھ گئے اور اُس میں سے چاند جیسی صورت کے بہت سے بچے نکلے۔ مگر مَیں انتہائی پریشان تھا کہ وہ سانپ میرے بالکل ہی پاس آگیا تھا۔ اتنے میں وہ بچے چلّانے لگے، ارے تم سب جلدی نکل آؤ۔ وہ سانپ تو اس کے پاس ہی آگیا۔ اس پر

نو جیں کی نو جیں بچوں کی نکل آئیں ۔ ان میں دفعۃً میری نگاہ اپنی اُس دو سالہ بچی پر پڑ گئی جو مر گئی تھی ۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے لگی اور کہنے لگی ۔ خدا کی قسم یہ تو میرے ابا ہیں اور یہ کہتے ہی تیر کی طرح کود کر ایک نُور کے پلڑے پر چڑھ گئی اور اپنے بائیں ہاتھ کو میرے داہنے ہاتھ کی طرف بڑھایا ۔ میں جلدی سے اُس سے لپٹ گیا اور اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کو اُس سانپ کی طرف بڑھایا ۔ وہ فوراً پیچھے کو بھاگنے لگا ۔ پھر اُس نے مجھے بٹھایا اور خود وہ میری گود میں بیٹھ گئی اور اپنے داہنے ہاتھ کو میری داڑھی پر پھیرنے لگی اور کہنے لگی میرے ابا جان اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا الآیۃ (سورہ حدید ع ۲) "کیا ایمان والوں (میں سے جو لوگ گناہوں میں مُبتلا رہتے ہیں ان) کے لئے اس بات کا وقت ابھی تک نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے واسطے اور اُس حق بات کے واسطے جو اُن پر نازل ہوتی ہے جُھک جائیں" ۔ اُس کی یہ بات سُن کر میں رونے لگا ۔ اور میں نے پوچھا کیا بیٹی تم سب قرآن شریف کو جانتی ہو ۔ وہ کہنے لگی کہ ہم سب قرآن شریف کو تم سب سے زیادہ جانتے ہیں ۔ میں نے پوچھا بیٹی یہ سانپ کیا بلا تھی جو میرے پیچھے لگ گئی تھی ۔ اُس نے کہا ۔ یہ آپ کے بُرے اَعمال تھے ۔ آپ نے اس کو اپنے گناہوں سے اتنا قوی کر دیا کہ وہ آپ کو اب جہنم میں کھینچ کر ڈالنے کی فکر میں تھا ۔ میں نے پوچھا وہ سفید پوش ضعیف بزرگ کون تھے ۔ کہنے لگی وہ آپ کے نیک عمل تھے جن کو آپ نے اتنا ضعیف کر دیا کہ وہ اس سانپ کو آپ سے دفع نہ کر سکے (البتہ اتنی مدد بھی کر دی کہ بچنے کا راستہ بتا دیا) میں نے پوچھا کہ بیٹی تم اس پہاڑ میں کیا کرتی ہو ۔ کہنے لگی کہ ہم سب مسلمانوں کے بچے ہیں ، قیامت تک ہم یہاں رہیں گے آپ کے آنے کے مُنتظر ہیں ۔ جب آپ سب آئیں گے تو ہم سفارش کریں گے ۔ اس کے بعد میری آنکھ کُھل گئی تو اُس سانپ کی دہشت مجھ پر سوار تھی ۔ میں نے اُٹھتے ہی اللہ جل شانہ کے سامنے توبہ کی اور اپنے بُرے اَفعال کو چھوڑ دیا (روض) ۔

یہ رسالہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا ۔ شروع میں تو مختصر ہی لکھنے کا خیال تھا مگر بے ارادہ طویل ہوتا چلا گیا ۔ اور اب اس درجہ تک پہنچ گیا کہ اس کے پڑھنے

کی اُمید بھی کم ہو چلی کہ دینی رسائل کے پڑھنے کے لئے بھی ہم لوگوں کے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لئے دَفعۃً ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے اس ناپاک کو بھی جو ہر وقت مَعاصی اور دنیا ہی میں غرق رہتا ہے اپنی طرف رُجوع کی توفیق عطا فرمائے اور اس ناپاک دنیا سے نفرت کا ذائقہ نصیب فرما دے۔

اس رسالہ کی ابتداء شوال ۱۳۶۶ھ میں ہوئی تھی مگر درمیان میں ایسے عَوارِض پیش آتے رہے کہ اِختتام میں دیر ہی لگتی رہی۔ اب بھی اس میں بہت سی چیزوں کے اِضافہ کا خیال تھا مگر اس کے طویل ہو جانے کی وجہ سے آج ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ شبِ جمعہ کو ختم ہی کر دیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

زکریّا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر علوم
سہارن پور